رياض الصّالحين

ترجمہ :

مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ

تالیف

الشیخ المحدث الفقیہ الامام محیی السنّۃ

ابو زکریا یحیٰی بن شرف النووی رحمہ اللہ

تاج کمپنی

تاج کمپنی
3151-ترکمان گیٹ
دھلی 110 006

1985ء
قیمت: =/45 روپے

مطبوعہ:-
تاج پرنٹرز
69-نجف گڑھ روڈ،
انڈسٹریل ایریا-
نئی دھلی 1100015

فہرست مضامین

تیسرا باب

چوتھا باب

پانچواں باب

نواں باب تفکر

دسواں باب

صفحہ	مضامین

| | **بارھواں باب** |

٭ ٭ ٭

ریاض الصالحین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مقصد مؤلف رحمہ اللہ ✤ مقصد مترجم غفر اللہ لہ

امام نووی رحمہ اللہ کے عہد میں اسلام اور مسلمانوں کی حالت

جلیل القدر محدث، فقیہ، اور عابد وزاہد عالم دین امام ابو ذکریا یحییٰ بن شرف نووی کا زمانہ چھٹی صدی ہجری۔ اسلامی تعلیمات اور دینی معلومات کے علمی وعملی عروج وارتقاء کا وہ زریں عہد ہے جس میں اسلامی زندگی اپنی تمام تر علمی وعملی خصوصیات کے ساتھ شباب پر پہنچی ہوئی تھی۔ اسلامی عقاید، عبادات، احکام ومعاملات، اعمال واخلاق اور ان کا علم مسلمانوں کے تمام طبقوں، خاندانوں اور گھرانوں میں، بطور تعامل وتوارث اور بحیثیت "قومی روایات" کے اس قدر عام اور معروف تھا کہ بغیر کسی خاص تعلیم وتربیت کے اہتمام کے ہر مسلمان ان سے اور ان کے علاوہ اور دین کے اساسی اصول وارکان، اور ان کی حقیقت سے، ماں باپ کی زبانوں سے سنکر اور ان کو عمل کرتا ہوا دیکھ کر بچپن سے ہی بخوبی واقف اور اکثر وبیشتر ان پر عمل پیرا ہوتا تھا۔

مسلمانوں کا معاشرہ خالص اسلامی اور بڑی حد تک دینی تھا، کسی بھی دوسری قوم کی تہذیب ومعاشرت سے قطعاً متاثر نہ تھا بلکہ اسلامی تہذیب وتمدن اور معیشت ومعاشرت، دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں، تمدنوں اور معاشرتوں کو ختم کر کے، ان کی جگہ لے چکی تھی نہ صرف مسلمان، بلکہ اسلامی ملکوں میں بسنے والی غیر مسلم قومیں بھی اسلامی تہذیب وثقافت اور اسلامی تمدن ومعاشرت کے رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔ اس دور کے مسلمان کسی دوسری قوم کی تہذیب ومعاشرت کے پیرو یا نقال تو کیا ہو سکتے تھے وہ تو دنیا کی قوموں کو انسانیت کے لئے، عدل ومساوات اور امن وسلامتی کی ضامن، ایک "فلاحی تہذیب وتمدن" سے روشناس کرانے والے اور اسلامی تہذیب وتمدن کے مؤسس تھے۔

چنانچہ قرون اولیٰ۔ عہد صحابہ وتابعین وتبع تابعین۔ کی نسبت عملی طور پر دینی انحطاط کے باوجود مسلمانوں کا معاشرہ خالص اسلامی اور بڑی حد تک دینی تھا۔ نہ صرف مسلمانوں کی، بلکہ اسلامی ملکوں میں آباد غیر مسلم اقوام کی، زبان بھی عربی تھی، نظام تعلیم اور نصاب تعلیم بھی اسلامی تھا۔ تمام درسگاہوں میں اسلامی علوم۔ قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، اصول فقہ، عقائد، کلام اور ان کے معاون علوم، پڑھے پڑھائے جاتے تھے۔ انہی علوم کے فاضل اور انہی درسگاہوں کے فارغ التحصیل لوگ "عالم" اور "تعلیم یافتہ" کہلاتے تھے۔ ملک کا قانون بڑی حد تک اسلامی تھا، عدالتوں میں فیصلے، فقہ اسلامی کے مطابق کئے جاتے تھے۔ ملکوں میں کاروبار، لین دین، خرید وفروخت فقہ اسلامی کے مطابق ہوتا تھا، حدود وتعزیرات شرعیہ

شرعی سزائیں ملک میں نافذ تھیں۔

اس زمانہ کا ایک فتنہ

اسلام اور مسلمانوں کے لئے اس زمانہ میں سب سے بڑا فتنہ مخبر صادق نبی رحمت ﷺ کی پیشگوئی:

لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةٌ وَفِتْنَةُ أُمَّتِي الْمَالُ (ترمذی) ہر امت کا ایک فتنہ ہوا ہے میری امت کا فتنہ مال ہے کے مطابق مسلمانوں میں مال و دولت کی بے پناہ فراوانی تھی اور اسکے نتیجہ میں پیدا ہونے والے راحت پسندی عیش کوشی اور خواہشات نفس کا تسلط، جیسے خدا اور آخرت کو بھلا دینے والے نفسانی امراض تھے، نہ صرف حکومت اور اقتدار اعلیٰ بلکہ دولت کے تمام وسائل۔ زراعت، تجارت، صنعت و حرفت اور زمینیں جائدادیں تجارتی منڈیاں اور کاروبار سب مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھے یا انکے زیر اقتدار اور زیر اثر تھے اسلئے رفاہیت، خوشحالی اور دولت و ثروت ان کے قدم چوم رہی تھی دولت کی اس فراوانی کے نتیجہ میں دین کا سب سے بڑا دشمن مرض حب دنیا اور حب جاہ مسلمانوں میں عام تھا عیش و عشرت اور راحت پسندی و عیش کوشی جیسے خدا پرستی اور عبادت گذاری کے جذبات کو سرد کر دینے والے مہلک رجحانات مسلمانوں کے دل و دماغ پر مسلط تھے۔

یہی وہ مہلک خطرہ تھا جس کی ہلاکت آفرینی سے رحمت عالم ﷺ نے اپنی امت کو خبردار فرمایا تھا:

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ أَخْشَى أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ (متفق علیہ)	حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پس بخدا مجھے تمہارے بارے میں تنگدستی سے خطرہ مطلق نہیں ہے بلکہ مجھے ڈر ہے کہ دنیا اور اسکی نعمتیں تم پر فراخ کر دی جائیں جیسے تم سے پہلی امتوں پر فراخ کر دی گئی تھیں اور پھر تم اسکی طمع میں اسی طرح سرگرداں ہو جاؤ جیسے وہ سرگرداں ہوئے تھے تو پھر وہ دنیا تمکو اسی طرح ہلاک کر دے جیسے ان کو ہلاک کر ڈالا۔

اس حب دنیا اور محبت مال کے سم قاتل کا تریاق اور مہلک زہر کا توڑ صرف زہد و تقویٰ، فقر و فاقہ، صبر و قناعت کی ترغیب دینا اور ان کے ثمرات و برکات سے امت کو آگاہ کرنا اور دنیوی نعمتوں کی ناپائیداری، بے مائیگی اور ان کے مضرت رساں اور تباہ کن نتائج سے خبردار کرنا ہے۔

چنانچہ چھٹی صدی کے اس علوم ظاہریہ و باطنیہ کے پاک باطن، فقر پیشہ جلیل القدر امام۔ امام نووی نے جنکی زندگی عملی اعتبار سے بھی عبادت و ریاضت، صبر و قناعت اور زہد و تقویٰ کا مثالی نمونہ تھی، زیر نظر کتاب ریاض الصالحین کی وجہ تالیف ذیل کے الفاظ میں بیان کی ہے۔

ترجمہ مقدمہ کتاب

حمد و صلوٰۃ کے بعد علامہ نووی رحمۃ اللہ کا ارشاد ہے:۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝ مَا اُرِيْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَا اُرِيْدُ اَنْ يُّطْعِمُوْنِ (الذاریات ع ۳)

میں نے جن و انس کو صرف اسلئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں میں اُن سے (اپنی کسی مخلوق کے لئے) روزی نہیں چاہتا (میں خود اس کا کفیل ہوں) اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں پلائیں (کہ میں اس سے بالکل منزہ اور بالاتر ہوں)

یہ آیت کریمہ اس امر کی تصریح کرتی ہے کہ جن و انس صرف (اپنے پیدا کرنے والے پروردگار کی) عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں لہٰذا اُن کا فرض ہے کہ وہ اپنے اسی مقصد آفرینش (کے پورا کرنے) پر اپنی تمام تر توجہ صرف کریں اور (اس مقصد سے منحرف کرنے والی) دنیوی کامرانیوں سے زہد و تقویٰ۔ بے اعتنائی اور پرہیزگاری ۔ کے ذریعہ کنارہ کشی اختیار کریں۔ اسلئے کہ (شب و روز کے مشاہدات ثابت کرتے ہیں کہ) یہ دُنیا اور اس کی زندگی) فانی ہے اِس کو بقا اور دوام میسر نہیں، یہ ایک عبوری زندگی ہے (ناپائدار) راحت و مسرت سے یہ محروم ہے (ہر شخص کو بہر صورت) اس سے رشتہ توڑنا (اور مرنا) ہی یہاں ہمیشہ رہنا کسی کو نہیں ہے لہٰذا اس دنیا کے سب سے زیادہ دُور اندیش، دانشمند اور بیدار مغز صرف وہی لوگ ہیں جو (زندگی کے ہر قدم بلکہ ہر سانس پر) عبادت و طاعت خداوندی کو پیش نظر رکھتے اور اسی میں لگے رہتے ہیں اور سب سے زیادہ عقلمند اور دانا وہی لوگ ہیں جو اس پُر فریب دُنیا سے دل نہیں لگاتے جل جلالہٗ کا ارشاد ہے:

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ (یونس ع ۳)

دُنیا کی مثال تو بس ایسی ہے جیسے ہم نے آسمان سے پانی برسایا تو اسکی وجہ سے (رلی ملی) پیدا وار اگ آئی جس کو کھائیں آدمی اور جانور، یہاں تک کہ جب زمین نے اپنی رونق (سر سبزی و شادابی) حاصل کر لی اور (خوب) آراستہ ہوگئی اور زمین والوں نے یقین کر لیا کہ یہ تو ہمارے ہاتھ آگئی تو ناگاہ ہمارا حکم اس پر دن کو یا رات کو آپہنچا، پس کر ڈالا ہم نے اسکو ایسا کاٹا ہوا ڈھیر جیسے کل یہاں کچھ تھا ہی نہیں (اور ان کی ساری اُمیدیں خاک میں مل گئیں) اسی طرح وضاحت کے ساتھ ہم بیان کرتے ہیں قدرت کی نشانیاں ان لوگوں کے سامنے جو غور و فکر کرتے ہیں۔

اسی طرح کی دُنیا۔ اور اسکی دل آویز نعمتوں کی بے مائگی اور بے وقعتی سے متعلق آیات قرآن عظیم میں بکثرت موجود ہیں، شعراء نے بھی اس حسین اور دلکش دُنیا کی حقیقت کو اپنے اشعار میں بکثرت بے نقاب کیا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے اور خوب کہا کہ:

(۱) اِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا فُطَنَا طَلَّقُوا الدُّنْيَا وَخَافُوا الْفِتَنَا

(۱) بیشک اللہ کے کچھ زیرک اور باریک بین بندے ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس دُنیا کے ہلاکت خیز فتنوں سے ڈر کر اس سے قطع تعلق کر لیا ہے۔

(۲) نَظَرُوْا فِیْهَا فَلَمَّا عَلِمُوْا اَنَّهَا لَیْسَتْ لِحَیٍّ وَطَنًا	(۲) اُنہوں نے اس دنیا کو بنظر غائر دیکھا تو جب انکو یقین ہوگیا کہ یہ تو کسی بھی ذی روح کا مستقل وطن نہیں ہے۔
(۳) جَعَلُوْهَا لُجَّةً وَّاتَّخَذُوْا صَالِحَ الْاَعْمَالِ فِیْهَا سُفُنًا	(۳) تو اُنہوں نے اس دنیا کو منجدھار بادر کیا اور اس میں ڈوبنے سے بچنے کے لئے اعمال صالحہ کی کشتیاں تیار کرلیں۔

جب دُنیا کی بے ثباتی اور ہلاکت خیزی کا حال یہ ہے اور اس میں ہماری زندگی اور اس کا مقصد وہ ہے جو میں بیان کر چکا تو ہر عاقل و بالغ انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے لئے اللہ کے نیکو کار بندوں کا راستہ اور ارباب عقل و بصیرت کا مسلک ۔ دُنیا سے بے تعلقی اور کنارہ کشی۔ اختیار کرے اور ہروقت اس مقصد آفرینش ۔ عبادت و طاعت الٰہی ۔ کی تیاری اور اہتمام میں لگا رہے جس پر میں متنبہ کر چکا ہوں۔

اور اس بارے میں سب سے زیادہ درست طریق کار اور صحیح مسلک یہ ہے کہ انسان اسی اُسوۂ حسنہ کو دل و جان سے اختیار کرے جو اگلے اور پچھلے تمام انبیاء کے سردار، اور تمام پہلی اور پچھلی مخلوق میں سب سے زیادہ کرم کے مالک، حبیب رب العالمین۔ ان پر اور تمام انبیاء کرام پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو۔ سے صحیح احادیث کے ذریعے ثابت ہے۔

شارع ﷻ کا بھی ارشاد ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی	نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔

اور نبی رحمت ﷺ کے صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ فِیْ عَوْنِ اَخِیْهِ	اور اللہ بھی بندے کی اعانت کرتا رہتا ہے جب تک وہ اپنے بھائی کی اعانت میں لگا رہتا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا:

من دل علی خیر فلہ مثل اجر فاعلہ	جو شخص کسی کو خیر کا راستہ بتلاتا ہے اُس کو اس خیر پر عمل کرنے والے کی طرح ثواب ملتا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا:

من دعٰی الی ھدًی کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ لاینقص ذٰلك من اجورھم شیئًا	جس شخص نے کسی کو ہدایت کی طرف دعوت دی اُسکو ان تمام لوگوں کا اجر ملے گا جو اس کی پیروی کرینگے اسکے بغیر کہ ان پیروی کرنے والوں کے اجر میں کچھ بھی کمی آئے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطاب کرکے آپ نے ارشاد فرمایا:

فَوَاللّٰهِ لَاَنْ یَّھْدِیَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا واحدًا خیر لك من حُمْرِ النَّعَمِ	اے علی! بخدا اگر ایک آدمی کو بھی اللہ تیرے ذریعہ ہدایت دیدے تو وہ تیرے لئے سُرخ اُونٹوں جیسے بیش بہا مال سے بہتر ہے۔

اِس لئے

میں نے بھی صحیح احادیث کے ایک ایسے مختصر مجموعہ ۔ ریاض الصالحین ۔ کے انتخاب کرنے کا قصد کیا ہے جو ہر پڑھنے اور عمل کرنے والے کے لئے اُخروی زندگی کا مکمل طریق کار ہو آخرت کے ظاہری اور باطنی آداب و اطوار کے حصول کا ذریعہ ہو جس میں (امورِ خیر کی) ترغیب بھی ہو اور (تباہ کن امور سے) تخویف و تنبیہ بھی ہو اور اللہ کے راستے پر چلنے والے سالکین کے طور طریقے بھی ہوں یعنے دنیا کی بے ثباتی اور بے مائگی کو ظاہر کرنے والی حدیثیں بھی ہوں اور نفس انسانی کی اصلاح اور اخلاق کی شائستگی سے متعلق احادیث بھی ہوں اور دلوں کو ذلتوں سے اور دل کی بیماریوں سے پاک و صاف کرنے والی حدیثیں بھی ہوں اور جسمانی اعضاء ۔ آنکھ، کان، زبان اور ہاتھ پاؤں وغیرہ ۔ کی (کجراہی سے) حفاظت اور انکی بے راہ روی کا ازالہ کرنے والی حدیثیں بھی ہوں اور اُن کے علاوہ عارفین اور اولیاء اللہ کے مقاصد و مقامات سے متعلق احادیث بھی ہوں ۔

اور میں اس امر کا التزام کروں کہ حدیثیں بھی صرف وہ ہوں جو صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ واضح بھی ہوں اور ان کا حوالہ کتب بھی مذکور ہو اور ہر باب کے شروع میں اس باب کے مناسب قرآن عظیم کی آیات اور آخر میں مشکل الفاظ کے معنی اور مراد بھی بتلا دوں ۔

(اور) باب میں ہر اس شخص سے جو اس کتاب کے کسی بھی حصہ سے فائدہ حاصل کرے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرے لئے، میرے والدین کے لئے، میرے اساتذہ اور مشائخ کے لئے، تمام دوست و احباب کے لئے اور تمام مسلمانوں کیلئے دعائے خیر کرے ۔

میرا بھروسہ تو صرف رحیم و کریم اللہ پر ہے اسی کے سپرد میرے تمام کام ہیں وہی میرا سہارا ہے اور اللہ ہی میرے لئے کافی ہے اور وہ تو بڑا ہی اچھا کارساز ہے اور بجز عزیز و حکیم اللہ (کی توفیق) کے نہ کسی کام کی طاقت میسر آسکتی ہے نہ قوت

امام نوویؒ کے عہد میں تراجم ابواب اور احادیث کی تشریح کی ضرورت نہ تھی

بہر حال جیسا کہ ہم تفصیل کے ساتھ بیان کر چکے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد میں مسلمانوں کا معاشرہ خالص اسلامی اور بڑی حد تک دینی تھا، نیز دینی تعلیم بھی عام تھی اسلئے ہر مسلمان اسلامی عقائد و عبادات، احکام و معاملات کے ساتھ ہی ساتھ ایمان، اخلاص، توبہ و استغفار، صبر و شکر، ورع و تقویٰ، خوف و خشیت الٰہی وغیرہ اہم دینی موضوعات سے بھی پوری طرح واقف ہوتا تھا اور ان کے زندہ مصداق اور نمونے یعنے عُبّاد و زُہّاد اور متقی و پرہیزگار لوگوں کو اپنے ماحول میں بچشم خود دیکھتا اور جانتا پہچانتا تھا اس لئے اس عہد کے مسلمانوں کے لئے ان حقائق کے لغوی اور شرعی معنی اور ان کی تشریح و تفصیل کی مطلق ضرورت نہ تھی بلکہ صرف عملی رفتار کو تیز کرنے اور دینی رغبت و نشاط پیدا کرنے کی غرض سے ان دینی موضوعات کے دنیوی اور اخروی فوائد و منافع اور برکات و ثمرات سے متعلق قرآن عظیم کی آیات اور احادیث بغیر کسی مزید تفصیل و تشریح کے بیان کر دینا کافی تھا چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ہر موضوع کے عنوان سے باب اور اس سے متعلق قرآن کریم کی آیات اور احادیث بیان کر دینے پر اکتفا کیا ۔

ہمارا زمانہ اور اس کا سب سے بڑا فتنہ اور اس زمانہ میں اسلام اور مسلمانوں کی حالت

لیکن آج سات سو برس بعد اس چودھویں صدی میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ مہلک مرض دین اور دین کے بنیادی موضوعات کی حقیقت سے ناواقفیت اور جہالت، اور اسکے نتیجہ میں دین سے خصوصاً عملی زندگی میں بے تعلقی بلکہ بیزاری ہے اور اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کے حق میں دینی انحطاط کا لازمی نتیجہ دُنیوی انحطاط اور زوال کی صورت میں نکلا ہے مسلمانوں نے خدا کو بھلا دیا خدا نے اُن کو بھلا دیا۔ ارشاد ہے:

نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ (اعراف ع ۶) انہوں نے اللہ کو بھلا دیا پس اللہ نے اُن کو بھلا دیا۔

اسی پر بس نہیں بلکہ خدا فراموشی کے جرم کی سزا دُنیا میں ہی خود فراموشی کی شکل میں دی گئی ہے جس سے ارحم الراحمین نے مسلمانوں کو کھلے لفظوں میں خبردار فرمایا ہے، ارشاد ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (حشر ع ۳)

اور (دیکھنا) تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے ان کو خود اپنے سے بھلا دیا (خود فراموش بنا دیا) وہی لوگ ہیں (اصلی) نافرمان۔

اسلامی حکومتوں کے سقوط یا غیر مسلم طاقتوں سے مغلوب و متاثر ہونے کے بعد مسلمانوں کی حالت اور اسکے اسباب

یعنی دُنیوی لذائذ کی رنگینیوں اور نفسانی خواہشات کے نشہ میں ایسے بدمست ہوئے کہ خدا کے دین کو چار دانگ عالم میں پھیلانے اور قائم کرنے کے صلہ میں جو دولت و ثروت اور حکومت و سلطنت نصیب ہوئی تھی اُس تک کی حفاظت کا ہوش نہ رہا اور زخم خوردہ دشمن یعنی زیرنگین مفتوح و مغلوب قوموں سے بالکل غافل ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ ان مسلمان حکمرانوں کو حکومت و سلطنت اور عیش و عشرت کے نشہ میں مدہوش پا کر دُنیا کے ہر خطہ میں مفتوح قوموں نے آہستہ آہستہ اپنی چھینی ہوئی دولت و ثروت اور حکومت و سلطنت پر اس طرح قبضہ جمانا شروع کر دیا کہ تمام عالم اسلام کی اسلامی حکومتیں کہیں تو بالکل ختم ہی ہو گئیں اور مسلمان حاکم کے بجائے محکوم اور آقا کے بجائے غلام بن کر رہ گئے اور کہیں محض برائے نام حکمران تو مسلمان رہے مگر ملک کی تمام دولت و ثروت اور وسائل دولت، غیر مسلم قوموں کے ہاتھوں میں چلے گئے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ مسلمانوں کی ناقابلِ تسخیر فاتح عالم طاقت و قوت جس نے زبردست ترین حکومتوں اور سلطنتوں کو صفحۂ ہستی سے مٹایا ہے وہ ان کی خدا پرستی کی طاقت اور ایمان باللہ کی قوت تھی جب وہ خدا پرستی کے بجائے خود پرستی اور نفس پرستی میں گرفتار ہو کر اس ناقابل تسخیر ایمانی طاقت و قوت سے یکسر محروم ہو گئے اور خدا اور اس کی کارسازی پر بھروسہ کرنے کے بجائے مادی اسباب و وسائل کی کارسازی اور غیر خدائی طاقتوں کی امداد و اعانت پر بھروسہ اور اعتماد کرنے کے عادی ہو گئے تو دنیا کی تمام غیر مسلم مفتوح و مغلوب اور زخم خوردہ قوموں خصوصاً عیسائیوں اور یہودیوں نے آہستہ آہستہ، انتہائی غیر محسوس طریق پر تمام اسلامی ملکوں میں اقتدارِ اعلیٰ پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جن اسلامی ملکوں میں برائے نام اسلامی حکومتیں ہیں بھی وہ بھی "شاہ شطرنج" کی طرح بالکل بے دست و پا اور انہی دشمنوں کے رحم و کرم پر زندہ ہیں در اصل اقتدار اعلیٰ اور ملک کی دولت و ثروت کے تمام وسائل

تجارت و زراعت صنعت و حرفت۔ پر براہ راست یا بالواسطہ تسلط یا یورپین اقوام کا ہے یا روس و چین وغیرہ لادینی اقوام کا۔

اسلام کے خلاف سب سے مہلک حربہ

اسلامی ملکوں میں یہ برسر اقتدار آنے والی غیر مسلم طاقتیں خوب اچھی طرح جانتی ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کی وہ ناقابل تسخیر روحانی طاقت و قوت۔ جس نے اُن کی سالہا سال پرانی اور تمام مادی وسائل کی مالک حکومتوں کا تختہ الٹ دیا تھا۔ اُن کی خدا پرستی، دینداری کی طاقت اور ایمان باللہ کی قوت ہے جب تک مسلمانوں کے دلوں سے اس کی بیخ کنی نہ کی جائیگی اور مسلمانوں کے معاشرہ کو سرتاسر غیر اسلامی اور لادینی نہ بنایا جائے گا اور ان کے ذہن و فکر کو اسلام اور اسلامی تعلیمات سے یکسر عاری نہ کیا جائے گا اس وقت تک ہمیں چین کی نیند نصیب نہیں ہو سکتی۔

چنانچہ ان برسر اقتدار طاقتوں نے مسلمانوں کو دین سے دُور اور ایمان سے محروم کرنے کے لئے مختلف منصوبے بنائے اور غیر محسوس تدابیر اور طریق کار اختیار کیے جن میں سب سے زیادہ مؤثر اور دُور رس نتائج کا حامل منصوبہ مسلمان ملکوں میں دینی اور اسلامی نظام تعلیم کے بجائے غیر اسلامی، اور دینی علوم سے دُور بلکہ محروم کر دینے والا نظام تعلیم ہے جس کے ذریعے بآسانی مسلمانوں کے ذہن و فکر کو اور اسکے نتیجہ میں انکی تہذیب و معاشرت کو غیر اسلامی بنایا جا سکتا ہے اور خدا پرستی و دینداری کی روحانی طاقت اور ایمان باللہ کی قوت کو فنا کیا جا سکتا ہے۔

برصغیر ہندو پاکستان میں اسلامی حکومت۔ اگرچہ وہ برائے نام ہی اسلامی تھی۔ کے سقوط کے بعد سب سے پہلا حربہ جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف غیر محسوس طریق پر استعمال کیا گیا وہ یہی۔ لارڈ میکالے کا تجویز کردہ۔ غیر اسلامی اور خدا پرستی و دینداری سے محروم کر دینے والا موجودہ نظام تعلیم اور نصاب تعلیم ہے جس کو آزادی کے بیس سال گذر جانے کے باوجود ہم سینے سے چمٹائے ہوئے ہیں۔

موجودہ زمانہ میں ہمارے معاشرہ کی حالت

چنانچہ ایک طرف عہد رسالت سے بُعد کی وجہ سے روز افزوں دینی انحطاط کے باعث اور دوسری طرف ڈیڑھ سو سال سے اس غیر اسلامی نظام تعلیم و تربیت اور اسکے زیر سایہ غیر اسلامی یعنے مغربی تہذیب و معاشرت کے تسلط کی وجہ سے ہمارا معاشرہ ماحول اور نظام زندگی بلکہ ذہن و فکر بھی درحقیقت غیر اسلامی اور لادینی یعنے دین اور دینی تعلیمات سے دُور و محروم اور خدا فراموش بن گیا ہے غیر مسلم اقوام بلکہ دشمنان اسلام کے تجویز کردہ جدید علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل کی ترغیب اور ان کے ذریعہ میسّر آنے والے دنیاوی منافع کی متقاضیانہ کشش نے اور دشمنان اسلام کی دسیسہ کاریوں اور چالبازیوں نے ہمارے ذہنوں میں تعلیم اور تحصیل علم کا تصور وہی مرتسم کر دیا جو سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دیجاتی ہے حتّٰی کہ ہم اپنے عرف میں "تعلیم یافتہ" اسی شخص کو کہتے ہیں جو ایم اے یا بی۔ اے یا کم از کم میٹرک پاس ہو یعنی کسی حکومتی درسگاہ میں تعلیم حاصل کی ہو۔

مسلمانوں کی دین سے ناواقفیت اور جہالت

اس غیر اسلامی اور خدا ناآشنا تعلیم اور نظام تعلیم نے دینی انحطاط اور دین کے بنیادی مسائل عقاید، عبادات،

احکام و معاملات سے اور ان کی حقیقی روح سے ناواقفیت بلکہ بے تعلقی اور بیزاری کی رفتار کو اتنا تیز اور دور رس کر دیا کہ دین کی تڑپ اور خدا پرستی کی لگن اگر کہیں کسی درجہ میں ہے تو وہ یا عوام کے طبقہ میں ہے۔ جو عموماً کسان ہیں یا مزدور پیشہ اور اہلِ حرفہ۔ یا کاروباری طبقہ میں ہے خواہ تاجر ہوں خواہ صنعت کار اور یہ دونوں طبقے اپنی معاشی مصروفیت کی وجہ سے ہمیشہ دینی علوم۔ قرآن تفسیر قرآن، حدیث اصول حدیث، فقہ اصولِ فقہ اور اُن کے معاون علوم۔ کی تعلیم سے دور اور بے بہرہ رہا کرتے ہیں۔

غیر اسلامی تہذیب و تمدن اور مغربی معیشت و معاشرت کو اپنانے کے بھوت نے اس جہالت اور ناواقفیت کے مہلک مرض کو بالکل ہی لاعلاج بنا رکھا ہے۔

اس لئے دین کے وہ بنیادی اور اساسی معلومات۔ عقائد و عبادات اور احکام و معاملات جو اسلام اور مسلمانوں کے اچھے دور اور امام نووی علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں بدیہی امور کی طرح بغیر کسی خاص تعلیم و تربیت کے اہتمام کے معروف اور رائج تھے ہر مسلمان بغیر پڑھے لکھے اُن سے واقف ہوتا تھا، اُن سے آج ہمارا خدا پرست، دیندار اور عبادت گذار طبقہ بھی ناآشنا ہے اُن کی تمام تر دینداری و عبادت گذاری رسمی اور عادی امور کے طور پر جاری و ساری ہے۔

دینی علوم کی درسگاہیں اور ان کے علماء و فضلاء

دینی علوم۔ قرآن، حدیث، فقہ، اور عقائد کی تعلیم قوم کے اُن مٹھی بھر افراد کے اندر محدود ہو کر رہ گئی ہے جو انگریزوں اور اُن کے نقش قدم پر چلنے والے مغرب زدہ حکمرانوں کی یورش اور تاخت و تاراج سے بچے کھچے حکومتوں کی گرفت سے آزاد عربی مدارس ہیں۔ جو درحقیقت ہمارے اسلاف و اکابر کی دینی غیرت و حمیت کی یادگار ہیں۔ ابھی تک علوم دینیہ کی تحصیل اور تعلیم و تعلم میں مصروف ہیں۔

اگرچہ ان دینی مدارس میں علوم دینیہ پڑھنے پڑھانے والے لوگوں کے سامنے بھی تبلیغ احکام الٰہیہ اور خدمتِ دین کا جذبہ فکرِ معاش اور تلاشِ روزگار کے دباؤ کی وجہ سے دوسرے درجہ میں رہ گیا ہے جو تعلق مع اللہ کے ضعف کا نتیجہ ہے تاہم ان مدارس اور ان سے وابستہ اہلِ علم طبقہ کی برکت سے۔ بیشک کے لئے ہی سہی۔ علوم دینیہ قرآن، حدیث، فقہ، عقائد اور ان کے معاون علوم پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ اور قال اللہ و قال الرسول کا چرچا باقی تو ہے دنیا کے اور تمام اسلامی ممالک حتی کہ سرزمین مقدس حجاز اور حرمین شریفین بھی مغرب زدہ اسلامی حکومتوں کے تسلط کی وجہ سے قرآن و حدیث کی باضابطہ تعلیم اور حکومتوں کے اثر سے آزاد دینی مدارس سے یکسر خالی ہو چکے ہیں۔

ان دینی درسگاہوں کے دینی فوائد

بہرحال پاک و ہند کے ان گنے چنے مدارس کے ان مٹھی بھر افراد سے پورے ملک اور پوری قوم کے اندر دینی معلومات۔ عقائد، عبادات اور احکام و معاملات کی کما حقہ اشاعت کی دینی ضرورت تو پوری نہیں ہو سکتی۔ ان مدارس کے تعلیم یافتہ علماء و فضلاء کا طبقہ اتنا ہی کر سکا کہ روزانہ یا ہفتہ وار یا ماہوار مجالس وعظ و ارشاد اور عام تبلیغِ دین کا سلسلہ ان کے دم سے قائم،

کیسے مساجد جمعہ کے منبر اور تبلیغی جلسوں کی مسندیں ان کی بدولت آباد ہیں یا ملک کے اکثر و بیشتر شہروں میں ان لوگوں کے دم سے شرعی احکام معلوم کرنے کے لئے دار الافتاء قائم ہیں۔

ملک اور قوم کا مزاج دینی ہے

ان ہفتہ وار مجالس وعظ وارشاد اور تبلیغی جلسوں میں پوری عقیدت اور خلوص کے ساتھ مسلمانوں کے ہر طبقہ کے افراد کی شرکت سے اور ان دار الافتاؤں میں انسانی زندگی کے ہر شعبے سے متعلق عقائد و عبادات ہوں یا احکام و معاملات ــ لاتعداد استفتاؤں ۔ فتوے دریافت کرنے سے آنا تو قطعی طور پر واضح ہوجاتا ہے کہ ملک اور قوم کا عام مزاج دینی ہے۔ عام طور پر مسلمانوں میں خدا اور اسکے رسول کی حتی الوسع اطاعت اور احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا جذبہ ابھی تک زندہ ہے خدا نا کردہ ابھی تک ملک اور قوم کے عام طبقے خدا فراموشی کی تباہ کن اور ہلاکت خیز حد تک نہیں پہنچے ہیں، مسجدیں بھی نمازیوں سے بڑی حد تک آباد ہیں مجالس وعظ وارشاد بھی قائم ہیں دار الافتاء بھی کھلے ہوئے ہیں۔

یہ عربی مدارس اور انکے فضلا پوری قوم کی جہالت کو دور نہ کرسکے

مگر اسکے باوجود پوری قوم پر بنیادی دینی معلومات تک سے ناواقفیت اور جہالت مسلط ہے۔ عبادت کرتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ عبادت کی روح اور اسکی قبولیت کی شرط کیا ہے؛ نمازیں پڑھتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ نماز کی حقیقت اور اس کی قبولیت کی شرطیں کیا ہیں؛ روزے رکھتے ہیں، زکات و صدقات نکالتے ہیں، حج و عمرہ کرتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ ان تمام عبادات کو بے اثر، بے نتیجہ اور بے کار بنادینے والی چیزیں کیا ہیں رات دن توبہ و استغفار کرتے ہیں، ورد کرتے اور گڑگڑا گڑگڑا کر خدا سے دعائیں مانگتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ اس توبہ و استغفار اور دعاؤں کو بے اثر بنادینے والی چیزیں کیا ہیں ہم نہیں جانتے کہ صدق و اخلاص، صبر و شکر اور تقوی و پرہیزگاری کی حقیقت کیا ہے، اور انسان کی دنیاوی زندگی میں ان کے فوائد و منافع اور ثمرات و برکات کیا ہیں؟ اور ان کو ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی کو سعادت مند اور قابل رشک بنانے میں کتنا بڑا دخل ہے؛ وعظ وارشاد کی مجلسوں، قرآن و حدیث کے درسوں، تبلیغی جلسوں میں شرکت کرتے ہیں مگر اس نیت اور عزم کے ساتھ نہیں کہ قرآن و حدیث کی باتیں جو بیان کی جائیں گی اور ہم سنیں گے ان پر شب و روز کی زندگی میں ہمیں عمل کرنا ہے بلکہ محض اس شرکت کو ایک کار ثواب سمجھ کر شریک ہوتے ہیں مذہبی کتابیں اور رسالے پڑھتے ہیں محض یہ سمجھ کر کہ یہ بھی ایک نیک کام ہے آنا وقت ایک اچھے کام میں لگ جائے گا ثواب ملیگا۔ حالانکہ قرآن و حدیث کی تمام تر تعلیمات واضح لفظوں میں اعلان کررہی ہیں کہ عمل کے بغیر قرآن و حدیث کی تعلیم بھی بے سود اور بے نتیجہ ہے، قرآن کریم میں قدم قدم پر اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کا عنوان اسی حقیقت کا اعلان کررہا ہے شاعر مشرق علامہ اقبال بھی کہہ رہے ہیں ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

تعلیم یافتہ طبقہ کی ناواقفیت

ہمارا وہ پڑھا لکھا طبقہ جو تعلیم یافتہ کہلاتا ہے وہ ایک اور ہی قسم کی نادانی میں گرفتار ہے وہ کہتا ہے کہ قرآن و حدیث کی یہ تمام تر تعلیمات برحق سہی لیکن یہ بتلایئے کہ ہماری آجکل کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ان سے ہمیں کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے؛ اور ان پر عمل کر کے ہم کس طرح فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی حاصل کر سکتے ہیں۔

اس زمانہ میں محض احادیث کا ترجمہ کر دینا کافی نہیں

یہ ہے اس چودھویں صدی کے مسلمانوں کی دین سے ناواقفیت اور نادانی جس کی بنا پر آج مسلمانوں کے سامنے محض قرآن و حدیث کا۔ ترجمہ کر دینا۔ خواہ تصنیف و تالیف کی شکل میں ہو خواہ وعظ و ارشاد کی صورت میں۔ ہرگز کافی نہیں بلکہ اسکے ساتھ ساتھ ایسی سیر حاصل تفصیل و تشریح کی بڑی شدید ضرورت ہے جس سے پڑھنے اور سننے والے یہ محسوس کریں کہ واقعی قرآن و حدیث کی ان تعلیمات پر پختگی کے ساتھ عمل کرنے سے ہماری آخرت بھی سنور سکتی ہے اور شب و روز کی دنیوی زندگی بھی سدھر سکتی ہے۔ اور ہماری انفرادی اور اجتماعی تباہی کا واحد سبب دین کی تعلیمات سے دوری، بے تعلقی اور بیزاری ہے۔

آج ہمارا معاشرہ اس بری طرح تباہ ہو چکا ہے کہ قوم کا ہر فرد حلال و حرام کا فرق، جائز و ناجائز کا امتیاز کئے بغیر نفع اندوزی اور زیادہ سے زیادہ شخصی اغراض و منافع حاصل کرنے میں منہمک ہے جرائم کی کثرت اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ پوری قوم کے اکثر و بیشتر افراد کسی نہ کسی درجہ میں جرائم پیشہ بن چکے ہیں، حکومت جرائم کی بیخکنی کے لئے قانون بر قانون بنا رہی ہے، مگر جرائم ہیں کہ روز بروز خوفناک حد تک بڑھتے چلے جا رہے ہیں جانتے ہیں آپ اسکی وجہ کیا ہے؛ اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے خدا کا خوف اور آخرت کی پکڑ کا ڈر نکل چکا ہے، گناہ و ثواب اور طاعت و معصیت کا احساس ختم ہو چکا ہے وہ شب و روز کی ان بدکاریوں، بدچلنیوں، خیانتوں، ذخیرہ اندوزیوں، حرام خوریوں کو نہ گناہ سمجھتے ہیں نہ حرام و ناجائز۔

اس زمانہ میں مسلمانوں کی اصلاح کا طریقہ

اس لئے معاشرہ سے ان تمام لاعلاج بدکاریوں اور تباہ کاریوں کے ازالہ اور بیخکنی کا واحد علاج مؤثر طریقہ پر قرآن و حدیث کی تعلیمات کے ذریعہ مسلمانوں کے دلوں میں خوف خدا اور آخرت کی پکڑ کا ڈر از سر نو پیدا کرنا اور خدا و رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کے دنیوی فوائد و منافع اور برکات و ثمرات کا یقین کرنا ہے مختصر یہ کہ خدا پرستی کے جذبہ کو پوری کوشش کے ساتھ از سر نو پیدا کرنا اور ابھارنا ہے۔

یہ ہیں وہ دواعی اور محرکات جن کی بنا پر ہم نے ریاض الصالحین کے اس ترجمہ میں صرف ترجمہ کر دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ دینی موضوعات سے متعلق ہر باب کے عنوان کے لغوی اور شرعی معنیٰ دینی اعتبار سے اسکی اہمیت اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت اور اس پر مرتب ہونے والے دنیوی اور اخروی منافع اور ثمرات و برکات نیز اسکے نتیجہ خیز

اور مؤثر ہونے کے شرائط اور وہ موانعات جو اس پر عمل کرنے کے باوجود اُن فوائد و ثمرات سے محروم کر دیتے ہیں جو قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے ہیں، پوری تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ بیان کئے ہیں اس کے بعد بطور ثبوت قرآن کریم کی آیات کو ان تفصیلات پر منطبق کیا ہے، جہاں امام نووی علیہ الرحمۃ کی بیان کردہ آیات اُس مقصد کے لئے ناکافی تھیں وہاں مزید آیات کا اضافہ کیا ہے، اسی طرح ہر باب کے تحت بیان کردہ ہر ہر حدیث پر علیحدہ ذیلی عنوان قائم کئے ہیں تاکہ اس حدیث کی افادیت اور اس باب کے تحت ذکر کرنے کی وجہ۔ جس کو علمی اصطلاح میں "توجمۃ الباب سے مناسبت" کہتے ہیں۔ واضح ہو سکے نیز نبی رحمت ﷺ نے ایک ہی بات کو جن مختلف پیرایوں اور اسلوبوں میں بیان فرمایا ہے، اُن کی خوبی اور عظمت اور اُمت سے رحمۃ للعالمین ﷺ کی محبت و شفقت کا اندازہ ہو سکے۔ اسی طرح اگر کہیں پیش کردہ احادیث میں کچھ اشکالات یا شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں تو تسلی بخش طریق پر ان کا ازالہ کیا گیا ہے۔

ریاض الصالحین کے اس ترجمہ کا مقصد

غرض اس تمام تر کوشش و کاوش کا واحد مقصد اور ریاض الصالحین کا ترجمہ کرنے کی اصل غرض و غایت مسلمانوں پر اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ خاتم انبیاء ﷺ کی ان احادیث نے جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے عرب جیسی جاہل اور تہذیب و تمدن سے ناآشنا قوم کی کایا پلٹنے اور ان کو کفر و شرک، بدکرداری و بد اخلاقی اور گمنامی کی پستی سے اُٹھا کر دنیوی اور اُخروی سرخروئی اور عظمت و تقدس کی بلندی پر پہنچانے میں اکسیر کا کام دیا ہے۔ بالکل اسی طرح نبی رحمت ﷺ کی احادیث آج بھی اور رہتی دنیا تک مسلمانوں کو دینی اور دنیوی تباہ حالی اور سقوط و زوال کی پستی سے نکال کر عزت و عظمت اور دُنیوی و اُخروی کامرانیوں کی بلندی پر پہنچا سکتی ہیں بشرطیکہ مسلمان پورے اخلاص و عقیدت کے ساتھ ان پر پابندی سے عمل کریں اور حق جل شانہٗ کے فرمان کے مطابق نبی رحمت ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کے سانچے میں اپنی زندگیاں ڈھال لیں، ارشاد ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا۔	بخدا تمہارے لئے تو رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونۂ عمل موجود ہے اس شخص کے لئے جو اللہ سے (کوئی) اُمید رکھتا ہے اور یوم آخر سے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى وَاجْعَلْ اٰخِرَتَنَا خَيْرًا مِّنَ الْاُوْلٰى

ضروری گذارش

کتاب پڑھنے سے پہلے اس کو ضرور پڑھیں

تشریحات و فوائد کے اضافہ کی ضرورت و اہمیت اور طوالت کی معذرت

عام طور پر محدثین کا طریقہ ہے کہ وہ حدیث کی کتابوں میں کتاب کے باب یا فصل کا ایک عنوان قائم کرتے ہیں۔ جس کو حدیث کی اصطلاح میں ترجمۃ الباب کہا جاتا ہے پھر اس کے ثبوت کے طور پر قرآن کریم کی آیات اور احادیث اس باب کے تحت ذکر کرتے ہیں بالفاظ دیگر ترجمۃ الباب دعویٰ ہوتا ہے اور وہ آیات و احادیث اس دعوے کی دلیل ہوتی ہیں۔

ایسی صورت میں جب تک پڑھنے والے کو یہ نہ معلوم ہو کہ یہ ترجمۃ الباب ان آیات و احادیث سے کس طرح ثابت ہوتا ہے اس وقت تک ان آیات و احادیث یا ان کے ترجمہ کے پڑھ لینے سے بجز ثواب کے اور کوئی علمی اور اصلاحی فائدہ نیز اس موضوع کی شرعی اہمیت و ضرورت نہیں معلوم ہو سکتی۔

امام نووی علیہ الرحمۃ نے بھی ریاض الصالحین میں اسی طرح الباب اور ان کے عنوانات قائم کئے ہیں اور اُنکے تحت آیات و احادیث ذکر کی ہیں ہر باب کے تحت جو آیات و احادیث ذکر کی ہیں ان میں سے بعض آیات و احادیث کی ترجمۃ الباب یعنے عنوان باب سے مناسبت، تعلق اور اسکا ثبوت ان آیات و احادیث سے واضح ہوتا ہے لیکن بعض آیات و احادیث کا تعلق ترجمۃ الباب سے اس قدر مخفی اور دقیق ہوتا ہے کہ جب تک اسکو واضح نہ کیا جائے محض آیت یا حدیث کا ترجمہ پڑھ لینے سے کچھ سمجھ میں نہیں آتا خصوصاً ان لوگوں کے تو کچھ پلے پڑتا ہی نہیں جو علوم دینیہ کے عالم نہ ہوں۔

مثلاً ساتویں باب کا عنوان مُراقبہ ہے عام طور پر اس لفظ کے معنی وہی سمجھے جاتے ہیں جو صوفیا کے ہاں معروف ہیں یعنی تنہائی میں سر جھکا کے آنکھیں بند کر کے دل کو ماسوی اللہ کے تصور سے خالی کر کے زبان تالو سے لگا کے جلالہ کی طرف متوجہ اور مستغرق ہو کر بیٹھنا اس یقین کے ساتھ کہ اللہ جل شانہ کے سامنے بیٹھا ہوں اور دل سے اللہ اللہ کرنا اسی کو ذکر قلبی کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے ذرا سوچیے کہ اس باب کے تحت ذکر شدہ آیت کریمہ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ (بیشک تیرا رب گھات میں ہے) کا مراقبہ سے کیا تعلق، اسی طرح اسی باب کے تحت ذکر شدہ احادیث میں سے حضرت عمرؓ کی مرفوع حدیث لَا يُسْئَلُ الرَّجُلُ فِيْمَ ضَرَبَ امْرَأَتَهٗ (مرد سے اپنی بیوی کو مارنے پیٹنے پر باز پرس نہ ہوگی کہ کس بات پر مارا) کا مراقبہ سے کیا تعلق ہے۔

یہ تعلق اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتا جب تک مراقبہ کے اُن معانی کی وضاحت نہ کی جائے جن کے لحاظ سے اس کو ترجمۃ الباب بنایا ہے اور پھر حدیث سے اس کے تعلق کی وضاحت نہ کی جائے۔

ریاض الصالحین کے اب تک جتنے اردو یا فارسی ترجمے ہوئے ہیں ان سب میں ترجمہ کرنے والوں نے

عربی کے الفاظ کا اردو یا فارسی میں ترجمہ کر دینے پر اکتفا کیا ہے۔ ترجمۃ الباب کی از روئے لغت اور از روئے اصطلاح شریعت تشریح کی کوشش کی نہ ہی باب کے تحت ذکر شدہ آیات و احادیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت تعلق اور ثبوت کو واضح کرنے کی طرف توجہ کی حالانکہ یہ اتنا اہم اور ضروری دشوار اور مشکل کام ہے کہ قرآن و حدیث اور علوم عربی کی وسیع معلومات کے باوجود ایک عالم بھی بڑے غور و خوض کے بعد سمجھ اور سمجھا سکتا ہے اس لئے ہم نے اول ہر باب کے عنوان کی مکمل تشریح کی ہے اور اس باب سے احادیث کے تعلق اور مناسبت کو واضح کرنے کی بھی طوالت کی پروا کئے بغیر دل کھول کر کوشش کی ہے اور انکے ذہن نشین کرنے کی غرض سے ذیلی عنوانات (بغلی سرخیاں) بھی بکثرت قائم کی ہیں تاکہ پڑھنے والا ان کی روشنی میں آیات و احادیث یا ان کے ترجموں کو پڑھے وباللہ التوفیق۔

(۲) بعض آیات و احادیث کے متعدد اجزا ہوتے ہیں اور وہ مختلف موضوعات و ابواب سے تعلق رکھتے ہیں ایسے موقعہ پر جب تک یہ واضح نہ کیا جائے کہ کون سا جزو کس باب اور کس مسئلہ سے متعلق ہے، ترجمۃ الباب سے کس جزو کا تعلق ہے، اور یہ کہ اس حدیث کو اس باب کے تحت کیوں ذکر کیا گیا ہے؛ اور ان اجزا کا آپس میں کیا ربط ہے؛ اس وقت تک پڑھنے والے کو پورا فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا نہ ہی کماحقہ حدیث کی اہمیت معلوم ہو سکتی ہے اس سلسلہ کی بہترین مثال حدیث جبرئیل علیہ السلام ہے جو مصنف نے مراقبہ کے باب میں ذکر کی ہے کتاب میں سے نکال کر اس حدیث کو پڑھیے؛ اس حدیث میں ایمان، اسلام، احسان سے لے کر علامات قیامت تک پوری دینی تعلیمات آگئی ہیں ان میں سے مراقبہ سے صرف ایک جزو احسان متعلق ہے اور تعلق بھی انتہائی مخفی ہے بظاہر تو ایک جزو بھی ترجمۃ الباب یعنی مراقبہ سے متعلق نہیں چنانچہ اور تمام محدثین اس حدیث کو کتاب الایمان کے تحت ذکر کرتے آئے ایسی آیات و احادیث کا ترجمہ کرنے والا اگر صرف ترجمہ کر کے گذر جائے تو نہ قاری کو حدیث کی عظمت کا علم ہوگا نہ ہی یہ کوئی حدیث کی خدمت ہوگی۔

(۳) بعض احادیث کافی بڑی اور لمبی ہوتی ہیں پڑھنے والا ان کی طوالت کو دیکھتے ہی چھوڑ دیتا ہے کہ کسی فراغت کے وقت پڑھیں گے ہم نے پڑھنے والے کے شوق کو برانگیختہ کرنے کے لئے علیحدہ علیحدہ متعدد ذیلی عنوانات قائم کر کے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ کہنے کو تو اگرچہ یہ حدیث ایک ہے مگر درحقیقت ہر ایک حصہ ایک نئی اور مستقل حدیث ہے اور مستقل مضمون پر مشتمل ہے، اس تدبیر سے پڑھنے والے کو اس طویل حدیث کا تجزیہ کرنا بھی انشاء اللہ آسان ہو جائیگا۔

(۴) امام نووی رحمہ اللہ ہر باب کے تحت احادیث کی بہ نسبت آیات بہت کم نقل کرتے ہیں اسلئے کہ ریاض الصالحین ہے ہی حدیث کی کتاب، حالانکہ بعض ابواب اپنی اہمیت کے اعتبار سے اتنے اہم ہوتے ہیں اور قرآن عظیم میں ان ابواب سے متعلق نہایت اہم اور صریح آیات موجود ہوتی ہیں کہ موضوع کی اہمیت کا تقاضہ ہے کہ ان کا ذکر کیا جائے خاصکر اسلئے بھی کہ وہ آیات ان احادیث کا ماخذ ہوتی ہیں جو باب کے تحت ذکر کی گئی ہیں۔

اس ضرورت کے تحت ہم نے طوالت کی پروا کئے بغیر ضروری آیات اور ان کی تشریحات کا اضافہ کیا ہے اسی طرح

جہاں کسی باب کے تحت ذکر کردہ آیت یا آیات کا ترجمۃ الباب سے تعلق خفی تھا وہاں آیت کی تشریح کر کے اس تعلق کو واضح کیا ہے۔

(۵) حدیث کو ماننے والے مسلمان بھی خاص کر جدید تعلیم یافتہ طبقہ اپنی ناواقفیت کی بناء پر یہ کہا کرتا ہے یا کم از کم دل میں سوچتا ہے کہ: ہم مانتے ہیں کہ بیشک احادیث سب صحیح ہیں لیکن ہماری آج کی انفرادی یا اجتماعی زندگی میں ان احادیث کو پڑھنے اور عمل کرنے کا کیا فائدہ ہماری موجودہ مشکلات کو حل کرنے میں یہ کیا معاون اور کار آمد ہو سکتی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانہ کے مسلمانوں اور اس وقت کے معاشرہ کی اصلاح کے لئے قولاً و عملاً تعلیمات و ہدایات دی ہیں آج نہ وہ زمانہ ہے نہ وہ ظروف و احوال نہ وہ معاشرہ ہمیں تو ہمارے زمانہ اور حالات اور ہمارے معاشرے کے حسب حال مفید تعلیمات و ہدایات درکار ہیں؟

یہ شیطانی وسوسہ صرف دین کی وسیع اور ٹھوس تعلیمات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے قرآن و حدیث کی تعلیمات بیان کرنے والے کا فرض ہے کہ وہ اس زمانہ میں، ان حالات میں اور اس معاشرہ میں ان تعلیمات کی افادیت کو واضح کرے اور موجودہ حالات اور دنیوی زندگی میں بھی ان کے فوائد و منافع اور ثمرات و برکات کی نشاندہی کرے اور ثابت کرے کہ مسلمانوں کی تمام مشکلات کا حل صرف اور محض ان تعلیمات اور ان پر عمل کرنے میں مضمر ہے اور مسلمانوں کی گوناں گوں مشکلات و مصائب کا باعث صرف ان تعلیمات سے دوری، بیزاری اور بے عملی و لاپرواہی ہے۔

اس لئے ہم نے صرف عربی سے اردو میں ترجمہ کر دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان تشریحات و توضیحات کے ذریعہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان قولی و عملی تعلیمات یعنے احادیث کو آج کل کی زندگی اور موجودہ حالات پر منطبق کر کے ان کو سبق آموز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور واضح کیا ہے کہ مسلمانوں کی تمامتر تباہی و بربادی کا باعث صرف ان تعلیمات کو پس پشت ڈال دینا ہے اور بس، اگر آج مسلمان صدق دل سے پوری پابندی کے ساتھ ان پر عمل کرنے لگیں تو سارے دلدّر دور ہو جائیں اور دنیا و آخرت دونوں کی فلاح نصیب ہو جاتے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کوشش کو قبول فرمائیں اور کامیاب و نتیجہ خیز بنا دیں آمین آپ بھی آمین کہئے۔

(۶) منکرین حدیث طرح طرح سے احادیث کی صحت میں شکوک و شبہات پیدا کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ ہر صحیح حدیث قرآن عظیم کی کسی نہ کسی آیت سے ماخوذ ہے اور اسکی وضاحت کرتی ہے اس لحاظ سے قرآن کی وضاحت کے لئے حدیث کا وجود از بس ضروری اور ناگزیر ہے بلکہ درحقیقت حدیث کے بغیر قرآن پر عمل کرنا ہی ممکن نہیں بالفاظ دیگر حدیث کا انکار قرآن کے انکار کے مترادف ہے۔

اس مقصد کے تحت ہم نے تشریح کے ذیل میں ہر حدیث کے "ماخذ" کی نشاندہی کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ اکثر و بیشتر تو مستقل ذیلی عنوان حدیث کا ماخذ کے تحت ایک یا چند آیات ذکر کی ہیں اور جہاں یہ عنوان نہیں ہے وہاں بھی تشریحات کے ضمن میں ان قرآنی آیات کا ذکر کیا ہے جو اس باب کی احادیث کا ماخذ ہیں۔ ذرا سے

غور کرنے سے بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے۔

(۷) اسی طرح آیات واحادیث یا اُن کا ترجمہ سرسری طور پر پڑھنے سے بعض مقامات پہ فی الواقع کچھ شکوک شبہات پیدا ہوتے ہیں یا اعتراضات وارد ہوتے ہیں اگر ان شکوک وشبہات کا ازالہ نہ کیا جائے اور اعتراضات کے جوابات نہ دیئے جائیں تو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے خاص کر ان قارئین کو جن کی دینی معلومات قلیل اور محدود ہوتی ہیں۔

مثلاً دوسرے ہی باب توبہ واستغفار کے ذیل میں امام نووی علیہ الرحمۃ نے حضرت ابو ہریرۃؓ کی حدیث ذکر کی کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں رات دن میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا ہوں"۔ اس حدیث پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جبکہ اللہ جل شانہ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہوں کی مغفرت کا قرآن مجید میں اعلان فرما دیا تو آپ اتنی کثرت سے استغفار کیوں کرتے تھے؟ علاوہ ازیں آپ تو نبی معصوم (گناہوں سے محفوظ نبی) تھے آپ سے کبھی گناہ کرنے کا امکان ہی نہیں پھر توبہ واستغفار کا کیا مطلب؟

علی ہذا القیاس کثرت سے سرسری طور پر آیات واحادیث یا اُن کے ترجمہ پڑھنے سے ایسے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں اور اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ عام طور پر ریاض الصالحین کے ترجمہ کرنے والوں نے اسکی طرف توجہ نہیں فرمائی حالانکہ یہ بڑے خطرہ کی چیز تھی اسلیئے ہم نے طوالت کی پرواہ کئے بغیر ایسے شکوک شبہات کے ازالہ کی اور اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائیں بفضلہ ورحمتہ

یہ ہیں وہ دینی اور علمی تقاضے اور ضرورتیں جن کی بنا پر ہم ان طویل تشریحات وتفصیلات اور فوائد کا اضافہ کرنے پر مجبور ہوتے ہیں درحقیقت ہمارا مطمع نظر صرف ریاض الصالحین کا اُردو میں ترجمہ کردینا نہیں ہے بلکہ عہد حاضر کے تقاضوں کے تحت دیندار اور علم دین کے متلاشی مسلمانوں کے لیے اہم دینی معلومات کا ایک ذخیرہ موثر اور جاذب توجہ انداز میں مہیا کرنا ہے کہ اسوقت یہی سب سے اہم دینی خدمت ہے ہمیں اللہ جل شانہ سے قوی اُمید ہے کہ وہ اس خدمت کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمائیں گے اور مسلمانوں کو اس سے کما حقہ فائدہ اور نفع پہنچائیں گے۔

یَا اِلٰهَ الْعَالَمِیْنَ

تو اس کتاب کے مصنف پر، مترجم اور فوائد نگار پر، کاتب وناشر عنایت اللہ اور اُن کے والدین پر اور صدق دل سے پڑھنے والوں پر اپنے لطف وکرم اور فضل وانعام کی بارانِ رحمت نازل فرما اور زیادہ سے زیادہ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرما اور دین ودُنیا کی فلاح سے سرفراز فرما آمین ثم آمین

محمد ادریس عفی عنہ اُستاد مدرسہ عربیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امام نووی علیہ الرحمۃ کے مختصر حالات

نام و نسب ابوزکریا کنیت یحییٰ بن شرف نام اور النووی وطن کی طرف نسبت ہے۔

تاریخ پیدائش تعلیم اور علمی جلالت قدر شام کے صوبہ دمشق کی ایک بستی "نویٰ" میں ۶۱۸ھ میں پیدا ہوئے سات سال کی عمر میں ایک روشن ضمیر پارسا کی ہدایت پر والد نے پڑھانا شروع کیا اور اٹھارہ سال کی عمر میں ان کے والد نے مرکز علوم و معارف دمشق بھیج دیا وہاں دارالحدیث الاشرفیہ میں داخل ہو کر صرف ۲۲ سال کی مدت میں مہمات علوم و فنون کی تکمیل کی اور تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گئے اور علوم و معارف کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچ گئے کہ مرجع خلائق بلکہ اپنے ہمعصروں کے لئے بھی سرمایہ فخر و مباہات بن گئے۔ اس کم سنی میں اس مقام رفیع پر پہنچنے کا باعث اُن مخصوص انوار و فیوض الٰہیہ کا فیضان ہے جو وہبی طور پر اُن کے حصے میں آیا تھا ویسے اُن کی فطری ذہانت و ذکاوت بھی قدرت خداوندی کا ایک فوق العادۃ کرشمہ تھی۔ ان کی تجرد اور تفرد کی زندگی اور اسکے نتیجہ میں حاصل شدہ کامل و مکمل یکسوئی نے اور بھی سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

فقہ اور حدیث میں امام نووی کی انفرادی شخصیت امام نووی اصول تفقہ و اجتہاد کے اعتبار سے شافعی المذہب ہیں مگر فقہ شافعی میں ان کو وہ عظیم الشان فقہی بصیرت اور کمال تفقہ نصیب ہوا کہ امام الائمہ اور فقہ شافعی کی تحقیق و تنقیح کرنے والے صاحب ترجیح امام بن گئے (یعنے مذہب امام شافعی کے مختلف اقوال و روایات میں جس قول کو وہ مذہب قرار دے دیں وہی شوافع کا مذہب سمجھا جانے لگا) تمام ائمہ شافعیہ اُن کی ترجیحات کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں اور تمام شافعی مسلک کے پیرو علماء امام نووی کے اقوال کو قبول کرنے اور اسی کو شوافع کا مذہب تسلیم کرنے پر متفق ہیں اور اسی پر سختی کے ساتھ قائم ہیں (یعنے اب مختلف فیہ مسائل میں امام شافعی کا مذہب وہی ہے جو امام نووی بتلائیں)

باقی حدیث کے باب میں تو امام نووی کی تصحیح (کسی حدیث کو صحیح قرار دینے) اور تحسین (کسی حدیث کو حسن قرار دینے) پر علماء اُمت کو اتنا اعتماد ہے کہ اُن کا قول سند مانا جاتا ہے۔

امام نووی کی تصانیف یوں تو امام نووی کی مختلف علوم و فنون سے متعلق چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد اُن کے شاگرد رشید امام سخاوی نے پچاس تک بیان کی ہے مگر اُن کی وہ تصانیف جو رہتی دنیا تک اُن کے نام کو زندہ رکھیں گی یہ ہیں۔ فقہ میں: (۱) شرح المہذب (۲) الروضہ (۳) المنہاج

علم حدیث میں حسب ذیل کتابیں لکھی ہیں:

(۱) شرح صحیح مسلم (۲) الاذکار النوویہ کتاب الاذکار (۳) صحیح بخاری کی شرح بھی لکھنی شروع کی تھی کچھ ہی حصہ لکھ پائے تھے کہ وفات پا گئے۔ (۴) ریاض الصالحین من کلام سید المرسلین (علیہ الصلوٰۃ والسلام) (۵) اربعین النوویؒ

علم لغت میں تہذیب الاسماء والکنی امام نوویؒ کی مشہور و معروف کتاب ہے۔

یہ تو امام نووی کی قابل ذکر مبسوط کتابیں ہیں انکے علاوہ اور بھی چھوٹی بڑی مختلف کتابیں لکھی ہیں۔

زھد و تقوٰی میں امام نوویؒ کا مقام امام نوویؒ زھد اور دنیا کی نعمتوں سے بے رغبتی اور کنارہ کشی کے اعلیٰ مقام پر پہنچے ہوئے تھے اور اس باب میں وہ سلف صالحین اور اولیاء عظام کے مسلک پر گامزن تھے۔

امام نوویؒ کے مشاغل امام نووی علیہ الرحمۃ نے ساری عمر قرآن و حدیث اور علوم دینیہ کی درس و تدریس میں صرف کی ہے قال اللہ اور قال الرسول اُن کا مستقل اور دائمی مشغلہ تھا ۶۶۵ھ میں دمشق کی مشہور و معروف درسگاہ دار الحدیث الرواجیہ میں شیخ الحدیث کے منصب پر ایک عرصہ تک فائز رہے اور شاندار علمی اور دینی خدمات انجام دیں۔

امام نووی کی وفات آخر عمر میں دمشق سے اپنے مولد و مسکن نوٰی میں آگئے تھے اور وہیں رجب ۶۷۲ھ میں اڑتالیس سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ امام نوویؒ نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی اسلئے کہ غایت زہد کی بنا پر عمر بھر شادی نہیں کی اللہ تعالیٰ اس عابد و زاہد امام کو اپنے جوار رحمت اور سایۂ عاطفت میں جگہ دیں اور مسلمانوں کو ان کے علوم سے نفع حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

امام نووی علیہ الرحمۃ کی سبق آموز علمی و عملی زندگی اور علوم ظاہریہ و باطنیہ میں فضل و کمال کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) ترجمۃ الامام النووی (۲) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للسبکی (۳) الامام النووی لعلی الطنطاوی دمشق۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب ۱

اِخلاص اور نیت کے بیان میں

تمام نیک کاموں اور قولی و فعلی عبادتوں اور طاعتوں میں، اور تمام ظاہری اور باطنی حالتوں میں اخلاص اور نیت کا موجود ہونا ازبس ضروری ہے۔

تشریح!

اخلاص اور نیت کی اہمیت اور اس باب سے کتاب کو شروع کرنے کی وجہ

خدا پرستی اور عبادت و طاعت کی قبولیت کا تمام تر مدار صرف اخلاص اور نیت کی موجودگی پر ہے چنانچہ ریا اور سمعہ (دکھلاوے اور شہرت کی غرض سے) یا کسی بھی اور دنیوی غرض سے، کسی بھی نیک کام کرنے کو محققین نے "شرک خفی" (چھپا ہوا شرک) قرار دیا ہے حتٰی کہ ایمان و اسلام بھی اگر محض ریاکاری، شہرت طلبی یا اور کسی بھی دنیوی غرض کے لئے ہو تو معتبر نہیں اور اسکو شریعت میں نفاق کہا جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر عمل خیر اور عبادت و طاعت حتٰی کہ ایمان بھی اسی وقت معتبر اور مقبول ہوتا ہے جبکہ وہ محض اللہ کے لئے ہو اور یہی اخلاص خدا پرستی اور عبادت و طاعت خداوندی کی روح اور سب سے مقدم شرط ہے۔

اخلاص کی پہچان

محققین نے قرآن و حدیث کی تعلیمات کے تحت عبادت و طاعت کو ریاکاری اور نفسانی خواہشات سے محفوظ ہونے کی علامت اخفا کو قرار دیا ہے یعنی شرعی ضرورت کے بغیر اپنی عبادت و طاعت کو لوگوں سے چھپانا اور ظاہر نہ کرنا، حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ واقعتاً صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے کام کرتے ہیں اُن کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ اپنی عبادت و طاعت کا حتی الامکان کسی کو پتہ نہ چلنے دیں اگر کسی طریق پر لوگوں کو پتہ چل جاتا ہے تو اُن کو اس پر افسوس ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات شرعی حدود میں وہ کر وہ ایسا طرز عمل اختیار کرتے ہیں کہ لوگوں کے دل سے وہ خیال نکل جائے مثلاً اگر کسی اللہ کے مخلص بندے کے متعلق لوگوں میں مشہور ہو جائے کہ وہ راتوں کو اُٹھ کر اللہ کا ذکر کرتا اور تہجد کی نماز پڑھتا ہے تو وہ چند روز کے لئے اس نفل عبادت کو یا ترک کر دیتا ہے یا کسی اور وقت میں ادا کر لیتا ہے۔

یہی حال نیت کا ہے کہ اگر نیت اور قصد و ارادہ کے بغیر حسب عادت یا اتفاقاً کوئی بھی "عمل خیر" انسان کر لے تو اجر و ثواب سے محروم رہے گا اسکے برعکس اگر حسب عادت کئے جانے والے اچھے کام بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی نیت سے کریگا

تو وہ بھی عبادت بن جائینگے مثلاً انسان بھوک لگنے پر سُنّت کے مطابق کھانا کھائے اِس نیت سے کہ اللہ کا حکم ہے کُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا (کھاؤ پیو مگر فضول خرچی نہ کرو) اسی لئے میں یہ کھانا کھاتا ہوں تو وہ کھانا بھی عبادت بن جائے گا اور اگر بغیر نیت اور قصد و ارادہ کے حسب عادت وضو کر کے بے خیالی میں نماز بھی پڑھ لے گا اور دھیان کسی اور طرف لگا رہیگا تو اُس وضو اور نماز پر بھی کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ غرض عادت اور عبادت میں فرق اور حد فاصل "نیت" ہے نیت اگر ہو تو عادت بھی عبادت بن جاتی ہے اور اگر نیت نہ ہو تو عبادت بھی عادت بن جاتی ہے اور انسان اجر و ثواب سے محروم رہتا ہے

اس زمانہ میں روزہ نماز میں وہ اثر کیوں نہیں رہا جو قرآن و حدیث میں مذکور ہے

فی زمانہ ہم دیکھتے ہیں کہ صوم و صلوٰۃ (روزہ نماز) کے پابند لوگوں کے اندر بھی روزہ نماز کے وہ اثرات و برکات نظر نہیں آتے جو قرآن و حدیث میں بیان کئے گئے ہیں مثلاً نماز کا خاصہ (مخصوص اثر) قرآن کریم میں یہ بیان فرمایا ہے کہ: بے شک نماز فحش اور بُرے کاموں سے روکتی ہے" ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں لوگ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور فحش اور بُرے کام بھی کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں خیانتیں کرتے ہیں، دھوکے دیتے ہیں، بے محابا ظلم اور حق تلفیاں کرتے ہیں اور ان کے علاوہ طرح طرح کے حرام اور ممنوع کام کرتے ہیں اور نمازی کے نمازی ہیں۔ تو اللہ کا کلام تو جھوٹا نہیں ہو سکتا پھر کیا بات ہے کہ نماز کا وہ اثر مرتب نہیں ہوتا جس کی خبر قرآن نے دی ہے؟ بات یہ ہے کہ درحقیقت ہماری یہ نماز وہ نماز ہے ہی نہیں جس کا ذکر قرآن حکیم میں فرمایا ہے اس لئے کہ اوّل تو ہماری ان نمازوں میں وہ خلوص ہی نہیں ہوتا جو بندگی کا تقاضہ اور حق تعالیٰ کے ہاں مقبول و مطلوب ہے، جس کا بیان باب مراقبہ کی پہلی حدیث (حدیث جبرئیل علیہ السلام) کے ذیل میں آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہماری توجہ نماز اور عبادت کی طرف عموماً نہیں ہوتی اور ہم یہ سمجھتے ہی نہیں کہ ہم حق تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہیں اور اُس سے مناجات کر رہے ہیں، ہمارا دھیان اور خیال خدا اور نماز (بندگی) کے بجائے نہ معلوم کہاں کہاں بھٹکتا پھرتا ہے حتیٰ کہ اگر نماز پڑھ چکنے کے بعد ہم سے دریافت کیا جائے کہ امام نے یا خود ہم نے کون کون سی سورتیں پڑھی تھیں تو یا تو ہم بتلا ہی نہ سکیں گے یا بہت کچھ سوچ بچار کے بعد بتلا سکیں گے حالانکہ حدیث شریف میں صاف اور صریح لفظوں میں فرمایا ہے کہ "اللہ غافل اور بے خبر دل والے کی نماز قبول نہیں کرتا" نیز قرآن کریم کی سورۂ ماعون کے اندر ارشاد ہے

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (ماعون: ۴ و ۵)	ہلاکت ہے ان نماز پڑھنے والوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غافل اور بے پروا ہیں جو محض دکھلاوا کرتے ہیں اور عام ضرورت کی چیزیں کو بھی منع کر دیتے ہیں (ادھار نہیں دیتے)

یہی حال ہماری اور تمام عبادتوں کا ہے کہ ہمیں انکی عادت پڑ چکی ہے، جیسے اور بہت سے کام حسب عادت کر لیتے ہیں ایسے ہی نماز بھی حسب عادت پڑھ لیتے ہیں روزہ بھی حسب عادت رکھ لیتے ہیں اسی لئے ہمارے نماز روزہ میں وہ اثر نہیں جو حق تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ ذرا سوچئے! ہم کتنے بڑے خسارے میں جا رہے ہیں اس لئے سب سے مقدم اور ضروری چیز جس سے ہم محروم ہیں اور ہمیں پہلی فرصت میں جسے حاصل کرنا چاہیئے وہ یہی حقیقی اخلاص اور پوری توجہ کے ساتھ نیت اور

عبادت کا قصد و ارادہ ہے جس سے متعلق آیات اور احادیث اس باب میں بیان کی گئی ہیں اسی لئے اس باب کو سب سے پہلے رکھا۔

یہ کتاب کس نیت سے پڑھنی چاہیئے اور کس نیت سے اس کا ترجمہ کیا گیا ہے اور شائع کی گئی ہے

منجملہ اور عبادتوں اور طاعتوں کے چونکہ اس کتاب میں "آیات و احادیث" کا پڑھنا بھی ایک عبادت اور کارِ خیر ہے اس لئے ہر پڑھنے والے کا فرض ہے کہ وہ پورے خلوص کے ساتھ محض جل جلالہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس کتاب کو پڑھے اور اس نیت سے پڑھے کہ میں حتی الامکان اور بقدر طاقت ان آیات اور احادیث پر عمل کر کے حق تعالیٰ شانہ کی رضا اور شافع محشر محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حاصل کروں گا۔ آمین

اس کتاب ریاض الصالحین کے ترجمہ کرنے والے کی نیت بھی اور شائع کرنے والے ادارے تاج کمپنی کا مقصد بھی یہی ہے کہ حق تعالیٰ شانہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث طیبہ کی برکت سے مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ ان پر عمل کر کے فلاحِ دارین (دین دنیا کی فلاح) حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

قرآنِ عظیم

حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :-

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ (بینۃ: ۵)	اور ان اہلِ کتاب کو یہی تو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے عبادت کو خالص کر کے، سب سے منہ موڑ کر، اور نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کیا کریں اور یہی ہے پختہ دین (اور صراطِ مستقیم)

(۲) نیز حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے :-

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۔ (حج: ۳۷)	نہ اللہ کے پاس (قربانی کے جانوروں) کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون لیکن تمہاری پرہیزگاری اس کے پاس پہنچتی ہے

لہ تقویٰ بہت جامع لفظ ہے اس کے لفظی معنی ہیں "پرہیزگاری" جس میں سب سے پہلے اخلاص یعنی خالص اللہ کے لئے عبادت کرنا اور اللہ کی نیت سے کرنا ہم بھی اسی میں داخل ہے۔ تقویٰ کا تفصیلی بیان مستقل باب کے ذیل میں آتا ہے۔

(۳) نیز ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ (آل عمران: ۲۹)

(اے نبی) کہدو: جو تمہارے دلوں میں ہے چاہے تم اُسے چھپاؤ چاہے ظاہر کرو اللہ اس کو (بہر حال) جانتا ہے۔

احادیث

عمل کا مدار نیت پر ہے حدیث نمبر (۱)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے سُنا آپ فرما رہے تھے کہ: اِس کے سوا نہیں کہ عمل کا مدار تو صرف نیت پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملیگا جو اُس نے نیت کی ہو گی چنانچہ (مثلاً) جس شخص نے اللہ اور اُسکے رسول کے لئے ہجرت کی ہو گی (گھر بار چھوڑا ہو گا) اُس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہو گی (دُنیا اور آخرت دونوں میں اُس کا پھل ملیگا) اور جس شخص نے دُنیا کمانے یا کسی عورت سے بیاہ کرنے کے لئے ہجرت کی ہو گی (اور اسکے لئے وطن چھوڑا ہو گا) اُسکی ہجرت اسی چیز (دُنیا یا عورت) کی طرف ہو گی جس کے لئے اُس نے ہجرت کی ہے (ملے یا نہ ملے یہ اُسکی قسمت ہے باقی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ سے اسکو کچھ نہ ملے گا)

تشریح!

نیت کا بیان

نیت کے معنی اگرچہ قصد و ارادہ کے ہیں مگر نیت در اصل اس غرض و غایت کا نام ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے

ف اس آیتِ کریمہ سے بھی معلوم ہوا کہ ہمارے دلوں میں عبادت و طاعت کی نیت اور ارادہ ہونا ضروری ہونے کا، نیز اُس غرض کا جسکے تحت ہم کوئی عبادت و طاعت کر رہے ہیں اسکا حال اللہ تعالیٰ کو خوب اچھی طرح معلوم ہوتا ہے اور اسی کے مطابق وہ عبادت و طاعت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول و مردود ہوتی ہے اس لئے ہر اچھے قول و فعل اور عبادت و طاعت کے وقت اس کی نیت دل میں ضرور کرنی چاہیئے اور خالصاً لوجہ اللہ (صرف اللہ کے لئے) کرنا چاہیئے ۱۲

انسان کوئی کام بالقصد والارادہ کرتا ہے خواہ وہ غرض و غایت اچھی ہو خواہ بُری ـــــ جیسا کہ حدیث میں اچھی اور بری دونوں قسم کی نیتوں کا ذکر ہے ـــــ یہی معنی حدیث میں مراد ہیں چونکہ انسان بعض اوقات بے خیالی میں بغیر کسی خاص نیت اور قصد وارادہ کے بھی کوئی نیک کام یا عبادت کر لیتا ہے اور اللہ کے ہاں ایسا نیک کام یا عبادت مقبول نہیں اور نہ اس پر کوئی اجر و ثواب ملتا ہے۔ اللہ کے ہاں تو وہی عبادت مقبول و مطلوب ہے، جو دل کی پوری توجہ کے ساتھ ہو اور صرف اللہ کے لئے ہو اور کسی دوسری غرض کے لئے نہ ہو اسلئے ہر عمل خیر اور عبادت و طاعت کے وقت دل کا پوری طرح اللہ اور اس کی عبادت وطاعت کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے یہی معنی احضارِ نیت (نیت موجود ہونے) کے ہیں اور اسی معنی میں نیت کا لفظ عموماً استعمال ہوتا ہے۔

زبان سے نیت کرنا ضروری ہے یا نہیں۔

(۲) نیت کا زبان سے کہنا ضروری نہیں بلکہ دل کا اللہ اور اسکی عبادت کی طرف پوری طرح متوجہ ہونا ضروری ہے اگر زبان سے بھی کہہ لے تو کچھ حرج نہیں خواہ عربی میں کہے خواہ اردو میں یا کسی دوسری زبان میں۔

اس حدیث کا ماخذ

(۳) رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی یعنی حدیث إنَّمَا الأعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، اللہ جل شانہ کے فرمان وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ سے ماخوذ اور اسی کا اقتباس ہے آیت کریمہ میں اسی اصول کو قربانی کی مثال میں بیان کیا گیا ہے اور حدیث میں ہجرت کی مثال میں سمجھایا گیا ہے۔ اصول عام ہے کوئی بھی عمل خیر اور عبادت وطاعت ہو اس کا مدار نیت پر ہے جیسی نیت ویسا پھل واللہ اعلم بالصواب

حدیث نمبر (۲) حشر کے دن لوگ اپنی اپنی نیتوں پر اٹھیں گے

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

مخبر صادق ﷺ نے فرمایا: (قیامت کے قریب) ایک لشکر اللہ کے گھر (کعبہ) پر چڑھائی کرنے کے لئے نکلے گا جب وہ زمین کے کھلے میدان میں پہنچے گا تو اس لشکر کے اگلے پچھلے سب لوگوں کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا (اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچے گا) حضرت عائشہ نے عرض کیا: (یا رسول اللہ ﷺ) اگلے پچھلے سب لوگوں کو کیسے (اور کیوں) دھنسا دیا جائے گا؟ ان میں (سب ہی لڑنے والے تو نہ ہونگے، سودا سلف بیچنے والے) دوکاندار بھی ہونگے اور ایسے لوگ بھی ہوں گے

جوان حملہ آوروں میں سے نہ ہونگے (نوکری چاکری کے لئے چلے آئے ہونگے ایسے لوگ بلا قصور کیسے اور کیونکر ہلاک کر دیئے جائینگے ؟) حضور ﷺ نے فرمایا: (اس وقت تو) اگلے پچھلے سب ہی لوگ (ان مجرموں کے ساتھ ہونے کی وجہ سے) دھنسا دیئے جائینگے پھر (حشر کے دن) اپنی اپنی نیت پر اٹھائے جائینگے (جو کعبہ پر چڑھائی کرنے آئے تھے وہ تو مجرموں کے زمرہ میں الگ، اور جو اس نیت سے نہیں آئے تھے وہ الگ کھڑے کئے جائینگے)۔

تشریح!

بدکاروں اور مجرموں سے دُور رہنا چاہیئے۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مجرموں، بدکاروں اور گنہگاروں کے محض ساتھ رہنا بھی عذاب الٰہی اور قہر خداوندی میں گرفتار ہو جانے کا سبب بن جاتا ہے۔ اگرچہ حشر کے دن آخرت کے عذاب سے کوئی اپنی نیک نیتی کی وجہ سے بچ بھی جائے، اسلئے ایسے مجرموں، بدکاروں اور گناہگاروں سے زیادہ سے زیادہ علیحدہ اور دُور ہی دور رہنا چاہیئے۔

اس حدیث کا ماخذ

رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث قرآن کریم کی مذکورہ ذیل آیت کریمہ سے ماخوذ اور اسی کا اقتباس ہے۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ (الانفال: ۲۵) — اور تم اس فتنہ (عذاب) سے ڈرتے اور بچتے رہو جو خاص ظلم کرنیوالے لوگوں (مجرموں) پر ہی نہیں آئیگا (بلکہ سب پر عام ہوگا)

جہاد اور نیت — حدیث نمبر (۳)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد ارشاد فرمایا: فتح (مکہ) کے بعد ہجرت تو (باقی) نہیں رہی (اسلئے کہ مکہ اب دارالاسلام ——— اسلامی شہر ——— بن گیا) لیکن جہاد اور نیت (اب بھی) باقی ہیں (اور قیامت تک باقی رہینگے لہٰذا) جب بھی تم کو جہاد کے لئے روانہ ہونے کی دعوت دی جائے تو فوراً روانہ ہو جاؤ۔

تشریح!

ہجرت۔

مکہ معظمہ کے فتح ہونے سے پہلے مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا اس قدر اہم اور ضروری فرض تھا کہ اگر مکہ کا رہنے والا قدرت رکھنے کے باوجود مکہ سے مدینہ ہجرت نہیں کرتا تھا تو اس کا ایمان و اسلام بھی معتبر نہ ہوتا تھا جب تک کہ وہ مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ نہ آئے لیکن مکہ کے فتح ہوجانے اور دارالاسلام - اسلامی ملک - بن جانے کے بعد یہ خاص ہجرت یا ہجرت کی یہ اہمیت باقی نہیں رہی۔

موجودہ زمانہ میں ہجرت کا حکم

چنانچہ اب اگر کافروں کے ملک میں کوئی شخص مسلمان ہوا اور وہ کفار اسکو اسلامی عبادات و احکام پر عمل کرنے سے نہ روکیں تو اس مسلمان پر اس دارالکفر سے ہجرت کرکے کسی اسلامی ملک میں جاکر آباد ہونا فرض نہیں ہے۔ اسی طرح مسلمان اگر کسی کافروں کے ملک میں آباد ہوں اور وہ کفار ان کو مذہبی آزادی دینے کے لئے تیار ہوں تو وہاں مستقل طور پر سکونت اختیار کرسکتے ہیں اگرچہ بہتر اور افضل اب بھی یہی ہے کہ جو شخص کسی کفار کے ملک میں اسلام لائے وہ اس دارالکفر کو چھوڑ کر کسی اسلامی ملک میں جاکر آباد ہوجائے اسی طرح عام حالات میں مسلمانوں کو کفار کے ملک میں مستقل طور پر وہاں کا شہری بن کر نہ رہنا چاہیئے یہی دینی اور دنیوی مصلحتوں کا تقاضہ ہے تجربہ بھی اس کا شاہد ہے۔ تاہم اب یہ ترکِ وطن (ہجرت) فرض بہرحال نہیں ہے۔ یہی مطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کا ہے کہ: فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی" (ہجرت کے تفصیلی احکام کتب فقہ سے معلوم کیجئے)

جہاد

لیکن اسلام اور کفر کا مقابلہ اور مسلمانوں کی کافروں سے لڑائی اور اس کی تیاریاں رہتی دنیا تک باقی رہیں گی۔ حدیث شریف میں آیا ہے: "جہاد قیامت تک جاری رہے گا" اس لئے جہاد اور اس میں نیک نیتی کا اعتبار اور اسی پر اجر و ثواب کا دار و مدار ہمیشہ باقی رہے گا اسی لئے جب بھی کوئی اسلامی ملک کا مسلمان فرمان روا اللہ کی راہ میں کافروں سے جنگ کرنے کے لئے میدانِ جنگ میں جانے (فوج میں بھرتی ہونے) اور لڑنے کی دعوت دے تو حسبِ استطاعت ہر مسلمان کا - خواہ وہ اس ملک کا باشندہ ہو خواہ کسی دوسرے اسلامی ملک کا - فرض ہے کہ وہ محض اللہ جل شانہ کے دین کی حفاظت کے لئے کفار سے جنگ کرے۔ بجز ان معذور لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی رحمت سے مجبور و معذور قرار دے دیا ہے (جہاد کے فرض ہونے کے شرائط اور تفصیلی احکام کتب فقہ سے معلوم کیجئے)

جہاد اسلام کی سب سے بڑی عبادت ہے

فتح مکہ سے پہلے ہجرت اور جہاد اور اسکے بعد صرف جہاد اسلام کی سب سے زیادہ اہم اور موجب اجر و ثواب عبادتیں ہیں مگر ان دونوں کی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت اور اجر و ثواب ملنے کا مدار صرف اخلاص اور نیت پر ہے اگر رضائے الٰہی کے علاوہ کسی بھی اور نیت سے کرے گا تو یہ عبادتیں بھی مردود ہیں اگر اللہ تعالیٰ کے لئے کرے گا تو دنیا اور آخرت دونوں میں اجرِ عظیم پائے گا یہی اس حدیث کی اصل روح ہے۔

یہ حدیث شریف بھی قرآنِ کریم کی مذکورہ ذیل آیت سے مقتبس اور ماخوذ ہے۔

یُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ط جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہونگے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ (مائدہ:۵۴)

اخلاص کے ساتھ کسی نیک کام کی صرف نیت کرنے پر بھی عمل کا ثواب ملتا ہے

حدیث نمبر(۴)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ایک غزوہ (جنگ) میں گئے ہوئے تھے (راستہ میں ایک دن) آپ نے صحابہ کرام سے خطاب کر کے فرمایا: مدینہ میں کچھ ایسے لوگ رہ گئے ہیں کہ (جو اگرچہ اسوقت تمہارے ساتھ نہیں ہیں مگر) تم نے جو بھی مسافت طے کی ہے اور جس وادی (کھلے میدان) سے تم گزرے ہو وہ تمہارے ساتھ (اور شریک سفر) رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کو صرف دکھ بیماری نے (اس سفر جہاد سے) روک دیا ہے (ورنہ ان کے دل جہاد میں شرکت کے لئے تڑپ رہے ہیں) ایک روایت میں "تمہارے ساتھ ہیں" کے بجائے "وہ اجر میں تمہارے شریک ہیں" آیا ہے یہ تو صحیح مسلم کی روایت ہے۔

حدیث نمبر(۵)

صحیح بخاری میں یہی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے کہ: ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ تبوک (تبوک کی لڑائی) سے واپس آرہے تھے کہ آپ نے فرمایا: بے شک بہت سے وہ لوگ جن کو ہم مدینہ میں چھوڑ آئے ہیں، جس گھاٹی سے ہم گذرے ہیں اور جس وادی کو ہم نے طے کیا ہے وہ لوگ اس میں ہمارے ساتھ رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنکو مجبوری و معذوری نے بے بس کر دیا ہے۔

تشریح!

نیت کی اہمیت

(۱) حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ جو مجبور و معذور لوگ کسی کارِ خیر مثلاً حج جہاد، صدقات و خیرات وغیرہ کا جذبۂ صادق اور پختہ ارادہ و نیت دل میں رکھتے ہیں مگر مجبوری و معذوری کی وجہ سے اس کارِ خیر کو کر نہیں سکتے ان کو بھی اللہ جل شانہٗ اپنی رحمت سے اس نیک نیتی اور باخلاص کی بناء پر اس کارِ خیر کا ثواب عطا فرمادیتے ہیں سبحان اللہ کتنی مفید چیز ہے خلوص اور نیک نیتی! چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص دل سے کسی نیک کام کی نیت کرتا ہے تو ایک نیکی کا ثواب تو اسی وقت اس کے لئے لکھ دیا جاتا ہے اور جب اُس پر عمل کر لیتا ہے تو دس نیکیوں کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے۔ درحقیقت نیک نیتی خود ایک مستقل عبادت، عبدیت (بندگی) کا تقاضہ اور تعلق مع اللہ (اللہ سے تعلق) کی دلیل ہے اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ "آدمی کی نیت اُسکے عمل سے بہتر ہے" لہٰذا انسان کا فرض ہے کہ وہ نیک کام جو اللہ جل شانہٗ کی رضا، خوشنودی اور قرب کا موجب ہیں، اگرچہ ظاہری اسباب و سائل کی بنا پر اس کی قدرت سے باہر بھی ہوں تب بھی اُن پر عمل کرنے کی پختہ نیت، جذبۂ صادق اور شوق کامل اپنے دل میں ضرور رکھے تاکہ اُن کاموں پر عمل کرنے کی سعادت اگر میسر نہ بھی آئے تو کسی نہ کسی درجہ میں اُن کے اجر و ثواب سے تو محروم نہ رہے۔ خصوصاً جہاد کہ اُسکے متعلق تو حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس مسلمان کے دل نے کبھی اُسکو جہاد کے لئے کہا بھی نہیں (یعنی کبھی اسکے دل میں خیال بھی نہیں آیا) اور اسی حالت میں وہ مرگیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا (العیاذ باللہ) اور ظاہر ہے کہ اس نیت، جذبہ اور شوق سے تو بجز بدبختی اور شومئ قسمت کے اور کوئی چیز مانع ہو ہی نہیں سکتی مفت کا اجر و ثواب ہاتھ آتا ہے۔

ہماری حالت

مگر وائے محرومی و شومی کہ ہمارے دلوں کو دُنیوی اغراض و خواہشات نے ایسا مردہ بنا دیا ہے کہ بقول شاعر ع "کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا" یہ سب کچھ ایمان یعنی تعلق مع اللہ کے ضعف کا نتیجہ ہے ہمارا ایمان و اسلام تو اب برائے نام رہ گیا ہے۔ اس لئے ہمیں جلد از جلد اور پہلی فرصت میں اللہ جل شانہٗ سے اپنا رشتہ از سرِ نو جوڑنا چاہیئے اور اس کو زیادہ سے زیادہ پختہ کرنا چاہیئے تاکہ اللہ جل شانہٗ اس "نیک نیتی" اور "نیک عملی" کی سعادت حاصل کرنے کی توفیق ہمیں عطا فرمائیں! آمین۔

باپ کا صدقہ بیٹے کو مل جائے تب بھی باپ کو اس کی نیت کا ثواب ضرور ملتا ہے

حدیث نمبر (۱۶)

حضرت ابو یزید معن بن یزید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

(ایک مرتبہ) میرے والد یزید نے صدقہ کرنے کے لئے کچھ دینار (اشرفیاں) نکالے اور مسجد میں ایک آدمی کے پاس رکھ دیئے (کہ جو ضرورتمند آئے اس کو دے دینا) اتفاق سے میں مسجد میں آیا تو اس آدمی نے مجھے ضرورتمند دیکھ کر وہ دینار دیدیئے) میں نے لے لئے اور انکو لے کر (گھر) آیا اور والد صاحب کو بتلایا تو انہوں نے فرمایا: بخدا (میں نے تجھے دینے کی نیت تو نہیں کی تھی (میں نے تو اور محتاج مسکینوں کو دینے کے لئے رکھے تھے) تو میرے اور اُن کے درمیان بحث ہونے لگی (میں کہتا تھا کہ میں سب سے زیادہ ضرورتمند اور محتاج ہوں پہلے میرا حق ہے وہ کہتے تھے کہ: میں نے تو صدقہ کی نیت سے یہ دینار نکالے ہیں تو تو میری اولاد ہے تیری کفالت تو میرا فرض ہے، اولاد کو صدقہ نہیں پہنچتا آخر کار) ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں فیصلہ کے لئے حاضر ہوتے تو آپ نے (ہم دونوں کے بیان سنکر) فرمایا: اے یزید تم نے جو صدقہ کی نیت سے یہ دینار نکالے ہیں اس کا ثواب تم کو ضرور ملے گا اور (مجھ سے) فرمایا: اے معن! تم نے جو لیا وہ تمہارے لئے (حلال) ہے (جاؤ اپنی ضرورتوں میں خرچ کرو)

تشریح!

اہل وعیال پر صدقہ کا حکم

(۱) زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ مثلاً صدقہ فطر، صدقہ نذر وغیرہ تو اولاد کو دینے سے نہیں ادا ہوتے ہاں نفل صدقات اگر صدقہ کی نیت سے ضرورتمند اور محتاج اولاد کو دیئے جائیں تو ادا ہو جاتے ہیں بلکہ اس میں دوگنا ثواب ملتا ہے صدقہ کا بھی اور صلہ رحمی کا بھی، حضرت یزیدؓ کو غالباً یہ مسئلہ معلوم نہ تھا اس لئے وہ یہ سمجھ کر معترض ہوتے کہ میں صدقہ کے ثواب سے محروم ہو گیا حالانکہ میری نیت یہی تھی۔ حضرت معنؓ کا کہنا یہ تھا کہ میں ضرورتمند بھی ہوں اور آپ کی اولاد بھی اس لئے میں بنسبت اور فقراء و مساکین کے آپ کی اعانت اور صلہ کا زیادہ مستحق ہوں، رسول اللہ ﷺ نے مسئلہ بتلا کر حضرت یزیدؓ کو مطمئن کر دیا کہ تمہاری صدقہ کی نیت کا ثواب تمہیں ضرور ملے گا۔

نیت کا پھل اور اللہ کی شان کرم

دیکھئے اللہ جل شانہ کی شان کریمی! بظاہر حضرت یزید کے وہ دینار گھر کے گھر ہی میں رہے مگر اللہ جل شانہ نے محض اُن کی نیت کی بنا پر اُن کو صدقہ کے اجر و ثواب سے سرفراز فرما دیا۔ سبحان اللہ! سچ فرمایا ہے: دین میں ذرہ برابر تنگی نہیں" کوئی عمل کر کے تو دیکھے۔

ہر مسلمان کو نفل صدقات، صدقہ ہی کی نیت سے سب سے پہلے اپنے محتاج اور ضرورتمند متعلقین اور قرابتداروں کو دینے چاہئیں تاکہ صدقہ اور صلہ رحمی دونوں کا ثواب ملے اور دو عبادتیں ادا ہوں ایک اللہ جل شانہ کی راہ میں صدقہ کرنا دوسرے صلہ رحمی کرنا۔

(۲) یہ حدیث مندرجہ ذیل آیت کریمہ سے ماخوذ و مقتبس ہے۔

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ الآیۃ (البقرۃ: ۱۷۷)

اور مال کی محبت کے باوجود اس کو قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کو دے دیا۔

دیکھئے اس آیت کریمہ میں قرابت داروں کا حق سب سے پہلے رکھا ہے۔

حدیث نمبر (۷) اللہ کی خوشنودی کی نیت سے تو انسان جو کچھ بھی خرچ کرے سب عبادت ہے حتی کہ بیوی کے منہ میں نوالہ بھی اس نیت سے دے تو وہ بھی عبادت اور اجر و ثواب کا موجب ہے

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ جو ان دس صحابیوں میں سے ایک ہیں جن کو جیتے جی دنیا میں ہی جنتی ہونے کی بشارت دے دی گئی ہے۔ سے روایت ہے کہ: (سنہ ۱۰ھ میں) حجۃ الوداع (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج) کے سال (میں مکہ میں جا کر شدید مرض میں مبتلا ہو گیا تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی (آپ پر میرے ماں باپ قربان) میری عیادت (مزاج پرسی) کیلئے میرے پاس تشریف لائے۔ میری بیماری انتہائی شدت اختیار کر چکی تھی (اور حالت نازک ہو گئی تھی) تو میں نے (یہ سمجھ کر کہ یہ میرا آخری وقت ہے) عرض کیا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ میری بیماری خطرناک حد کو پہنچ گئی ہے اور میں کافی مالدار ہوں اور (میری صلبی وارث) صرف میری ایک لڑکی ہے (اسکے لئے تہائی مال بہت ہے) تو کیا میں دو تہائی مال اللہ جل شانہ کی راہ میں صدقہ (فقراء و مساکین کے لئے وصیت) نہ کر دوں؟ آپ نے

فرمایا: "نہیں" میں نے عرض کیا (اچھا) آدھا مال یا رسول اللہ؟ (ﷺ) آپ نے فرمایا "نہیں" تو میں نے عرض کیا: (اچھا) ایک تہائی مال یا رسول اللہ؟ (ﷺ) آپ نے فرمایا "ہاں" تہائی مال (میں حرج نہیں)، اور تہائی بھی بہت ہے" یا فرمایا "بڑا حصہ ہے" (اس کے بعد آپ نے زیادہ سے زیادہ ایک تہائی مال کا صدقہ کرنے اور باقی کو محفوظ رکھنے کی حکمت بیان کی) اور فرمایا: یاد رکھو! (اگر تم اس بیماری میں وفات پا جاتے ہو تو) بے شک تم اپنے وارثوں کو (اپنے مرنے کے بعد) غنی اور مالدار چھوڑو، یہ اس سے (بدرجہا) بہتر ہے کہ تم اُن کو (مالِ میراث سے محروم کر کے) محتاج و مفلس چھوڑو کہ وہ ایک ایک کے سامنے ہاتھ پھیلاتے (اور بھیک مانگتے) پھریں (اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ تہائی مال کی وصیت کرو باقی ورثا کیلئے رہنے دو) اور (اگر تم زندہ رہتے ہو تو) بیشک تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے جو مال بھی خرچ کرو گے تمہیں ضرور اس کا اجر ملے گا یہاں تک کہ تم (اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی نیت سے) اپنی بیوی کے منہ میں لقمہ بھی دو (تو وہ بھی عبادت ہے اور اُس کا بھی تم کو اجر ملے گا - اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ انفاق (خرچ کرنا) اُسی صورت میں ممکن ہے کہ تمہارے پاس مال ہو اسلئے ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت نہ کرو اور باقی مال رہنے دو) اس پر سعد بن وقاص نے عرض کیا: تو کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے ساتھیوں سے پیچھے رہ جاؤں گا؟ (اور آپ کے ساتھ مکہ سے مدینہ واپس نہ جا سکوں گا؟) آپ نے فرمایا: تم پیچھے رہ بھی گئے تو جو بھی نیک کام تم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرو گے یقیناً اُس کی وجہ سے تمہارا درجہ زیادہ (سے زیادہ) اور بلند (سے بلند تر) ہوگا۔ اور غالب تو یہی ہے کہ تم (اس بیماری کے) پیچھے (زندہ) رہو گے اور تمہاری ذات سے

بہت سے لوگوں (مسلمانوں) کو نفع پہنچے گا اور بہت سے لوگوں (کفار) کو ضرر پہنچے گا (مسلمان تمہاری زیر قیادت اموالِ غنیمت اور اجر و ثواب جہاد سے مالا مال ہوں گے اور کفار کو تمہاری جنگ اور تاخت و تاراج سے بے پایاں جانی مالی اور ملکی نقصان اُٹھانا پڑے گا چنانچہ عراق کی لڑائیوں میں ایسا ہی ہوا اسکے بعد حضرت سعد نے جس خطرہ کا اظہار کیا تھا کہ کیا میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ سے مدینہ واپس نہ جاسکوں گا اسکے لئے رسول اللہ ﷺ دُعا فرماتے ہیں) اے اللہ تو میرے صحابہ کی مکہ سے مدینہ ہجرت کو برقرار رکھیو اور اُن کو پچھلی حالت پر نہ لوٹائیو (یعنی پھر مکہ کی سکونت پر اُنہیں مجبور نہ کیجیو) لیکن قابلِ رحم تو ہر بیچارہ سعد بن خولہ (کہ حج کے لئے مکہ آیا اور وہیں اسکی وفات ہوگئی) راوی کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ کا مقصد اس کلمہ سے سعد بن خولہ کی حالت پر تأسف و ترحم کا اظہار ہے کہ اُن کی وفات (آپ کی اس دعا سے پہلے ہی) مکہ میں ہوگئی (اور وہ آپ کی دُعا سے فائدہ نہ اُٹھا سکے)۔

تشریح!

مال کی دینی اہمیت

تمام مالی عبادات اور حقوق العباد ادا کرکے اللہ جل شانہ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ "مال" ہے اور اسی لحاظ سے مال اللہ جل شانہ کی بہت بڑی نعمت ہے اسلئے کہ انسان نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ مالی عبادتوں میں اور اللہ کے مقرر کردہ بندوں کے حقوق ادا کرنے میں اللہ جل شانہ کا دیا ہوا مال خرچ کرکے ہی اسکی رضا اور خوشنودی حاصل کرسکتا ہے اور یہی خرچ کرنا اس نعمت کا شکریہ اور اللہ جل شانہ کے وعدہ کے بموجب دُنیا میں مال کی زیادتی، فراوانی اور برکت کا موجب اور آخرت میں درجات کی بلندی کا باعث ہے ایک مفلس و تہیدست آدمی محض مال نہ ہونے کی وجہ سے ان تمام سعادتوں سے محروم رہتا ہے اسی لئے حدیث میں "مال" کو: "خیر" بتلایا ہے۔

مال دیکھ بھال کر خرچ کرنا چاہیئے

لہٰذا جس شخص کو اللہ جل شانہ نے مال دیا ہے اسے سارا کا سارا مال ایک ہی دفعہ صدقہ خیرات ہی کیوں نہ ہو خرچ نہ کردینا چاہیئے بلکہ تھوڑا تھوڑا اور بقدر ضرورت اپنی، اپنے اہل و عیال کی، قرابتداروں کی،

پڑوسیوں کی اِن کے علاوہ اور حاجتمندوں کی ضرورتوں کو پُورا کرنے اور حقوق العباد ادا کرنے میں صرف کرنا بھی ﷻ کا حکم ہے اور یہی اسکی رضا اور خوشنودی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ حتّٰی کہ اگر بیمار ہو جائے اور زندگی کی کچھ زیادہ توقع نہ رہے تب بھی سارا کا سارا مال فقرا اور مساکین کو صدقہ نہ کر دینا چاہیئے کہ اس میں وفات پا جانے کی صورت میں ورثاء کی حق تلفی ہو گی اور زندہ رہنے کی صورت میں خود خالی ہاتھ رہ جائے گا، نہ اپنی ضرورتیں پُوری کر سکے گا نہ دُوسروں کی، اور اس حق تلفی یا حاجت روائی سے محرومی کا سبب یہی بے اعتدالی ہو گی اسی لئے ﷻ نے منع فرمایا ہے ارشاد ہے:

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا بنی اسرائیل: ۲۹

تم اپنا ہاتھ بالکل ہی نہ کھول دو (سارا کا سارا مال ایک دفعہ ہی نہ خرچ کر دو) کہ تمہیں قابلِ ملامت اور بے دست و پا ہو کر بیٹھنا پڑے

رسول اللہ ﷺ نے مذکورہ بالا حدیث میں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو اور اُن کے بعد آنے والی نسلوں کو سارا کا سارا مال ایک دفعہ ہی صدقہ کر دینے سے منع کرنے کی یہی مصلحت سمجھائی ہے۔ اسی پر ہر مسلمان کو جسے ﷻ نے اس نعمت سے نوازا اور مالدار بنایا ہو عمل کرنا چاہیئے۔

بیوی کے منہ میں نوالہ دینے کو کارِ ثواب بتلانے کی مصلحت

اس حدیث میں کارِ خیر کے ذیل میں بیوی کے منہ میں نوالہ دینے کا ذکر مثال کے طور پر آیا ہے اسلئے کہ انسان اپنی نادانی کی وجہ سے بیوی بچّوں کی دلجوئی کو اور اُن کی ضرورتوں کو پُورا کرنے کو ایک طبعی بلکہ نفسانی تقاضہ سمجھ کر پُورا کرتا ہے اور اجرِ عظیم سے محروم رہتا ہے جیسے اس سے پہلی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے حاجتمند اولاد کی حاجت روائی پر صدقہ کے ثواب کا اعلان فرما کر اُسکے عبادت اور موجبِ ثواب ہونے سے آگاہ فرمایا ہے ایسے ہی اس حدیث میں بیوی کی دلجوئی اور اسکے حقوق کی ادائیگی کو ﷻ کی خوشنودی کا ذریعہ اور اجر و ثواب کا موجب قرار دے کر اُسکے عبادت و طاعت ہونے سے آگاہ فرمایا ہے ایک ایسے ہی موقع پر ایک صحابی نے ازراہِ تعجب عرض کیا: یا رسُول اللہ (ﷺ) ایک شخص اپنی بیوی کا بوسہ لیتا ہے یہ بھی صدقہ ہے؟ (یہ تو سراسر نفسانی خواہش کا تقاضہ ہے) رحمتِ دوعالم ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: اگر یہی بوسہ وہ کسی اجنبی عورت کا لے تو اس پر گناہ ہو گا یا نہیں؟ صحابی نے عرض کیا: "ضرور گناہ ہو گا"۔ اس پر آپ نے فرمایا: "تو جب اُس نے جائز محل میں، اور حلال طریق پر، اپنی خواہش کو پُورا کیا ہے تو اس پر ضرور ثواب ملنا چاہیئے"۔

ہماری نادانی اور ناواقفیت کا نقصانِ عظیم

بہر صورت یہ ہماری بڑی محرومی اور قابلِ صد افسوس نادانی اور غفلت ہے کہ ہم رات دن تمام جائز طبعی تقاضوں اور خواہشوں کو پُورا کرتے ہیں اور اُن میں ﷻ کی اطاعت اور خوشنودی کے حصول کا قطعاً خیال اور نیت نہیں کرتے اور سمجھتے ہیں کہ "یہ تو دُنیوی کام ہے انہیں دین سے کیا تعلق اور ان میں عبادت و طاعت کا کیا دخل" اور غلط فہمی بلکہ کج فہمی کی وجہ سے گوناگوں اجر و ثواب سے محروم رہتے ہیں یہی نہیں، بلکہ طبعی تقاضے اور عادت کے تحت

کئے جانے والے تمام جائز کام اور ان میں مشغولیت وانہماک اس کج بینی اور کج فہمی کی وجہ سے اللہ جل شانہٗ سے غافل اور دُور سے دُور تر ہونے کا سبب بنتے ہیں اسکی وجہ صرف ہماری جہالت یا بے توجہی ہے۔

ہماری ساری زندگی عبادت بن سکتی ہے

کمی اور قصور صرف نیت اور ارادہ کا ہے اگر ہم اپنے ان تمام تر طبعی تقاضوں، خواہشوں اور عادی امور کو پُورا کرنے کے وقت دل میں یہ نیت اور ارادہ رکھیں کہ ہم یہ تمام کام صرف اسلئے کر رہے ہیں کہ اللہ جل جلالہٗ نے اپنی رحمت سے اِن کو ہمارے لئے حلال اور جائز کیا ہے تو ہماری ساری زندگی عبادت اور ہر عادت طاعت اور تمام دنیا دین بن جائے اور ہماری زندگی کے تمام لیل و نہار اللہ جل شانہٗ کی عبادت و طاعت میں گذریں۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ کتنا آسان ہے حق جل شانہٗ کے راستہ پر چلنا! اور کتنا سہل ہے دین پر عمل کرنا مگر وائے محرومی کہ ہم اپنی بے حسی اور بے توجہی کی وجہ سے اس سعادت سے محروم رہتے ہیں۔ اللہ جل جلالہٗ سے دُعا ہے کہ وہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث قدسیہ اور کلمات طیبہ کے پڑھنے سے ہمارے دلوں سے غفلت اور بے حسی کے پردے ہٹا دے اور ہمیں نیک نیتی اور نیک عملی کی توفیق عطا فرمادے۔

حضرت سعد بن خولہؓ کی وفات پر افسوس اور مہاجرین کے لئے دُعا فرمانے کی وجہ

اسلام کے ابتدائی عہد میں یعنی فتح مکہ سے پہلے تک مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا سب سے بڑی عبادت اور سب سے بڑی فضیلت اور عنداللہ قبولیت کا موجب تھا مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آنے والے تمام مہاجرین صحابہ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس ہجرت کو کسی بھی صورت میں فسخ کرنے یعنی فتح مکہ کے بعد مکہ میں جاکر آباد ہونے کو گوارا نہیں کرتے تھے نہ ہی اُن کے لئے جان بُوجھ کر ایسا کرنا جائز تھا ان کو صرف اس امر کا ڈر رہتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم مکہ جائیں حج یا عمرہ کی نیت سے اور کسی ناگہانی بیماری یا آفت سے وہیں وفات پا جائیں اور انجام کار ہم اس ہجرت کی فضیلت سے محروم ہو جائیں۔ جیسا کہ سعد بن خولہ کے ساتھ پیش آیا جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اظہار افسوس فرمایا ہے یہی ڈر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو تھا جس کا اظہار اُنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا۔ چونکہ موت زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے اس لئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق جل شانہٗ سے بھی مہاجرین کی ہجرت کو آخر وقت تک باقی رکھنے کی دُعا فرمائی تب حضرت سعدؓ کو اطمینان ہوا۔

شرعاً مرتے وقت کا صدقہ وصیت ہوتا ہے

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مرتے وقت کا صدقہ وصیت ہوتا ہے اور وصیت زیادہ سے زیادہ ایک تہائی مال میں ہو سکتی ہے اگر مرنے والا اس سے زیادہ کی وصیت کرے تو اُس کا اعتبار نہیں اور ادائے قرض کے بعد ۔ اگر قرض ہو۔ بقیہ مال کا دو تہائی بہر صورت وارثوں کو ملے گا۔

مذکورہ بالا حدیث کے احکام مندرجہ ذیل آیتوں سے ماخوذ و مقتبس ہیں۔

بیوی کی دلجوئی اور اسکے ساتھ اچھا سلوک آیت کریمہ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ سے ثابت ہے اور بیوی کی ضروریات کی کفالت آیت کریمہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا أَنْفَقُوا سے ثابت ہے اور اولاد کی ضروریات کی کفالت وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ سے ثابت ہے۔

اللہ جل شانہ دلوں کو دیکھتے ہیں — حدیث نمبر (۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ جل شانہ نہ تمہارے جسموں کو دیکھتے ہیں نہ تمہاری صورتوں کو لیکن وہ تو تمہارے دلوں کو دیکھتے ہیں (یعنی صرف ظاہری شکل وصورت اور محض ظاہری دینداری کو دیکھنے کے بجائے تمہارے دلوں میں چھپی ہوئی نیتوں کو دیکھتے ہیں)

تشریح!

حدیث کا مطلب اور ایک غلط فہمی کا ازالہ

(۱) اس حدیث شریف کا مطلب بھی وہی نکلتا ہے جو سب سے پہلی حدیث کا ہے کہ اللہ جل شانہ کے ہاں تمام عبادات وطاعات کی قبولیت کا مدار نیتوں پر ہے، صرف اعمال پر نہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مسلمانوں اور دینداروں کی سی شکل وصورت اور ظاہری احکام واعمال کی پابندی اللہ جل شانہ کے ہاں مطلوب نہیں ہے جیسا کہ بعض بے دین لوگ اپنی کافروں کی سی شکل وصورت، وضع قطع، تہذیب ومعاشرت اور بے دینی کا جواز ثابت کرنے اور ظاہری احکام کی اہمیت کو کم کرنے کے لئے کہہ دیا کرتے ہیں: میاں! اللہ جل شانہ شکل وصورت اور ظاہری اعمال کو نہیں دیکھتے وہ تو دلوں کو دیکھتے ہیں، ہمارے دل ایمان کے نور اور خدا پرستی کی روشنی سے معمور ہیں، یہ کھلا ہوا شیطانی دھوکا اور فریب ہے۔ قصداً عبادات واحکام الٰہیہ کو ترک کرنے والے اور غیر مسلموں کی شکل وصورت رکھنے والے لوگوں کی اللہ جل شانہ کے ہاں قبولیت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا وہ تو کھلے ہوئے نافرمان اور بے دین ہیں اگر توبہ نہ کریں گے تو اپنے کئے کی سزا ضرور بھگتیں گے۔ مسلمانوں اور دینداروں کی سی شکل وصورت، وضع قطع اور اسلامی معاشرت اختیار کرنا، کافروں اور بے دینوں کی مشابہت اور نقالی سے احتراز کرنا، اللہ جل شانہ کا حکم ہے، جو اسکی خلاف ورزی کر رہے ہیں وہ قطعاً نافرمان اور گنہگار ہیں، حدیث کا مطلب قطعاً یہ ہے کہ احکام الٰہیہ کی پابندی اور عبادت گزاری اسی وقت کارآمد اور موجب نجات ہو سکتی ہے جبکہ اسکے ساتھ اخلاص اور نیک نیتی بھی ہو ورنہ دکھلاوے یا شہرت یا کسی بھی اور غرض کے لئے کی ہوئی عبادت وطاعت مردود ہے۔

حدیث کا ماخذ۔

یہ حدیث آیت کریمہ لَن یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُومُھَا وَلَا دِمَاؤُھَا وَلٰکِن یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنکُم سے ماخوذ اور مقتبس ہے۔

کونسا جہاد اللہ جل جلالہ کی راہ میں جہاد ہے — حدیث نمبر (۹)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ بعض لوگ بہادری (دکھانے) کیلئے جنگ کرتے ہیں بعض لوگ قومی حمیت و غیرت (کے جذبہ) کی وجہ سے، اور بعض لوگ محض دکھلاوے کے لئے جہاد کرتے ہیں، ان میں سے کونسا جہاد اللہ جل جلالہ کی راہ میں جہاد ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: جو لوگ اسلئے جنگ کرتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کی بات اونچی رہے وہ جہاد اللہ جل جلالہ کی راہ میں جہاد ہے (ان تینوں جنگوں میں سے ایک بھی جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے)

تشریح!

شجاعت و بہادری اور قومی غیرت و حمیت کس صورت میں پسندیدہ ہے

شجاعت اور بہادری، قومی غیرت و حمیت پسندیدہ جذبات ہیں بشرطیکہ یہ اللہ جل جلالہ کے دین کو سربلند کرنے یا سربلند رکھنے کے لئے کارفرما ہوں محض بہادری دکھانے یا ملک و قوم میں ناک کٹنے سے بچنے کے لئے لڑنے کو یقیناً اللہ جل جلالہ کے لئے لڑنا نہیں کہا جاتا، اور نہ ہی وہ عند اللہ پسندیدہ اخلاق و فضائل میں شمار ہوتا ہے، اسی طرح وطن، ملک اور قوم کی حفاظت اور ان کا دفاع فرض ہے۔ مگر اسی وقت جبکہ اس کا اصل مقصود و مطلوب "اللہ جل جلالہ کے دین" کو سربلند رکھنا ہو یہی وہ جہاد فی سبیل اللہ ہے جس میں آخرت کے اجر و ثواب کے ساتھ ساتھ تمام مادی اور دنیوی منافع بھی ضرور حاصل ہوں گے مگر یہ مادی اور دنیوی منافع مسلمانوں اور خدا پرستوں کے اصل مقاصد اور اغراض نہ ہونے چاہئیں۔ جان تو جان دینے والے ہی کی راہ میں دی جاسکتی ہے اور اسی کے حکم پر قربان کی جاسکتی ہے اور ایسی صورت میں شہادت کی زندگی جاویدہ حاصل ہوسکتی ہے۔

جہاد اور جنگ میں فرق

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی جو جنگ محض وطن، قوم اور حکومت یا کسی بھی اور دنیوی غرض کے لئے ہو "وہ" جنگ ہے، جہاد نہیں اسلئے کہ ان اغراض و مقاصد کے لئے تو کفار بھی جنگ کیا کرتے ہیں پھر کافروں اور خدا پرستوں کی لڑائی میں فرق کیا رہا۔ دیکھیئے کتنی بدقسمتی ہے اُن مسلمانوں کی جو اللہ جل جلالہ کے دین کو سربلند کرنے یا رکھنے کی نیت اور قصد کرنے کے بجائے محض ملک، قوم، وطن یا صرف اپنی آزادی اور حکمرانی کو برقرار رکھنے کی خاطر جنگ کرتے ہیں حالانکہ اگر وہ اللہ جل جلالہ کے

حکم کے مطابق صرف ﷻ کے دین کو بلند کرتے کے لئے جنگ کریں تو ملک و قوم و وطن کی آزادی، سربلندی اور تمام دنیوی مفادات آپ سے آپ حاصل ہو جائیں اور دین و دُنیا دونوں کی کامرانیاں اور سرخروئی نصیب ہو۔ یاد رکھو! ﷻ کے دین کی سربلندی کے لئے جہاد کرنے والے کو "مجاہدین اسلام" کے بجائے "مجاہدین قوم" یا "مجاہدین وطن" کہنا بھی کھلی ہوئی جہالت اور ان مجاہدین کی سخت توہین ہے۔ ﷻ مسلمانوں کو جہالت سے بچائے۔

حدیث کا ماخذ

یہ حدیث آیت کریمہ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا (توبہ) سے ماخوذ و مقتبس ہے۔

کسی جرم اور گناہ کے درپے ہونے کی سزا | حدیث نمبر (۱۰)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب دو مسلمان تلواریں سونت کر ایک دوسرے کے مقابلہ پر آجائیں (اور لڑنے لگیں) تو (اس لڑائی میں) قتل کرنے والا (قاتل) اور قتل ہونے والا (مقتول) دونوں جہنمی ہیں" صحابہ نے عرض کیا: قاتل تو بیشک جہنمی ہے (کہ اس نے ایک کلمہ گو مومن کو قتل کیا) مگر مقتول کا کیا قصور ہے (وہ جہنمی کیوں ہے وہ تو شہید ہونا چاہیئے)؟ آپ نے فرمایا: وہ بھی تو اپنے مد مقابل (مسلمان) کو قتل کرنے کے درپے تھا (اتفاق ہے کہ اس کا وار خالی گیا اور کارگر نہ ہوا اور خود قتل ہو گیا)

تشریح!

اعمال و افعال میں نیت کا دخل

دیکھئے انسان کی نیت اس کے اعمال و افعال میں کس قدر موثر اور کارفرما ہے کہ "مقتول مسلمان" نے حالانکہ مسلمان کو قتل نہیں کیا مگر پھر بھی جہنمی ہوا صرف اسلئے کہ وہ ایک مسلمان کے قتل کرنے کے درپے تھا اگر اس کا وار خالی نہ جاتا تو وہ یقیناً اس کو قتل کر دیتا اسی بنا پر جہنمی ہوا۔

سزا میں فرق

مقتول، قاتل کی طرح جہنمی تو ضرور ہوگا، مگر دونوں کے جرم اور سزا میں فرق ہے قاتل ایک مسلمان کو عمداً قتل کرنے کا مرتکب ہوا ہے اسکی سزا ہے مخلد فی النار ہونا (زمانہ دراز تک جہنم میں جلنا) ہے، مقتول کا جرم ہے ایک مسلمان کو قتل کرنے کے درپے ہونا جو مستقل گناہ ہے خواہ قتل کر پائے یا نہ کر پائے اسکی سزا بھی جہنم ہے مگر مخلد نہ ہوگا۔

حدیث کا ماخذ۔

یہ حدیث مذکورہ ذیل آیات سے ماخوذ ہے۔

(۱) وَمَنْ یَّکْتُمْھَا فَاِنَّہٗ اٰثِمٌ قَلْبُہٗ (بقرہ: ۲۸۳) (۲) اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل: ۳۶)

قُلْ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ (بقرہ: ۲۸۴)

نیک نیتی کے ثمرات و برکات | حدیث نمبر (۱۱)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جماعت کے ساتھ (مسجد میں) انسان کی نماز، گھر یا بازار میں نماز (پڑھنے) کے مقابلہ پر چند اور بیس (پچیس۲۵ یا ستائیس۲۷) درجہ افضل ہے اور یہ اسلئے کہ جب ایک شخص (مسجد میں نماز با جماعت ادا کرنے کی نیت سے) وضو کرتا ہے پھر مسجد آتا ہے، اس طرح کہ بجز نماز ادا کرنے کے اور کوئی غرض اسکے اٹھنے اور چلنے کا سبب نہیں ہوتی تو (اس اخلاص اور نیت کے ساتھ) جو بھی قدم وہ زمین پر رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کا ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں اور ایک خطا معاف فرما دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہوتا ہے تو جب سے وہ مسجد میں داخل ہوا اسی وقت سے نماز میں (شمار) ہوتا ہے جب تک کہ نماز کی وجہ سے مسجد میں ٹھیرتا ہے اور (یاد رکھو) جب تک تم میں سے کوئی شخص مسجد میں نماز کی جگہ بیٹھا (اللہ اللہ، ذکر اللہ یا اور کوئی عبادت کرتا) رہتا ہے فرشتے برابر اسکے لئے دعائے رحمت کرتے رہتے ہیں اور کہتے رہتے ہیں کہ الٰہی! تو اس (نمازی) پر رحمت فرما الٰہی! تو اس کی بخشش کر دے، الٰہی! تو اسکی توبہ قبول فرما جب تک کہ وہ (اہل مسجد کو) ایذا نہ پہنچائے یعنی وضو نہ توڑے۔

تشریح!

نیت کے برکات و ثمرات

یہ حدیث پاک نیت کے عظیم ترین ثمرات و برکات کو ثابت کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر بغیر نیت اور قصد ثواب

کہ کوئی شخص گھر سے وضو کر کے مسجد میں آجائے تو یہ خطاؤں کا کفارہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر کسی بھی دوسری غرض سے گھنٹوں مسجد میں رہے مگر قصد اجر و ثواب نہ ہو تو وہ فرشتوں کی مفید ترین اور معصوم دعاؤں کا مستحق نہیں ہو سکتا۔

حدیث کا ماخذ۔

- یہ حدیث حسب ذیل آیات سے ماخوذ ہے۔

(۱) إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ھود: ۱۱۴) (۲) إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ (النساء: ۳۱)
(۳) وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا (المومن: ۷)

نیت نیک اور نیت بد کا فرق | حدیث نمبر (۱۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ اپنے پروردگار بزرگ و برتر سے روایت کرتے ہیں کہ: بے شک جل جلالہ نے تمام نیکیاں (نیک کام) اور تمام بدیاں (برے کام) لکھ دیئے (اور مقرر فرما دیئے) ہیں پھر اُن کو (نبیوں اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ) بیان بھی فرما دیا ہے (کہ یہ نیکیاں ہیں اور یہ بدیاں ہیں) اب جو شخص کسی نیکی (نیک کام کرنے) کا ارادہ کرتا ہے مگر (اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے) اس پر عمل نہیں کر پاتا تو جل جلالہ اس کے لئے (اس کے نامۂ اعمال میں) کامل ایک نیکی (کا ثواب بھی) لکھ دیتے ہیں اور اگر ارادہ بھی کیا اور اس پر عمل بھی کر لیا تو جل شانہ اسکے لئے (کم از کم) دس گنا نیکیوں کا (اور زیادہ سے زیادہ) سات سو گنا نیکیوں تک کا اور اس سے بھی زیادہ چند در چند (یعنی بے شمار نیکیوں کا ثواب) لکھ دیتے ہیں اور اگر کسی بدی (برے کام) کا ارادہ کرتا ہے مگر (خدا کے خوف سے) اس پر عمل نہیں کرتا تو جل جلالہ اپنے ہاں (اس برے کام کے نہ کرنے پر) ایک نیکی (کا ثواب) اس کے لئے لکھ دیتے ہیں اور اگر بدی کا ارادہ کرتا ہے اور اس پر عمل بھی کر لیتا ہے تو جل شانہ (اس کے نامۂ اعمال میں) ایک ہی بدی لکھتے ہیں (زیادہ نہیں لکھتے)

تشریح!

نیت خیر بجائے خود ایک نیکی اور موجب اجر و ثواب ہے

اجر و ثواب کی نیت سے کسی نیک کام کا قصد و ارادہ بھی قلب کا ایک فعل ہے اور ہر فعل و عمل خیر اللہ کے وعدہ کے بموجب اجر و ثواب کا باعث ہے اس لئے ہاتھ پاؤں سے عمل نہ کرنے کے باوجود بھی اس فعل قلب پر ثواب ملتا ہے اور اگر اس پر عمل بھی کر لیا جائے تو چونکہ اسی عمل میں بدن کے اور اعضاء جوارح بھی شریک ہوتے ہیں اس لئے وہ ایک عمل ان کی نسبت سے متعدد اعمال خیر کی صورت اختیار کر لیتا ہے اس کی تفصیل اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے ہر نیکی کے عمل کا ثواب کم از کم دس گنا اور زیادہ سے زیادہ سات سو گنا اور اس سے بھی زیادہ بے حد حساب کس مصلحت سے رکھا ہے علماء محققین کی رائے ہے کہ تکثیر و تضعیف اجر و ثواب (ثواب کو چند در چند اور زیادہ کرنے) کا مدار خلوص اور توجہ الی اللہ کے مراتب و درجات پر ہے جس قدر بلند درجہ کا خلوص ہوگا اسی قدر ثواب زیادہ ہوگا لہٰذا استحضار نیت اور اخلاص کے درجات کی بلندی ہی برکات و ثمرات کا باعث ہوئی اسی لئے امام نووی اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں اسی طرح کسی برے کام کا قصد و ارادہ کرنے کے باوجود محض خدا کے خوف سے اس کام کو نہ کرنا بھی قلب کا فعل ہے اسلئے اس پر بھی ایک نیکی کا ثواب ملنا چاہیئے۔

اس حدیث کا ماخذ۔

مذکورہ ذیل آیت کریمہ اس حدیث کا ماخذ ہیں۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـــُٔـوْلًا (بنی اسرائیل)

برا کام کرنے کی صورت میں صرف ایک ہی برا کام لکھنے کی وجہ

یہ محض اللہ پاک کی کریمی ہے کہ ایک آدمی کے ایک برے کام کو ایک ہی لکھتے ہیں حالانکہ اسکے قلب اور تمام اعضا کا بھی اس میں دخل ہے۔

اخلاص اور نیک نیتی کے کرشمے اور اعمال صالحہ کے فائدے — حدیث نمبر (۱۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ:

میں نے مخبر صادق ﷺ کی زبان مبارک سے سنا آپ فرما رہے تھے: تم سے پہلے کسی امت کے تین آدمی سفر کو روانہ ہوئے (راستہ میں) رات گذارنے کے لئے ان کو ایک غار ملا وہ اسی کے اندر داخل ہو کر سو گئے تو (اتفاق سے) پہاڑ کی ایک چٹان پھسلی اور غار (کے منہ) پر آ گئی اور باہر نکلنے کا راستہ بالکل بند کر دیا (صبح کو بیدار ہو کر جب انہوں نے اس خوفناک مصیبت کو دیکھا) تو انہوں نے (آپس میں)

کہا: اس چٹان (کی آفت) سے تم کو بجز اسکے اور کوئی چیز نجات نہیں دے سکتی
کہ تم (سب اپنی اپنی زندگی کے سب سے زیادہ اچھے اور) نیک عمل کا واسطہ دے کر
اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو (وہی اسکو ہٹا سکتا ہے) تو اُن میں سے ایک (مسافر)
نے کہا: اے اللہ (تو جانتا ہے کہ) میرے بہت بوڑھے عمر رسیدہ ماں باپ
تھے اور میں (روزانہ) اُن سے پہلے اپنے کسی بھی بیوی بچے لونڈی غلام کو شام کا دودھ
پینے کے لئے نہیں دیا کرتا تھا (پہلے اُن کو پلاتا پھر اوروں کو) اتفاق سے ایک
دن میں چارہ کی تلاش میں (ریوڑ کو ساتھ لئے) بہت دُور نکل گیا اور اتنی رات گئے
(گھر) واپس آیا کہ وہ (انتظار دیکھتے دیکھتے بھوکے) سو گئے تھے میں (حسب عادت فوراً
اُن کے لئے بکریوں کا) دودھ نکال کر لایا، تو اُن کو (گہری نیند میں) سوتا ہوا پایا
تو میں نے (اُن کے آرام کے خیال سے) نہ اُن کو جگانا پسند کیا اور نہ اُن سے پہلے
بیوی بچوں وغیرہ کو دودھ پلانا گوارا کیا اور رات بھر اُن کے سرہانے دودھ کا پیالہ
ہاتھ میں لئے کھڑا رہا اور اُن کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا یہاں تک کہ صبح ہوگئی
اور بچے رات بھر میرے قدموں میں پڑے بھوک سے بلکتے رہے۔ بہرحال جب وہ
بیدار ہوگئے اور اُنہوں نے اپنے حصّہ کا دودھ پی لیا (تب ہم سب نے پیا)
اے اللہ اگر میں نے ماں باپ کا یہ احترام اور خدمت تیری رضا کے لئے
کی ہو تو (میرے اس عملِ خیر کے طفیل) تو ہم سب سے اس چٹان کی مصیبت کو جس میں
ہم گرفتار ہیں دُور کر دے تو (اس دعا کے بعد) وہ چٹان تھوڑی سی ہٹ گئی مگر
اس سے وہ نکل نہ سکتے تھے دُوسرے (مسافر) نے کہا: اے اللہ (تو جانتا ہے کہ)
میرے چچا کی ایک لڑکی تھی جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھی۔ دُوسری روایت میں
ہے ـــ مجھے اس لڑکی سے اس سے بھی زیادہ شدید محبت تھی جتنی کسی بھی مرد کو کسی

عورت سے ہوتی ہے چنانچہ میں نے (اس کو اپنی ہوس کا شکار بنانے کیلئے) اس پر کافی ڈورے ڈالے مگر اُس نے صاف انکار کر دیا یہاں تک کہ (اتفاق سے) وہ (مع اپنے خاندان کے) شدید ترین قحط میں مبتلا ہو گئی تو (فقر و افلاس سے مجبور ہو کر) وہ میرے پاس (مدد مانگنے) آئی تو میں نے اس کو ایک سو بیس ۱۲۰ دینار (سونے کے سکے) اس شرط پر دینا کئے کہ وہ مجھے (تنہائی میں) اپنے نفس پر قدرت دے دے وہ (مجبوراً اس پر) آمادہ ہو گئی یہاں تک کہ جب میں نے اس پر پورا قابو پالیا — دوسری روایت میں ہے — جب میں اُس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا، تو اُس نے (بڑی عاجزی سے) کہا: ارے خدا کے بندے! اللہ سے ڈر بغیر "حق" کے مُہر کو مت توڑ (اس امانت کو ہاتھ مت لگا) (الٰہی! صرف تیرا واسطہ دینے اور خوف کی وجہ سے) میں فوراً ہٹ گیا حالانکہ مجھے اس سے بے انتہا محبت تھی (اور وہ اپنے نفس کو میرے حوالہ کر چکی تھی، اور میں جو چاہتا اُسکے ساتھ کر سکتا تھا) اور وہ سونے کے سکے بھی جو میں نے اسکو دیئے تھے اسی کے پاس چھوڑ دیئے خدایا اگر میں نے یہ نیک کام صرف تیری رضا کے لئے کیا ہو تو اس مصیبت کو جس میں ہم سب گرفتار ہیں دُور کر دے تو (اس دُعا کے بعد) چٹان اور تھوڑی سی ہٹ گئی مگر پھر بھی وہ غار میں سے نہیں نکل سکتے تھے تو تیسرے (مسافر) نے کہا: اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے (ایک مرتبہ) چند مزدوروں سے اُجرت پر کام کرایا تھا اور (کام ختم ہو جانے کے بعد) میں نے اُن سب کی مزدوری بھی دے دی تھی بجز ایک مزدور کے کہ اُس نے (کسی وجہ سے) اپنی مزدوری نہ لی اور چلا گیا تو میں نے اُسکی مزدوری کی رقم کو کاروبار میں لگا دیا یہاں تک کہ وہ (رقم (بڑھتے بڑھتے) بہت زیادہ مال

بن گئی تب (ایک دن) وہ مزدور آیا اور اس نے کہا: اے اللہ کے بندے! میری مزدوری تو دے دے، میں نے کہا: یہ اونٹ گائیں بکریاں اور لونڈی غلام سب تیری مزدوری (کی پیداوار) ہیں (آؤ اور شوق سے لے جاؤ) تو اس مزدور نے کہا: اللہ کے بندے میرے ساتھ دل لگی نہ کر (مجھے بیوقوف مت بنا) میں نے کہا: میں تمہارے ساتھ مطلق دل لگی نہیں کر رہا در حقیقت یہ تمام مویشی اور لونڈی غلام تمہاری مزدوری کی پیداوار ہیں اور تمہارے ہیں تم شوق سے لے جاؤ) تو اس نے وہ سب مویشی اور لونڈی غلام مجھ سے لے لئے اور سب کو ہنکا کر لے گیا اور کچھ نہیں چھوڑا۔ اے اللہ اگر یہ کارِ خیر میں نے صرف تیرے لئے کیا ہے تو (اسکے طفیل) تو اس مصیبت کو جس میں ہم گرفتار ہیں ہم سے دور کردے چنانچہ چٹان غار کے منہ سے بالکل ہٹ گئی اور وہ (اطمینان سے) چل کر باہر نکل آئے۔

تشریح!

اعمال صالحہ کا وسیلہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اخلاص اور نیک نیتی سے کئے ہوئے اعمال صالحہ انسان کو کیسی کیسی آفتوں اور مصیبتوں سے بچاتے اور نجات دلاتے ہیں نیز یہ کہ ایسے اعمال صالحہ کے "وسیلہ" سے مانگی ہوئی دعا حق جل شانہٗ ضرور قبول فرماتے ہیں۔ علماء نے اسی حدیث کی بناء پر ایسے اعمال صالحہ کو دعا کا "وسیلہ" بنانے کو آداب دعا میں شمار کیا ہے۔

ان اعمال صالحہ کا تجزیہ اور اہمیت

اس قصہ میں تین اعمال صالحہ کا ذکر آیا ہے (۱) پہلے مسافر کے واقعہ میں "خدمتِ والدین" کا اعلیٰ ترین معیار پیش کیا گیا ہے کہ ایسی ہونی چاہیئے ماں باپ کی خدمت کسی نہ کسی درجہ میں سب ہی کرتے ہیں مگر اس درجہ کی ماں باپ کی خدمت واقعی مشکل کام ہے اور پھر وہ بھی محض حق جل شانہٗ کی خوشنودی کے لئے "حقوق العباد" (بندوں کے حقوق) میں سب سے مقدم اور اہم حق ماں باپ کا ہے قرآنِ کریم میں حق جل شانہٗ کی عبادت کے بعد دوسرا فرض

بِرّ وَالِدَین (ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک) قرار دیا ہے یہاں تک کہ ماں باپ کو شرعاً اس کی بھی اجازت ہے کہ وہ اولاد سے دریافت کئے بغیر اپنی ضروریات اسکے مال میں سے پوری کرسکتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اولاد کو مخاطب کرکے فرمایا ہے: "تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے" اور ماں باپ کی جھجک کو دور کرنے کے لئے ارشاد ہے: "تمہاری اولاد بھی تو تمہاری کمائی ہے" (۲) دوسرے مسافر کے واقعہ میں "عفت" اور پاک دامنی کا بلند ترین معیار پیش کیا گیا ہے۔ درحقیقت صحیح معنی میں "عفت" وہی ہے جہاں گناہ کے تمام ذرائع اور وسائل موجود ہوں اور کوئی مانع، بلکہ ذرا سی بھی رکاوٹ نہ ہو اسکے باوجود اِتَّقِ اللّٰهَ (اللہ سے ڈر) سنتے ہی اور خدا کے خوف کا نام آتے ہی عین موقع پر گناہ سے باز آجائے۔ پاک دامن لوگ بکثرت ہوتے ہیں مگر عموماً اُن کی پاکدامنی کا باعث مواقع کا میسّر نہ آنا یا نتائج بد کا خوف ہوتا ہے حقیقی پاکدامنی وہی ہے جس میں مواقع بھی میسّر ہوں اور نتائج بد کا اندیشہ بھی نہ ہو اور پھر انسان محض خدا کے خوف کی وجہ سے عین گناہ کے موقع سے ہٹ جائے، بڑی بہادری کا کام ہے۔ اور کردار کی بہت بڑی بلندی کا ثبوت ہے (۳) تیسرے مسافر کے واقعہ میں انسانی "ہمدردی" "خیر خواہی" اور "امانت" و "دیانت" کی بلند ترین مثال پیش کی گئی ہے یہ شخص بلا تکلف اس مزدور کی طے شدہ مزدوری دے کر تمام مال بچا سکتا تھا اس لئے کہ شرعاً اور قانوناً وہ اسی مزدوری کا حقدار تھا جو طے ہوئی تھی اور یہی اس کا مطالبہ بھی تھا، مگر اس شخص نے اسکی مزدوری کی رقم کاروبار میں لگا کر اصل رقم اور اس کا پورا پورا تجارتی منافع اس کو دے کر امانت و دیانت کا بھی اعلیٰ ترین ثبوت دیا اور ہمدردی و خیر خواہی کی بھی قابلِ تقلید مثال قائم کی اور صرف اللہ تعالیٰ کے لئے، کوئی دوسری غرض مطلق نہیں، بڑا مشکل کام ہے۔

اس واقعہ کے بیان فرمانے کا مقصد۔

رسول اللہ ﷺ کا مقصد بھی اس قصہ کو سنانے سے اپنی اُمت کو بطورِ مثال "اعمال صالحہ" کے بلند ترین معیار اور اعلیٰ ترین مثال سے آگاہ فرمانا اور ایسے ہی اعلیٰ اعمالِ صالحہ اور بلند ترین کردار کی ترغیب دینا ہے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس حدیث کی روشنی میں اپنے اعمال و اخلاق کا جائزہ لے اور محاسبہ کرے اور تمام خامیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کرکے اللہ تعالیٰ کی رضا اور نبی رحمت ﷺ کی خوشنودی حاصل کرے وباللہ التوفیق۔

باب (۲)

توبہ کا بیان

گناہ اور توبہ کی قسمیں اور شرطیں علماء دین نے فرمایا ہے : ہر گناہ سے توبہ فرض ہے۔ گناہ کی دو قسمیں ہیں اسی لحاظ سے توبہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱) اگر وہ گناہ جس سے توبہ کرتا ہے کوئی ایسی نافرمانی (معصیت) ہے جس کا تعلق کسی بندہ کے حق سے بالکل نہ ہو بلکہ صرف اللہ جل شانہٗ سے اس گناہ کا تعلق ہو تو اس گناہ سے توبہ کے صحیح اور معتبر ہونے کی تین شرطیں ہیں۔

(۱) اول یہ کہ اس گناہ اور نافرمانی سے کُلّی طور پر باز آجائے یعنی بالکل چھوڑ دے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اس گناہ پر دل سے نادم اور شرمندہ ہو۔

(۳) تیسرے یہ کہ دوبارہ اس گناہ کو نہ کرنے کا پختہ ارادہ اور عزم ہو۔

ان تینوں شرطوں میں سے اگر ایک شرط بھی نہ پائی جائے گی تو توبہ صحیح نہ ہوگی۔

تشریح!

توبہ کے لفظی اور شرعی معنی

توبہ کے لفظی معنی ہیں "لوٹنا" اسی اعتبار سے شریعت کی اصطلاح میں توبہ کرنے کے معنی ہیں اللہ جل شانہٗ کی نافرمانی (معصیت) سے فرمانبرداری (طاعت) کی طرف لوٹنا، اسی لئے توبہ کی شرط یہ ہے کہ جو گناہ اور نافرمانیاں کر رہا ہو انہیں فوراً اور قطعاً چھوڑ دے اور دوبارہ ان کے نہ کرنے کا عزم اور عہد کرلے اسلئے کہ اگر اس گناہ کو نہیں چھوڑتا تو گناہ اور نافرمانی سے لوٹنا نہ پایا جائے گا اور اگر اس گناہ کو آئندہ نہ کرنے کا عزم اور عہد نہیں کرتا تو فرمانبرداری (طاعت) کی طرف لوٹنا نہ پایا جائے گا اور دونوں صورتوں میں توبہ درحقیقت توبہ نہ ہوگی۔

حقوق العباد۔ بندوں کے حقوق۔ سے متعلق گناہ

ہر گناہ گرچہ اللہ کی نافرمانی اور معصیت ہے اگر اسکے ساتھ ہی ساتھ اس میں کسی انسان کی حق تلفی بھی ہو تو وہ گناہ حقوق العباد سے متعلق ہوگا اور بندوں کے تلف شدہ حق کو ادا کرنا یا اُن سے معاف کرانا بھی توبہ کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہوگا مثلاً اگر نماز نہیں پڑھی تو یہ صرف اللہ جل شانہٗ کا گناہ ہے مذکورہ بالا تینوں شرطوں کے ساتھ توبہ کرلینا

اس گناہ کے معاف ہونے کے لئے کافی ہے اور اگر کسی کا مال دھوکا دے کر لے لیا تو یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہے اور بندوں کی حق تلفی بھی؛ اس لئے صرف اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لینا اس گناہ کے معاف ہونے کے لئے کافی نہ ہوگا بلکہ اس شخص کا حق ادا کرنا یا اس سے معاف کرانا بھی ضروری ہوگا۔ لہٰذا ایسے گناہوں سے توبہ کرنا جو حقوق العباد سے متعلق ہوں بہت زیادہ ضروری ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور عفو ورحمت سے کچھ بعید نہیں کہ وہ بغیر توبہ کے بھی اپنے حق سے متعلق گناہ بخش دیں، مگر کسی بندہ کا حق اگر ادا نہ کیا یا اس سے دنیا میں معاف نہ کرایا تو آخرت میں اسکے معاف ہونے کا کوئی امکان نہیں اس لئے کہ لینا دینا معاف کرنا کرانا اسی دنیا میں ہو سکتا ہے کہ یہ دار عمل ہے اور آخرت تو دار جزا ہے نہ وہاں کوئی کسی کو کچھ دے لے سکتا ہے اور نہ معاف ہی کرا سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر اللہ تعالیٰ از خود ایسے گناہ معاف فرما دیں تو یہ ان لوگوں کے ساتھ ناانصافی ہو گی جن کے حقوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کسی کے ساتھ ناانصافی ہرگز نہیں کر سکتے۔ رہے خود وہ لوگ، تو دنیا میں تو وہ ضرورتمند ہونے کے باوجود معاف بھی کر سکتے تھے اسلئے کہ دنیا دار عمل ہے لیکن آخرت تو دار جزا ہے وہاں تو ہر انسان محتاج ہی محتاج ہوگا اسلئے وہ اپنے حقوق کے عوض میں حق تلفی کرنیوالے کی نیکیاں ہرگز نہ چھوڑے گا یا ان کے عوض میں اپنی بدکرداریوں کا بوجھ حق تلفی کرنے والے پر ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیگا۔

اسی لئے نبی رحمت ﷺ نے اپنی اُمت کو خبردار فرمایا ہے:

جس شخص کے ذمہ اپنے مسلمان بھائی کا مال یا آبرو سے متعلق کوئی حق ہو اُسے آج ہی سبکدوشی حاصل کر لینی چاہیئے (ادا کر کے یا معاف کرا کے) اس سے پہلے کہ وہ وقت (حسابِ آخرت اور جزا وسزا کا) آئے جبکہ اُسکے پاس نہ دینار (سونے کا سکہ) ہو گا نہ درہم (چاندی کا سکہ) تو اگر اسکے پاس نیک عمل ہونگے تو (مظلوم کی) حق تلفی کے بقدر اس (ظالم) سے لے لئے جائینگے (اور مظلوم کو دے دیئے جائینگے) اور اگر ان نیکیوں سے (مظلوم کا) حق پورا نہ ہوا تو مظلوم کی برائیاں اس (حق تلفی کرنے والے ظالم) پر ڈال دی جائیں گی۔

اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ خدا ہمیں بچائے اس حق تلفی سے۔

اسلئے حقوق العباد سے متعلق گناہوں سے توبہ کرنا اور ان کے حقوق ادا کرنا یا معاف کرانا از بس ضروری اور لابدی ہے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ

دوسری قسم۔ اور اگر وہ گناہ جس سے توبہ کرتا ہے کوئی ایسی نافرمانی ہو جسکا تعلق کسی انسان

کی حق تلفی سے بھی ہو تو اس گناہ سے توبہ کے صحیح ہونے کی چار شرطیں ہیں تین تو وہی ہیں جن کا ذکر اوپر آیا ہے، اور چوتھی شرط یہ ہے کہ اس شخص کے حق سے سبکدوشی ضرور حاصل کرلے اور اگر وہ حق مال وغیرہ کی قسم سے ہو یعنی کسی کا مال مار لیا ہو تو اُسکو واپس کرے یعنی ادا کردے اور اگر "حد قذف" (تہمت عزت کی شرعی سزا) وغیرہ کی قسم سے ہو، تو اس جرم کا اقرار کرکے اپنے آپ کو سزا کیلئے (عدالت میں) پیش کردے یا اُس شخص سے مل کر معاف کرالے اور اگر غیبت (یعنی پشت بدگوئی) وغیرہ کی قسم سے ہو، تو اُس سے معافی کرلے یعنی اس پر ظاہر کرکے معافی چاہ لے۔

توبہ کا حکم | تمام گناہوں اور نافرمانیوں سے توبہ کرنا واجب ہے (خواہ کسی بھی قسم کے گناہ ہوں) اگر کسی خاص گناہ سے توبہ کرلے (باقی اور گناہوں سے توبہ نہ کرے) تو اہل حق کا مذہب ہے کہ تب بھی اس گناہ سے توبہ صحیح ہو جائے گی اور باقی گناہ اسکے ذمہ رہیں گے۔

توبہ کے واجب ہونے کے دلائل | قرآن و حدیث اور اجماع اُمت تینوں کی دلیلیں اس پر متفق ہیں کہ ہر انسان پر "توبہ فرض" ہے۔

قرآن کریم کے دلائل

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

تُوبُوٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (النور، آیت ۳۱)	اے ایمان والو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹو (توبہ کرو یعنی احکام الٰہیہ کی پابندی میں کوتاہی نہ ہو) تاکہ تم فلاح پاؤ۔

ٓ عربی محاورہ کے اعتبار سے اَتُوبُ اِلَى اللّٰهِ کے لفظی معنی ہیں میں اللہ کی طرف لوٹتا ہوں یعنی توبہ کرتا ہوں اردو محاورہ کے اعتبار سے سکا ترجمہ ہوگا "میں اللہ کے سامنے توبہ کرتا ہوں"۔

(۲) نیز ارشاد ہے:

وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ (سورہ ھود آیت ۳)

(اے لوگو!) تم اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرو پھر اسکی طرف رجوع بھی کرو۔

(۳) نیز ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا (التحریم آیت)

اے ایمان لانے والو! تم اللہ کے سامنے توبہ کرو سچی توبہ۔

تشریح!

توبہ، مغفرۃ اور عفو کے شرعی معنی اور ان میں فرق

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں توبہ کے لغوی اور لفظی معنی ہیں "لوٹنا"۔ اس لفظ کا استعمال قرآن و حدیث میں دو طرح ہوا ہے (۱) ایک یہ کہ اس توبہ ۔ لوٹنے ۔ کی نسبت بندہ کی طرف ہو یعنی لوٹنے والا بندہ ہو۔ اس صورت میں بندہ کے توبہ کرنے کے معنی ہیں "خدا کی نافرمانی سے فرمانبرداری کی طرف لوٹنا"۔ اسی کو اُردو محاورہ میں "توبہ کرنا" کہتے ہیں عربی میں اسکے لئے فعل استعمال ہوتا ہے تَابَ اِلَيْهِ ۔۔ اللہ جل شانہ کی طرف لوٹا ۔ یعنی اللہ جل شانہ کے سامنے توبہ کی (۲) دوسرا استعمال یہ ہے کہ اللہ جل شانہ اپنے نافرمان بندوں کی نافرمانی سے ناراض ہو جاتے ہیں یعنی اپنی رحمت خاصہ سے انکو محروم کر دیتے ہیں اس لئے اللہ جل شانہ کی طرف جب توبہ کی نسبت کی جائے یعنی لوٹنے والے اللہ ہوں تو توبہ ۔ لوٹنے ۔ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اللہ جل شانہ ناراضگی سے رضامندی کی طرف لوٹے" یعنی" مہربان ہو گئے" چونکہ اللہ جل شانہ کے ناراض ہو کر پھر رضامند ہو جانے میں اللہ جل شانہ کی رحمت عُظمٰی کارفرما ہوتی ہے جس کے متعلق "حدیثِ قدسی" میں ارشاد ہے سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ ۔ میرے غصہ پر میری رحمت غالب ہے ۔ اس لئے اس توبہ ۔۔ لوٹنے ۔۔ میں رحمت کے معنی شامل ہوتے ہیں اسلئے عربی میں اس دوسرے استعمال کے تحت فعل اس طرح استعمال ہوتا ہے تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ۔ اس کا اُردو میں ترجمہ ہوگا "اللہ جل شانہ اس پر مہربان ہو گیا یا اس نے معاف کر دیا۔ چونکہ بندہ کو توبہ کرنے کی توفیق دینا بھی اس کی رحمت ہی کا تقاضہ ہے اسلئے تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ کا حاصل ترجمہ "اللہ تعالیٰ نے بندے کو توبہ کی توفیق دے دی" بھی صحیح ہے اور چونکہ بندے کی توبہ یعنی آئندہ نافرمانی کی طرف نہ لوٹنے کا عہد ۔ قبول کر لینا بھی اس کی رحمت ہی کا تقاضہ ہے اسلئے تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ کا یہ ترجمہ بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کی توبہ قبول کر لی یا معاف کر دیا۔ مختصر لفظوں میں یوں سمجھئے (۱) کہ جب توبہ کی نسبت حضرت حق جل شانہ کی طرف ہو گی تو تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ کے معنی ہوں گے اللہ جل شانہ بندے پر مہربان ہو گیا یا معاف

کردیا۔ اگر گناہ سے توبہ کرنے کے بعد کی حالت ہو تو معنی ہوں گے "اللہ تعالیٰ نے بندے کی توبہ قبول کرلی" اور اگر گناہ سے توبہ کرنے سے پہلے کی حالت ہو تو معنی ہونگے "اللہ تعالیٰ نے بندے کو توبہ کی توفیق دے دی"۔ پہلا ترجمہ "مہربان ہوگیا" یا "معاف کردیا" دونوں حالتوں میں صحیح ہے (۲) اور جب توبہ کی نسبت بندے کی طرف ہوگی تو تاب الی اللہ کے بامحاورہ معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کی۔ یعنی گذشتہ گناہ ترک کرکے آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کیا۔ اس باب میں قرآنِ عظیم کی آیات اور احادیث کے ترجمہ میں یہ فرق پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس فرق کو مزید ذہن نشین کرنے کی غرض سے "غزوۂ تبوک" سے متعلق سورۃ براءت کی دو آیتیں نقل کی جاتی ہیں ارشاد ہے:

(۱) لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(۱) بیشک اللہ تعالیٰ مہربان ہوا اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور مہاجرین و انصار پر جنہوں نے تنگدستی کے (کٹھن) وقت میں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی (شرکتِ جہاد میں) پیروی کی اس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل بھٹک جائیں (اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نہ جائیں) پھر اللہ تعالیٰ اُن پر (بھی) مہربان ہوگیا (اور اُنکی توبہ قبول کرلی) بیشک اللہ تعالیٰ بڑا ہی مہربان رحم کرنے والا ہے اُن پر۔

(۲) ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا

پھر ان (تینوں شرکتِ جہاد سے گریز کرنے والوں) پر مہربان ہوگیا (توبہ کی توفیق دے دی) تاکہ وہ توبہ کرلیں۔

دیکھئے ان دونوں آیتوں میں تَابَ اللّٰهُ کا لفظ تین قسم کے لوگوں کیلئے دوسرے استعمال کے تحت جناب اللہ کی طرف نسبت میں آیا ہے (۱) تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الآیہ اسکے معنی محض "مہربان ہونا" ہے اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مہاجرین و انصار سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوا تھا (۲) ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اس کے معنی ہیں توبہ قبول کرلی اسلئے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے پہلوتہی کا ارادہ کیا تھا مگر اس ارادہ سے باز آگئے یعنی توبہ کرلی اور اللہ تعالیٰ نے اُنکی توبہ قبول کرلی (۳) دوسری آیت میں ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ کے معنی ہیں توبہ کرنے کی توفیق دے دی اسلئے کہ یہ وہ تین آدمی ہیں جو اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کو سچ بولنے کی وجہ سے توبہ کی توفیق دیدی اسی طرح اسی آیت میں پہلے استعمال کے تحت لِيَتُوْبُوْا آیا ہے جس کے معنی ہیں وہ (گریز کرنے والے) توبہ کرلیں۔ دیکھئے ان دو آیتوں میں ہر دو استعمال کے تحت توبہ کے تمام مذکورہ بالا معنی آگئے۔

مَغْفِرَةٌ کا لفظ غَفْرٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "ڈھانپ لینا" اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کی مغفرت فرمانے کے معنی ہیں "اُن کے گناہوں کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لینا"، "چھپا دینا" یعنی بخش دینا خواہ اُن سے توبہ کرنے کے بعد خواہ بغیر توبہ کئے محض اپنی شان کریمی اور بے نیازی کی بنا پر۔

عَفْو کے لغوی معنی ہیں مٹا دینا اللہ تعالیٰ کے عَفْو کے معنی ہیں اپنے بندوں کے گناہوں کو اپنی رحمت سے معاف کردینا اُن کے نامۂ اعمال سے مٹا دینا خواہ توبہ و استغفار کے بعد خواہ اسکے بغیر ہی محض اپنی صفت ربوبیت اور رحمت

کی بنا پر۔

ان تینوں لفظوں میں فرق

بندوں کا اپنے رب رؤف رحیم کے سامنے توبہ کرنا یعنی پچھلے گناہوں کی معافی چاہنا اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کرنا۔ پہلا مرحلہ ہے۔ جل شانہ کا اپنی رحمت کا پردہ ان کے گذشتہ گناہوں پر ڈال دینا اور آئندہ کے لئے عہد کو قبول کر لینا یعنی بخش دینا یہ مغفرت ہے اور دوسرا مرحلہ ہے۔ جل شانہ کا مزید رحم وکرم کی بنا پر ان گناہوں کو بالکل معاف کر دینا اور نامۂ اعمال میں سے مٹا دینا یہ عفو ہے اور تیسرا مرحلہ ہے۔ اصل معنی کے لحاظ سے ترتیب یہی ہے باقی یہ تینوں لفظ ایک دوسرے کی جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں اسلئے کہ ان تینوں کا سرچشمہ رحمت الٰہیہ ہے اتنا فرق ضرور ہے کہ توبہ صرف گذشتہ گناہوں سے ہوتی ہے اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد ہوتا ہے، مغفرت اگلے اور پچھلے گذشتہ اور آئندہ تمام گناہوں اور خطاؤں کی ہوسکتی ہے۔ نیز مغفرت کے لئے توبہ کرنا بھی ضروری نہیں جل شانہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دیتے ہیں:

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ (الفتح آیت ۲)	(یہ فتح مبین اس لئے عطا کی ہے) تاکہ جل شانہ تمہارے پہلے کئے ہوئے اور پچھلے کئے ہوئے گناہ معاف کر دے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ادعیہ مسنونہ میں اپنی امت کو دعاء مغفرت کی تعلیم دیتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔	اے اللہ تو معاف کر دے میرے سب گناہ جو میں نے پہلے کئے اور جو پیچھے کئے اور جو علانیہ کئے اور جو چھپا کر کئے۔ اور جو میں نے بے اعتدالی کی اور جن گناہوں کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے، بیشک تو بڑا معاف کرنیوالا مہربان ہے۔

آپ بھی ہر وقت چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے یہی مسنون دعاء مغفرت مانگا کیجئے بہت جامع دعاء مغفرت ہے۔
اس آیت کریمہ اور حدیث کی دعا سے معلوم ہوا کہ مغفرت عام ہے اگلے پچھلے سب گناہوں سے ہوسکتی ہے اور توبہ بھی اس کے لئے ضروری نہیں ہے۔
عفو معاف کر دینے کے لئے توبہ کی طرح گناہوں یا خطاؤں کا وجود ضروری ہے لیکن توبہ کرنا ضروری نہیں جل شانہ کا ارشاد ہے:

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ (شوریٰ آیت ۳۰)	اور جو بھی مصیبت تم پر آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے کئے اعمال کی وجہ سے آتی ہے اور بہت سی بداعمالیوں کو تو وہ (خود ہی) معاف کر دیتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عفو۔ معاف کرنے کے لئے توبہ ضروری نہیں ہے۔

یہی فرق ان تینوں لفظوں میں آپ مذکورہ بالا آیات اور نے نالی احادیث میں پائینگے اسی لئے یہ طویل تشریح ضروری سمجھی گئی نیز اس سے توبہ کا مرتبہ اور اہمیت بھی واضح ہوگئی۔

احادیث

توبہ اور استغفار کی کثرت | حدیث نمبر (۱/۱۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں دن میں ستر مرتبہ سے بھی زیادہ اللہ جل شانہ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اسکے سامنے توبہ کرتا ہوں۔

حدیث نمبر (۲/۱۴)

حضرت اغر بن لیسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے لوگو اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کیا کرو اور مغفرت چاہا کرو (دیکھو میں بھی) دن میں سو مرتبہ توبہ کرتا ہوں۔

تشریح!

ہر انسان کو ہمہ وقت توبہ و استغفار کی ضرورت ہے

پہلی حدیث میں "ستر" اور دوسری حدیث میں "سو" سے تعداد کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ توبہ و استغفار کی کثرت کا بیان کرنا مقصود ہے عربی زبان کے محاورات میں سو اور ستر کا لفظ کثرت کو ظاہر کرنے کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے توبہ و استغفار کے ذکر کرنے کا مقصد

دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی توبہ و استغفار کا تذکرہ لوگوں کو اس فرض۔ توبہ و استغفار۔ کو ادا کرنے کی ترغیب دلانے کے لئے کیا ہے کہ جب میں خود اتنی کثرت سے توبہ و استغفار کرتا ہوں۔ حالانکہ میں نبی معصوم ہوں مجھ سے جان بوجھ کر کوئی گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے قرآن کریم میں میری تمام اگلی پچھلی کوتاہیوں کو معاف کر دینے کا اعلان بھی کر دیا ہے۔ تو تمہیں تو اپنے گناہوں اور نافرمانیوں سے بہت زیادہ ڈرنا چاہیئے اور زیادہ سے زیادہ توبہ و استغفار کرتے رہنا چاہیئے۔

کثرت سے توبہ و استغفار کی ضرورت

اس لئے کہ انسان اس گناہ آلود دنیوی زندگی میں چاروں طرف سے گناہ اور معصیت کی طرف بلانے اور کھینچنے والی

خواہشات میں اور گناہ پر آمادہ کرنے والے اندرونی اور بیرونی محرکات میں گھرا ہوا ہے۔ اندرونی دشمن تو خود اپنا "نفسِ امّارہ" ہے جو پہلو میں چھپا ہوا ہر وقت گناہ اور معصیت پر اُکساتا رہتا ہے اور بیرونی دشمن وہ شیاطین جن والانس ہیں جو ہر وقت انسان کو گمراہ کرنے اور اس سے گناہ کرانے کی گھات میں لگے رہتے ہیں۔ اسلئے انسان انتہائی پھونک پھونک کر قدم رکھنے کے باوجود بھی دن بھر میں دانستہ یا نادانستہ طور پر نہ معلوم کتنے گناہ کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اور کوئی بھی انسان خواہ بڑے سے بڑا "ولی اللہ" ہی کیوں نہ ہو گناہوں سے معصوم نہیں ہو سکتا اسلئے ہمارے لئے ان گناہوں اور نافرمانیوں کے وبال اور عذاب سے بچنے کی اسکے سوا اور کوئی تدبیر نہیں کہ ہم اپنے دانستہ یا نادانستہ سرزد ہونے والے گناہوں پر زیادہ سے زیادہ توبہ واستغفار کرتے رہا کریں تاکہ جو گناہ سرزد ہوتے رہیں وہ اس توبہ واستغفار سے معاف بھی ہوتے رہیں علاوہ ازیں اس زندگی میں اس قدر گوناگوں اور قسم قسم کے گناہ ہیں کہ ہر وقت اُن کو پیش نظر رکھنا اور اُن سے بچتے رہنا اس مصروف زندگی میں بیحد دشوار ہے اس لئے بھی عافیت اور سلامتی اسی میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ نہ سہی تو کم ازکم سو مرتبہ روزانہ۔ ایک وقت میں یا مختلف اوقات میں۔ توبہ اور استغفار ضرور کر لیا کریں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا ثواب بھی میسر آجائے اور گناہ بھی معاف ہو جائیں۔

نبیٔ معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور توبہ و استغفار

یہ شبہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے بالکل معصوم اور محفوظ ہیں تو آپ سے گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتے، پھر توبہ و استغفار کا کیا مطلب؛ اور اللہ تعالیٰ کے آپ کے گناہوں کو معاف کر دینے کا اعلان کرنے کے کیا معنی؛ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک گناہ اور معصیت تو آپ سے سرزد نہیں ہو سکتی لیکن بتقاضائے بشریت منشاء الٰہی کو اعلیٰ مرتبہ پر پورا کرنے میں غفلت یا کوتاہی یا خلاف اولیٰ مگر جائز امور کا ارتکاب ہو سکتا ہے جس پر عام انسانوں سے تو باز پرس نہیں ہوتی مگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی جلالت شان اور تعلق مع اللہ جل شانہ کے ساتھ تعلق کی بنا پر اُن سے ان غفلتوں کوتاہیوں اور اجتہادی غلطیوں پر بھی باز پرس ہوتی ہے اس لئے ان گناہوں سے یہی غفلتیں کوتاہیاں، خلاف اولیٰ امور، اجتہادی غلطیاں مراد ہیں۔

دوسرا جواب۔

علاوہ ازیں خود نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا گیا کہ: جب اللہ جل جلالہ نے آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے تو آپ اتنی کثرت سے توبہ واستغفار کیوں کرتے ہیں؛ تو آپ نے ارشاد فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؛ یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنی شان کریمی سے میری تمام اگلی پچھلی کوتاہیوں اور دانستہ یا نادانستہ خطاؤں کو معاف فرما دینا بہت بڑا انعام و احسان ہے اس کا شکر نعمت اسی طرح ادا ہو سکتا ہے کہ میں اس معاف کر دینے کے باوجود کثرت سے توبہ واستغفار کرتا ہوں۔ یہی میری عبدیت و بندگی کا تقاضا ہے۔ سبحان اللہ

عبدیت کا تقاضہ

انسان کی بندگی کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ وہ بہرحال خود کو خطا کار اور قصور وار سمجھتا اور توبہ و استغفار کرتا رہے اسی میں اُسی کی نجات اور فلاح مضمر ہے جیسا کہ قرآن کریم کی پہلی آیت کریمہ کے آخری جملہ لعلکم تفلحون (تاکہ تم فلاح پا جاؤ) سے ظاہر ہے۔

حدیث نمبر (۳/۱۵) اللہ جل شانہ اپنے بندہ کی توبہ سے کتنا خوش ہوتے ہیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رحمت عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ اپنے بندہ کی توبہ سے (جبکہ وہ اس کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے) اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جتنی خوشی تم میں سے کسی مسافر کو اپنے اُس (سواری کے) اُونٹ کے مل جانے سے ہوتی ہے جس پر وہ چٹیل بیابان میں سفر کر رہا ہو، اُسی پر اُس کے کھانے پینے کا سامان بندھا ہو، اور (اتفاق سے) وہ اُونٹ اُسکے ہاتھ سے چھوٹ کر بھاگ جائے، اور وہ (اسکو ڈھونڈتے ڈھونڈتے) مایوس ہو جائے۔ اور اسی مایوسی کے عالم میں (تھکا ہارا بھوکا پیاسا) کسی درخت کے سایہ کے نیچے لیٹ جائے اور اسی حالت میں (اسکی آنکھ لگ جائے اور جب آنکھ کھلے تو) اچانک اس اُونٹ کو اپنے پاس کھڑا ہوا پائے اور (جلدی سے) اُس کی مہار پکڑ لے اور پھر خوشی کے جوش میں (زبان اسکے قابو میں نہ رہے اور اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرنے کی غرض سے) کہنے لگے: اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں (اور خوشی کے مارے اُسے پتہ بھی نہ چلے کہ میں کیا کہہ گیا)

اللہ جل شانہ کو بندے کی توبہ سے خوشی کی وجہ

بندہ کی توبہ سے اللہ جل شانہ کی یہ بے انتہا خوشی بھی اُسکی شانِ ربوبیت اور رأفت و رحمت کا تقاضہ ہے کہ اس کا ایک بھٹکا ہوا بندہ — جس کو اُس نے نہ صرف پیدا کیا تھا بلکہ پیدائش کے وقت سے ہوش سنبھالنے تک اُس کی پوری پرورش ہی اُس نے کی تھی — اپنی نادانی سے ازلی دشمن — نفسِ امّارہ اور شیطان — کے فریب

میں آکر اسکی عبادت و طاعت کی راہ سے بھٹک گیا تھا ۔ راہ راست پر آگیا ۔ ورنہ تو (العیاذ باللہ) بندہ کی توبہ و استغفار سے اُس کی معبودیت کو چار چاند نہیں لگ جاتے اسلئے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ:

اللہ جل شانہ فرماتے ہیں: اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، زندہ اور مرے ہوئے، بُرے اور بھلے تمام انسان بھی میرے سب سے بڑے متقی اور پرہیزگار بندے کے سے دل کے مالک بن جائیں (اور سب مل کر شب و روز میری عبادت کریں) تو اس عبادت سے ایک مچھر کے پر کی برابر بھی میری خدائی میں اضافہ نہ ہوگا اور اگر تمہارے اگلے اور پچھلے، زندہ اور مرے ہوئے، بُرے اور بھلے تمام انسان میرے ایک نافرمان ترین سرکش بندے کے سے دل کے مالک بن جائیں (اور سب مل کر شب و روز میری نافرمانی کرنے لگیں) تو اس سے ایک مچھر کے پر کی برابر بھی میری خدائی میں کمی نہ ہوگی۔

اللہ جل شانہ کی شان

یعنی اللہ جل شانہ کی شانِ اُلوہیت و معبودیت تمام اولادِ آدم کی عبادت و طاعت سے بے نیاز اور بالاتر ہے اسی طرح اُن کی نافرمانی و سرکشی سے بھی بے نیاز اور برتر ہے ۔ بندوں کی عبادت و طاعت، توبہ و استغفار کا نفع بھی اُنہی کو پہنچتا ہے اور سرکشی و نافرمانی اور کفر و انکار کی مضرت و نقصان بھی اُنہی کو پہنچتا ہے ۔ خدا سب سے بے نیاز اور غنی مطلق ہے ۔

توبہ کا دروازہ کب بند ہوگا   حدیث نمبر (۴/۱۶)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بیشک اللہ جل شانہ رات میں اپنی رحمت کا ہاتھ دراز فرماتے ہیں تاکہ دن میں گناہ کرنے والا گنہگار بندہ رات کو اس پر توبہ کرلے اسی طرح دن میں اپنی شفقت کا ہاتھ دراز فرماتے ہیں تاکہ رات میں گناہ کرنے والا گنہگار بندہ دن میں اس پر توبہ کرلے ۔ (یہ بندہ نوازی کا سلسلہ قیامت آنے تک جاری رہے گا اور یہ رحمت کا دروازہ کھلا رہیگا) یہاں تک کہ سورج (مشرق کے بجائے) مغرب سے نکلے (اور قیامت آجائے)

حدیث نمبر (۵/۱۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے سورج کے (مشرق کے بجائے) مغرب سے نکلنے سے پہلے توبہ کرلی حق تعالیٰ اسکی توبہ قبول فرمالیں گے۔

حدیث کا ماخذ۔

(۴-۵) یہ حدیث آیتِ کریمہ ذیل کی تفسیر ہے۔

یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا

جس دن تیرے رب کی (قدرت کی) کوئی نشانی (قیامت آنے کی) آجائیگی اُس دن جو نفس اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا اُس کا ایمان لانا مفید نہ ہوگا یا جس نے کوئی نیک کام — توبہ و استغفار — نہیں کیا تھا اسکا ایمان لانے (اور مومن ہونے کی صورت) میں کوئی نیک کام کرنا مفید نہ ہوگا۔

تشریح!

آفتاب مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنے کے وقت ایمان اور توبہ و استغفار معتبر نہ ہونے کی وجہ

(۴-۵) آفتاب کو مشرق کے بجائے مغرب سے نکلتا[1] ہوا یعنی نظام عالم درہم برہم ہوتا ہوا دیکھ لینے کے بعد اس آباد دنیا کے فنا ہونے اور قیامت آجانے کا یقین اور اقرار کرنے پر ہر متنفس غیر اختیاری طور پر مجبور ہوجائے گا مگر اس وقت قیامت کے برحق ہونے کا یہ یقین اور اقرار کچھ مفید نہ ہوگا اسلئے کہ انسان کے ایمان و اقرار اور اعمال و افعال پر جزا و سزا اُسی وقت مرتب ہوتی ہے جب کہ اُسکو ایمان لانے نہ لانے، ماننے نہ ماننے دونوں پر اختیار اور قدرت حاصل ہو۔ اس لئے سورج کے مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنے کے وقت کا نہ ایمان معتبر ہے نہ توبہ و استغفار یا کوئی اور نیک کام۔ لہٰذا توبہ کا دروازہ جو آغاز آفرینش سے کھلا ہوا تھا اُسوقت بند ہوجائے گا اور "عمل" کے بجائے "مکافاتِ عمل" کا وقت آجائے گا۔

کوئی گنہگار کب تک اپنے گناہ سے توبہ کرسکتا ہے — حدیث نمبر (۶/۱۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

حبیب رب العالمین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: بیشک اللہ بزرگ و برتر اپنے بندہ کی توبہ اس وقت تک بھی قبول فرمالیتے ہیں جب تک کہ وہ نزع کی حالت کو نہ پہنچا ہو۔

[1] یہ مسلم و مشاہد ہے کہ دُنیا کا موجودہ نظام، نظام شمسی کے ساتھ وابستہ اور قائم ہے، آفتاب کے مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنے سے مراد اس نظام شمسی اور اسکے ساتھ وابستہ نظام عالم اور تمام کائنات کا درہم برہم اور تباہ و برباد ہوجانا ہے اسی کا نام قرآن و حدیث کی اصطلاح میں "قیامت آنا" ہے قرآن پر ایمان رکھنے والوں کو اسکے ماننے میں ذرہ برابر تردد نہ ہونا چاہیئے۔

تشریح!

حدیث کا ماخذ

یہ حدیث آیت کریمہ ذیل کی تفسیر ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰۤٮِٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

اور اُن لوگوں کی توبہ معتبر نہیں ہے جو ساری عمر بُرے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب موت اُن کے سامنے آجاتی ہے (اور مرنے لگتے ہیں) تو کہتے ہیں اب میں توبہ کرتا ہوں۔ اور نہ اُن لوگوں کی (توبہ معتبر ہے) جو کفر کی حالت میں مر جاتے ہیں۔ ان لوگوں کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

نزع کے وقت کی توبہ معتبر نہ ہونے کی وجہ

جس طرح۔ عالم کبیر (تمام دنیا) کی حالت نزع یعنی آفتاب کے مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنے کے وقت کا ایمان اور کوئی بھی عمل خیر۔ مثلاً توبہ و استغفار۔ معتبر نہیں اسی طرح ہر انسان۔ جو ایک عالم صغیر ہے۔ کی حالت نزع کا ایمان، عمل خیر توبہ و استغفار بھی معتبر نہیں۔ اس لئے کہ نزع کے وقت مرنے والے کا ایمان و اقرار قطعاً غیر اختیاری ہوتا ہے اُس کا بھی عمل کا وقت ختم اور مکافات عمل کا وقت شروع ہو جاتا ہے لہٰذا اس حالت کی توبہ بے سود ہے۔

توبہ کے متعلق قرآن و حدیث کے بیان میں تطبیق

اگرچہ قرآن کریم کی آیت کریمہ:

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْۤءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰۤٮِٕكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴿۱۷﴾

اس کے سوا نہیں کہ اللہ جل شانہ کا ذمہ (وعدہ) توبہ (قبول) کرنے کا انہی لوگوں کیلئے ہے جو نادانی سے کوئی بُرا کام کر بیٹھتے ہیں پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں پس وہی لوگ ہیں جن کی توبہ اللہ جل شانہ قبول کرتا ہے۔

سے تو متبادر یہ ہے کہ توبہ نادانی سے کئے ہوئے گناہ پر ہونی چاہیئے اور گناہ کر لینے کے فوراً بعد توبہ کر لینی چاہیئے، مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بالا حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہ دانستہ کئے ہوئے گناہ کی توبہ بھی قبول فرما لیتے ہیں نیز مرنے سے پہلے تک بھی اگر کوئی گنہگار (بقائمی ہوش و حواس و قدرت و اختیار توبہ کر لے تو اپنی شان کریمی سے اسکی توبہ بھی قبول فرما لیتے ہیں، اسلئے کسی بھی گنہگار کو اللہ جل شانہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیئے اور جب بھی گناہ آلود زندگی سے ہوش میں آئے فوراً توبہ کر لینی چاہیئے۔ توبہ میں تاخیر بہر حال نہ کرنی چاہیئے کیا پتہ ہے کب اور کس حالت میں موت آجائے؛ توبہ کی مہلت ملے یا نہ ملے؛ اسکے علاوہ بھی توبہ میں تاخیر کرنا قہر و غضب الٰہی سے بے پروائی کی دلیل ہے، جو بجائے خود اللہ جل شانہ کی ناراضگی کا موجب ہے۔ بہر حال بندہ کی عبدیت کا تقاضہ یہ ہے کہ اوّل تو جان بوجھ کر اپنے معبود کی نافرمانی اور گناہ ہرگز نہ کرے اور اگر کوئی گناہ سرزد بھی ہو جائے تو خدا کے قہر و غضب سے ڈرے اور فوراً توبہ کر لے۔

توبہ کا اعلیٰ مرتبہ اور ادنیٰ مرتبہ

بالفاظ دیگر آیت کریمہ میں توبہ کے اعلیٰ مرتبہ کا بیان ہے اور حدیث شریف میں توبہ کے ادنیٰ درجہ کا بیان ہے

مذکورہ بالا حدیث کا مطلب توبہ میں ڈھیل دینا ہرگز نہیں ہے بلکہ ساری زندگی گناہوں میں بسر کرنے والے گنہگاروں کو بھی خدا کی رحمت اور قبول توبہ کی بشارت دینا ہے

توبہ کے دروازے کی وسعت | حدیث نمبر (۱۹/۷)

حضرت زِرّ بن حبیش فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت صفوانؓ بن عسال رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مسح علی الخفین (چرمی موزوں پر مسح) کے متعلق مسئلہ دریافت کرنے کے لئے گیا، تو اُنہوں نے مجھ سے پوچھا: میاں زِرّ! کہو کیسے آئے؟ میں نے عرض کیا: "آپ سے علم حاصل کرنے کی غرض سے آیا ہوں" تو فرمانے لگے: علم حاصل کرنے والے کے قدموں کے نیچے تو فرشتے بھی اسکے طلب علم کے جذبہ سے خوش ہوکر اپنے پر بچھاتے ہیں (چہ جائیکہ انسان)، کہو کیا دریافت کرنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: پاخانے پیشاب سے فارغ ہونے کے بعد، وضو میں چرمی موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں ایک عرصہ سے خلجان ہے، آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں اسلئے میں آپ کے پاس یہ دریافت کرنے آیا ہوں کہ آپ نے اس مسئلہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کچھ سُنا ہے؟ فرمایا: ہاں ہاں رسول اللہ ﷺ ہمیں سفر کی حالت میں تین رات دن تک پیشاب پاخانے یا سوجانے کی وجہ سے، وضو میں چرمی موزے نہ اُتارنے (اور انہی پر مسح کرتے) کا حکم دیا کرتے تھے بجز جنابت (غسل ناپاکی) کے، (کہ ناپاکی کے غسل میں موزے اُتارنے ضروری ہیں، مسح کافی نہیں ہے)۔ اس کے بعد میں نے (ایک اور بات پوچھی اور) عرض کیا: آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کسی گروہ سے محبت کرنے کے بارے میں بھی کچھ سُنا ہے؟ فرمایا: ہاں، ایک مرتبہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر کر رہے تھے، اثنائے سفر میں ہم ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک اعرابی (دیہاتی) نے

اپنی کرخت آواز میں آپ کا نام لے کر آپ کو پکارا: او محمد ﷺ تو آپ نے بھی اُسی کے سے کرخت لہجہ میں جواب دیا: ہاں او دیہاتی کیا ہے؟ اس پر میں نے اُس دیہاتی سے کہا: تیرا بھلا ہو، ذرا تو اپنی آواز کو پست کر (اور نرم لب و لہجہ میں بات کر) اسلئے کہ تو سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں حاضر ہے اور تمہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس طرح بے ادبانہ خطاب کرنے سے منع کیا گیا ہے۔" تو وہ دیہاتی کہنے لگا: بخدا میں تو اپنی آواز پست (اور لہجہ کو نرم) نہیں کروں گا (بہر حال) اُس دیہاتی نے دریافت کیا: ایک آدمی ایک گروہ سے محبت کرتا ہے مگر (عمل کے اعتبار سے) وہ اُن سے میل نہیں کھاتا (اور اُن جیسا نہیں ہے اسکا خدا کے ہاں کچھ درجہ ہے یا نہیں؟) رحمۃ للعالمین ﷺ نے فرمایا: آدمی جن لوگوں سے محبت کرتا ہے قیامت کے دن انہی کے ساتھ ہوگا۔ اُسکے بعد آپ ہم سے (اس سلسلہ میں) گفتگو فرماتے رہے یہاں تک کہ آپ نے مغرب کی جانب ایک ایسے (عریض و طویل چوڑے چکلے) دروازہ کا ذکر فرمایا جسکے عرض میں چالیس سال تک ایک سوار برابر چلتا رہے، یا فرمایا ستر سال تک چلتا رہے (تب بھی وہ مسافت طے نہ ہو اور جب عرض۔ چوڑائی۔ کا یہ حال ہے تو لمبائی کا حال تو خدا ہی جانتا ہے)۔ اس حدیث کے ایک راوی سفیان نے اپنی روایت میں (مغرب کی جانب کے بجائے) شام کی جانب کا ذکر کیا ہے۔ اللہ جل شانہ نے جس دن سے آسمان و زمین پیدا فرمائے ہیں اسی دن سے اس دروازہ کو توبہ کے لئے کھلا پیدا فرمایا ہے یہ بند نہ ہو گا یہاں تک کہ (قیامت آنے کے وقت مشرق کے بجائے) اسی دروازے سے سورج نکلے گا (تب بند ہو جائے گا اور قیامت آجائے گی)

تشریح!

حدیث شریف میں اس زندگی کے متعلق اہم ترین کارآمد تین تعلیمات

اس حدیث شریف کے تین حصے ہیں (۱) ایک مسح علی الخفین (چرمی موزوں پر مسح) کا مسئلہ ہے۔ زر بن حبیش کے دل میں بول و براز جیسی غلیظ نجاستوں کے خارج ہونے کے بعد وضو میں موزے اُتار کر پاؤں دھونے کے بجائے موزوں پر مسح کرنے میں تردد تھا صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سُن کر وہ خلجان دُور ہوگیا اور سمجھ میں آگیا کہ وضو کو واجب کرنے والی تمام چیزوں کا حکم ایک ہے اور موزے اُتار کر پاؤں دھونے کے بجائے موزوں پر مسح کرلینا کافی ہے، ہاں غسل کو واجب کرنے والی چیزوں میں مسح کافی نہیں ہے موزے اُتار کر پاؤں دھونے ضروری ہیں گویا پاؤں دھونے کے بجائے موزوں پر ہی مسح کرلینا شریعت کی جانب سے ایک تخفیف اور سہولت ہے جو وضو کے ساتھ مخصوص ہے اسلئے کہ وضو بار بار کرنا پڑتا ہے ہر مرتبہ چرمی موزے اُتارنا دشواری کا موجب ہے اسلئے اس میں تخفیف اور سہولت کی ضرورت ہے اسکے برعکس غسل کی ضرورت بہت کم اور شاذ و نادر پیش آتی ہے اس میں تخفیف کی چنداں ضرورت نہیں، علاوہ ازیں جنابت (موجب غسل ناپاکی) نجاست غلیظہ ہے اس میں تمام جسم کا دھونا اور غسل کرنا ضروری ہے حدیث شریف میں آتا ہے تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ جَنَابَةٌ (ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہے) اسی لئے غسلِ جنابت (ناپاکی کے غسل) میں بالوں کی جڑوں تک میں پانی پہنچانا ضروری ہے۔

سبق آموز بات۔

اس حدیث میں دیکھنے اور سبق لینے کی بات یہ ہے کہ قرونِ اولیٰ (پہلی صدیوں) کے مسلمانوں کے ایمان خدا اور اسکے رسول کی تعلیمات پر اتنے قوی ہوتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کا سُن لینا اُن کے ہر طرح کے خلجان اور تردد کو دُور کرنے کے لئے کافی ہوتا تھا اسکے برعکس ہم آج قرآن و حدیث میں منصوص اور صریح احکام سنتے ہیں مگر ہمارے دل مطمئن نہیں ہوتے، طرح طرح کے شکوک و شبہات اور احتمالات و تاویلات ہمارے ذہنوں پر مسلط رہتے ہیں اور اطمینان قلب نصیب نہیں ہوتا یہ ہمارے ضعف ایمان کا نتیجہ ہے۔ حق تعالیٰ ہمیں کامل اور پختہ ایمان نصیب فرمائیں۔ آمین

حقیقی حُبِ رسول ﷺ کا کرشمہ

(۲) حدیث کا دُوسرا حصہ کسی جماعت یا گروہ سے محبت کرنے سے متعلق ہے اوّل تو زر بن حبیش کا سوال ہی اُن کی تمنا اور آرزو کی غمازی کررہا ہے کہ اُن کا منتہائے آرزو یہ ہے کہ کسی طرح آخرت میں محبوب رب العالمین ﷺ اور ان کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رفاقت نصیب ہوجائے مگر اعمال کے اعتبار سے اپنی پستی اور کمتری کو دیکھ کر مایوس ہوجاتے ہیں پھر محبت کا جذبہ سر اُبھارتا ہے پھر اپنی کمتری کو دیکھ کر مایوس ہوجاتے ہیں اسی کشمکش سے نجات پانے کے لئے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سے سوال کرتے ہیں اور رحمتِ عالم ﷺ کا محبت نواز جواب بلکہ خوشخبری سُنکر مطمئن ہوجاتے ہیں یہ سب کچھ اس حُبِ رسول ﷺ کا کرشمہ ہے جسکے متعلق سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

تم میں سے کوئی کامل مومن ہو گا یہاں تک کہ میں اسکے لئے اسکے ماں باپ سے اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔

یعنی جب تک محبوب رب العالمین ﷺ کی ذاتِ گرامی مسلمان کے لئے اَحَبُّ خلق اللہ رخدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب) نہ بن جائے اسوقت تک اس کا ایمان ہی کامل نہیں ہوتا۔

کسی سے محبت کا تقاضا۔

یاد رکھیے! کسی قوم یا گروہ یا فرد سے واقعی محبت کا فطری تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنی استطاعت کے بقدر اعمال و اخلاق میں، گفتار و کردار میں، صورت و سیرت میں، معیشت و معاشرت میں غرض ہر چیز میں اپنی ہستی کو محبوب کی سیرت کے سانچہ میں ڈھال لیتا ہے اور اسکے ہر قول و فعل پر عمل کرنے میں غایت درجہ لطف و لذت اور سرور و انبساط محسوس کرتا ہے اسی لئے یہ محبت محبوب رب العالمین ﷺ کے اتباع کامل (مکمل پیروی) کا وسیلہ بن جاتی ہے جس پر خالق کائنات کی محبت و مغفرت کا مدار ہے۔ جل جلالہ اپنے حبیب ﷺ کی زبان سے ارشاد فرماتے ہیں:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ۔

اے نبی ﷺ تم کہدو: اگر تم جل جلالہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، جل جلالہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دیگا

لہٰذا اس مبنی بر محبت اتباع کے بعد آخرت میں محبوب رب العالمین ﷺ کی رفاقت میسر آنے میں کوئی تردد ہو ہی نہیں سکتا اسی لئے آپ نے ارشاد فرمایا ہے: المرء مع من احب یوم القیامۃ (آدمی جس سے محبت کرے گا قیامت کے دن اسی کے ساتھ ہو گا)

اور جل جلالہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت و پیروی کرنے والوں کو اس رفاقت کی خوشخبری اس آیت کریمہ میں سنائی ہے۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا۔ (النساء آیت ۶۹)

اور جو جل جلالہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت کرینگے وہی لوگ ان کے ہمراہ ہونگے جن پر جل جلالہ نے انعام فرمایا ہے، انبیاء کے، اولیاء کے شہداء کے اور نکو کاروں کے اور یہی رجال گروہ سب سے اچھے رفیق ہیں (دنیا اور آخرت کی زندگی کے ساتھی ہو سکتے ہیں)

کس کا حشر کس کے ساتھ ہو گا؛ اسکی کسوٹی اور اسکی وجہ۔

رسالتمآب ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے نکلے ہوئے اس چند کلمات پر مشتمل چھوٹے سے فقرہ میں صرف عاشقانِ رسول ﷺ کے لئے رفاقت محبوب کی خوشخبری ہی نہیں ہے بلکہ یہ ایک فطری اور طبعی معیار اور کسوٹی بھی ہے جس پر پرکھ کر ہر فرد اور قوم کے متعلق باسانی معلوم کیا جاسکتا ہے کہ قیامت کے دن اس کا حشر کن لوگوں کے ساتھ ہو گا؛ اس لئے کہ انسان فطری طور پر اعمال و اخلاق، گفتار و کردار، صورت و سیرت، لباس و ہیئت، معیشت و معاشرت غرض

اپنی پوری زندگی میں غیر شعوری یا شعوری طور پر انہی لوگوں کے نقشِ قدم پر چلنے بلکہ ہو بہو ان کی نقل اتارنے کی کوشش کرتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے جن کو دل سے اچھا سمجھتا ہے اس محبت و پسندیدگی کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ہر چیز میں انہی کا اتباع اور پیروی کرتا ہے اور مرنے کے بعد انہی کے ساتھ اس کا حشر ہوتا ہے یہی مطلب ہے، صادق مصدوق ﷺ کے اس ارشاد کا۔

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ — جس نے کسی قوم سے مشابہت اختیار کی وہ اسی قوم میں سے ہوتا ہے۔

اور اس خطرہ کے پیش نظر سراپا رافت و رحمت نبی ﷺ اپنی امت کو متنبہ فرماتے ہیں۔

اَلْمَرْءُ عَلٰى دِيْنِ خَلِيْلِهٖ فَلْيَنْظُرْ اَحَدُكُمْ مَنْ يُّخَالِلُ — آدمی اپنے جگری دوست کے دین پر رہا کرتا ہے اسلئے تم میں سے ہر شخص کو خوب اچھی طرح دیکھ لینا چاہیئے کہ وہ کس فرد یا قوم سے دلی محبت کرتا ہے۔

ہماری زندگی اور اس کا نتیجہ

اس معیار کی روشنی میں جب ہم اپنی زندگی اور معیشت و معاشرت کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ہم زندگی کے ہر شعبہ میں رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی اور انبیاء و اولیاء، صحابہ و تابعین اور صلحاء و اتقیاء امت کی پیروی کرنے کے بجائے شعوری یا غیر شعوری طور پر فرنگیوں کے نقش قدم پر چلنے بلکہ گفتار و کردار اور معیشت و معاشرت میں ان کی مکمل نقل اتارنے میں سرگرداں ہیں خاصکر ہماری نئی اور تعلیم یافتہ نسل تو اسلام کو بھی "ماڈرن" بنانے میں مصروف ہے اس کا نتیجہ حاکم بدہن اسکے سوا کچھ نہیں کہ ہمارا حشر قیامت کے دن فرنگیوں اور یورپین اقوام کے ساتھ ہوگا العیاذ باللہ

ہمارا فرض

اسلئے ہمارا فرض ہے کہ محبوب رب العالمین ﷺ کے عبرت آموز فرمان المرء مع من احب یوم القیامۃ سے سبق حاصل کر کے جلد از جلد اپنی معیشت و معاشرت کو رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کے اور صلحاء و اتقیاء امت کی زندگی کے سانچہ میں ڈھال لیں اور اپنے اسلاف کی اسلامی معاشرت کو اختیار کریں اور غیر مسلموں خصوصاً فرنگیوں کی تمام خصوصیات اور غیر اسلامی شعار یکسر ترک کر دیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یاد رکھیئے اس کا مطلب ہرگز نہیں کہ آپ اب سے ڈیڑھ ہزار سال پہلے کی زندگی کو اختیار کریں اور موجودہ زمانے کی ترقیات، ایجادات اور مصنوعات سے فائدہ نہ اٹھائیں، آپ ہر چیز کو استعمال کیجئے، اس سے فائدہ اٹھایئے، وہ اللہ کی نعمت ہے، مگر اپنی معاشرت میں غیر مسلموں کی خصوصیات اور غیر اسلامی شعار (امتیازات) کو یک قلم ترک کر دیجئے کسی بھی قوم کی نقالی اور ریس نہ کیجئے یہی آپ کی قومی خودداری کا تقاضا بھی ہے۔

سورج کے مغرب سے نکلنے اور توبہ کے دروازے بند ہونے کا باہمی ربط

حدیث کا تیسرا حصہ توبہ کے دروازہ کی انسانی تصور سے بالاتر وسعت و فراخی کے بیان سے متعلق ہے اسی کے

ساتھ آفتاب کے مشرق کے بجائے مغرب سے نکلنے اور توبہ کا دروازہ بند ہونے کے باہمی ربط و تعلق کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ گناہ اور توبہ انسانی خلقت کے لوازمات میں سے ہیں جب تک عالم اور اس میں انسان رہیں گے گناہ اور توبہ کا سلسلہ بھی باقی رہے گا اور جب یہ عالم اور اس میں آباد انسان فنا ہو جائینگے یعنی قیامت آجائے گی تو نہ گناہ کا وجود ہوگا نہ توبہ کا۔

حدیث نمبر (۵/۲) { زیادہ سے زیادہ اور بڑے سے بڑے گناہ بھی صدق دل سے کی ہوئی توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں (ایک عجیب واقعہ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نبیٔ رحمت حبیب رب العالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تم سے پہلی ایک امت میں ایک آدمی تھا جو ۹۹ آدمیوں کو قتل کر چکا تب اس نے (لوگوں سے) روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کا پتہ دریافت کیا تو (لوگوں نے) اس کو ایک (عیسائی) "راہب" کا پتہ بتلایا یہ شخص اس راہب کے پاس آیا اور کہا: میں ننانوے ۹۹ آدمیوں کو قتل کر چکا ہوں کیا اب بھی میرے لئے توبہ (کا امکان) ہے؟ راہب نے کہا: "نہیں" تو اس نے راہب کو بھی قتل کر ڈالا اور اس طرح سو قتل پورے کر دیئے اور پھر (لوگوں سے) روئے زمین کے سب سے بڑے عالم کا پتہ دریافت کیا تو (لوگوں نے) اس کو ایک اور عالم کا پتہ بتلایا۔ یہ (ایک سو بندگانِ خدا کا قاتل) اس کے پاس گیا اور کہا: میں سو آدمیوں کو قتل کر چکا ہوں کیا اب بھی میرے لئے توبہ (کا امکان) ہے؟ اس نے کہا: "ہاں ضرور ہے، اور بھلا اللہ کے بندے اور توبہ کے درمیان کوئی امر حائل (اور مانع) ہو سکتا ہے؟ تم فلاں فلاں بستی میں جاؤ وہاں اللہ کے کچھ عبادت گزار و مقبول بندے شب و روز اپنے رب کی عبادت میں مصروف ہیں تم ان کے ساتھ رہ کر اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جاؤ اور ہاں دیکھنا! اپنی اس گناہ کی سرزمین (بستی) کی طرف پھر واپس آنے کا نام تک نہ لینا

یہ بہت بُری سرزمین ہے" وہ شخص اُس بستی کی جانب چل دیا آدھا راستہ
طے کیا تھا کہ موت آگئی تو اُسکی رُوح کے بارے میں رحمت کے فرشتوں اور
عذاب کے فرشتوں میں جھگڑا ہونے لگا، رحمت کے فرشتوں نے کہا: یہ شخص
(اپنے گناہوں سے) تائب ہو کر دل سے ﷻ کی رحمت کی طرف متوجہ ہو چکا
(لہٰذا اسکی رُوح کو ہم علیین میں لے جائیں گے)۔ عذاب کے فرشتوں نے کہا:
(یہ تو صحیح ہے لیکن) اس نے کوئی نیک کام مطلق نہیں کیا (پھر یہ رحمت کا
مستحق کیسے ہو گیا) تو (اللہ کے حکم سے) ایک فرشتہ انسانی صورت میں اُن کے
سامنے آیا، دونوں فریق نے اسکو اپنا (جھگڑا طے کرنے کے لئے) حَکَم (ثالث)
بنا لیا تو اس (انسان نما فرشتہ) نے کہا: "بھئی (جھگڑا کیوں کرتے ہو) دونوں
سرزمینوں (گناہ کی بستی اور عبادت و طاعت کی بستی) کی پیمائش کرلو جس
علاقہ سے قریب تر ہو اُسی علاقہ کے لوگوں میں شامل کردو" چنانچہ انہوں نے پیمائش
کی اس علاقہ سے قریب تر پایا جس میں عبادتِ الٰہی کے ارادے سے وہ
جا رہا تھا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں تو اس روایت کے
الفاظ یہی ہیں۔ لیکن ایک اور صحیح روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ نکوکاری کے
علاقہ کی جانب، صرف ایک بالشت مسافت زیادہ تھی، اسی لئے اس بستی
والوں میں سے شمار کیا گیا۔ ایک اور صحیح روایت میں ہے کہ خود سبحانہ وتعالیٰ
نے بدکاری کی سرزمین کو حکم دیا کہ: تو دُور ہو جا" اور نکوکاری کی سرزمین کو حکم دیا
کہ: تو قریب ہو جا" اور (اسکے بعد) اُس فرشتہ نے کہا: اب دونوں
علاقوں کی مسافت ناپ لو" تو نیکی کی سرزمین سے ایک بالشت قریب تر
نکلا اور اسکی مغفرت کر دی گئی۔ ایک اور روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ

(مرتے وقت) اُس نے اپنا سینہ (رُخ) نکوکاری کی سرزمین کی طرف کیا ہوا تھا۔

تشریح!

اس واقعہ کے مضمون کی تایید قرآن و حدیث سے

یہ واقعہ اگرچہ کسی پہلی اُمت کا ہے مگر صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس کو اُمت کے سامنے بیان کرنا اسکے سچا اور صحیح ہونے کی دلیل ہے چنانچہ قرآن و حدیث کی تصریحات کی رُو سے بھی کتنے ہی شدید اور کثیر گناہوں کا کوئی شخص مرتکب کیوں نہ ہو چکا ہو، توبہ کا دروازہ پھر بھی اسکے لئے کھلا ہے، صدق دل سے کی ہوئی توبہ، زیادہ سے زیادہ اور سخت سے سخت گناہوں کی مغفرت کیلئے بھی کافی ہے ارحم الراحمین کا ارشاد ہے:

يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا (الزمر آیت ۵۲)

اے میرے وہ بندو جو اپنی جانوں پر حد سے زیادہ ظلم کر چکے ہو (ساری عمر بڑے بڑے گناہوں میں گزاری ہے) تم اب بھی اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو۔ بیشک اللہ سارے گناہوں کو بخش دے گا۔

اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں آتا ہے کہ بعض کفار و مشرکین نے عرض کیا: آپ کا دین بہت اچھا ہے اور ہم اسکو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ ہمیں اپنے کثرت سے کئے ہوئے سابقہ گناہوں ۔ کفر و شرک، قتل و زنا وغیرہ ۔ کے کفارہ کا یقین اور اُن کے معاف ہونے کا اطمینان ہو جائے؟ تو اس پر مذکورہ بالا آیت کریمہ اور آیت کریمہ ذیل نازل ہوئی۔

وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ (إلى) إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا۔ (سورہ فرقان آیت ۷۰)

اور وہ لوگ جو نہیں پکارتے (ترجمہ والے قرآن میں پوری آیت پڑھیئے اور سمجھیے) بجز اُن لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی اور ایمان لے آئے اور نیک کام کئے تو اللہ اُن کی بدکرداریوں کو نکوکاریوں سے بدل دے گا (ایمان کے بعد نکوکاریوں کو ایمان سے پہلے کی بدکاریوں کا کفارہ بنا دے گا) اور اللہ تو بڑا ہی مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔

نیز رحمتِ عالم ﷺ کا ارشاد ہے:۔

اَلْاِسْلَامُ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ

اسلام مٹا ڈالتا ہے اسلام سے پہلے کے جو بھی گناہ ہوتے ہیں اُن کو۔

مگر شرط یہی ہے کہ صدق دل سے کی ہوئی توبہ ہو۔ اور توبۃ نصوحا (گناہوں سے باز رکھنے والی سچے دل سے توبہ) کا مصداق ہو ادعیہ ماثورہ میں آتا ہے:

وَأَسْأَلُكَ تَوْبَةً نَّصُوحًا

اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں (گناہوں سے) باز رکھنے والی توبہ کا

حضرت کعب بن مالک کی عظیم توبہ کا واقعہ اور سچ بولنے کے برکات

حدیث نمبر (۹/۲۱)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے فرزند عبداللہ بن کعب سے۔ جن کو حضرت کعب بن مالک کے نابینا ہو جانے کے بعد اُن کے تمام لڑکوں میں اپنے باپ کے رہبر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے خود اپنے والد کعب بن مالک کی زبان سے غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ میں شریک نہ ہونے کا واقعہ سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کفار و مشرکین سے) جتنی لڑائیاں لڑی ہیں ان میں بجز جنگ تبوک کے کبھی کسی لڑائی میں، میں آپ سے پیچھے نہیں رہا (بلکہ ہر لڑائی میں آپ کے ساتھ رہا ہوں) باقی جنگ بدر میں میرا شریک نہ ہونا قابل مواخذہ نہیں ہے کیونکہ جنگ بدر میں نہ شریک ہونے والے کسی بھی شخص سے آپ نے ناراضگی کا اظہار نہیں کیا اس لئے کہ جنگ بدر کے واقعہ میں تو آپ اور آپ کے ہمراہ مسلمان (اپنے خیال میں) قریش کے تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے نکلے تھے یہ مشیتِ الٰہی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اعلانِ جنگ کرائے بغیر قریش کے جنگجو لشکر سے مڈبھیڑ کرادی (جیسا کہ قرآن کریم کی آیت کریمہ:

لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا	اگر تم (اور مشرکین آپس میں لڑائی کا فیصلہ کرتے اور اعلانِ جنگ کرتے) تو تم (دونوں فریق) یقیناً مقررہ وقت پر وعدہ خلافی کرتے (اور میدانِ جنگ میں نہ آتے) لیکن اللہ تعالیٰ تو شدنی امر (لڑائی اور مشرکین کی شکست) کا فیصلہ کر چکے تھے (اسلئے بغیر اعلانِ جنگ کے لڑا دیا)
(الانفال آیت ۴۲)	

سے ظاہر ہے)

فرماتے ہیں :—— اور میرے لئے تو بخدا رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ لیلۃ العقبۃ[1] کی شرکت بہت کافی ہے۔ جس میں ہم نے اسلام اور مسلمانوں کی حمایت کے عہد و پیمان کئے تھے، اور میں تو کبھی بھی یہ پسند نہ کروں گا کہ لیلۃ العقبۃ کے بجائے مجھے جنگِ بدر کی شرکت نصیب ہوتی، اگرچہ لوگوں میں جنگِ بدر کی شرکت زیادہ اہم اور قابلِ ذکر سمجھی جاتی ہے۔ (یعنی درحقیقت بے یار و مددگار اسلام اور مسلمانوں کی حمایت کرنے اور پناہ دینے کے سلسلہ میں لیلۃ العقبۃ کے عہد و پیمان کرنے والے لوگوں — انصار — نے جو کردار ادا کیا ہے وہ جنگِ بدر میں لڑنے والے غازیوں کے کارنامہ سے بدرجہا اہم اور

---

[1] لیلۃ العقبہ کا بیان لیلۃ العقبۃ (عقبہ کی رات) عقبہ منیٰ میں ایک پہاڑ کی گھاٹی ہے جسکے قریب جمرۂ عقبہ واقع ہے — جس کی رمی (کنکریاں مارنا) مناسک حج میں داخل ہے آج کل عوام اس کو بڑا شیطان کہتے ہیں اس گھاٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے تین سال قبل ایام حج کے اندر خفیہ طور پر تین سال میں تین مرتبہ مدینہ کے عرب قبائل — اوس و خزرج — کے حجاج اور نمائندوں سے اسلام اور مسلمانوں کو مدینہ میں پناہ دینے اور حمایت کرنے کے بارے میں تین تاریخی ملاقاتیں کی ہیں پہلی مرتبہ — پہلی لیلۃ العقبہ — میں اوس و خزرج کے چھ یا سات آدمیوں سے ملاقات فرمائی اور ان کو اور ان کے ذریعہ اُن کے قبائل اوس و خزرج کو صرف اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے مدینہ واپس جاکر اپنے قبائل کو وہ دعوت پہنچائی۔ اس پر دوسرے سال دونوں قبائل کے بارہ سرکردہ نمائندوں نے اسی گھاٹی عقبہ میں آپ سے ملاقات کی اور آپ نے اُن کو اور اُن کے واسطے سے اُن کے قبائل کو اسلام اور مسلمانوں کو مدینہ میں پناہ دینے اور حمایت کرنے کی بھی دعوت دی اور اسکی تفصیلات و شرائط بتلائیں یہ دوسری لیلۃ العقبہ ہے تیسرے سال مدینہ کے قبائل اوس و خزرج نے اپنے ستر یا پچھتر سرکردہ نمائندے انتخاب کرکے باقاعدہ معاہدہ کرنے کے لئے بھیجے چنانچہ اسی گھاٹی عقبہ میں وہ لوگ آپ سے ملے اور انہوں نے اپنے قبائل کی جانب سے عہد و پیمان کئے اور حلف اٹھائے اس معاہدہ کے بعد آپ نے خفیہ طور پر آہستہ آہستہ مسلمانوں کو مدینہ بھیجنا شروع کردیا یہاں تک کہ ماہ ربیع الاول سنہ ہجری میں خود بھی ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے آئے یہ تیسری لیلۃ العقبہ ہے اسی لیلۃ العقبہ میں کعب بن مالک نے اپنے قبیلہ کی جانب سے عہد و پیمان کیا تھا اسی کا ذکر کعب بن مالک کر رہے ہیں چونکہ اس معاہدہ کی تکمیل میں کعب بن مالک نے سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور سر توڑ کوشش کی تھی اس لئے وہ اس واقعہ اور اس کی شرکت کو اپنے مفاخر میں سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں بعض مورخین پہلی ملاقات کو ایک عام اور اتفاقی چیز سمجھتے ہیں اسلئے وہ صرف دو لیلۃ العقبہ — ثانیہ و ثالثہ کا ذکر کرتے ہیں تفصیلات کتب تاریخ و سیر میں ضرور ملاحظہ فرمایئے یہی وہ تاریخ ہے جس کو پڑھ کر مسلمانوں کا ایمان تازہ ہوتا ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم دنیا بھر کی تاریخ پڑھتے ہیں نہیں پڑھتے تو اسلام کی تاریخ نہیں پڑھتے اور نہ اسکو کچھ اہمیت دیتے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہ . . .

اور قابلِ ذکر ہے۔ بہر صورت جنگِ بدر میں میرے شریک ؓ ہونے سے میری سرخروئی پر کوئی حرف نہیں آسکتا جبکہ اُس سے اہم ترمعرکہ لیلۃ العقبہ میں شریک رہ چکا ہوں)

غزوۂ تبوک اور کعب بن مالک رضؓ کے اس میں شریک نہ ہونے کی وجہ

بہر حال غزوۂ تبوک میں میرے رسُول اللہ ﷺ کے ہمراہ شریک ؓ ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ: (سچی بات یہ ہے) میں اپنی عمر میں کبھی بھی اُس وقت سے زیادہ قوی اور خوشحال نہیں ہوا جتنا میں اس غزوہ میں آپ کے ساتھ شریک نہ ہونے کے وقت تھا، بخدا (اس سے پہلے) بیک وقت ۲دو سواری کے قابل اونٹنیاں میرے پاس کبھی نہیں ہوئیں، مگر اس جنگِ تبوک کے وقت دو اونٹنیاں (مع سازو سامان سفر) میرے پاس موجود تھیں۔

رسُول اللہ ﷺ کی عام عادتِ شریفہ اور اس جنگ میں اسکے خلاف عمل کرنیکی وجہ

رسول اللہ ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جس سمت آپ کو جنگ کرنے کے لئے جانا ہوتا (ازراہِ احتیاط) کبھی صراحت کیساتھ اس کا نام نہ لیتے بلکہ اسکے علاوہ کسی اور سمت کا مبہم الفاظ میں ذکر فرماتے (تاکہ دشمنوں کو پہلے سے خبر نہ ہو جائے) مگر خلاف عادت اس جنگِ تبوک کا آپ نے صراحت کے ساتھ اعلان فرمایا تھا۔ اس لئے کہ آپ شدید گرمی کے موسم میں پورے ایک ماہ کا دُور دراز سفر بے آب و گیاہ بیابانوں میں طے کر کے دشمنوں کے ایک بڑے بھاری لشکر سے یہ جنگ کرنا چاہتے تھے اسلئے آپ نے واضح الفاظ میں صاف صاف بتلا دیا تھا (کہ شام کے سرحدی مقام تبوک میں رومی افواج سے جنگ کرنی ہے تاکہ لوگ اس دُور دراز سفر اور عظیم جنگ کا سامان اور تیاری مکمل طور پر کرلیں

(حالات کی اس ناسازگاری کے باوجود مسلمان مجاہدوں کی تعداد اس مقدس جہاد میں شرکت کرنے کے لئے اتنی زیادہ تھی کہ کسی محاسب کے دفتر اور رجسٹر میں ان کے نام نہیں آسکتے تھے) کعب کہتے ہیں کہ: (اس کثرت تعداد اور انبوہ کثیر کا ہی ایک نتیجہ یہ بھی تھا کہ) جو لوگ اس جنگ سے غائب ہونا چاہتے تھے اُن میں سے کم ہی کوئی شخص ہوگا جس کا یہ گمان نہ ہو کہ (اس بیکراں لشکر اور انبوہ کثیر میں سے ہمارے غائب ہونے کا آپ کو پتہ چل ہی نہیں سکتا) جب تک کہ ہمارے متعلق ﷻ کی جانب سے وحی نازل نہ ہو (اور آپ کو اسکی اطلاع نہ دی جائے سو ایسا کہاں ہوتا ہے)

صبر آزما امور | (بڑی صبر آزما بات یہ تھی کہ) آپ نے یہ لڑائی ٹھیٹ گرمی کے موسم میں لڑنے کا قصد فرمایا تھا جبکہ کھجور (اور انگور) کے باغوں کے پھل پک رہے تھے اور سائے خوشگوار ہو رہے تھے (اور طبعی طور پر ہر شخص سفر و جنگ کے بجائے باغوں میں ڈیرے ڈال کر راحت و آسائش کی داد دینا پسند کرتا تھا جیسا کہ اہل مدینہ کا معمول تھا کہ اس موسم میں باغات کے اندر جا کر رہا کرتے تھے) اور یہی دلکشی اور راحت پسندی میرے لئے اس جنگ میں شرکت کرنے سے جان چرانے کا سبب بن رہی تھی۔

اس سفر و جنگ کی تیاریاں اور حضرت کعب کی حالت | بہرحال رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے ساتھ تمام سرفروش غازیوں نے اس دشوار ترین سفر اور عظیم ترین جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں میں بھی روزانہ گھر سے نکل کر جاتا کہ میں بھی سب کے ساتھ مل کر

---

[۱] غزوۂ تبوک کی تاریخ اور مجاہدوں کی تعداد | ماہ رجب ۹ھ میں رسول اللہ ﷺ انتہائی عسرت اور بے سروسامانی کے عالم میں۔ اسی لئے اس لشکر کو "جیش عسرۃ" اور اس جنگ کو "غزوۂ عسرت" بھی کہتے ہیں۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے تھے اور مدینہ کے قریب "ثنیۃ الوداع" میں لشکرگاہ (فوجی کیمپ) قائم کی تھی بروایت محمد بن اسحاق تیس[۳۰] ہزار سے زیادہ سرفروش مجاہد آپ کے ساتھ تھے جن میں دس[۱۰] ہزار سوار تھے۔ اور حاکم نے بروایت ابو زرعہ اس لشکر کی تعداد ستر[۷۰] ہزار بتلائی ہے۔ دراصل تیس[۳۰] ہزار مسلح اور جنگجو فوج تھی جن میں دس[۱۰] ہزار سوار تھے، باقی پیادہ اور نوکر چاکر کمیرے، دوکان دار وغیرہ سب ملا کر لشکر کی تعداد ستر[۷۰] ہزار تھی۔

سامان سفر و جنگ کروں لیکن (دل کی چوری اور نفس کی خواہش کی بنا پر اُسی طرح لوٹ آتا اور کچھ نہ کرتا مگر ساتھ ہی دل میں برابر یہ کہتا رہتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو اس سفر و جنگ کا سامان میں بھی کر سکتا ہوں (میرے لئے کوئی امر مانع نہیں ہے۔)

مدینہ طیبہ سے مجاہدین اسلام کی روانگی | غرض ادھر میرا یہ پہلوتہی کا سلسلہ بڑھتا رہا ادھر جفاکش اور سرفروش مسلمانوں میں اس سفر و جنگ کے اہتمام کا سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن صبح سویرے رسول اللہ ﷺ اور تمام سرفروش مسلمان پورے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر لشکرگاہ (فوجی کیمپ) میں پہنچ گئے اور میں ابھی تک (گومگو کے عالم میں تھا اور مطلق) کوئی تیاری اور سامان نہ کر پایا تھا۔ حسبِ معمول اگلے روز بھی میں صبح سویرے گھر سے نکلا اور شام کو اسی طرح واپس آ گیا اور کچھ نہیں کیا اور پہلوتہی کی یہی صورت حال قائم رہی آخر مجاہدین نے پوری سرعت کے ساتھ لشکرگاہ (چھاؤنی) سے روانگی کا اہتمام شروع کر دیا اور سفر جہاد شروع ہو گیا۔ تو میں نے دل میں کہا کہ: لشکر روانہ ہو گیا تو کیا ہے میں اگر چاہوں تو اب بھی براہِ راست مدینہ سے کوچ کر کے لشکر سے جا ملوں گا ——— کاش کہ میں ایسا کر لیتا ——— مگر جب مقدر میں تھا ہی نہیں تو کیسے کر لیتا۔

(غرض مجاہدین اسلام کا یہ بیکراں لشکر چلچلاتی دھوپ اور تپتی ہوئی ریت میں گامزن تھا اور میں اسیرِ ہوائے نفس ہرے بھرے پھلدار درختوں کے سایہ میں راحت و آسائش کی داد دے رہا تھا)

حضرت کعب کی اضطرابی کیفیت | رسول اللہ ﷺ (اور مسلمانوں) کے مدینہ طیبہ سے چلے جانے کے بعد جب بھی میں گھر سے باہر نکلتا تو مجھے یہ دیکھ کر غم و اندوہ اور یاس و حرمان چاروں طرف سے گھیر لیتا کہ پوری بستی میں مجھے اپنا جیسا کوئی آدمی نظر نہ آتا بلکہ یا اِکا دُکا کوئی بدنام منافق نظر آتا یا وہ کمزور و ناتواں، بوڑھے بیمار اور

معذور لوگ نظر آتے جن کے شرکتِ جنگ سے معذور و مستثنیٰ ہونے کا اعلان ﷺ نے فرما دیا ہے۔

آپ کی ناگواری کے آثار اور لوگوں کی چہ میگوئیاں (ادھر) محبوب رب العالمین ﷺ نے بھی (اس پورے ایک ماہ کے سفر میں کبھی ایک مرتبہ بھی صحابہ کے سامنے میرا تذکرہ نہیں فرمایا یہاں تک کہ جب آپ تبوک پہنچ گئے تو ایک دن آپ صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے، فرمانے لگے: کعب بن مالک کا کیا ہوا؟ قبیلۂ بنو سلمہ کا ایک شخص بولا: خوشحالی و ثروتمندی کی فراوانی اور خود پسندی و جاہ پرستی کی تمکنت اُسکے پاؤں کی زنجیر بن گئی" تو اس پر فوراً معاذ بن جبلؓ بولے: بُری بات ہے، ایسا مت کہو، بخدا یا رسول اللہ (ﷺ) ہم نے اسکے اخلاق و کردار میں خیر و صلاح کے سوا اور کچھ نہیں دیکھا" یہ سُن کر آپ بھی خاموش ہو گئے۔

ابو خیثمہؓ کے پہنچنے کا واقعہ اس اثنا میں آپ نے دُور سے ایک سفید پوش رہرو کے ساتھ سراب کو کھیلتا ہوا (اور اپنی طرف آتا ہوا) دیکھا تو زبانِ مبارک سے نکلا (خدا کرے) تو "ابو خیثمہ ہو" چنانچہ وہ آنے والا (خوش نصیب) ابو خیثمہ[۱] انصاری ہی نکلا۔

---

[۱] **سچی محبت** ابو خیثمہ اپنے تخلف (ساتھ نہ جانے) کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو تبوک روانہ ہوئے چند ہی دن گذرے تھے کہ ایک دن شدید گرمی پڑ رہی تھی میں دوپہر کو اپنے گھر (باغ) میں گیا تو دیکھا کہ میری دونوں بیویوں نے کھجور کے درختوں اور انگور کی بیلوں کے سایہ بانوں کے نیچے اپنی اپنی جگہ کو پانی چھڑک کر خوب ٹھنڈا کر رکھا ہے، ٹھنڈے پانی کی صراحیاں تیار رکھی ہیں، کھانا تیار ہے۔ ابو خیثمہ نے جونہی عریش (خسخانہ) کے دروازے میں قدم رکھا تو اپنی بیویوں اور اس کھانے پینے کے سامانِ عیش و عشرت کو دیکھتے ہی بے ساختہ اُنکی زبان سے نکلا: سبحان اللہ! اللہ کا رسول ﷺ جس کی تمام اگلی پچھلی کوتاہیوں کی مغفرت کی بشارت اللہ نے دُنیا میں ہی مجھے دی ہے ــــ اس شدید گرمی، چلچلاتی دھوپ، ریگستانی لوؤں کے تھپیڑوں اور تپتے ہوئے ریت کے ریگستانوں میں جسم مبارک پر ہتھیاروں کا بوجھ اُٹھائے مسلح، اللہ کی راہ میں دشمنوں سے لڑنے کے لئے سفر کی مشقتیں برداشت کر رہے ہوں اور ابو خیثمہ سرسبز درختوں کے خنک سایہ میں حسین جمیل بیویوں کے ساتھ بیٹھ کر لذیذ کھانے کھائے، ٹھنڈا پانی پیئے اور عیش و عشرت کی داد دے، خدا کی قسم یہ ہرگز انصاف نہیں ہے؛ خدا کی قسم میں تم دونوں میں کسی کے خسخانہ میں ہرگز قدم نہیں رکھوں گا تم اسی وقت میری سواری اور سامانِ سفر تیار کر دو تاکہ میں پہلی فرصت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں چنانچہ دونوں فرمانبردار بیویوں نے اسی وقت آب کشی کے اونٹ پر ان کا سامانِ سفر باندھا اور یہ اُسی وقت سوار ہو کر یہ جادہ جا تن تنہا تبوک کی راہ لی یہاں تک کہ حبیب رب العالمین ﷺ نے دُور سے ایک سفید پوش تن تنہا سوار کو سراب کے تھپیڑوں کے ساتھ دست و گریبان دیکھا تو فوراً زبان مبارک سے نکلا کن ابا خیثمۃ جیسا کہ حضرت کعب کی حدیث میں آچکا ہے اور اللہ کی توفیق سے رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کی سعادت حاصل کر لی اور تخلف کے ننگ و عار اور گناہ عظیم[۲] کے ارتکاب سے بال بال بچ گئے۔ ۱۲

یہ وہی مخلص صحابی تھے جن کے رسول اللہ ﷺ کی اپیل پر ایک صاع کھجور لڑائی کے چندے (وار فنڈ) میں دینے پر منافقین نے خوب طعن و تشنیع کی تھی جس کا ذکر قرآنِ کریم میں آیا ہے۔

سرورِ کائنات ﷺ کی واپسی کی خبر سُنکر کعب بن مالک کی اضطرابی کیفیت اور قربِ نفس

کعب بن مالک کہتے ہیں: (ایک ماہ بعد) جب مجھے رسول اللہ ﷺ کے تبوک سے واپس روانہ ہونے کی خبر ملی تو غم واندوہ اور شرم و ندامت کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹ پڑا اور طرح طرح کے جھوٹے بہانے مجھے یاد آنے لگے اور ایسے عذر تراشنے لگا جن کے ذریعہ میں کل (آپ کی واپسی پر) آپ کی ناراضگی سے بچ سکوں۔ اسی سلسلہ میں اپنے گھر کے ہر ذی رائے شخص سے مشورے بھی کیئے اور مدد بھی لی۔

شانِ نبوی ﷺ کی حفاظت | لیکن جب مجھے بتلایا گیا کہ اب رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچا ہی چاہتے ہیں، تو یہ کذب بیانی اور بہانہ تراشی کے شیطانی خیالات میرے دل و دماغ سے محو ہو گئے اور میں نے یقین کر لیا کہ میں ان (منافقانہ) بہانہ تراشیوں اور حیلہ سازیوں کے ذریعہ ہرگز نجات نہیں پا سکتا۔

سچ بولنے اور اعترافِ جرم کا فیصلہ | چنانچہ میں نے آپ کے سامنے بالکل سچ بولنے کا تہیہ (فیصلہ) کر لیا۔ اگلے روز صبح سویرے رسول اللہ ﷺ مدینہ پہنچ گئے رسول اللہ ﷺ کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب بھی آپ کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں تشریف فرما ہوتے اور دو[۲] رکعت نماز (تحیۃ القدوم) پڑھتے اسکے بعد لوگوں سے ملاقات کے لیئے تشریف رکھتے۔

دوسرے متخلفین (جنگ میں شریک نہ ہونے والوں) کا رویہ | چنانچہ جب آپ حسبِ عادت مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو آپ کی خدمت میں وہ تمام لوگ حاضر ہوئے

جو اس غزوہ میں شریک نہیں ہوئے تھے اور طرح طرح کے جھوٹے عذر پیش کرنے اور اُن پر قسمیں کھانے لگے یہ سب کچھ اوپر اسّی آدمی تھے آپ نے، جو بھی عذر اُنہوں نے پیش کئے (بلا تحقیق و تنقید) قبول کر لئے اور ان کو دوبارہ بیعت بھی کر لیا اور مغفرت کی دُعا بھی فرما دی باقی اُن کے دلوں میں چھپے ہوئے امور کو اللہ جل شانہٗ کے سپرد فرما دیا۔

بارگاہِ نبوت میں کعب بن مالکؓ کی پیشی | رفتہ رفتہ میری بھی باری آگئی اور میں بھی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تو جب میں نے سلام عرض کیا تو آپ نے ایک ناراض آقا کی طرح (طنزیہ) تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا: آؤ، آگے آؤ" تو میں شرم و ندامت کے بار سے بوجھل قدم اُٹھاتا آگے بڑھا، یہاں تک کہ حضور کے بالکل سامنے (دوزانو) بیٹھ گیا۔ تو آپ نے ناراضگی کے لہجہ میں فرمایا: کہو جی! تم کیوں اس جہاد سے پیچھے رہے؟ کیا تم نے اس جہاد کے لئے سواری کی اُونٹنی نہیں خریدی تھی؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم اگر میں آپ کے علاوہ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے انسان کے سامنے پیش ہوتا تو میں نہایت خوبی کے ساتھ برمحل معذرت کر کے اس کی ناراضگی سے بچنے کی تدبیروں پر غور کرتا۔ بخدا مجھے برجستہ بات بنانے کی بڑی قدرت حاصل ہے لیکن خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم! مجھے پورا یقین ہے کہ اگر آج میں آپ کی خدمت میں کوئی ایسا عذر گھڑ کر پیش بھی کردوں جس کو سُن کر آپ میری مجبوری کا یقین فرمالیں اور مجھ سے راضی بھی ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ (میری دروغ بیانی کی بنا پر) بہت جلد حقیقتِ حال سے آگاہ کر کے آپ کو مجھ سے ناراض کردے گا۔ اور اگر میں سچی بات عرض کروں (کہ میرے لئے شرکت جہاد سے کوئی بھی امر مانع نہ تھا) تو آپ کو مجھ پر اور بھی زیادہ غصہ آئے گا۔ لہٰذا میں (اپنی راست گوئی کی بنا پر) اللہ جل شانہٗ سے ہی حُسنِ انجام کی توقع قائم کرتا ہوں اور سچی بات

عرض کرتا ہوں کہ: بااللہ العظیم میں (اپنی عمر میں) کبھی اتنا قوی اور خوشحال نہیں ہوا جتنا آپ کی رفاقت سے منہ موڑنے کے وقت تھا۔

فیصلہ اور زبردست آزمائش تو اس پر حضور ﷺ نے صحابہ کی طرف رُخ کر کے فرمایا: "لو بھئی اس نے تو بالکل سچی بات کہہ دی" اور مجھ سے فرمایا: تو اب تم جاؤ تمہارے متعلق اللہ ہی فیصلہ فرما دینگے (کہ تمہیں معاف کیا جائے یا نہیں)

سچ بولنے پر اہل قبیلہ کی ملامت اور اُس کا اثر میں جب اپنی قسمت کا یہ فیصلہ سُن کر وہاں سے چلا تو میرے قبیلہ بنو سلمۃ کے متعدد سرکردہ آدمی میرے پیچھے پیچھے آئے اور ملامت و سرزنش کے طور پر کہنے لگے: ہم نے اس سے پہلے تو کبھی تم کو (دوسرے منافقوں کی طرح) کسی گناہ کا مرتکب نہیں پایا (یہ تمہارا پہلا منافقانہ قسم کا گناہ ہے) تو کیا تم اتنا بھی نہیں کر سکتے تھے کہ دوسرے جنگ میں شریک نہ ہونے والے لوگوں کی طرح تم بھی کوئی عذر پیش کر دیتے؛ اسلئے کہ تمہارے اس عذر گناہ کی مغفرت کیلئے رسول اللہ ﷺ کی دعاء مغفرت کافی ہوتی!

کعب کہتے ہیں: ان لوگوں نے میری اس بظاہر رسوا کن راست گوئی پر اس قدر طعن و تشنیع اور سرزنش و ملامت کی کہ میں نے (تنگ آکر) ارادہ کیا کہ حضور ﷺ کی خدمت میں واپس جاؤں اور اپنے بیان کی خود تکذیب کروں (کہ میں نے جو کچھ عرض کیا وہ سب جھوٹ تھا واقعہ یہ ہے کہ فلاں فلاں عذر کی وجہ سے میں اس غزوہ میں شریک نہ ہو سکا)

اللہ کی جانب سے صبر کی توفیق اور وجہ تسلی پھر میں نے اُن سے دریافت کیا: جیسا معاملہ میرے ساتھ ہوا ہے ایسا کسی اور کے ساتھ بھی ہوا ہے؟ اُنہوں نے کہا ہاں دو آدمی اور ہیں اُنہوں نے بھی ایسا ہی بیان دیا ہے جیسا تم نے دیا اور اُن کو بھی وہی

جواب دیا گیا ہے جو تم کو دیا گیا ہے (کہ تمہاری معافی کا معاملہ ﷺ کے سپرد ہے) میں نے کہا: وہ دونوں کون ہیں؟ اُنھوں نے کہا: ایک مرارۃ بن ربیعہ عامری ہے اور دوسرا ہلال بن اُمیہ واقفی ہے یہ دونوں بڑے صالح اور مخلص مسلمان تھے دونوں جنگِ بدر میں شریک ہو چکے تھے دونوں پیروی کے لائق دینداری کے مالک تھے اس لئے ان دونوں کا حال سُنکر (میں نے حضور ﷺ کی خدمت میں واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور) میں (راضی برضا مولیٰ) اپنے گھر چلا گیا۔

سزا میں اضافہ اور مسلمانوں کو کعب بن مالک سے سلام و کلام ترک کر دینے کا حکم (چند روز بعد) رسول اللہ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو "متخلّفین" (غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے والوں) میں سے ہم تین سے (جن کا معاملہ ﷺ کے سپرد تھا) تمام مسلمانوں کو سلام و کلام کرنے سے منع فرما دیا چنانچہ مسلمانوں نے ہم سے کلی طور پر قطع تعلق ــ مقاطعہ ــ کر لیا۔ اس ممانعت کے بعد نہ صرف تمام مسلمانوں نے ہم سے منہ پھیر لیا بلکہ مجھے تو زمین و آسمان بھی (بدلے ہوئے محسوس ہونے لگے) ایسا لگتا تھا کہ یہ زمین وہ ہے ہی نہیں جسے میں جانتا پہچانتا تھا۔

مقاطعہ کی سزا کا روح فرسا اثر اور ان تینوں کی حالت مختصر یہ کہ میرے دونوں ساتھی تو اس صورتِ حال کی تاب نہ لا کر اپنے گھروں میں (منہ چھپا کر) بیٹھ گئے (شب و روز گریہ وزاری اور توبہ و استغفار میں مصروف ہو گئے) میں چونکہ سب سے جوان ہمت اور بیباک تھا اسلئے (مجھ سے گھر میں نہ بیٹھا گیا) میں مسجد نبوی میں جاتا مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتا بازاروں میں چکر لگاتا مگر کوئی متنفس مجھ سے سلام و کلام مطلق نہ کرتا۔

نبیِ رحمت ﷺ کا رویہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتا اور

نماز سے فارغ ہو کر جب آپ صحابہ کے مجمع میں اپنی جگہ تشریف فرما ہوتے تو آپ کو سلام کرتا اور بغور دیکھتا کہ لب مبارک جواب سلام کے لئے حرکت میں آتے یا نہیں؟ پھر میں آپ کے قریب ہی نماز پڑھنے لگتا اور کنکھیوں سے دیکھتا کہ آپ میری طرف دیکھتے ہیں یا نہیں تو جب میں نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ میری طرف دیکھتے لیکن جونہی میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ منہ پھیر لیتے۔

مقاطعہ کے زمانہ میں جگری دوستوں اور قریبی رشتہ داروں کا رویہ اور کعب بن مالک کی حالت

یہاں تک کہ جب مسلمانوں کے اس قطع تعلق کا سلسلہ دراز اور میرے لئے بھی ناقابل برداشت ہو گیا تو میں ایک دن اپنے سب سے زیادہ محبوب دوست اور (رشتہ کے) چچازاد بھائی ابو قتادہ کے باغ کی جانب چلا (کہ دیکھوں پھر بھی وہ مجھ سے سلام و کلام کرتا ہے یا نہیں؟ دروازہ بند تھا) میں باغ کی دیوار پر چڑھ گیا اور وہیں سے اسکو سلام کیا تو خدا کی قسم اس نے وہاں بھی سلام کا جواب نہیں دیا تو میں نے (دیوار سے اُتر کر اور قریب جا کر) اس سے کہا: اے ابو قتادہ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں تو بتلا تجھے میرے متعلق یقین ہے کہ میں اللہ جل جلالہ اور اسکے رسول علیہ السلام سے محبت کرتا ہوں یا نہیں؟ وہ کچھ نہیں بولا، تو میں نے پھر قسم دے کر یہی سوال کیا، پھر بھی وہ خاموش رہا اور کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے تیسری مرتبہ پھر قسم دے کر یہی سوال کیا تو اس کی زبان سے صرف اتنا نکلا اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ (اللہ اور اسکا رسول ہی زیادہ جانتے ہیں) یہ دیکھ کر بے ساختہ میری آنکھوں سے آنسوؤں کا طوفان اُمنڈ پڑا اور میں منہ پھیر کر وہاں سے چل دیا اور دیوار پر چڑھ کر باغ سے نکل آیا۔

ایک اور آزمائش اور اس کا ردِ عمل ایک دن اسی کرب و بے چینی کے عالم میں مدینہ کے بازار سے گزر رہا تھا کہ اچانک شام کا ایک نبطی تاجر، جو خوردنی اشیا مدینہ کی منڈیوں

، میں فروخت کرنے آیا تھا چلا چلا کر کہہ رہا تھا: "کوئی ہے جو کعب بن مالک کا پتہ بتلائے؟" لوگ میری طرف اشارہ کرنے لگے (کہ یہ ہے کعب) تو وہ میرے پاس آیا اور "غسانی" فرماں روا، کا ایک (سربمہر) خط مجھے دیا، میں لکھنا پڑھنا جانتا تھا میں نے اسی وقت (اسکو کھول کر) پڑھا تو اس میں لکھا تھا: "سلام و دعا کے بعد! ہمیں اطلاع ملی ہے کہ تمہارے نبی نے تمہارے ساتھ انتہائی بدسلوکی اور بے مروتی کا معاملہ کیا ہے ﷻ نے تم کو نہ ذلیل و خوار ہونے کے لئے پیدا کیا ہے نہ یوں تباہ و برباد ہونے کے لئے تم ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہارے ساتھ (شایانِ شان) سلوک اور ہمدردی کرینگے" یہ خط پڑھتے ہی فوراً میری زبان سے نکلا: یہ ایک اور آزمائش ہے" اور اس خط کو اسی وقت ایک تنور کے حوالہ کیا جو قریب ہی تھا اور جلا کر راکھ کر دیا۔

سزا میں اور اضافہ اور بیویوں سے ترکِ تعلق کا حکم | جب اس ابتلا ___ یا کہئے سزا ___ کے پچاس دنوں میں سے چالیس دن گزر چکے اور اب تک ہماری توبہ کے بارے میں کوئی وحی آسمانی نازل نہ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ کا ایک فرستادہ (قاصد) آپ کا پیغام لے کر آیا اور کہا: رسول اللہ ﷺ تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم اپنی بیوی سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لو" میں نے پوچھا: طلاق دے دوں؟ اس نے کہا: نہیں، طلاق تو مت دو صرف علیحدگی اختیار کر لو (اسکے پاس مت جاؤ) اسی طرح کا حکم میرے دونوں شریک بلا ساتھیوں کے پاس بھی پہنچا۔ تو میں نے اپنی بیوی سے کہا: تم اپنے میکے چلی جاؤ اور ہمارے معاملہ میں ﷻ کے فیصلہ فرمانے تک وہیں رہو" مگر ہلال بن امیہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ) ہلال بن امیہ بہت بوڑھا اور معذور سا آدمی ہے

کام کاج کرنے کیلئے اُسکے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے کیا آپ اسکی خدمت کرنے سے بھی مجھے منع فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں خدمت کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن وہ تجھے ہاتھ نہ لگائے" تو اُس نے عرض کیا: بخدا یا رسُول اللہ (ﷺ) اسی کسی چیز کی طرف اُس کا رجحان ہے ہی نہیں، اُسے تو جس دن سے یہ واقعہ پیش آیا ہے آج تک زار و قطار رونے کے سوا اور کچھ کام ہی نہیں تو اس پر میرے ایک رشتہ دار نے کہا: تم نے اپنی بیوی کے لئے (گھر میں رہنے کی) اجازت کیوں نہیں لے لی دیکھو: آپ نے ہلال بن اُمیہ کی بیوی کو اسکی خدمت کرنے کی اجازت دے دی"۔ میں نے کہا: میری تو جرأت نہیں کہ میں اپنی بیوی کے لئے (گھر میں رہنے کی) اجازت لوں، پتہ نہیں اگر میں نے اجازت مانگی تو اس پر آپ کیا فرمائیں؟ دراں حالیکہ میں نوجوان آدمی ہوں (اُمیہ تو بڈھا تھا آپ نے اجازت دے دی)

<u>آزمائش کے پُورے ہونے اور توبہ کے قبول ہونے کی خوشخبری ملنے پر حضرت کعب کی کیفیت</u> غرض دس دن رات اسی حالت میں بیت گئے اور ہم سے سلام و کلام کی ممانعت کے وقت سے اب تک پُورے پچاس۵۰ دن ہو گئے۔ پچاسویں دن فجر کے وقت میں نے اپنے مکان کی چھت پر صبح کی نماز پڑھی اور میں بالکل اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا جس کا ذکر ﷻ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے" کہ میں اپنی زندگی سے بالکل بیزار ہو چکا تھا زمین (و آسمان) اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو چکے تھے" کہ اتنے میں میں نے سلع پہاڑی کے اُوپر سے کسی چیخنے والی کی آواز سُنی جو بلند آواز سے (خوب زور زور سے چلا چلا کر) کہہ رہا تھا: اے کعب بن مالک خوشخبری ہو، اے کعب بن مالک خوشخبری ہو، اے کعب بن مالک خوشخبری ہو، تو میں فوراً سجدہ میں گر گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ کشائش آ گئی۔

قبول توبہ اور اس پر مسلمانوں کے طرزِ عمل کی تفصیلات ہوا یہ کہ آخر شب میں آپ کے پاس وحی آئی اور آپ نے فجر کی نماز پڑھ لینے کے بعد ﷺ کہ ہم تینوں کی توبہ قبول کر لینے سے لوگوں کو آگاہ کیا تو فوراً لوگ ہمیں خوشخبری دینے کے لئے دوڑ پڑے کچھ لوگ میرے دونوں ساتھیوں کو خوشخبری دینے کے لئے گئے اور ایک سوار اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا میری طرف چلا اسی کے ساتھ قبیلہ اسلم کا ایک شخص پیادہ پا بھی میری طرف دوڑا مگر اس نے ہوشیاری یہ کی کہ وہ میرے گھر کے قریب پہنچ کر پہاڑی پر چڑھ گیا (اور اس نے وہیں سے چلانا شروع کر دیا اَبْشِرْ یَا کَعْبُ اَبْشِرْ یَا کَعْبُ) چنانچہ اس پیادے کی آواز دوسرے سوار کے گھوڑے سے پہلے پہنچ گئی یہی تھا وہ خوشخبری دینے والا جس کی آواز میں نے سُنی تھی۔

خوشخبری دینے والے کو انعام جب وہ میرے پاس آیا تو میں نے اپنے دونوں کپڑے (قمیص اور تہبند) اتار کر اس خوشخبری پہنچانے کے انعام میں اسکو دے دیئے (میری تنگدستی کا ان دنوں یہ عالم تھا کہ) خدا کی قسم ان دنوں ان دو کپڑوں کے علاوہ اور میرے پاس کچھ نہ تھا (ورنہ بہت کچھ انعام دیتا) چنانچہ اسکو اپنے کپڑے دے دینے کے بعد خود میں نے قمیص اور تہبند کسی سے مانگ کر پہنے۔

نبیٔ رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضری اور سرخروئی یہ خوشخبری سُن لینے کے بعد میں (گھر سے رسُول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی غرض سے) چلا تو راستے میں جوق در جوق لوگ مجھ سے ملتے گئے اور میری توبہ قبول ہونے کی مبارکباد دیتے گئے ان سب کی زبان پر یہی تھا: "کعب بن مالک ﷺ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی، مبارک ہو"۔ یہاں تک کہ جونہی میں نے مسجد نبوی میں قدم رکھا تو دیکھتا کیا ہوں کہ رسُول اللہ ﷺ فداہ ابی وامی تشریف فرما ہیں اور لوگ آپ کے ارد گرد بیٹھے

ہیں، مجھے دیکھتے ہی طلحہ بن عبیداللہ اُٹھے اور دوڑتے ہوئے میرے پاس آئے مصافحہ کیا اور مبارکباد دی، خدا کی قسم طلحہ کے علاوہ مہاجرین میں سے اور کوئی بھی تو نہیں اُٹھا۔ کعب زندگی بھر طلحہ کی اس اظہار ہمدردی کو نہیں بھولے۔ کعب کہتے ہیں: جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کیا تو آپ کا چہرہ انور خوشی کے مارے دمک رہا تھا آپ نے حسب ذیل الفاظ میں مجھے بشارت دی۔

اَبْشِرْ بِخَيْرِ يَوْمٍ مَرَّ عَلَيْكَ مُنْذُ وَلَدَتْكَ اُمُّكَ	اے کعب! تمہیں خوشخبری (اور مبارک) ہو ایسا بابرکت دن (آج کا دن) جو جب سے تم اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہو اس سے بہتر دن (تمہاری زندگی میں) نہیں آیا

میں نے عرض کیا: "یہ خوشخبری آپ کی جانب سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے" آپ نے فرمایا: (میری جانب سے نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے"۔

رسول اللہ ﷺ کی عادت کریمہ تھی کہ جب آپ خوش اور مسرور ہوتے تو آپ کا چہرہ مبارک اس طرح دمکتا تھا جیسے آپ کا چہرہ چاند کا ایک ٹکڑا ہے (یہی کیفیت اس وقت چہرۂ انور کی تھی)

<u>جو چیز گناہ کا باعث بنے اس سے کنارہ کشی کرنا بھی توبہ کی تکمیل میں داخل ہے</u> جب میں ذرا اطمینان سے خدمتِ اقدس میں بیٹھا تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میری توبہ کا تتمہ یہ ہے کہ میں اپنے تمام اموال و املاک سے دست بردار ہو جاؤں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی راہ میں صدقہ کردوں (اس لئے کہ یہی مال و منال سے وابستگی میرے لئے وبال جان بنی ہے) آپ نے فرمایا: کچھ مال اہل و عیال کے لئے بھی رکھنا چاہیئے۔ میں نے عرض کیا: اچھا میں اپنا خیبر کا حصہ اپنی ملک میں رکھتا ہوں (باقی خیرات کرتا ہوں آپ نے قبول فرمایا) پھر میں نے عرض

کیا : یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے مجھے صرف "سچ بولنے" کی وجہ سے معاف فرمایا ہے لہٰذا میری توبہ کا ایک تتمہ (اور اس انعام کا شکریہ) یہ بھی ہے کہ میں آپ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ) مدت العمر کبھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔

سچا عہد کعب بن مالک کہتے ہیں : خدا کی قسم میرے علم میں اور کوئی ایسا مسلمان نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح خوبی کے ساتھ آزمائش میں پورا اُترنے کی توفیق دی ہو جس طرح مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ بولنے کا عہد کرنے کے دن سے آج تک سچ بولنے کی توفیق دی ہے چنانچہ خدا کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ بولنے کا عہد کرنے کے دن سے آج تک میں نے جان کر کبھی ایک مرتبہ بھی جھوٹ نہیں بولا اور مجھے اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ آئندہ زندگی میں بھی مرتے دم تک مجھے جھوٹ بولنے سے محفوظ رکھے گا اور اس عہد پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔

کعب کہتے ہیں : تو اللہ تعالیٰ نے (اس غزوۂ تبوک میں شرکت کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے متعلق حسب ذیل آیتیں نازل فرمائیں۔

لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ	بے شک اللہ تعالیٰ مہربان ہو گیا نبی پر اور (اُن مہاجرین
وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ	انصار پر) جنہوں نے آڑے وقت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ	کی، اِس کے بعد کہ قریب تھا کہ ان میں سے بعض لوگوں کے دل پھر
الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ	جائیں پھر وہ (اُن سب ہی) مہربان ہو گیا (اور اُنکی بھی توبہ قبول
يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ	کر لی) بیشک وہ تو اُن سب پر بہت ہی مہربان رحم کرنے والا ہے اور
تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ	اُن تین آدمیوں پر بھی مہربان ہو گیا جن (کے معاملہ) کو پیچھے رکھا گیا تھا
وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا	(اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا گیا تھا) یہاں تک کہ جب (شدت غم واندوہ) سے

حَتّٰۤی اِذَا ضَاقَتۡ عَلَیۡہِمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ وَ ضَاقَتۡ عَلَیۡہِمۡ اَنۡفُسُہُمۡ وَ ظَنُّوۡۤا اَنۡ لَّا مَلۡجَاَ مِنَ اللّٰہِ اِلَّاۤ اِلَیۡہِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَیۡہِمۡ لِیَتُوۡبُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ ہُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ

(التوبۃ آیت ۱۱۷ و ۱۱۸)

زمین اپنی وسعت کے باوجود اُن پر تنگ ہوگئی اور اُنکی جانیں بھی اُن پر تنگ ہوگئیں (وہ اپنی زندگی سے بیزار ہو گئے) اور اُنہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ تعالیٰ (کے قہر و غضب) سے بجز اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنیکے اور کہیں پناہ نہیں مل سکتی تو پھر اُن پر بھی مہربان ہو گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اُنکی توبہ قبول کرنے کی اجازت دیدی، تاکہ وہ بھی توبہ کر لیں، بیشک اللہ جل جلالہ ہی ہے بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے۔

سب سے بڑا انعام کعب کہتے ہیں خدا کی قسم، اللہ تعالیٰ نے اسلام قبول کرنے کی ہدایت فرمانے (کے انعام و احسان) کے بعد میرے نزدیک مجھ پر اس سے بڑھ کر کوئی فضل و انعام نہیں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سچ بولا اور اپنے قصور کا صاف صاف اقرار کر لیا) اور جھوٹ نہیں بولا ورنہ تو میں بھی ایسے ہی ہلاک ہو جاتا جیسے اور جھوٹ بولنے والے ہلاک (اور رسوا) ہوئے اسلئے کہ اس واقعہ سے متعلق اللہ جل جلالہ نے جو آیات نازل فرمائی ہیں اُن میں ان جھوٹ بولنے والوں کے متعلق وہ کچھ فرمایا ہے کہ اس سے زیادہ بُرا اور کسی کے متعلق نہ فرمایا ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

سَیَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ لَکُمۡ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡہُمۡ ؕ فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡہُمۡ ؕ اِنَّہُمۡ رِجۡسٌ ۫ وَّ مَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ یَحۡلِفُوۡنَ لَکُمۡ لِتَرۡضَوۡا عَنۡہُمۡ ۚ فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡہُمۡ

وہ قسمیں کھائینگے اللہ جل جلالہ کی جب کہ تم (سفر سے) واپس اُنکے پاس جاؤ گے تاکہ تم اُن سے درگذر کر دو (اور رہا دیں شریک نہ ہونے کے جرم پر مواخذہ نہ کرو) سو تم اُن سے درگزر ہی کرو، اسلئے کہ وہ لوگ تو سرتاپا پلید ہی ہیں اور انکا ٹھکانا تو جہنم ہی ہے اُنکے کرتوتوں کی سزا۔ وہ تمہارے سامنے قسمیں کھائینگے (صرف اسلئے) کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اگر (بالفرض) تم اُن سے راضی بھی

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ہوجاؤ تو بیشک اللہ ایسے نافرمان لوگوں سے ہرگز راضی نہیں ہوتا (آیت ۹۵ تا ۹۶)

ایک اہم نکتہ اور غلط فہمی کا ازالہ کعب بن مالک پہلی آیت کریمہ کے کلمہ خُلِّفُوْا کے معنی پر روشنی ڈالنے اور غلط فہمی کا ازالہ کرنے کی غرض سے لکھتے ہیں:

خُلِّفُوْا کا مطلب نہیں ہے کہ ہم جھوٹے منافقوں کی طرح پیچھے رکھے گئے اور خدا کی رحمت سے محروم کر دیئے گئے بلکہ (اسکا مطلب یہ ہے کہ) ہم تین آدمیوں کا معاملہ اُن جھوٹے لوگوں کے معاملہ سے پیچھے رکھا گیا تھا اور ہماری توبہ قبول کرنے کا معاملہ جل جلالہ کے سپرد کر دیا گیا تھا (جن کے (جھوٹے) عذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسوقت قبول کر لئے جب اُنہوں نے آپ کے سامنے حلف اُٹھا لئے اور ان کو (دوبارہ) بیعت بھی کر لیا اور دُعائے مغفرت بھی کر دی تھی (مگر بعد کو جل جلالہ نے مذکورہ بالا آیات میں ان کا جھوٹ کھول دیا اور خوب خوب رسوا کیا) اور ہماری توبہ کے معاملہ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جل جلالہ کے فیصلہ فرمانے تک کیلئے مؤخر کر دیا تھا (چنانچہ آیت کریمہ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ میں اس کی تصریح فرما دی ہے) یہاں تک کہ جل جلالہ نے فیصلہ فرما دیا: وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا الآیۃ اور ہم کو پیچھے رکھنے سے مراد غزوہ تبوک سے پیچھے رکھنا (اور رگید کرنا) نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب تو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہماری توبہ کے معاملہ کو اُن لوگوں کے معاملہ سے پیچھے رکھنا (اور نزولِ وحی تک مؤخر کرنا) ہے جنہوں نے جھوٹے حلف اُٹھائے تھے اور بہانے تراشے تھے (اور آپ نے حقیقت حال سے واقف نہ ہونے کی بنا پر) اُن کے عذر قبول فرما لئے تھے (اور اُن کے حلفوں کی بنا پر ان کو معاف کر دیا تھا)

ایک روایت میں اسکی بھی تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ تبوک کے لئے جمعرات کے دن روانہ ہوئے تھے اسلئے کہ آپ عموماً جمعرات کے دن جہاد کے لئے

روانہ ہونا پسند فرمایا کرتے تھے (تاکہ جمعہ کے دن سفر کرنا نہ پڑے)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ عموماً سفر سے دن میں چاشت کے وقت آیا کرتے تھے اور جب مدینہ میں داخل ہوتے تو پہلے مسجد میں تشریف لے جاتے اور دو رکعت (تحیۃ القدوم من السفر) پڑھتے اسکے بعد مسجد میں ہی تشریف رکھتے اور لوگوں سے ملاقات کرتے)

تشریح!

سبق آموز بات جس پر توبہ کے مؤثر ہونے کا مدار ہے

اس واقعہ میں سب سے زیادہ عبرت آموز چیز جس سے ہر مسلمان کو سبق لینا چاہیئے وہ حضرت کعب بن مالک اور اُن کے شریک گناہ رُفقاء رضی اللہ عنہم کی قوتِ ایمانی اور دلوں میں خوف و خشیت الٰہی کی شدت ہے کہ بتقاضائے بشریت طبعی محرکات اور نفسانی خواہشات کے غلبہ سے جو گناہ اُن سے سرزد ہو گیا تھا، اس پر وہ کس قدر کرب و بے چینی میں مبتلا شب و روز گریہ وزاری میں مصروف، اور اس قدر اپنی زندگی سے بیزار تھے کہ زمین و آسمان کی وسعتیں ان پر تنگ سے تنگ تر ہوتی جا رہی تھیں اور شدتِ غم و اندوہ سے اُن کا بُرا حال ہو گیا تھا یہی ہے گناہ پر وہ "ندامت" جس پر قبول توبہ کا انحصار ہے اور یہی طبعی خواہشات اور بشری علائق کا غلبہ وہ "نادانی" ہے جس کو آیت کریمہ يَعْمَلُونَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ میں "جہالت" سے تعبیر فرمایا ہے اور یہی ارتکاب گناہ کے بعد "فوری احساس گناہ" اور "ندامت" ہے جس کو ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ سے تعبیر فرمایا ہے (یہ پوری آیت اور اس کا ترجمہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں یاد نہ ہو چند ورق اُلٹ کر دیکھ لیجئے) یہ تمام امور قوتِ ایمانی کی دلیل ہیں اسکے برعکس عمداً اور جان بوجھ کر گناہ کا ارتکاب کرنا اور پھر احساسِ گناہ اور شرم و ندامت کا نہ ہونا یہ "بے حیائی" اور "بے باکی" ضعفِ ایمان کی دلیل ہے اور منافقانہ کیفیت ہے أَعَاذَنَا اللهُ مِنْهُ (اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے بچائے)

محرکات گناہ سے حتی الامکان بچنا بھی توبہ کی قبولیت کیلئے ضروری ہے

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو دنیوی چیزیں ارتکاب گناہ کی محرک بنی ہوں حتی الامکان اُن سے قطع تعلق کرنا — اس حد تک کہ حُقُوقُ الْعِبَادِ پر اثر انداز نہ ہو — بھی توبہ کی صحت کا عملی ثبوت ہے چنانچہ کعب بن مالک نے اس مال و دولت کو جس کی فراوانی ان کے لئے وبالِ جان بنی تھی اور مرارۃ بن الربیع نے اس پھلوں سے لدے ہوئے بھرے باغ کو جس کی محبت اُن کے پاؤں کی زنجیر بنی تھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کر دیا اور ہلال بن اُمیہ نے اپنے برادری کے اُن آدمیوں کو جن کے کہنے میں آ کر انہوں نے اس مقدس جہاد سے منہ موڑا تھا، چھوڑ دیا، لہٰذا ہر مسلمان اور مومن گنہ گار کو توبہ کرنے کے وقت جائزہ لینا چاہیئے، اگر گناہ کا محرک مال و دولت کی فراوانی ہو تو اپنی ضروریات سے زائد مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خیرات کر دینا چاہیئے اللہ تعالیٰ اور زیادہ دیگے، اگر قرابتداروں سے حد سے بڑھی ہوئی محبت اور وابستگی ہو تو اُن سے حدت برتتے ہوئے روابط قطع کر لینا چاہئیں صرف اتنا تعلق رکھنا چاہیئے

جس سے قطع رحمی نہ ہو، اور اگر وہ محرک کوئی خاص ذریعہ معاش ہو تو اُس کو فوراً چھوڑ کر دوسرے ایسے ذرائع معاش اختیار کر لینے چاہئیں جو گناہوں اور خدا کی نافرمانی کے محرک نہ بنیں، اگر محرکِ گناہ کوئی خاص ماحول (سوسائٹی) یا کوئی خاص گروہ (پارٹی) یا بستی ہو، تو فوراً اُس ماحول (سوسائٹی) سے، گروہ (پارٹی) سے، بستی سے نکل جانا اور دُور سے دُور تر ہو جانا چاہیئے تاکہ آئندہ ارتکابِ گناہ کا اندیشہ نہ رہے جیسا کہ مذکورہ سابق کسی پہلی اُمت کے واقعہ میں عیسائی عالم نے سو بے گناہوں کے قاتل کو توبہ کرنے کے وقت وصیت کی تھی کہ "فوراً اُس گناہوں کی بستی کو چھوڑ کر نکوکاروں کی بستی میں چلا جائے" چنانچہ وہ فوراً چل دیا تھا اور صرف اسی لئے قابلِ مغفرت قرار پایا تھا کہ وہ اس گناہوں کی بستی کی بہ نسبت نکوکاروں کی بستی سے صرف ایک بالشت قریب تھا اس لئے کہ اس ترکِ تعلق کے بغیر آئندہ اس گناہ کے ارتکاب سے محفوظ رہنا عادتاً دشوار ہے اور توبہ جیسا کہ آپ اس باب کے شروع میں شرائطِ صحتِ توبہ کے بیان میں پڑھ چکے ہیں کہ ترکِ گناہ کا عزمِ صمیم اور پختہ ارادہ صحتِ توبہ کی اوّلین شرط ہے بلکہ اسی کا نام توبہ ہے، محرکاتِ گناہ سے چمٹے رہنے کے باوجود، اور اُن سے وابستگی ترک کئے بغیر صرف زبانی توبہ واستغفار محض ڈھونگ ہے اور فریبِ نفس۔

ہماری توبہ واستغفار بے اثر کیوں ہیں

یاد رکھئے ہماری دُعائیں خصوصاً توبہ واستغفار جو آج بے اثر ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم گناہوں اور گناہ آلود زندگی سے اپنے آپ کو پاک اور علیحدہ نہیں کرتے اور توبہ واستغفار بھی کرتے رہتے ہیں اور گناہ بھی، یا ایک گناہ سے توبہ واستغفار کرتے ہیں اور اُس سے بڑے گناہ میں آلودہ ہوتے ہیں۔

قبولِ توبہ کی علامت

(۳) نزولِ وحی کا سلسلہ تو اب بند ہو چکا ہے اس لئے قبولِ توبہ کا یقینی علم تو اب نہیں ہو سکتا تاہم مذکورہ بالا انداز میں حضرت کعب کی طرح۔ صدقِ دل سے مسلسل توبہ کرتے رہنے کے بعد مخلص مسلمان کو فی الجملہ اطمینانِ قلب نصیب ہو جانا جو قبولِ توبہ کی علامت ہے، تاہم اس گناہ یا گناہوں کو فراموش کبھی نہ کرنا چاہیئے اور بطشِ الٰہی (خدائی پکڑ) سے غافل و مطمئن کبھی نہ ہونا چاہیئے اسی لئے ادعیہ ماثورہ میں آتا ہے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَآ اَعْلَنْتُ وَمَآ اَسْرَرْتُ وَمَآ اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ

اے اللہ میں نے جتنے گناہ (اب سے پہلے ساری زندگی میں) کئے ہیں اور جو بعد میں کروں اور جو چھپ کر کئے ہیں اور جو علانیہ کئے ہیں اور وہ گناہ جنکو تو ہی جانتا ہے (مجھے انکا پتہ بھی نہیں) میرے ان سب گناہوں کو بخشدے۔

اور علماء نے لکھا ہے کہ اس دُعا کو کرتے وقت اپنے ذہن میں ہر قسم کے بڑے بڑے گناہوں کو سامنے رکھنا چاہیئے۔

عظیم توبہ — حدیث نمبر ۲۲

حضرت ابو نجید عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

قبیلہ جہینہ کی ایک عورت جو ناجائز طور پر (زنا سے) حاملہ تھی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: میں نے قابلِ سزا جرم (زنا) کا ارتکاب کیا ہے آپ مجھ پر حدِ (زنا) جاری کیجئے۔ آپ نے اس کے سرپرست کو بلایا اور فرمایا: (دیکھو یہ عورت حاملہ ہے اس حالت میں اس پر کوئی حد نہیں لگائی جاسکتی) تم اس کو اچھی طرح اپنے پاس رکھو جب بچہ پیدا ہو جائے (اور ایامِ زچگی گذر جائیں) تو اس کو میرے پاس لانا، چنانچہ اس سرپرست نے ایسا ہی کیا (اور ایامِ نفاس (زچگی) گزر جانے کے بعد اس کو حضور کی خدمت میں پیش کیا) تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کے جسم پر کپڑے اچھی طرح باندھ دو (تاکہ پتھروں کی چوٹ سے کپڑے پھٹ کر جسم سے الگ نہ ہوں) چنانچہ اسکے کپڑے خوب کس کر رسّی سے باندھ دیئے گئے اس کے بعد آپ نے اس کو سنگسار کرنے (پتھّر مار کر ہلاک کرنے) کا حکم دیا (چنانچہ سینے تک گہرا گڑھا زمین میں کھود کر اس کو گڑھے کے اندر کھڑا کر دیا گیا اور) پتھّروں سے مار کر اُسے ہلاک کر دیا گیا اس کے بعد اُس کی تجہیز و تکفین کی گئی اور) آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ) اس عورت نے تو زنا کیا تھا اور آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: (اے عمر) خدا کی قسم اس عورت نے ایسی (عظیم) توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے ستّر گنہگاروں پر بھی تقسیم کر دی جائے تو سب کی مغفرت کے لئے کافی ہے اور کیا تمہارے خیال میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی توبہ ہو سکتی ہے کہ اس عورت نے محض اللہ جلّ جلالہٗ کے (قہر و غضب سے بچنے کے) لئے (برضا و رغبت) جان دے دی (اگر وہ نہ بتلاتی یا اقرار نہ کرتی تو اگرچہ

دُنیا میں تو اس کی جان بچ جاتی مگر خدا کے قہر و غضب اور جہنّم کے عذاب سے تو نہ بچتی ۔)

تشریح!

اس عورت کی توبہ کے عظیم ہونے کی وجہ

اس عورت پر بھی خوف و خشیت الٰہی شدت کے ساتھ طاری تھا ورنہ توبہ کا دروازہ اسکے لئے کھلا تھا لیکن اول تو اس توبہ کے قطعی طور پر قابل قبول ہونے کے یقینی علم کی کوئی سبیل نہ تھی علاوہ ازیں حمل اس عورت کی پیشانی پر ایک ایسا کلنک کا ٹیکہ تھا جو کسی طرح مٹ ہی نہ سکتا تھا اسلئے دُنیا کی رسوائی سے تو کسی طرح بچ ہی نہ سکتی تھی پھر شادی شدہ عورت ہونے کی وجہ سے زندگی اور بھی اجیرن ہو جاتی اسلئے اس عورت کے واسطے دُنیا اور آخرت دونوں کی رسوائی اور خدا کے قہر و غضب اور آخرت کے عذاب سے بچنے کی اس کے سوا اور کوئی صورت ہی نہ تھی کہ اس نے خود کو خدائی سزا یعنی حدؔ کے لئے پیش کر دیا اور جان دے دی دُنیا میں بھی پردہ ڈھک گیا اور آخرت میں مغفرت کی بشارت رسول اللہ ﷺ نے دے دی اسکے علاوہ خدا کے عدل و انصاف سے قطعی بعید ہے کہ وہ ایک مجرم کی سزا دنیا میں بھی دے اور آخرت میں بھی ۔ اس عورت نے اگرچہ زبان سے توبہ نہیں کی مگر اسکا خود کو گناہ کی سزا بھگتنے کے لئے پیش کر دینا اور خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہی سب سے بڑی توبہ ہے اگر یہ عورت خود کو اس طرح حکم خداوندی کے لئے پیش کرنے کے بجائے خود، خودکشی کر لیتی تو مغفرت تو درکنار دو گناہوں کی مرتکب اور دو جرموں کی مجرم بن جاتی ایک زنا اور ایک خودکشی اور آخرت میں دو گناہوں کے عذاب میں گرفتار ہوتی ۔

گناہوں کی جڑ اور اُس سے توبہ

حدیث نمبر (۱۱/۲۳)

حضرت ابن عباس اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ :

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : اگر ابن آدم (انسان) کے پاس سونے (چاندی) کی ایک وادی بھی ہو (یعنی زر و سیم سے بھری ہوئی ایک وادی بھی ہو) تب بھی چاہے گا کہ اس کے پاس (سونے چاندی کی ایک کے بجائے) دو وادیاں ہوں ۔ اُس کی ہوس کا منہ تو قبر کی مٹی (موت) کے سوا اور کوئی نہیں بھر سکتا اور اللہ تعالیٰ اسی پر مہربان ہوتا (اور اسے ہوس مال و زر سے بچاتا) ہے جو توبہ کرتا ہے ۔

تشریح!

مال و دولت کی ہوس!

مال و زر کی ہوس انسان کو اندھا بنا دیتی ہے ساری عمر حرام و حلال کا فرق ناجائز و جائز کی تمیز اور گناہ و ثواب کی پروا کئے بغیر ہر وقت مال جمع کرنے میں منہمک اور سو کے بعد دو سو، ہزار کے بعد دو ہزار لاکھ کے بعد دو لاکھ اور کروڑ کے بعد دو کروڑ کے چکر میں پھنسا رہتا ہے اور جہنم کی طرح ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ کا نعرہ اسکی زبان پر رہتا ہے یہی ہوس ذرا اندوزی اُس سے بے شمار گناہ کراتی ہے اور بے حساب مصیبتوں کا مرتکب بناتی ہے اور ساری عمر اسی گناہ آلود زندگی میں گذر جاتی ہے اور اسی حالت پر مر جاتا ہے اور دوزخ کا کندہ بنتا ہے بجز اُس شخص کے جسکو اللہ جل شانہ اس ہوس زر سے توبہ کرنے اور حلال مال پر قناعت کرنے کی توفیق عطا فرمادیں، وہی اس ہوس کے چکر سے نکل سکتا ہے اور گناہوں سے بچ سکتا ہے اسی لئے ادعیہ ماثورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسب ذیل دعاؤں کی تعلیم دیتے ہیں:

(۱) رَبِّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَنِیْ — (اے میرے پروردگار! جو روزی تونے مجھے دی ہے اسپر مجھے قانع بنادے اور جو مال مجھے تونے عطا فرمایا ہے اسمیں برکت عطا فرما کر مزورت پوری ہو جائیں)

(۲) اَللّٰهُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَبِطَاعَتِكَ عَنْ مَعْصِیَتِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ — (اے اللہ تو مجھے حلال (روزی) کے ذریعہ حرام (روزی) سے اور اپنی فرمانبرداری کے ذریعہ اپنی نافرمانی کے کفایت دے (بچالے) اور اپنے فضل و احسان کے ذریعہ اپنے ماسوا سے بے نیاز فرمادے)

توبہ کا کرشمہ — حدیث (۱۲/۲۴)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ (اپنی بے نیازی اور شانِ کریمی پر) ان دو آدمیوں (کے انجام) کے بارے میں تبسم فرماتے ہیں جن میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دیتا ہے اور قاتل و مقتول دونوں جنت میں جاتے ہیں، وہ اس طرح کہ ایک مسلمان اللہ کی راہ میں لڑتا ہوا دوسرے کافر کے ہاتھ سے شہید ہوتا ہے (جنت میں جاتا ہے) اس قاتل کو اللہ تعالیٰ کفر و شرک سے توبہ کرنے کی توفیق عطا فرما دیتا ہے وہ کفر و شرک سے توبہ کرتا ہے مسلمان ہو جاتا ہے اور اللہ جل شانہ کی راہ میں لڑتا ہوا شہید ہوتا ہے (اور جنت میں جاتا ہے)

تشریح!

قاتل اور مقتول دونوں کے جنت میں جانے کی صورت اور وجہ

ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ توبہ کا کرشمہ ہے یہ قاتل کفر و شرک سے توبہ کرنے اور پھر بطور کفارہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کافروں سے جنگ کرنے کی بدولت ہی شہید اور جنت کا مستحق ہوتا ہے ورنہ ایک مسلمان کو قتل کرنے کے جرم میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جاتا۔

اسلئے توبہ کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے توبہ کرنے میں ذرہ برابر تساہل اور تاخیر نہ کرنی چاہیئے خواہ کفر و شرک سے ہو، خواہ اور گناہوں سے، اسی لئے امام نووی اس حدیث کو توبہ کے باب میں لائے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو صدق دل سے توبہ و استغفار کی توفیق عطا فرمائیں۔

باب (۳)
صبر کے بیان میں
قرآن عظیم

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

(۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا (آل عمران ۲۰۰) — اے ایمان والو! تم (خود بھی) صبر کرو اور (دوسروں کو بھی) صبر پر آمادہ کرو۔

(۲) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ (بقرہ ۱۵۵) — (۲) اور ہم ضرور آزمائینگے تم کو کسی قدر خوف اور بھوک (پیاس کی تکلیف) سے اور کچھ جان و مال اور پھلوں کے نقصان (کے صدمہ) سے اور خوشخبری دیدو (ان مصیبتوں میں) صبر کرنے والے لوگوں کو۔

(۳) اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ (زمر ۱۰) — (۳) اس کے سوا نہیں کہ حساب کے بغیر پورا پورا اجر تو صبر کرنے والوں کو ہی دیا جاتا ہے۔

(۴) وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (شوریٰ: ۴۳) — (۴) اور البتہ جس شخص نے (دوسروں کے جور و ستم پر) صبر کیا اور معاف کر دیا (تو) بیشک یہ (صبر کرنا اور معاف کر دینا) ہی دشوار اور اہم کاموں میں سے ہے۔

(۵) وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ (بقرہ: ۱۵۳) — (۵) اور تم (اپنے کاموں میں) مدد لو ثابت قدمی سے اور نماز سے بیشک اللہ جل جلالہ (کی مدد) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

(۶) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ — (۶) اور ہم تم کو (غزوات و محاربات میں) ضرور

الْمُجٰهِدِیْنَ مِنْكُمْ — آزمائینگے یہانتک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنیوالوں کو
وَالصّٰبِرِیْنَ ○ (محمد: ۳۱) — اور جنگ کی سختیوں پر صبر کرنیوالوں کو جان لیں گے۔

ان چھ آیات کے علاوہ اور بھی بہت سی آیتیں صبر اور اسکی فضیلت کے بیان میں قرآن عظیم کے اندر موجود ہیں۔

تشریح!

صبر کے لغوی اور شرعی معنیٰ

عربی زبان میں لفظ صبر تین طریق پر اور تین معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔

(۱) اَلصَّبْرُ عَلَى الشَّیْءِ۔ کسی چیز کو برداشت کرنا۔

(۲) اَلصَّبْرُ عَنِ الشَّیْءِ۔ کسی چیز سے بچنا اور باز رہنا۔

(۳) اَلصَّبْرُ فِی الشَّیْءِ۔ کسی چیز (حالت) میں جزع و فزع (رونا پیٹنا) اور شکوہ و شکایت نہ کرنا۔

صبر کی تین قسمیں

اسی طرح شریعت میں بھی صبر کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اَلصَّبْرُ عَلٰی طَاعَةِ اللّٰهِ۔ اللہ کی عبادت و طاعت میں نفس پر گراں گزرنے اور ناگوار محسوس ہونے والے تمام امور اعمال و افعال، کو بخندہ پیشانی برداشت کرنا اور خدا کی عبادت و طاعت میں مصروف رہنا اسی صبر کو اُردو زبان میں "ثابت قدمی" اور "استقلال" سے اور شریعت میں "استقامت" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۲) اَلصَّبْرُ عَمَّا نَهَی اللّٰهُ۔ جن امور سے چیزوں سے ﷻ نے منع فرمایا ہے اگرچہ وہ نفس کو کتنی ہی مرغوب کیوں نہ ہوں اور کتنا ہی ان کے لیئے دل کیوں نہ مچلے ان سے کلی طور پر باز رہنا اور بچنا۔

(۳) اَلصَّبْرُ فِیْمَا نَزَلَ مِنَ الْمَصَائِبِ۔ جو مصیبتیں انسان پر آئیں یا جانی و مالی نقصان اور صدمے اٹھانے پڑیں خواہ انسانوں کا اس میں دخل ہو یا نہ ہو ان کو منجانب اللہ سمجھ کر برداشت کرنا اور راضی برضائے مولا رہنا۔

مذکورہ بالا آیات میں:

آیت نمبر (۱) و (۶) صبر کی قسم اول اَلصَّبْرُ عَلٰی طَاعَةِ اللّٰهِ کے تحت داخل ہیں۔

آیت نمبر (۲) و (۴) صبر کی قسم سوم اَلصَّبْرُ فِیْمَا نَزَلَ مِنَ الْمَصَائِبِ کے تحت داخل ہیں۔

آیت نمبر (۳) و (۵) جملہ اقسام صبر کو شامل ہیں

آیات کی مزید تشریح احادیث کی شرح کے ذیل میں آتی ہے۔

ؔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم ج۴ میں باب الصبر کے تحت ستر سے زائد آیات بتلائی ہیں اگر قرآن کریم کا اول سے آخر تک تتبع کیا جائے تو اس سے بھی زیادہ آیات میں صبر اور اس کی فضیلت کا بیان ملیگا۔

احادیث

صبر ایک عظیم روشنی ہے | حدیث نمبر (۲۵/۱)

ابو مالک حارث بن عاصم اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (۱) طہور۔ ظاہری اور باطنی طہارت۔ نصف ایمان ہے (۲) اور الحمد للہ (یعنی اللہ کی حمد و ثنا) اعمال کی ترازو کو بھر دیتی ہے (۳) اور سبحان اللہ والحمد للہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی تسبیح (تنزیہ) اور حمد و ثنا دونوں تو آسمان و زمین کے درمیان (کی فضا) کو بھر دیتے ہیں۔ (۴) اور نماز (ایک عظیم الشان) نور ہے (۵) اور صدقہ وخیرات (محبّ مال نہ ہونے کی) ایک قطعی دلیل ہے (۶) اور صبر (ایک عظیم) روشنی ہے۔

(یاد رکھو) ہر شخص جو صبح سویرے نکلتا (اور عملی زندگی میں قدم رکھتا) ہے تو وہ اپنے نفس کا سودا کرتا ہے پس (یا) اسکو (خدا کی اطاعت کرکے آخرت کی پکڑ سے) آزاد کرا لیتا ہے یا (اس کی نافرمانی کرکے) ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔

تشریح!

اس عظیم ترین حدیث کی تشریح

اس مختصر سی حدیث میں جوامع الکلم (ہمہ گیر کلام) کے مالک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات عظیم حقائق شرعیہ پر ایمان افروز روشنی ڈالی ہے اور آخر میں انسان کی عملی زندگی کا تجزیہ فرمایا ہے، ارشاد ہے:

(۱) اَلطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ ـ کامل طہارت آدھا ایمان ہے ـ اسلئے کہ ایمان عقائد و اعمال کے مجموعہ کا نام ہے اور طہارت پر ـ خواہ جسمانی اور ظاہری نجاستوں اور گندگیوں سے طہارت ہو، خواہ روحانی اور باطنی غلاظتوں یعنی کفر و شرک، اخلاقِ رذیلہ، منہیاتِ شرعیہ (شرعاً حرام اور ممنوع کام) اور خواہشاتِ نفس سے طہارت ہو ـ تمام اعمال ـ عبادات وطاعات ـ کی قبولیت کا مدار ہے اور عبادات و طاعات یعنی "اعمال" نصف ایمان ہیں لہٰذا "طہارت" بھی "نصف ایمان" ہوئی۔

یا یوں کہئے کہ ایمان کے معنی ہیں: شرک وکفر اور ریا وسمعہ (دکھلاوا اور شہرت طلبی) وغیرہ عقائد باطلہ اور

رذائل باطنیہ سے قلب و روح کا پاک و صاف ہونا۔ اور طہور کے معنی ہیں: جسمانی حسّی اور شرعی نجاستوں سے بدن، لباس وغیرہ کا پاک و صاف ہونا اوّل کا نام "طہارتِ باطن" یعنی ایمان ہے دوم کا نام "طہارت ظاہر" یعنی طہور ہے اور دین میں دونوں قسم کی طہارتیں مطلوب ہیں اس لحاظ سے طہور ایمان کا نصفِ ثانی ہے۔

(۲) الحمد لله تملأ الميزان۔ "تمام تر تعریف اللہ کی ہے" یہ کہنا عمل کی ترازو کو بھر دیتا ہے ۔ اسلئے کہ تمام تر کمالات اور تعریفیں خواہ براہ راست جل جلالہ کی تعریفیں ہوں یا اس کی کسی مخلوق کی، کیونکہ مصنوع (بنی ہوئی چیز) کی تعریف دراصل اس کے صانع (بنانے والے) کی تعریف ہوتی ہے ۔ سبحانہ کے لئے مخصوص ہونے کا دل سے اقرار کرنا اور زبان سے اس کا اظہار کرنا اگر ریاکاری اور شہرت طلبی کی آلودگی سے پاک ہو اور سبحانہ کے ہاں مقبول، تو بندہ کی عمل کی ترازو کو بھر دینے کے لئے بہت کافی ہے۔

(۳) سبحان الله والحمد لله تملآن ما بين السماء والارض ۔ "اللہ پاک و مبرا ہے اور تمام تر تعریفیں سبحانہ کیلئے ہیں" دونوں کلمے آسمان و زمین کے درمیان (کی فضا) کو بھر دیتے ہیں۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام عیوب اور کمزوریوں سے مبرا اور پاک ہونے اور تمام تر کمالات کے تنہا مالک ہونے کا خلوصِ قلب سے اقرار اور زبان سے اعلان، حاصلِ آفرینش ہے اور نہ صرف زمین و آسمان بلکہ خلاصۂ کائنات ہے، اور ریاکاری و شہرت طلبی سے پاک دل اور زبان سے، ایک مومن بندہ کا یہ اقرار و اعلان زمین و آسمان کو اجر و ثواب سے بھر دینے کے لئے کافی و وافی ہے۔

(۴) اَلصَّلٰوۃُ نُوْرٌ۔ نماز (عظیم الشان) نور ہے ۔ اسلئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ: ایک مخلص نماز پڑھنے والا جب نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے رب سے مناجات (راز و نیاز کی باتیں) کرتا ہے اور اُس کا رب اُسکے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے، اسی لئے نماز کو معراج المومنین (ایمان والوں کی معراج) کہا گیا ہے، لہٰذا ایسی عاشقانہ اور والہانہ نماز دنیا میں بھی نُورٌ علیٰ نور ۔ نور ہی نور ۔ ہے جو قلب مومن کی تمام ظلمتوں کو دور کرنے کے لئے "صیقل" کا کام دیتی ہے اسی لئے سبحانہ نے فرمایا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (بے شک نماز فحش اور بُرے اعمال و اخلاق سے روکتی ہے) اور اسی لئے حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) نیز آخرت میں بھی آیت کریمہ سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (ان کی (مخصوص) نشانی اُن کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان ہیں) کے تحت نمازیوں کی پیشانیوں کا یہ نُور ہی آیت کریمہ نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ (اُن کا نور اُن کے آگے آگے دوڑتا ہوگا) کے مطابق وہ "نور" ہوگا، جو قیامت کے دن جنت کی طرف اُن کی رہنمائی کرے گا۔ بہرصورت حضورِ قلب کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز دنیا و آخرت دونوں جہان میں نور ہی نور ہے۔

(۵) اَلصَّدَقَۃُ بُرْھَانٌ۔ صدقہ (کرنا) قطعی دلیل ہے ۔ اس لئے کہ خدا پرستی اور عبادت و طاعتِ الٰہی کی راہ میں "سنگِ گراں" (بھاری پتھر) حُبّ مال ۔ مال کی محبت ۔ ہے ایک مخلص مومن بطیبِ خاطر اپنی حلال کمائی میں سے مرغوب ترین اور بہترین چیز خالصاً لوجہ اللہ جب اپنے محبوب پروردگار کی راہ میں قربان اور صدقہ کرتا ہے، تو

اسکے قلب کے حبِ مال سے پاک ہونے کی قطعی اور واضح دلیل ہے۔

(۶) اَلصَّبْرُ ضِیَاءٌ۔ صبر ایک عظیم روشنی ہے۔ اس لئے کہ خدا پرستی اور احکام الٰہیہ کی پابندی کی راہ میں جو بھی سختیاں، دشواریاں یا آفات و مصائب پیش آئیں یا جانی و مالی نقصانات اٹھانے پڑیں خواہشات نفس کی مقاومت کرنی پڑے بخندہ پیشانی ان سب کو برداشت کرنا اور صبر کرنا ایک کبھی نہ بجھنے والی عظیم روشنی ہے جو رضا و تسلیم کے مقام تک انسان کی رہنمائی کرتی ہے اور آیتِ کریمہ: اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) کے تحت معیت الٰہیہ کی سعادت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

نیز انسان کا سب سے بڑا مار آستین دشمن نفس امّارہ اس کے پہلو میں بیٹھا ہر وقت شہوانی جذبات کو مادی لذائذ پر برانگیختہ کرنے میں لگا رہتا ہے اسکی سرکوبی کرنے اور خواہشاتِ نفسانی کو قابو میں رکھنے اور انوار و تجلیات الٰہیہ سے روح کو روشن کرنے والی "عظیم روشنی" یعنی صبر کا مظہر کامل روزہ ہے چنانچہ بہت سے مفسرین آیتِ کریمہ: وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ میں صبر کی تفسیر "روزہ" سے کرتے ہیں بہر صورت صبر ایک آفتاب ہے جس کی ضیاء انسان کے ظاہر و باطن کو منور و روشن رکھتی ہے اسی لئے حدیث میں آیا ہے اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ (صبر نصف ایمان ہے)

(۷) اَلْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّكَ اَوْ عَلَيْكَ۔ قرآن حجت (دلیل) ہے تیرے حق میں یا تیرے خلاف۔ اس لئے کہ قرآن عظیم اللہ کا کلام ہے اس کی تلاوت کرنا اسکی تعلیمات پر بقدر طاقتِ بشری عمل کرنا آخرت کی پکڑ سے بچنے کی ایک حُجّت (دلیل) ہے اور قرآن کو جزدان میں لپیٹ کر طاقِ نسیاں پر رکھ دینے اور اسکی تعلیمات کو پس پشت ڈال دینے والوں کے خلاف، یہی قرآن مستحق قہر خداوندی ہونے کی ایک حُجّت (دلیل) ہے چنانچہ قیامت کے دن قرآن دونوں گروہوں کے حق میں موافق اور مخالف گواہی دے گا جیسا کہ احادیث میں آتا ہے۔

انسانی زندگی کا تجزیہ۔

كُلُّ النَّاسِ يَغْدُوْا فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا۔ ہر آدمی صبح سویرے نکلتا ہے اپنی جان کا سودا کرتا ہے پس یا اسکو آزاد کرا لیتا ہے یا ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ یہ ایک انسانی نجات و ہلاکت کا معاملہ ہے جو شب و روز ہر قدم پر انسان کے سامنے رہتا ہے اسی حقیقت کو اس موجز (مختصر) جملہ میں افصح العرب والعجم ﷺ نے ادا فرمایا ہے کہ: ہر شخص جو صبح ہوتے ہی نکلتا، یعنی عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے نفس (جان) کا سودا کرتا ہے جس شخص نے صبح سے شام تک ہر کام میں اطاعتِ خداوندی کو سامنے رکھا اس نے اپنے آپ کو آخرت کی گرفت سے بچا لیا اور عذابِ الٰہی سے آزاد کرا لیا اور جس شخص نے نفسانی خواہشات اور دنیاوی اغراض کو سامنے رکھا اور خدا کی اطاعت کو پس پشت ڈال دیا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت۔ عذاب الٰہی۔ میں ڈال دیا حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (توبہ: ۱۱۱)
بے شک حق تعالیٰ نے ایمان والوں سے ان کے جان و مال کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔

ﷻ خریدار ہیں بندہ "سوداگر" ہے اور "جان و مال" وہ متاعِ عزیز ہے جس کو جنت کے عوض بندہ بیچتا اور ﷻ خریدتے ہیں، اور دنیا و آخرت دونوں میں سرخروئی حاصل کرتا ہے۔ یا اس متاعِ عزیز کو اغراضِ دنیوی اور خواہشاتِ نفسانی کے عوض انسان بیچتا اور شیطان خریدتا ہے اور دنیا و آخرت دونوں میں ذلیل و خوار ہوتا ہے اور عذابِ الٰہی میں اپنی جان کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔

صبر سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں | حدیث نمبر (۲/۲۶)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :

انصار میں سے بعض (ضرورتمند) لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے (مالی امداد کا) سوال کیا۔ آپ نے (بقدرِ ضرورت) ان کو دے دیا، پھر (کچھ دن بعد) انہوں نے آپ سے (اسی طرح مالی امداد کا) سوال کیا تو آپ نے پھر (جو مناسب سمجھا) ان کو دے دیا، یہاں تک کہ جو (بیت المال کا مال) آپ کے پاس تھا سب ختم ہو گیا۔ چنانچہ جب آپ نے جو کچھ (مال و متاع) آپ کے پاس تھا سب (اسی طرح ضرورتمند مسلمانوں پر) خرچ کر ڈالا تو ان سے فرمایا: جو بھی مال و متاع میرے پاس ہو گا میں اسکو تم سے بچا کر ہرگز نہیں رکھوں گا، لیکن (تم یاد رکھو کہ یہ مانگنے کی عادت بری ہے) جو شخص مانگنے سے بچنا چاہے گا ﷻ (اس کی ضرورت کو خود پورا فرما دیں گے اور) اسکو مانگنے سے بچا دینگے اور جو شخص ﷻ سے غنا (مخلوق سے بے نیازی) کا سوال کرے گا ﷻ اس کو (اپنے فضل و انعام سے) غنی بنا دیں گے اور جو کوئی صبر (و ضبط) سے کام لے گا ﷻ اسکو صبر (کی توفیق) عطا فرما دینگے اور (یاد رکھو) صبر (کی دولت) سے بڑھ کر اور وسیع تر کوئی خیر و برکت (کسی کو) عطا نہیں کی گئی۔

تشریح!

صبر سے مراد

اس حدیث شریف میں صبر سے مراد، جو ﷻ نے دیا، اس پر اکتفا کرنا اور زیادہ کی حرص و طمع سے بچنا ہے

جس کو علم اخلاق اور شریعت کی اصطلاح میں قناعت کہتے ہیں اور ادعیۂ ماثورہ میں اسکی دعا ذیل کے الفاظ میں مانگنے کی تلقین کی گئی ہے۔

رَبِّ قَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَآ اَعْطَیْتَنِیْ — اے میرے رب جو تو نے مجھے روزی دی اس پر تو مجھے قناعت دے اور جو تو نے مجھے عطا فرمایا اس میں برکت دے دے۔

ایک اہم سوال کا جواب

اس دعا میں اس سوال کا جواب بھی آگیا کہ: جو اللہ نے دیا اگر اس میں ضروریات پوری نہ ہوں تو کیا کریں؟ فرمایا: اللہ سے دعا کرو وہ اسی میں اتنی برکت عطا فرمادینگے کہ ضروریات پوری ہوجائیں گی۔ خدا اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر صدق دل سے ایمان رکھنے والے جانتے ہیں کہ "برکت آسمان سے اترتی ہے" اسکے ہوتے مقدار رزق کو ضروریات کے پیمانے سے ناپنے کا خیال شیطانی وسوسہ اور نفس کا فریب ہے۔ اس سلسلہ میں بکثرت واقعات احادیث میں مذکور ہیں۔ کتب حدیث کی مراجعت کیجئے۔ اور دل سے حرص وطمع کی بیخ کنی کرنے، اور جو خدا نے دیا ہے اس پر سچے دل سے قناعت کرنے کے بعد برکت کے کرشمے مشاہدہ کیجئے۔

غِنیٰ کا بیان

اس حدیث میں غنا کا بھی ذکر آیا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔

خَیْرُ الْغِنیٰ غِنَی النَّفْسِ — بہترین غنیٰ نفس کا غنیٰ ہوتا ہے۔

جب جل شانہ کے فضل وکرم سے انسان کا نفس ما سوای اللہ سے بے نیاز ہوجاتا ہے تو اگرچہ اس کا ہاتھ خالی ہو اس کا دل غنی ہوتا ہے اور اسے صرف جل شانہ کے فضل و انعام پر اعتماد ہوتا ہے وہ جل شانہ کے سوا اور کسی شخص، یا مال ومنال پر بھروسہ کرتا ہی نہیں۔ جل شانہ اپنے خزانۂ غیب سے جو وہ مانگتا ہے، حسب ضرورت ومصلحت عطا فرماتے ہیں اسی لئے حضرات صوفیا کا قول ہے الغنیّ ھو الفقیر الی اللہ غنی ہے ہی وہ جو صرف جل شانہ کا محتاج ہو۔

عِفّت کا بیان

اس حدیث میں عفت کا بھی ذکر آیا ہے اس کے معنی ہیں حتی الامکان جل شانہ کے سوا اور کسی سے مانگنے اور غیر اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچنا علم اخلاق کی رو سے بھی عفت "اخلاق فاضلہ" میں سے ہے شرعاً بھی اگرچہ بحالت اضطرار۔ انتہائی مجبوری کی حالت میں کسی سے سوال کرنے اور مانگنے کی اجازت ہے مگر مجبوری کے بغیر سوال کرنے سے بڑی تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے چنانچہ ممانعت سوال سے متعلق احادیث بکثرت کتب حدیث میں مذکور ہیں۔ فنی مطلق جل شانہ ثروتمندوں کو ایسے ہی عفت پسند ضرورتمندوں کی ضروریات پورا کرنے کی ترغیب اور اس کی اہمیت و فضیلت سے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ج — ناواقف آدمی ان ضرورتمندوں کو غنی گمان کرتا ہے ان کے سوال نہ کرنے

تَعۡرِفُهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ لَا يَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا — کی وجہ سے، حالانکہ تم اُن کے چہرہ بشرہ سے اُن کو پہچان لوگے (کہ یہ ضرورتمند ہیں) وہ لوگوں سے نہ مانگتے ہیں، نہ پیچھے پڑتے ہیں

صبر کے سب سے بڑی دولت ہونے کی وجہ

صبر، غنیٰ اور عفت کی اس تشریح کے بعد آپ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ سب سے بڑی اور سب سے وسیع (ہمہ گیر) فضیلت صبر ہے اس دولت کے میسر آجانے کے بعد کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور مانگنے کی نوبت ہی نہیں آتی ﷻ بغیر مانگے سب کچھ دے دیتے ہیں۔ اپنی شب و روز کی زندگی میں صدق دل سے اس صبر و قناعت اور غنیٰ و عفت کو اپنا کر دیکھئے، پھر حدیث کی حقانیت اور زندگی کی اعلیٰ اقدار کا پتہ چلے گا۔

یہ صبر، صبر کی تیسری قسم صبر عن الشئی کے تحت داخل ہے۔

صبر و شکر سر تا سر خیر ہی خیر ہیں — حدیث نمبر (۳/۲۴)

حضرت صُہَیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن کا معاملہ بھی کتنا عجیب ہے؟ بیشک مومن کا معاملہ (ہر حالت اور ہر صورت میں) خیر ہی خیر ہے۔ اور یہ سعادت مومن کے سوا اور کسی کو میسر ہی نہیں (وہ معاملہ یہ ہے کہ) اگر مومن کو خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو اس پر وہ ﷻ کا شکر ادا کرتا ہے تو وہ خوشحالی اس کے لئے باعث خیر بن جاتی ہے (اس لئے کہ اس کا شکر ادا کرنے کی وجہ سے ﷻ اس کی خوشحالی اور مال و اولاد اور دوسری نعمتوں میں مزید اضافہ فرماتے ہیں) اور اگر مومن بدحالی (اور تنگدستی) میں گرفتار ہوتا ہے تو اس پر صبر کرتا ہے (اور رضاء الٰہی پر راضی رہتا ہے) تو وہ بدحالی اس کے لئے باعثِ خیر بن جاتی ہے (اور رضا و تسلیم کا بلند ترین مقام میسر آجاتا ہے)

تشریح!

صبر و شکر کے خیر بننے کی وجہ

شکر موجب خیر اس لئے بنتا ہے کہ ﷻ کا وعدہ ہے کہ:

لَئِنۡ شَكَرۡتُمۡ لَاَزِيۡدَنَّكُمۡ (ابراہیم: ۷) بخدا اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں یقیناً تم کو اور زیادہ دوں گا۔

صبر موجبِ خیر اسلئے بنتا ہے کہ صبر سے رضا و تسلیم کا مرتبہ میسر آتا ہے جو اُولوالعزم انبیاء و رسل کا مقام ہے۔ حق جل مجدہٗ اپنے محبوب نبی ﷺ کو حکم فرماتے ہیں:

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (احقاف: ۳۵) پس اے نبی تم صبر کرو جیسے اولوالعزم انبیاء و رسل نے صبر کیا ہے۔

صبر کی آزمائش کا سب سے سخت مقام | حدیث نمبر (۴/۲۸)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جب (مرض الموت میں) محبوب رب العالمین ﷺ کا مرض زیادہ شدت اختیار کر گیا اور (تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد) آپ پر کرب اور بےچینی کے دورے پڑنے لگے تو (آپ کی اس غیر معمولی تکلیف کو دیکھ کر) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے نکلا: "ہائے میرے پیارے باپ کی بےچینی"، تو اس پر آپ نے اُن کی تسلی کے لئے فرمایا: آج کے بعد تمہارے باپ پر (کبھی) کوئی بےچینی نہ ہوگی" (ساری بےچینیاں آج کے بعد ختم ہو جائیں گی) پھر جب حضور ﷺ کا وصال ہوگیا تو (شدتِ غم سے) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زبان سے نکلا: ہائے میرے باپ! اُن کے پروردگار نے جب ان کو بلایا تو انہوں نے فوراً اس بلاوے پر "لبیک" کہا (اور اپنے رب سے جا ملے)، ہائے میرے باپ! اب جنت الفردوس جن کا مسکن ہے، ہائے میرے باپ! جبریل امین ہی کو ہم اُن کی خبرِ مرگ سناتے ہیں" (اور غم و اندوہ کا اظہار کرتے ہیں) پھر جب صحابۂ کرام فخرِ کائنات ﷺ کو دفن کر چکے تو حضرت فاطمہ رضؓ نے اُن سے کہا: تمہارے دِلوں نے رحمۃٌ للعالمین ﷺ کو زیرِ زمین دفن کرنا (اور ان پر مٹی ڈالنا) گوارا کر لیا؟

تشریح!

حضرت فاطمہؓ کے بےساختہ حُزنیہ کلمات

سیدۃ نساء اھل الجنۃ (جنتی عورتوں کی سردار) حضرت فاطمۃ الزہراء بتقاضائے بشریت اپنے اُس عزیز اور محبوب باپ کی جانکنی کی شدت پر۔ جس نے حسبِ ذیل الفاظ میں فاطمہ سے اپنے غیر معمولی تعلقِ خاطر کا اظہار

فرمایا تھا :

فَاطِمَةُ بَضۡعَةٌ مِّنِّیۡ مَنۡ آذَاهَا فَقَدۡ آذَانِیۡ   فاطمہ میرے جگر کا ایک ٹکڑہ ہیں جس نے ان کو ستایا بیشک اُس نے مجھے ستایا۔

— تلملا اُٹھتی ہیں اور بے ساختہ زبان سے وَاکَرۡبَ اَبَتَاہُ۔ ہائے میرے پیارے باپ کی بےچینی — نکلتا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ بغرض تسلی و دلاسا فرماتے ہیں: ”لَیۡسَ عَلٰی اَبِیۡکِ کَرۡبٌ بَعۡدَ الۡیَوۡمِ“ اسی طرح وفات اور تجہیز و تکفین کے بعد کے بے ساختہ حزنیہ کلمات، یہ سب کمال رافت و رحمت کا تقاضا ہیں اور عنداللہ مطلوب ہیں اگر عزیز ترین ہستی کی وفات پر یہ فطری تاثر اور ان حزنیہ کلمات کا اظہار نہ ہو تو یہ ”قسوۃ قلبی“ اور سنگدلی کی دلیل ہے جو ہرگز بشریت کا تقاضا نہیں ہو سکتی اور عنداللہ رحمت الٰہی سے محرومی کا موجب ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ مزید تفصیل اگلی حدیث کی تشریح میں آتی ہے۔

بے ساختہ آنسو اور بغیر آواز کے رونا صبر کے منافی نہیں | حدیث نمبر (۵/۲۹)

رسول اللہ ﷺ کے حبیب بن حبیب (محبوب کے محبوب) آزاد کردہ غلام حضرت اُسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ :

رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) نے آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ میرا بچہ نزع کی حالت میں ہے، ذرا آپ تشریف لے آئیں (ہم لوگوں کو تسلی ہو جائے گی) تو رسول اللہ ﷺ نے (اس اندوہناک منظر اور اُن کی تکلیف کو بچشم خود دیکھنے سے بچنے کی غرض سے) پیغام بھیجا: رسول اللہ سلام فرماتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں (دختر عزیز!) بیشک جو اللہ تعالیٰ نے لے لیا وہ بھی اُسی کا ہے اور جو دیا تھا وہ بھی اُسی کا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کا وقت مقرر ہے، تم صبر کرو اور (اس صبر پر اللہ سے) اجر کی امید رکھو۔ (رضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ) اس پر اُنہوں نے پھر پیغام بھیجا: اور بقسم درخواست کی کہ آپ اس وقت ہمارے پاس ضرور ضرور تشریف لائیں، تو رسول اللہ ﷺ سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، اُبی بن کعب، زید بن ثابت اور چند سربرآوردہ انصاری صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ اُٹھ کر چلے اور صاحبزادی صاحبہ کے مکان پر پہنچے

تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بچہ کو پیش کیا گیا آپ نے اس کو گود میں لے لیا بچہ کا گھونگرو بول رہا تھا (اور سانس رک رک کر آرہا تھا) یہ کیفیت دیکھ کر آپ کی مقدس آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہہ پڑے۔ تو اس پر حضرت سعد بولے: یہ کیا یا رسول اللہ (یہ آنسو کیسے)؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا: یہ جذبۂ ترحم ہے (اے سعد!) جو جل جلالہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ودیعت فرمایا ہے"۔ اور ایک روایت میں ہے: "اپنے جن بندوں کے دلوں میں چاہا ودیعت فرما دیا ہے" اور (یاد رکھو) رحم کرنے والوں ہی پر جل شانہ بھی رحم فرماتے ہیں۔

تشریح!

حضرت سعدؓ کے تعجب کی وجہ اور اس کا جواب

نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے:

اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا	رحم کرنے والوں ہی پر رحمٰن بھی رحم فرماتا ہے
مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمْكُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ	تم زمین والوں پر رحم کرو تو تم پر آسمان والا بھی رحم کرے گا۔

حضرت سعد کی غلط فہمی

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آنکھوں سے آنسو نکلنے اور بغیر آواز کے رونے، کو بھی صبر کے خلاف خصوصاً آپ کی جلالت شان کے منافی سمجھ کر سوال کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ اس غلط فہمی کو دور فرماتے ہیں کہ رحم اور ترحم تو جل جلالہ کی بہت بڑی خوش آئند نعمت ہے (رحمت) اور اسم جلالت الرحمن (بہت بڑا رحم کرنے والا) کا مظہر ہے اور رسول اللہ ﷺ کی مظہر کمالات مقدس ذات گرامی، عالم بشریت میں اسماء، وصفات الٰہیہ کا مظہر اتم (کامل ترین مظہر) ہے اسلئے یہ رنج وغم اور صدمہ، اور اس پر بے ساختہ نکلنے والے آنسو، نہ صبر کے منافی ہیں اور نہ آپ کی شان کے صبر کے منافی چیخنا چلانا، دھاڑیں مار کر رونا، بَین کرنا، کپڑے پھاڑنا، بال نوچنا، منہ یا سینہ پیٹنا وغیرہ جاہلانہ رسوم ہیں جو نہ صرف شرعاً ممنوع اور حرام ہیں بلکہ جل شانہ کی ناراضگی اور غصہ کا موجب بھی ہیں جیسا کہ تفصیل کے ساتھ احادیث میں مذکور ہے۔

ان دونوں حدیثوں میں صبر کی قسم

حدیث نمبر (۴) و نمبر (۵) صبر کی تیسری قسم اَلصَّبْرُ عِنْدَ الْمُصِیْبَةِ کے تحت داخل ہیں۔

حدیث الاخدود: خندقوں کا قصہ

حدیث نمبر (۳۰)

حضرت صُہَیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ تم سے پہلی اُمتوں میں ایک بادشاہ گذرا ہے اس بادشاہ کا مدار المہام ایک جادوگر تھا جب وہ ساحر بوڑھا ہوگیا تو

خندق والوں کے قصہ کا پس منظر | عیسائی مذہب پر ایک ایسا دَور بھی گزرا ہے جس میں اوّل یہودیوں نے اور ان کے بعد بُت پرست قوموں اور ظالم وجابر بادشاہوں نے عیسائیوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے ہیں اور بُت پرستی پر اُن کو مجبور کیا ہے اس عہد میں عیسائیوں کے لئے اپنے دینِ عیسوی کو چھپائے بغیر زندہ رہنا محال تھا۔ عیسائی مذہب کے رہنما اور تارک الدنیا راھب بھی بستیوں سے دُور یا خانقاہوں میں یا ویرانوں میں بالکل الگ تھلگ زندگی بسر کرتے تھے اور جو اُن کے ہم مذہب لوگ چھپ چھپا کر اُن کے پاس پہنچ جاتے ان کو چھپے چوری انجیل اور دینِ عیسوی کی تعلیم دیتے وعظ ونصیحت کرتے رہتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمانی کتاب انجیل اپنی اصلی حالت پر، اور دینِ عیسوی کی تعلیمات اپنی اصلی صورت میں، موجود و برقرار تھیں کسی قسم کا تغیر و تبدل اور نسخ وتحریف ان میں نہیں ہوئی تھی اس زمانہ میں وہی دینِ حق تھا اور اسی پر ایمان لانا اور عمل کرنا ہی نجات کا ذریعہ تھا۔

اس زمانہ میں دُنیا کے بعض ملکوں — عرب، شام، فارس وغیرہ — میں انہی بُت پرست وخود پرست ظالم وجابر بادشاہوں نے خدا پر ایمان لانے والوں خصوصاً عیسائیوں کو صرف ﷻ پر ایمان لانے کے جُرم میں خوفناک آگ کے الاؤ سے بھری ہوئی خندقوں میں زندہ جلادیا۔ چنانچہ یمن کے شہر نجران کے اندر یمن کے بُت پرست بادشاہ ذونواس نے بڑی بڑی خندقیں کھدوا کر ایسی خوفناک آگ سے جس کی لپٹیں دُور دُور تک پہنچتی تھیں اور آسمان سے باتیں کرتی تھیں بھروادیا تھا اور ہر اس شخص کو جو دینِ عیسوی اور خدا پرستی سے منحرف نہ ہو — بوڑھا ہو یا جوان یا بچہ مرد ہو یا عورت — زندہ آگ میں جلادینے کا حکم دے رکھا تھا ایسے مواقع پر خود بادشاہ اور اسکے پرستار بھی اس انسانیت سوز تماشے کو دیکھنے کے لئے خندق کے اردگرد کرسیوں پر بیٹھتے اور خدا پرستوں کے جلنے جلانے کا تماشا دیکھا کرتے تھے۔

آخر قہرِ الٰہی اور انتقامِ خداوندی نے اسی آگ کی خوفناک لپٹوں میں اس بادشاہ اور اسکے پرستاروں کو جلاکر راکھ کردیا۔ اس واقعہ کا اجمالی تذکرہ سورۃ البروج میں آیا ہے۔ حضرت صُہَیب کی اس حدیث میں بھی اسکی کچھ تفصیل مذکور ہے پورا مفصل بیان کتبِ تفسیر وتاریخ میں پڑھیئے۔

اس زمانہ کے فرعون و نمرود | اس زمانہ کے فرعون و نمرود — امریکہ، روس، برطانیہ وغیرہ قہرمانی طاقتیں — بھی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تیار کرکے روئے زمین کو جہنم زار بنانے اور خدا کی مخلوق کو اس میں جھونکنے کے منصوبے بنانے میں مصروف ہیں قہرِ الٰہی جب جوش میں آئے گا تو ان شاء اللہ یہ بم خود ان کو ہی پھونکیں گے اور ان کے ملکوں کو جہنم بنادینے کے ہی کام آئیں گے ۱۲

سحر اور کہانت کی ان بُت پرستوں میں اہمیت | عام طور پر یہ بُت پرست اور خود پرست جابر و قاہر بادشاہ جادو اور کہانت کے زور سے ہی مخلوق سے اپنی خدائی منواتے اور حکومتیں چلاتے رہے ہیں اور ساحر و کاھن (جادوگر اور کاہن نجومی) ہی ان کے سب سے بڑے مقرب اور مدار المہام ہوا کرتے ہیں فراعنۂ مصر کے عہد میں تو سحر، شریف ترین علم اور ساحر و کاھن ہی سب سے بڑے عالم سمجھے جاتے تھے۔ پچھلے دور کے عیسائیوں (اور یہودیوں) کے عہد میں بھی سحر کو بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔

اس ترقی یافتہ زمانہ کا حال | آج اس ترقی یافتہ دَور میں بھی بھارت کے نجومی اور جوتشی حکومت اور عوام دونوں کی نظر میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں عوام آج اپنے ہر اہم کاروبار اور بیاہ شادی وغیرہ کے لئے نیک ساعت اور اچھا شگون معلوم کئے بغیر کوئی قدم اٹھاتے ہی نہیں حکومت بھی اپنے اہم اقدامات میں نجومیوں کی پیشینگوئیوں کو نظر انداز نہیں کرتی۔

اُس نے بادشاہ سے کہا: میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں (اب دربار میں حاضری، اور ذمہ داری کے ساتھ فرائض کی بجا آوری مجھ سے نہیں ہوسکتی) لہٰذا تم کسی (شاہی خاندان کے) نوعمر لڑکے کو میرے پاس بھیج دیا کرو میں اُسے جادو سکھا دوں (وہ میری نیابت میں دربار میں کام کرے گا) چنانچہ بادشاہ نے ایک ہونہار نوعمر لڑکے کو مقرر کر دیا اور جادوگر نے اُسے جادو سکھانا شروع کر دیا۔

جادو سیکھنے والے لڑکے کا حال یہ لڑکا جب جادوگر کے پاس جاتا تو اُسکے راستہ میں ایک راہب (عیسائی عالم) کی خانقاہ پڑتی تھی کبھی کبھی اُس کے پاس بھی جا بیٹھتا اور اس کی باتیں کان لگا کر سنتا۔ چنانچہ اب یہ اُس لڑکے کا معمول ہو گیا کہ روزانہ جب بھی جادوگر کے پاس جاتا تو راہب کے پاس ضرور بیٹھتا، (اور روزانہ جادوگر کے ہاں پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی) تو جب جادوگر کے پاس دیر سے پہنچتا تو وہ (دیر سے آنے پر) زدوکوب کرتا، آخر لڑکے نے اس (روزانہ کی مارپیٹ) کی راہب سے شکایت کی۔ راہب نے (اُس سے بچنے کی تدبیر بتلائی اور) کہا: جب تمہیں (دیر ہو جانے کی وجہ سے) جادوگر کی مارپیٹ کا ڈر ہوا کرے تو اس سے کہہ دیا کرو کہ مجھے گھر والوں نے (کسی کام سے) روک لیا تھا (اس لئے دیر ہو گئی) اور جب گھر والوں سے ڈر ہو تو کہہ دیا کرو کہ مجھے اُستاد (جادوگر نے) روک لیا تھا (اس لئے دیر ہو گئی)[1]

(چنانچہ اس نے یہی تدبیر اختیار کی اور اس تدبیر سے باطمینان تمام علم دین حاصل کرنے کا موقع مل گیا۔)

---

[1] **ایک شبہ کا ازالہ** ظالم و جابر لوگوں کے ظلم و جور سے بچنے اور اپنی یا دوسروں کی جان بچانے کی غرض سے اور خدا پرستوں کے لئے بحالتِ مجبوری اس قسم کے جھوٹ اور فریب پر مبنی تدابیر کی گنجائش تھی اور ہے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے ایسے ہی واقع کیلئے فرمایا ہے: دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز۔ مصلحت پر مبنی جھوٹ فتنے کھڑے کر دینے والے سچ سے بہتر ہے۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے الحرب خدعۃ۔ لڑائی سرتاسر دھوکہ اور فریب کا نام ہے۔

ہماری شریعت کا حکم تاہم ہماری شریعت میں صریح جھوٹ بولنے کی مطلق اجازت نہیں، ہو سکتا ہے کہ عیسائی مذہب میں اسکی گنجائش ہو۔ ۱۲ ح

اس لڑکے کی کرامت | ایک دن حسبِ معمول جب وہ جا رہا تھا تو راستہ میں ایک بڑا خوفناک چوپائے جیسا اژدہا اسکو نظر آیا جس نے لوگوں کا راستہ بند کر دیا تھا (ڈر کے مارے کوئی آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کرتا تھا) تو اس لڑکے نے دل میں کہا: چلو آج آزمائیں کہ راہب افضل (اور اللہ کا مقبول بندہ) ہے یا جادوگر افضل ہے؛ چنانچہ اس نے ایک پتھر اُٹھایا اور خدا سے دعا کی: اے اللہ اگر تیرے نزدیک راہب کا دین جادوگر سے افضل ہے تو اس پتھر سے اس اژدہے کو ہلاک کر دے تاکہ لوگ راستہ چل سکیں" اور (یہ کہہ کر) پتھر مارا، خدا کی قدرت سے وہ اژدہا ہلاک ہو گیا اور لوگ آنے جانے لگے۔

راہب کی تصدیق اور وصیت | تو اس کے بعد وہ لڑکا راہب کے پاس آیا اور سارا واقعہ اسکو بتلایا تو راہب نے کہا: اے میرے عزیز شاگرد اب (اس کرامت کے بعد تم رب العالمین کے نزدیک) مجھ سے بھی افضل (اور مقبول بارگاہِ الٰہی) ہو گئے ہو، میں دیکھتا ہوں کہ تمہارا رب العالمین سے تعلق اس عظیم مرتبہ تک پہنچ گیا ہے (کہ ایسی کرامتیں ظاہر ہونے لگیں) مگر (تم یاد رکھو کہ یہ واقعہ چھپا نہیں رہ سکتا بادشاہ کے کانوں تک ضرور پہنچے گا اور وہ دین کا سخت دشمن ہے لہٰذا) تم سخت آزمائش میں پڑ گئے ہو، مگر دیکھنا اگر تم مصیبت میں گرفتار ہو تو میرا نام ہرگز نہ لینا (ورنہ میں بھی مارا جاؤں گا)

اس لڑکے کی اور کرامتیں | اس واقعہ کے بعد اس لڑکے کی اور کرامتیں بھی ظاہر ہونے لگیں چنانچہ اب وہ مادرزاد نابیناؤں کو بینا اور جزامیوں کو اچھا کرنے لگا اور پھر تو تمام لاعلاج امراض کا علاج کرنا شروع کر دیا۔

لاعلاج مرضوں کے علاج کی شرط | (مگر علاج اسی مریض کا کرتا جو آرام ہونے کے

بعد ﷻ پر ایمان لانے کا پختہ عہد کرتا رفتہ رفتہ انہی کرامتوں کے ذریعہ دین الٰہی لوگوں میں پھیلنے لگا) بادشاہ کے ایک مصاحب نے بھی اس طبیب روحانی کا شہرہ سنا اس کی بینائی جاتی رہی تھی اور بالکل اندھا ہو گیا تھا، وہ بھی اس نصرانی لڑکے کے پاس بیش بہا تحفے تحائف لے کر آیا اور کہا: اگر تم نے مجھے شفا دے دی (اچھا کر دیا) تو یہ سب تحفے تمہاری نذر ہیں۔ لڑکے نے کہا: میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا۔ شفا تو صرف ﷻ ہی دیتا ہے، لہٰذا اگر تم ﷻ پر ایمان لے آؤ تو میں تمہارے لئے ﷻ سے شفا کی دعا کروں گا اور ﷻ تمکو شفا دیدے گا چنانچہ وہ بادشاہ کا مصاحب ﷻ پر ایمان لے آیا تو ﷻ نے بھی اس کو شفا دے دی (اور اسکی بینائی لوٹ آئی)

بادشاہ کو اطلاع اور اس کا ردِ عمل | اور اسکے بعد وہ مصاحب حسبِ معمول بادشاہ کے دربار میں آیا اور اپنی جگہ (کرسی پر) بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے (حیران ہو کر) کہا: یہ تمہاری بینائی کس نے لوٹائی؟ اس نے کہا میرے رب نے۔ بادشاہ نے (غصہ میں آگ بگولا ہو کر) کہا: کیا میرے علاوہ بھی تیرا کوئی رب ہے؟ مصاحب نے کہا: میرا اور تیرا دونوں کا رب ﷻ ہے۔

مصاحب کو خدا پرستی کی سزا اور اس کی کمزوری | بادشاہ نے اس کو فوراً گرفتار کر لیا اور پوچھا یہ دین تو نے کس کے کہنے سے اختیار کیا ہے؟ جب اس نے نہیں بتلایا تو بادشاہ (کے حکم سے جلادوں) نے سخت ترین ایذائیں اور تکلیفیں پہنچانی شروع کر دیں یہاں تک کہ اس نے عاجز آ کر اس عیسائی لڑکے کا حال بتلا دیا۔

صاحبِ کرامات لڑکے کی گرفتاری اور اسکی وعدہ خلافی | چنانچہ فوراً اس لڑکے کو گرفتار کر کے لایا گیا تو بادشاہ نے غصہ میں آ کر اس سے کہا: او لڑکے!

تیری جادوگری اب یہاں تک پہنچ گئی کہ تو اندھوں کو سوانکھا کر دیتا ہے، جذامیوں کو اچھا کر دیتا ہے اور فلاں فلاں لاعلاج مریضوں کو تندرست کر دیتا ہے (کیا میرے ہوتے خدائی کا دعویٰ کرنے کا ارادہ ہے؟) تو لڑکے نے کہا: میں تو کسی کو بھی شفا نہیں دیتا، شفا تو صرف اللہ تعالیٰ دیتا ہے (جو اس پر ایمان لے آتا ہے وہ اس کو شفا بخش دیتا ہے) تو بادشاہ نے اس لڑکے کو بھی گرفتار کر کے اس پر سخت ترین عذاب توڑنے شروع کر دیئے یہاں تک کہ لڑکے نے عاجز آکر عیسائی راہب کا حال تبلادیا۔

راہب کی گرفتاری اور اسکا لرزہ خیز قتل اور شہادت تو فوراً بادشاہ کے حکم سے اس خدا پرست راہب کو گرفتار کر کے لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تو اپنا یہ نصرانی مذہب چھوڑ دے اس نے صاف انکار کر دیا تو ایک آدم کُش "آرا" لایا گیا اور اس راہب کے بیچ سر پر رکھ کر آرے سے اس طرح اسکے دو ٹکڑے کر دیئے گئے کہ ایک ٹکڑا اِدھر گرا اور دوسرا اُدھر۔ اور وہ شہید ہوا۔

مصاحب کا قتل اور شہادت پھر بادشاہ کے مصاحب کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ: تو اس دین سے باز آجا۔ اس نے بھی صاف انکار کر دیا تو اسکے بھی بیچ سر پر آرا رکھ کر دو ٹکڑے کر دیئے گئے ایک اِدھر گرا دُوسرا اُدھر۔ اور وہ بھی شہید کر دیا گیا۔

صاحب کرامت لڑکے کو ہولناک طریقوں سے ہلاک کرنیکی تدبیریں اور اُن میں ناکامی

پھر اس لڑکے کو لایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ تو اپنا یہ دین چھوڑ دے تو اُس نے بھی انکار کر دیا تو اس سے زیادہ ہولناک سزا دینے کی غرض سے) اسکو چند جلادوں کے سپرد کیا اور کہا کہ: اس کافر کو فلاں پہاڑ لے جاؤ اور پہاڑ کے اُوپر چڑھاؤ جب چوٹی پر پہنچ جاؤ تو اس سے دریافت کرو،

اگر یہ اپنے اس دین سے باز آجائے تو فبہا ورنہ اسکو پہاڑ کی چوٹی سے (غار میں)
پھینک دو"۔ چنانچہ وہ لوگ اس کو وہاں لے گئے، پہاڑ کے اُوپر چڑھایا
(اور چوٹی پر پہنچ کر) اس نے جل جلالہ سے دُعا کی: اے جل جلالہ تو جس طرح
چاہے مجھے ان ظالم مشرکوں کے شر سے بچالے"، چنانچہ پہاڑ ایکدم اتنے
زور زور سے لرزنے لگا کہ وہ سب جلاد پہاڑ کی چوٹی سے نیچے (غار میں)
گر پڑے (اور ہلاک ہو گئے) اور وہ لڑکا (صحیح سلامت) وہاں سے چل کر بادشاہ
کے سامنے آموجود ہوا تو اس نے پُوچھا: وہ لوگ کیا ہوئے؟ لڑکے نے کہا: اللہ نے مجھے ان سے
بچا دیا اور ان کو ہلاک کر دیا تو بادشاہ نے اس لڑکے کو اپنے (مخصوص) مصاحبوں کے سپرد کیا اور
کہا کہ: اس کافر لڑکے کو (سمندر پر) لے جاؤ اور ایک ڈونگی (چھوٹی کشتی) میں سوار کرو اور بیچ
سمندر میں لے جاؤ (وہاں پہنچکر اس سے دریافت کرو) اگر یہ اپنے دین (خدا پرستی) سے باز آجائے
تو فبہا ورنہ اسے سمندر میں پھینک دو"۔ چنانچہ وہ مصاحب اس کو (ڈونگی
میں سوار کرا کے بیچ سمندر میں) لے گئے تو اُس خدا پرست لڑکے نے پھر (ہاتھ
اُٹھا کر) دُعا کی: "اے اللہ تو جس طرح مناسب سمجھے ان ظالموں کے شر سے مجھے
بچالے"۔ چنانچہ دفعتاً سمندر میں طوفان آیا اور موجوں کے تھپیڑوں سے (
کشتی ڈوب گئی اور وہ سب کے سب مصاحب بھی ڈوب گئے اور
وہ لڑکا بچ گیا اور سیدھا بادشاہ کے پاس آ درآمد ہوا۔ بادشاہ نے پوچھا:
وہ تیرے ساتھ کے آدمی کیا ہوئے؟ اس نے کہا: اللہ نے مجھے ان کے شر
سے بچا دیا اور اُن کو ڈبو دیا۔

صاحب کرامت خدا پرست لڑکے کا بادشاہ کو خود اپنی ہلاکت کی تدبیر بتلانا اور شہید ہونا

اس کے بعد اس خدا پرست لڑکے نے بادشاہ سے کہا: تم مجھے ہرگز ہلاک نہیں

کر سکتے تاوقتیکہ جو تدبیر[1] میں بتلاؤں اس پر عمل نہ کرو۔ بادشاہ نے کہا: وہ تدبیر کیا ہے؟ لڑکے نے کہا: تم شہر کے باہر کھلے میدان میں شہر کے تمام لوگوں کو جمع کرو اور سب کے سامنے تم مجھے (خدا پرستی کے جرم میں) سولی پر لٹکاؤ پھر میرے ترکش میں سے ایک تیر نکالو (ان تیروں پر اللہ کا نام لکھا تھا) اور ان کو کمان کے پلّہ پر چڑھاؤ اور بسم اللہ رب الغلام۔ اللہ کے نام سے جو اس لڑکے کا رب ہے۔ کہہ کر میرے تیر مارو۔ اگر پورے طور پر تم نے اس تدبیر پر عمل کیا تو تم مجھے قتل کر سکو گے (ورنہ نہیں) تو اس ناعاقبت اندیش دشمنِ حق بادشاہ نے شہر کے تمام چھوٹے بڑے عورت، مرد سب لوگوں کو ایک بہت بڑے اور کھلے میدان میں جمع کیا اور اس خدا پرست لڑکے کو سولی پر لٹکایا

---

[1] **ایک شبہ کا ازالہ** یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ایماندار لڑکے نے خود اپنی ہلاکت کی تدبیر بادشاہ کو کیوں بتلائی اور اپنے آپ کو قتل کے لئے کیوں پیش کیا؟ اسکا جواب واضح ہے کہ اسکو یقین تھا کہ اگرچہ میں تو شہید ہو جاؤں گا مگر اس تدبیر پر عمل کرنے کے بعد تمام شہر کے باشندوں پر اس خدائی کا دعویٰ کرنے والے بادشاہ کی خدائی کی حقیقت کھل جائے گی کہ یہ تو اتنا عاجز اور بے بس انسان ہے کہ بسم اللہ رب الغلام کہے بغیر اپنی خدائی کے منکر دشمن کو بھی ہلاک نہیں کر سکتا لہٰذا پرستش کے لائق رب الغلام ہے نہ کہ یہ عاجز و بے بس انسان چنانچہ ایسا ہی ہوا اور پورا شہر اسی وقت اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا علاوہ ازیں ایک خدائی کا دعوےٰ کرنے والے فرعون کی زبان سے اپنے رب کی خدائی کا اعتراف کرا دیا مثل مشہور ہے کہ "جادو وہ ہے جو سر چڑھ کر بولے"۔ یہی جواب اس شبہ کا بھی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کی پہلی دونوں تدبیروں کو ناکام بنا دیا اور اپنے ایک مومن بندے کو ہلاکت سے بچا لیا اور اُلٹا بادشاہ کے پرستاروں کو اُنہی تدبیروں سے ہلاک کر دیا اسی طرح اس لڑکے کی بتلائی ہوئی تدبیر کو بھی ناکام بنا دیتے؟ ظاہر ہے کہ اس صورت میں شہر کے تمام باشندے یکدم ایمان نہ لاتے علاوہ ازیں لڑکے کا بیان جھوٹا ہوتا اور اللہ تعالیٰ اپنے ایک مومن و مقرب بندے کو جھوٹا بنانا گوارا نہیں کر سکتے۔

ایک اور جواب حِکَم و مصالح سے بحث کرنے والے بعض محققین اس سوال کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس عیسائی لڑکے سے صاحب کرامات ولی ہونے کے باوجود ایک ایسا گناہ سرزد ہوا تھا جو وعدہ خلافی اور عہد شکنی کے علاوہ راہب کے قتل ناحق کا سبب بھی بنا اور وہ یہ کہ اس نے بادشاہ کی سختیوں سے عاجز آکر راہب کا نام بتلا دیا حالانکہ راہب اسکو بتلا چکا تھا کہ اگر تم نے میرا نام بتلا دیا تو مفت میں میری جان جائے گی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک مقرب بندے کو آخرت کے دائمی عذاب اور جہنم سے بچانے کے لئے دنیا میں ہی اس کا "کفارہ" کرا دیا جان کا بدلہ جان ہو گیا اور شہادت کا مرتبہ مزید برآں عطا فرما دیا۔ یہی گناہ اس خدا پرست مصاحب سے سرزد ہوا تھا اس کے قتل کو اس کے گناہ کا "کفارہ" کرا دیا اور اسکو بھی شہادت کا مرتبہ مزید برآں عطا فرما دیا۔ خالص شہادت کا مرتبہ راہب کو نصیب ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہادت ابدی زندگی کا دوسرا نام ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف "شہداء" کو "اموات" گمان کرنے سے منع فرمایا ہے بلکہ ان کو "اموات" کہنے سے بھی منع فرمایا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہونے والے "زندہ جاوید" ہو جاتے ہیں وہ کبھی نہیں مر سکتے۔

پھر اسکے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور کمان کے چلہ پر چڑھایا پھر کہا
بِسْمِ اللّٰہِ رَبِّ الْغُلَامِ اور تیر چلا دیا وہ تیر لڑکے کی کنپٹی پر لگا تو لڑکے
نے کنپٹی پر ہاتھ رکھ لیا اور مرگیا سب لوگ (اس خدائی کے دعویدار بادشاہ کی
عاجزی کو دیکھ کر کہ ﷺ کا نام لئے بغیر اس خدا پرست لڑکے کو ہلاک نہ کرسکا
یک زبان) کہنے لگے اٰمَنَّا بِرَبِّ الْغُلَامِ (اور سارا شہر خدا پر ایمان لے آیا)
تو بادشاہ کے پاس اسکے مصاحب آئے اور (اس کو تبلایا کہ جس چیز سے آپ
ڈرتے تھے بخدا وہ (خود آپ کے ہاتھوں) وقوع میں آگئی تمام شہر کے باشندے
اس لڑکے کے رب پر ایمان لا چکے ہیں۔ بادشاہ یہ سن کر آگ بگولا ہو گیا اور
اس نے فوراً حکم دیا کہ شہر کے تمام شاہراہوں کے سروں پر بڑی بڑی خندقیں (کھایئاں)
کھدوائی جائیں (اور ان کو آگ کی خوفناک الاؤ سے بھر دیا جائے) چنانچہ شاہی
حکم کے مطابق (شہر میں آنے کے تمام راستوں پر) بڑی بڑی خندقیں کھود
دی گئیں اور (ان میں آگ کے الاؤ لگا دیئے گئے اور حکم دیا کہ جو کوئی شہر کا
باشندہ اس مذہب کو نہ چھوڑے اسے زندہ آگ میں جلا دیا جائے۔ چنانچہ
بادشاہ کے نوکروں نے اس پر عمل درآمد شروع کر دیا لوگ جوق در جوق
آتے اور (بخندہ پیشانی) آگ میں کود پڑتے یہاں تک کہ ایک ایماندار عورت
آئی اس کا شیر خوار بچہ بھی اسکے ساتھ تھا۔ اس معصوم بچہ کی وجہ سے وہ
آگ کی خندق میں کودنے سے ہچکچائی تو فوراً شیر خوار بچہ بلند آواز سے
بولا: اے میری پیاری ماں صبر کر (اور اس آگ میں کود جا بیشک تو
حق پر ہے۔ (یہ بھڑکتی ہوئی آگ خندق نہیں بلکہ گلزارِ ابراہیم
ہے) ؁

تشریح!

اس طویل حدیث اور واقعہ کے چند اہم فوائد۔

یہ طویل حدیث چند عظیم فوائد اور احکام پر مشتمل ہے۔

پہلا فائدہ۔

(۱) اول یہ کہ ہر ایمان لانے والے کے لئے "ابتلا" لابدی ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ ۔ (عنکبوت: ۲)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ آمنّا۔ ہم ایمان لے آئے۔ کہنے پر ہی چھوڑ دیئے جائینگے اور ان کو آزمائشوں میں نہیں ڈالا جائے گا اور بیشک ہم نے تو اُن سے پہلے لوگوں کو بھی آزمائشوں میں ڈالا ہے پس اللہ (علی الطور) ضرور جان لے گا (آزمائے گا) ان لوگوں کو جنہوں نے سچ کہا کہ ہم ایمان لے آئے اور جان لے گا آزمائے گا ان کو بھی جو جھوٹے ہیں۔

یہ ابتلا اور آزمائش عام ہے خواہ جان یا مال پر کوئی مصیبت اور آفت آئے، چاہے فقر و افلاس میں مبتلا ہو، چاہے اور کسی بھی قسم کی دشواریاں اور مشکلات پیش آئیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ (بقرہ)

اور ہم ضرور آزمائیں گے تم کو کسی قدر (دشمنوں کے) خوف سے اور بھوک (پیاس) سے اور کسی قدر مالوں، جانوں اور پھلوں کے نقصانات سے اور (اے نبی) تم خوشخبری سنا دو (ان مصیبتوں اور نقصانات پر) صبر کرنے والوں کو، جو جب بھی ان پر کوئی مصیبت آتی ہے، تو کہتے ہیں: بیشک ہم اللہ ہی کے لئے (زندہ) ہیں اور اسی کی طرف ہم لوٹ کر جانے والے ہیں۔

مومن کیلئے مصیبتیں گھبرانے کی چیز نہیں ہیں بلکہ صبر کرنے کی صورت میں درجات بلند ہونے کا موجب ہیں

اس ابتلا اور آزمائش میں صبر و ضبط کو اختیار کرنا حق جل شانہ سے حسن ظن (نیک گمان) رکھنا صرف یہ کہ ایمان کی دلیل بلکہ ھم درجات عند ربھم۔ ان کے مختلف درجے اور مرتبے ہیں اللہ کے ہاں۔ کے تحت رفع درجات۔ مرتبوں کی بلندی۔ کا بھی موجب ہے چنانچہ جتنا اچھا اور کامل صبر ہوگا اتنا ہی کامل اور قوی ایمان ہوگا۔ اسلئے ایسے ابتلا اور آزمائشیں ایک مومن کے لئے ہرگز گھبرانے یا مایوس ہونے کی چیز نہیں ہیں اگرچہ انسان کو از خود کوئی مصیبت اپنے سر مول لینا یا ابتلا کے وقت موت کی دعا مانگنا بھی ممنوع ہے بلکہ ادعیہ ماثورہ۔ مسنون دعاؤں۔ میں حق جل شانہ سے عفو اور عافیت کی دعا مانگتے رہنے کی تاکید آئی ہے اسی طرح کسی مصیبت میں گرفتار ہونے کے وقت حق تعالیٰ سے اس مصیبت کو رفع کر دینے کی دعا کرنا اور عالم اسباب میں مصیبت سے بچنے یا اس سے نجات پانے کی تدبیریں اختیار کرنا اور اسکے لئے جدوجہد کرنا بھی صبر کے منافی نہیں ہے بلکہ اس طرح کی کوششیں پسندیدہ ہیں۔

غرض اس طویل حدیث میں اہلِ ایمان پر محض مسلمان ہونے کی وجہ سے جو آزمائشیں اور مصیبتیں پیش آئیں ان میں صبر و ضبط، ثابت قدمی و پامردی اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے جیسا کہ ان خدا پرست عیسائیوں نے اختیار کیا تھا اور اسی غرض سے امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو صبر کے باب میں لائے ہیں۔

ایک ضروری تنبیہ

یاد رکھیے! مسلمان پر مصیبتیں، بلائیں اور آفتیں اُس کی بدعملیوں، احکام الٰہیہ کی نافرمانیوں اور گناہوں کی سزا کے طور پر بھی آتی ہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (شوریٰ: ۳۰)

اور جو مصیبت بھی تمہارے اوپر آتی ہے وہ تمہارے ہاتھوں کے کئے کاموں (بدعملیوں) کا نتیجہ ہوتی ہے اور بہت سے (گناہ اور خطائیں تو) حق جل شانہ (ویسے ہی) معاف فرما دیتے ہیں۔

اسلئے ہر مصیبت میں گرفتار مسلمان کو اپنے اگلے پچھلے تمام اعمال کا فوراً جائزہ بھی لینا چاہیئے اور اگلے پچھلے، علانیہ، خفیہ کئے ہوئے گناہوں سے صدق دل سے توبہ اور استغفار بھی کرتے رہنا چاہیئے اور اس صورت میں بھی اُن پر نہ صرف صبر کرنا چاہیئے بلکہ شکر بھی کہ حق جل شانہ نے ہمارے گناہوں کی سزا دنیا میں ہی دے کر آخرت کے عذاب الیم (دردناک عذاب) سے بچا دیا یہ اسکے غایت کرم اور شفقت کی دلیل ہے۔ بہرحال صبر و شکر کے ساتھ ساتھ توبہ و استغفار بھی ازبس ضروری ہے۔

دوسرا فائدہ، کرامت کا بیان

دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ اولیاء اللہ کی کرامتیں برحق ہیں اور اللہ کے رسول کے دنیا میں موجود نہ ہونے کے زمانہ میں یہ کرامتیں مخلوق کے لئے دین و ایمان کی رہنمائی کا سبب بھی بنتی ہیں اس خدا پرست عیسائی لڑکے کا ایمان لانے کا دعوہ کرنے والے لاعلاج مریضوں کو محض اللہ سے دُعا کے ذریعہ تندرست کر دینا اسکی کرامت تھی مگر اسکی خدا پرستی دیکھئے کہ شفا دینے والا صرف اپنے رب کو بتلاتا ہے اور خود کو محض "دعاگو" کہتا ہے۔ اولیا اللہ کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ کرامت کے ذریعے کسی کام کے ہو جانے کو اپنا "کارنامہ" ہرگز نہیں قرار دیتے۔ اس مقرب بارگاہِ الٰہی عیسائی لڑکے کی یہ کرامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ تھی۔

کرامت اور معجزہ میں فرق

معجزہ اور کرامت میں اہم ترین فرق یہی ہے کہ صاحبِ کرامت ولی کبھی نبوت کا دعویٰ نہیں کرتا اور اسکو اپنا کوئی "کارنامہ" بھی نہیں بتلاتا بلکہ اسکے برعکس علانیہ "رسول کے اُمتی" ہونے کا اعلان کرتا ہے اور اس کرامت کو اللہ تعالیٰ کا فضل اور رسول کا فیض بتلاتا ہے وہ لوگوں کو اپنی کرامت و ولایت کے ماننے کی دعوت دینے کی بجائے انکو اپنے رب کی عبادت و طاعت کی دعوت دیتا ہے۔

دوسرا فرق

معجزہ اور کرامت میں دوسرا فرق یہ ہے کہ معجزہ نبی کے مرسل من اللہ (اللہ کا فرستادہ نبی)

ہونے کی دلیل ہوتا ہے۔ اس معجزہ کی بنا پر ہی اس نبی پر اور اسکی نبوت پر ایمان لانا لوگوں پر فرض ہوتا ہے اسکے برعکس کرامت نہ ولی کی ولایت کی دلیل ہوتی ہے نہ ہی کرامت کی بنا پر کسی ولی کی ولایت کو ماننا ضروری ہوتا ہے اسی معنی کے اعتبار سے کرامات الاولیاء حق امتِ مسلمہ کے عقائد میں داخل ہے۔

آجکل کے ولیوں کی کرامتیں

آجکل دو کاندار قسم کے صاحبِ کرامت ولیوں کا بہت زور ہے ان سے بچنے کے لئے ہم نے ذرا وضاحت کے ساتھ اس پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کی کرامتیں عموماً مسمریزم شعبدے، نظر بندی وغیرہ کی قسم کی چیزیں ہوتی ہیں۔

سچے ولیوں کی پہچان۔

اولیاء اللہ کی سب سے بڑی پہچان اتباعِ سنت رسول اللہ ﷺ اور پابندیٔ احکامِ شریعہ ہے خصوصاً حقوق العباد کی ادائیگی، اسکے بعد ورع و تقویٰ جس کا بیان آپ عنقریب پڑھیں گے۔ پس جس قدر کوئی شخص بلند درجہ پر ہے اسی قدر وہ اللہ کا مقرب بندہ اور پہنچا ہوا ولی ہے جیسا کہ ﷻ ارشاد فرماتے ہیں:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ یاد رکھو جو لوگ اللہ کے دوست ہیں ان کو ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ (یونس ۶۲-۶۳) وہ لوگ جو ایمان لائے اور (اللہ سے) ڈرتے رہے

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ تقویٰ اور پرہیزگاری کے بغیر کوئی اللہ کا ولی ہو ہی نہیں سکتا لہٰذا جو شخص تقویٰ کے معیار پر پورا نہ ہو وہ کچھ بھی کرشمے دکھلائے سمجھ لو یہ سب "شعبدے" ہیں خدا مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے بچائے آمین

صبر کی ایک اہم شرط حدیث نمبر (۳۱)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر پر (جاہلیت کی رسم کے مطابق) رو رہی تھی (اور بین کر رہی تھی) تو رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا: (نیک بخت عورت!) خدا سے ڈر اور صبر کر" تو اس (نادان) عورت نے کہا: ہٹ پرے، نہ تجھ پر میری جیسی مصیبت پڑی ہے، نہ تو اس سے واقف ہے (جب ہی تو مجھے نصیحت کر رہا ہے) اس عورت نے (شدت غم و اندوہ میں) آپ کو نہ پہچانا تو لوگوں نے اس سے کہا: (بیوقوف عورت!) یہ رسول اللہ ﷺ ہیں، تو وہ عورت (سٹپٹا گئی اور) آپ کے دروازہ پر (دوڑی) آئی مگر وہاں اس نے نہ کوئی دربان پایا نہ

پاسبان (تو وہ حیران رہ گئی اُس نے سمجھا تھا کہ بادشاہوں اور حکمرانوں کی طرح آپ کے دروازے پر جتنے کتنے دربان و پاسبان ہوں گے بہر حال) اس عورت نے عرض کیا: حضور! میں نے آپ کو پہچانا نہ تھا (آپ میری گستاخی معاف کر دیجئے) تو آپ نے فرمایا: صبر تو صرف وہی ہے جو صدمہ پڑتے ہی کیا جائے (اب کیا ہوتا ہے) صحیح مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ: اس عورت کا بچہ مر گیا تھا (اس پر) وہ رو رہی تھی (اور بَین کر رہی تھی)

تشریح!

صبر کی اس اہم شرط کی وجہ

اس حدیث پاک میں رہبر عالم ﷺ نے صبر کی ایک اہم شرط اور انسانی فطرت کی ایک اہم خصوصیت کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے ناقابلِ برداشت صدمہ اور غم کو بھی انسان وقت گذرنے پر بھول جایا کرتا ہے مزید وقت کو صدمہ اور غم کے بھلا دینے یا قابلِ برداشت بنا دینے میں بڑا دخل ہے۔ صدمہ پڑنے کے بعد جوں جوں زمانہ گذرتا جاتا ہے، صدمہ اور غم کا ناقابلِ برداشت بوجھ ہلکا اور قابلِ برداشت ہوتا جاتا ہے اور پھر یا بالکل بھول جاتا ہے یا معمولی سی بات بن کر رہ جاتا ہے، لہٰذا وہ صبر جس پر ﷻ نے بیکراں اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور جو اولوالعزم انبیاء و رسل کا "شعار" ہے وہ صرف وہی ہے جو صدمہ پڑتے ہی کیا جائے اور شدید ترین احساسِ غم و اندوہ کے باوجود، محض اللہ، مالک ملک کی رضا اور خوشنودی کے لئے کیا جائے۔

صبر کا ایک اہم مقام اور اس کی جزا حدیث نمبر (۵/۳۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ ﷻ فرماتے ہیں: میں اپنے جس مومن بندے کی دُنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہستی (مثلاً اکلوتے بیٹے) کو جب اس سے چھین لوں اور وہ اس پر بنیت اجر و ثواب صبر اختیار کرے تو اس (سراپا تسلیم) مومن بندے کے لئے میرے پاس جنت کے سوا اور کوئی جزائے خیر نہیں ہے۔

تشریح!

صبر کی حقیقت کا ایک پہلو

حدیث میں لفظ ثم احتسبہ آیا ہے، عربی میں احتساب کا لفظ "حسبان" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں سمجھنا، گمان کرنا، لہٰذا کلام نبوت علی صاحبہ الصلوٰۃ والتسلیم میں احتساب کے معنی ہیں کسی دشوار اور باشقت کام کو اجر و ثواب کا موجب سمجھ کر اختیار کرنا یہی صبر کی عند اللہ مطلوب حقیقت ہے۔

صبر کا ایک اور اہم مرتبہ اور اس کی جزاء عظیم | حدیث نمبر (۹/۲۲)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

انہوں نے رحمتِ عالم ﷺ سے "طاعون" کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے تبلایا: یہ (طاعون میری امت سے پہلے) اللہ تعالیٰ کا ایک عذاب تھا جس (سرکش و نافرمان) قوم پر اللہ تعالیٰ چاہتا تھا اسکو مسلط فرما دیتا تھا۔

اس امت کی خصوصیت

لیکن میری امت کے اہل ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی طاعون کو ایک رحمت کا ذریعہ بنا دیا چنانچہ جو بھی اللہ تعالیٰ کا مومن بندہ طاعون کی وبا میں گھر جائے اور صبر و ضبط کے ساتھ، (اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے) بنیت اجر و ثواب، اپنی (طاعون زدہ) بستی میں مقیم رہے اس یقین کے ساتھ کہ مجھ پر وہی مصیبت آسکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقدر کر دی ہے (اگر میرا اس مرض میں مبتلا ہونا مقدر نہیں ہے تو میں ہرگز ہرگز بیمار نہ ہوں گا اور اگر مقدر ہے تو ہرگز نہیں بچ سکتا چاہے اس بستی میں رہوں چاہے نہ رہوں پھر یہاں سے بھاگنے سے کیا فائدہ) تو اس (صبر و ضبط اور یقین و ایمان پر اس) کا اجر و ثواب شہید کے اجر کی مانند ہو گا (اور اس طرح یہ طاعون اس کے لئے باعثِ رحمت بن جائے گا)

تشریح!

اجرِ عظیم کی وجہ اور شریعت کا حکم

شریعت کا حکم بھی یہی ہے کہ جس بستی میں طاعون پھیلا ہوا ہو کوئی مسلمان طاعون کے ڈر سے اس بستی سے ہرگز نہ بھاگے اگرچہ اسی کے ساتھ یہ بھی حکم ہے کہ جس بستی میں طاعون یا اور کوئی وبائی بیماری پھیلی ہوئی ہو بغیر کسی شدید ضرورت یا مجبوری کے وہاں نہ جانا چاہیئے۔ اصل یہ ہے کہ نہ صرف دنیا کی اُن قوموں میں جو اللہ جل جلالہ پر ایمان نہیں رکھتیں بلکہ ضعیف الایمان مسلمانوں میں بھی بیمار سے چھوت چھات اور ایک کی بیماری دُوسرے کو لگ جانے کا عقیدہ راسخ ہو چکا ہے

اسلام میں چھوت چھات کی کوئی حقیقت نہیں

اسلام نے بڑی شدت کے ساتھ اس بیماری کے لگنے کی تردید کی ہے قرآنِ عظیم کی تعلیم یہ ہے:

لَنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ھُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (توبہ: ۵۱)

ہرگز ہرگز نہیں آئے گی ہم پر کوئی مصیبت بجز اسکے جو اللہ جل جلالہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے، اور اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیئے ایمان والوں کو،

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا عَدْوٰی وَلَا طِیَرَۃَ فِی الْاِسْلَامِ

نہ اسلام میں بیماری لگنے کی کوئی حقیقت ہے نہ بدشگونی کی۔

لٰہذا ایک خدا پر پختہ ایمان لانے والے مسلمان سے قطعاً بعید ہے کہ وہ کسی طاعون زدہ بستی سے بھاگے یا طاعون کے مریض کی عیادت کو نہ جائے۔

جس بستی میں وبا پھیلی ہوئی ہو اس میں نہ جانے کے حکم کی وجہ

باقی دُوسرے حکم کا مقصد صرف مسلمان کے عقیدہ کو خراب ہونے سے بچانا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی طاعون زدہ بستی میں چلا گیا اور وہاں چلے جانے کی وجہ سے نہیں بلکہ قضاء الٰہی سے بیمار ہو گیا تو خدا نکردہ وہ یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اس بستی میں آنے کی وجہ سے میں بیمار ہوا نہ یہاں آتا نہ بیمار ہوتا حالانکہ جب اسکے مقدر میں تھا کہ وہ اس مرض میں گرفتار ہو گا تو چاہے یہاں آتا یا نہ آتا ضرور بیمار ہوتا جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ سے ظاہر ہے۔ بہرحال طبعی طور پر طاعون زدہ بستی سے بھاگنا بڑے دل جگرے کا کام ہے اور صبر و استقلال اور ایمان کی پختگی کی دلیل ہے اسی لئے اس کا اجر و ثواب شہید کے برابر ہے۔

شہید کے برابر ثواب ملنے کی وجہ

اسلئے کہ جسطرح اللہ جل جلالہ کی راہ میں شہید ہونیوالا موت کی پرواہ کئے بغیر میدانِ جنگ یعنی "موت کے منہ" میں چلا جاتا ہے اسی طرح یہ شخص بھی موت کی پرواہ کئے بغیر اس طاعون زدہ بستی میں مقیم رہتا ہے اور بیماروں کی تیمارداری یا عیادت کر کے گوناگوں اجر و ثواب سمیٹتا ہے۔ باقی موت تو جب آنی ہوگی، آکر رہے گی کہیں بھی ہو، وہ کسی طرح نہیں ٹل سکتی پھر اجر و ثواب سے خود کو محروم کرنا سراسر حماقت اور ضعفِ ایمان کا نتیجہ ہے۔

اس زمانہ کی جہالت

اس ترقی یافتہ دور میں خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ میں بیماری لگنے یا کہئے "بیماری کے جراثیم" لگ جانے کا ہوّا بُری طرح دماغوں پر مسلط ہے بیمار کا تو ذکر ہی کیا تندرست لوگ بھی ایک دوسرے کے گلاس تک میں پانی نہیں پیتے حد یہ ہے کہ بعض خردماغ لوگ تو ہسپتال کے پاس سے گزرتے ہوئے ڈرتے ہیں کہ سانس کے ذریعہ مریضوں کے جراثیم منہ اور ناک میں گھس جائینگے۔ یہ کیفیت نہ صرف ایمان باللہ کے ضعف کی، بلکہ اعلیٰ درجہ کی حماقت اور جہالت کی دلیل ہے حالانکہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومن کے جھوٹے کو "شفا" بتلایا ہے۔ بُرا ہو جہالت کا۔

صبر کا ایک اور اہم مقام اور اس کا اجرِ عظیم | حدیث نمبر (۱/۴۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سُنا آپ فرما رہے تھے: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: جب میں اپنے کسی بندے کی دونوں محبوب ترین چیزیں یعنی آنکھیں (اس کے صبر و ضبط کی آزمائش کیلئے) لے لیتا ہوں اور وہ اس پر صبر کرتا ہے (اور راضی برضا مولیٰ زندگی بسر کر دیتا ہے) تو میں اس کو اُن کے عوض جنّت ہی دیتا ہوں۔

تشریح!

اس اجرِ عظیم کی وجہ اور ہماری حالت

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جل جلالہٗ کے ایک صابر و شاکر نابینا بندے کی جل جلالہٗ کے ہاں کتنی قدر و منزلت ہے، مگر بُرا ہو ہماری اس نخوت پرستی کا کہ ہم عام طور پر ایک نابینا مسلمان کو حقیر و خوار انسان سمجھتے ہیں اُسکا احترام تو کجا اسکے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، شادی بیاہ بھی گوارا نہیں کرتے اگر اُس کی کسی طرح کی امداد کرتے ہیں تو اپنے سے حقیر اور کمتر سمجھ کر حالانکہ اس حدیث کی روشنی میں وہ بڑی عزت و احترام کا مستحق ہے آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک مومن نابینا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے "بے اعتنائی" برتنے پر ـــ حالانکہ وہ ایک خاص دینی مصلحت کے تحت تھی پھر بھی ـــ جل جلالہٗ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنا عتاب فرمایا کہ پوری سورت عبس نازل فرما دی چنانچہ اسکے بعد جب بھی آپ کی خدمت میں وہ آتے تو آپ عاتبنی فیہ ربی ـــ یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں میرے رب نے مجھ پر عتاب فرمایا ـــ فرما کر "خوش آمدید" کہا کرتے تھے۔ جل جلالہٗ سب مسلمانوں کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

جنّتی عورت — حدیث نمبر (۱۱/۳۵)

عطا ابن ابی رباح رحمۃ اللہ سے روایت ہے کہ:

(ایک دن) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا: کیا تم جنّتی عورت کو دیکھنا پسند نہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں؟ کہنے لگے: دیکھو یہ سیاہ فام عورت جنّتی ہے۔ یہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسُول اللہ! مجھ پر مرگی کے دورے پڑتے ہیں اور اس دورہ کی حالت میں میرا بدن کھل جاتا ہے۔ (مجھے برہنگی کے گناہ میں پکڑے جانے کا ڈر ہے) آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس موذی مرض سے نجات دیدے، آپ نے فرمایا: تو چاہے تو اس (لاعلاج) بیماری پر صبر کر، اور اس صبر کے صلہ میں جنّت لے لے، اور تو چاہے تو میں تیرے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کروں کہ تجھے اس مرض سے نجات دے دے۔" اس عورت نے عرض کیا: میں (بخوشی) صبر کرتی ہوں، پھر عرض کیا: تو اس کے لئے تو دُعا فرما دیجئے کہ میرا بدن (دورہ کے وقت) نہ کھلے تو رحمت عالم ﷺ نے اسکے لئے دُعا فرما دی۔

تشریح!

صبر کا ایک اور اہم مقام اور ایک سبق آموز واقعہ

اس سیاہ فام جنّتی عورت کا خوف و خشیت دیکھنے اور سبق لینے کے قابل ہے مرگی جیسے موذی اور روح فرسا مرض کی اذیت اور تکلیف سے بچنے کی غرض سے اچھا ہونے کی دُعا نہیں کرانا چاہتی بلکہ برہنگی کے گناہ اور معصیت سے بچنے کی غرض سے تندرست ہونے کی دُعا کرانا چاہتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے اسی جذبہ کو محسوس فرما کر اُسے اختیار دیا، کہئے، صبر کرنے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ اس نے دنیا کی چند روزہ تکلیف برداشت کرنے اور اسکے عوض جنت یعنی ابدی مقام قرب و رضا الٰہی میسر آنے کو تندرست ہونے پر ترجیح دی اور پھر برہنگی کے گناہ اور عار سے بچنے کی غرض سے صرف دورہ کے وقت بدن نہ کھلنے کی دُعا کرائی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس خوف کو دُور کرنے کے لئے بدن نہ کھلنے کی دُعا فرما دی۔

جو یقیناً مقبول ہوئی ہوگی تاکہ وہ مطمئن ہو جائے ورنہ تو ایسی بیہوشی کی حالت میں بے اختیار بدن کھل جانا نہ گناہ ہے نہ معصیت۔ اللہ ہر مسلمان کے دل میں ایسا ہی خوف و خشیت پیدا فرمادیں۔

انبیاء علیہم السلام کے صبر کا امتحان | حدیث نمبر (۱۲/۳۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:
میری آنکھوں کے سامنے ہے وہ منظر جب رسول اللہ ﷺ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے ایک نبی کا واقعہ بیان فرما رہے تھے کہ اس (رحمت عالم ﷺ) نبی کو اس کی قوم نے مارتے مارتے لہولہان کر دیا اور وہ (اولوالعزم) نبی اپنے چہرہ سے خون پونچھتا جا رہا تھا اور کہہ رہا تھا: اے اللہ! تو میری قوم کے اس گناہ کو معاف کر دے (یہ "نادان" ہیں جانتے نہیں کس خلاصہ کائنات ہستی پر دست درازی کر رہے ہیں)

تشریح!

یہ اولوالعزم نبی کون ہیں

یہ نبی خود رحمۃ للعالمین ﷺ ہیں اور یہ واقعہ۔ جو نبی رحمت ﷺ کی بے مثل فراخ حوصلگی بلند ہمتی اور صبر کی روشن دلیل ہے۔ طائف میں اس وقت پیش آیا جب آپ مکہ سے اہل طائف کو اسلام کی دعوت دینے کی غرض سے تشریف لے گئے تھے تفصیلات "سیرت" کی کتابوں میں ضرور پڑھیے ایمان تازہ ہوگا۔

معمولی سے معمولی مصیبت یا دکھ تکلیف پر صبر کرنا بھی خطاؤں کا کفارہ بنتا ہے | حدیث نمبر (۱۳/۳۷)

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:
آپ نے فرمایا: مسلمان کسی بھی مشقت و تعب میں، دکھ بیماری، فکر و پریشانی میں، غم و اندوہ میں یا تکلیف و اذیت میں گرفتار ہو، یہاں تک کہ کوئی کانٹا بھی لگ جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ اس (تکلیف یا مصیبت) کو اس کی خطاؤں

کا کفارہ بنا دیتے ہیں۔

تشریح!

معمولی معمولی چیزوں پر صبر کرنے کا فائدہ

اس حدیث پاک کے تحت ہر معمولی سے معمولی مصیبت یا تکلیف بھی ثواب کی نیت سے اس پر صبر و ضبط اختیار کرنے کی صورت میں مسلمان کے لئے رحمت بن جاتی ہے یعنی خطاؤں کا کفارہ بن جاتی ہے اور صبر کرنے کا مستقل ملکہ اور عادت پیدا ہونے کا سبب بنتی ہے اس حدیث پاک میں اسی بنا پر معمولی سے معمولی دکھ تکلیف یا مصیبت پر صبر کی ترغیب دی گئی ہے۔ اسلئے انسان کا فرض ہے کہ ہر چھوٹی بڑی مصیبت یا تکلیف جونہی پیش آئے، قرآن کریم کی تعلیم کے تحت فوراً اس پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھے، گناہوں سے توبہ و استغفار کرے اور صبر و ضبط کے ساتھ جائز تدابیر اختیار کرے انشاءاللہ بہت جلد رستگاری نصیب ہو گی اور گناہوں کے کفارہ میں تو کوئی شک ہی نہیں۔

حدیث نمبر (۱۴/۴۸) صبر کرنے سے خطائیں اور گناہ خزاں کے پتوں کی طرح جھڑ جاتے ہیں

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

میں (ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی مزاج پرسی کیلئے) حجرۂ مبارک میں داخل ہوا آپ کو بڑے زور کا بخار چڑھا ہوا تھا میں نے (جسم مبارک پر ہاتھ لگا کر بخار کی شدت کو محسوس کیا تو) عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ کو تو بڑی شدت کا بخار چڑھا ہوا ہے تو سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا: مجھے تو بخار بھی تم میں سے "دو آدمیوں کے برابر زور کا چڑھتا ہے"، میں نے عرض کیا: جی ہاں اسی لئے تو آپ کا اجر بھی دگنا ہے آپ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ (اس کے بعد) آپ نے ارشاد فرمایا: جو مسلمان کسی بھی تکلیف میں مبتلا ہو جائے کانٹا یا اس سے بھی کمتر کوئی چیز چبھ جائے (اور وہ بنیت اجر و ثواب اس پر صبر کرے) تو حق جل و علا اس تکلیف کو اس کی خطاؤں کا کفارہ بنا دیتے ہیں اور اسکے گناہ اس طرح جھڑ جاتے ہیں جیسے موسم خزاں میں) درخت کے پتے گرا کرتے ہیں۔

تشریح!

هر ایک کے صبر کا امتحان اُسکے رتبہ کے اعتبار سے لیا جاتا ہے

سرورِ کائنات ﷺ پر مرض اور دکھ بیماریوں کی یہ دو چند سہ چند شدت آپ کے غایت قربِ الٰہی اور عند اللہ بلند ترین مرتبہ پر فائز ہونے پر مبنی ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ: آپ سے سوال کیا گیا کہ سب سے زیادہ سخت آزمائش کس کی ہوتی ہے ؟ تو آپ نے فرمایا:

أَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً الْأَنْبِيَاءُ	سب سے زیادہ سخت آزمائش نبیوں کی ہوتی ہے اسکے بعد جو اُن سے ملتے جلتے ہوں پھر جو
ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ يُبْتَلَى	اُن سے ملتے جلتے ہوں آدمی کی آزمائش اسکے دین کے اعتبار سے ہوتی ہے پس
الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِيْنِهِ	اگر وہ دین میں پختہ اور محکم ہوتا ہے تو اسکی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے
فَإِنْ كَانَ فِي دِيْنِهِ صَلْبًا	اور اگر وہ دین میں نرم اور کمزور ہوتا ہے تو اس پر آسانی کی جاتی ہے اسلئے
اِشْتَدَّ بَلَاءُهُ وَإِنْ كَانَ فِي	کہ یہ آزمائش اور مصیبتوں میں گرفتاری تو اسکے درجے بلند کرنے کے
دِيْنِهِ رَقِيْقًا هُوِّنَ عَلَيْهِ	لئے ہوتی ہے)

موت کی شدت بھی مرنے والے کے صبر کا امتحان اور درجات کی بلندی کا وسیلہ ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جب کسی کو آسانی سے مرتا دیکھتیں تو اس پر رشک کرتیں اور موت کی شدت اور سکراتِ موت کی تکلیفوں کو خدا کا عذاب سمجھتی تھیں اور موت کی سہولت اور آسانی کو خدا کی قابلِ رشک رحمت سمجھتی تھیں مگر جب اُنہوں نے سرورِ کائنات ﷺ کی سکراتِ موت کی شدت کا عالم بچشم خود دیکھا تو انکو اپنی کوتاہ فہمی کا احساس ہوا اور اسکے بعد فرماتی ہیں۔

مَا أَغْبِطُ أَحَدًا بِهَوْنِ مَوْتِهِ بَعْدَ الَّذِي رَأَيْتُ	رسول اللہ ﷺ کی شدتِ موت کی کیفیت دیکھ لینے کے بعد اب میں
مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	کسی کی موت کی آسانی پر رشک نہیں کرتی۔

ایک شبہ کا ازالہ

اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ موت کی سہولت اور آسانی اللہ کی "رحمت" نہیں ہے اسلئے کہ مسنون دعاؤں میں موت کی سختی سے پناہ مانگنے اور موت کی آسانی کی دعا مانگنے کا ذکر آتا ہے۔ یہ نبیٔ رحمت ﷺ کے صبر کی آخری آزمائش تھی باقی تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا صبر تو ضرب المثل ہے۔ قرآن کریم میں ان کی بیماریوں مصیبتوں اور ان پر صبر کا حال تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

مصیبتیں مومن کیلئے باعثِ خیر ہیں | حدیث نمبر (۱۵/۳۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو ﷻ کوئی خیر پہنچانا چاہتے ہیں (یعنی بلند مرتبہ عطا فرمانا چاہتے ہیں) اسے کسی مصیبت میں گرفتار کر دیتے ہیں۔

تشریح!

مصیبتیں کن لوگوں کیلئے درجات کی بلندی کا باعث ہوتی ہیں

یہ اللہ کے وہی نیکوکار بندے ہوتے ہیں جن کے مصیبت میں گرفتار ہونے کا بظاہر کوئی سبب گناہ وغیرہ نظر نہیں آتا انتہا درجہ کے نیکوکار اور پرہیزگار ہوتے ہیں ﷻ اُن کی نیکوکاری سے خوش ہو کر جنت میں جو اعلیٰ درجات اُنکو دینا چاہتے ہیں ان کو حاصل کرنے کے لئے جہاں اور نیک کاموں کی ان کو توفیق دیتے ہیں وہیں مصیبت میں گرفتار کر کے صبر کرنے کی توفیق بھی دیتے ہیں تاکہ مرنے سے پہلے وہ ہر اعتبار سے اُن درجات کے مستحق ہو جائیں سبحان اللہ کیا شان کریمی ہے رب العالمین کی۔ پڑھئے سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم

کیسی ہی مصیبتیں آئیں موت کی دُعا ہرگز نہ مانگنی چاہیئے — حدیث نمبر (۱۶/۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہونے کی وجہ سے موت کی تمنا ہرگز نہ کرے زیادہ سے زیادہ یہ دُعا کیا کرے: اے اللہ تو مجھے اسوقت تک زندہ رکھ جب تک کہ میرے لئے زندہ رہنا بہتر ہو اور جب مرجانا میرے لئے بہتر ہو تو اُس وقت مجھے دُنیا سے اُٹھا لے۔

تشریح!

موت کی دعا کیوں نہ مانگنی چاہیئے

عام طور پر لوگ بیماری کی شدت یا درازی سے گھبرا کر موت کی دُعا مانگنے لگتے ہیں یہ بڑی نادانی کی بات ہے اس لئے کہ موت کا تو جو وقت مقرر ہے اسی وقت آئے گی، موت کی تمنا یا دُعا کر کے بلا وجہ اور بلا فائدہ خود کو اجر و ثواب سے محروم کر لیتے ہیں اس سے بڑھ کر خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے اسی لئے حدیث شریف میں موت کی تمنا سے سختی سے منع فرمایا ہے اسی کے ساتھ مذکورہ بالا دُعا کرنے کی تلقین فرما کر اس طرف بھی اشارہ فرمایا ہے کہ جب تک ﷻ زندہ رکھیں سمجھنا چاہیئے کہ زندہ رہنا ہی ہمارے حق میں بہتر ہے۔

حدیث نمبر (۱۷/۱۴۱) پہلی اُمتوں کے اہل ایمان پر کیسی کیسی مصیبتیں آئی ہیں

حضرت ابو عبداللہ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :

(ایک مرتبہ) ہم نے (قریش کے وحشیانہ مظالم سے عاجز آکر) رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی: آپ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت طلب نہیں کرتے؟ (اس ظلم و جور سے رستگاری کی) ہمارے لئے دعا نہیں کرتے؟ آپ اسوقت کعبہ شریف کی (دیوار) کے سایہ میں اپنی چادر کا تکیہ لگائے (آرام سے) بیٹھے ہوئے تھے (یہ شکوہ سن کر سیدھے ہو بیٹھے اور) فرمایا: (تم ابھی سے تلملا اٹھے؟ ارے) تم سے پہلی امتوں میں تو (خدا پر) ایمان لانے والے شخص کو (ایمان کے جرم میں) گرفتار کیا جاتا، پھر اسکے لئے زمین میں (قدِ آدم) گڑھا کھودا جاتا، پھر اس مومن کو اس میں کھڑا کیا جاتا تھا (اور مٹی بھر دی جاتی تھی) پھر آرا لایا جاتا پھر اسکے بیچ سر پر رکھا جاتا اور چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے اور (دیا) لوہے کے کنگھیوں سے اس کے بدن کا گوشت، ہڈیوں تک کھرچ کر اتار دیا جاتا اور یہ (وحشیانہ مظالم) بھی اس کو اللہ تعالیٰ کے دین و ایمان سے منحرف نہ کر پاتے۔

خدا کا وعدہ اور اسکے پورا ہونے کی خبر | خدا کی قسم اللہ تعالیٰ (کا وعدہ ہے کہ وہ) اس دین کو ضرور بالضرور تمام و کمال کی حد تک پہنچا کر (اور روئے زمین پر پھیلا کر) رہے گا یہانتک کہ ایک سوار (تن تنہا) صنعا (یمن) سے چل کر حضر موت پہنچ جائے گا اور اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کا ڈر اور خوف نہ ہوگا یا (زیادہ سے زیادہ) بکریوں پر بھیڑیئے کا ڈر ہوگا۔ ایک روایت میں حضرت خبابؓ اس شکایت کا عذر پیش کرتے ہیں "ہم قریش کے (بے رحمانہ) سختیوں کا نشانہ بنے ہوئے تھے"۔

تشریح!

اس امت کی اور پہلی امتوں کی آزمائشوں میں فرق اور اسکی وجہ

پہلی امتوں کے مومنین پر مظالم کا کچھ تذکرہ اجمالی طور پر قرآن کریم اور احادیث میں موجود ہے خندق والوں کا قصہ آپ اسی باب میں پڑھ چکے ہیں اور تاریخ خصوصاً بنی اسرائیل کی تاریخ کی کتابیں تو ان قصوں سے بھری پڑی ہیں۔ یہ رحمۃ للعلمین ﷺ کی سراپا رحمت ذات گرامی کا فیض ہے کہ اس امت کے مومنین پر محض ایمان لانے کے جرم میں اس قسم کے لرزہ خیز وحشیانہ مظالم نہیں ہوئے۔ بیشک ابتدا میں قریش نے کچھ وحشیانہ مظالم کئے مگر وہ اسطرح کے لرزہ خیز نہ تھے اور بہت تھوڑی مدت جاری رہے، اور وہ بھی چند گنے چنے افراد پر، اور ہر مظلوم مسلمان کو جلد ہی کسی نہ کسی طرح نجات مل گئی الا ما شاء اللہ اسی لئے رحمت عالم ﷺ اس شکوہ پر جبیں بجبیں ہوئے اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور نصیحت کے ساتھ ساتھ صبر کرنے کی تلقین فرمادی۔ بہر صورت مسلمانوں کی زندگی "کی تاریخ قریش کے ان مظالم اور مسلمانوں کے ان پر صبر کرنے کی شاہد ہے۔ اسکو ضرور پڑھیئے تاکہ ایمان تازہ ہو۔

عظیم بشارت

حدیث کے آخری حصہ میں سرور کائنات ﷺ مسلمانوں کو بشارت دے رہے ہیں کہ عنقریب جزیرۃ العرب خدا، رسول اور مسلمانوں کے دشمنوں سے پاک صاف ہو جائے گا اسلامی حکومت کے قیام اور اسکے نظام عدل و انصاف اور احکام جرم و سزا کے نفاذ کے بعد امن و امان اس قدر عام ہو جائے گا کہ نہ کفار اور دشمنان اسلام کا نام و نشان جزیرۃ العرب میں باقی رہے گا اور کسی جرائم پیشہ چور ڈاکو کی ہمت ہوگی کہ کسی مسلمان کی جان و مال پر دست درازی کر سکے اس لئے کہ اسلام ہر مسلمان یا ذمی۔ غیر مسلم رعایا۔ کی جان و مال کی سلامتی کی ضمانت دیتا ہے جہاں صرف جنگلوں بیابانوں میں درندے تو باقی رہ جائیںگے جن سے مسافروں کو بچنے کی فکر ہوگی، انسان کے جان و مال کا دشمن انسان، کوئی باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پہلے ہی جزیرۃ العرب کا فرو شرک کے وجود سے پاک ہو گیا تھا صرف کچھ یہودی اور نصرانی جزیہ دٹیکس) ادا کر کے اسلامی حکومت کی رعایا کے طور پر رہ گئے تھے سو آپ نے وفات سے پہلے وصیت فرمادی تھی أَخْرِجُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ (جزیرۃ العرب سے یہود و نصاریٰ کو ضرور نکال دینا) چنانچہ عہد فاروقی ہی میں یہ وصیت اسطرح پوری کی گئی کہ اس وقت سے اِس وقت تک کوئی غیر مسلم جزیرۃ العرب میں مستقل سکونت اختیار نہ کر سکا۔ آج بھی اسلامی حکومت کے اجازت نامے (ویزا) کے بغیر کوئی کافر حجاز میں داخل نہیں ہو سکتا مستقل سکونت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

نبی رحمت ﷺ کی حوصلہ مندی اور بے مثل صبر و ضبط کا ایک واقعہ — حدیث نمبر (۱۸/۴۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ:

جب (فتح مکہ کے بعد) جنگِ حنین کا واقعہ پیش آیا اور ﷺ نے وقتی شکست کے بعد شاندار فتح نصیب فرمادی اور بے شمار مالِ غنیمت فاتحین کے ہاتھ آیا) تو رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت کی تقسیم میں (شرعی مصلحت کے تحت) بعض لوگوں کو (جو فتح مکہ کے وقت ہی مسلمان ہوتے تھے اور ابھی مسلمان ہوتے ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا، تالیفِ قلوب کے طور پر) ترجیح دی چنانچہ (ایک نومسلم قبیلہ کے سردار) اقرع بن حابس کو سو اونٹ دیئے عیینہ بن حصن کو بھی اتنے ہی (سو اونٹ) دیئے اور ان دونوں (سردارانِ قبائل) کے علاوہ اور بھی عرب (قریش) سرداروں کو (اسی طرح گرانقدر مالِ غنیمت) دیا اور ان (نومسلم سردارانِ قبائل) کو اس تقسیم میں (پرانے مسلمان انصار و مہاجرین پر) ترجیح دی۔ تو ایک (گستاخ) شخص بولا: خدا کی قسم نہ اس (مالِ غنیمت کی تقسیم) میں انصاف کیا گیا ہے اور نہ یہ تقسیم اللہ کے لئے کی گئی ہے (بلکہ اپنی قوم قریش کو خوش کرنے کے لئے یہ تقسیم کی گئی ہے) تو ۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں ۔ میں نے اپنے دل میں کہا: بخدا میں اس (گمراہ کن پروپیگنڈے) کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ضرور دوں گا۔ چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو اس شخص نے کہا تھا آپ کو اس کی اطلاع دی (کہ فلاں شخص نے یہ کہا ہے) رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک (یہ سنکر ایک دم غصہ کے مارے کندن کی طرح) سرخ ہو گیا پھر (قدرے سکون کے بعد) ارشاد فرمایا: تو پھر اور کون انصاف کرے گا جب ﷻ اور اس کا رسول بھی انصاف نہ کریں گے (یعنی انصاف اور محلِ انصاف کو ﷻ اور اس کے رسول سے بڑھ کر کوئی نہیں سمجھ سکتا جب اس دریدہ دہن شخص کے بقول اس تقسیم میں ﷻ اور اس کے رسول

نے انصاف نہیں کیا تو اور دنیا میں کون انصاف کر سکتا ہے حقیقت صرف یہ ہے کہ اس شخص کو کچھ نہیں ملا اس لئے یہ بکواس کر رہا ہے) اسکے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہزاراں ہزار رحمت فرمائیں بیشک ان کو تو (انکی امت کی جانب سے) اس سے بہت زیادہ ایذائیں پہنچائی گئی ہیں مگر انہوں نے ہمیشہ صبر و ضبط سے کام لیا (اور کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی اسی طرح ہمیں بھی صبر و ضبط سے کام لینا چاہیئے) حضرت عبداللہ بن مسعود آپ کی اس اذیت کو دیکھ کر اس اطلاع دینے پر، بہت پچھتائے اور انہوں نے (دل میں) کہا کہ آئندہ میں ہرگز ہر گز کوئی تکلیف دہ بات آپ کی خدمت میں پیش نہ کروں گا۔

تشریح!

اس تقسیم کے واقعہ کی تشریح اور آپ کا صبر

حدیث کے ترجمہ میں ہم قوسین (بریکٹ) کے درمیان واضح کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نو مسلم قبائل اور ان کے سرداروں کو مالِ غنیمت کی تقسیم میں قدیم ترین مہاجر و انصار غازیوں پر فوقیت اور ترجیح محض دینی مصلحت اور شرعی حکم تالیفِ القلوب (نو مسلموں کی دلجوئی) کے تحت دی تھی۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں مؤلفۃ القلوب کی ایک مستقل مد مذکور ہے۔ اسلئے آپ چاہتے تو رسولِ ثقلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف اس گمراہ کن پروپیگنڈا کرنے والے کو سزا دے سکتے تھے مگر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جل جلالہ کے حکم:

وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (احقاف: ۵) اور صبر کرو (اے نبی) جیسے اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا ہے

کے تحت صبر و ضبط سے کام لیا اور حضرت موسیٰ کا واقعہ یاد کر کے اپنی اذیت اور غم و غصہ کو تسکین دی۔

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ کی ایذا کا ذکر

اور حضرت موسیٰ کی ایذا رسانی خود ان کی زبانی قرآنِ کریم میں مذکور ہے۔ ارشاد ہے:

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَد تَّعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ۔ (الصف: ۵)

اور جب کہ (حضرت) موسیٰ نے اپنی (موذی) قوم سے کہا تم یہ جانتے ہوئے کہ میں جل جلالہ کی طرف سے بھیجا ہوا تمہارا رسول ہوں مجھے کیوں ایذا پہنچاتے ہو؟

اس امت کو ایذاء رسول ﷺ سے بچنے کی تاکید اور موذی کی سزا

اسی لئے اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو قوم موسیٰ علیہ السلام کی طرح رحمت عالم ﷺ کو ایذا پہنچانے سے منع فرمایا ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى (احزاب: ۶۹) — اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح (موذی امت) مت بنو جنہوں نے موسیٰ کو ایذا پہنچائی

اور ایذاء رسول کی شدید ترین سزا کا بھی اعلان کیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ (احزاب: ۵۷) بیشک وہ لوگ جو اللہ کے رسول ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں

ایذاء رسول ﷺ کی دنیا میں سزا

مگر اسکے باوجود بعض اشقیائے اُمت ایذاء رسول کے مرتکب ہوکر ابدی ہلاکت میں گرفتار ہو رہے ہیں۔ یہ شقی ازلی وہی منافق ہے جس کی اولاد اور پیرو رسول ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی پیشینگوئی کے مطابق عالم اسلام کے لئے ایک عظیم اور ہلاکت خیز داخلی فتنہ کے موجب بنتے ہیں اور تاریخ میں خوارج کے نام سے مشہور ہوئے ہیں اور تقریباً تین صدی تک اُمت کے لئے جان لیوا مصیبت بنے رہے ہیں بے شمار مسلمانوں کا بیدریغ خون بہایا ہے مسلمانوں کا قتل و غارت ان کا خاص شیوہ رہا ہے۔ خونریز لڑائیوں کے بعد خدا خدا کر کے اُمت ان کی بیخ کنی کرنے میں کامیاب ہوئی ہے اس شخص کا نام ذوالخویصرہ تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفیق جہاد غازیوں نے جنگ نہروان میں اسے قتل کیا ہے۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کو ایذا پہنچانے کا حکم

یاد رکھیئے ایذاء رسول کا مرتکب شخص جیسے آپ کی حیات میں کافر اور واجب القتل تھا ایسے ہی آپ کی وفات کے بعد بھی اُمت قطعی دلائل کی روشنی میں، ایسے شخص کے کفر اور قتل پر متفق ہے چنانچہ تقریباً ہر دور میں ایسے موذی اور شاتم رسول پیدا ہوتے رہے ہیں اور اسلامی حکومتیں یا غیرت ایمانی کے مالک مسلمان ان کو قتل کرتے اور کیفر کردار تک پہنچاتے رہے ہیں اس ترجمہ کے وقت بھی ایک غیور مسلمان نے ایک سرور کائنات ﷺ کی توہین کرنے والے موذی کو محبت رسول ﷺ کے جذبات سے مشتعل ہوکر قتل کر دیا ہے اور سندھ میں اس پر مقدمہ چل رہا ہے اور کابل میں امیر کابل کے شاتم رسول ﷺ کو قتل کی سزا دینے کا واقعہ تو مشہور ہی ہے۔

مومن زیادہ تر مصیبتوں میں کیوں گرفتار رہتے ہیں

حدیث نمبر: (۱۹/۴۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی (نیکوکار) بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتے ہیں تو اسکی کوتاہیوں اور خطاؤں کی (جلدی سے

دُنیا میں ہی (کسی مصیبت میں گرفتار کر کے) سزا دے دیتے ہیں (اور آخرت کے دردناک ابدی عذاب سے بچا لیتے ہیں) اور جب ﷻ اپنے کسی (نافرمان و بدکار) بندے کا بُرا چاہتے ہیں تو اسکے گناہوں کی سزا دُنیا میں نہیں دیتے تاکہ قیامت کے دن اسکے اگلے پچھلے تمام گناہوں کی پوری پوری سزا دیں۔

تشریح!

مصیبتوں یا دکھ بیماریوں میں گرفتار ہونے کے وقت ایک مومن کو کیا کرنا چاہیئے۔

یہ حدیث پاک ہر مسلمان کو سبق دیتی ہے کہ جب بھی وہ کسی آفت و مصیبت یا دکھ بیماری میں گرفتار ہو تو فوراً اسکو اپنے شب و روز کے اعمال کا جائزہ لینا چاہیئے اگر کوئی گناہ یا نافرمانی سرزد ہوئی ہو تو فوراً اس سے توبہ و استغفار کرنا چاہیئے اگر کسی کی حق تلفی ہوئی ہو تو جلد از جلد اسکی تلافی کرنی چاہیئے اور اسی کے ساتھ صبر و شکر بھی کہ ﷻ نے اپنی کریمی سے دُنیا میں ہی سزا دے کر آخرت کے عذاب سے بچا لیا اور اگر بظاہر خدا کی ناراضگی کا کوئی سبب نظر نہ آئے تب بھی توبہ و استغفار کرنا چاہیئے — اس لئے کہ بہت سے گناہوں کا ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا — اور صبر و شکر بھی — کہ ﷻ نے محض اپنے فضل سے کفارہ سیئات اور رفع درجات کا سامان پیدا کر دیا۔ بہر حال مصائب و آلام اور دکھ بیماری میں گرفتار ہونے کے وقت ایک مومن کا وظیفہ اور شعار بجائے شکوہ و شکایت اور جزع و فزع (رونے دھونے واویلا کرنے) کے توبہ و استغفار اور صبر و شکر ہونا چاہیئے۔

ہماری حالت اور اسکی اصلاح کی تدبیر۔

اس زمانے میں ہماری خدا سے بے تعلقی کا یہ عالم ہے کہ ہم ان مصائب و آلام کو رفع کرنے اور دکھ بیماری کا علاج کرنے کے لئے ہر طرف دوڑتے ہیں، دُنیاوی تدابیر و اسباب میں تو سرگرداں رہتے ہیں مگر خدا کی طرف بھول کر بھی متوجہ نہیں ہوتے خدا کا نام زبان پر آتا بھی ہے تو گستاخانہ شکوہ و شکایت اور اظہار ناراضگی کے لئے — اس سے خدا کی ناراضگی اور بھی بڑھتی ہے اور اسکے نتیجہ میں مصیبتوں اور دکھ بیماری میں اور اضافہ ہوتا ہے حالانکہ مسبب الاسباب اور کارساز مطلق وہی ہے اسکے حکم کے بغیر نہ کوئی تدبیر کارگر ہو سکتی ہے نہ دوا علاج، اور نہ کوئی مددگار و ہمدرد ہی کچھ کر سکتا ہے نہ طبیب و ڈاکٹر ہی، کس قدر خسارہ اور تباہی کا موجب ہے۔ ہماری یہ غفلت اور بے تعلقی خدا سے، نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَہُمْ کے مطابق ہم نے خدا کو بھلا دیا خدا نے ہم کو بھلا دیا۔ خدا ہماری حالت پر رحم کرے۔ اور ہمیں توبہ و استغفار، صبر و ضبط اور شکر کی توفیق عطا کرے۔ آمین

مومنوں کیلئے مصیبتیں ایک بشارت ہیں | حدیث نمبر (۲۰/۴۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بڑی جزائے خیر (بڑی ہی مصیبت (برداشت کرنے) پر ملتی ہے اور ﷻ جن لوگوں سے محبت فرماتے ہیں انہیں (مصیبتوں دکھ بیماریوں اور جانی و مالی نقصان میں گرفتار کرکے) آزماتے ہیں پس جو شخص (اللہ کی مرضی پر) راضی رہتا ہے ﷻ بھی اس سے راضی ہوتے ہیں اور جو شخص (ان مصیبتوں میں جزع و فزع اور واویلا کرتا ہے اور) ﷻ سے (شاکی اور) ناراض ہوتا ہے ﷻ بھی اُس سے ناراض ہو جاتے ہیں۔

تشریح!

اس بشارت کی شرط صبر ہے

ﷻ پر ایمان رکھنے والوں کے لئے یہ حدیث بہت بڑی بشارت ہے، بشرطیکہ وہ صبر و ضبط سے کام لے کر ﷻ کی مرضی پر دل سے راضی رہیں۔ ﷻ ہمیں مصائب و آلام پر صبر و ضبط کی اور اپنی مرضی پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرمائیں قرآن کریم بھی اس کی تائید کرتا ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اللہ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔

صبر و ضبط کا ایک بے نظیر اور سبق آموز واقعہ | حدیث نمبر (۲۱/۴۵)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ، کا ایک لڑکا بیمار تھا وہ (اسکو اسی حالت میں چھوڑکر) سفر میں چلے گئے تو (اُن کے پیچھے) اس لڑکے کا انتقال ہو گیا۔ جب ابو طلحہ (سفر سے) واپس آئے تو (آتے ہی) اُنہوں نے (اپنے بیٹے کا حال) دریافت کیا: میرے بیٹے کا کیا ہوا؟ (اُنکی اہلیہ اور بچے کی ماں) اُم سُلَیم نے کہا: اب تو اسکو پہلے کی بنسبت بہت زیادہ سکون ہے (وہ یہ سنکر مطمئن ہو گئے) تو اُم سلیم نے شام کا کھانا اُن کے سامنے رکھا اُنہوں نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا پھر (رات کو) جماع

بھی کیا جب وہ (سب کاموں سے) فارغ ہوگئے تو اُمّ سلیم نے بتلایا کہ (تمہارے بیٹے کا تمہارے سفر میں جانے کے بعد انتقال ہوگیا تھا لوگوں نے) اس کو دفن کر دیا ہے۔ (انہیں بیٹے کی وفات کے صدمہ کے علاوہ اپنی بیوی کی یہ حرکت بھی بہت ناگوار گزری تو صبح ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور (بطور شکایت) تمام واقعہ بیان کیا۔ تو آپ نے (اُمّ سلیم کے صبر و ضبط سے خوش ہو کر) فرمایا: تو تم نے شب زفاف بھی منائی؟ ابو طلحہ نے عرض کیا: جی ہاں۔ آپ نے ان دونوں کے لئے (اولاد صالح کی) دعا فرمائی "اے اللہ تو ان دونوں کو برکت عطا فرما" چنانچہ اُمّ سُلیم کے ہاں لڑکا پیدا ہوا تو انس کہتے ہیں: مجھ سے ابو طلحہ نے کہا: اس بچہ کو گود میں اٹھاؤ اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ چند کھجوریں بھی ساتھ بھیجیں (جب میں آپ کی خدمت میں بچے کو لیکر حاضر ہوا) تو آپ نے دریافت فرمایا: کچھ اس بچے کے ساتھ لائے بھی ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، یہ چند کھجوریں ہیں آپ نے (ان میں سے) ایک کھجور اٹھائی اور دہن مبارک میں چبائی اور اپنے دہن سے نکال کر بچہ کے منہ میں رکھ دی اور پھر تحنیک کی (یعنی بچہ کے تالو سے لگا کر چٹا دی) اور اسکا نام عبد اللہ رکھا۔ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ مشہور محدث سفیان ابن عیینہ کہتے ہیں: مجھ سے قبیلہ انصار کے ایک آدمی نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کی دعاء برکت کا کرشمہ دیکھا کہ ابو طلحہ کے اس لڑکے کے (جس کا نام آپ نے عبد اللہ رکھا تھا اور برکت کی دعا فرمائی تھی) نو لڑکے ہیں جو سب کے سب قرآن کے قاری (اور حافظ و عالم) ہیں"۔

صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں (یہی واقعہ زیادہ وضاحت کے ساتھ مذکور ہے

اس کے الفاظ یہ ہیں : ابو طلحہ کے ایک لڑکے کا جو اُم سلیم کے بطن سے تھا (اُن کی عدم موجودگی میں) انتقال ہوگیا تو اُم سُلیم نے اپنے تمام اقرباء سے کہا : تم میں سے کوئی بھی ابو طلحہ کو (سفر سے واپسی پر) اُسکے بیٹے کی وفات کی خبر نہ دے (اور تعزیت نہ کرے) جب تک کہ میں خود اُن کو اسکی اطلاع نہ دیدوں چنانچہ ابو طلحہ (سرِ شام) سفر سے واپس آئے تو اُم سُلیم نے (بڑے اطمینان سے) شام کا کھانا انکے سامنے رکھا ابو طلحہ نے خوب شکم سیر ہو کر کھانا کھایا پھر اسکے بعد اُم سلیم نے (بتکلّف) اپنے سابقہ معمول سے بھی بہتر بناؤ سنگھار کیا (اور شب عروسی کی سی تیاری کی) چنانچہ ابو طلحہ نے (پورے نشاط کے ساتھ) جماع کیا جب اُم سلیم کو اطمینان ہوگیا کہ انہوں نے شکم سیر ہو کر کھانا بھی کھالیا اور (اپنی طبعی خواہش بھی پوری کرلی تو اُم سلیم نے کہا : اے ابو طلحہ ! ذرا یہ تو بتلایئے کہ اگر کسی نے کسی اہل خانہ کو کوئی چیز بطور عاریت دی ہو اور وہ اس عاریت کو واپس مانگے تو کیا صاحبِ خانہ کو واپس دینے سے انکار کرنے کا حق ہے ؟ ابو طلحہ نے کہا : نہیں (ہرگز نہیں) تو اُم سلیم نے کہا ، تو آپ اپنے بیٹے (کی وفات) پر بھی بنیت اجر و ثواب صبر کیجیے" ابو طلحہ یہ سنتے ہی غصہ (کی آگ بگولا) ہو گئے اور بولے : اری نیک بخت بیوی ! اب جبکہ میں حیوانی خواہش (جماع) سے آلودہ ہو چکا اب تو مجھے میرے بیٹے کی وفات کی خبر دینے چلی ہے" اور (صبح ہوتے ہی) گھر سے چل دیئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور (بڑے غم و غصہ کے ساتھ) پورا واقعہ بیان کیا - تو آپ نے (ازراہِ تحسین و تسلی) فرمایا : ﷺ تم دونوں میاں بیوی کو تمہاری اس شب (عروسی) میں برکت (یعنی اولاد صالح) عطا فرمائیں چنانچہ اس دعا کے نتیجہ میں) اُم سلیم کے ہاں (نو ماہ بعد) لڑکا پیدا ہوا - اسوقت سرور کائنات ﷺ سفر میں تھے اور اُم سلیم بھی (اپنے

شوہر ابوطلحہ کے ساتھ (اس سفر میں آپ کے ہم رکاب تھیں۔ رحمت عالم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ جب کسی سفر سے مدینہ طیبہ واپس تشریف لاتے تو رات کے وقت بستی میں داخل نہ ہوتے (اور شہر کے باہر منزل گاہ (پڑاؤ) پر رات گزار کر صبح کو بستی میں داخل ہوتے) چنانچہ جب یہ قافلہ مدینہ کے قریب پہنچا (اور رات کو منزل گاہ پر قیام کیا) تو اُم سلیم کو دردِ زہ شروع ہو گیا (جس کی وجہ سے صبح حضور ﷺ کے ہم رکاب مدینہ میں داخل ہونا دشوار نظر آنے لگا) چنانچہ اُن کی وجہ سے ابوطلحہ کو بھی وہیں رُکنا پڑا اور رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے تو راوی کہتا ہے کہ: ابوطلحہ (حضور ﷺ کی رفاقت سے محرومی پر انتہائی یاس کے عالم میں) کہنے لگے: اے میرے رب! تو جانتا ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ (کسی بھی سفر میں) جب آپ مدینہ سے روانہ ہوں تب بھی میں آپ کے ہمراہ چلوں اور جب آپ (واپس) مدینہ میں داخل ہوں تب بھی میں آپ کے ہمراہ مدینہ میں داخل ہوں اور اس وقت تو دیکھتا ہے کہ مجھے اُم سلیم کی وجہ سے یہاں رُکنا پڑ رہا ہے تو اُم سلیم بولیں: اے ابوطلحہ اب تو مجھے دردِ زہ کی تکلیف ذرا بھی محسوس نہیں ہو رہی (چلو حضور ﷺ کے ساتھ ہی مدینہ چلیں) چنانچہ ہم حضور ﷺ کے ہمراہ چل پڑے اور مدینہ پہنچنے کے بعد دردِ زہ ہوا اور لڑکا پیدا ہوا حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میری والدہ اُم سلیم نے کہا: اے انس اس بچہ کو اس وقت تک کوئی دُودھ نہیں پلائے گا جب تک کہ تم اس کو رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں نہ لے جاؤ گے۔ چنانچہ جب صبح ہوئی تو میں نے اس بچہ کو گود میں لیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا۔ اسکے بعد واقعہ وہی ہے جو اُوپر والی روایت میں گزر چکا ہے۔

تشریح !

ایک مسلمان عورت کا عظیم الشان صبر وضبط اور حوصلہ

اس حدیث پاک میں حضرت اُم سلیم انصاریہ رضی اللہ عنہا کے صبر وتحمل اور شوہر کے ساتھ وفاشعاری کے جذبہ کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے اسلئے کہ اولاد کی فطری محبت خصوصاً نرینہ اولاد کی۔ اور اس حالت میں کہ ایک لڑکا جس کا نام عمیر تھا اس سے قبل فوت ہو چکا تھا۔ ماں کو جس قدر محبت ہوتی ہے باپ کو اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتی ماں کی گود کا خالی ہو جانا اس کے لئے ایک ہوش ربا سانحہ ہوتا ہے مگر چونکہ اُم سلیم جانتی تھیں کہ اُن کے شوہر کو بھی اس بچہ سے بیحد محبت تھی اگر سفر سے واپس آتے ہی ان کو اس سانحہ کی خبر دے دی گئی تو شدتِ غم واندوہ سے نہ معلوم کتنے دن تک کے لئے کھانے پینے اور آرام وراحت سے محروم ہو جائینگے اسلئے خود اپنے کلیجہ پر صبر وضبط کا پتھر رکھا اور شوہر کو سفر کی تکان دُور کرنے کا موقع دیا نہ صرف یہ بلکہ بتکلف خود کو معمول سے زیادہ آراستہ وپیراستہ کرکے طبعی خواہش (جماع) کی ترغیب کا سامان بھی مہیا کیا اور فراغت کے بعد انتہائی حکیمانہ انداز میں بیٹے کی وفات کی خبر سنائی، واقعی بڑے ہی سخت صبر وضبط، عقل وہوش اور حوصلہ کا کام ہے اسی لئے اللہ کے رسول ﷺ نے تحسین وستائش اور دعاء برکت فرمائی اور ﷺ نے اس کا نعم البدل عطا فرمایا ہمارے زمانہ کی خواتین اور ماؤں کے لئے یہ واقعہ انتہائی سبق آموز ہے۔

حضرت اُم سلیمؓ مسلمان خواتین کیلئے قابلِ تقلید ہستی ہیں

حضرت اُم سلیم انصاریہ رضی اللہ عنہا اپنی خدا پرستی، دینداری اور خوبیوں کے اعتبار سے ایک قابلِ تقلید مسلمان خاتون ہیں خصوصاً مسلمان عورتوں کے لئے۔ ان کے پہلے شوہر حضرت انسؓ کے والد کا نام مالک تھا جونہی اسلام مدینہ میں پہنچا یہ فوراً مسلمان ہو گئیں نہ صرف یہ بلکہ اپنے شوہر مالک کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دی وہ شقی القلب کافر اس پر بیحد غضبناک ہوا اور گھر سے نکل گیا اور ملک شام چلا گیا اور وہیں وفات پا گیا۔ ابوطلحہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے، عدت گذرنے کے بعد اُنہوں نے اُم سلیم کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ اُم سلیم نے اسلام قبول کر لینے کی شرط کے ساتھ اپنی آمادگی ظاہر کی چنانچہ ابوطلحہ مسلمان ہو گئے اور اُم سلیم سے نکاح کر لیا اس لحاظ سے ابوطلحہ حضرت انسؓ کے سوتیلے باپ ہیں

اُم سلیمؓ کی خدمت گذاری کا صلہ

اُم سلیم بیحد سمجھدار، مدبّر اور منتظم اور خدمتگذار خاتون تھیں اسی لئے رحمتِ عالم ﷺ امور خانہ داری اور ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن سے متعلق نسوانی انتظامات انہی کے سپرد فرمایا کرتے تھے انہوں نے اپنے بیٹے حضرت انسؓ کو دس سال کی عمر میں ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بطور خادم پیش کر دیا تھا اور حضور ﷺ نے قبول فرما لیا تھا۔ اور دس سال تک شب وروز اندرون خانہ اور بیرون خانہ، سفر میں ہوں یا حضر میں برابر خدمت میں مصروف رہے۔

نبی رحمت ﷺ کی دُعا کا اثر

رحمتِ عالم ﷺ سے اُم سلیم نے ایک دن انسؓ کے لئے دعاءِ برکت کی درخواست کی آپ نے ازراہِ کمال شفقت

انس کے لئے عمر میں درازی اور مال و اولاد میں برکت کی دعا فرمائی چنانچہ انس نے سو سال سے زیادہ لمبی عمر پائی اور اُن کی زندگی ہی میں اُن کے بیٹوں پوتوں پڑپوتوں کی تعداد بھی سو سے اوپر پہنچ گئی تھی اور ان کا شمار ہمیشہ دولت مند صحابہ میں رہا ﷺ ہر مسلمان کو رحمت عالم ﷺ کی محبت اور آپ کے دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائیں کہ یہی سرور کائنات ﷺ کی سب سے بڑی خدمت اور محبت کی دلیل اور دنیا و آخرت میں کام آنے والا سرمایہ ہے۔

بہادری زور آزمائی کا نام نہیں ہے — حدیث نمبر (۲۲/۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: بڑا بہادر وہ نہیں ہے جو (کُشتی میں) سب کو پچھاڑ دے پشہ زور بہادر تو درحقیقت صرف وہ شخص ہے جو غیض وغضب (کی حالت) میں خود کو اپنے قابو میں رکھے۔

تشریح!

شجاعت اور بہادری کا معیار۔

حدیث پاک کی تعلیم کا حاصل یہ ہے کہ جسمانی قوت وطاقت اور اسکے استعمال کرنے کی قدرت پر شجاعت کا مدار نہیں شجاعت کا مدار صرف قوتِ نفس پر ہے اور اس کا پتہ صرف اسوقت چلتا ہے جبکہ انسان انتہائی غیض وغضب اور اشتعال کی حالت میں بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھے اور وہی کرے جو عقل سلیم، کرم نفس اور قانون عدل وانصاف کا تقاضہ ہو، اگر عقل اور شریعت جسمانی طاقت سے کام لینے اور سزا دینے کو ضروری قرار دیں تو جسمانی طاقت استعمال کرے اور اسی حد تک جس حد تک ضروری ہو، ورنہ نہیں، خواہ نفس کتنا ہی طاقت استعمال کرنے اور انتقام لینے کا تقاضا کرے مگر اسکے تقاضہ پر عمل نہ کرے بلکہ صبر اور درگزر سے کام لے۔

امام نووی اس حدیث کو صبر کے باب میں کیوں لائے

اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو شجاعت کے بجائے صبر کے بیان میں نقل کیا ہے اسلئے کہ کامل صبر وضبط کے ملکہ کے بغیر اس حدیث پر عمل نہیں کیا جا سکتا گویا رحمت عالم ﷺ اس حدیث میں درحقیقت صبر وضبط کی تعلیم دے رہے ہیں چنانچہ خلق عظیم کے مالک افضل الخلائق ﷺ کی سیرۃ طیبہ اور آپ کے اُسوہ حسنہ کے رنگ میں رنگے ہوئے صحابہ کرام خصوصاً حضرت علی مرتضیٰ رض اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہم کی سیرت میں اس شجاعت اور صبر وضبط کی مثالیں آپ کو بکثرت ملیں گی حدیث نمبر (۱۸) میں بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ آپ کو ناانصافی کا اتہام لگانے والے گستاخ شخص پر کتنا شدید غصہ آیا تھا آپ چاہتے تو اسکو توہین واینداء رسول کے جرم میں قتل کر سکتے تھے مگر چونکہ آپ کا ذاتی معاملہ تھا اس لئے

آپ نے صبر اور درگزر سے کام لیا یہی قرآنِ عظیم کی تعلیم ہے ارشاد ہے۔

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ (النحل آیت: ۱۲۶) اور بخدا اگر تم درگزر کرو (اور انتقام نہ لو) تو یہ تو صبر کرنیوالوں کے لئے بہت بہتر ہے۔

صبر اور درگزر کہاں نہیں کرنا چاہیئے

باقی اگر کسی اور پر کوئی ظلم کرتا ہو یا کسی کی آبرو پر حملہ کرتا ہو تو آپ ہرگز درگزر نہیں فرماتے تھے اور قرار واقعی سزا دیتے تھے چنانچہ صلوٰت ماثورہ (مسنون درود) کے کلمات میں آپ کی شان یہ مذکور ہے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ نِ الَّذِيْ كَانَ لَا تُنْتَهَكُ فِيْ مَجَالِسِهِ الْحُرَمُ وَلَا يُغْمِضُ عَمَّنْ ظَلَمَ

اے اللہ تو رحمت نازل فرما ہمارے سردار محمد ﷺ پر جن کی مجلسوں میں کسی کی بے آبروئی نہیں کی جاتی تھی اور ظلم کرنے والے سے چشم پوشی (اور درگزر) نہیں فرمایا کرتے تھے۔

پڑھیے! اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ كُلَّمَا ذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ - اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ كُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ

انسان کے صبر وضبط کی آزمائش کا موقعہ

حدیث نمبر (۲۳/۴۸)

حضرت سلیمان بن صُرَد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ:

میں (ایک دن) رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا اور دو آدمی آپس میں گالی گلوچ کر رہے تھے ان میں سے ایک کا (غصہ کے مارے برا حال تھا) چہرہ سرخ ہو رہا تھا گردن کی رگیں پھول رہی تھیں تو سرور کائنات ﷺ نے حاضرین سے فرمایا: مجھے ایک کلمہ ایسا معلوم ہے کہ اگر یہ اس کلمہ کو پڑھ لے تو اس کا یہ سارا غصہ کافور ہو جائے، اگر یہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھ لے تو اس کا یہ سارا غصہ ختم ہو جائے" تو لوگوں نے اس شخص سے کہا (ارے بے وقوف) نبی ﷺ فرماتے ہیں تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ کیوں نہیں پڑھ لیتا یعنی مردود شیطان سے اللہ کی پناہ کیوں نہیں لے لیتا۔

تشریح!

غصہ کو فرو کرنے اور صبر وضبط اختیار کرنے کی تدبیر

غصہ اور غیظ وغضب خاصکر کسی شخص کی بیجا زیادتی پر ایک طبعی چیز اور فطری امر ہے اور انسان کا ازلی دشمن مردود

شیطان اس طبعی اور فطری جذبہ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر عموماً انسان کو ظلم و جور اور باہمی جھگڑے فساد کا مرتکب بنا دیتا ہے۔ اس حالت میں صبر و ضبط سے کام لینا اور عقل و خرد کے تقاضے یا شریعت کی تعلیمات پر عمل کرنا اور مردود شیطان کے بچھائے ہوئے جال سے بچنا بڑا ہی مشکل کام ہے اسی لئے اس حدیث پاک میں غیظ و غضب کو فرو کرنے کی تدبیر شیطان لعین سے اللہ کی پناہ لینا اور صبر و تحمل اختیار کرنا بتلائی ہے جیسا کہ اگلی حدیث نمبر (۲۴) میں اس صبر و ضبط کے اجر عظیم کی بشارت دی گئی ہے۔

انتقام لینے کی قدرت کے باوجود صبر و ضبط اور درگزر سے کام لینے کا اجر عظیم

حدیث نمبر ($\frac{۲۴}{۴۸}$)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنا غصہ اتارنے (اور بدلہ لینے) پر قادر ہو اور اس کے باوجود وہ اپنے غصہ کو دبائے (اور قابو میں رکھے) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسکو تمام مخلوق کے سامنے بلائینگے اور اختیار دینگے کہ وہ جنت کی آہو چشم حوروں میں سے جس کو چاہے لے لے۔

تشریح!

ان دونوں حدیثوں کو صبر کے باب میں لانے کی وجہ

آپ ہر دو حدیثوں کی مذکورہ بالا تشریح سے بخوبی سمجھ چکے کہ۔ غیظ و غضب اور غصہ۔ جو بقول حکما جنون ساعۃ۔ وقتی دیوانگی ہے۔ کے حملہ سے بچنے یا اسکے حملہ کے وقت اسکی مضرت سے بچنے کی واحد تدبیر صبر و ضبط اور تحمل و بردباری کا دامن مضبوطی سے تھامے رہنا ہے اسی کی ان دونوں حدیثوں میں تعلیم دی گئی ہے اسی لئے امام نووی ؒ انکو صبر کے باب میں لائے ہیں۔

غیظ و غضب اور صبر و ضبط

حدیث نمبر ($\frac{۲۵}{۴۹}$)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ مجھے کوئی وصیت فرمایئے (جس پر میں عمر بھر کاربند رہوں) آپ نے فرمایا: غصہ کبھی مت کرنا۔ راوی کہتے ہیں اس شخص نے (اپنی کوتاہ فہمی کی وجہ سے) بار بار یہی سوال لوٹایا: "مجھے وصیت کیجئے" آپ نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا:

غصہ کبھی مت کرنا۔

تشریح!

غصہ بڑی بری بلا ہے اور اس کا علاج صبر و تحمل کا ملکہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اچھے سے اچھا سمجھدار انسان بھی شدید غصہ کی حالت میں عقل و خرد سے خارج اور بالکل پاگل ہو جاتا ہے نہ خدا رسول کی تعلیمات کا ہوش رہتا ہے نہ اخلاق و انسانیت کے تقاضوں کا، اسی لئے کہا گیا ہے الغضب جنون ساعۃ (غصہ تھوڑی دیر کی دیوانگی کا نام ہے) علماء اخلاق نے لکھا ہے کہ بعض مرتبہ شدت غیظ و غضب سے انسان کی موت واقع ہو جاتی ہے یا مستقل طور پر پاگل ہو جاتا ہے اور یہ تو بالکل عام بات ہے کہ غصہ فرو ہونے کے بعد انسان خود کو اپنے کئے پر ملامت کیا کرتا ہے اور بسا اوقات بڑے بڑے دور رس نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں اور اس غصہ کے بھوت پر قابو پانا صبر و ضبط کا ملکہ پیدا کئے بغیر اور برداشت و تحمل کی عادت ڈالے بغیر ممکن نہیں لہٰذا غصہ نہ کرنے کی وصیت کا منشا درحقیقت صبر و ضبط کی عادت ڈالنے کی وصیت فرمانا ہے اور صبر و ضبط کے دینوی و اُخروی فوائد اور عنداللہ پسندیدہ اور موجب اجر و ثواب ہونے کا حال آپ اس باب کی قرآنی آیات میں پڑھ چکے ہیں اور احادیث میں پڑھ رہے ہیں اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو صبر کے باب میں لائے ہیں۔

صبر و شکر اختیار کرنے کا صلہ حدیث نمبر (۲۶/۵۰)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رحمت عالم ﷺ نے آگاہ فرمایا کہ: مومن مردوں اور مومن عورتوں کی جان، اولاد، مال پر ناگہانی بلائیں (اور مصیبتیں) برابر آتی رہتی ہیں (اور وہ برابر توبہ و استغفار اور صبر و شکر کرتے رہتے ہیں اور اسکے نتیجہ میں ان کی خطائیں معاف ہوتی رہتی ہیں) یہاں تک کہ وہ تمام گناہوں اور خطاؤں سے پاک و صاف اللہ سے جا ملتے ہیں۔

تشریح!

صبر و ضبط کا عظیم فائدہ

کمال ایمان کا لازمی تقاضہ ہے مصائب پر صبر و شکر اور توبہ و استغفار، اور ظاہر ہے کہ جب ایک مخلص مومن کا شب و روز کا وظیفہ توبہ و استغفار ہوگا تو گناہوں اور خطاؤں کے باقی رہنے کا سوال ہی نہیں باقی رہتا۔ حدیث شریف میں آتا ہے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ (گناہ سے توبہ کر لینے والا اس شخص کی مانند ہو جاتا ہے جس نے

نے گناہ کیا ہی نہ ہو) ایسی صورت میں صبر و شکر کا رفع درجات اور قرب الٰہی کا موجب ہونا سابقہ احادیث کی روشنی میں یقینی ہے اور یہی ایک مومن کی انتہائی معراج ہے۔ حق تعالیٰ ہر مسلمان کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

حضرت عمرؓ کے صبر و تحمل کا ایک واقعہ | حدیث نمبر (۲۷/۵۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

(ایک عرب قبیلہ کا سردار) عینیہ بن حصن (مدینہ) آیا اور اپنے بھتیجے حر بن قیس کے پاس ٹھیرا۔ یہ حر بن قیس ان لوگوں (یعنی اراکین شوریٰ) میں سے تھے جن کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے سے قریب تر رکھتے تھے۔ حضرت ابن عباس رضؓ کہتے ہیں: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اہل مجلس (مقربین) اور ارباب شوریٰ (مشیر) حفاظ قرآن ہی ہوا کرتے تھے۔ بڑے ہوں یا چھوٹے، سن رسیدہ ہوں یا نوعمر۔ تو عینیہ نے اپنے بھتیجے حر بن قیس رضؓ سے کہا: برادر زادے! تمہیں ان امیر المومنین سے قرب خاص حاصل ہے تم مجھے ملاقات کی اجازت لے دو۔ چنانچہ حر بن قیس رضؓ نے ملاقات کی اجازت طلب کی حضرت عمر رضؓ نے اجازت دے دی جب یہ دونوں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عینیہ نے کہا: اے خطاب کے بیٹے! (وہ شکایت جس کے پیش کرنے کے لئے میں آیا ہوں) یہ ہے کہ خدا کی قسم نہ تم ہمیں (ہمارے قبیلہ کو) عطاء کثیر ہی دیتے ہو اور نہ ہمارے حق میں عدل و انصاف ہی کرتے ہو" فاروق اعظم (اس دریدہ دہنی اور افتراء پردازی پر) غصہ سے آگ بگولا ہو گئے یہاں تک کہ آپ نے قصد کیا کہ اس (گستاخ مفتری) کو قرار واقعی سزا دیں تو حر بن قیس رضؓ فوراً بولے: امیر المومنین! حق تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ — عفو کو اختیار کرو، بھلی بات کا حکم دو اور جاہلوں سے درگزر کرو۔ اور یہ (میرا چچا) یقیناً

جاہلوں میں سے ہے (اور اسلامی اخلاق و آداب سے نابلد ہے) راوی حدیث ابنِ عباس رضؓ کہتے ہیں: خدا کی قسم جوں ہی حر بن قیس نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی حضرت عمر (کا غصہ بالکل سرد پڑ گیا اور (انہوں) نے آیت کریمہ (کے حکم) سے سر مو تجاوز نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضؓ کہتے ہیں: فاروق اعظم رضؓ کتاب اللہ کے حکم کے سامنے ہمیشہ سر تسلیم خم کر دیا کرتے تھے۔

تشریح!

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت

فاروق اعظم رضؓ جیسے سخت مزاج انسان — جن کے متعلق سرورِ کائنات ﷺ کا فیصلہ یہ ہے وَاَشَدُّهُمْ فِيْ اَمْرِ اللّٰهِ عُمَرُ (اللہ کے معاملہ میں تمام صحابہ سے زیادہ سخت عمر ہیں) — کا عمر پر نہیں بلکہ خلیفہ رسول اللہ پر نا انصافی کا الزام لگانے والے گستاخ شخص پر مشتعل اور غصہ سے آگ بگولا ہو جانا نہ صرف فطری بلکہ دینی تقاضہ تھا، مگر آیت کریمہ کو سنتے ہی غیظ و غضب کا یکسر فرو ہو جانا انتہائی صبر و تحمل کی دلیل ہے۔ درحقیقت انتہائی اشتعال اور برمحل غیظ و غضب کی حالت میں صبر و تحمل اختیار کرنا، بیحد کٹھن اور مشکل کام ہے اور صبر و ضبط کی سب سے بڑی آزمائش ہے اللہ کی توفیق خاص کے بغیر اس کٹھن آزمائش میں پورا اترنا ممکن نہیں اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس صبر و تحمل کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

مخبر صادق ﷺ کی ایک پیشین گوئی | حدیث نمبر (۲۸/۵۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مخبر صادق ﷺ نے فرمایا: میرے بعد (غیر مستحق لوگوں کو مستحقین پر مرا) ترجیح (فوقیت) دی جائیگی اور ایسے امور پیش آئیں گے جن کو تم اوپرا (غیر اسلامی) محسوس کرو گے (یعنی میری سنت اور سیرت کے خلاف محسوس کرو گے) صحابہ نے عرض کیا: تو (ایسے وقت کے لئے) آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں؟ نبیٔ امن و سلام ﷺ نے فرمایا: جو تمہارے اوپر (حکمرانوں کی اطاعت و رواداری کا) حق ہے اس کو تو پورا پورا ادا کرنا اور جو تمہارا حق ہو (اور وہ مارا جائے) اسکو

ﷺ سے مانگنا (حکمرانوں کے خلاف بغاوت ہرگز نہ کرنا جب تک کہ کھلے کفر کی نوبت نہ آجائے)

تشریح!

صبر کا ایک اہم مقام

علانیہ حق تلفی کو برداشت کرنے کے لئے بھی بڑے حوصلہ اور صبر وضبط کی ضرورت ہے۔ اسلامی ملکوں میں امن و امان برقرار رکھنے کی نیت سے اس ظلم وجور کو برداشت کرنا بہت بڑی قومی اور اجتماعی نیکی اور عنداللہ اجر وثواب عظیم کا موجب ہے اسلئے کہ اِنَّ اللہَ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ (بیشک اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا)

قومی اور جماعتی امن و امان کو محفوظ رکھنے کی تعلیم اور صبر

حدیث نمبر (۲۹/۵۴)

حضرت اُسید بن حُضیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ایک انصاری رحمت عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: آپ مجھے عامل (زکوٰۃ وصدقات کا محصل) نہیں بنا دیتے؟ جیسے آپ نے فلاں شخص کو بنایا ہے"، تو مخبر صادق ﷺ نے فرمایا (میں نے تو کسی غیر مستحق کو مستحق پر فوقیت نہیں دی، ہاں) تم میرے بعد عنقریب یہ ترجیح (اور حق تلفی) دیکھو گے پس اس وقت تم اس پر مرتے دم تک صبر کرنا (اور حق تلفیاں کرنے والوں کے خلاف کوئی باغیانہ قدم نہ اٹھانا) یہانتک کہ (اس صبر وتحمل کے صلہ میں) تم مجھ سے حوض کوثر پر آملو۔

تشریح!

حکمرانوں کی حق تلفیوں کے باوجود ملکی امن کو باقی رکھنے اور صبر وتحمل اختیار کرنے کی ہدایت

اِسلام مذہب "امن وسلام" ہے پیغمبر اسلام ﷺ کی یہ تعلیمات قومی اور اجتماعی امن وسلامتی کو برقرار رکھنے، راعی اور رعایا، حکومت اور اہل ملک، کے درمیان مخالفت اور خانہ جنگی کا سدباب کرنے پر مبنی ہیں۔ عموماً حکمرانوں سے حق تلفیاں ہوتی ہیں نہ بھی ہوں تو بھی عوام محسوس کرتے ہیں کہ ہماری حق تلفی ہو رہی ہے در حقیقت کچھ حکومت اور حکمرانوں کی بھی مشکلات اور دشواریاں ہوتی ہیں جن کی بنا پر وہ اپنے رویہ میں حق بجانب ہوتے ہیں مگر عوام، یا اُن سے صحیح معنی میں واقف نہیں ہوتے یا وہ اپنے حقوق کے مطالبہ میں اس قدر مغلوب ہو جاتے ہیں کہ انہیں وہ مشکلات اور دشواریاں نظر ہی نہیں

آتیں اور حکمرانوں پر ظلم وجور اور حق تلفی کا الزام لگانے لگتے ہیں جیسا کہ حدیث نمبر (۸) و (۲۹) و (۲۷) کے واقعات سے واضح ہے۔

ملک میں امن و امان قائم رکھنے کی اسلامی تدبیر

ایسی صورت میں ملک کے استحکام کو محفوظ رکھنے کی یہی تدبیر ہو سکتی ہے کہ ایک طرف حکمرانوں کو عدل و انصاف قائم کرنے اور بے زور رعایت عوام کے حقوق ادا کرنے کی سخت ترین تاکید کی جائے دوسری طرف لوگوں کو حق تلفیوں پر صبر وتحمل اور ایثار کی ترغیب دی جائے۔ یہی اسلامی تعلیمات کی "روح" ہے اگر راعی اور رعایا، حاکم اور محکوم نیک نیتی کے ساتھ ان تعلیمات پر قائم اور کاربند رہیں تو حکومت کی مخالفت اور بغاوت کی نوبت آ ہی نہیں سکتی اور ملکی استحکام کو نقصان پہنچ ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کے عوام اور حکمرانوں کو ان اسلامی تعلیمات پر کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

میدان جہاد اور صبر و استقلال کی تعلیم | حدیث نمبر (۳۰/۵۴)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لڑائیوں میں دشمن پر حملہ کرنے میں (سورج ڈھلنے کا) انتظار فرمایا ہے۔

اسلامی جہاد کے آداب | یہاں تک کہ جب سورج ڈھل گیا ہے تو پہلے کھڑے ہو کر غازیوں سے خطاب فرمایا ہے: اے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والو! دشمن سے لڑائی کی آرزو مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت کی دعا مانگو پھر جب دشمن سے مقابلہ ہو ہی جائے تو صبر کرو (ثابت قدمی اور پائیداری سے کام لو) اور یقین کر لو کہ تلواروں کے سایہ کے نیچے جنت ہے (شہید ہوتے ہی سیدھے جنت میں جاؤ گے اور زندۂ جاوید ہو جاؤ گے) ۔اس خطبہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی ہے: اے اللہ آسمان سے کتاب (قرآن) نازل کرنے والے، بادلوں کو ادھر سے ادھر اور ادھر سے اِدھر لے جانے والے اور باطل پرستوں کے گروہوں کو شکست دینے والے! تو ان دشمنوں کو پسپا کر دے اور ان کے مقابلہ پر ہماری مدد فرما"

تشریح!

صبر و استقلال کی آزمائش کا سب سے بڑا مقام

ظاہر ہے کہ انسان کے صبر و ضبط کی سب سے بڑی آزمائش کا مقام میدانِ جنگ ہے، بڑے بڑے بہادروں کے قدم محاذِ جنگ پر دشمنوں کی مسلح افواج کو دیکھ کر پھسل جاتے ہیں اسی لئے قرآنِ عظیم اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے بڑا گناہ کبیرہ فرار من الزحف (محاذِ جنگ سے فرار) کو قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہونے والوں کی موت کو اشرف الموت قتل الشهداء (سب سے شریف موت شہیدوں کا قتل ہے) کے تحت سب سے زیادہ باعزت موت قرار دیا ہے تاہم دشمنوں سے لڑائی کی آرزو کرنے سے بھی منع فرمایا ہے جیسا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے اس میدانِ جنگ کے خطبہ سے ظاہر ہے یعنی دشمنوں سے خواہ مخواہ لڑائی مول بھی مت لو، مگر جب جنگ ناگزیر ہو جائے تو صرف اللہ تعالیٰ کی نصرت پر بھروسہ رکھو اور انتہائی پامردی کے ساتھ دشمنوں سے مرتے دم تک لڑو، یہاں تک کہ اللہ کی راہ میں جان دے دو اور سیدھے جنت میں جاؤ۔

اسلام کے خلاف ایک پروپیگنڈے کی تردید

اس خطبہ سے دشمنانِ اسلام کے اس پروپیگنڈے کی بھی زبردست تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ اسلام تو صرف خونریزی اور غارتگری کی تعلیم دیتا ہے اسے امن وسلام سے کیا واسطہ؟۔ اسلام اگر ایک طرف ــ جب دشمنانِ اسلام سے جنگ کے سوا کوئی چارہ کار باقی نہ رہے تو ــ انتہائی پامردی کے ساتھ لڑنے کی تعلیم دیتا ہے تو دوسری طرف دشمنوں سے باعزت صلح و آشتی کی بھی تعلیم دیتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا (اے پیغمبر اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی صلح کی طرف مائل ہو جاؤ)

اسلامی جہاد کا مقصد

اسلام کی تمام تر قتال و جہاد کی تعلیمات کا واحد مقصد کلمۃ اللہ ــ اللہ کے حکم کو ــ بلند کرنا اور اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنا ہے جس کی زیر سایہ غیر مسلم بھی اسی طرح امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہیں جیسے مسلمان ــ اسلام جس طرح ایک مسلمان کی جان و مال کی سلامتی کی ضمانت دیتا ہے اسی طرح وہ ایک ذمّی (غیر مسلم رعایا) کی جان و مال کی سلامتی کا بھی ضامن ہے تفصیل کے لئے قرآن وحدیث اور فقہ اسلامی کی تعلیمات کی مراجعت کیجئے۔

باب (۴)
صدق (سچ) کے بیان میں

تشریح!

صدق کے لغوی اور شرعی معنی

لغت کے اعتبار سے اگرچہ صدق کے معنی "سچ بولنا" اور "واقعہ کے مطابق بات کہنا" کئے جاتے ہیں اور اس لحاظ سے صدق انسان کی زبان اور قول کے ساتھ مخصوص ہوجاتا ہے مگر شریعت کی اصطلاح میں صدق کے تحت انسان کے قول کی طرح خود اسکا اپنا فعل بھی داخل ہے اور صدق فی الفعل کے معنی یہ ہیں کہ انسان جو زبان سے کہے اُس پر عمل بھی کرے، اسکو پورا بھی کرے۔ اس لحاظ سے صدق فی الفعل کا تعلق اپنی ذات سے ہوجاتا ہے جیسا کہ صدق فی القول کا تعلق غیر سے ہوتا ہے یعنی کسی کے متعلق جو بات کہے بالکل سچی اور واقعہ کے مطابق کہے۔ بالفاظ دیگر عربیت کی اصطلاح کے مطابق صدق فی القول "خبر" ہے اور صدق فی الفعل "انشا" ہے۔

قرآن کریم میں صدق کا استعمال

قرآن کریم کی جو آیات ذیل میں پیش کی گئی ہیں اُن میں آیت کریمہ نمبر (۳) و (۵) یقیناً صدق فی الفعل سے متعلق ہیں اور آیت نمبر (۶) و (۲) میں صدق فی القول اور صدق فی الفعل دونوں کا احتمال ہے آیت کریمہ (۱) بیشک صرف صدق فی القول سے متعلق ہے جیسا کہ آپ ابھی پڑھیں گے۔

صدق فی القول اور صدق فی الفعل کی خلاف ورزی۔

صدق فی القول کی خلاف ورزی یعنی جان بوجھ کر جھوٹ بولنا اور واقعہ کے خلاف بات کہنے پر تو قرآن کریم میں بیشمار وعیدیں آئی ہیں حتی کہ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہے تک کی تصریح ہے۔ اسی طرح صدق فی الفعل کی خلاف ورزی۔ یعنی جو زبان سے کہنا اس پر عمل نہ کرنا ۔ پر بھی شدید وعید آئی ہے ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (الصف ۲) اے ایمان والو! جو تم کرتے نہیں وہ زبان سے کیوں کہتے ہو یعنی بڑی بری بات ہے، بلکہ زبردست اخلاقی کمزوری ہے کہ جو زبان سے کہو اس پر عمل نہ کرو۔ انسان کو اپنی زبان کا پاس ہونا چاہیئے، چاہے کچھ بھی ہوجائے جو زبان سے کہا اُسے پورا کرنا چاہیئے، گویا ایمان کے دعوٰی کے بالکل منافی ہے کہ جو تم زبان سے کہو اس پر عمل نہ کرو یا جو عہد کرو اسکو پورا نہ کرو۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ارشاد ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف:۳) بہت بڑی ناراضگی کا موجب ہے اللہ کے نزدیک تم جو کہو اس پر عمل نہ کرو۔
اسلئے ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ صادق القول یعنی "راست گفتار" بھی ہو اور صادق العمل یعنی "راست کردار" بھی ہو تب ہی وہ کامل مومن ہو سکتا ہے۔ خدا کی ناراضگی اور قہر و غضب سے بچ سکتا ہے اور اگر کبھی دانستہ یا نادانستہ طور پر قول یا فعل میں جھوٹ سرزد ہو جائے تو فوراً اس سے توبہ و استغفار کرے اور اگر وہ قول یا فعل کسی دوسرے شخص کے حق سے متعلق ہو تو اسکی تلافی کرنا یا اس سے معاف کرانا بھی ازبس ضروری ہے جیسا کہ آپ توبہ کے شرائط میں پڑھ چکے ہیں۔

ہماری حالت اور اس کا نتیجہ۔

آجکل ہم مسلمانوں میں دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی جھوٹ ــ دونوں قسم کا ــ اس قدر عام ہو گیا ہے کہ نہ صرف یہ کہ اسے کوئی گناہ اور جرم نہیں سمجھتے بلکہ "ہنر" سمجھتے ہیں اسی لئے طرح طرح سے اللہ کا قہر و غضب ہم مسلمانوں پر نازل ہو رہا ہے۔ العیاذ باللہ

قرآن کریم

(۱) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ (توبہ ع ۱۵) — (۱) اے ایمان والو اللہ سے ڈرا کرو اور ساتھ رہو سچے لوگوں کے۔

(۲) وَالصّٰدِقِيْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ (احزاب ع ۵) — (۲) اور سچے مرد اور سچی عورتیں

(۳) فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ (محمد ع ۳) — (۳) جب کام ضروری ہو گیا تو (وہ سچے ثابت نہ ہوئے) اگر وہ لوگ اللہ سے رکئے ہوئے عہد میں سچے (ثابت) ہوتے تو اُن کیلئے بہتر ہوتا۔

(۴) مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (احزاب ع ۳) — (۴) ایمان لانیوالوں میں کتنے ہی ایسے مرد ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا اُس بات کو جس پر اللہ سے عہد کیا تھا۔

(۵) لِيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ — (۵) تاکہ جزا دے اللہ سچے لوگوں کو اُنکے سچ کی اور سزا دے (جھوٹے) منافقوں کو (اُنکے جھوٹ کی) اگر چاہے، یا انکو (جھوٹ سے) توبہ

عَلَيْهِمْ (احزاب ع ۳) | کی توفیق دے دے۔

(۶) قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِيْنَ صِدْقُهُمْ (مائدہ - ع ۱۶) | (۶) اللہ نے فرمایا یہ (قیامت کا دن) سچے لوگوں کو اُن کے سچ کے فائدہ پہنچانے کا دن ہے۔

(۷) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النساء ع ۹) | (۷) جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے رہے ہیں وہی لوگ ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے۔ انبیاء، صدیقین، شہداء۔ اور صالحین اور یہی لوگ بہترین رفیق ہیں۔

تشریح!

مذکورہ آیات کے شانِ نزول ۔متعلقہ واقعہ۔ کا بیان

امام نووی علیہ الرحمۃ نے صدق اور صادقین کی اہمیت وفضیلت اور منفعت کو بیان کرنے کی غرض سے صرف تین آیتیں ذکر کی ہیں ہم نے قرآن کریم کے تتبع سے مزید چار آیتیں پیش کردی ہیں گر اس مقصد کی وضاحت کیلئے ضروری ہے کہ ہم ان آیات کے مصداق اور شانِ نزول کی مختصر وضاحت کریں الف! آیت کریمہ نمبر (۱) میں حق تعالیٰ جنگِ تبوک میں نہ شریک ہونے والے اُن سچے مومنوں کا ذکر، اور انکی توبہ کے قبول ہونے کا اعلان، فرمانے کے بعد۔ جنہوں نے محض حق تعالیٰ کے ڈر اور خوف کی وجہ سے جھوٹے منافقوں کی طرح جھوٹے بہانے تراشنے اور جھوٹ بولنے کے بجائے بالکل سچ سچ اپنے قصور اور جرم کا اعتراف کیا تھا اور صدق دل سے توبہ کی تھی ۔ ہر مومن کو اسی طرح خدا سے ڈرنے، سچ بولنے اور سچے لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے۔

آیت کریمہ نمبر (۲) یہ سورۂ احزاب کی ایک طویل آیت ہے جس میں شارع حق تعالیٰ نے ایماندار عورتوں کا شکوہ دور کرنے کے لئے مومن مردوں اور مومن عورتوں کی دو پسندیدہ خوبیاں ۔ جن میں سے ایک صدق ہے ۔ الگ الگ بیان فرمانے کے بعد اُن کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم کے وعدہ کا اعلان کیا ہے۔

آیتِ کریمہ نمبر (۳) اُن ضعیف الایمان مسلمانوں سے متعلق ہے جو کفار سے جنگ کا حکم دیئے جانے سے پہلے تقاضے کر رہے تھے کہ ہمیں کفار سے لڑنے کی اجازت کیوں نہیں دی جاتی، لیکن جونہی لڑائی کا حکم دیا گیا تو ڈر کے مارے اُن پر موت کی سی مُردنی چھا گئی حق تعالیٰ ان کی اس کمزوری اور کچے پن کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ اُن کے لئے دنیا اور آخرت کے اعتبار

سے بہتر یہ تھا کہ وہ اپنی بات کو سچا کر دکھاتے۔

آیتِ کریمہ نمبر (۴) میں ﷻ حشر کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر عیسائیوں کے لگائے ہوئے جھوٹے الزامات کی تکذیب اور اُن کی برأت فرمانے کے بعد، سچے لوگوں کی ترغیب کے لئے ارشاد فرماتے ہیں کہ: آج کا دن ایسا ہے جس میں حقیقی معنی میں سچے لوگوں کو ان کا سچ نفع پہنچائے گا۔

آیتِ کریمہ نمبر (۵) میں ان صادق القول اور صادق الفعل مومنین کی تعریف کی گئی ہے جنہوں نے جنگِ احزاب میں جھوٹے منافقوں کے برخلاف انتہائی ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ کفار کے تمام حملہ آور گروہوں کی متحدہ یورش کا مقابلہ کیا اور ﷻ سے جو عہد کیا تھا اسکو سچا کر دکھایا۔

اور آیت نمبر (۶) میں انہی "راست گفتار" اور "راست کردار" مومنوں کو دنیا اور آخرت میں جزائے خیر دینے کی بشارت دی ہے اور جھوٹے منافقوں کے مستحق عذاب و سزا ہونے کی خبر دی ہے۔

آیتِ کریمہ نمبر (۷) میں ﷻ اور رسول ﷺ کی دل و جان سے اطاعت کرنے والے مومنین کو حُسنِ خاتمہ کی بشارت دی ہے اور بتلایا ہے کہ ﷻ کے وہ منعم علیہم (انعامِ الٰہی سے سرفراز) بندے، جن کے راستہ پر چلنے اور اُن کی رفاقت حاصل کرنے کی تم رات دن ہر نماز میں سورۃ فاتحہ کے اندر دعا مانگتے ہو — جن میں صدیقین کی جماعت بھی شامل ہے — وہ یہ ہیں — اور ان سے بڑھ کر رفیق کون ہوسکتا ہے؟

ب! یہ تو آیات کی تشریح تھی اب صدق، صادقین اور صدیقین سے متعلق ان آیات کو اسطرح ترتیب دیجئے آیتِ کریمہ نمبر (۱) سے معلوم ہوا کہ ﷻ کے ہاں، اس سے ڈرنے والے مقرب بندوں کی ایک جماعت ہے جس کا نام صادقین ہے آیتِ کریمہ (۲) سے معلوم ہوا کہ اس جماعت میں "مرد" بھی شامل ہیں اور عورتیں بھی۔ آیتِ کریمہ نمبر (۵) میں ان مومنین صادقین کی تعریف کی گئی ہے جو اپنے قول کے پکے اور سچے ہیں اور آیتِ کریمہ نمبر (۳) میں ان مسلمانوں کی کمزوری بیان کی گئی ہے جو اپنے قول کے پکے اور سچے نہیں ثابت ہوئے۔ آیتِ کریمہ نمبر (۶) میں مومنین صادقین کے صدق کی دنیا و آخرت میں جزائے خیر دینے کا وعدہ، اور اُن کے بالمقابل جھوٹے منافقین — جن کی زبان پر کچھ ہوتا ہے اور دل میں کچھ اور — کے مستحق عذاب و سزا ہونے کی وعید مذکور ہے اور آیتِ کریمہ نمبر (۴) میں ﷻ کی طرف سے حشر کے دن سچے لوگوں کو ان کے سچ کے حقیقی معنی میں نفع پہنچانے کا اعلان، گویا ایفاءِ وعدہ کے وقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ: یہ سچ کس دن کام آئے گا؛ آیتِ کریمہ نمبر (۷) میں یہ بتلایا گیا ہے کہ صادقین کی جماعت کا ایک سب سے اعلیٰ طبقہ بھی ہے جس کا نام صدیقین ہے ان کا درجہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ہی ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کے بعد افضل البشر، تمام مخلوق سے افضل یہی ہیں — جن میں سب سے بڑے صدیقِ اکبر یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں چنانچہ حدیث نمبر (۱) میں نبیِ رحمت فِدَاہُ اَبِیْ وَاُمِّیْ ﷺ نے اپنی اُمت کے ہر مومن مرد و عورت کو اس مرتبہ تک پہنچنے اور صدیقین میں شامل ہونے کی تدبیر بتلائی ہے، اس سے بڑھ کر بھی کوئی شفیق نبی ہوسکتا ہے؛ قربان جائیے آپ کی شفقت و رأفت کے، سچ ارشاد فرمایا ﷻ نے؛

لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (التوبہ ع ۱۶)

بیشک تمہارے پاس آگیا تم ہی میں کا ایک رسول جس پر شاق ہے ہر وہ چیز جو تمہیں مشقت میں ڈالے، تم پر (تمہاری فلاح و نجات پر) بڑا ہی حریص ہے مومنوں کے ساتھ بیحد شفیق و مہربان ہے۔

پڑھئے:

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ کُلَّمَا ذَکَرَہُ الذَّاکِرُوْنَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ کُلَّمَا غَفَلَ عَنْ ذِکْرِہِ الْغَافِلُوْنَ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا

احادیثِ صدق

سچ بولنے کی عادت اور اسکا انجام نیک
جھوٹ بولنے کی عادت اور اسکا انجام بد

حدیث نمبر (۱/۵۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:
نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: بیشک سچ (انسان کو) نکوکاری کا راستہ بتلاتا ہے اور نکوکاری یقیناً (انسان کو) جنت میں پہنچا دیتی ہے اور بیشک آدمی سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کے ہاں (اس کا نام) صدیقین میں لکھ دیا جاتا ہے (اسکے برعکس) جھوٹ (انسان کو) بدکاری کا راستہ بتلاتا ہے اور بدکاری یقیناً (انسان کو) جہنم میں پہنچا دیتی ہے اور بیشک آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہانتک کہ اللہ کے ہاں (اُسکا نام) کذابین۔ بڑے جھوٹوں۔ میں لکھ دیا جاتا ہے۔

تشریح!

صادقین سے صدیقین تک، کاذبین سے کذابین تک۔

اس حدیث میں صدق (سچ بولنے) کے اس فائدہ کو واضح کیا ہے جس کی طرف آیت کریمہ نمبر (۶) میں اشارہ فرمایا ہے۔ نیز اسکے برعکس کذب (جھوٹ بولنے) کی اس مضرت کو ظاہر فرمایا ہے جس کی بنا پر جھوٹا آدمی عذاب اور سزا کا مستحق ہو جاتا ہے: نیز یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ قول اور فعل میں سچائی اختیار کرنے اور عادت ڈالنے کا ثمرہ یہ ہے کہ انسان صادقین کے درجہ سے ترقی کر کے صدیقین کے مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے جن کا مقام اللہ کے ہاں

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد ہے جس کی تفصیل آپ آیت کریمہ نمبر (۷) کے فائدہ میں پڑھ چکے ہیں اسکے برعکس جھوٹ اور اسکی عادت کا اندازہ کیجئے کہ جھوٹ کی جرأت پیدا ہو جانے کے بعد بے شمار گناہوں اور جرموں کی راہ ہموار ہو جاتی ہے انسان بڑے سے بڑے گناہ اور جرم کا ارتکاب کرنے سے بھی نہیں جھجکتا محض اس بنیاد پر کہ اگر بات کھلی تو میں صاف انکار کر دوں گا۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ دنیا میں بھی ذلیل و خوار اور رسوا ہوتا ہے اپنے کئے کی سزا بھگتا ہے اور آخرت میں تو جہنم کا عذاب اسکے لئے ہے ہی۔ اسی لئے جلّ جلالہ کے ہاں ایسے عادی جھوٹے کا نام کذابین میں لکھ دیا جاتا ہے اور اس کا مقام جہنم کا سب سے نچلا طبقہ۔ منافقین کا خاص مقام ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

منافقین کی نشانیاں

اسی لئے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی علامت بتلائی ہے اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ، وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ ۔ جب بھی بات کرے جھوٹ بولے، اور جب بھی وعدہ کرے اسکا خلاف کرے، اور جب بھی کسی سے عہد کرے تو عہد شکنی کرے۔ پہلی صفت صدق فی القول کے منافی اور کذب فی القول ہے دوسری اور تیسری صفت صدق فی الفعل کی ضد اور کذب فی الفعل ہے۔

صدق اور کذب کا خاصہ

یہ صدق اور کذب - سچ اور جھوٹ - کی دینی اور اُخروی منفعت اور مضرت ہوئی۔ حدیث ذیل میں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدق اور کذب کا ایک ایسا خاصہ (خاص وصف) بیان فرمایا ہے جو دنیا اور آخرت دونوں میں پایا جاتا ہے:

اَلصِّدْقُ يُنْجِىْ وَالْكِذْبُ يُهْلِكُ سچ نجات دیتا ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے

یعنی صدق نجات کا ذریعہ ہے اور کذب ہلاکت کا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ دنیا کے واقعات اور تجربات شاہد ہیں کہ سچ بولنے کی عادت دنیوی زندگی میں بھی انسان کی قدر و منزلت اور عزت و سرخروئی کا سبب بنتی ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی صدیقین کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے اسکے برعکس جھوٹ بولنے کی عادت دنیا میں بھی ذلت و خواری اور رسوائی کا موجب ہوتی ہے اور آخرت میں تو جھوٹے منافقوں کے ساتھ اس کا حشر ہو گا ہی۔ اگرچہ سچ بولنے کی وجہ سے دنیوی اور مادی اعتبار سے کچھ نقصان ہی کیوں نہ اٹھانا پڑے، اور جھوٹا آدمی جھوٹ بول کر دنیوی اعتبار سے کچھ منفعت ہی کیوں نہ حاصل کر لے۔ حتی کہ سچے آدمی کی تو "موت" بھی باعزت موت سمجھی جاتی ہے اور جھوٹے آدمی کی سلامتی اور زندگی" بھی لعنت اور پھٹکار کی زندگی سمجھی جاتی ہے لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ جھوٹے آدمی کیلئے دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی

ایک قیمتی نصیحت حدیث نمبر (۲/۵۶)

حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

مجھے اپنے نانا خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک قیمتی نصیحت خوب اچھی طرح یاد ہے

آپ نے ارشاد فرمایا: جس بات میں شک یا تردّد ہو اسکو چھوڑ دو اور جس میں کوئی شک وشبہ یا تردّد نہ ہو اس کو اختیار کرو (تاکہ جھوٹا بننے کا امکان نہ رہے) اس لئے کہ سچ قلبی اطمینان کا نام ہے اور جھوٹ بے اطمینانی اور تردّد کا۔

تشریح!

کسی بات کے سچ یا جھوٹ ہونے کی پہچان

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سچ کی نہایت اہم پہچان بتلائی ہے وہ ہے "اطمینان قلب" جسکو اردو محاورے میں کہتے ہیں "دل ٹھکنا" یعنی جس بات پر دل ٹھکے اسکو سچ سمجھو اور جس پر دل مطمئن نہ ہو اسکو سچ مت سمجھو۔ بسا اوقات کوئی بات بظاہر جھوٹی نہیں معلوم ہوتی مگر دل اس پر نہیں ٹھکتا تو احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ اس بات کو باور بھی نہ کرو، اور جھٹلاؤ بھی مت، وقت گزرنے پر پتہ مل جاتا ہے کہ واقعہ کیا تھا۔

مومن کا دل۔

خاصکر ایک مومن کامل کے قلب کے متعلق تو سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے: اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّہٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہِ ایک مومن کی فراستِ قلبی سے ہوشیار رہو اسلئے کہ وہ اللہ جل شانہٗ کے نور سے دیکھتا ہے۔

شریعت کا حکم۔

شرعاً بھی کسی بات کو سنکر بلاتحقیق بیان کردینا ممنوع ہے اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل ع ۴) جس بات کا علم (یقین) نہ ہو اسکے پیچھے مت پڑو، بیشک (انسان کے) کان، آنکھیں اور دل ان میں سے ہر ایک سے باز پرس ہونی ہے۔

اسی لئے جو لوگ سچ بولنے کا اہتمام کرتے ہیں وہ کبھی اطمینان کئے بغیر بات نہیں کہتے اگر کہنا ہی پڑ جائے تو اپنی بے اطمینانی کا اظہار کر دیتے ہیں۔

صدق کا رتبہ اور مقام

حدیث نمبر (۳/۵۷)

حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے زمانہ میں رومی بادشاہ ہرقل سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اپنی ملاقات اور گفتگو کا قصہ ایک طویل حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ:

ہرقل نے ابوسفیان سے دریافت کیا کہ: تمہیں وہ نبی کس بات کا حکم دیتا ہے؟

ابوسفیان کہتے ہیں: میں نے جواب دیا وہ نبی کہتا ہے: صرف اللہ جل جلالہ کی عبادت کرو اور کسی بھی چیز کو اس کا شریک مت گردانو اور تمہارے باپ دادا جو (شرکیہ باتیں کرتے اور) کہتے چلے آئے ہیں ان سب کو بالکل چھوڑ دو اور وہ نبی ہمیں نماز (پڑھنے) کا حکم دیتا ہے اور سچ (بولنے) کا، پاکدامنی (اختیار کرنے) کا اور صلہ رحمی (کرنے) کا حکم دیتا ہے۔

تشریح!

سچ بولنا نبیوں کا شیوہ ہے

صدق درحقیقت انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی صفات عالیہ میں سے ہے اور تمام انبیاء سابقین کی تعلیمات میں صدق کو ایک متفق علیہ۔ مسلّم اور مانی ہوئی ۔ فضیلت کا مقام حاصل ہے رومی بادشاہ ہرقل اس حقیقت کو جانتا تھا اسی لئے وہ آپ کے امر بالصدق ۔ سچ بولنے کے حکم ۔ کو آپ کے نبی برحق ہونے کی دلیل قرار دیتا ہے نہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام بلکہ دنیا کے تمام حکماء اور علماء اخلاق بھی صدق کو انسانی کمالات و فضائل میں سرنہرست ۔ اول نمبر ۔ شمار کرتے ہیں۔

سچے دل سے کسی بات کے کہنے یا دعا مانگنے کا ثمرہ حدیث نمبر (۴/۵۸)

حضرت ابوثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص اللہ جل جلالہ سے سچ مچ (صدق دل سے) شہادت کے درجہ کی دعا مانگتا ہے اللہ جل جلالہ اس کو شہیدوں کے مرتبہ پر پہنچا دیتے ہیں اگرچہ بستر پر پڑ کر ہی اس کو موت آئے۔

تشریح!

صدق فعلی (عملی سچ) کا بیان

یہ صدق فعلی ہے جس کو اردو میں سچے دل سے دعا مانگنا یا کسی سے وعدہ کرنا کہتے ہیں جس کا دوسرا نام اخلاص ہے دیکھئے اللہ جل جلالہ کے ہاں اس کی کتنی قدر ہے کہ لڑائی کے میدان میں شہید ہوئے بغیر ہی محض صدق و اخلاص کی بنا پر اتنا بلند مرتبہ عطا فرما دیتے ہیں اسی لئے مسنون دعاؤں میں ایک دعا ہے۔ یہ دعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ مَوْتًا فِیْ بَلَدِ نَبِیِّكَ وَ اے اللہ تو مجھے اپنے نبی کے شہر (مدینہ) میں موت عطا فرما اور

شَہَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ اپنی راہ (جہاد) میں شہادت عطا فرما۔

آپ بھی صدق دل سے یہ دعا مانگا کیجئے۔

ایک نبی علیہ السلام کی اُمت کا واقعہ | حدیث نمبر (۵۹/۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :۔

مخبر صادق ﷺ نے بتلایا کہ پہلے نبیوں میں سے ایک نبی نے ـــــ صَلَوَاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَعَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ ـــــ ایک مرتبہ جل جلالہ کی راہ میں جہاد کرنے کا ارادہ کیا تو اُس نے اپنی قوم (اُمت) میں اعلان کرایا کہ تم میں سے جس شخص نے شادی کی ہو مگر ابھی تک شب زفاف کی نوبت نہ آئی ہو بلکہ اُسکی تیاری کر رہا ہو، وہ اس جہاد میں شریک نہ ہو اور نہ کوئی ایسا شخص شریک ہو جو مکان تعمیر کرا رہا ہو مگر ابھی تک اُسکی چھتیں نہ پڑی ہوں، اور نہ کوئی ایسا شخص میرے ساتھ اس جہاد میں جائے جس نے گابھن بھیڑ بکریاں، اونٹنیاں خریدی ہوں مگر اُن کے بچے ابھی پیدا نہ ہوئے ہوں، بلکہ انتظار میں ہو، چنانچہ وہ نبی علیہ السلام (ایسے فارغ البالی اور یکسوئی کے مالک مخلص غازیوں کے ہمراہ جن کے لئے طبعی اور فطری طور پر اخلاص میں رخنہ اندازی کرنے والا کوئی امر مانع نہ تھا) دشمنوں سے لڑنے کے لئے روانہ ہوئے تو دشمنوں کی ایک بستی پر عصر کی نماز کے وقت یا اسکے قریب قریب پہنچے تو اُنہوں نے سورج سے خطاب کرکے کہا: (اے سورج) تو بھی (اپنے نظام حرکت کو جاری رکھنے پر) مامور ہے اور میں بھی (غروب سے پہلے اس بستی کو فتح کر لینے پر) مامور ہوں (اس کے بعد اللہ سے دُعا کی) اے اللہ تو سورج کو روک دے (تاکہ میں تیرے حکم کی تعمیل کر سکوں) چنانچہ سورج کو روک دیا گیا یہاں تک کہ اللہ نے اس بستی کو (سورج ڈوبنے سے پہلے) فتح کرا دیا۔

پہلی اُمتوں میں مالِ غنیمت کا حکم | تو نبی علیہ السلام نے (نماز کے بعد) تمام مالِ غنیمت (دشمنوں کا مال) ایک اُونچے مقام پر جمع کر دیا تو (حسبِ معمول) اس مالِ غنیمت کو کھا جانے (جلا کر راکھ کر دینے) کے لئے (آسمان سے) آگ آئی مگر اُس نے اس مال کو نہ کھایا (اور چھوڑ کر واپس چلی گئی) تو نبی علیہ السلام نے فرمایا: یقیناً تم لوگوں میں سے کسی نے مالِ غنیمت میں خیانت کی ہے لہٰذا تم میں سے ہر قبیلہ کا ایک آدمی (سردار یا نمائندہ) آکر میرے ہاتھ پر بیعت کرے چنانچہ ایک قبیلہ کے آدمی (نمائندے) کا ہاتھ اُن کے ہاتھ سے چپک گیا تو اُنھوں نے فرمایا: تمہارے قبیلہ میں خیانت ہے لہٰذا تمہارے قبیلہ کا ہر آدمی فرداً فرداً مجھ سے آکر بیعت کرے۔ چنانچہ ایک آدمی یا دو تین آدمیوں کے ہاتھ چپک گئے (اور چور پکڑا گیا) تب وہ گائے کے سر کے برابر سونے کا سر (ڈلا) لائے تو اس سونے کو (مالِ غنیمت کے اوپر) رکھا تب آگ آئی اور سب مال کھا گئی (جلا ڈالا)

اس اُمت کی خصوصیت | نبی رحمت ﷺ فرماتے ہیں: ہم سے پہلے کسی اُمت کیلئے مالِ غنیمت حلال نہیں ہوا جل شانہ نے محض اپنے فضل و کرم سے ہماری کمزوری اور عاجزی کی بنا پر ہمارے (اُمتِ محمدیہ کے) لئے اموال غنیمت حلال کر دیئے ہیں۔

تشریح!

جھوٹ بولنے کی عبرتناک سزا

دیکھیے جھوٹ بولنے والوں کو جل شانہ نے کس طرح رسوا کیا۔ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے جل شانہ جلد یا بدیر جھوٹ بولنے والوں کا جھوٹ کسی نہ کسی طرح کھول دیتے ہیں اور رسوا کر دیتے ہیں۔

یہ نبی کون تھے۔

اس حدیث میں اُن اسرائیلی نبی علیہ السلام اور اس بستی کا نام مذکور نہیں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی

حدیثِ ذیل سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی غالباً حضرت یوشع علیہ السلام ہی ہیں اور یہ بستی بیت المقدس ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مخبرِ صادق ﷺ نے فرمایا: سورج جب سے یوشع بن نون (علیہ السلام) کے لئے روکا گیا ہے پھر اور کسی کے لئے نہیں روکا گیا، جب وہ بیت المقدس کی طرف (جہاد کے لئے) گئے تھے۔

نبیِ رحمت ﷺ کی رحمت اور برکت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ کی مذکورہ بالا روایت میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

پہلی اُمتوں میں زکوٰۃ و صدقات کی طرح اموالِ غنیمت بھی کسی کے لئے حلال نہ تھے بلکہ آگ آتی تھی اور انکو جلا ڈالتی تھی یہ صرف نبیِ رحمت ﷺ کی اُمت۔ بہترین اُمت۔ کی خصوصیت ہے کہ زکوٰۃ و صدقات (فقراء اور محتاجوں کے لئے اور اموالِ غنیمت غازیوں اور دوسرے ضرورتمندوں کے لئے یا مصارفِ خیر میں خرچ کرنے کے لئے) حلال کر دیئے گئے کتنی بڑی رحمت اور نعمت ہے۔

کن لوگوں کو جہاد میں ساتھ نہیں لیجانا چاہیئے اور کیوں

حضرت یوشع علیہ السلام نے مذکورہ بالا تینوں قسم کے لوگوں کو اپنے ساتھ جہاد میں چلنے سے اس لئے منع فرمایا تھا کہ ان تینوں قسم کے لوگوں کے لئے ایک جائز امر اور وقتی عذر سفر کرنے سے مانع موجود تھا اگر وہ جہاد میں جاتے بھی تب بھی اُن کو فطری طور پر وہ طمانیت اور یکسوئی یعنی اخلاص اور توجہ الی اللہ میسر نہ آتا جس کی جہاد میں اشد ضرورت ہے فتح و نصرت ﷻ کی جانب سے مخلصین ہی کے لئے آتی ہے مجاہدین کے لشکر میں دو چار یا دس پانچ ایسے لوگوں کا وجود بھی مُضر ہے جو خلوص اور توجہ الی اللہ سے محروم ہوں۔

ہماری اُمت کے لئے حکم

شریعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں امیر المسلمین کی طرف سے اعلان جہاد کی دو صورتیں ہیں (۱) ایک نفیرِ عام۔ جہاد میں چلنے کا عام حکم۔ اس صورت میں بجز ان دائمی اور مستقل معذور لوگوں کے جو لڑائی میں کام آ ہی نہیں سکتے۔ جیسے اپاہج، نابینا وغیرہ۔ اور ہر بالغ اور توانا و تندرست مرد کیلئے بلا استثناء جہاد میں شرکت ضروری ہے (۲) دوسرے نفیرِ خاص۔ جہاد کا خاص حکم۔ اس صورت میں امیر المسلمین اپنی صوابدید اور اختیار سے ضرورت سے زاید بالغ اور توانا و تندرست لوگوں کو بھی جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ تفصیل کے لئے قرآن، حدیث اور کتبِ فقہ کی مراجعت کیجئے۔

سورج کا رُک جانا

ایک قادرِ مطلق خالقِ کائنات ﷻ کی قدرت و حکمت پر ایمان رکھنے والے مسلمان کے نزدیک سورج کا زمین کے گرد یا زمین کا سورج کے گرد گھومنا اور حرکت کرنا یعنی "وقت کی رفتار" محض ﷻ کے حکم سے جاری ہے وہ اس کو مستقل طور پر یا وقتی طور پر جب چاہے روک سکتا ہے اسلئے کہ اس مدبرِ کائنات ﷻ کے جس امرِ تکوینی کے تحت یہ نظامِ شمسی حرکت کر رہا ہے اس کی شان یہ ہے ارشاد ہے:

إِنَّمَا أَمْرُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (یٰسین ۵۶)	اسکے سوا نہیں کہ ہمارا امر (حکم) کسی چیز کے (وجود میں آنے کے) لیے جب ہم اسکا ارادہ کر لیں تو (صرف) یہ (ہوتا) ہے کہ ہم اس کو کہہ دیں "ہو جا" وہ (فوراً) ہو جاتی ہے۔

یہ لفظ کن کہنا بھی انسانوں کو سمجھانے کے لئے ہے ورنہ "کن" کہنے کی بھی گنجائش نہیں صرف آنکھ کا اشارہ ہی کافی ہوتا ہے ارشاد ہے: وَمَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍ بِالْبَصَرِ (القمر ۴) اور ہمارا امر (حکم) تو (بس) ایک (اشارہ) ہوتا ہے جیسے نگاہ اٹھا کر دیکھ لینا لہٰذا اس نظام شمسی کی حرکت کو وقتی طور پر یا مستقل طور پر روک دینے کے لئے خالقِ کائنات کا اشارہ کافی ہے اور صادق مصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ وحی ترجمان زبان مبارک یوشع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے سورج کے رک جانے کی خبر دے رہی ہے جو بغیر وحی الٰہی کے ملتی ہی نہیں ارشاد ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم ۱۴)	اور وہ (تمہارے نبی) اپنی طرف سے مطلق نہیں بولتے وہ (جو کچھ بولتے اور کہتے ہیں وہ) تو وحی ہوتی ہے جو اُن کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

لہٰذا خالقِ کائنات کی عقل انسانی کی رسائی سے خارج قدرت پر اور اسکے معصوم القول (جس کی بات جھوٹ اور غلطی سے پاک ہو) رسول ﷺ کی حدیث پر سچے دل سے ایمان رکھنے والے "خدا پرستوں" کے لئے اس "نظام شمسی" کی حرکت یعنی "وقت کی رفتار" کے رک جانے کو تسلیم کرنے میں ذرہ برابر شک و شبہ یا تردد نہیں ہو سکتا۔ جو اس میں شک یا تردد کرے وہ خدا کا "پرستار" نہیں بلکہ عقل کا "پرستار" ہے اس سے ہمیں واسطہ نہیں۔

دنیوی معاملات خرید و فروخت وغیرہ میں بھی سچ بولنا ضروری ہے۔

حدیث نمبر (۶/۶)

حضرت ابو خالد حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے (قاعدہ مقرر) فرمایا ہے کہ: بائع اور مشتری (بیچنے والا اور خریدنے والا) دونوں کو (بیچنے نہ بیچنے، خریدنے نہ خریدنے کا) اختیار رہتا ہے جب تک کہ وہ ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں پس اگر ان دونوں نے سچ بولا (اور مال کے عیب دار یا بے عیب ہونے کو ظاہر کر دیا) اور بتلا دیا (کہ یہ مال ایسا ہے) تو اُن کے اس سودے میں دونوں کے لئے برکت عطا فرما دی جائے گی اور اگر (عیب کو) چھپایا (اور جھوٹ بولا) تو ان دونوں کے سودے کی برکت مٹا دی جائے گی۔

تشریح!

دنیوی معاملات میں جھوٹ بولنا گناہ در گناہ ہے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح دینی امور میں سچ بولنا ضروری ہے اسی طرح دنیوی امور اور معاملات میں بھی سچ بولنا ضروری ہے بلکہ دنیوی امور اور معاملات میں ـــ لین دین میں، خرید و فروخت وغیرہ میں۔ جھوٹ تو صرف جھوٹ ہی نہیں بلکہ دھوکہ دہی اور ضرر رسانی بھی ہے اور حقوق اللہ سے متعلق نہیں کہ توبہ و استغفار سے معاف ہو جائے بلکہ حقوق العباد سے تعلق رکھتا ہے اسلئے جب تک متعلقہ شخص یا اشخاص کا حق ادا نہ کیا جائے اور نقصان کی تلافی نہ کی جائے یا معاف نہ کرایا جائے اسوقت تک اسکی سزا سے بچنا ممکن نہیں۔

ہمارے معاشرہ کی حالت

ہمارے موجودہ معاشرہ میں ویسے تو تمام ہی دنیاوی امور خصوصاً لین دین خرید و فروخت وغیرہ سر تا سر جھوٹ دھوکے اور فریب پر چل رہے ہیں مگر بدقسمتی سے جو لوگ روزہ نماز کے پابند ہیں اور دیانتدار و پرہیز گار کہلاتے ہیں وہ بھی ان معاملات میں جھوٹ بولنے کو جھوٹ ہی نہیں سمجھتے، چیز دوکان پر ہو گی اور کہہ دینگے نہیں ہے، نقلی چیز ہو گی بلا تکلف اسکو اصلی تبلا دینگے علیٰ ہذا القیاس۔

اس حدیث سے کیا سبق لینا چاہیئے

اس حدیث سے ہماری آنکھیں کھل جانی چاہئیں اور عہد کر لینا چاہیئے کہ کسی بھی معاملہ میں کسی بھی صورت میں جھوٹ ہرگز نہ بولیں گے چاہے سچ بولنے میں کتنا ہی نقصان ہو، دشواریاں پیش آئیں نقصان اٹھانے پڑیں ناراضگیاں مول لینی پڑیں۔ اگر ہم صدق دل سے یہ عہد کرینگے اور اسپر قائم رہینگے تو جل جلالہ ضرور ہماری مدد فرمائینگے یا نقصانات سے بالکل ہی بچا دینگے یا انکی تلافی فرما دینگے، یہی مطلب ہے حدیث کے فقرہ بُورِكَ لَهُمَا فِيهِ کا۔

باب ۵
مراقبہ (نگرانی) کے بیان میں

تشریح!

مراقبہ کے معنی اور اسکی تشریح نیز آیات و احادیث کا مراقبہ سے تعلق

مراقبہ کے لفظی معنی ہیں "نگرانی کرنا" یعنی کسی کے ہر نیک و بد، اچھے بُرے، قول و فعل اور نقل و حرکت سے پوری طرح باخبر رہنا اور ان کو محفوظ رکھنا تاکہ اچھے اور نیک کاموں کا صلہ اور جزائے خیر دی جاسکے اور بُرے اور بد کاموں کی سزا دی جاسکے۔
اس نگرانی کے موثر اور نتیجہ خیز ہونے کے لئے نگرانی کرنے والے میں تین وصف پائے جانے ضروری ہیں (۱) اول اُس شخص پر نگرانی کرنے والے کا کامل استحقاق ہو جس کی وہ نگرانی کرتا ہے (۲) دوسرے اس شخص کے ہر ہر قول و فعل اور نقل و حرکت کا اس نگران کو ایسا پختہ اور یقینی علم ہو اور وہ ایسا باخبر ہو کہ کتنا ہی چوری چھپے، تنہائیوں، پردوں اور تہ خانوں میں چھپ کر بھی کچھ کیا جائے اس یقین کے ساتھ کہ یہاں نہ کوئی دیکھنے والا ہے نہ ہی کسی کو اس حرکت کی کسی طرح خبر ہو سکتی ہے، تب بھی اس نگرانی کرنے والے کو اس کا پورا پورا علم ہو جائے اور اس سے چھپا درہ سکے (۳) تیسرے نگرانی کرنے والے کو ہر اچھے بُرے، نیک و بد کام اور فرمانبرداری و نافرمانی کی جزا اور سزا دینے کی کامل قدرت اور مکمل اختیار حاصل ہو۔ اس قدرت و اختیار کا جتنا پختہ علم اور یقین ہو گا اسی قدر اس نگران کا خوف اس شخص پر غالب اور مسلط ہو گا اسی قدر بدی اور بدکاری اور اس نگران کی نافرمانی و ناراضگی سے ڈرے گا، ہر وقت اور ہر کام میں پوری احتیاط رکھے گا کہ کوئی قول و فعل اور نقل و حرکت نگران کے منشا اور حکم کے خلاف سرزد نہ ہو جائے۔

خدائے قدوس کی ذات و صفات پر اعتقاد و ایمان رکھنے والے ہر مسلمان کا عقیدہ اور ایمان ہے کہ یہ تینوں وصف اللہ جل جلالہ کی ذات سے بڑھ کر کسی اور ہستی میں تصور بھی نہیں کئے جاسکتے۔ وہ نہ صرف انسانوں کا بلکہ تمام کائنات کا خالق و مالک، مَالِكُ الْمُلْكِ رَبُّ الْعَالَمِينَ ہے۔ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ (جو بھی ارادہ کرے فوراً کر گذرے) اسکی شان ہے، وہ نہ صرف انسانوں کے قول و فعل، بلکہ دل میں چھپے ہوئے خیالات، نیتوں اور ارادوں سے بھی رتی رتی واقف اور باخبر ہے اسکو دنیا اور آخرت دونوں میں جزا اور سزا دینے کی ایسی کامل قدرت حاصل ہے کہ اسکے دائرۂ اختیار اور حدود قدرت سے کوئی بھی انسان، کسی بھی صورت میں باہر نہیں ہو سکتا۔ اسکے قہر و غضب سے نہ زمین میں پناہ مل سکتی ہے نہ آسمان میں، نہ ہی کوئی کسی کو اُس کے قہر و غضب سے بچا سکتا ہے۔ اللہ جل شانہ کے یہی تینوں اوصاف مندرجہ ذیل آیات و احادیث میں مذکور ہیں۔ اسی لئے اللہ جل شانہ کے مقدس ناموں میں ایک نام رقیب بھی ہے جسکے معنی ہیں "نگران" یا "نگرانی کرنے والا"۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہ نام آیا ہے۔

اللہ جل شانہ کے فرشتے بھی نگرانی کرتے ہیں

یاد رکھئے حقیقی اور اصلی رقیب ۔ نگرانی کرنے والا ۔ تو اللہ جل شانہ ہی ہے مگر تکوینی مصالح کے تحت اس نظام کائنات کے نظم و ضبط کو برقرار رکھنے کے لئے اللہ جل شانہ نے اپنے مقرب و معتمد فرشتوں کو بھی اس نگرانی کے مختلف شعبے سپرد کر رکھے ہیں قرآن مجید میں ان فرشتوں کا ذکر کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ۔ معزز لکھنے والے فرشتے ۔ اور رقیبٌ عَتِیْدٌ ۔ ہر وقت تیار نگران فرشتے ۔ وغیرہ ناموں سے آیا ہے مراقبہ کے متعلق اس مختصر سے توضیحی بیان کی روشنی میں اس باب میں درج شدہ آیات واحادیث کو پڑھیئے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ بہت مفید ہوگا ۔

قرآن عظیم

(۱) اَلَّذِیْ یَرَاکَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَکَ فِی السَّاجِدِیْنَ ۔ (الشعراء ع ۱۱)

(۱) وہ (تیرا رب) جو تجھے دیکھتا رہتا ہے جب تو (نماز میں) کھڑا ہوتا ہے اور سجدہ کرنے والوں میں تیری نقل و حرکت (رکوع و سجود) کو بھی ۔

(۲) وَھُوَ مَعَکُمْ اَیْنَمَا کُنْتُمْ (الحدید ع ۱)

(۲) اور وہ (تمہارا پروردگار) تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو ۔

(۳) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ (آل عمران ع ۱)

(۳) بیشک (اے سرکش انسانوں) اللہ سے کوئی چیز بھی چھپی نہیں رہتی نہ زمین میں اور نہ آسمان میں ۔

(۴) اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ (الفجر ع ۱)

(۴) بیشک (اے سرکش انسان) تیرا رب (تیری) گھات میں (لگا ہوا) ہے ۔

(۵) یَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْیُنِ وَمَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ (المومن ع ۲)

(۵) وہ (خالق کائنات) جانتا ہے آنکھوں کی خیانتوں (چوریوں) کو اور ان نیتوں اور ارادوں کو بھی جو سینوں میں چھپے ہوتے ہیں ۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : ان (پانچ) آیات کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات قرآن کریم میں (مراقبہ سے متعلق) موجود ہیں ۔

مراقبہ سے متعلق چند اور اہم آیات

ہم مراقبہ کے مضمون کی تکمیل اور اسکی اہمیت پر مزید روشنی ڈالنے کی غرض سے قرآن کریم کی چند آیات اور پیش کرتے ہیں

(۶) اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا (سورہ نساء ع ۱)

(۶) بیشک اللہ تم پر نگران ہے ۔

(۷) وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِہٖ نَفْسُہٗ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ق ع ۱)

(۷) اور بیشک ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم ہی جانتے ہیں ان وسوسوں کو جو اس کا نفس اسکے دل میں ڈالتا رہتا ہے اور ہم تو اسکی شہ رگ سے بھی زیادہ اسکے قریب ہیں ۔

(۸) اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ

(۸) جب دو لینے والے (لکھنے والے) فرشتے لیتے (لکھتے) رہتے ہیں

وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ (ق ع ۱)	دائیں اور بائیں جانب بیٹھے ہوئے جو بھی لفظ وہ بولتا ہے اس کے پاس ایک نگران (فرشتہ) ضرور ہوتا ہے (وہ فوراً لکھ لیتا ہے)
(۹) يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمٰوٰتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ (لقمان ع ۲)	(۹) اے میرے بچے! بیشک وہ (نیکی یا بدی) اگر رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو پھر (چاہے) وہ کسی چٹان کے اندر (چھپی) ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین (کی تہوں) میں (چھپی) ہو اللہ اسکو (حساب کے وقت) ضرور لے آئیگا بیشک اللہ بہت باریک بین اور باخبر ہے۔
(۱۰) وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ كِرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ (الانفطار ۱۶)	(۱۰) اور بیشک تم پر (ہمارے) پاسبان (مقرر) ہیں معزز لکھنے والے جو بھی تم کرتے ہو، وہ اسکو خوب جانتے ہیں۔
(۱۱) إِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (الطارق ع ۱)	(۱۱) ہر ایک نفس (متنفس) پر یقیناً ایک پاسبان (فرشتہ) مقرر ہے۔
(۱۲) وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (البقرہ ع ۴۰)	(۱۲) جو تمہارے دلوں میں ہے چاہے تم اسکو ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب ضرور لے گا۔
(۱۳) وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ (البقرہ ع ۳۹)	(۱۳) اور جس شخص نے اس (شہادت) کو چھپایا تو بیشک اس کا دل گنہگار ہے۔ اور اللہ جو تم کرتے ہو خوب جانتا ہے۔
(۱۴) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ٥ (الحشر ع)	(۱۴) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر نفس (متنفس) کو چاہیئے کہ وہ دیکھے (اور جائزہ لے) کہ اس نے کل کے لئے (قیامت کے دن کے لئے) کیا کچھ کیا ہے اور اللہ (کی نافرمانی) سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ تمہارے اعمال سے اچھی طرح باخبر ہے۔

مراقبہ کے لئے محاسبہ لازم ہے!

اسلئے کہ جزا و سزا دینے کی غرض سے ہر شخص کے اچھے برے نیک بد قول و فعل اور نکوکاری و بدکاری فرمانبرداری و نافرمانی کی نگرانی کا لازمی تقاضہ ہے کہ یوم جزا و سزا (قیامت کے دن) تک ہر شخص کی نیکی بدی اور فرمانبرداری و نافرمانی کا رتی رتی حساب مع ثبوت و شہادت محفوظ رکھا جائے اور یوم الحساب (حساب و کتاب کے دن) میں اسی کے مطابق جزا و سزا دی جائے یہی شان باری تعالیٰ کے عدل و انصاف کا تقاضہ ہے اسکے مقدس ناموں میں سے ایک نام مقسط بڑا ہی انصاف کرنے والا بھی ہے اسی لئے ارشاد ہے:

يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ (زلزال)	اس (جزا و سزا کے) دن متفرق (قسم کے) لوگ آئینگے تاکہ اپنے اعمال (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیں پس جس شخص نے ذرہ برابر بھی نیک کام کیا ہوگا وہ اسکو دیکھ لیگا اور جس شخص نے ذرہ برابر بھی برا کام کیا ہوگا وہ اسکو بھی دیکھ لے گا (اور موجود پائیگا)

اسی لئے اسلامی عقائد کی رو سے مراقبہ کے ساتھ محاسبہ اور یوم الحساب لازم اور لابدی ہے۔ قیامت کے دن تو یہ حساب ﷻ لیں گے ہی، نبی رحمت فداہ ابی و امی ــــ میرے ماں باپ اُن پر قربان ــــ حضور ﷺ نے ازراہِ رحمت و رافت اپنی اُمت کو اسی زندگی میں خود اپنے نیک و بد اقوال و افعال اور نکوکاری و بدکاری کا محاسبہ کرنے اور جائزہ لینے کی ہدایت فرمائی ہے تاکہ ہر مسلمان اس یوم حساب سے پہلے اپنے اعمال کا جائزہ لیتا رہے، ارشاد ہے:

اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهُ وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ

زیرک (اور عاقبت اندیش) وہ شخص ہے جس نے خود اپنے اعمال کا جائزہ لیا اور مرنے کے بعد کام آنیوالے کام کئے اور عاجز (ناکارہ) وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کی خواہشات و اغراض کے پیچھے عمر گنوادی (اور آخرت کے لئے کچھ نہیں کیا) اور اس پر بھی اللہ سے اُمیدیں باندھتا رہا۔

محاسبہ کا فائدہ

کیونکہ اس زندگی میں تو تمام تر بداعمالیوں اور نافرمانیوں کی تلافی ہو سکتی ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہے غفور و رحیم پروردگار اعلان کر رہا ہے:

یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (الزمر ع ۶)

اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر تعدی کی ہے (اور گناہوں بدکاریوں کا ارتکاب کر کے انکو جہنم کا ایندھن بنالیا ہے) تم اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو بیشک اللہ (توبہ کرنے والوں کے) سب کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔

علاوہ ازیں نیک کاموں کے ذریعہ بھی بُرے کاموں کی تلافی ہو سکتی ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (هود ع ۱۰) بیشک اچھے کام بُرے کاموں کا ازالہ کر دیتے ہیں۔

اس محاسبہ اور خود اپنے اعمال کا جائزہ لینے کو بھی مراقبہ کہا جاتا ہے آیت کریمہ نمبر (۴) میں محاسبہ کا حکم دیا گیا ہے اور اسکے بعد کی آیات میں اس جائزہ نہ لینے کے خطرناک نتیجہ "خدا فراموشی" اور اسکی تباہ کن سزا "خود فراموشی" سے بھی آگاہ فرمایا ہے مراجعت کیجئے (سورہ الحشر ع ۳)

دنیوی امور میں محاسبہ کا عظیم فائدہ

یہ محاسبہ جس طرح اللہ کی عبادت و طاعت اور دینی فرائض کے انجام دینے میں، اور اُن کے ذریعہ قربِ خداوندی حاصل کرنے میں بیحد نافع اور مفید ہے اسی طرح دنیوی معاملات اور کاروباری امور مثلاً تجارت، زراعت، ملازمت وغیرہ کو کامیاب طریق پر انجام دے کر دنیاوی منافع حاصل کرنے اور نقصانات سے بچنے یا اُن کی تلافی کرنے کے بارے میں بھی غایت درجہ مفید ہے۔

روزانہ محاسبہ کا طریقہ

لعزاز سونے سے پہلے بستر پر لیٹ کر آنکھیں بند کر کے اپنے دن بھر کے کئے ہوئے دینی اور دنیوی کاموں کا جائزہ لے کر اور دوسرے دن اس جائزہ کی روشنی میں کام کر کے دیکھئے انشاء اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں کے اعتبار سے اس عمل،

کو انتہا درجہ مفید پائینگے۔

صوفیا کے ہاں مراقبہ

حضرات صوفیا اور ارباب باطن کے ہاں چونکہ دل میں غیر اللہ کا خیال اور تصور بھی مانع قرب الٰہی ہے اسلیئے تصوف کی اصطلاح میں قلب کو غیر اللہ۔ اللہ کے ماسوا۔ سے فارغ اور پاک کرنے کی غرض سے مراقبہ ایک اہم ترین ریاضت و عبادت ہے۔

تصوف کی اصطلاح میں مراقبہ کے معنی

تصوف کی اصطلاح میں مراقبہ کے معنی یہ ہیں کہ: زیادہ سے زیادہ یکسوئی کے وقت تنہائی میں آنکھیں بند کر کے ہمہ تن و ہمہ شعور جل جلالہ کی طرف متوجہ ہو کر اس طرح بیٹھنا کہ پورے یقین کے ساتھ یہ باور کرے کہ میں جل جلالہ کے حضور میں بیٹھا ہوں اور وہ مجھے اور میرے دل کو دیکھ رہے ہیں اور میرا دل اللہ اللہ کہہ رہا ہے اسی کا نام ذکر قلبی ہے یہ قلبی اور روحانی ریاضت یعنی یہ مراقبہ جس قدر اور جتنی دیر میسر اور ممکن ہو روزانہ کرنا چاہیئے۔

مشاہدہ

اس مراقبہ کی مواظبت اور روزانہ پابندی سے رفتہ رفتہ ترقی کر کے سالک مقام شہود پر پہنچ جاتا ہے یعنی ہر ہر عبادت خصوصاً مراقبہ کے وقت پورے یقین کے ساتھ یہ محسوس کرتا ہے کہ میں جل جلالہ کو دیکھ رہا ہوں اور وہ میرے سامنے ہے۔ پہلے مرتبہ کا نام مراقبہ ہے اور دوسرے مرتبہ کا نام مشاہدہ ہے احادیث کے بیان میں آپ حضرت جبرئیل علیہ السلام کی حدیث کے ذیل میں ان دونوں مرتبوں کا ذکر پڑھینگے۔ ظاہر ہے کہ یہ عبادت میں اخلاص کا آخری اور انتہائی مقام ہے جسکو حدیث جبریل میں احسان کے عنوان سے تعبیر کیا ہے۔

طریقت اور شریعت

واضح ہو کہ تصوف اور طریقت، شریعت سے کوئی علیحدہ اور جدا چیز نہیں ہے بلکہ شریعت کے آخری اور مطلوب مقام اخلاص تک پہنچنے کے طریقوں اور ریاضتوں کا نام تصوف یا طریقت ہے۔ یہ جملہ معترضہ تھا۔ اب ہم مراقبہ کے مضمون اور آیات قرآن عظیم سے اس کے ربط و تعلق پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں۔

آیات مراقبہ پر تبصرہ

مذکورہ بالا (۱۴) آیات یا اُن کے ترجمہ کو دوبارہ پڑھیئے اور مراقبہ سے انکا ربط اور تعلق سمجھیئے۔ دیکھیئے:

آیت نمبر (۶) میں جل جلالہ کے مقدس نام رقیب اور بندوں پر اسکی نگرانی کی تصریح ہے اور یہ آیت جل جلالہ کے نگران ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ آیت نمبر (۱) و (۲) میں رُؤیت (دیکھنے) اور معیّت (ساتھ ہونے) کے عنوان سے اس نگرانی کا ذکر فرمایا ہے آیت نمبر (۴) میں اس نگرانی کے آنکھوں سے اوجھل ہونے کا ذکر ہے۔

آیت نمبر (۳) و (۵) و (۷) و (۹) و (۱۲) و (۱۳) میں جل جلالہ کے خفیہ سے خفیہ نیکی یا بدی، اور دل کی گہرائیوں

میں چھپے ہوئے یا چھپائے ہوئے گناہوں اور ارادوں، نیتوں حتیٰ کہ وسوسوں تک سے بھی واقف اور باخبر ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔
آیت نمبر (۸) و (۱۰) و (۱۱) میں حق تعالیٰ کی جانب سے نگران اور پاسبان فرشتوں کے نگرانی کرنے اور فوراً کے فوراً ہر قول اور فعل کو لکھ لینے کا ذکر فرمایا ہے
آیت نمبر (۲) میں آخرت کے محاسبہ (حساب و کتاب) کی تصریح فرمائی ہے۔
آیت نمبر (۱۴) میں اسی زندگی میں ہر شخص کو اپنے اعمال کا خود محاسبہ کرتے رہنے اور جائزہ لیتے رہنے کی شدید تاکید فرمائی ہے۔

مراقبہ اور نگرانی کے زیادہ سے زیادہ مؤثر ہونے کے سلسلہ میں نگرانی کرنے والے کے اندر جن تین اوصاف کا ہم نے ذکر کیا ہے حق تعالیٰ کی ذاتِ مقدس کی ہر صفات ربوبیت، علم اور قدرت کا بھی ان آیات میں مختلف عنوانات سے بدرجہ اتم ذکر موجود ہے، دوبارہ آیات یا اُن کے ترجموں پر غور کیجئے۔
لہٰذا مراقبہ کا پورا مضمون سابق تشریح کے ساتھ قرآن عظیم کی مذکورہ بالا آیات سے قطعی طور پر ثابت ہے اسی غرض سے ہم نے مذکورہ آیات اور تشریحات کا اضافہ کیا ہے۔

ایمان، اسلام، احسان اور علاماتِ قیامت کا بیان حدیث نمبر (۱/۶۱)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:
ہم ایک دن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں ایک سفید براق لباس اور کالے سیاہ بالوں والا شخص نمودار ہوا، نہ اس پر سفر (اور مسافر ہونے) کے آثار ظاہر تھے (کہ ہم سمجھتے اجنبی مسافر ہے) نہ ہی ہم میں سے کوئی اسکو پہچانتا تھا (کہ اس کا مقامی آدمی اور شہری ہونا ظاہر ہوتا) یہاں تک کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح دو زانو بیٹھا کہ اس نے اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں سے ملا دیئے اور دونوں ہاتھ دونوں رانوں پر رکھ لئے، (جیسے کوئی مرید بیعت ہونے کے لئے پیر کے سامنے بیٹھتا ہے) اور کہا:
اے محمد! آپ مجھے بتلائیے کہ اسلام کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:
اسلام یہ ہے کہ تم (زبان سے) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

کی شہادت (گواہی) دو، نماز کو قائم کرو (پابندی کے ساتھ پنجوقتہ باجماعت نماز ادا کرو) زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو، بیت اللہ کا حج کرو۔" اس نووارد نے اس پر کہا: آپ نے سچ فرمایا" تو اس پر ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ ایسے عقیدتمندانہ انداز میں سوال بھی کرتا ہے اور تصدیق وتصویب بھی کرتا ہے (گویا آپ کا امتحان لے رہا ہے) پھر کہا: تو آپ مجھے بتلائیں کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم اللہ (اور اس کی صفات) پر اس کے فرشتوں پر، کتابوں پر، رسولوں پر اور یوم آخر (قیامت اور آخرت) پر ایمان لے آؤ (دل سے مان لو) اور اچھی بری تقدیر پر (بھی) ایمان لے آؤ (دل سے مان لو)" اس پر بھی اس نے کہا: درست ہے آپ نے سچ فرمایا۔" پھر کہا: تو اب آپ یہ بتلایئے کہ احسان کیا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا' احسان (حسنِ عمل) یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اُسے دیکھ رہے ہو (اور وہ تمہیں دیکھ رہا ہے) اور اگر تم اس کو نہ دیکھ پاؤ (یعنی اگر تم کو یہ مشاہدہ کا مرتبہ میسر نہ آئے کہ تم اسے دیکھ رہے ہو) تو (کم از کم اتنا تو دِل سے الیقین رکھو کہ وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے (اور تمہاری نگرانی کر رہا ہے) پھر اس نووارد نے کہا: تو اب آپ مجھے قیامت کے بارے میں بتایئے (کہ وہ کب آئے گی)؟ اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: اسکا تو جواب دینے والے کو بھی سوال کرنے والے سے زیادہ علم نہیں ہے (یعنی نہ تم جانتے ہو نہ میں کہ قیامت کب آئے گی؟ اس کو تو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا) اس پر اس نے کہا: تو آپ کچھ قرب قیامت کی علامتیں تو بتلا دیجئے۔" آپ نے ارشاد فرمایا: قرب قیامت کی علامت یہ ہے کہ کنیزیں اپنے آقاؤں کو جننے لگیں گی (یعنی

خانگی روابط و تعلقات میں ایسا انقلاب آجائے گا اور ماں باپ کی نافرمانی اس قدر بڑھ جائے گی کہ اولاد ماں باپ کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے گی کہ مائیں اپنی لڑکیوں کے سامنے انکی لونڈیاں معلوم ہونگی اور باپ اپنے لڑکوں کے سامنے انکے غلام محسوس ہونگے) اور یہ کہ تم ننگے پاؤں، ننگے بدن بکریاں چرانے والے گڈریوں کو دیکھوگے کہ وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر شاندار عمارتیں (کوٹھی، بنگلے) بنانے لگیں گے (یعنی ایسا انقلاب آجائیگا کہ ننگے بھوکے اور نانِ شبینہ تک کے محتاج لوگ اس قدر دولت مند اور مالدار بن جائینگے کہ جہالت کی وجہ سے مال و دولت کا مصرف اُن کے ہاں اس کے سوا نہ رہیگا کہ وہ ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتلانے اور شیخی بگھارنے کی غرض سے شاندار عمارتیں بنوانے ہی میں دولت صرف کرینگے نہ انکو مخلوق خدا کی حاجت برآری سے مطلب ہوگا نہ قومی اور اجتماعی زندگی کی ضروریات اور رفاہِ عام کے کاموں سے) پھر وہ نووارد سائل اُٹھ کر چلا گیا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں کچھ دن حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا تو (ایک دن جب میں حاضر ہوا تو) حضور ﷺ نے فرمایا: اے عمر تمہیں معلوم ہے کہ (وہ نووارد عجیب و غریب حلیہ اور انداز والا) سائل کون تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی جانیں (مجھے تو معلوم نہیں) تو حضور ﷺ نے فرمایا: وہ جبریل علیہ السلام تھے، تم کو دین کی تعلیم دینے کی غرض سے آئے تھے (اور دین کے اہم ترین بنیادی اصول و احکام کے سوالات کئے تھے تاکہ میں جواب دوں وہ تصدیق و تائید کریں اور تم سنو اور یاد رکھو)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے: تم تو مجھ سے سوال کرتے نہیں (ڈرتے ہو) اسلئے وہ اللہ کے حکم سے سائل بن کر آئے تھے دین (کے بنیادی امور)

کی تعلیم کی غرض سے (کہ ایسے اہم امور کے متعلق سوال کرنے چاہئیں اور ایسے ادب کے ساتھ، اس میں کچھ حرج نہیں)

پہلی علامت قیامت کے متعلق امام نووی علیہ الرحمۃ کی تشریح امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "لونڈیاں اپنے ماؤں کو جننے لگیں گی" اسکے معنی یہ ہیں کہ قیامت کے قریب لوگوں میں اپنی لونڈیوں کو "داشتہ" کے طور پر استعمال کرنے کا رواج عام ہو جائے گا تو ان داشتہ کنیزوں سے جو اولاد ہو گی وہ اپنے باپ کی طرح آزاد بھی ہو گی اور اپنی ماؤں کی مالک بھی ہو گی۔ فرماتے ہیں: اسکے علاوہ بھی علماء حدیث نے اس فقرہ کے معنی بیان کئے ہیں۔

تشریح!

دین کے معنی اور اسکے بنیادی ارکان

دین عقائد و اعمال کے مجموعے کا نام ہے۔ عقائد کا تعلق قلب سے ہے اور اعمال کا تعلق جوارح۔ اعضا ہاتھ، پاؤں آنکھ کان زبان وغیرہ۔ سے ہے اور کتاب کے پہلے باب میں آپ تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں کہ اخلاص ۔خالص عبادت کی نیت۔ کے بغیر کوئی بھی عبادت و طاعت حتیٰ کہ ایمان بھی۔ اللہ کے ہاں مقبول و معتبر اور ذریعۂ نجات نہیں بن سکتی۔ اسلئے شریعت کی اصطلاح میں "مجموعہ عقائد"۔ اللہ کی ذات و صفات پر، اسکے فرشتوں پر، کتابوں پر، رسولوں پر، یوم آخر (آخرت) پر، اچھی بری تقدیر کے برحق ہونے پر سچے دل سے اعتقاد رکھنے اور ماننے۔ کا نام ایمان ہے اور "مجموعہ اعمال"۔ زبان سے شہادتین (توحید و رسالت کی گواہی) کا اقرار کرنا، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج ادا کرنے۔ کا نام اسلام ہے اور اخلاص ۔نیک نیتی کے ساتھ صرف اللہ جل شانہ کے لئے عبادت کرنے۔ کا نام احسان ہے یعنی اللہ جل جلالہ کو حاضر و ناظر یقین کر کے صرف اسی کے لئے عبادت کرنا۔

دین کے بنیادی ارکان۔

لہٰذا دین کے اساسی ارکان اور جوہری اصول تین ہیں (۱) ایک ایمان (۲) دوسرا اسلام (۳) اور تیسرا احسان۔

پورے دین کا نام بھی اسلام ہے۔

یاد رکھئے اسلام کے مذکورہ بالا معنی اس صورت میں ہیں جبکہ اسلام کا لفظ ایمان کے مقابلہ پر استعمال ہو ورنہ "پورے دین" یعنی مجموعہ عقائد و اعمال و اخلاص کا نام بھی اسلام ہے اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران: ع ۲) بیشک اللہ کے نزدیک (پسندیدہ) دین اسلام ہے۔

اِحسان کا تعلق مراقبہ سے

سادہ لفظوں میں ۔ حدیث جبرئیل علیہ السلام کی روشنی میں ۔ احسان کے معنی ہیں پورے یقین کے ساتھ اللہ کو حاضر و ناظر اور بندوں کے اعمال کا نگران جان کر، پورے خلوص کے ساتھ اسکی عبادت کرنا ۔ اس احسان کے دو مرتبے ہیں (۱) ایک اعلیٰ مرتبہ مشاھدہ ہے جو حدیث جبرئیل میں کَاَنَّکَ تَرَاہُ ۔ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے ۔ کے عنوان سے مذکور ہے ۔ یہ مرتبہ سالہاسال کی عبادتوں اور ریاضتوں کے بعد بھی خال خال عارفین کو میسر آتا ہے (۲) دوسرا مرتبہ مراقبہ ہے جو حدیث جبرئیل میں فَاِنَّہٗ یَرَاکَ ۔ پس بیشک وہ تجھ کو ضرور دیکھ رہا ہے ۔ کے عنوان سے مذکور ہے اس مرتبہ کا حصول صرف کامل توجہ الی اللہ پر موقوف ہے جو ہر اس مومن مسلمان کو میسر آسکتا ہے جو عبادت کے وقت نفس اور شیطان کی مزاحمتوں ۔ خیالات اور وسوسوں ۔ سے خود کو محفوظ کرلے یعنی عبادت کے وقت اپنے خیال کو اِدھر اُدھر نہ بھٹکنے دے اور اس یقین کے ساتھ عبادت کرے کہ میں اللہ کے سامنے ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے ۔ جیسا کہ آپ قرآن کریم کی آیت کریمہ نمبر (۱) و (۲) و (۴) کے تحت پڑھ چکے ہیں ۔ یہی اس حدیث کا مراقبہ سے تعلق ہے اور اسی غرض سے امام نووی اس حدیث کو باب مراقبہ کے تحت لائے ہیں ۔

مراقبہ کا یہ درجہ حاصل کرنے کی تدبیر

کم ازکم احسان کا یہ مرتبہ جس کا نام مراقبہ ہے حاصل کرنے کی ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہیئے ۔ اس کے حصول کے لئے علاوہ ازوذا ز جس قدر بھی ممکن ہو، اس طریق پر مراقبہ میں بیٹھنے کے جس کا ذکر آپ مراقبہ کی تشریح کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں ، یہ تدبیر بھی نہایت کارگر ہے کہ اُٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے ہر حالت میں جل شانہ کے ذکر میں خواہ زبان سے ہو یا دل سے معروف رہے اپنی زبان سے پورا کلمہ طیبہ یا صرف اللہ اللہ یا کوئی اور ذکر ۔ سبحان اللہ یا الحمد للہ وغیرہ کرتا رہے، اور خاموشی کے وقت دل سے اللہ اللہ کرتا رہے ۔ بہت موثر تدبیر ہے آپ بھی چند روز تجربہ کرکے دیکھیئے ۔

اس حدیث کی جامعیت اور حضرت جبرئیل کے آنے کی وجہ

اس تفصیل کے بعد آپ بآسانی سمجھ سکیں گے جبرئیل علیہ السلام کی یہ حدیث نہ صرف دین کے انہی تینوں بنیادی اصول و ارکان پر مشتمل اور جامع ترین حدیث ہے بلکہ مراقبہ اور مشاھدہ اور اُن کے باہمی فرق سے متعلق واحد حدیث ہے ۔ حضرت جبرئیل کو جل شانہ نے بھیجکر ان تینوں ارکان کے سوالات کرنے اور جوابات کی تصدیق و تصویب کرنے کی ہدایت اس لئے فرمائی کہ اول تو صحابہ کرام آپ سے سوالات کرتے ہوئے ڈرتے تھے جل شانہ نے کثرتِ سوالات سے منع فرمادیا تھا، علاوہ ازیں شاید وہ اس قدر جامع و مانع سوالات نہ کرسکتے اور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کے ذریعہ جوابات دیئے اور

ف اردو میں "گویا" اور عربی میں کَاَنَّ کا لفظ اس لئے لایا گیا ہے کہ اس مادی دنیا میں جل شانہ کو دیکھنا انسانی قدرت سے قطعاً باہر ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اس کا قطعی ثبوت ہے ۔ اسی طرح مشاھدہ کا مطلب بھی اسکے انوار و تجلیات کا مشاہدہ ہے ۔

اور آخر میں فرمایا: تم تو سوال کرتے نہیں تھے اسلئے ﷺ نے جبریل کو تمہیں دین کے بنیادی ارکان کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا۔ تاکہ صحابۂ کرام اور امت اس حدیث کی اہمیت کو سمجھیں اور یاد رکھیں۔

قربِ قیامت کی علامات کی تشریح

اس حدیث میں قربِ قیامت کی علامات کے سلسلے میں مخبرِ صادق ﷺ نے دو اہم ترین چیزیں بیان فرمائی ہیں

(۱) ایک یہ کہ عقوق - ماں باپ کی نافرمانی - اس درجہ بڑھ جائے گی کہ لڑکے تو لڑکے لڑکیوں کے سامنے بھی ماں لونڈی بن کر رہ جائے گی، ان کی نقل و حرکت، آمد و رفت، میل جول اور چال چلن کی نگرانی اور روک ٹوک تو کیا کرتی اپنی آبرو کے ڈر سے لونڈیوں کی طرح ان کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور ہو جائے گی اسی طرح لڑکوں کے سامنے باپ کی حیثیت خانہ زاد غلام یا نوکر کی ہو جائیگی۔ اس لحاظ سے آخر زمانہ میں گویا مائیں اولاد جننے کے بجائے اپنے آقاؤں کو جنم دینے لگیں گی چنانچہ علاماتِ قیامت کی اور احادیث میں دیکثر العقوق - اور ماں باپ کی نافرمانی بہت زیادہ عام ہو جائے گی - کی تصریح موجود ہے۔

امام نووی علیہ الرحمۃ کی تشریح پر کلام

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اَمَۃ اور رَبّۃ کے الفاظ کے حقیقی معنی - لونڈی اور مالکن - میں لکھ کر اس فقرہ کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ "لوگ اپنی زرخرید لونڈی کو داشتہ کے طور پر استعمال کرنے لگیں گے۔ عربی میں سریّہ اس زرخرید لونڈی کو کہتے ہیں جسے مالک ہمبستری کے لئے مخصوص کرلے۔ اس فقرہ کے اس معنی پر گوناگوں اشکال وارد ہوتے ہیں اور تمام اشکالات کے علاوہ جن کی تفصیل شروحِ حدیث میں موجود ہے سب سے بڑا اشکال یہ ہے کہ قیامت تو ابھی معلوم نہیں کب آئے گی زرخرید لونڈیوں اور غلاموں کا وجود اب سے صدیوں پہلے مفقود ہو چکا قیامت کی علامت تو ایسی عالمگیر چیز ہونی چاہیئے کہ جوں جوں قیامت قریب آتی جائے وہ برابر بڑھتی رہے عقوق - والدین کی نافرمانی - بیشک عالمگیر اور روزافزوں ہے جس کا ہم شب و روز مشاہدہ کر رہے ہیں اپنے ملک میں بھی اور دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی۔

(۲) دوسری علامت کا حاصل یہ ہے کہ آخر زمانہ میں دولت سمٹ کر ایسے بھوکے ننگے اور نااہل لوگوں کے پاس چلی جائیگی جو دولت کو اسکے صحیح مصرف اور حقیقی محل - مخلوقِ خدا کی حاجت روائی اور قومی و ملکی ضروریات - میں خرچ کرنے کے بجائے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر صرف شیخی اور خودنمائی کے کاموں میں صرف کرینگے۔ اس کا مشاہدہ بھی روزافزوں ہے آجکل کے کروڑ پتیوں کے ماضی اور حال کا جائزہ لے کر دیکھئے حقیقت کھل جائے گی۔

دولت کے چند ہاتھوں میں سمٹ کر آجانے کا عظیم تر نقصان

دولت و ثروت کے ان نااہلوں کے ہاتھ میں سمٹ کر آجانے کا نقصان صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ بے محل اور بے مصرف خرچ ہونے لگتی ہے بلکہ ایک طرف یہ نااہل تو دولت کے زور سے ملک و قوم کے تمام وسائلِ معاش اور ذرائعِ آمدنی پر قابض ہو کر یا خود اقتدارِ اعلیٰ اور حکومت پر قبضہ کر لیتے ہیں یا اربابِ اقتدار اور حکمران انکے اشاروں پر چلنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اس طرح بلاواسطہ یا بالواسطہ اقتدارِ اعلیٰ انہی چند کروڑ پتیوں اور ارب پتیوں کے ہاتھ آجاتا ہے۔

مخبر صادق ﷺ علاماتِ قیامت کے سلسلہ میں اسی خطرہ سے آگاہ فرماتے ہیں ارشاد ہے:

اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ
جب کام نا اہلوں کے سپرد کر دیئے جائیں تو اسوقت تم قیامت کا انتظار کرنے لگنا۔

دوسری طرف یہ مسلّم اور آزمودہ حقیقت ہے کہ دولت و ثروت کی فراوانی اور ریل پیل لازمی طور پر زر پرستی نفس پرستی عیاشی، بے لگام شہوت رانی کو اپنے ساتھ لاتی ہے چنانچہ یہ نا اہل نو دولتیے حرام و حلال کے فرق و امتیاز اور شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر شراب خوری، حرام کاری، رقص و سرود اور عیاشی کی ہمت افزائی کرنے لگتے ہیں سود خوری، قمار بازی وغیرہ محرّماتِ شرعیہ کو اپنا قابلِ فخر کارنامہ سمجھنے لگتے ہیں۔ ملک اور قوم کے افلاس زدہ عوام بھی اوّل اوّل تو ان کی نفسانی خواہشات حرام کاریوں اور بدمستیوں کو بادلِ ناخواستہ پورا کرنے اور ان کا ساتھ دینے پر مجبور ہوتے ہیں بعد ازاں رفتہ رفتہ انہی حرام کاریوں اور عیاشیوں کے خود بھی عادی ہو جاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پورہ معاشرہ تباہ اور پوری قوم روحانی اور اخلاقی اعتبار سے ہلاک ہو جاتی ہے۔

رحمتِ عالم ﷺ کی اپنی اُمت کو نصیحت

مخبر صادق فداہ ابی وامی ﷺ نے اپنی اُمت کے متعلق اسی تباہ کاری اور ہلاکت کے خطرہ کا اظہار ذیل کے الفاظ میں فرمایا ہے:

لَا اَخْشٰی عَلَیْکُمُ الْفَقْرَ وَلٰکِنْ اَخْشٰی عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا اِذَا ھِیَ حِیْزَتْ لَکُمْ تَنَافَسُوْا فِیْھَا کَمَا تَنَافَسَ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ فَتُھْلِکُکُمْ کَمَا اَھْلَکَتْ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ

مجھے تمہارے متعلق فقر اور تنگدستی (سے ہلاکت) کا خطرہ نہیں بلکہ مجھے تمہارے متعلق دنیا (کی دولت و ثروت) سے ڈر لگتا ہے جبکہ وہ سمٹ آئے تمہارے پاس پھر تم ایک دوسرے سے (زر اندوزی میں) بڑھنے کی دھن میں لگ جاؤ جیسے تم سے پہلی قوموں نے کیا ہے اور پھر وہ دنیا (کی دولت و ثروت) تم کو ہلاک کر ڈالے جیسے تم سے پہلوں کو ہلاک کر ڈالا۔

یہ تمام تر ہلاکت اور تباہ کاری اسی نا اہلوں کے ہاتھ میں دولت و ثروت سمٹ آنے کا نتیجہ ہے جسکو حدیث جبرئیل علیہ السلام میں قربِ قیامت کی علامت قرار دیا ہے یہ وہ حقیقتیں ہیں جن کا ہم آج علانیہ مشاہدہ کر رہے ہیں کاش کم از کم مسلمان قوموں ہی کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ اپنے رؤف و رحیم نبی ﷺ کی احادیث اور شفقت آمیز تعلیمات سے سبق حاصل کر لیں اور خود کو اس آخر زمانہ کی ہلاکت اور تباہی سے بچالیں وَفَّقَنَا اللّٰہُ وَاِیَّاکُمْ بِالْخَیْرِ اُمید ہے کہ اس حدیثِ جبرئیل علیہ السلام کی اہمیت کی بنا پر اس تشریح کی طوالت میں معذور سمجھیں گے۔

نیکیاں بدیوں کو مٹا دیتی ہیں خوش اخلاقی بہت بڑی نیکی ہے — حدیث نمبر (۲/۶۲)

حضرت ابو ذر اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﷻ سے ڈرتے رہا کرو جہاں بھی تم ہو (اس لئے کہ وہ ہر جگہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور تم ہر وقت اسکے سامنے ہوتے ہو) اور ہر برائی (اور بدکاری) کے بعد فوراً کوئی نیکی (اور نیک کام) کرلیا کرو تو یہ نیکی اس بدی کو مٹا دے گی اور مخلوق کے ساتھ ہمیشہ خوش اخلاقی سے پیش آیا کرو (کہ یہ خوش اخلاقی بہت بڑی نیکی ہے خدا بھی اس سے خوش ہوتا ہے مخلوق بھی دعائیں دیتی ہے اسلئے یہ نیکی تمہاری بہت سی برائیوں کو مٹاتی رہیگی)

تشریح!

حدیث کا مراقبہ اور محاسبہ سے تعلق

یہ حدیث بھی ہر جگہ اور ہر وقت ﷻ کے حاضر و ناظر ہونے اور بندے کے ہر وقت اور ہر حالت میں اس کے زیر نگرانی ہونے کو ثابت کرتی ہے اور آیت نمبر (۲) سے ماخوذ ہے۔ نیز یہ حدیث بھی آیتِ کریمہ نمبر (۱۴) کی طرح اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہنے کی طرف اشارہ کرتی ہے اسلئے کہ اپنی بدکاریوں یا کوتاہیوں کے احساس کے بعد ہی ان کے ازالہ کے لئے نکوکاری خصوصاً خوش اخلاقی۔ اختیار کرنے کا جذبہ پیدا یا تیز تر ہوتا ہے قرآن کریم کی آیت کریمہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ آپ پڑھ ہی چکے ہیں یہی اس حدیث کا مراقبہ کے مضمون سے تعلق ہے۔

نبی رحمت ﷺ کی ایمان افروز وصیت — حدیث نمبر (۳/۶۲)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

میں ایک دن نبی رحمت ﷺ کے پیچھے (پیچھے چل رہا) تھا تو آپ نے مجھ سے خطاب کرکے فرمایا: اے لڑکے! میں تمہیں چند (ضروری) باتیں بتلاتا ہوں (انہیں ہمیشہ یاد رکھنا)

(۱) تم اللہ کی (عبادت و طاعت کی) حفاظت کرو تو اللہ (دینی اور دنیوی آفتوں سے) تمہاری حفاظت کرے گا ۔۔۔!

(۲) تم اللہ (کے حاضر و ناظر ہونے کے یقین) کی حفاظت کرو تو تم ﷻ کو (ہر وقت) اپنے سامنے پاؤ گے (اور مراقبہ کے مرتبہ سے ترقی کرکے مشاہدہ

کے مرتبہ پر پہنچ جاؤ گے)

(۳) اور جب بھی سوال کرو تو اللہ جل جلالہ سے ہی سوال کرنا (وہی تمہارے سوال کو پورا کرتا ہے کوئی دوسرا اگر کرتا بھی ہے تو وہ بھی اسی کے حکم سے پورا کرتا ہے)

(۴) اور جب بھی مدد مانگو تو اللہ جل جلالہ سے ہی مدد مانگنا (اللہ جل جلالہ ضرور تمہاری مدد کرے گا یا اپنے کسی بندے سے کرا دے گا)

(۵) یاد رکھو! تمام مخلوق بھی اگر تم کو کوئی نفع پہنچانے پر متفق و متحد ہو جائے تو وہ تمہیں اتنا ہی نفع پہنچا سکیں گے جتنا اللہ جل جلالہ نے (تمہارے مقدر میں) لکھ دیا ہے۔

(۶) اور اگر تمام مخلوق بھی تم کو کوئی نقصان پہنچانے پر متفق و متحد ہو جائے تو وہ تمہیں اتنا ہی نقصان پہنچا سکیں گے جتنا اللہ جل جلالہ نے (تمہارے مقدر میں) لکھ دیا ہے (اس لئے نوشتہ تقدیر پر ہی یقین و ایمان رکھو اور قناعت کرو مخلوق کی نفع رسانی یا نقصان رسانی کی طرف قطعاً التفات نہ کرو اور کسی کو مورد الزام نہ ٹھیراؤ)

(۷) یاد رکھو! تقدیر کے قلم (جو لکھنا تھا) لکھ چکے اور نوشتہ ہائے تقدیر خشک ہو چکے (اب نہ اس میں کسی تغیر و تبدل کا امکان ہے اور نہ مٹنے مٹانے کا)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ جامع ترمذی کی روایت ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو "صحیح" اور "حسن" کہا ہے۔ ترمذی کے علاوہ اور کتب حدیث میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

(۱) تم اللہ جل جلالہ کو ہر وقت یاد رکھو تو اسکو ہر وقت اپنے سامنے پاؤ گے (وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے)

(۲) تم فراخی اور خوشحالی میں اللہ جل جلالہ کو پہچانو (کہ یہ فراخی و خوشحالی محض اس کا انعام و احسان ہے) تو اللہ جل جلالہ سختی اور تنگدستی میں تمہیں پہچانے گا (کہ یہ میرا وہی

شکر گزار بندہ ہے جس نے فراخی و خوشحالی میں مجھے یاد رکھا تھا اور تمہاری سختی اور تنگدستی کو دُور کر دے گا)

(۳) یاد رکھو! جس مصیبت سے تم بچ گئے وہ (در اصل تم پر آ ہی نہیں سکتی تھی) اور جو مصیبت تم پر آئی اس سے تم (کسی طرح) بچ ہی نہیں سکتے تھے (یعنی جو مقدر میں ہے وہ ہو کر رہتا ہے اور جو نہیں ہے وہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا)

(۴) اور یہ بھی یاد رکھو! کہ مدد یقیناً صبر کے ساتھ ہے (جو صبر کرتا ہے اسکی ضرور مدد کی جاتی ہے) اور کشائش یقیناً سختی کے ساتھ ہے اور آسانی یقیناً دشواری کے ساتھ ہے (یعنی ہر تکلیف کے بعد راحت اور ہر دشواری کے بعد آسانی ضرور میسر آتی ہے صبر و تحمل کے ساتھ انتظار کرنا چاہیئے گھبرانا اور واویلا نہ کرنا چاہیئے نہ کوئی مصیبت اور تکلیف دائمی ہوتی ہے نہ ہی کوئی مشکل اور دشواری ہمیشہ رہتی ہے)

تشریح!

ان وصیتوں کا تجزیہ اور یہ کہ کونسی وصیت کس باب سے متعلق ہے

اس حدیث کی پہلی روایت میں سات وصیتیں مذکور ہیں ان میں سے نمبر (۱) میں تقویٰ کی تعلیم ہے جس کا تفصیلی بیان اگلے باب میں آتا ہے نمبر (۲) مراقبہ اور اللہ کی نگرانی سے متعلق ہے اسی جز کی وجہ سے امام نووی جو اس حدیث کو مراقبہ کے باب میں لائے ہیں نمبر (۳) و (۴) کا تعلق استعانت باللہ ۔ اللہ ہی سے مدد مانگنے ۔ سے ہے جو توکل کے تحت داخل ہے اور باب الیقین و التوکل کے ذیل میں اس کا بیان آتا ہے۔ استعانت باللہ کا ماخذ سورۂ فاتحہ کی آیت کریمہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ہے ۔ تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد مانگتے ہیں ۔ نمبر (۵) و (۶) و (۷) کا تعلق ایمان بالقدر سے ہے جس کا ذکر آپ حدیث جبرئیل علیہ السلام کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں ۔

دوسری روایت میں چار وصیتیں مذکور ہیں ان میں سے نمبر (۱) کا تعلق مراقبہ سے ہے جس کا تفصیلی بیان اسی باب میں آپ پڑھ چکے ہیں اور نمبر (۲) کا تعلق شکر سے ہے اور اس کا ماخذ آیت کریمہ ذیل ہے ۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (ابراہیم ۲۷) بخدا اگر تم شکر ادا کرو گے تو یقیناً میں تم کو اور زیادہ نعمتیں دوں گا اور بخدا اگر تم نے ناشکری کی تو (یاد رکھو) میرا عذاب بہت ہی سخت ہے

نمبر(۳) کا تعلق ایمان بالقدر سے ہے اور نمبر(۴) کا تعلق صبر سے ہے جس کا تفصیلی بیان آپ مستقل باب کے تحت پڑھ چکے ہیں۔

اس حدیث کی اہمیت اور مسلمانوں کی ان زرّیں تعلیمات سے افسوسناک بیخبری

اس حدیث پاک میں مراقبہ۔ اللہ کی نگرانی۔ اور ذکر اللہ۔ اللہ کی یاد۔ کی اہمیت، ضرورت اور منفعت کی تعلیم کے علاوہ شفیق اعظم، ہادی برحق نبی رحمت ﷺ نے اپنی اُمت کو استعانت باللہ، ایمان بالقدر، اور صبر و شکر سے متعلق ایسی زرّیں وصیتوں اور بیش بہا نصیحتوں کی بھی تعلیم دی ہے کہ اگر مسلمان ان کو اپنے دلوں پر پتھر کی لکیر کی طرح نقش کر لیں تو ایک طرف جلّ جلالہٗ کی رضا و خوشنودی اور آخرت کی فلاح و کامرانی ان کے لئے یقینی ہو جائے دوسری طرف نہ صرف دنیوی زندگی کی تمام دشواریاں آسان اور مشکلات حل ہو جائیں بلکہ دنیا میں مصائب و تکالیف ۔ جن سے اس زندگی میں کوئی نہیں بچ سکتا۔ کا باوقار مردانہ وار مقابلہ کر کے نہایت عزت و عظمت اور فلاح و کامرانی کی زندگی بسر کر سکیں، نہ کسی تکلیف و مصیبت میں کسی کے بزدلانہ گلہ و شکوہ کی نوبت آئے اور نہ کسی کو اپنی مصیبت و تکلیف کا ذمہ دار قرار دے کر بُرا بھلا کہنے کی حماقت ان سے سرزد ہو۔

ہماری بے حسی یا بدقسمتی

یہ ہماری بے حسی یا بدقسمتی ہے کہ ہم اپنے مشفق اعظم نبی ﷺ کی تعلیمات سے سرے سے بے خبر ہیں اگر اتفاق سے کبھی رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں پڑھنے یا وعظ، خطبہ وغیرہ میں سننے کی توفیق بھی ہوتی ہے تو محض عقیدت و احترام کی نیت سے پڑھ یا سن لیتے ہیں ان پر عمل کرنے یا زندگی میں ان سے فائدہ اٹھانے کی طرف توجہ مطلق نہیں ہوتی۔ کتنی بڑی محرومی ہے۔ اللہ رحم کرے۔

بچوں کو اوائل عمر میں ہی یہ وصیتیں یاد کرا دینی چاہئیں

راوی حدیث حضرت ابن عباسؓ ۔ جن کی عمر اس وقت صرف ۹ یا ۱۰ سال کی ہے۔ کو رسول اللہ ﷺ کا یاغلام ۔ اے لڑکے ۔ کے شفقت بھرے الفاظ سے خطاب فرما کر ان زرّیں نصائح کو بیان کرنے کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نو عمر لڑکوں اور لڑکیوں کو اوائل عمر سے ہی یہ نصیحتیں یاد کرا دینا چاہتے ہیں تاکہ اُن کے دلوں میں بچپن سے ہی راسخ ہو جائیں اور ایمان و اعتقاد کا جزو بن جائیں اور ساری عمر وہ اُن کی روشنی میں کامیاب و کامران زندگی بسر کر سکیں اور دین و دنیا کی فلاح حاصل کر سکیں۔

غلط فہمی اور اس کا ازالہ

اس حدیث کی پہلی روایت کے فقرہ نمبر(۵) اور دوسری روایت کے فقرہ نمبر(۳) کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عالم اسباب میں مصائب و آفات اور تکالیف و نقصانات سے بچنے کی ظاہری تدابیر و اسباب نہ اختیار کئے جائیں اور سعی و کوشش کو چھوڑ بیٹھیں اسلئے کہ اس تدبیر اور جدوجہد کے تو ہم شرعاً مامور اور مکلف ہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ اپنی تدبیروں اور کوششوں

برنیز ظاہری اسباب پر بھروسہ بطور اعتماد نہ کریں اور کامیابی کی صورت میں مغرور اور خدا فراموش نہ بن جائیں اور ناکامی کی صورت میں خدا کی رحمت سے مایوس اور اس سے بدظن نہ ہوں نیز ہمت نہ ہاریں، خود کو یا کسی دوسرے کو مورد الزام ناکامی کا ذمہ دار ۔ نہ ٹھیرائیں، تقدیر کو نہ کوسیں! بلکہ صدق دل سے یقین و اطمینان رکھیں کہ جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے سب منجانب اللہ ہے ۔ اسی میں مصلحت ہے گو ہم نہ سمجھیں رہی ہماری تدبیریں اور کوششیں سو وہ تو صرف تعمیل حکم کے لئے تھیں اور ہیں ۔ جو کامیابی ہوئی وہ محض ﷲ کا انعام و احسان ہے اس پر شکر ادا کریں اور ناکامی کی صورت میں ﷲ کی رحمت پر بھروسہ رکھیں اور اس سے کامیابی یا ناکامی کے نعم البدل ۔ بہترین بدلہ ۔ کی اور رحم و کرم کی دعا مانگیں ۔ یہی اچھی بری تقدیر پر ایمان ۔ جس کا ذکر آپ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں پڑھ چکے ہیں ۔ رکھنے کا مطلب ہے ۔ خود ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا اور دنیاوی اسباب و تدابیر کو چھوڑ بیٹھنا نہ ایمان بالقدر ہے اور نہ ہی صبر و توکل ہے خود رحمت عالم ﷺ نے تدابیر اور اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ ایک دن ایک شتر سوار دیہاتی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا: یا رسول اللہ! میں اس اونٹ کو کھلا چھوڑ دوں اور ﷲ پر بھروسہ کروں یا اسکے گھٹنے باندھ دوں اور پھر ﷲ پر بھروسہ کروں؟ آپ نے فرمایا: اَعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ ۔ اسے باندھ دو اور پھر ﷲ پر بھروسہ کرو ۔ یعنی اسباب و تدابیر ضرور اختیار کرو مگر ان پر بھروسہ ہرگز نہ کرو، بھروسہ صرف ﷲ پر کرو۔

اسی طرح پہلی روایت کے فقرہ نمبر (۳) اور (۴) کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ﷲ خود آکر تمہارے سوال کو پورا کرے گا یا مدد کرے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ سے ۔ کوئی بھی ہو ۔ سوال کرنے یا مدد مانگنے کے بجائے ۔ جس میں کفر و شرک لازم آجانے کا قوی اندیشہ ہے ۔ ﷲ سے ہی سوال کرو اسی سے مدد مانگو وہ اپنے کسی بندے کے دل میں ڈالدے گا وہ تمہارا سوال پورا کردے گا یا مدد کرے گا ۔ اس کے بعد جو بھی تمہارا سوال پورا کرے یا مدد کرے دل سے یقین کرو کہ یہ کارسازی دراصل ﷲ کی ہے اس پر اول ﷲ کا شکر دل و جان سے ادا کرو اس کے ساتھ ہی اس شخص کا بھی شکریہ ادا کرو اسلئے کہ شریعت کا حکم ہے کہ جو تم پر احسان کرے یا تمہاری مدد کرے تم اس کا شکریہ ضرور ادا کرو مَنْ لَّمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللہَ ۔ جس نے (احسان کرنے والے) لوگوں کا شکر نہ ادا کیا اس نے ﷲ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔

خطاؤں اور گناہوں کی جرأت پیدا ہونے کا سبب — حدیث نمبر (۴۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

بیشک تم آجکل بہت سے ایسے کام کرتے ہو جو تمہاری نظروں میں بال سے بھی زیادہ باریک ۔ حقیر اور معمولی ۔ ہیں اور ہم رحمت عالم ﷺ کے عہد

مبارک میں انہی کاموں کو ہلاک کر دینے والے کاموں میں سے شمار کیا کرتے تھے
(یعنی خدا کی نگرانی سے غفلت، اور اسکے محاسبہ کا خوف دلوں میں نہ رہنے
کی وجہ سے تمہاری نظروں میں خطاؤں اور چھوٹے موٹے گناہوں کی وہ اہمیت
باقی نہیں رہی جو رسول اللہ ﷺ کے فیض صحبت اور خوفِ خدا کے غلبہ کی
وجہ سے ہماری نظروں میں تھی اسلئے کہ اوّل تو صغیرہ گناہ کو معمولی اور حقیر سمجھنا خود
کبیرہ ہے علاوہ ازیں یہی صغیرہ گناہ بڑھتے بڑھتے کبیرہ گناہوں کے ارتکاب کا
سبب بن جاتے ہیں اسی لئے ہم ان صغیرہ گناہوں کو ہلاک کرنے والا سمجھتے
تھے غرض خوفِ خدا اور محاسبہ اعمال کا احساس باقی نہ رہنے کی وجہ سے
ہی تم خطاؤں اور گناہوں کے ارتکاب پر اس قدر جری ہو گئے ہو)

تشریح!

ہماری حالت، اور اسکی وجہ اور اسکے سدھارنے کی تدبیر

جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کہ پوری ایک صدی بھی نہ گذری تھی اتنا بڑا فرق پڑ گیا تھا اور خدا کے قہر و غضب سے بے خوفی و غفلت اور اسکی نگرانی سے لاپرائی اور اسکے نتیجہ میں گناہوں کی جرأت کا یہ عالم تھا، تو آج چودہ صدیوں کے بعد کا تو کہنا ہی کیا ہے اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں میں غیبت، دھوکہ دہی جھوٹ جھوٹی شہادت، وعدہ خلافی، سودی کاروبار، ناجائز لین دین جیسے مہلک کبیرہ گناہ اور کھلے ہوئے حرام کام نہ صرف یہ کہ کچھ برے نہیں سمجھے جاتے بلکہ فخریہ بیان کئے جاتے ہیں اسکی وجہ صرف خدا سے بے تعلقی اور اسکے محاسبہ کے خوف اور نگرانی کے یقین کا دلوں سے نکل جانا ہے۔ ہر عبادت وطاعت کے وقت تو ہم خدا کے سامنے ہونے اور اسکے دیکھنے کو تو کیا باور کرتے، ہم تو نماز تک میں یہ نہیں سمجھتے کہ ہم خدا کے سامنے کھڑے ہیں اور وہ ہماری نقل و حرکت کو اور ہمارے دلوں اور ان کے اِدھر اُدھر بھٹکنے والے خیالات کو دیکھ رہا ہے اور یہ کہ ہم اپنے رب سے مناجات کر رہے ہیں اور وہ سن رہا ہے۔ حالانکہ مشفق اعظم ﷺ نے صاف لفظوں میں آگاہ کیا ہے: نمازی نماز میں اپنے رب سے مناجات کرتا ہے اور اسکا رب اسکے اور قبلہ کے درمیان یعنی سامنے ہوتا ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے دلوں میں اس قادر مطلق جل شانہ کا خوف اتنا بھی نہیں جتنا ایک ٹریفک کے سپاہی کے دل میں اپنے اس افسر کا خوف ہوتا ہے جسکے متعلق اُسے یقین ہو کہ اگر چہ افسر مجھے نظر نہیں آرہا مگر یقیناً وہ کسی خفیہ جگہ سے میری نگرانی کر رہا ہے۔ حالانکہ وہ احکم الحاکمین پکار پکار کر کہہ رہا ہے اِنَّ رَبَّكَ

لَبِالْمِرْصَادِ ۔ بیشک تیرا رب تیری گھات میں ہے ۔
اسی تباہ کن صورت حال اور اسکے نتیجہ بد سے قرآن عظیم آیت کریمہ نمبر (۱۴) میں متنبہ کر رہا ہے اور اسکی اصلاح کی تدبیر محاسبۂ اعمال ۔ اپنے اعمال کا جائزہ لینا ۔ بتلا رہا ہے مگر وائے محرومی کہ ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں صرف اسلئے کہ مراقبہ ۔ اللہ کی نگرانی ۔ کا یقین یا ہے نہیں یا نہ ہونے کے برابر ہے ۔

رسول اللہ ﷺ کی مقدس صحبت کا بدل

یاد رکھیئے اگرچہ خاتم الانبیاء نبی رحمت ﷺ کی کیمیا اثر صحبت تو آپ کی وفات کے بعد میسر آنا ممکن نہیں مگر آپکے وہی انفاس قدسیہ، کلمات طیبہ اور پورا اُسوۂ حسنہ جس سے صحابۂ کرام کی کایا پلٹ ہوئی تھی محدثین رحمہم اللہ کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں کتب حدیث میں موجود و محفوظ ہے اگر پختہ ایمان، سچی عقیدت اور اصلاح کی مخلصانہ نیت کے ساتھ ہم آج ان احادیث کو پڑھیں یا پڑھوا کر سنیں تو وہ ہمارے دلوں سے بھی اس غفلت، دبے خوفی اور لاپروائی کے زنگ کو دور کرنے کے لئے بہت کافی دوائی ہیں بشرطیکہ جیسا چاہیے ہمارے دلوں میں خدا کا خوف، روز حساب کا ڈر اور اسکے نتیجہ میں عذاب آخرت سے نجات کی جستجو اور اصلاح احوال کا عزم مصمم ۔ اٹل ارادہ ۔ ہو ۔

ریاض الصالحین کے اس اردو ترجمہ اور تشریح اور اسکی اشاعت کا مقصد

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ریاض الصالحین کا یہ اردو ترجمہ اور شرح بھی اسی دینی مقصد کے تحت پیش کی جارہی ہے اور تاج کمپنی اسی غرض سے اسکو شائع کر رہی ہے کہ خدارا! ان احادیث کے آئینہ میں اپنی زندگی کا چہرہ دیکھیئے اور جلد از جلد خدا کی رحمت سے محروم کرنے والے داغ دھبے مٹائیے یعنی چھوٹے بڑے گناہ اور دانستہ یا نادانستہ احکام خداوندی کی نافرمانیاں یک قلم ترک کر دیجئے اور زیادہ سے زیادہ استغفار اور توبہ کا ورد کیجئے ۔ خدائے قدوس ہمیں اور آپ کو ان احادیث پر عمل کرنے اور اپنی زندگی کو سدھارنے کی توفیق عطا فرمائیں ۔ آمین

حدیث نمبر (۵/۶۵) — اللہ جل شانہ کی غیرت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :

رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا: اللہ کو بھی غیرت آتی ہے اور اللہ کو غیرت اس پر آتی ہے کہ انسان وہ کام کرے جو اس نے حرام کئے ہیں ۔

تشریح!

غیرت کے معنی اور اللہ جل شانہ کی طرف اسکی نسبت

غیرت کا لفظ اردو میں دو معنی میں استعمال ہوتا ہے (۱) ایک یہ کہ کوئی شخص یہ سمجھ کر کہ مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا کوئی برا کام کرے یا ایسا کام کرے جو خود اگرچہ برا نہ ہو مگر دوسروں کے سامنے وہ کام کرنا معیوب ہو اور اس حالت میں

کوئی آجائے یا اُسے دیکھ لے تو اگر وہ فوراً اسکو چھوڑ دے یا چھپنے کی کوشش کرے تو یہ غیرت ہے اور اگر نہ کرے تو یہ بے غیرتی ہے گویا یہ غیرت شرم وحیا کے معنی میں ہے اور خود انسان کی ذات اور اسکے اعمال و افعال سے متعلق ہے۔ اس معنے کے اعتبار سے غیرت کی نسبت ﷲ کی مدّت و تغیر کی کیفیات سے مقدس اور منزہ ذات کی طرف ہرگز جائز نہیں ﷲ اس طرح کے نقائص اور کمزوریوں سے پاک اور پاکیزہ ہیں (۲) غیرت کا دوسرا استعمال یہ ہے کہ کوئی باپ اپنی اولاد کو یا کوئی آقا اپنے نوکروں کو سختی کے ساتھ کسی کام سے منع کرے اور وہ اولاد یا نوکر خود اس کے سامنے وہ کام کریں اس پر اگر اس باپ یا آقا کو اُن کی یہ بے پروائی اور دیدہ دلیری غایت درجہ ناگوار گزرے غصہ آئے اور اُن کو سزا دینے کے لئے تیار ہو جائے تو یہ غیرت ہے اور وہ باپ یا آقا غیور ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو یہ بے غیرتی ہے اور وہ باپ یا آقا بے غیرت اور بے حمیّت ہے سادہ لفظوں میں اس غیرت کے معنی ہیں ناگوار ناراضگی کا اظہار اپنی شفقت و رحمت سے محروم کر دینا اور اسکا تعلق دوسروں کے افعال و اعمال سے ہوتا ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کے بعد ﷲ کی غیرت کے معنی سمجھئے۔

ﷲ خالق کائنات اور پروردگار عالم اپنی پیدا کردہ مخلوق انسانوں کو اُن حرام کاموں کو کرتا ہوا دیکھتا ہے جن کو اُس نے اُنہی انسانوں کے فائدہ کے لئے حرام کیا ہے، تو اسکو اس مخلوق کی یہ بیباکی اور بے غیرتی سخت ناگوار گزرتی ہے اور شدید غصہ آتا ہے اور پھر یا اسی وقت اس حرامکاری اور حرام خوری کی سزا دیتا ہے اور اگر کسی مصلحت کی وجہ سے اسی وقت سزا نہیں بھی دیتا تو اُن سے ناراض ضرور ہو جاتا ہے اور اپنی شفقت و رحمت سے اُن کو محروم کر دیتا ہے اِلّا یہ کہ وہ اپنے اس گناہ اور نافرمانی کی معافی مانگیں اور آئندہ کے لئے توبہ کریں تو وہ غفور و رحیم پروردگار ان کو معاف کر دیتا ہے اور پھر رحمت و شفقت سے نوازنا شروع کر دیتا ہے۔ مختصر اور سادہ لفظوں میں ﷲ کی غیرت کے معنی ہیں محرّمات۔ حرام کاموں۔ کا ارتکاب کرنے والوں سے ناراض ہو جانا یعنی اُنکو اپنی رحمت سے محروم کر دینا۔

حدیث کا مراقبہ سے تعلق

یہ حدیث ثابت کرتی ہے کہ ﷲ اپنے بندوں کے ہر ہر قول اور فعل کی سخت نگرانی کرتے ہیں خاصکر حرام کام کرنے والے نافرمان بندوں کی، اگرچہ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ہمیں کوئی نہیں دیکھ رہا چنانچہ آپ آیت کریمہ نمبر (۲) میں پڑھ چکے ہیں اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ

یہ واقعہ ہے کہ اگر کسی سچے مومن بندے کو بڑے سے بڑے گناہ کا ارتکاب کرتے وقت یہ خیال آجائے یا کوئی خیال دلا دے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے تو فوراً وہ اس گناہ سے باز آجاتا ہے جیسا کہ آپ کتاب کے پہلے باب میں ان تین آدمیوں کے قصہ میں جو ایک غار میں بند ہو گئے تھے دوسرے آدمی کا واقعہ پڑھ چکے ہیں اور ہم اسی خیال کو ہر وقت مستحضر رکھنے کی تدبیر مراقبہ کے بیان میں بتلا چکے ہیں یاد نہ رہی ہو تو اس بیان کو دوبارہ پڑھ لیجئے اور اس پر عمل کیجئے تاکہ آپ غیرتِ خداوندی کا نشانہ بننے سے محفوظ و مامون رہیں ﷲ آپ کی مدد کرے۔

حدیث نمبر (۶۴) اللہ جل شانہ کی نگرانی کا ایک عجیب واقعہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے بنی اسرائیل کے تین (مصیبت زدہ روگی) آدمیوں کو اُن پر حجت قائم کرنے کی غرض سے آزمانا چاہا ایک جذامی دوسرا گنجا تیسرا اندھا تو اللہ جل شانہ نے ایک فرشتہ کو (انسانی شکل میں) بھیجا وہ جذامی کے پاس آیا اور کہا: بتلا تجھے کیا چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اُس نے کہا: دل آویز رنگ و روپ اور خوش رنگ (بدن کی) کھال مجھے محبوب ہے، اور یہ جذام جس کی وجہ سے مجھے لوگوں نے گندا (اور اچھوت) بنا رکھا ہے اس سے مجھے نجات مل جائے"۔ فرشتہ نے اسکے بدن پر ہاتھ پھیرا وہ ساری گندگی (جذام کا اثر) ایکدم جاتی رہی اور نہایت حسین رنگ و روپ اور دلکش (بدن کی) کھال اسکو دیدی گئی۔ فرشتہ نے کہا: اب بتا تجھے کونسی قسم کا مال سب سے زیادہ پسند ہے؟ اُسنے بتلایا: اُونٹ یا گائیں (راوی کو شک ہے کہ اُونٹ کہا یا گائیں) چنانچہ اُسے ایک ماہ کی گابھن اُونٹنی دیدی گئی اور فرشتہ نے اس کو دُعا دی: خدا تجھے اس میں برکت دے (اور اونٹوں کی نسل میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو) اسکے بعد گنجے کے پاس آیا اور اُس سے پوچھا: تجھے کونسی چیز سب سے زیادہ پسند ہے؟ اُس نے کہا خوبصورت (لمبے لمبے) بال مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں اور یہ جو گنج ہے جس کی وجہ سے لوگوں نے مجھے گندا پلید بنا رکھا ہے یہ جاتا رہے"۔ فرشتہ نے اسکے سر پر ہاتھ پھیرا اس کا گنج فوراً جاتا رہا اور خوبصورت (لمبے لمبے) بال اسکو دے دیئے گئے اسکے بعد فرشتہ نے پوچھا: اب بتا تجھے کونسی قسم کا مال زیادہ پسند

ہے اُس نے کہا: گائیں، چنانچہ اُسی وقت ایک گابھن گائے اسکو دیدی گئی اور فرشتہ نے دُعا دی: اللہ تجھے اس میں برکت عطا فرمائے۔ اسکے بعد فرشتہ اندھے کے پاس آیا اور اُس سے پوچھا: تجھے کونسی چیز سب سے زیادہ محبوب ہے؟ اُسنے کہا: مجھے تو بس خدا بینائی عطا کر دے اور کچھ نہیں چاہیئے (چنانچہ فرشتہ نے اسکے چہرہ پر ہاتھ پھیرا تو اللہ نے اسی وقت اسکی بینائی واپس کر دی۔ پھر فرشتہ نے پوچھا: اب تجھے کونسی قسم کا مال پسند ہے؟ اُس نے کہا مجھے تو بھیڑ بکریاں پسند ہیں، چنانچہ اس کو ایک گابھن بکری دے دی گئی اور فرشتہ نے اسکو بھی برکت کی دُعا دی اور چلا گیا۔

مال و دولت کی فراوانی اور اسکا نتیجہ چنانچہ جذامی، گنجے اور اندھے تینوں کے ہاں اونٹوں گایوں اور بھیڑ بکریوں کے خوب بچے ہوئے اور خوب نسلیں بڑھیں اور تینوں خوب مالدار ہو گئے۔ جذامی کے ہاں اونٹوں کے گلہ سے وادی بھر گئی اور گنجے کے ہاں گائیں بھینسوں کے گلے سے وادی بھر گئی اور اندھے کے ہاں بھیڑ بکریوں کے ریوڑ سے وادی بھر گئی۔

آزمائش تو پھر وہی فرشتہ جذامی کے پاس بالکل اُسی کی سی (جذامی کی) شکل وصورت اور حلیہ میں آیا (یعنی ایک جذامی آدمی کی صورت میں) اور کہا: بابا! میں ایک مسکین محتاج اپاہج مسافر ہوں، سفر جاری رکھنے کے وسائل (سواری اور سفر خرچ) سے محروم ہو گیا ہوں، اب میرا سہارا اللہ سبحانہ کے اور پھر تیرے سوا کوئی نہیں میں تجھ سے اس اللہ سبحانہ کے نام پر جس نے تجھے یہ دلکش رنگ و روپ اور حسین و جمیل جلد عطا کی ہے، اور کثیر مال بھی دیا ہے، سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے (سواری کے لئے) ایک اُونٹ دیدے جس سے میں اپنا سفر

جاری رکھ سکوں اور پورا کر لوں (وطن پہنچ جاؤں) جذامی بولا: میاں میرے ذمے تو اتنے بہت سارے حقوق ہیں (جن کے لئے یہ مال کافی بھی نہیں، تجھے کہاں سے دیدوں) فرشتہ نے کہا: مجھے تو ایسا یاد پڑتا ہے کہ میں تجھے جانتا پہچانتا ہوں، تو وہی جذامی نہیں ہے؛ جس کو لوگ پلید سمجھتے تھے (اور دُور بھاگتے تھے) اور کوڑی کوڑی کو تو محتاج تھا پھر اللہ نے تجھے (محض اپنے فضل سے) یہ (صحت وحسن اور مال ومنال) عطا فرمایا ہے، جذامی بولا: جا (جا، میں ایسا کیوں ہوتا) میں تو باپ دادا سے ایسا ہی (حسین وجمیل اور) مالدار چلا آتا ہوں۔ فرشتہ بولا: اگر تو جھوٹ بول رہا ہو تو خدا تجھے پھر ویسا ہی بنا دے جیسا تو تھا (چنانچہ وہ اسی حالت کو پہنچ گیا جس پر تھا) اسکے بعد گنجے کے پاس اُسی گنجے کی شکل وصورت اور حلیہ میں آیا اور وہی سوال اسی طرح کیا جس طرح جذامی سے کیا تھا، گنجے نے بھی اسکو وہی جواب دیا جو جذامی نے دیا تھا اس پر فرشتے نے بھی اسکے جواب میں وہی کہا (کہ کیا تو ایسا ایسا نہ تھا) جو جذامی کے جواب میں کہا تھا اور اسکے بعد کہا: اگر تو جھوٹ بول رہا ہو (اور منعم ومحسن پروردگار کی ناشکری کر رہا ہو) تو خدا تجھے ویسا ہی کر دے جیسا تھا (چنانچہ وہ بھی کفرانِ نعمت کی سزا کو پہنچا اور ویسا ہی ہو گیا جیسا تھا) اسکے بعد اندھے کے پاس اسی اندھے کی شکل وصورت اور حلیہ میں آیا اور کہا: میں اندھا محتاج مسافر ہوں اور وسائل سفر (سواری اور خرچِ راہ) سے محروم ہو گیا ہوں۔ اس وقت اللہ کے اور اسکے بعد تیرے سوا میرا اور کوئی سہارا نہیں کہ میں اپنا سفر (جاری رکھ سکوں) پورا کروں (اور اپنے دیس پہنچوں) میں تجھ سے اس اللہ کے نام پر جس نے تجھے بینائی واپس کی (اور مال ودولت سے نوازا)

چند بکریوں کا سوال کرتا ہوں جن کے ذریعہ میں اپنی منزلِ مقصود کو پہنچ سکوں۔ اندھے نے کہا: بیشک میں نابینا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مجھے دوبارہ بینائی عطا فرمادی (اور اس مال و منال سے نوازا اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے) لہٰذا تم (ان بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں سے) جتنی بھیڑ بکریاں چاہو لے لو اور جتنی چاہو چھوڑ دو (تمہیں اختیار ہے) اللہ تعالیٰ کی قسم جو بھی تم اللہ تعالیٰ کے نام پر لوگے میں اس پر مطلق ناگواری کا اظہار نہ کروں گا (تم بلا تکلف جو چاہو اور جتنا چاہو لے لو) تو اس پر فرشتہ نے کہا، تمہارا مال تمہیں مبارک ہو واقعہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے تم تینوں آدمیوں (کے صبر و شکر) کا امتحان لیا گیا ہے (تمہیں خوشخبری ہو کہ) اللہ تم سے (تمہاری احسان شناسی اور شکر گزاری پر) خوش ہو گیا اور تمہارے دونوں ساتھیوں (جذامی اور گنجے) سے (ان کی ناشکری اور جھوٹ بولنے پر) ناراض ہو گیا (اور اس ناشکری کی سزا میں ان کو ویسا ہی جذامی اور گنجا بنا دیا)

تشریح!

اللہ تعالیٰ کی نگرانی کا ایک عبرت آموز واقعہ اور امتِ محمدیہ کو اس سے سبق لینے کی ہدایت

یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے صبر و شکر کی نگرانی اور آزمائش سے متعلق کسی پہلی امت کا ایک واقعہ ہے مخبر صادق ﷺ نے اپنی امت کے مالدار اور خوشحال لوگوں کی تنبیہ اور عبرت کے لئے بیان فرمایا ہے یہ رحمۃ للعالمین ﷺ کی رأفت و رحمت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اس طرح فرشتوں کے ذریعہ بطور امتحان، آزمائش نہیں کرتے اور ہاتھ کے ہاتھ ۔ بغیر توبہ کا موقع دیئے ۔ ناشکری کی سزا نہیں دیتے۔ تاہم حضور اقدس ﷺ کا منشا اس واقعہ کو بیان کرنے سے یہی ہے کہ آپ کی امت کے متمول اور خوشحال لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اس نگرانی اور آزمائش سے غافل نہ رہنا چاہیئے اور جب بھی کوئی حاجتمند سائل انکے پاس آئے تو فوراً یہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نگرانی اور آزمائش ہے اس نے اس ضرورتمند کو صرف میری آزمائش کیلئے میرے پاس بھیجا ہے ورنہ وہ خود اپنے خزانۂ غیب سے اپنے بندے کی حاجت پورا کر دیتے ۔ اور اس نابینا کی طرح نہایت خندہ پیشانی اور فراخ حوصلگی کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور شکرِ نعمت کی نیت سے کما حقہ، اور خاطر خواہ، اس کی ضرورت کو پورا کرنا چاہیئے اور پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے

کہ اُس نے اس آزمائش میں پورا اُترنے کی توفیق عطا فرمائی اور اُس حاجتمند کا ممنون ہونا چاہیئے کہ اسی کی بدولت ہمیں یہ شکر نعمت ادا کرنے اور رضاء الٰہی حاصل کرنے کا موقع ملا۔

اپنا جائزہ لیجئے

اس تفصیل کے بعد ذرا جائزہ لیجئے کہ ہم اور ہمارے دولت مند حضرات اس معیار پر کس قدر پورے اترتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس شکر گزاری کی توفیق عطا فرمائیں۔

دُنیا میں ہی اپنے اعمال کا جائزہ لینے کی ہدایت اور اسکا فائدہ — حدیث نمبر (۶۶)

حضرت ابو یعلیٰ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نبیِّ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زیرک (اور عاقبت اندیش) وہ شخص ہے جس نے خود اپنے اعمال کا محاسبہ کیا (اور جائزہ لیا) اور مرنے کے بعد (آخرت) کے لئے کام کیا، اور عاجز و ناکارہ وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس کی خواہشات اور اغراض کے پیچھے عمر گنوا دی (اور آخرت کے لئے کچھ نہ کیا) اور (ساری عمر) اللہ تعالیٰ سے (بغیر کچھ کئے) تمنائیں کرتا رہا (اور مغفرت کی اُمیدیں باندھتا رہا)

تشریح!

یہ خوبی روزانہ اپنے اعمال کا جائزہ لینے سے پیدا کی جاسکتی ہے

مسلمان اپنے اسلام میں یہ خوبی اُسی وقت پیدا کر سکتا ہے جبکہ وہ اپنے شب و روز کے کاموں کا محاسبہ کرتا رہے اور جائزہ لیتا رہے اسلئے اسے اپنے شب و روز کے اعمال کا روزانہ جائزہ لے کر نہ صرف گناہوں اور معصیتوں کو بالکل ترک کر دینا چاہیئے بلکہ اُن تمام کاموں کو بھی چھوڑ دینا چاہیئے جو آخرت میں کام آنے والے نہ ہوں اور اُن کی جگہ سوچ سمجھ کر وہ کام کرنے چاہئیں جو آخرت میں کام آئیں۔

اس حدیث پر عمل کرنے سے آپ کی عام زندگی میں کوئی تنگی اور دشواری واقع نہ ہوگی

یاد رکھیئے آپ کے جائز معمولات زندگی میں اس حدیث پر عمل کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا صرف اتنا کرنا ہے کہ جو کام بھی آپ کریں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی نیت سے کریں اسطرح آپ کی ساری دُنیا دین بن جائے گی جسکی تفصیل آپ اس کتاب کے پہلے باب میں نیت کی تشریح کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں۔

آخرت میں کام آنے والے اور نہ کام آنے والے کاموں کی تفصیل

یاد رکھیئے انسان کی ہر جائز خواہش اور طبعی ضرورت اگر اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی نیت سے رحمتِ عالم

ﷺ کے اُسوۂ حسنہ اور آپ کی سنت کے مطابق۔ جس کی تفصیل انشاء اللہ اس پوری کتاب میں پڑھیں گے۔ پوری کی جائے وہ یقیناً آخرت میں کام آنے والی ہے مزید تفصیل کے لئے اور دینی کتابوں کی مراجعت کیجئے خاصکر اس کتاب کا پہلا باب بار بار پڑھئے اور یاد رکھئے۔

اس حدیث پر عمل کرنے کا عظیم فائدہ

اس طریق کار پر عمل کرنے سے رفتہ رفتہ انسان کی زندگی فرشتوں کے لئے بھی قابلِ رشک بن جاتی ہے اسلئے کہ فرشتوں کی تمام خوبیاں اور پارسائی فطری اور غیر اختیاری ہے وہ کوئی برا کام یا ﷻ کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے اسی لئے اُس پر اُن کے لئے کوئی جزا اور صلہ و انعام نہیں اور اس انسان کی یہ تمام خوبیاں اور ﷻ کی فرمانبرداری نفس اور شیطان کے علی الرغم۔ برخلاف اور ضد پر۔ خود اپنے قصد و ارادہ سے حاصل کردہ اور کافی مشقتیں برداشت کرنے کے بعد حاصل شدہ ہیں اسی لئے اُن کے عوض میں آخرت میں جزائے خیر اور جنت الفردوس کی نعمتوں کا وعدہ ہے جو ضرور پورا ہوگا۔ ایسے ہی انسان ﷻ کے نزدیک عام فرشتوں سے افضل ہیں والحمد للہ علیٰ ذالك ﷻ ہمیں آپ کو اور تمام مسلمانوں کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

بیوی بچوں پر دینی امور میں سختی اور تشدد کرنے پر آخرت میں باز پرس نہ ہوگی حدیث نمبر (۸/۶۸)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مشفقِ اعظم نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(پابندِ شریعت) آدمی سے اپنے بیوی (بچوں) کو مار پیٹ کرنے پر (قیامت کے دن) کوئی باز پرس نہ ہوگی۔

تشریح!

اس باز پرس نہ ہونے کی وجہ اُن کی نگرانی کا حکم ہے

جس طرح ﷻ اپنے مخلوق اور پروردہ بندوں کے اعمال و اخلاق کے خود نگراں ہیں اسی طرح اُس نے مسلمان مردوں کو اپنے بیوی بچوں کے اعمال و افعال کا نگران بنایا ہے اور اُن سے نماز روزے وغیرہ تمام احکام شرعیہ کی پابندی کرانا اور خلافِ شرع کاموں سے باز رکھنے اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچانے کی کوشش کرنا مردوں کا فرض قرار دیا ہے ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (التحریم ع ۱) اے ایمان والو تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

خاص طور پر نماز کی پابندی کرانے کے متعلق ارشاد ہے:

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا (طٰہٰ، ع ۸)	تم اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دیا کرو اور سختی سے اس پر قائم رہو ہم تم سے رزق (دینے نہ دینے) کا سوال نہیں کرینگے (نماز پڑھوانے نہ پڑھوانے کا سوال کرینگے)

اور نگران بنانے کا اعلان ذیل کی آیتِ کریمہ میں فرمایا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا (النساء ع ۶)	مرد عورتوں پر نگران ہیں اُس فضیلت کی وجہ سے جو اللہ نے بعض کو (مردوں کو) بعض پر (عورتوں پر) دی ہے اور اسلئے کہ وہ اُن کا خرچ اُٹھاتے ہیں۔

اور اس نگرانی کے تحت بیویوں کو سمجھانے بجھانے اور اخلاقی سزا دینے اور ضرورت کے وقت (بقدرِ ضرورت) مار پیٹ کرنے کا اختیار ذیل کی آیت کریمہ میں دیا ہے:

وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا (النساء ع ۶)	اور وہ عورتیں (بیویاں) جن کے سرکش بن جانے کا تمہیں اندیشہ ہو تو (پہلے) انکو نصیحت کرو اور (ضرورت پڑے تو) ان کو بستر پر اکیلا چھوڑ دو (یعنی ساتھ سونا چھوڑ دو) اور (اس پر بھی نہ باز آئیں تو) اُنکی (ہلکی سی) پٹائی کرو اگر وہ تمہارا کہا ماننے لگیں تو اُنکے خلاف (انتقام) کی راہ مت تلاش کرو (جو کچھ کرو اصلاح کی نیت سے کرو نہ کہ انتقام کی نیت سے)

ایک پابندِ احکامِ الٰہیہ مسلمان اپنی بیوی اور بچوں کو خلافِ شرع کاموں پر ہی سزا دے سکتا ہے اور اسی نیت سے اور وہی سزا دے سکتا ہے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس مار پیٹ کی اجازت دی ہے اس کی شرط یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں توڑ دینے اور کسی عضو کو بیکار کر دینے والی ایسی سزا ہرگز نہ ہونی چاہیئے جو ہڈیوں تک اثر کرے۔ باقی اُن کاموں کی جن سے روکنا چاہیئے اور ان سزاؤں کی مزید تفصیل جنکی اجازت دی ہے کتب حدیث و فقہ میں موجود ہے معلوم کیجئے۔ بہرحال اس نگرانی اور خلاف ورزی پر گرفت کرنے میں ناموافقت ناراضگی اور عداوت و دشمنی کا جذبہ ہرگز کارفرما نہ ہونا چاہیئے۔ شریعت نے سختی کے ساتھ اس سے منع کیا ہے چنانچہ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ میں فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

باب (۶)

تقویٰ کا بیان

تشریح!

تقویٰ کے لفظی اور شرعی معنی اور مصداق اور دنیوی و اخروی فائدے۔

تقویٰ دین اسلام کا خاص شعار اور امتیازی نشان ہے۔ تقویٰ کے لفظی معنی ہیں: کسی چیز یا کام سے باز آنا اور چھوڑ دینا یا بچنا اور دور رہنا۔ اور شرعی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور گناہ سے باز آنا اور چھوڑ دینا یا بچنا اور دور رہنا۔

تقویٰ کے لفظی معنی اور شرعی معنی میں فرق

کسی کام یا چیز سے باز آنے اور چھوڑ دینے یا بچنے اور دور رہنے کا محرک اور سبب اگر دنیوی ہو یعنی دنیا میں اس سے جانی یا مالی نقصان یا مضرت پہنچنے کا اندیشہ، یا عقوبت و سزا پانے کا ڈر، یا کسی دنیاوی شخصیت یعنے حکمران، پولیس وغیرہ کے مواخذہ کا خوف، یا رسوائی اور بدنامی کا اندیشہ اس کام یا چیز سے باز آنے یا بچنے اور دور رہنے کا سبب ہو، تو یہ محض ایک دنیوی دور اندیشی اور احتیاط کوشی ہے "شریعت" میں اس کی کوئی حیثیت، اور دین میں اسکا کوئی مقام نہیں نہ یہ کوئی خاص عبادت ہے نہ طاعت نہ ہی موجب اجر و ثواب ہے۔

اور اگر اس کام یا چیز سے باز آنے اور چھوڑ دینے یا بچنے اور دور رہنے کا محرک اور سبب خدا کا ڈر اور آخرت کی پکڑ کا خوف ہے یعنی وہ کام یا چیز شرعاً حرام اور ممنوع ہے اور اسکا اختیار کرنا گناہ اور معصیت ہے، خدا کے قہر و غضب یا ناراضگی اور دنیوی و اخروی عذاب یا رحمتِ الٰہی سے محرومی کا موجب ہے، اور یقین ہو کہ دنیا میں اگر خدا کی پکڑ سے بچ بھی جائے تو آخرت کے عذاب سے تو ــ توبہ و استغفار اور خدا کے معاف کئے بغیر ــ جس کا علم "روز جزا" سے پہلے ممکن نہیں ــ بچ ہی نہیں سکتا محض اس خدا کے ڈر اور آخرت کے خوف کی وجہ سے اس کام یا چیز سے باز رہتا اور چھوڑ دیتا ہے یا بچتا اور دور رہتا ہے تو یہ یقیناً خدا پرستی اور عبدیت کی بہت بڑی دلیل ہے اور سراسر عبادت و طاعت ہے، اور دین اسلام کا شعار ــ امتیازی نشان ــ ہے اور شریعت کی اصطلاح میں اسی کا نام تقویٰ ہے اُردو میں اسی کو "پرہیزگاری" کہا جاتا ہے۔

مختصر لفظوں میں شریعت کی اصطلاح میں؛ خدا کی نافرمانی اور ارتکاب گناہ سے محض خدا کے عذاب یا ناراضگی اور آخرت کے مواخذہ یا رحمتِ الٰہی سے محرومی کے خوف کی وجہ سے بچنے اور دور رہنے یا باز آنے اور ترک کر دینے کا نام تقویٰ ہے۔

شریعت میں تقویٰ کے دو معنی

چونکہ شریعت میں اس گناہ و معصیت سے باز آنے یا بچنے کے عبادت و طاعت ہونے کا مدار صرف خدا کے

عذاب یا ناراضگی کے ڈر اور محض آخرت کے مواخذہ کے خوف پر ہے، اسلئے قرآن و حدیث میں تقویٰ کا لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے (۱) ایک گناہ و معصیت سے باز آنا اور چھوڑ دینا یا بچنا اور دور رہنا (۲) خدا سے ۔ یعنی اسکے عذاب یا ناراضگی سے ۔ ڈرنا عام طور پر قرآن و حدیث میں تقویٰ کا لفظ اسی دوسرے معنی میں ۔ خدا سے ڈرنے کے معنی میں ۔ استعمال ہوا ہے ۔ جیسا کہ آپ اس باب کی آیات اور احادیث میں پڑھینگے ۔

خوف خدا کا ثبوت اور دلیل

مگر اس خدا سے ڈرنے کا مطلب کہئے ثبوت یہی ہوتا ہے کہ اس کی نافرمانی اور گناہ سے بچنا یا باز آنا ۔ اگر کوئی شخص کہتا اور دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں مگر جانتے بوجھتے گناہ اور اسکی نافرمانیوں کا ارتکاب برابر کرتا ہے تو وہ اس کہنے اور دعویٰ کرنے میں جھوٹا ہے خود اسکا فعل اسکے قول کی تردید کر رہا ہے اور عمل زبان کو جھٹلا رہا ہے ۔ ایسا شخص درحقیقت " فریب نفس " میں گرفتار اور خود فریبی کے مرض میں مبتلا ہے اور اس کا علاج صرف تقویٰ اور پرہیزگاری کی حقیقی زندگی اختیار کرنا ہے ۔

خوف و خشیت الٰہی اور تقویٰ میں فرق

خوف و خشیتِ الٰہی کے معنی ہیں حق جل شانہٗ کی عظمت و کبریائی اور جلال و جبروت کے تصور سے دل پر رعب و ہیبت اور خوف و دہشت کی کیفیت طاری ہونا اور اسکے نتیجہ میں انسان کے اندر ظاہری اور باطنی خشوع و خضوع ۔ عاجزی اور انکساری ۔ کی صفت پیدا ہونا ۔ عارضی اور وقتی طور پر یا مستقل و دائمی طور پر ۔ اور تقویٰ کے معنی ۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ۔ ہیں قہر و غضب الٰہی کے خوف اور عذاب کے ڈر سے اس کی نافرمانی اور ارتکابِ گناہ سے بچنا یا باز آنا ۔ سیدھے سادے لفظوں میں اس فرق کو یوں سمجھئے کہ خوف و خشیتِ الٰہی سبب بنتا ہے انسان میں عاجزی اور انکساری کی کیفیت پیدا ہونے کا خصوصاً نماز روزہ وغیرہ عبادتوں کے ادا کرنے کے وقت ۔ اور تقویٰ سبب بنتا ہے حق جل شانہٗ کی نافرمانی سے باز آنے یا بچنے کا خصوصاً دنیوی امور اور معاملات میں مصروف ہونے کے وقت ۔ اس بیان سے آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ جیسے ان دونوں کے مفہوم اور سبب الگ الگ ہیں ایسے ہی ان کا موقع اور محل بھی الگ الگ ہے ۔

ورع اور تقویٰ

شریعت کی اصطلاح میں ایک اور لفظ وَرَع بھی استعمال ہوتا ہے اسکے معنی ہیں ہر ایسی چیز یا کام سے بچنا اور دور سے دور تر رہنا جس میں خدا کی ناپسندیدگی کا شائبہ بھی ہو ۔ ایسے صاحب ورع مسلمان کو مُتَوَرِّع کہتے ہیں گویا ورع ، تقویٰ ہی کا ایک اعلیٰ مرتبہ ہے ۔

تقویٰ کے مختلف مراحل و مدارج

اسی طرح خود تقویٰ کے بھی گوناگوں اور مختلف مراحل و مراتب ہیں چنانچہ علماءِ دین نے قرآن اور حدیث کے

مختلف استعمالات کے پیش نظر تقویٰ کے شرعی معنی اور تعریف یہ بیان کی ہے:

اَلتَّقْوٰی ھُوَ التَّخَلِّیْ عَنِ الرَّذَائِلِ وَالتَّحَلِّیْ بِالْفَضَائِلِ — تقویٰ کے معنیٰ ہیں رذیلتوں سے علیحدگی اختیار کرنا یعنی ان سے بچنا یا باز آنا اور فضیلتوں سے آراستہ ہونا یعنی انکو اپنانا اور اختیار کرنا۔

رذائل میں کفر و شرک، نفاق و ریاء اور تمام اعتقادی گمراہیوں سے لے کر تمام حرام، مکروہ اور ممنوع افعال و اقوال و حرکات و سکنات تک سب شامل ہیں اسی طرح اخلاقی رذیلتوں میں بغض و عناد، ظلم و جور، حسد و کینہ، بخل و اسراف، کذب و افترا وغیرہ تمام اخلاقی عیب شامل ہیں۔ اور فضائل میں ایمان و اخلاص اور تمام اعتقادات حقہ کمالات روحانیہ سے لے کر تمام عبادات و طاعات، اقوال و افعال حسنہ، اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ تک سب شامل ہیں۔

تقویٰ کے دو درجے

اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ تقویٰ کے علی الترتیب دو درجے اور اسکو حاصل کرنے کے دو مرحلے ہیں۔
(۱) اول یہ کہ انسان تمام اعتقادات باطلہ و فاسدہ، منکرات شرعیہ اور اخلاق رذیلہ سے بچنے اور پاک و صاف رہنے کی کوشش کرے (۲) اسکے بعد اعتقادات حقہ، اعمال صالحہ اور روحانی کمالات حاصل کرنے کی سعی کرے اسلئے کہ تطہیر قلب اور تزکیۂ نفس کے بغیر اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ اختیار کرنے کی سعی بے سود ہے۔

مثال

بالکل اسی طرح جیسے کسی سفید مگر میلے کچیلے اور گندے کپڑے کو دلکش اور لطیف رنگ میں رنگنے اور اس پر حسین و جمیل نقش و نگار، پھول پتیاں، بیل بوٹے بنانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کپڑے کو صابون یا سوڈا کاسٹک وغیرہ لگا کر اس طرح دھویا اور نکھارا جائے کہ تمام میل کچیل کٹ جائے اور وہ سفید براق نکل آئے پھر خشک ہونے اور استری کرنے کے بعد آپ جس لطیف اور ہلکے سے ہلکے دل آویز رنگ میں چاہیں رنگ کر اس پر زیادہ سے زیادہ حسین و جمیل نقش و نگار بنا سکتے ہیں بالکل اسی طرح نفس انسانی کو۔ جو اصل فطرت کے لحاظ سے صاف اور سادہ کورے کپڑے کی مانند ہے۔ سب سے پہلے کفر و شرک جلی و خفی، نفاق اور ان کے علاوہ باطل و فاسد عقائد سے پاک و صاف کرنا ضروری ہے جس کا نام ایمان ہے اور اس کی تفصیل آپ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں پڑھ چکے ہیں یہ نفس انسانی کی وہ آلودگی، گندگی اور میل کچیل بلکہ زنگ اور سیاہی ہے کہ اسکو دور کئے بغیر کوئی بھی عبادت و طاعت کارآمد نہیں اور اخلاقی فضائل، روحانی کمالات حاصل کرنے کی کوشش بیکار اور سعی لاحاصل و رائیگاں ہے۔

اللہ کا رنگ

اس میل کچیل، زنگ و سیاہی کو دور کئے بغیر نفس انسانی پر اسلام کا رنگ۔ جس کے متعلق ارشاد ہے:

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (البقرہ ع ۱۶) — یہ اسلام اللہ جل شانہٗ کا رنگ ہے اور اللہ جل شانہٗ کے رنگ سے بہتر اور کس کا رنگ ہو سکتا ہے۔

نفس پہ بر چڑھ ہی نہیں سکتا اور مسلمان کہلا ہی نہیں سکتا۔

اس کے بعد نفس کو پنجگانہ بنیادی اصولِ عبادات ۔ کلمہ شہادت، نماز، روزہ، زکوۃ، حج ۔ اور انکے علاوہ اعمالِ صالحہ کے حسین سے حسین تر نقش و نگار سے آراستہ کرنے کی کوشش ساری عمر جاری رہتی ہے حدیث جبرئیل علیہ السلام میں اسی تزئین و آرائش کا نام اسلام ہے۔

قاعدہ ہے کہ کسی سفید و براق کپڑے کو نقش و نگار سے آراستہ کرنے کے لئے کسی لطیف رنگ میں رنگنے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ جتنا لطیف یہ رنگ ہوتا ہے اسی قدر حسین و جمیل نقش و نگار زیادہ روشن، نمایاں اور دل آویز بنتے ہیں اور انکا حسن دوبالا ہو جاتا ہے اور جس قدر ڈارک اور گہرا یہ رنگ ہوتا ہے اسی قدر رنگ اور نقش و نگار ماند پڑ جاتے ہیں۔ اس لطیف رنگ کا نام شریعت میں اخلاص ہے یعنی زیادہ سے زیادہ حضورِ قلب کے ساتھ صرف سبحانہٗ وتعالیٰ اور محض اس کی رضا کے لئے اس کی عبادت و طاعت کرنا اور اعمالِ صالحہ و اخلاقِ فاضلہ اختیار کرنا"۔ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں اسی اخلاص کو احسان (حُسنِ عمل) سے تعبیر فرمایا ہے جس قدر یہ اخلاص اور احسان زیادہ پاک و صاف ہوگا، اسی قدر عبادات و طاعات، اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ کی قدر و منزلت عند اللہ و عند الناس ۔ اللہ کے نزدیک بھی اور لوگوں کے نزدیک بھی۔ زیادہ سے زیادہ ہوگی اور انسان کی زندگی انوار و تجلیاتِ الٰہیہ کا زیادہ سے زیادہ مظہر ہوگی اور وہ شخص جل جلالہٗ کے اُن مقرب بندوں میں شامل ہو جائے گا جن کی پہچان حبیبِ رب العالمین ﷺ نے یہ بیان فرمائی ہے:

اِذَا رُءُوْا ذُکِرَ اللہُ — ان کو دیکھ کر خدا یاد آئے۔

احتیاط

مگر یاد رکھیے جس طرح سفید شفاف کپڑے کو بے احتیاطی سے رنگنے اور بے پروائی سے نقش و نگار کے ساتھ آراستہ کرنے کے دوران بے احتیاطی کی بنا پر دھبے اور داغ پڑ جاتے ہیں اور اسکو بدنما اور داغدار بنا دیتے ہیں اور اگر یہ داغ دھبے زیادہ ہو جائیں تو رنگ اور نقش و نگار سب کو مسخ کر ڈالتے ہیں۔ اسی طرح نفس کو عبادات و طاعات، اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ سے آراستہ کرنے کے دوران کبیرہ و صغیرہ گناہوں اور شرعاً حرام اور ممنوع اقوال و افعال اور نافرمانیوں کے ارتکاب سے باز نہ رکھنے اور نہ بچنے کی وجہ سے پرہیزگاری کا چہرہ داغدار ہو جاتا ہے اور بڑھتے بڑھتے بالکل ہی مسخ ہو جاتا ہے اسلئے انتہائی احتیاط اور دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ اگر غفلت، بے احتیاطی بھول چوک سے کوئی گناہ یا بداخلاقی سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ اور استغفار سے اور بطور کفارہ اسکے مقابل اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ پر عمل کرنے سے اسکا تدارک کرنا از بس ضروری ہوتا ہے ورنہ ساری محنت اکارت جاتی ہے۔

طریق کار

اسلئے ہمیں چاہیئے کہ تقویٰ کے مقامِ شرف تک پہنچنے کے لئے سب سے پہلے اپنے عقائد کا جائزہ لیں اور جل جلالہٗ

کی تعلیمات - قرآن - اور اللہ جل شانہ کے سب سے بڑے متقی اور پرہیزگار بندے "رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ - احادیث سے کے معیار پر پرکھیں اور دیکھیں کہ ہمارے عقائد کھرے اور صحیح ہیں یا نہیں اگر ان میں کوئی فساد اور خرابی ہو تو فوراً اسکی اصلاح کریں اور اللہ جل شانہ سے توبہ و استغفار کریں اور اسکے بعد اپنی عبادات و طاعات اعمال و اخلاق کا جائزہ لیں اور تمام بد اعمالیوں، بد اخلاقیوں یا کوتاہیوں کا رفتہ رفتہ اَلْاَهَمُّ فَالْاَهَمُّ - ضروری اور اس سے بڑھ کر ضروری - کے اصول پر ان کا ازالہ کریں مثلاً عبادات میں سب سے پہلے نماز کی، اخلاق میں سب سے پہلے صدق اور عدل و انصاف کی، اعمال میں سب سے پہلے کھلی ہوئی نافرمانیوں اور بدکاریوں کی اصلاح کریں اور اسی کے ساتھ ساتھ ہر وقت چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے توبہ و استغفار کرتے رہیں - یاد رکھیئے اچھے کام بھی برے کاموں کو مٹا دیتے ہیں - اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ - اسلئے زیادہ سے زیادہ اچھے اور نیک کام - اسی نیت سے کہ یہ ہماری برائیوں یا کوتاہیوں کا کفارہ ہیں - کرتے رہیں اور آخری مرحلہ میں تمام عبادات و طاعات اور اعمال و اخلاق میں زیادہ سے زیادہ اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کریں اور اس کی تدبیر وہی ہے جو آپ مراقبہ کے بیان میں پڑھ چکے ہیں یعنی اللہ جل شانہ کو ہر وقت حاضر و ناظر اور نگران یقین کر کے ہر کام کریں انشاء اللہ تعالیٰ ضرور اخلاص پیدا ہوگا۔

شریف ترین انسان بننے کا طریقہ

یہ ہے طریقہ تقویٰ کے مراحل طے کر کے ارشاد باری تعالیٰ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ - یقیناً تم میں سب سے زیادہ شریف اللہ جل جلالہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار انسان ہے - کے تحت متقی یعنی "دنیا اور آخرت میں شریف تر انسان" بننے کا - آپ بھی اسکا تجربہ کیجیئے انشاء اللہ العزیز آپ ضرور یہ "سعادت" اور "شرف" حاصل کر لینگے اللہ جل جلالہ اپنے وعدہ کا خلاف کبھی نہیں کرتے۔

شرط

مگر تقویٰ اور پرہیزگاری کے یہ تمام مراحل صرف اسی وقت طے ہو سکتے ہیں جبکہ تقویٰ کا حقیقی محرک کارفرما ہو یعنی آپکے دل پر اللہ جل جلالہ کا ڈر اور آخرت کا خوف اس قدر غالب ہو کر آپ نفس امارہ یعنی بہت بہکانے والے نفس - کی شدید ترین مخالفتوں اور مزاحمتوں کو اپنے راستہ سے پر کاہ - تنکے - کی طرح ہٹا دیں ورنہ یاد رکھیئے آپکا سب سے بڑا دشمن آپ کا نفس ہے جو ہر وقت آپکے پہلو میں موجود ہے اور طرح طرح کے دھوکے اور فریب کے جال بچھا کر، اور قسم قسم کے رحمت و مغفرت کے سبز باغ دکھا کر، آپ کو تقویٰ اور پرہیزگاری کے راستہ سے روکنے یا ہٹانے پر ادھار کھائے بیٹھا ہے ارحم الراحمین اپنے بندوں کو اس خطرہ سے متنبہ فرماتے ہیں اور اس کے فریب سے بچنے کی تدبیر بھی بتلاتے ہیں ارشاد ہے:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ — اور جو شخص بھی اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو

عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى (سورۃ النازعات ع ۲) اسکی خواہشات سے باز رہا تو یقیناً جنت ہی اسکا ٹھکانا ہے

پہچان

دنیا کے سب سے بڑے پرہیزگار نبی رحمت ﷺ ازراہِ شفقت اپنی امت کو ایک اور پہچان بتلاتے ہیں ارشاد ہے

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ — جنت کو مکروہات نفس کو بری لگنے والی چیزوں سے گھیر دیا گیا ہے

وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ — اور جہنم کو شہوات دل لبھانے والی خواہشات سے گھیر دیا گیا ہے۔

اس لئے ہر کام کو اختیار کرتے وقت ہمارا معیارِ انتخاب یہ ہونا چاہیئے کہ مکروہات نفس یعنی نفس کو برے لگنے والے کاموں — کو ترجیحات کہیں اور زیادہ سے زیادہ اختیار کریں یعنی ایسے کاموں کو زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کریں جو نفس کو برے لگتے ہیں تاکہ جنت یعنے مقام قربِ الٰہی — میں پہنچیں اور شہواتِ نفس — نفس کو اچھے لگنے والے اور مرغوب کاموں اور چیزوں — سے زیادہ سے زیادہ بھاگنے اور دور رہنے کی کوشش کریں تاکہ جہنم یعنے مقام قہر الٰہی — سے محفوظ رہیں۔

اصول شہوات

اللہ تعالیٰ نے ان شہوات نفس — نفسانی خواہشات — کے "اصول" سے بھی اپنے بندوں کو آگاہ فرما دیا ہے ارشاد ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ (آل عمران ع ۲)

لوگوں کے لئے خواہشاتِ نفس کی محبت آراستہ کر دی گئی ہے یعنی عورتوں کی، اولاد کی، سونے چاندی کے ترِ بترِ انباروں کی، اعلیٰ درجہ کے گھوڑوں کی، مویشیوں کی اور کھیتیوں کی (پیداوار کی محبت۔

ہمارے زمانہ میں خیل مسوّمۃ — اعلیٰ درجہ کے گھوڑوں — کی جگہ نیو ماڈل — نو بنو — کاروں نے لے لی ہے۔

ضروری تنبیہ

مگر یاد رکھئے اس "محبت" سے وہی اندھی محبت مراد ہے جو حرام و حلال، جائز اور ناجائز کے فرق اور گناہ و ثواب کی تمیز کو ختم کر دے۔ ورنہ شرعی حدود کے اندر رہ کر ان فطری اور طبعی مرغوب چیزوں سے وابستگی اور تعلق — اس نیت سے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے انکو ہمارے لئے حلال فرما دیا ہے — رکھنے میں کچھ حرج نہیں بلکہ موجب اجر و ثواب ہے، اسلئے کہ اسلام میں رھبانیت — ترکِ دنیا اور نفس کشی — کی اجازت بالکل نہیں ہے قرآنِ کریم میں اس رھبانیت کے متعلق ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے اور خاتم الانبیاء ﷺ نے تو صاف لفظوں میں اعلان فرمایا ہے:

لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْاِسْلَامِ — اسلام میں رہبانیت مطلق نہیں ہے۔

دنیوی زندگی میں پرہیزگاری کا فائدہ

یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ اللہ کا ڈر اور آخرت کا خوف اور اسکے نتیجہ میں پرہیزگاری کی شریفانہ زندگی صرف آخرت میں ہی کام آنے والی اور حصول جنت ہی کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ ہماری اس دنیاوی زندگی میں بھی خصوصاً اس زمانے میں۔ بیحد کار آمد ہے اور ان تمام بدکاریوں اور جرائم کے زہر کو اتارنے والا تریاق یعنے آثار ہے اور معاشرہ کی وبائی بیماریوں سے بچانے والا انجکشن ہے جو اس وقت وبائی امراض کی طرح پھیل رہے ہیں آزما کر دیکھئے۔

دعا

اللہ ہمیں آپ کو اور تمام مسلمانوں کو پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے اور تقویٰ کا شرف حاصل کرنے کی سعادت نصیب فرمائیں اور خدا اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

عمل کیجئے عمل، ورنہ خالی اس پڑھنے پڑھانے سے کچھ نہیں بنتا آپکے شاعر حکیم۔ جن کے کلام پر آپ سر دھنتے ہیں رحمتہ اللہ فرما گئے ہیں۔

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی ۔۔۔ یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

ہم مسلمانوں کی بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ اقبال جیسا شاعر حکیم ہم میں پیدا ہوا، مگر وہ اور اسکا کلام بھی ہمارا کایا نہ پلٹ سکا اللہ ہی ہم پر رحم فرمائیں آمین

بہر حال مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں تقویٰ سے متعلق آیات واحادیث کا مطلب سمجھئے۔ اللہ آپکی مدد کریں

قرآن عظیم

(۱) اللہ اہل کتاب — یہود ونصاریٰ — کی گمراہ کن باتوں میں نہ آنے کی ہدایت فرما کر اللہ سے جیسا چاہیئے ڈرتے رہنے اور مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنے کی تاکید فرماتے ہوئے ارشاد ہے:

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (آل عمران ع ۱۱)	اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور (یاد رکھو) تمہیں موت نہ آئے مگر اس حالت پر کہ تم مسلمان ہو۔

لہ تقویٰ کے مفہوم اور اسکے ثمرات وبرکات پر روشنی ڈالنے کی غرض سے ترجمہ سے پہلے ہر آیت کے سیاق وسباق اور تقویٰ کے متعلق مورد کو مختصراً بیان کر دیا ہے تاکہ قارئین پوری بصیرت کے ساتھ ان آیات میں تقویٰ کے معنی اور محل استعمال کو سمجھ سکیں وباللہ التوفیق۔

(۲) حق تعالیٰ شانہ اہل و عیال کی تکلیف دہ "بے عنوانیوں" پر شرعی حدود میں رہتے ہوئے صبر و ضبط سے کام لینے کے ساتھ ہی ہر معاملہ میں مقدور بھر حق تعالیٰ شانہ سے ڈرتے رہنے اور اُنکے حقوق ادا کرتے رہنے کی نیز تمام احکامِ الٰہیہ کو دل سے سننے اور اُن پر عمل کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں ارشاد ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ (التغابن ع ۲)

پس جتنا مقدور رہو اللہ سے ڈرتے رہو اور (اللہ کے احکام دل سے) سنا کرو اور اُن پر عمل کیا کرو اور (اہل و عیال پر) خرچ کرتے رہو، اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

نوٹ!! امام نووی رحمہ اللہ دوسری آیت کو پہلی آیت کا بیان قرار دیتے ہیں یعنی حق تقاتہ۔ جتنا ڈرنے کا حق ہے۔ کا مطلب یہ ہے کہ ما استطعتم۔ جتنا تمہارے مقدور میں ہو۔ (اسکی تحقیق ابھی تشریح کے ذیل میں آپ پڑھیں گے)

(۳) اس آیتِ کریمہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اور تمام مسلمانوں کی دل آزاری اور ایذا رسانی سے مسلمانوں کو منع فرمانے کے بعد ہر قول و فعل میں حق تعالیٰ شانہ سے ڈرتے رہنے کی تاکید فرماتے ہیں اور اس کا فائدہ بھی بتلاتے ہیں ارشاد ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ (الاحزاب ع ۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو اور (ہمیشہ) حق (اور درست) بات کہا کرو تو اللہ تمہارے اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

(۴) گواہوں کو نفع نقصان یا مشکلات کی پروا کئے بغیر سچی اور بے لاگ گواہی دینے کا حکم فرمانے کے بعد ہمہ وقت حق تعالیٰ شانہ سے ڈرتے رہنے پر مشکلات

اور نقصانات کو دور کرنے، آسانیاں پیدا کرنے، کوتاہیوں اور برائیوں کا کفارہ کر دینے اور اجر عظیم عطا فرمانے کا وعدہ فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

(الف) وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق)

(الف) اور جو اللہ سے ڈرتا رہے گا اللہ اس کے لئے (مشکلات سے نکلنے کا) راستہ پیدا کر دیگا اور اس کو وہاں سے روزی دیگا جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو گا۔

(ب) وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا (〃)

(ب) اور جو اللہ سے ڈرتا رہے گا اللہ اسکے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔

(ج) وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا (〃)

(ج) اور جو اللہ سے ڈرتا رہیگا اللہ اس کی برائیوں کا کفارہ کر دیگا اور اسکو بڑا اجر دیگا۔

(۵) ہر معاملہ میں ﷻ سے ہمیشہ ڈرتے رہنے پر حلال و حرام، جائز و ناجائز، حق و باطل اور خیر و شر میں فرق و امتیاز کرنے والی "بصیرت" عطا فرمانے کا وعدہ فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے:

اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ (الانفال ۲۹)

اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تمہیں (حق و باطل، خیر و شر میں) فرق کرنیوالی "بصیرت" عطا فرمائے گا اور تمہاری برائیوں کا کفارہ کر دے گا اور گناہ بخش دے گا۔

تشریح!

مذکورہ بالا آیات پر تبصرہ

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے تقویٰ سے متعلق جو پانچ آیات پیش کی ہیں ان میں تقویٰ کا لفظ ﷻ سے ڈرنے اور اسکے نتیجہ میں گناہوں اور نافرمانیوں سے بچنے یا باز آنے اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے چنانچہ

پہلی آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مرتے دم تک اسلام پر قائم رہنا یعنی پرہیز گاری کی زندگی بسر کرنا اللہ جل شانہ سے کما حقہٗ ڈرتے رہنے کا ثمرہ ہے۔

دوسری آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہ کے احکام دل سے سننے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق یعنی پرہیز گاری کی زندگی بسر کرنے اور فلاحِ دارین حاصل کرنے کی سعادت بھی مقدور بھر اللہ جل شانہ سے ڈرتے رہنے کا ثمرہ ہے۔

تیسری آیت سے معلوم ہوا کہ حق اور درست بات کہنے کی توفیق ۔ جسکے نتیجہ میں اللہ جل شانہ نے اصلاحِ اعمال اور گناہوں کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے۔ تقویٰ کے یعنے اللہ جل شانہ سے ڈرتے رہنے کے برکات میں سے ہے۔

چوتھی آیت سے معلوم ہوا کہ ہر سختی اور دشواری میں سہولت و کشائش کا راستہ میسر آنا۔ غیر متوقع جگہ سے روزی نصیب ہونا، ہر کام میں آسانی اور سہولت میسر آنا۔ نیز برائیوں اور کوتاہیوں کا کفارہ فرما دینے اور اجرِ عظیم سے نوازنے کا وعدہ ۔ جو ضرور پورا ہو گا ۔ یہ سب مقدور بھر اللہ جل شانہ سے ڈرتے رہنے کے بے مثل برکات و ثمرات ہیں جن سے تقویٰ کی اہمیت اور عظمت ظاہر ہوتی ہے۔

پانچویں آیت سے معلوم ہوا کہ ہر معاملہ میں اللہ جل شانہ سے مقدور بھر ڈرتے رہنے کا عظیم تر اور بے نظیر فائدہ اور ثمرہ، حلال و حرام، حق و باطل، خیر و شر کے درمیان فرق و امتیاز کرنے کی وہ نورانی بصیرت و فراست "عطا فرما دینے کا وعدہ" جو درحقیقت ولایت کے اُس اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دینے کا وعدہ اور خوشخبری ہے جسکے متعلق ارشاد ہے:

اِنْ اَوْلِیَآؤُہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ — اللہ کے ولی تو صرف پرہیز گار لوگ ہی ہوتے ہیں

دیکھا آپ نے! یہ ہے دین میں تقویٰ کا شرف و اہمیت اور مرتبہ و مقام جل شانہ

سے صدق دل سے دعا کیجئے:

اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَ زَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَ مَوْلٰھَا

اے اللہ تو میرے نفس کو پرہیزگاری نصیب فرما اور اسکو (تمام آلودگیوں سے) پاک صاف کر تجھے اسلئے کہ تو ہی اسکا بہترین تزکیہ کرنیوالا ہے تو ہی اسکا "ولی" ہے تو ہی اسکا مولیٰ ہے۔

تشریح!

خلاصہ آیات

ان پانچوں آیتوں کا ماحصل اور خلاصہ یہ ہے کہ پرہیزگاری کی زندگی ۔جس کی تفصیل آپ تقویٰ کی تشریح میں پڑھ چکے ہیں ـــــــ کا میسر آنا اللہ تعالیٰ سے کماحقہٗ اور مقدور بھر ڈرتے رہنے پر موقوف ہے۔

ایک سطحی شبہ کا ازالہ

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ سے کماحقہ ڈرنا ۔جیسا کہ پہلی آیت میں حکم ہے ۔کس کے بس کی بات ہے؟ خطا اور نسیان ۔بھول چوک سے ۔مرکب بیچارہ انسان اور اللہ تعالیٰ سے اسکے شایان شان ڈرے؛ انسان کی قدرت سے باہر ہے ۔ہاں اپنے مقدور بھر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ۔جیسا کہ دوسری آیت میں حکم ہے ۔بیشک انسان کیلئے ممکن ہے۔

لہٰذا پہلی آیت ناممکن العمل ہے نیز دوسری آیت پہلی آیت سے متعارض ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ دوسری آیت کو پہلی آیت کا بیان قرار دے کر اس شبہ کا ازالہ بھی فرماتے ہیں اور اس تعارض کو بھی دور کرنا چاہتے ہیں یعنی دوسری آیت نے بتلا دیا کہ کماحقہ ڈرنے کے معنی مقدور بھر ڈرنا ہیں اور یہ انسان کی قدرت میں داخل ہے ۔اسلئے ناممکن العمل ہونے کا اعتراض بھی دور ہو گیا اور دونوں آیتوں کا تعارض بھی رفع ہو گیا۔

درحقیقت نہ پہلی آیت پر ناممکن العمل ہونے کا اعتراض صحیح ہے اور نہ دوسری آیت پہلی آیت سے متعارض ہے۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ پہلی آیت میں اپنے بندوں کو کماحقہ ڈرنے کا حکم دے رہے ہیں اور بندوں کو وہی حکم دیا جاسکتا ہے جو ان کے مقدور میں ہو اسلئے کماحقہ ڈرنے کے معنی مقدور بھر ڈرنا ہی ہیں بالفاظ دیگر اگر دوسری آیت نہ بھی ہو تب بھی کماحقہ ڈرنے کے معنی مقدور بھر ڈرنا ہیں ۔زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دوسری آیت نے پہلی آیت کی وضاحت کر دی۔

تقویٰ کے مختلف مراحل سے متعلق آیات

امام نووی علیہ الرحمۃ نے جن پانچ آیات کو پیش کیا ہے وہ سب تقویٰ کے دوسرے معنی ـــ اللہ کا ڈر اور آخرت کے

خوف سے متعلق ہیں تقویٰ کے پہلے معنی۔ گناہوں اور معصیتوں سے باز آنا، بچنا اور دور رہنا۔ سے اور تقویٰ کے ان تین مراحل سے متعلق کوئی آیت پیش نہیں کی جن کا ذکر ہم تشریح کے ذیل میں کر چکے ہیں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ وہ تین مرحلے حسب ذیل ہیں۔

(۱) اوّل نفس کو تمام رذیلتوں، حیوانی خصلتوں، گناہوں اور معصیتوں سے پاک و صاف کرنا۔

(۲) دوم نفس کو تمام روحانی کمالات و فضائل۔ اعتقادات حقہ، عبادات و طاعات، اعمالِ صالحہ و اخلاقِ فاضلہ سے آراستہ کرنا۔

(۳) سوم اخلاص یعنی اللہ جل شانہ کو ہر وقت حاضر و ناظر اور نگران باور کر کے صرف اور محض اللہ جل شانہ کے لیے سب کچھ کرنا۔

اگرچہ امام نووی رحمہ اللہ کی انتخاب کردہ پانچ آیات میں اللہ جل جلالہ سے کما حقہٗ ڈرتے رہنے کے ضمن میں مکمل پرہیزگاری کی زندگی کے میسر آنے کا ذکر اجمالاً آگیا ہے لیکن ہم پرہیزگاری کے ان تینوں مرحلوں سے متعلق الگ الگ کم از کم ایک ایک آیت کا مزید ذکر کر دینا مناسب سمجھتے ہیں ورنہ تو قرآنِ عظیم میں پرہیزگاری کے ان تینوں مرحلوں سے متعلق علیحدہ علیحدہ آیات بکثرت موجود ہیں اور اہلِ علم خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔

(۱) تخلی عن الرذائل

نفس کو رذیلتوں سے پاک کرنا۔ اس سلسلہ میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ ع ۲۳)

تم پر روزے اسی طرح فرض کیے گئے ہیں جیسے تم سے پہلی امتوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

یہ حقیقت ہے کہ روزہ ایک ایسی عظیم عبادت ہے کہ خواہشاتِ نفس کی سرکوبی اور رذائل نفس۔ کھانے پینے اور جماع کرنے کی حد سے متجاوز خواہش، اور ان تینوں کے سامان و لوازمات کے لیے مال و دولت جمع کرنے کی حرص و طمع اور بخل و اسراف اور اس کے نتیجہ میں حسد، عداوت وغیرہ رذائل نفس کی بیخ کنی کرنے میں روزہ بالخاصہ مؤثر و مفید ہے خصوصاً مسلسل ایک ماہ کے روزے رکھنے اور اس کے ساتھ ساتھ بقدرِ مقدرت رمضان کی راتوں میں شب بیداری اختیار کرنے اور کم از کم کامل دس دن تک اعتکاف میں بیٹھنے کا حکم دینے اور اس سنت۔ قیام لیل اور اعتکاف۔ کو قائم فرمانے کا منشا ہی درحقیقت نفس کو۔ رذائل نفس سے پاک کرنے کی غرض سے۔ تین ملکی خصلتوں کا عادی بنانا ہے۔ اوّل کم خوری دوم کم خوابی سوم کم گوئی و کم اختلاطی۔ قرآن و حدیث اور شریعت کی تعلیمات کے علاوہ حکماء اخلاق بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نفس کی تمام رذیلتیں پرخوری، پرخوابی اور پرگوئی کی پیداوار ہوتی ہیں۔

خالقِ کائنات، حکیمِ مطلق جل شانہ نے مذکورہ بالا آیت کریمہ میں انہی تینوں خصلتوں کی بیخ کنی کرنے کی حکمت کے تحت اپنے بندوں کو ایک ماہ۔ رمضان المبارک۔ کے روزے رکھنے کا حکم دیا ہے اور متقی اعظم، نبی رحمت ﷺ نے قیام لیالی رمضان۔ رمضان کی راتوں میں تراویح اور نوافل پڑھنے۔ اور کم از کم رمضان کے آخری دس دن رات اعتکاف

میں بیٹھنے کی سنت قائم کی ہے تاکہ وہ پرہیز گاری کا پہلا مرحلہ بآسانی طے کر سکیں۔

شرط

بشرطیکہ وہ روزے حقیقی معنی میں روزے ہوں نہ کہ قسم قسم کے لذیذ سے لذیذ تر نفس کو فربہ کرنے والی کھانے پینے کی چیزوں کے حصول کا ذریعہ اور بہانہ۔ جیسے کہ ہم روزے رکھتے ہیں۔ اور پھر صرف ایک ماہ کے روزوں پر اکتفا نہ ہو بلکہ سب سے بڑے پرہیز گار ﷺ کی سنت اور اسوۂ حسنہ کے مطابق ہر مہینے میں کم از کم تین روزے برابر رکھتے رہیں اور رمضان المبارک کی پڑی ہوئی عادت کے تحت تہجد کی نماز بھی پڑھتے رہیں اور اعتکاف کی عادت کے تحت دن یا رات کے کسی کسی حصہ میں دنیا و مافیہا سے بے تعلق ہو کر ذکر اللہ اور مراقبہ کے ورد کو بھی نہ چھوڑیں تو اللہ کے ارشاد کے مطابق انسان کے لئے متقی اور پرہیز گار بننا ضرور آسان ہو جائے گا اور آیت کریمہ

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ — اللہ کے ولی تو صرف پرہیز گار لوگ ہی ہوتے ہیں۔

کے تحت اولیاء اللہ کے مقدس زمرہ میں شامل ہونے کی سعادت میسر آجائے گی ان شاء اللہ العزیز

(۲) تحلی بالفضائل

نفس کو انسانی فضائل و کمالات سے آراستہ کرنا۔ اس سلسلہ میں ارشاد ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ (۱) مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ (۲) وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ (۳) وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ (۴) وَاٰتَى الزَّكٰوةَ (۵) وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا (۶) وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔

نیکی کچھ اسی میں منحصر نہیں ہے کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف اپنا منہ (رخ) کر لو بلکہ (اصل) نیکی تو اس شخص کی ہے جو (۱) اللہ (اور اس کی صفات) پر، روز قیامت پر، فرشتوں پر، (آسمانی) کتابوں پر اور (تمام) نبیوں پر (دل و جان سے) ایمان لے آئے (۲) اور (جو) مال کی محبت کے باوجود اس کو رشتہ داروں پر، یتیموں پر، محتاجوں پر، مانگنے والوں پر اور (قرض وغیرہ سے) گردنیں چھڑانے میں (حسب ضرورت و مصلحت) خرچ کرے (۳) جو نماز کو قائم رکھے، زکوٰۃ ادا کیا کرے (۴) اور جو لوگ عہد کر لینے کے بعد عہد کو پورا کریں اور تنگدستی میں سختیوں میں اور (اللہ کی راہ میں) لڑائیوں میں صبر اور ثابت قدمی اختیار کریں یہی مذکورہ بالا لوگ (خدا پرستی کے دعوے میں) سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیز گار ہیں۔

ذرا غور فرمائیے یہ آیت کریمہ اعتقادات حقہ، اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کے اصول پر کس قدر حاوی اور جامع آیت ہے اور انہی برگزیدہ لوگوں کو جو ان خصائل و کمالات سے آراستہ ہوں سچا پرہیز گار بتلایا گیا ہے بلکہ عربیت کے قاعدہ کے تحت پرہیز گاری کو انہی لوگوں میں منحصر اور انہی کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے۔

(۳) اخلاص

نفس انسانی کو رذائل سے پاک اور فضائل سے آراستہ کرنے کی تکمیل اخلاص سے ہوتی ہے جس کو مذکورہ سابق حدیث جبرئیل علیہ السلام میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ آیت کریمہ ذیل میں اس اخلاص کے الٰہی رنگ سے مزین پرہیزگار مومنوں کو محسنین کے وصف سے موصوف فرمایا ہے اور تقویٰ کے اس مرتبہ کو احسان سے تعبیر فرمایا ہے ارشاد ہے:

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے، ان پر کوئی گناہ نہیں (ان) چیزوں کے کھانے (پینے) میں (جو اس وقت حلال تھیں) جبکہ وہ (اس وقت تک کی حرام چیزوں سے) بچتے رہے اور ایمان پر قائم رہے اور نیک کام کرتے رہے پھر (مزید) پرہیزگاری اور ایمان پر قائم رہے پھر (اور زیادہ ترقی کی اور) پرہیزگاری اور احسان (اخلاص) پر قائم رہے۔ اور اللہ (ایسے مخلص اور) نکوکاروں سے ہی محبت کرتا ہے۔

دیکھئے اس آیت کریمہ میں تقویٰ ۔ پرہیزگاری ۔ کے تین مرتبوں کی تصریح ہے پہلا مرتبہ عمل سے متعلق ہے دوسرا ایمان سے اور تیسرا اخلاص سے تفصیل اس کی حسب ذیل ہے۔

(۱) اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ — پہلا مرتبہ محرمات شرعیہ اور کبیرہ وصغیرہ گناہوں سے کلی طور پر اجتناب کرنا اور فرائض و واجبات شرعیہ کو پابندی کے ساتھ ادا کرنا۔

(۲) ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا — دوسرا مرتبہ مشتبہ امور (جن میں حرام اور ممنوع ہونے کا شائبہ بھی ہو) ان سے بھی اجتناب کرنا اور ایمان کی تکمیل کرنے والی مسنون اور مستحب عبادات وطاعات کی بھی پابندی کرنا۔

(۳) ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا — تیسرا مرتبہ۔ شرعاً جائز اور مباح مگر ناپسندیدہ امور اور توجہ الی اللہ میں رخنہ اندازی کرنے والی چیزوں، سے بھی اجتناب کرنا اور کامل یقین کے ساتھ ہر وقت اللہ کو اپنے سامنے باور کرنا کہ وہ ہمیں ضرور دیکھ رہا ہے۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ قرآن مجید کے فوائد کے ذیل میں حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ محققین نے لکھا ہے کہ: تقویٰ ۔ دینی مضرتوں سے بچنے ۔ کے کئی درجے ہیں اور ایمان ویقین کے مراتب بھی، قوت و ضعف کے لحاظ سے متفاوت (مختلف) ہیں تجربہ اور نصوص شرعیہ (شریعت کی تصریحات) سے ثابت ہے کہ جس قدر آدمی ﷲ کے خوف و ذکر و فکر، عمل صالح اور جہاد فی سبیل اللہ کی راہ میں مجاہدہ میں ترقی کرتا ہے اسی قدر اللہ کے خوف اور اس کی عظمت و جلال کے تصور سے اس کا قلب معمور (آباد) اور ایمان و یقین مضبوط اور مستحکم ہوتا رہتا ہے۔

مراتب سیر الی اللہ رسلوک کے مرتبوں) کی اسی ترقی اور عروج کی طرف اس آیت میں تقویٰ اور ایمان کی تکرار بار بار ذکر کرنے سے اشارہ فرمایا ہے۔ اور سلوک کے آخری مقام احسان اور اسکے ثمرہ راللہ کے محبت کرنے) پر متنبہ فرمایا ہے۔

اس آیت کا شان نزول

اس آیت کریمہ کا ترجمہ اور مطلب کما حقہٗ سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اسکا شانِ نزول ۔ واقعہ جس سے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ۔ بیان کر دیا جائے ۔ واضح ہو کہ یہ آیت کریمہ تحریم خمر ۔ شراب کی حرمت ۔ کے بعد صحابہ کرام کے ایک شبہ کا جواب دینے کی غرض سے ، نازل ہوئی ہے وہ شبہ یہ ہے کہ وہ مسلمان ۔ جو شراب کے حرام ہونے سے پہلے شراب پیتے رہے اور شراب کے حرام ہونے سے پہلے ہی وہ وفات پا گئے ۔ اُن کی شراب نوشی پر آخرت میں مواخذہ ہوگا یا نہیں ؛ جواب بالکل واضح ہے کہ اُن کی زندگی میں جو چیزیں حرام تھیں جب وہ زندگی بھر اُن سے بچتے اور اجتناب کرتے رہے تو اُن سے شراب پینے پر مواخذہ کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اسلئے کہ شراب اُس وقت حلال تھی اور اسکا پینا گناہ نہ تھا ، حرام تو اُن کی وفات کے بعد ہوئی ہے اب جو کوئی پیئے گا وہ ضرور گنہگار ہوگا اور توبہ نہ کی تو آخرت میں اُس پر ضرور مواخذہ ہوگا ۔

ایک ضروری تنبیہ ، اتباع سنت کے بغیر نہ کوئی متقی بن سکتا ہے نہ ولی اللہ

تقویٰ اور پرہیزگاری کے اُن مراحل کو طے کرنے کے دوران اور متقی یعنی اللہ کا ولی اور محبوب بننے کی جدوجہد کے اثنا میں متقیٔ اعظم ۔ سب سے بڑے پرہیزگار ۔ محبوب رب العالمین ﷺ کی سنتِ مقدسہ اور آپ کے اُسوۂ حسنہ کو ہر ہر قدم پر پیش نظر رکھنا از بس ضروری ہے ۔ اور اسکا علم آپ کی احادیث پڑھے اور جانے بغیر نہیں ہو سکتا ۔ آپ کی سنت اور سیرت سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر قدم نہ پڑنا چاہیئے ۔ اس لئے کہ متقی یعنی اللہ کا ولی اور محبوب بننے کی پہلی اور لابدی شرط محبوب رب العالمین ﷺ کی سُنّت کا اتباع اور آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی ہے ۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے حبیب پاک ﷺ کی زبانِ مبارک سے ہی اعلان کراتے ہیں :

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران ۴) (اے نبی تم) کہدو : اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو ، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا ۔

اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک مومن مسلمان کے لئے حق تعالیٰ شانہ کی طرف بڑھنے میں حق تعالیٰ شانہ کی محبت کا جذبہ ضرور کار فرما ہونا چاہیئے یعنی اگر ہم خود حق تعالیٰ شانہ سے محبت کرینگے اور اسکے کہنے پر چلیں گے تو حق تعالیٰ شانہ بھی ہم سے محبت کرینگے اور اپنی رحمت کے دروازے کھول دینگے سچی محبت ہوتی بھی دو طرفہ ہی ہے ۔ یہی غیرتِ الٰہی کا تقاضہ ہے ۔

قارئین سے استدعا

ہمیں یقین ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والے تقویٰ کی ان تفصیلات کو پڑھنے اور سمجھنے کے بعد اسلام کے اس عظیم ترشعار اور انسانیت کے اس سب سے بڑے شرف کی حقیقت اور فوائد سے واقف ہو کر ۔ جس پر ۔ آیت کریمہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ شریف سب سے زیادہ پرہیزگار مسلمان ہے ۔

کے تحت۔ دنیا اور دین دونوں میں بزرگی اور بڑائی کا مدار ہے ۔ اس شرف کو تلاتے ہوئے طریق پر حاصل کرنے کی اگر کوشش کرینگے تو اللہ جل شانہ ان کی ضرور مدد فرمائیں گے اور ان کو متقی و پرہیزگار بنا دینگے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اسکی توفیق اور متقی بننے کی سعادت نصیب فرمائیں آمین دعا کیا کیجئے۔

اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَا فَاِنَّکَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلٰھَا	اے اللہ تو میرے نفس کو پرہیزگاری نصیب فرمادے اور اسکو (تمام آلودگیوں سے) پاک و صاف کردے ۔ اسلئے کہ تو ہی اسکا بہترین تزکیہ کرنے والا ہے تو ہی اسکا والی (وارث) ہے تو ہی اس کا مولی ہے۔

احادیث

حدیث نمبر (۱/۶۹) سب سے زیادہ شریف کون ہوتا ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

(ایک مرتبہ) فخر کائنات، نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا:
یارسول اللہ! لوگوں میں سب سے زیادہ شریف کون ہوتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو"۔ تو صحابہ نے عرض کیا، ہم آپ سے یہ تو دریافت نہیں کرتے (کہ اللہ جل شانہ کے نزدیک سب سے زیادہ شریف کون ہے؟) تو آپ نے ارشاد فرمایا: تو (نسب کے اعتبار سے تو) سب سے زیادہ شریف سیدنا یوسف علیہ السلام ہیں جو خود بھی نبی ہیں اور اللہ جل شانہ کے نبی یعقوب علیہ السلام کے بیٹے بھی ہیں جو خود بھی نبی ہیں اور اللہ جل شانہ کے نبی اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے بھی ہیں جو خود بھی نبی ہیں اور اللہ جل شانہ کے خلیل سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے بھی ہیں (یعنی یوسف علیہ السلام خود بھی نبی ہیں اُن کے باپ بھی نبی ہیں دادا بھی نبی ہیں اور پردادا، نہ صرف نبی ہیں بلکہ اللہ جل شانہ کے خلیل بھی ہیں تو یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر شریف النسب اور کون ہوسکتا ہے) صحابہ نے

عرض کیا: ہم یہ بھی آپ سے دریافت نہیں کرتے (یہ تو انبیاء کرام علیہم السلام ہیں ان کا تو کہنا ہی کیا، ہم تو عام انسانوں کے متعلق دریافت کرتے ہیں) تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: تو تم عرب کی کانون (قبیلوں) کے متعلق دریافت کرتے ہو؛ تو یاد رکھو! جو لوگ عہدِ جاہلیت میں (اسلام سے پہلے زمانہ میں) اچھے اور بہتر تھے وہ اسلام میں (داخل ہونے کے بعد) بھی اچھے اور بہتر ہیں بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ (یعنی شرعی احکام و تعلیمات میں بصیرت) حاصل کرلیں

تشریح!

اسلام میں شرافت کا معیار پرہیزگاری ہے

اس حدیث پاک میں تقویٰ پرہیزگاری کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس حدیث کا تقویٰ کے باب سے تعلق بظاہر صرف پہلے جواب کے اعتبار سے ہے یعنی شرف اور کرم کا مدار تو صرف پرہیزگاری پر ہے جو جتنا زیادہ پرہیزگار ہوگا اتنا ہی زیادہ شریف ہوگا اور آپ کا یہ جواب قرآن کریم کی آیتِ کریمہ ذیل سے ماخوذ ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ
(الحجرات ع ۲۴)

اے لوگو (انسانو) ہم نے تم کو ایک مرد (آدم) اور ایک عورت (حوا) سے پیدا کیا ہے اور تم کو کنبوں اور قبیلوں میں (صرف) اسلئے تقسیم کر دیا ہے کہ تم ایک دوسرے کو (قرابت کے اعتبار سے) پہچانو (اور رشتہ داری کے حق ادا کرو) بیشک تم میں سب سے زیادہ شریف آدمی اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے

یعنی کرم اور شرف کا تعلق قبیلوں اور خاندانوں یعنی سلسلۂ نسب سے مطلق نہیں ہے۔ کرم اور شرف کا مدار تو صرف اعتقاداتِ حقہ، اعمال و اخلاق، اور فضائل و کمالات پر ہے جس قدر کوئی شخص اعتقاداتِ حقہ، اعمال صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ کا زیادہ مالک ہوگا اسی قدر وہ زیادہ شریف اور کریم (لائق احترام) ہوگا۔

اسلام میں نسبی شرافت

لیکن صحابہ کرام نے دوسری بار سوال کر کے اپنے مدعا نسبی شرافت کی طرف اشارہ کیا تو اسکے جواب میں بھی ہادی عالم ﷺ نے سیدنا یوسف علیہ السلام اور انکے آباؤ اجداد کا جو سب کے سب انبیاء کرام علیہم السلام ہیں۔ ذکر فرما کر پھر اسی کی طرف اشارہ فرمایا کہ انسان کی نسبی شرافت اسی وقت قابلِ ذکر اور لائق فخر ہے جبکہ وہ روحانی کمالات و فضائل اور مکارم اخلاق

کے ساتھ بھی آراستہ ہو اور ظاہر ہے کہ نبوت اور وہ بھی مسلسل چار پشتوں میں، اس سے بڑھ کر دینی، روحانی اور اخلاقی کمال و شرف۔ اور کیا ہو سکتا ہے۔ گویا آپ نے دوسرے پیرایہ میں پہلے جواب کو ہی دہرایا۔

صحابہ کا مدعا پھر بھی پورا نہ ہوا، وہ عام دنیوی، نسبی اور خاندانی شرافت کے متعلق دریافت کرنا چاہتے تھے تو تیسری مرتبہ آپ نے اُن کے مدعا فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْئَلُوْنِیْ کی تعیین فرما کر جو جواب دیا اس میں بھی اس امر کی تصریح فرمائی کہ اسلام اور اس کی اعتقادی، عملی اور اخلاقی تعلیمات کی واقفیت اور بصیرت سے کوری اور مُعرّا نسبی اور خاندانی شرافت اسلام میں کوئی چیز نہیں وہ تو صرف تعلقات قرابت کے معلوم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

شرف اور کرم دین و دنیا دونوں میں انہی لوگوں کا قابل ذکر اور لائق قدر ہے جو خاندانی شرافت کے ساتھ ساتھ اسلام اور اسکی تعلیمات نیز اخلاق فاضلہ کی واقفیت و بصیرت کے بھی علماً و عملاً مالک ہوں۔

خالص خاندانی شرافت تو انسان کو شیطان بنا دیتی ہے

ورنہ تو نری خاندانی شرافت تو صرف رعونت و تکبر اور نخوت و غرور ہی پیدا کرتی ہے اور بڑھتے بڑھتے شیطان کی طرح مردود و ملعون بنا دیتی ہے۔ شیطان نے بھی مادی شرافت اور برتری کو ہی اپنی برتری اور آدم کی کمتری کی دلیل قرار دیا تھا وہ کہتا ہے:

اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ (اعراف: ۱۲)	میں آدم سے بہتر و برتر ہوں اسلئے کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو پانی ملی سیاہ مٹی (گارے کیچڑ) سے پیدا کیا ہے۔

اور اسی بنیاد پر اس نے خود اپنے خالق کے حکم —آدم کو سجدہ کرنے کے حکم— کو بھی ٹھکرا دیا تھا کہ یہ حکم میری شان کے خلاف ہے میں اسے نہیں مان سکتا چنانچہ ﷻ فرماتے ہیں: اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ — اس نے (آدم کو سجدہ کرنے سے) صاف انکار کر دیا اور اسکو اپنی شان کے خلاف قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تنہا نسبی اور خاندانی شرافت نہ صرف یہ کہ کوئی قابل فخر چیز نہیں بلکہ انتہا درجہ خطرناک اور تباہ کن چیز ہے۔

خاندانی شرافت کس صورت میں ﷻ کا انعام ہے

ہاں اگر نسبی شرافت اسلام کی تعلیمات اور تَفَقُّہ فِی الدِّیْن — دین کی فہم اور بصیرت — سے بھی آراستہ ہو اور پرہیزگاری کی زینت سے مزین ہو تو یقیناً خاندانی شرافت ﷻ کا بہت بڑا انعام اور دوہرا احسان ہے۔

اس انعام کا شکریہ کیا ہے

اور اس انعام و احسان کا شکریہ ادا کرنا انسان کا فرض ہے اور وہ یہ ہے کہ خالق کائنات ﷻ کی تمام مخلوق کو۔ خواہ وہ شریف النسب ہوں یا غیر شریف النسب۔ یکساں انسان، اور آدم و حوا کی اولاد ہونے کے اعتبار سے اپنا بھائی اور برابر سمجھے اور ﷻ اور اسکے رسول کے نزدیک جو لائق عزت و احترام ہوں یعنی مسلمان اور پرہیزگار ہوں اُنکی دل سے عزت و احترام کرے۔ اگرچہ وہ خاندانی اعتبار سے کتنے ہی کمتر کیوں نہ ہوں — اور جو لوگ ﷻ اور اس کے

رسول ﷺ کے نزدیک مردود و ملعون (کافر) یا فاسق و فاجر۔ بدکار۔ ہوں اُن سے بیزاری کا اظہار کرے — اگرچہ وہ کتنے ہی عالی نسب اور شریف خاندان کیوں نہ ہوں۔

کوری نسبی شرافت کس کا ورثہ ہے

حاصل حضور ﷺ کے تینوں جوابوں کا یہی ہے کہ اسلام اور دینی بصیرت یعنی پرہیزگاری۔ جس کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔ سے محروم نسبی اور خاندانی شرافت تو فرعون، نمرود اور ابوجہل و ابولہب بلکہ شیطان کا ورثہ ہے جن کا ٹھکانا جہنم ہے۔

دنیا والوں کے نزدیک شرافت کا معیار

اہل دنیا بھی انسان کے شخصی کردار اور اخلاق ہی کو معیار شرف و احترام سمجھتے ہیں اور شریفوں کی بدکردار و بد اطوار اولاد کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور اُن کے اپنے باپ دادا پر فخر کرنے اور اُنکی بدولت اپنی عزت کرانے کے جذبہ کو، باپ دادا کی ہڈیوں کی تجارت سے تعبیر کرتے ہیں۔

بزرگوں کی بدکردار اولاد کی کون لوگ عزت کرتے ہیں

وہ لوگ درحقیقت بزدل یا خود غرض خوشامدی اور لالچی ہوتے ہیں جو محض اپنی اغراض کے لئے — بزرگوں کی بدکردار اور بد اطوار اولاد کو — جانتے بوجھتے۔ سروں پر اُٹھائے پھرتے ہیں یا فاسق و فاجر اور بدکردار و بد اطوار افسروں یا حکمرانوں یا مالداروں کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے رہتے ہیں نمائشی عزت و احترام میں سر تسلیم خم کئے رہتے ہیں محض اپنی ناجائز اغراض کے لئے۔ یہ انسانیت کی موت ہے:۔

بدکردار لوگوں کی تعریف اور عزت و احترام سے عرش بھی لرز جاتا ہے

یاد رکھئے! رحمت عالم ﷺ متنبہ فرماتے ہیں۔

إِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ تَعَالَى وَاهْتَزَّ لَهُ الْعَرْشُ	جب بدکار و بدکردار شخص کی تعریف کی جاتی ہے تو پروردگار عالم حد درجہ غضبناک ہو جاتے ہیں اور عرش عظیم بھی اُنکے غضب سے لرز اُٹھتا ہے۔

خاندانی شرافت کی حقیقت اسلام کی نظر میں

نیز ہادی دو جہاں ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

إِنَّ اللهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ إِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ أَوْ فَاجِرٌ شَقِيٌّ النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ	بیشک اللہ جل شانہ نے تمہارے اندر سے (ایمان و اسلام کی بدولت) جاہلیت (اسلام سے پہلے زمانہ) کی نخوت و رعونت اور باپ دادا پر فخر کرنے (کی جاہلانہ عادت) کو دور کر دیا ہے۔ اب تو آدمی یا پرہیزگار مومن ہوتا ہے یا بدکار مردود ہوتا ہے، سب لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم (کا خمیر) مٹی سے بنا ہے۔

یعنی اپنی اصل و نسل کے اعتبار سے تو آدم کی اولاد کو کسی فخر و شرف کی گنجائش ہو ہی نہیں سکتی اسلئے کہ سب کی اصل و نسل ایک ہے ہاں دینداری اور پرہیزگاری بیشک انسان کو لائق عزت و احترام بنا سکتی ہے۔

خاندانی شرافت پر اس طویل تبصرہ کی وجہ اور معذرت

دینداری اور پرہیزگاری سے محروم خاندانی شرافت اور اس پر فخر اور بدکار و بدچلن لوگوں کی عزت و احترام اور مدح سرائی کی وبا اس زمانہ میں بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہے اسلئے ہم نے ذرا تفصیل سے اس پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں بارگاہِ رب العالمین میں دست بدعا ہیں کہ وہ اپنی رحمت سے ہم سب کو اس وبائی بیماری سے محفوظ رکھیں آمین بحق طٰہٰ و یٰسین۔

پرہیزگاری کے لئے سب سے بڑا خطرہ | حدیث نمبر (۲/۲)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مخبر صادق ﷺ نے آگاہ فرمایا کہ: بیشک دنیا (کی نعمتیں) بے حد شیریں، دلکش اور نظر فریب ہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ (اپنے وعدہ کے بموجب اسلامی فتوحات کے بعد) اُن پر تمہیں قابض (و متصرف) فرمائینگے (اور دنیا بھر کے سامان عیش و تعیش کا تمہیں مالک بنا دینگے) پھر دیکھیں گے تم کیا کرتے ہو؟ پس تم ان دنیا کی نعموں (میں مستغرق ہونے اور کھو جانے) سے بچنا اور دور رہنا اور (خاص طور پر) عورتوں (کی محبت میں اندھے بننے) سے تو بہت ہی ڈرتے اور بچتے رہنا اسلئے کہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم) بنی اسرائیل کی پہلی آزمائش عورتوں ہی (کے بارے) میں ہوئی تھی (اور وہ عورتوں کی محبت میں ہی اندھے ہو کر تمام گمراہیوں اور حرام کاریوں میں مبتلا اور تباہ ہوئے تھے)

تشریح!

عورت کی اندھی محبت پرہیزگاری کی سب سے بڑی دشمن ہے

اس دنیا اور اسکی تقوی شکن نفسانی خواہشات اور دنیاوی نعمتوں کی تفصیل آپ تقویٰ کے بیان میں آیت کریمہ زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ الآیہ کے تحت پڑھ چکے ہیں اور اس اندھی محبت کا حال بھی پڑھ چکے ہیں جو پرہیزگاری اور خدا پرستی کی سب سے بڑی دشمن ہے اور جو انسان کو دنیا اور آخرت دونوں میں ہلاک کر ڈالتی ہے

بہتر ہے کہ آپ اس بیان کو پھر پڑھ لیں۔ دیکھیے ان نفسانی خواہشات اور انسان کو اندھا بنا دینے والی نعمتوں میں سرِ فہرست۔ اوّل نمبر پر۔ عورتوں کی محبت ہے اسی لئے تقویٰ سے متعلق اس حدیث پاک میں بھی نبی رحمت ﷺ نے اپنی اُمت کو نفسانی خواہشات اور دُنیا کی تمام نعمتوں سے پرہیز کرنے کے ساتھ ساتھ خاص طور پر عورتوں کی محبت سے بچنے اور دُور رہنے کی ہدایت فرمائی اور بنی اسرائیل کی تباہی کی مثال یاد دلا کر عورتوں کے فتنہ سے ڈرتے اور بچتے رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ نفس کی وہ خواہش اور لذت۔ جنسی لذت۔ جو بڑے سے بڑے عاقبت اندیش اور ہوشمند انسان کو بھی بالکل اندھا بنا دیتی ہے وہ مردوں کو عورتوں سے اور عورتوں کو مردوں سے ہی حاصل ہوتی ہے پھر اسی لذت کی تکمیل کے لئے شراب بھی پی جاتی ہے۔ سور کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے اور گانے بجانے، برہنہ رقص و سرود اور عریانی و فحاشی کی محفلوں۔ کلبوں۔ سے اس آگ کو اور بھڑکایا جاتا ہے اور اس شیطانی خواہش اور لذت کا بھوت سروں پر سوار ہو کر تکمیل عیش اور مزید ہوس رانی کی غرض سے، حرام و حلال کی تمیز کئے بغیر اندھا دھند مال و دولت جمع کرنے پر مجبور کرتا ہے اور انسان مال و دولت کی حرص و ہوس میں گرفتار ہو کر سخت سے سخت جُرم چوری، رہزنی، جعلسازی وغیرہ کے ارتکاب تک کا عادی بن جاتا ہے۔ خیانت، بددیانتی اور دھوکہ دہی تو معمولی بات ہے۔ اس لحاظ سے یہ نفسانی خواہش و لذت اور مردوں کے لئے عورتوں کی اور عورتوں کے لئے مردوں کی یہ اندھی محبت، تمام بدکاریوں، حرام کاریوں اور جرموں کے ارتکاب کی جڑ ہے اور پرہیزگاری یعنی اعلیٰ کردار، بلند اخلاق اور پاکیزہ فطری اقدار کی سب سے بڑی دشمن ہے۔ اس حیوانی خواہش و لذت اور اسکے نتیجہ میں عورت کی محبت کا سب سے زیادہ بُرا اور خطرناک نتیجہ باہمی رقابت، رشک و حسد اور بغض و کینہ ہے۔ جسکے نتیجہ میں قتل اور خون ریزی کے واقعات آئے دن ہم اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں ننانویں ۹۹ فیصد قتل کے واقعات کی تہ میں عورت کا فتنہ کارفرما ہوتا ہے

عورت کا فتنہ صرف شخصی زندگی کو ہی تباہ نہیں کرتا

یہ عورت کا فتنہ صرف ایک انسان ہی کی شخصی تباہی کا سبب نہیں بنتا بلکہ بڑھتے بڑھتے ملکوں، قوموں اور حکومتوں کی تباہی کا سبب بنتا ہے تاریخ کے صدہا واقعات اسکے شاہد ہیں۔ اسلئے یہ ایک ناقابلِ انکار و تردید حقیقت ہے کہ سب سے بڑا فتنہ عورت کی اندھی محبت ہے اور اسکا توڑ کیجئے یا اس "زہر" کو اتارنے والا "تریاق" صرف "اسلامی تقویٰ" اور پرہیزگاری ہے۔

پرہیزگاری کا دوسرا دشمن

اسکے بعد دوسرے نمبر پر پرہیزگاری کا دشمن "حبِ مال" کا فتنہ ہے۔ یعنی بے حساب مال و دولت کے انبار جمع کرنے کی حرص و ہوس۔ اسی لئے رحمتِ عالم ﷺ نے اپنی اُمت کو اس خطرناک فتنے سے بھی آگاہ اور خبردار فرمایا ہے ارشاد ہے:

لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةٌ وَّفِتْنَةُ اُمَّتِي الْمَالُ	ہر نبی کی اُمت کی ایک آزمائش کی چیز ہوتی ہے اور میری امت کی آزمائش کی چیز مال ہے ۔

تقویٰ کی تشریح کے ذیل میں بیان شدہ مذکورہ سابق آیت کریمہ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ الآیہ میں اس مال کو وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ ۔سونے چاندی کے تربتہ لگائے ہوئے انبار ۔ سے تعبیر فرمایا ہے ۔ دُنیا کے تجربات و واقعات شاہد ہیں کہ ہوس مال و زر تقویٰ اور پرہیزگاری تو رہی ایک طرف، یہ اندھی محبت اور ہوس تو کوئی بھی ایسا بُرے سے بُرا حرام کام اور حرام مال حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں جس کو اختیار کرنے پر انسان کو مجبور نہ کرتی ہو اور اسکے نتیجہ میں دنیا اور آخرت دونوں میں ذلیل و خوار اور رسوا و روسیاہ نہ کر دیتی ہو قرآن کریم میں اس زر اندوزی پر بڑی شدید وعید آئی ہے جس کو سنکر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مذکورہ ذیل حدیث میں جل جلالہ کی قسم کھا کر اس تباہ کن خطرہ سے خبردار کیا ہے ارشاد ہے :

فَوَاللهِ لَا اَخْشٰى عَلَيْكُمُ الْفَقْرَ وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْا فِيْهَا كَمَا تَنَافَسُوْا فَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ	پس خدا کی قسم فقر و افلاس کا مجھے تمہارے متعلق کوئی اندیشہ نہیں (تم اس سے تباہ نہ ہوگے) لیکن میں تو تمہارے بارے میں صرف اس سے ڈرتا ہوں کہ دنیا (کی مال و دولت) کے دروازے تم پر کھول دیئے جائیں جیسے پہلی قوموں پر کھول دیئے گئے تھے پھر تم ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اسکی حرص و ہوس میں ایسے ہی گرفتار ہو جاؤ جیسے وہ گرفتار ہو چکے ہیں اور پھر وہ دنیا تم کو اسی طرح ہلاک کر ڈالے جیسے انکو ہلاک کر دیا

اس حرص و ہوس مال و زر کے سُم قاتل ۔ مہلک زہر ۔ کا تریاق بھی یہی تقویٰ اور پرہیزگاری ہے ۔

یاد رکھئے ! شریعت کی تعلیمات کے مطابق حلال اور جائز آمدنی کے ذرائع سے مال و دولت حاصل کرنا اور پھر خدا اور رسول کے بتلائے ہوئے مصارف میں اسکو خرچ کرتے رہنا وہ "نسخہ شفاء ربّانی" ہے کہ اسکو استعمال کرتے رہنے اور پرہیزگاری کے اصول کی پیروی کرتے رہنے کی صورت میں حُبِّ مال اور ہوسِ زراندوزی کا مرض پاس بھی نہیں پھٹک سکتا ۔

پرہیزگاری کا تیسرا دشمن

پرہیزگاری کا تیسرا دشمن نفس انسانی کی تیسری بھوک جوع الارض یعنی زمین جائیداد کی ہوس ہے ۔عورت اور دولت کے بعد تیسرا فتنہ جاگیرداری اور ملک گیری کا فتنہ ہے ۔اس مرض میں مبتلا اور اس فتنہ میں گرفتار انسان سب سے زیادہ ظلم و جور کا ۔ خصوصاً غریبوں ، کمزوروں ، یتیموں ، بچوں اور عورتوں پر ۔ مرتکب ہوتا ہے ۔ اور آخر میں بڑا ہی بے رحم اور سنگدل کہئے قصائی بن جاتا ہے قرآن کریم میں ایسے ظالموں کے لئے بڑی شدید وعیدیں آئی ہیں شہوات نفسانی کے اصول پر مشتمل آیت کریمہ میں حبّ جائیداد و جاگیرداری کو والانعام والحرث ۔ اور مویشیوں اور زمین کی پیداوار کی محبت ۔ سے تعبیر کیا ہے ۔

غرض اس میں تو کوئی شک و شبہ کی گنجائش ہے ہی نہیں کہ جنسی لذت ، مال و زر اور زمین و جائیداد کی ہوس ۔ جنکا نام

دُنیا ہے۔ تمام تر بدکاریوں کا سرچشمہ ہے اسی سے بچنے اور دُور سے دُور تر رہنے کی ہدایت حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت میں کی گئی ہے اسی کا نام تقوٰی ہے۔

آزمائش اور اس میں پورا اترنے کی تدبیر

ان دنیا کی نعمتوں میں آزمائش کا پہلو یہ ہے کہ انسان اُنکے بغیر بھی زندگی نہیں بسر کرسکتا اور انکا میسر آنا بھی خطرہ کی گھنٹی ہے یعنی تباہی کے خطرہ سے خالی نہیں۔ اس آزمائش میں پورا اُترنے کا راز۔ جیسا کہ حدیث پاک یعنے لَا اَخشٰی عَلَیکُمُ الفَقرَ میں اشارہ فرمایا ہے ۔ یہ ہے کہ مال و دولت اور سامانِ رفاہیت کی فراوانی کے مقابلہ میں انسان فقر یا افلاس ۔ بقدرِ ضرورت روزی ۔ کو ترجیح دے اور خوش آمدید کہے۔ صبر و قناعت اور تقوٰی کا دامن مضبوطی سے تھامے رہے اور اگر بغیر کسی خاص جد و جہد اور تلاش و سرگردانی کے، دولت و رفاہیت ۔ خوشحالی۔ خود بخود میسر آئے تو اسکو اللہ ﷻ کا خاص انعام و احسان سمجھے۔ نہ کہ اپنی کارگزاری کا نتیجہ۔ اور اللہ ﷻ کا شکر اور حقِ نعمت قولاً و عملاً ادا کرتا رہے مگر دل کو اس کی محبت سے پاک رکھے اور حرص و ہوس کو اپنے پاس تک پھٹکنے دے اسی کا نام پرہیزگاری اور تقوٰی ہے۔

موجودہ زندگی میں ان ہدایات پر عمل کرنے کا فائدہ

رحمتِ عالم ﷺ کی ان شفقانہ ہدایات پر عمل کر کے اور پرہیزگاری کو اختیار کر کے ہم آج کی زندگی میں بھی بے شمار خطرات اور ہلاکتوں سے بچ سکتے ہیں حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

اللہ جل شانہ سے کیا دُعا مانگنی چاہیئے — حدیث نمبر (۳/۱۷)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سرورِ کائنات ﷺ (عموماً دُعا میں) فرمایا کرتے تھے: اے اللہ میں تجھ سے ہدایت کا سوال کرتا ہوں اور پرہیزگاری کا پارسائی کا اور (غنا) مخلوق سے بے نیازی کا (تو یہ چاروں نعمتیں مجھے عطا فرما دے)

تشریح!

چار نعمتیں اور ان کی تشریح

اس حدیث پاک میں نبیّ رحمت ﷺ نے چار عظیم نعمتوں کی خود بھی اللہ جل شانہ سے دُعا مانگی ہے اور اُمت کو بھی اُن کی دُعا مانگنے کی تعلیم دی ہے وہ عظیم نعمتیں یہ ہیں۔

۱۔ ھدیٰ ۔ ہدایتِ الٰہیہ جس کی دعا ہر مسلمان ہر نماز کی ہر رکعت میں مانگتا ہے اھدنا الصراط المستقیم۔ (اے اللہ تو ہم کو سیدھے راستہ پر چلا۔ قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے پیغمبرانہ طریق کار کو بھی ھدیٰ سے تعبیر فرمایا ہے اور خاتم انبیاء ﷺ کو بھی اس کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے: ارشاد ہے:
فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۔ (اے نبی تم ان نبیوں کے طریق کار کی پیروی کیا کرو۔ اسلئے کہ یہی ہدایت الٰہی درحقیقت "ہدایت" ہے ارشاد ہے، قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۔ (اے نبی تم کہہ دو: بے شک ہدایت تو اللہ جل شانہ کی ہدایت ہی ہے (اور اسکے ماسویٰ سب گمراہی و کجراہی ہے)۔ نبی رحمت ﷺ اپنی امت کو بھی ازراہ شفقت اسی "ہدایت" کی دعا مانگنے کی تعلیم دیتے ہیں۔

۲۔ التقیٰ ۔ تقویٰ اور پرہیزگاری جس کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔ تمام محرمات ۔ حرام چیزوں اور کاموں ۔ اور کبیرہ گناہوں سے بچنا جسکا پہلا مرحلہ ہے۔

۳۔ العفاف ۔ پارسائی یعنی تمام ممنوع اور برے اعمال و اخلاق سے بچنا خصوصاً کسی سے سوال کرنے اور کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ذلت اٹھانے سے بچنا، چنانچہ قرآن کریم میں اسی عفاف سے مشتق اور ماخوذ لفظ تعفف، احتیاج کے باوجود کسی کو سوال نہ کرنے کے معنی میں ایسے پارسا حاجتمندوں کی تعریف کے طور پر استعمال ہوا ہے ارشاد ہے:
يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۔ ناواقف آدمی ان حاجتمندوں کو سوال سے بچنے کی وجہ سے غنی (مالدار) سمجھتا ہے (حالانکہ وہ شدید حاجتمند ہوتے ہیں اسلئے کہ انہوں نے دنیا کا تمام کاروبار چھوڑ کر خود کو اللہ جل شانہ کی راہ میں وقف کیا ہوا ہے۔ یہ پارسا حاجتمند اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم تھے)
بہرحال کو جان بچانے کے لئے سوال کرنا جائز ہے تاہم احادیث میں بڑی کثرت اور شدت کے ساتھ سوال کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ یہی پرہیزگاری کا تقاضہ ہے۔

۴۔ الغنیٰ ۔ مخلوق سے بے نیازی ۔ یعنی اللہ جل شانہ کے فضل سے بقدر کفاف ۔ ضروریات پورا کرنے کے بقدر ۔ روزی میسر آنے کی صورت میں اللہ جل شانہ کے سوا اور کسی بھی ہستی کے سامنے اظہار حاجت نہ کرنا اور جو اللہ جل شانہ نے دیا ہے اسی پر قناعت اختیار کرنا۔ حدیث نمبر ۱۲ کے ذیل میں اس صبر و قناعت کی اہمیت اور فوائد کا حال پوری تفصیل کے ساتھ آپ پڑھ چکے ہیں اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے خَيْرُ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ بہترین دولتمندی دل کا غنی ہوتا ہے۔ اور اسی لئے مسنون دعاؤں میں آیا ہے اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ غِنَايَ فِيْ صَدْرِيْ ۔ اے اللہ تو مجھے دل کا غنی بنا دے۔
اسی طرح مسنون دعا ہے آپ بھی روزانہ یہ دعا مانگا کیجئے:
اَللّٰهُمَّ اَغْنِنِيْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ ۔ اے اللہ تو مجھے اپنے فضل و انعام سے اپنے ماسوا سب سے غنی (بے نیاز) بنا دے۔
یعنی دل کو اپنے ماسوا سب کے تصور سے پاک کر دے یہی پرہیزگاری کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔
تقویٰ کے علاوہ باقی تین خصلتیں بھی پرہیزگاری ہی کے لوازمات میں سے ہیں جیسا کہ آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں

ان چاروں نعمتوں اور خصلتوں کا مالک انسان درحقیقت اولیاء اللہ کے مقدس زمرہ میں شامل ہوتا ہے اور دنیا و آخرت دونوں میں سرخرو اور لائق عزت و احترام ہوتا ہے۔ آپ بھی کوشش کر کے دیکھ لیجئے اللہ پاک آپ کی مدد فرمائیں گے۔

ﷺ کے خوف اور خشیۃ کا تقاضا — حدیث نمبر (۴/۴۳)

حضرت عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں:

میں نے خاتم انبیاء ﷺ سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے جس شخص نے کسی کارِ خیر کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہو اور وہ محسوس کرے کہ اللہ کے ڈر اور خوف کا یہ تقاضہ نہیں ہے کہ میں یہ کام نہ کروں (بلکہ مجھے یہ کام کرنا چاہیئے) تو اُسے (قسم توڑ دینی چاہیئے اور اس کا کفارہ ادا کر دینا چاہیئے اور) اس کارِ خیر پر عمل کرنا چاہیئے (جو اللہ کے خوف اور خشیہ کا تقاضہ ہو)

تشریح!

مثال

مثلاً کسی لیچڑ سائل سے تنگ آ کر کسی نے قسم کھائی کہ میں آج سے کسی ایسے سائل کو ایک پیسہ نہ دوں گا" حالانکہ ﷺ کا ارشاد ہے وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ سان (اہل ایمان) کے مال میں ہر سوال کرنے والے اور نہ کرنے والے کا حق ہے۔ نیز ارشاد ہے وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ باقی سوال کرنے والے کو تو ہرگز نہ جھڑکو۔ اسلئے اس قسم کو فوراً توڑ دینا اور کفارہ ادا کر دینا چاہیئے۔ اور ہر سائل کو جو بھی میسّر ہو ضرور دینا چاہیئے۔ ورنہ نرمی سے اپنی مجبوری اس پر ظاہر کر دینی چاہیئے پھر بھی زمانے یا سخت و سست کہے تو خاموشی کے ساتھ گذر جانا چاہیئے اور اسکی بدتمیزیوں سے درگزر کرنا چاہیئے۔ یہی خوف و خشیت الٰہی کا تقاضہ ہے اور اس قسم کو توڑ دینا ہی تقویٰ اور پرہیزگاری کا مقتضیٰ ہے۔ یہ صورت ایسے ہی کارِ خیر کے ترک کرنے میں پائی جاسکتی ہے جو مباح ہو یعنی اسکا کرنا اور نہ کرنا دونوں جائز ہوں مگر کرنا نہ کرنے سے بہتر ہو۔ جل جلالہ ہم سب کو اس حدیث پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

ﷻ سے ہر وقت ڈرتے رہنے کا عملی ثبوت اور اسکا ثمرہ — حدیث نمبر (۵/۴۳)

حضرت ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں:

میں نے سرورِ کائنات ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ دیتے ہوئے سنا آپ فرما رہے تھے: (اے مسلمانو) اللہ سے ڈرو، پانچوں وقت کی نمازیں (باجماعت)

پڑھو۔ مال کی زکوٰۃ ادا کرو، اپنے امیروں (حکمرانوں) کی اطاعت کرو اور اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ۔

تشریح!

جائز امور میں حکمرانوں کی مخالفت بھی پرہیزگاری کے منافی ہے

آپ تقویٰ سے متعلق تفصیلی بیان میں پڑھ چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ڈر اور خوف ہی نہ صرف عبادت بلکہ تمام احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا حقیقی اور اصلی محرک ہوتا ہے نیز یہ خوفِ خدا نہ صرف شخصی اور انفرادی زندگی بلکہ قومی اور اجتماعی زندگی کو بھی تباہی سے بچانے کا واحد ذریعہ ہے جیسا کہ اس حدیثِ پاک میں سرورِ کائنات نبی امن و سلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمانوں کے محیر العقول۔ حیرت انگیز۔ مجمع میں اپنے آخری اور وداعی خطبہ میں اعلان فرمایا۔ اسلئے قوم کے دلوں میں خوفِ خدا اور انکے کردار میں تقویٰ اور پرہیزگاری حکومتوں اور ملکوں کے لئے بھی بہت بڑی رحمت ہے۔

حکمرانوں کی مخالفت کس وقت جائز بلکہ فرض ہو جاتی ہے

باقی حکمرانوں کی اطاعت اسی وقت تک واجب ہے جب تک کہ وہ خدا کی نافرمانی اور شریعت کی خلاف ورزی پر مجبور نہ کریں اسلئے کہ رہبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان ہے: لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ۔ خالق کی نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔ مسلمانوں کا فرض ہے کہ حکمران کتنا ہی ظلم و ستم کیوں نہ کریں، خدا کی نافرمانی ہرگز نہ کریں اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے حکمرانوں سے بچائیں اور اپنی پناہ میں رکھیں آمین بحق رحمۃٌ للعالمین۔

باب

یقین اور توکّل کا بیان

تشریح!

یقین کی تعریف

یقین اُس محکم اور پختہ علم کا نام ہے جسکے خلاف ذرہ برابر شک و شبہ اور تردّد و تذبذب نہ ہو بلکہ ذہن اسکے خلاف کے تصور سے بھی خالی ہو یعنی اس علم کے خلاف بات خیال میں بھی نہ آئے۔

یقین کے تین مرتبے

اس پختہ اور محکم علم کے تین مرتبے ہیں (۱) یہ کہ وہ علم اتنا پختہ اور قوی ہو کہ اگرچہ کبھی اسکا شاہدہ یا تجربہ بھی ہوا ہو تب بھی وہ مشاہدہ یا تجربہ کے درجے کو پہنچا ہوا ہو یعنی مشاہدہ اور تجربہ کے بعد بھی علم میں کوئی اضافہ نہ ہو بلکہ صرف اطمینان اور انشراح حاصل ہو جائے کہ جس کا ہمیں یقین تھا اسکو دیکھ بھی لیا تجربہ بھی ہو گیا۔

مثالیں

مثلاً ہر مسلمان کو اس امر کا قطعی یقین ہے کہ مکۂ مکرمہ عرب کا ایک شہر ہے جہاں خانۂ کعبہ واقع ہے جس کی طرف منہ کر کے تمام دُنیا کے مسلمان پانچوں وقت نماز پڑھتے ہیں اگرچہ اس شہر اور خانہ کعبہ کو کبھی نہ دیکھا ہو۔ یا سنکھیا ایک مہلک زہر ہے اگرچہ کبھی اسکا تجربہ نہ ہوا ہو، نہ ہی اسکی صورت دیکھی ہو۔

یقین کا پہلا مرتبہ علم الیقین

یہ یقینی علم کا پہلا مرتبہ ہے ایسے پختہ اور پکّے علم کو شریعت کی اصطلاح میں علم الیقین کہتے ہیں۔

یقین کا دوسرا مرتبہ عین الیقین

اور جب اس علم کا مشاہدہ یا تجربہ ہو جائے یعنی جو سُنا اور جانا تھا وہ آنکھوں سے بھی دیکھ لیا جائے اور تجربہ بھی ہو جائے تو اس علم کو مشاہدہ یا تجربہ کے بعد شریعت کی اصطلاح میں عین الیقین کہتے ہیں۔

یقین کا تیسرا مرتبہ حق الیقین

اور اس علم الیقین اور اسکے مشاہدہ یا تجربہ کے جمع اور متفق و منطبق ہو جانے کے بعد اس علم کا نام شریعت کی اصطلاح میں حق الیقین ہے۔ اسلئے کہ تنہا علم الیقین میں اس بات کا امکان ہے کہ قطعی اور یقینی علم ہونے کے باوجود واقعہ اسکے خلاف ہو جیساکہ جہل مرکب کیسی واقعی جاہل کو اپنے عالم ہونے کا پکا یقین ہوتا۔ کی صورت میں ہوتا ہے اسی طرح تنہا مشاہدہ یا تجربہ پر جو علم مبنی ہو اس میں بھی تو اس بینائی وغیرہ۔ یا تجربہ کی غلطی کا امکان ہر تک ہے لیکن جب علم یقینی مشاہدہ یا تجربہ کے ساتھ جمع اور

متفق و متحد ہو جائے یعنی جب مشاہدہ یا تجربہ سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ علم یقینی واقعہ کے مطابق ہے اور علم یقینی سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ مشاہدہ یا تجربہ میں کوئی غلطی نہیں ہے تو اسکے بعد نہ علم کے خلاف واقع ہونے کا امکان رہتا ہے، نہ مشاہدہ یا تجربہ کی غلطی کا امکان رہتا ہے اور حق متعین اور قطعی ویقینی ہو جاتا ہے اور وہ علم، حق الیقین۔ ایسا یقین جو واقعہ کے مطابق وموافق ہو۔ کا مرتبہ حاصل کر لیتا ہے۔

یقین کے تینوں مرتبوں کا ثبوت قرآن عظیم سے

اس لحاظ سے یقین کے تین مرتبے ہوئے (۱) علم الیقین (۲) عین الیقین (۳) حق الیقین۔ آیت کریمہ ذیل میں دو مرتبول کا صراحتاً ذکر فرمایا ہے اور تیسرے کا اشارتاً مگر نفی کی صورت میں ذکر فرمایا ہے اسلئے کہ مخاطب، منکرین عذاب جہنم یعنی کفار و مشرکین ہیں یا فساق و فجار۔ ارشاد ہے ؛

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ — ہرگز نہیں، اگر تم کو (جہنم کا) یقینی علم ہوتا تو تم جہنم کو ضرور دیکھ لیتے

ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ — پھر تم (قیامت کے دن تو جب وہ سامنے آئے گی) اسکو یقین کی آنکھ سے دیکھ ہی لوگے۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ (التکاثر) — پھر تم سے (اللہ کی) نعمتوں کے بارے میں ضرور سوال کیا جائیگا (اور کفران نعمت کی سزا میں ضرور جہنم کی آگ میں جلوگے عذاب جہنم کا حق الیقین اسوقت تمہیں ہوگا)

یعنی اگر تم کو جہنم کا یقینی علم ہوتا تو تم اسکو ہر وقت اپنی آنکھوں کے سامنے محسوس کرتے اور ڈرتے اور کوئی ایسا کام ہرگز نہ کرتے جو جہنم میں لیجانے والا ہو اسلئے کہ جب جان بوجھ کر کوئی بھی انسان دنیا کی آگ میں نہیں گرتا تو جہنم تو پھر جہنم ہے اسکی طرف تو کوئی آنکھوں دیکھتے رخ کرنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتا۔ بہرحال یہ تو دنیا ہے یہاں تو جہنم آنکھوں سے نظر نہیں آسکتی مگر مرنے کے بعد قیامت کے دن تو یقیناً جہنم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے اور تمہیں جہنم کا علم عین الیقین۔ عینی مشاہدہ۔ کے درجہ میں ہو ہی جائیگا اور پھر اللہ جل شانہ کی نعمتوں کے حساب و کتاب کے بعد کفرانِ نعمت (ناشکری) کی سزا میں جب جہنم میں اوندھے منہ ڈالے جاؤ گے اور جلنے لگوگے تو اس وقت اللہ جل شانہ اور اسکے رسول ﷺ نے جو کچھ بتلایا تھا اسکا حق الیقین ہو جائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا احیاء موتی۔ مردوں کو زندہ کرنے۔ کے متعلق سوال۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ جل شانہ سے احیاء موتی۔ مُردوں کو زندہ کرنے۔ سے متعلق سوال اسی عین الیقین کے مرتبہ کے حصول کی غرض سے کیا تھا انکو علم الیقین حاصل تھا اسی بات کو انکی زبان سے کہلوانے کیلئے اللہ جل شانہ نے حضرت ابراہیم کے سوال سے سوال کیا تھا تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ حضرت ابراہیم کو علم الیقین حاصل ہے صرف عین الیقین کا مرتبہ یعنی بچشم دید مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اللہ جل شانہ نے ان کو مشاہدہ کرا یا جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے ارشاد ہے:

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ: رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتٰى ؟ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؟ — اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب تو مجھے دکھلادے تو مردوں کو زندہ کیسے کرے گا؟ (اللہ تعالیٰ) نے فرمایا: کیا تو (مردوں کو زندہ کرنے پر) ایمان نہیں لایا؟

قَالَ: بَلٰی وَلٰکِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ الآیۃ — ابراہیم نے عرض کیا کیوں نہیں (میرا تو پختہ ایمان ہے کہ تو مردوں کو زندہ کرے گا) لیکن (میں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ میرا دل مطمئن ہو جائے کہ تو اسطرح زندہ کرے گا)

یقین اور ایمان اور اُن کا باہمی فرق

یاد رکھیئے اسی علم الیقین کا نام شریعت کی اصطلاح میں ایمان ہے بشرطیکہ دل سے مان بھی لے اور زبان سے اقرار بھی کرلے۔ اسلئے کہ بسا اوقات انسان ایک بات کو یقینی طور پر جانتا ہے مگر ہٹ دھرمی کی وجہ سے نہ اسکو مانتا ہے نہ زبان سے اقرار کرتا ہے چنانچہ ہم رات دن عدالتوں میں دیکھتے ہیں کہ ایک واقعی مجرم خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ میں نے یہ جرم کیا ہے مگر۔ یہ دیکھ کر کہ پولس کے پاس ثبوت کافی نہیں ہے۔ کبھی مان کے نہیں کہتا کہ ہاں میں نے یہ جرم کیا ہے۔ اِلاماشاءاللہ ایسے ہٹ دھرمی کے انکار کو قرآن کی اصطلاح میں جحود کہا گیا ہے یعنی جان بوجھکر اور پورا یقین ہونے کے باوجود انکار کرنا۔ خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کثر مشرکین مکہ اور متعصب و معاند یہودیوں کا آپ کی نبوت کو ماننے سے انکار اسی قسم کا انکار تھا چنانچہ حق تعالیٰ ایسے ہی معاندین و جاحدین کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) وَجَحَدُوۡا بِهَا وَاسۡتَیۡقَنَتۡهَاۤ اَنۡفُسُهُمۡ (النمل ع ۱) — اور ان معاندوں نے اُن (قدرت کی نشانیوں) کا انکار کر دیا حالانکہ اُن کے دلوں کو پورا یقین حاصل تھا۔

(۲) یَعۡرِفُوۡنَهٗ كَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَهُمۡ (البقرہ ع ۱۷) — وہ (یہودی) اس (نبی عربی) کو اسطرح جانتے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو

یقین کے تیسرے مرتبہ کا ذکر قرآن کریم میں

یقین کے تیسرے مرتبہ حق الیقین کا ذکر صراحتاً آیت کریمہ ذیل میں آیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الۡیَقِیۡنِ. فَسَبِّحۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الۡعَظِیۡمِ (الحاقہ ع ۲) — اور بیشک وہ (قرآن) برحق (واقعہ کے مطابق یقینی (اللہ کا کلام) ہے پس تم تو (اے نبی) اپنے عظیم پروردگار کی تسبیح کیا کرو۔

یعنی اگر یہ رسول اللہ کا رسول اور امین ہونے کے باوجود صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام ـ قرآن ـ میں کوئی بھی بات اپنی طرف سے کہہ کر جل جلالہ کی طرف جھوٹ منسوب کر دیتا تو ہم اس خیانت کے جرم میں فوراً اسکی شہ رگ کاٹ کر ہلاک کر ڈالتے کہ یہی ہماری غیرت کا تقاضہ ہے اور یہ واقعہ کہ ایسا نہیں ہوا رسول بھی تمہارے سامنے زندہ موجود ہے اور قرآن بھی موجود ہے اور قرآن کے کلام اللہ ہونے کا اعلان بھی بدستور قائم ہے لہٰذا یہ واقعہ اس امر کی قطعی دلیل ہے کہ قرآن کا کلام اللہ ہونا یقینی اور برحق ہے کہ تم اپنی آنکھوں سے اسکا مشاہدہ کر رہے ہو۔

توکل کے لفظی اور شرعی معنی اور اسکی تشریح

توکل کے لفظی معنی ہیں کسی چیز یا شخص یا رائے و تدبیر وغیرہ پر بھروسہ کرنا۔ شریعت کی اصطلاح میں توکل کے معنی ہیں: صرف حق تعالیٰ پر بھروسہ کرنا اور اسکے سوا کسی بھی چیز یا شخص یا رائے و تدبیر وغیرہ پر بھروسہ نہ کرنا اس شرعی توکل

کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے حسبِ ذیل تفصیل پر غور فرمایئے اور پھر سمجھئے تاکہ کسی غلط فہمی میں نہ مبتلا ہوں۔

یہ ہماری دنیا عالم اسباب ہے، خالقِ کائنات نے اس دنیاوی زندگی میں منفعت، مضرت اور کامیابی و ناکامی غرض دُنیا اور دین کے تمام امور کو اُن کے اسباب، ذرائع اور انسانی تدبیر اور جدّ و جہد کے ساتھ مربوط اور وابستہ فرمایا ہے اور عقلِ سلیم کی نعمت عظمیٰ عطا فرما کر انسان کو ان وسائل و ذرائع اور تدبیر کار کی معرفت و بصیرت اور ان میں تصرف کی قدرت اور اختیار سے بھی سرفراز فرمایا ہے اور ہر انسان کو ان اسباب و وسائل اور تدابیر و جدّ و جہد کے اختیار کرنے اور اسکے ذریعے اپنے دینی اور دُنیوی شخصی و اجتماعی فرائض کو انجام دینے کا حکم بھی دیا ہے کہ دین اور دُنیا میں جو کچھ ہم تمہیں دینگے تمہاری جدّ و جہد اور کوشش کے تحت دینگے ارشاد ہے:

وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (والنجم ۲) اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جو وہ کوشش کرتا ہے۔

یعنی انسان کو جو کچھ بھی ملتا ہے وہ صرف اسکی کوشش اور جدّ و جہد کا ثمرہ ہے۔

مگر ساتھ ہی یہ بھی بتلا دیا اور خبردار کر دیا ہے کہ یہ اسباب و تدابیر صرف وسیلہ ہیں ان پر نتائج۔ منفعت یا مضرت، کامیابی یا ناکامی وغیرہ۔ کا مرتب ہونا یا نہ ہونا صرف ہماری مشیت اور منشاء پر موقوف ہے ہم چاہینگے تو منفعت کی تدابیر و اسباب پر منفعت مرتب ہوگی ورنہ نہیں۔

مثال

مثلاً رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلادیا ہے:

لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءٌ اِلَّا الْمَوْتَ موت کے سوا ہر مرض کی دوا ہے۔

اب مرض کی تشخیص اور دوا، علاج، پرہیز تجویز کرنا طبیب یا ڈاکٹر کا فرض ہے اور علاج کرنا دوا پرہیز کرنا خود بیمار کا فرض ہے لیکن مرض کو دُور کرنا اور شفا دینا جل جلالہ کا کام ہے وہ شفا دینا چاہینگے تو دوا اور علاج و پرہیز وغیرہ کو شفا کا ذریعہ بنادینگے اور اگر انکا منشا نہ ہوگا تو ہم اور ہمارے معالج۔ ڈاکٹر، حکیم۔ ایڑی چوٹی کا زور لگالیں ہرگز مرض زائل نہ ہوگا اور شفا نصیب نہ ہوگی۔

باقی شفا کے لئے ان اسباب و وسائل۔ علاج معالجہ، دوا، پرہیز کی ضرورت بھی ہمیں ہے، شانِ جلّ جلالہ شافی مطلق کو نہیں، وہ شفا دینا چاہیں گے تو بغیر کسی دوا پرہیز کے شفا دے دیں گے نہ صرف یہ بلکہ زہر کو تریاق۔ زہر اُتارنے والی دوا۔ بنادینگے۔

اسی حقیقت کو مولانا رومؒ رحمۃ اللہ علیہ نے ذیل کے شعر میں خوب ادا کیا ہے:

از سبب سازیت حیرانیم	(اے پروردگار) میں تیرے سبب بنادینے پر بھی حیران ہوں۔
وز سبب سوزیت سرگردانیم	اور تیرے سبب کو ناکارہ بنادینے پر بھی سرگرداں ہوں۔

واقعہ

دیکھئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بت پرست قوم نے اپنے بتوں کی توہین کے جرم پر آگ میں زندہ جلا ڈالنے کا فیصلہ

کیا اور ان کو دہکتی ہوئی آگ کے الاؤ میں ڈال دیا ﷲ نے فوراً آگ کو حکم دیا:
یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ (انبیاء ۵) اے آگ! تو ابراہیم کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی کا سبب بن جا۔
چنانچہ وہ "آتش نمرود" آن کی آن میں "گلزار ابراہیم" بن گئی۔
اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اسباب میں ﷲ نے تاثیر رکھی ہے مگر وہ ایسی تاثیر ہے کہ ﷲ جب چاہیں اُسے سلب کر لیں۔ چھین لیں۔

دوسری مثال

اسی طرح رزاق ۔ روزی دینے والے ۔ صرف ﷲ ہیں چنانچہ ان جاہلوں اور سرپھرے لوگوں سے خطاب کر کے ۔ جو اپنی جہالت اور خدا ناشناسی کی بناء پر یہ سمجھتے ہیں کہ روزی اور رزق کا میسر آنا ان اسباب و تدابیر پر موقوف ہے جو ہم کرتے اور بتلاتے ہیں اگر لوگ ان تدابیر کو اختیار نہ کریں گے تو بھوکے مر جائیں گے ۔ ارشاد ہے:
نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ (بنی اسرائیل ع ۴) ہم ہی ان (لوگوں) کو بھی روزی دیتے ہیں اور ہم ہی تم کو بھی روزی دیتے ہیں۔
یعنی نہ صرف اور خدا کی مخلوق کو بلکہ تم کو بھی روزی ہم ہی دیتے ہیں تم اور لوگوں کا پیٹ تو کیا بھرو گے اپنا پیٹ بھی خود نہیں بھر سکتے ۔ اسلئے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ (والذاریات ع ۴) بیشک صرف اللہ ہی روزی دینے والا (روزی رسانی کی) پختہ اور محکم قوت والا۔

مگر اسکے باوجود کہ روزی رسان صرف رزاق مطلق خدا ہے ہم مامور ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ حلال روزی کمائیں ارشاد ہے ۔
وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے ۔

واقعہ

ہادیٔ برحق ﷺ کی خدمت میں ایک مرتبہ ایک شتر سوار دیہاتی حاضر ہوا اور اُسنے دریافت کیا:
اَعْقِلُهَا وَاَتَوَكَّلُ اَمْ اُطْلِقُهَا وَاَتَوَكَّلُ یارسول اللہ میں اس اونٹنی کا گھٹنا رسی سے باندھ دوں اور (پھر) خدا پر بھروسہ کروں؟ یا کھلا چھوڑ دوں اور (خدا پر) بھروسہ کروں ۔
حضور اکرم ﷺ نے جواب دیا:
اَعْقِلْهَا فَتَوَكَّلْ تو اس اونٹنی کا گھٹنا رسی سے باندھ دے اور پھر اللہ پر بھروسہ کر۔
اسی حدیث پاک کا ترجمہ کسی شاعر حکیم نے کیا ہے

بر توکل زانوئے اشتر ببند توکل (کی بنیاد) پر اونٹنی کا گھٹنا باندھو۔

یعنی حفاظت کی تدبیر ضرور کرو اور رسی ضرور باندھو مگر بھروسہ اس تدبیر اور رسی پر ہرگز نہ کرو بھروسہ صرف خدا پر کرو اگر وہ چاہیگا تو تمہاری یہ تدبیر کارگر ہوگی ورنہ نہیں۔

پیغمبر بھی اسباب تدابیر اختیار کرنے کے مامور تھے

خود پیغمبر ﷺ کو ان امور میں جن کے متعلق جل جلالہ کا کوئی حکم مرشدا یا اجمالاً نہ ہو۔ صحابہ سے مشورے اور غور و فکر کر کے کام کرنے کا حکم ذیل کی آیت کریمہ میں دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (آل عمران ۱۵۹)

اور ان (صحابہ) سے کاموں میں مشورے کرو پس جب (مشورہ اور غور و فکر کے بعد) کام کا پختہ ارادہ کر لو (اور کام کرنے لگو) تو بھروسہ اللہ پر کرو۔

اس لحاظ سے نبی بھی تدابیر کار اختیار کرنے کے مامور ہوتے ہیں۔

اس تفصیل کے بعد توکل کی حقیقت

لہٰذا اسلام جس توکل کی تعلیم اور حکم دیتا ہے اس میں ظاہری اسباب اور تدابیر کا اختیار کرنا داخل ہے بشرطیکہ ان پر بھروسہ نہ کیا جائے بلکہ بھروسہ صرف حق جل شانہ کی کارسازی پر ہو۔ یہی ایمان باللہ۔ اللہ پر ایمان ۔ اور ایمان بالقدر۔ تقدیر پر ایمان۔ کا تقاضہ ہے۔

اسلام اسباب کو ترک کر دینے اور کچھ نہ کرنے کی تعلیم نہیں دیتا

اسلام جس توکل کی تعلیم دیتا ہے اس میں اسباب و وسائل اور کسب و کار کو بالکل ترک کر دینا اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا اور کچھ نہ کرنا ہرگز ہرگز داخل نہیں بلکہ ایسا کرنا گناہ اور کفران نعمت ۔ نعمت کی ناشکری ۔ ہے وہ لوگ دراصل "کام چور" اور "مفت خورے" ہیں جو توکل کے معنی "ترکِ اسباب" اور "ترک کسب معاش" بیان کرتے ہیں خدا ایسے لوگوں کے شر سے بچائے۔

توکل کے دو مرتبے۔

اس تفصیل اور تنبیہ کے بعد اب سمجھئے کہ توکل کے بھی دو مرتبے ہیں (۱) ایک ادنیٰ (۲) دوسرا اعلیٰ

توکل کا ادنیٰ مرتبہ

توکل کا ادنیٰ مرتبہ ۔ جو ہر خدا اور تقدیر پر ایمان رکھنے والے مسلمان کے ایمان کا تقاضہ ہے ۔ یہ ہے کہ دین اور دنیا کے ہر معاملہ میں خدا کی قدرت اور کارسازی پر یقین و ایمان رکھنے والا مسلمان صرف خدا کے حکم کی تعمیل کی غرض سے اسباب اور تدابیر جدوجہد اور کوشش تو ضرور اختیار کرے مگر بھروسہ ان پر نہ کرے۔ بھروسہ صرف خدا پر کرے یعنی یہ یقین رکھے کہ اگر حق جل شانہ چاہے گا تو یہ ہماری تدابیر و اسباب اور جدوجہد و کوشش ضرور کارگر اور نتیجہ خیز ہوگی اور کامیابی نصیب ہوگی ورنہ نہیں۔

انشاء اللہ کہنے کا حکم

اسی لئے نہ صرف عام مسلمان بلکہ نبی علیہ السلام بھی کسی کام کرنے یا اس کی کوشش کرنے کے وقت انشاء اللہ کہنے کے مامور ہیں اگر اتفاقاً بھول جائیں تو جب یاد آئے کہہ لیں تاکہ حق جل شانہ پر توکل کا اظہار و اعتراف ہو جائے۔ ارشاد ہے:

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ	اور اے نبی تم کسی بھی چیز کے متعلق یہ ہرگز نہ کہا کرو کہ میں کل یہ کرونگا بغیر اسکے کہ تم ان شاء اللہ کہو، اور اگر بھول جاؤ تو جب یاد آئے اپنے رب کا ذکر کرلو (یعنی انشاء اللہ کہہ لو)

اللہ پر توکل کی پہچان

اس توکل کی پہچان اور عملی زندگی میں اسکا اثر یہ ہے کہ اگر تمام تر تدبیروں، کوششوں اور ظاہری اسباب و وسائل اختیار کرلینے کے بعد بھی کامیابی، یا خاطر خواہ کامیابی میسر نہ آئے تو اسکو سبحانہٗ کی رضی یقین کرکے صبر کرے اور راضی برضاءِ مولیٰ رہے بلکہ اسی کو اپنے حق میں بہتر اور مصلحت باور کرکے دل اور زبان دونوں سے اس حکیم مطلق کا شکر ادا کرے ایسی ناکامیوں کے مواقع پر شکستہ دلی، سبحانہٗ کی رحمت سے مایوسی یا ناگواری کا زبان سے اظہار یا دل میں احساس جل جلالہٗ پر توکل نہ ہونے یا اسمیں ضعف کی علامت ہے، اس سے فوراً توبہ کرنی چاہیئے اور برابر توبہ و استغفار میں مصروف رہنا چاہیئے۔

توکل کا دوسرا اور اعلیٰ مرتبہ

توکل کا اعلیٰ مرتبہ جو اُن خدا رسیدہ اولیاء اللہ اور عارفین کا مقام ہے جو براہِ راست یعنی اسباب کی وساطت کے بغیر کائنات میں، اُس کارسازِ مطلق سبحانہٗ کی قدرت اور کارسازی و کاربرآری کا یقین کی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں، اُن کی نظروں سے اسباب و تدابیر بالکل محو ہو جاتے ہیں۔ توکل کے اسی اعلیٰ مرتبہ کا ذکر حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیل کی حدیث میں فرمایا ہے:

لو أنكم تتوكلون على الله حق توكله لرزقكم كما يرزق الطير تغدو خماصا وتروح بطانا	اگر تم اللہ پر ایسا توکل کرو جیسا اُس پر توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تم کو ایسے رزق دے جیسے وہ (جنگلی) پرندوں کو دیتا ہے کہ وہ صبح کو (اپنے گھونسلوں سے) بھوکے جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔

پرندے اپنی روزی کے لئے پہلے سے تدبیریں نہیں سوچتے اسباب و وسائلِ معاش کی جستجو نہیں کرتے بلکہ اتنا تک انہیں فکر و خیال نہیں ہوتا کہ ہم صبح کو کہاں سے اور کیونکر اپنا پیٹ بھریں گے، صبح ہوتے ہی وہ جنگل چلے جاتے ہیں، کارسازِ مطلق نے ان کے پیٹ بھرنے کا سامان پہلے سے کیا ہوتا ہے وہ اس سے اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں اور شام کو کل کی فکر سے آزاد اور فارغ البال واپس گھونسلوں میں آجاتے ہیں اسی طرح متوکلین کاملین کو روزی کی فکر، اسباب معاش کی جستجو مطلق نہیں ہوتی وہ ہمہ وقت معبود برحق کی عبادت و طاعت، ذکر و فکر اور خدا اور اسکے رسول کے فرض کردہ دینی کاموں، اصلاحِ نفس، خدمتِ خلق، تبلیغ حق وغیرہ میں مصروف اور اسی کی فکر و تدبیر اور جد و جہد میں منہمک رہتے ہیں، بھوک لگتی ہے ضروریاتِ زندگی سامنے آتے ہیں تو وہ رزاقِ حقیقی اور کارسازِ مطلق ان کو وہاں سے روزی پہنچا دیتا ہے اور ضروریات پوری کردیتا ہے جہاں سے اُنکا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ ارشاد ہے:

وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا	اور جو اللہ سے ڈرتے (اور اسکی نافرمانی سے بچتے) رہتے ہیں اللہ
وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ	(ہر مشکل میں) اُنکی مشکل کشائی کر دیتا ہے اور ان کو وہاں سے رزق
(الطلاق ع ۱)	دیتا ہے جہاں سے ان کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

ذرا دیکھئے رزاقِ مطلق کتنی زبردست "کفالت کی ضمانت" دیتے ہیں ارشاد ہے:

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ (ایضاً) اور جو اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اللہ اُن کے لئے بہت کافی ہے

کلمۂ توکل

چنانچہ آپ احادیث کے ذیل میں پڑھینگے کہ ہمیشہ متوکلین علی اللہ ــ اللہ پر بھروسہ کرنے والوں ــ نے ہر آڑے وقت میں کلمہ، توکل؛

حسبنا اللہ ونعم الوکیل	ہمیں تو اللہ بہت کافی ہے اور وہ بڑا ہی اچھا کارساز ہے۔

پڑھا ہے۔ اسی کی ان کو تعلیم دی گئی ہے خصوصاً حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو تو واحد متکلم کے صیغے ــ میرے لئے ــ اور توکل اور توحید کی تصریح کے ساتھ، اس کلمہ کے پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے ارشاد ہے؛

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰہُ	پس اگر (اب بھی وہ منکرین) انحراف کریں (اور دشمنی سے باز
لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ	نہ آئیں) تو (اے نبی) تم کہدو: میرے لئے تو اللہ بہت کافی ہے
رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ (التوبہ ع ۱۶)	اسکے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہ تو عرش عظیم کا مالک ہے۔

ایسے ہی متوکلین کاملین کا مقولہ ہے۔

کارساز ما بفکر کارِ ما	ہمارا کام بنانے والا تو خود ہمارے کام کی فکر میں ہے (ہم کیوں پریشان ہوں)

متوکلین کاملین کے سرگروہ۔

انہیں توکل کے اعلیٰ مرتبہ کے متوکلین میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وارضاہ کا نام سر فہرست ــ اول نمبر پر ہے۔

واقعہ

جس کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں چندہ دینے کی اپیل کی سب صحابہ نے حسب مقدرت چندہ دیا۔ اتفاق سے خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس اسوقت کافی مال موجود تھا انہوں نے دل میں سوچا کہ آج میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کے اندر ضرور بڑھ جاؤں گا اور اس ارادہ سے بہت سا مال لے کر فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے اور وہ مال کثیر پیش کیا آپ نے اُن سے دریافت فرمایا؛ "اہل و عیال کے خرچ کے لئے کتنا مال چھوڑ آئے ہو؟" انہوں نے عرض کیا "حضور آدھا مال ان کے لئے چھوڑ آیا ہوں"۔ آپ یہ سنکر خاموش ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی

اپنا مال پیش کیا، حضور ﷺ نے اُن سے بھی دریافت فرمایا: بیوی بچوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا: اُن کے لئے تو حضور! بس اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں، یہ اُن کے لئے بہت کافی ہیں۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: یہ سنکر مجھے یقین ہو گیا کہ اب میں صدیق اکبر سے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔"

ایک شبہ کا ازالہ

اس واقعہ سے کوئی نادان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ وارضاہ سے متعلق ترک وسائل و اسباب یا اہل و عیال کی حق تلفی کا گمان ہرگز نہ کرے۔ اسلئے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ عہدِ نبوت میں کامیاب اور تجربہ کار تاجروں میں سے تھے ان کا ذریعہ معاش تجارت تھا وہ یقین کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ اگر خالی ہاتھ بھی بازار چلا جاؤں گا تو کارساز مطلق ﷻ کوئی نہ کوئی سودا ایسا ضرور کرا دینگے کہ اسکے منافع سے گھر کا خرچہ ضرور نکل آئے گا ترک اسباب معاش یا حق تلفی جب ہوتی کہ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھے گھر میں بیٹھے رہتے۔

توکل کا معیار

اسی توکل کا معیار نبی رحمت ﷺ نے یہ تبلایا ہے:

أَنْ تَكُونَ مِمَّا فِي يَدَيْكَ أَوْثَقُ بِمَا فِي يَدِي اللهِ

(زہد اور توکل یہ ہے کہ تم جو تمہارے پاس ہے اسکی نسبت، تمہارا بھروسہ اُس پر زیادہ (اور پختہ) ہو جو اللہ کے پاس ہے۔

یقین اور توکل آپس میں لازم ملزوم ہیں

توکل کے اس تفصیلی بیان سے آپ اتنا ضرور سمجھ گئے ہوں گے۔ اور یہی ہمارا مقصد ہے۔ کہ جس قدر حق تعالیٰ کی کارسازی و کار برآری پر یقین کامل ہو گا اسی قدر توکل کامل اور اعلیٰ مرتبہ کا ہو گا اور جس قدر یقین میں خامی ہو گی اسی قدر توکل میں خامی ہو گی۔ یقین اور توکل ایک دوسرے کے لئے لازم ملزوم ہیں اُردو محاورہ میں کہیئے "چولی دامن کا ساتھ ہے" ایک دوسرے سے الگ ہرگز نہیں ہوسکتے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے یقین اور توکل کے لئے ایک ہی باب کیوں رکھا

چونکہ یقین اور توکل ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوسکتے اسی لئے امام نووی علیہ الرحمۃ نے یقین اور توکل کو ایک ہی باب میں رکھا ہے اور آیتیں اور حدیثیں بھی مشترک لائے ہیں ہم الگ الگ کرنے کی کوشش کرینگے مگر یہ کوشش محض لفظوں کے اعتبار سے ہو گی معنی کے اعتبار سے تو یہ ایک دوسرے سے الگ ہو ہی نہیں سکتے۔

موجودہ زمانے کی مشکلات کا حل

حق تعالیٰ ہمیں آپ کو اور سب مسلمانوں کو یقین کامل اور توکل کامل کی دولت سے مالا مال اور رضا و تسلیم کی سعادت سے سرفراز فرمائیں تاکہ اس زمانہ میں جو قسم قسم کی مشکلات میں مسلمان گرفتار ہیں اور تدبیروں و کوششوں کی پے بہ پے ناکامیوں نے انکی کمر توڑ رکھی ہے شکستہ دلی اور مایوسی نے چاروں طرف سے اسطرح گھیر رکھا ہے کہ ایمان بھی خطرہ میں ہے، اس صورتِ حال سے

رہائی میسر آئے۔ یقین و توکل کی برکات ایمان کو مایوسی کا شکار نہ ہونے دیں اور رضائے الٰہی پر راضی رہنے کی سعادت نصیب ہو۔ آمین بحق طٰہٰ و یٰسین

قرآن عظیم

یقین و ایمان

(۱) غزوۂ احزاب۔ جنگِ احزاب۔ یا جنگِ خندق۔ اپنی بے سر و سامانی اور حوصلہ شکنی کے اعتبار سے عہد نبوی ﷺ کی نہایت صبر آزما جنگ ہے۔ ایسے ہمت شکن حالات میں دشمنوں کے دل بادل لشکر اور چاروں طرف سے محاصرہ کرنے والی فوجوں کو محاذ جنگ پر دیکھ کر سراپا ایمان و تسلیم مومنین موقنین نے جس یقین و ایمان کا اظہار کیا ہے اسکا حال آیت کریمہ ذیل میں بیان فرمایا ہے ارشاد ہے:

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ	اور جب دیکھیں ایمان والوں نے دشمنوں کی فوجیں
قَالُوا: هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ	تو بولے: (ارے) یہ تو وہی ہے جس کا اللہ
وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَ	اور اسکے رسول نے وعدہ دیا ہے اور (دیکھ لو
رَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا	بالکل) سچ کہا اللہ اور اسکے رسول نے، اور
إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا	اس (حوصلہ شکن منظر) نے ان کے ایمان اور
(الاحزاب ع ۳)	تسلیم میں اضافہ ہی کر دیا۔

(۲) غزوۂ احد کے ایک سال بعد غزوۂ بدر صغریٰ سے متعلق۔ جس کی تفصیل کسی قدر حدیث نمبر (۳) میں آرہی ہے۔ دشمنوں کی دھمکیوں اور جھوٹے پروپیگنڈے سے اصلاً متاثر نہ ہونے والے مومنین موقنین۔ یقین کامل کے مالک اہل ایمان۔ اور متوکلین کاملین کا حال اور ان کے توکل کی شان اور اس کا نتیجہ، ذیل کی آیت کریمہ میں بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

اَلَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ	(اجر عظیم ان لوگوں کے لئے ہے) جن سے
إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ	(دشمنوں کے حمایتی) لوگوں نے کہا: بیشک
فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا	مکہ کے لوگوں (قریش اور عرب قبائل) نے تم سے
وَّقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ وَ	لڑنے کے لئے (بڑی فوجیں اور سامان) جمع کیا ہے

نِعْمَ الْوَكِيلُ، فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ

(آل عمران ع ۱۸)

پس تم اُن سے ڈرو (اور لڑنے کے لئے مت جاؤ) تو اس (جھوٹی دھمکی) نے ان (مومنوں) کے ایمان کو اور بھی زیادہ کر دیا اور (اُنہوں نے کہا: ہمارے لئے تو اللہ بہت کافی ہے اور وہ تو بڑا ہی اچھا کارساز ہے چنانچہ (اہلِ ایمان مقررہ محاذِ جنگ پر گئے اور وہاں سے) واپس آئے اللہ کی نعمت (فتح و ظفر) اور فضل (مالِ غنیمت) کے ساتھ، کچھ بھی تو گزند ان کو نہ پہنچا، اور (اللہ کی رضا کی پیروی بھی کر لی، اور (اللہ تو بڑے ہی فضل و انعام والا ہے۔

(۳/۲) حق جل شانہ کے ذکر اور قرآنِ عظیم کی آیات کی تلاوت سے مومنوں کے ایمان میں ترقی اور زیادتی، توکل علی اللہ کا نتیجہ ہے ارشاد ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۔

(انفال ع ۱)

مومن تو بس وہی لوگ ہیں جن کے سامنے جب بھی اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اُن کے دل لرزنے لگتے ہیں اور جب اس (کے کلام، قرآن) کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ اُن کے ایمان کو اور زیادہ (سے زیادہ) کر دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر (کلی اعتماد اور) بھروسہ کیا کرتے ہیں۔

توکل

خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے مذکورہ ذیل آیات میں حق جل شانہ پر بھروسہ اور توکل کرنے کا حکم دیا گیا ہے ارشاد ہے:

(۱) قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَن شَاءَ أَن يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ۔ وَتَوَكَّلْ

تم (اے نبی! منکرینِ حق سے) کہدو! میں تم سے اس (دعوتِ ایمان اور تبلیغِ حق، پر کوئی معاوضہ مطلق نہیں مانگتا الا یہ کہ جو چاہے وہ اپنے رب کا راستہ

عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا (الفرقان ع ۵)

(دین اسلام) اختیار کرلے اور تم (اے نبی) انکی دشمنی کی پرواہ مت کرو (اور) اپنے اس (ہمیشہ سے ہمیشہ تک) زندہ رہنے والے رب پر بھروسہ رکھو جس کیلئے مرنا (ممکن ہی) نہیں ہے اور اسی کی تسبیح حمد و ثنا کے ساتھ کیا کرو وہ اپنے بندوں کے گناہوں (کفر و شرک) سے باخبر (تمہارے لئے) کافی ہے۔

(۲) فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آل عمران ع ۱۷)

پس ان (نادانی سے، اپنے حکم کی خلاف ورزی کرنیوالوں) کو معاف کردو اور انکے لئے مغفرت کی دعا کرو اور (پیش آمدہ) کاموں میں ان سے مشورہ لیا کرو پس جب کسی کام کا) پکا ارادہ (اور فیصلہ کرلو تو اللہ پر بھروسہ کیا کرو بیشک اللہ توکل کرنیوالوں سے محبت کرتا ہے

تنبیہ۔ اس آیت کریمہ میں اول اسباب و تدابیر اختیار کرنے کا حکم ہے اسکے بعد (ان اسباب و تدابیر کے بجائے) اللہ رب العلمین پر بھروسہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ مذکورہ ذیل آیات میں اہل ایمان کو اللہ پر توکل کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

(۱) وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ (ابراہیم ع ۲) — اور اللہ ہی پر مومنوں کو توکل کرنا چاہیئے۔

(۲) وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (ایضاً) — اور اللہ ہی پر توکل کرنیوالوں کو بھروسہ کرنا چاہیئے

توکل کا نتیجہ

مذکورہ ذیل آیت کریمہ میں توکل کے نتیجہ میں سبحانہ اللہ نے تمام مشکلات و مصائب میں کفایت فرمانے اور کار برآری کا وعدہ فرمایا ہے

(۱) وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ — اور جو شخص اللہ پر بھروسہ اور اعتماد کرتا ہے تو وہ اسکے لئے بہت کافی ہے

توکل انبیاء کرام علیہم السلام کا خصوصی شعار رہا ہے

توکل علی اللہ تمام انبیاء و مرسلین کا خصوصی شعار رہا ہے سخت سے سخت مشکلات اور صبر آزما حالات میں ہمیشہ انہوں نے صرف سبحانہ اللہ کی کارسازی پر اعتماد کیا ہے۔ ارشاد ہے:

۱۳ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنۡ نَّاۡتِيَكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۔ وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰٮنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصۡبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيۡتُمُوۡنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ

(ابراھیم ع ۲)

اور ہمارے بس میں نہیں کہ لائیں ہم (از خود) تمہارے سامنے کوئی حجت مگر اللہ کی اجازت سے، اور اللہ پر ہی ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیئے۔ اور ہمیں کیا ہوا ہو ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں جبکہ وہ ہمیں تبلا چکا ہماری راہیں (کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے) اور ہم تو یقیناً صبر ہی کرینگے تمہاری ایذا رسانیوں پر اور اللہ پر ہی بس بھروسہ کرنا چاہیئے بھروسہ کرنے والوں کو۔

خاتم انبیاء ﷺ کو توکل کا خصوصی حکم

مذکورہ ذیل آیت میں خاتم النبیین ﷺ کو واحد متکلم ۔ مجھے ۔ کے ساتھ جل شانہٗ پر توکل کرنے کا خصوصی حکم دیا گیا ہے ۔ ارشاد ہے:

۱۴ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِىَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ ۖ وَهُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ

(التوبہ ع ۱۶)

پس اگر وہ (منکرین اس شفقت و رحمت اور مہر و محبت کے باوجود) انحراف کریں تو (ان سے) کہدو: مجھے تو اللہ بہت کافی ہے، اسکے سوا کوئی بھی الحق پرستش نہیں ہے (وہی اکیلا لاشریک لہ) پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور وہی عرش عظیم (تمام کائنات) کا مالک ہے۔

اسی طرح مذکورہ ذیل آیت کریمہ میں سرورکائنات ﷺ کو مرجع امور کائنات، زمین و آسمان کے اسرار و مخفیات کے جاننے والے جل شانہٗ کی عبادت اور اس پر بھروسہ کرنے کا خصوصی حکم دیا گیا ہے۔

۱۵ وَلِلّٰهِ غَيۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاِلَيۡهِ يُرۡجَعُ

اور اللہ ہی کے لئے ہیں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں (جن سے اسکے سوا کوئی بھی واقف نہیں)

الْاَمْرُ كُلُّهٗ، فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ (یوسف ع ۱۰)	اور اُسی کی طرف لوٹتا ہے تمام کا تمام اختیار، پس تم (اے نبی) اسی کی عبادت کیا کرو اور اسی پر بھروسہ کیا کرو، اور تمہارا رب تمہارے کاموں سے بیخبر مطلق نہیں ہے۔

مذکورہ بالا آیات پر مزید تبصرہ:-

انسان بہرحال اپنی زندگی میں کار برآری اور حاجت روائی کی غرض سے کسی نہ کسی ہستی پر بھروسہ اور اعتماد کرنے پر فطرتاً مجبور ہے اور یقیناً وہ یہ بھروسہ اور اعتماد نہ صرف اپنے سے بڑھ کر بلکہ زیادہ سے زیادہ کار برآری اور حاجت روائی کی قدرت اور اختیار رکھنے والی، اسباب اور اُن کے اثرات و نتائج سے گہری واقفیت اور دُور رس علم کی مالک ہستی پر ہی کر سکتا ہے یہی اسکی عقل و خرد کا تقاضہ ہے قرآنِ عظیم نے توکل علی اللہ کا حکم دینے اور اسکی فضیلت بیان کرنے کے ذیل میں شانہٗ کی وہ مقدس اور مؤثر صفات خاص طور پر بیان کی ہیں جو ایک خدا اور اسکی صفات پر ایمان رکھنے والے مسلمان کو توکل علی اللہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ مطمئن کر سکیں اور وہ تمام وسوسوں اور خیالات کو خیرباد کہہ کر اور بالائے طاق رکھ کر پوری دلجمعی کے ساتھ جلّ جلالہٗ پر توکل کر سکے مثلاً

(۱) الحی الذی لایموت (۲) لا الٰہ الا ھو (۳) للہ غیب السموات والارض (۴) الیہ یرجع الامر کلہ (۵) رب العرش العظیم (۶) حسبی یا حسبنا یا حسبہٗ (۷) ھدانا سُبُل -

بلکہ آیت نمبر (۹) کے جملہ ومالنا ان لانتوکل علی اللہ میں تو انبیاء علیہم السلام کی زبانِ مبارک سے یہ تک کہلوا دیا کہ:

جو انسان جلّ جلالہٗ پر توکل نہ کرے وہ بالکل مت کا مارا ہوا اور عقل و خرد سے کورا انسان ہے۔

اس نقطۂ نظر سے آیات اور اُنکے ترجموں کو صدقِ دل سے دوبارہ پڑھیے جلّ جلالہٗ آپ کو بھی یقین اور توکل علی اللہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

احادیث

بغیر حساب و کتاب کے جنّت میں جانے والے مومن

حدیث نمبر (۱/۴۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

شافع محشر، رحمتِ عالم، صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (ایک خاص موقعہ پر) تمام امتیں اور

ان کے نبی (بطور کشف) میرے سامنے لائے گئے تو میں نے دیکھا: کسی نبی کے ساتھ (اسکی اُمت کے نجات یافتہ) پانچ سات آدمیوں کا گروہ ہے اور کسی نبی کے ساتھ ایک دو آدمی ہی ہیں اور کسی نبی کے ساتھ ایک اُمتی بھی نہیں ہے۔ (اسی اثنا میں) اچانک ایک بڑا انبوہ کثیر میرے سامنے آیا تو (حق تعالیٰ کے وعدہ کے بموجب) میں نے خیال کیا کہ یہی میری اُمت ہے، تو مجھے بتلایا گیا: یہ موسیٰ (علیہ السلام) اور اُن کی اُمت ہے لیکن تم ذرا اُفق (آسمان کے کنارے) کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھو تو میں نے دیکھا کہ افق کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پھیلا ہوا ایک بڑا بھاری انبوہِ کثیر (میرے سامنے) ہے، پھر مجھ سے کہا گیا کہ دُوسرے افق کی جانب دیکھو تو (اُدھر بھی ایک فوج در فوج) بڑا بھاری انبوہِ کثیر (میرے سامنے) ہے تب بتلایا گیا یہ ہے تمہاری اُمت، اور اُن کے ساتھ (اُنکے علاوہ یا انہی میں کے) ستّر ہزار ایسے مسلمان ہونگے جو بغیر مواخذہ و عذاب، اور بغیر حساب و کتاب کے جنّت میں جائیں گے۔

اس (بشارت کے دینے) کے بعد سراپا رحمت، نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور نبوت کدہ (مکان) میں تشریف لے گئے تو حاضرین نے اُن ستّر ہزار مومنین کے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں شروع کر دیں کسی نے کہا: غالباً یہ وہ لوگ ہوں جو (سفر و حضر، ہر حالت میں) نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی (کیمیا اثر) صحبت میں رہے ہیں"۔ کسی نے کہا: یہ وہ (نئی نسل کے) لوگ ہونگے جو اسلام (کے آغوش، مسلمان ماں باپ کی گود، اور مسلمان گھرانے) میں پیدا ہوئے اور اُنہوں نے (دُنیا میں آنکھ کھولنے کے وقت سے مرتے دم تک) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو بھی (عبادت میں) شریک نہیں کیا۔ اسی طرح ہر شخص نے اپنی رائے اور قیاس کے گھوڑے دوڑانے شروع کر دیئے (غرض لوگوں میں اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا) تو (اس ہنگامہ کی آواز سنکر) رسالت مآب

ﷺ باہر تشریف لائے اور فرمایا: یہ کیسا ہنگامہ تم لوگوں نے برپا کر رکھا ہے؟ تو لوگوں نے بتلایا (کہ یہ ان ستر ہزار بے حساب و کتاب جنت میں جانے والوں کے متعلق بحث ہو رہی ہے کہ یہ خوش نصیب کون ہوں گے) تو مخبر صادق ﷺ نے بتلایا: یہ وہ (پکے اور سچے) ایماندار ہونگے جو نہ جھاڑ پھونک کا کام کرینگے اور نہ خود اپنے لئے کسی سے جھاڑ پھونک کرائینگے نہ ہی وہ (کسی چیز سے) بدشگونی لینگے اور (ہر دکھ بیماری یا مصیبت و آفت میں) صرف اپنے پروردگار پر توکل کرتے اور بھروسہ رکھتے ہونگے۔

سچے جذبہ کا کرشمہ تو یہ سن کر عکاشہ نامی ایک صحابی فوراً کھڑے ہوئے اور (نہایت خلوص کے ساتھ) عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ ﷺ میرے لئے دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان (متوکلین کاملین) میں شامل فرمادیں (یعنی توکل کے اس معیار پر ساری زندگی قائم رہنے کی توفیق عطا فرمادیں) تو نبی رحمت ﷺ نے (عکاشہ کے اس بے ساختہ جذبہ کو دیکھ کر دعا فرمادی اور) خوشخبری دی: تم ان (متوکلین کاملین) میں شامل ہو۔

ریس کا نتیجہ تو (عکاشہ کی دیکھا دیکھی) ایک اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: میرے لئے بھی (یہی) دعا فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل کردے تو آپ نے فرمایا: عکاشہ تم سے بڑھ گیا (تم تو محض اسکی ریس کر رہے ہو ایسے لوگوں کیلئے دعا نہیں کی جاتی)

تشریح

دوسرے انبیاء کی امتوں کی بنسبت خاتم انبیاء ﷺ کی امت کی کثرت اور اس کی وجہ

خاتم الانبیاء والرسل ﷺ نے اپنی امت کی کثرت ذیل کی حدیث میں بیان فرمائی ہے: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ: ایک دن ہم تقریباً چالیس افراد ایک سرخ چرمی خیمے کے اندر نبی رحمت ﷺ کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ کھڑے ہوکر خیمہ کی دیوار سے کمر لگا کر خطبہ دیا:

آگاہ ہو جاؤ۔ اور یاد رکھو جنت میں صرف سچا اور پکا مسلمان ہی جائے گا۔ اور خدا کو گواہ بنانے کی غرض سے فرمایا۔ اے اللہ گواہ رہ کہ میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا ہے) پھر فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ اہل جنت میں تمہاری تعداد ایک چوتھائی ہو؟ ہم نے عرض کیا: (سبحان اللہ) جی ہاں (ہم ضرور چاہتے ہیں) پھر آپ نے فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ تم (جنت میں) ایک تہائی ہو؟ ہم نے عرض کیا اللہ اکبر جی ہاں (ہم ضرور چاہتے ہیں) یا رسول اللہ! تو اس پر آپ نے فرمایا: مجھے تو (رب تعالیٰ) سے امید ہے کہ اہل جنت میں آدھے تم ہو گے (اور آدھے دوسرے انبیاء کی امتوں کے ایماندار)

اس حدیث پاک سے واضح ہو گیا کہ جنت میں خاتم انبیاء ﷺ کی امت کے سچے مسلمانوں کی تعداد نصف اہل جنت ہو گی۔

اس کثرتِ تعداد کی وجوہ و اسباب

جنتیوں میں امت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و تحیۃ کی اس کثرت کے اسباب و وجوہ حسب ذیل ہیں:
خصوصیات ہیں

(۱) خاتم انبیاء محمد مصطفےٰ ﷺ سے پہلے تمام انبیاء و مرسلین صرف اپنی اپنی قوموں یا کسی مخصوص قوم کی رشد و ہدایت کے لئے بھیجے گئے ہیں وہی ان کے اتباع و پیروی کے مامور و مکلف ہوئے ہیں اسلئے ان کی رسالت اور دعوت تبلیغ وارشاد کا دائرہ انہی چھوٹی بڑی قوموں تک محدود رہا ہے تمام روئے زمین پر بسنے والی اقوام عالم نہ ان کی مخاطب ہوئی ہیں نہ ان پر ایمان لانے کی مکلف۔ اسکے برعکس خاتم النبیین ﷺ روئے زمین پر بسنے والی اقوام عالم کیلئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں اور دنیا کی تمام سیاہ فام اور زرد فام قومیں آپ پر ایمان لانے اور آپ کا اتباع کرنے کی مامور و مکلف ہوئی ہیں۔ ﷺ کا اعلان ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ (السباء ع ۳)

اور (اے نبی) ہم نے تم کو تمام کے تمام لوگوں (انسانوں) کیلئے ہی (نبی بنا کر) بھیجا ہے۔

خاتم النبیین ﷺ نے اسکی تشریح فرما دی:

بُعِثْتُ إِلَى الْأَسْوَدِ وَالْأَحْمَرِ

میں تمام سیاہ فام اور سفید فام (قوموں) کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

اس لئے آپ کی رسالت اور دعوت تبلیغ و اشاعت کا دائرہ تمام روئے زمین کو محیط ہے ایسی صورت میں آپ کی امت کے جنت میں جانے والوں کی تعداد کا دوسرے تمام انبیاء کے امتیوں سے نہ صرف زیادہ بلکہ بہت زیادہ ہونا لازمی امر ہے۔

(۲) خاتم النبیین ﷺ سے پہلے ہر نبی و رسول کی بعثت و رسالت وقتی اور ہنگامی ہوئی ہے یعنی دوسرے صاحب کتاب نبی و رسول کے مبعوث ہونے کے بعد دو چار یا پانچ سات صدیوں میں اسکی رسالت و شریعت کا دور بہر حال ختم ہو گیا ہے۔ اسکے برعکس نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت رہتی دنیا تک یعنی قیامت تک کی تمام آنے والی انسانی نسلوں کے لئے ہے اور تمام کی تمام آنے والی اولاد آدم آپ پر ایمان لانے کی مامور و مکلف ہیں نہ خاتم انبیاء کے بعد کوئی اور نبی آئے گا اور نہ قرآن کے بعد کوئی اور آسمانی کتاب نازل ہو گی نہ شریعت محمدیہ کے بعد کوئی اور شریعت آئے گی۔ لہٰذا آپ کی امت کے

تحت آپ کی بعثت کے وقت سے لے کر قیامت تک کی تمام ذریت آدم اور پوری نسل انسانی داخل ہے اسلئے آپ کی اُمت کے اہل ایمان کی تعداد کا تمام اُمتوں کے اہلِ ایمان کی تعداد کا نصف ہونا بالکل قرین قیاس ہے۔

(۳) سنت اللہ یہ رہی ہے کہ نبی کے مرسل من اللہ ۔ فرستادہ خداوندی ۔ ہونے کے ثبوت اور تصدیق کے طور پر ﷻ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو مختلف قسم کے انسانی قدرت و اختیار سے باہر مادی خدائی تصرفات ۔ معجزات ۔ عطا فرمائے ہیں ۔ قرآن عظیم میں ان معجزات کی تفصیل مذکور ہے ۔ مگر ان تمام انبیاء کرام کے یہ معجزات بھی اُن کی نبوت و رسالت کی طرح وقتی اور ہنگامی ہوتے ہیں یعنی اُنکی زندگی تک ہی ان کی قوم اور اُمت نے ان معجزات کا مشاہدہ کیا ہے اور جن کی قسمت میں ہوا ہے ان پر ایمان لائے ہیں اُن کی وفات کے ساتھ ہی ساتھ اُنکے معجزات بھی وفات پا گئے ہیں اسکے برعکس خاتم النبیین ﷺ کا معجزہ معنوی اور زندہ معجزہ ہے اور وہ معجزہ ہے اَلْحَیُّ الَّذِیْ لَایَمُوْتُ کا سدا زندہ رہنے والا کلام" یعنی قرآنِ عزیز جیسے نبی آخر الزمان ﷺ کی نبوت ہے کہ آپکے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی برقرار اور محفوظ ہے، نوع انسانی اس پر ایمان لانے کی ایسے ہی مامور و مکلف ہے جیسے آپکے دنیا میں تشریف فرما ہونے کے وقت تھی، ایسے ہی آپ کے معجزہ ۔ قرآن ۔ پر ایمان لانا اور اسکا اتباع کرنا نوع انسانی پر فرض ہے بالکل ایسے ہی جیسے آپ کی حیات میں فرض تھا ۔ جیسے اس معجزہ کے مشاہدہ سے یعنی کلام اللہ کی آیات سُنکر نوع انسانی کی سعید روحیں آپ کی حیات میں اس پر اور آپ کی نبوت و رسالت پر ایمان لائی تھیں اور اسلام میں داخل ہوئی تھیں بالکل اسی طرح آپ کی وفات کے بعد سے آج چودہ سو برس تک ہر زمانہ ہر ملک اور ہر زمین کے چپہ چپہ پر اس کلام الٰہی کی آیات سنکر اسکے کلام الٰہی ہونے پر اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے رسول اللہ ہونے پر نوع انسانی کے خوش قسمت افراد ایمان لاتے اور اسلام کے شرف سے مشرف ہوتے رہے ہیں اور یقیناً قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا اسلئے کہ اس قرآن کا، اسلام کا، شریعتِ محمدیہ کا اور اُمتِ محمدیہ کا محافظ وہ حی لایموت مالک الملک ﷻ ہے جسکے لئے کبھی فنا نہیں اس عالم الغیب و الشہادت ﷻ کی حکمت و مصلحت جب متقاضی ہوگی اسوقت وہ روئے زمین سے قرآن ۔ آپ کے معجزہ ۔ کو بھی اُٹھالے گا اسلام کو بھی اور اہلِ ایمان کو بھی اُٹھالے گا اور روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا ۔ گویا اس عالم فانی کی روح نکل جائے گی اور دنیا فنا ہو جائے گی یعنی قیامت آجائے گی غرض خاتم النبیین ﷺ کا معجزہ ایک زندہ معجزہ ہے قیامت تک نسل انسانی اس پر ایمان لاتی رہے گی اسی لئے جنت میں آپ کی اُمت کے مومنین کی تعداد نصف اہل جنت یعنی تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ۔ جیسا کہ مشہور ہے ۔ پر ایمان لانے والوں کی برابر ہوگی

چنانچہ خود خاتم النبیین ﷺ نے حدیث ذیل میں اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے : نبی آخر الزمان ﷺ نے ارشاد فرمایا : گذشتہ انبیاء کرام میں سے ہر نبی کو ایسے وقتی اور ہنگامی مادی معجزات دیئے گئے ہیں کہ اس قسم کے معجزات

پر (اُن سے پہلے بھی) لوگ ایمان لا چکے ہیں اور جو معجزہ مجھے دیا گیا ہے وہ تو صرف وحی۔ اللہ تعالیٰ کا (لافانی کلام۔ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بطور وحی میرے پاس بھیجا ہے (اور اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے) اسکا رہتی دنیا۔ قیامت تک باقی رہنا یقینی ہے) اسلئے میں (اللہ تعالیٰ سے) اُمید کرتا ہوں کہ میری پیروی کرنے والوں کی تعداد سب (نبیوں کی اُمتوں) سے زیادہ ہوگی۔

قارئین سے معذرت اور دعا

قارئین کرام سے ہم معذرت خواہ ہیں کہ ہم نے صرف نبی الرحمۃ، شفیع الامۃ، خاتم النبیین علیہ صلوٰت اللہ وسلامہٗ کے عنداللہ شرف وعظمت اور مقام نبوت ورسالت کو، نیز اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف سلام وتحیۃ کی سعادت وبشارت کو واضح کرنے کی غرض سے اس موقع پر قدرے طولِ کلام سے کام لیا۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو اپنے رسولِ رحمت اور سراپا شفقت ورأفت نبی ﷺ کی زندہ نبوت، زندہ شریعت اور زندہ معجزہ۔ قرآن۔ کی کما حقہٗ قدر کرنے اور دل وجان سے اس پر عمل کرنے اور زیادہ سے زیادہ جنت میں جانے کی توفیق وسعادت عطا فرمائیں آمین بحرمت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

ستر ہزار مومنین کے بے حساب وکتاب جنت میں جانے کی وجہ

ان مومنین کاملین کے بغیر حساب کتاب اور بغیر عذاب وعتاب جنت میں داخل ہونے کا واحد سبب صرف اعلیٰ درجہ کا توکل علی اللہ ہے جو اولیاء اللہ کے آخری مقامات میں سے ہے اور یہ لوگ صرف متوکلین کاملین ہیں اسکی دلیل اسی حدیث پاک کا آخری جملہ وَعَلٰی رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ہے۔ اسی لئے امام نووی علیہ الرحمۃ اس حدیث کو سب سے پہلے توکل کے باب میں لائے ہیں

علاماتِ توکل

باقی ان حضرات کے کمالِ توکل کی علامات کے طور پر آپ نے چند صفات بیان کی ہیں ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

(۱) جو لوگ کسی بھی سخت سے سخت اور لاعلاج دکھ بیماری کے علاج، یا مشکل دشواری کے ازالہ، یا مصیبت وآفت سے نجات پانے کے لئے نہ دوسروں کے لئے جھاڑ پھونک، ٹونے ٹوٹکا وغیرہ کرتے ہیں، نہ ہی خود اپنی کسی بھی ضرورت کے لئے ان چیزوں سے کام لیتے ہیں (۲) اور نہ ہی کسی بھی چیز سے بدشگونی لیتے ہیں بلکہ ہر نفع نقصان اور خیر وشر کا فاعلِ مختار، اور انسانی زندگی میں کارفرما اور متصرف صرف اور محض اللہ تعالیٰ کو جانتے اور مانتے ہیں اور اسی کے ارادہ اور مشیت پر ایمانِ کامل رکھتے ہیں اور ہر حالت میں مطمئن رہتے ہیں، ایمان میں تزلزل پیدا کرنے والی چیزوں سے قطعاً متاثر نہیں ہوتے وہ یقیناً متوکلین کاملین اور پکے ایماندار ہیں۔ تجربہ شاہد ہے کہ بڑے سے بڑے پختہ عقل وخرد کے مالک پڑھے لکھے لوگ بھی۔ جاہلوں اور عوام کا تو ذکر ہی کیا۔ مذکورہ بالا حوصلہ شکن اور صبر آزما حالات میں۔ یہ جاننے کے باوجود کہ غیر شرعی جھاڑ پھونک، ٹونے ٹوٹکے اور شگون بدشگونی اور ان کا اثر محض وہم وخیال ہے ان کی حقیقت کچھ نہیں۔ اس قسم کی چیزوں کی طرف ڈھل جاتے ہیں۔ یہ صرف ضعفِ ایمان اور اللہ پر توکل نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ متوکلین کاملین ان چیزوں کو تو کیا خاطر میں لاتے وہ

تو واقعی دنیاوی اسباب ــ دوا، پرہیز اور مشورہ و تدبیر ــ کی طرف بھی التفات نہیں کرتے جیسا کہ آپ یقین اور توکل کے مراتب کے بیان میں پڑھ چکے ہیں۔

ان تینوں چیزوں کا شرعی حکم

دَم دُرُود، جھاڑ پھونک جو صحیح احادیث میں وارد اور نبی رحمت ﷺ اور صحابہ کرام سے منقول اور ثابت ہیں وہ، اور دنیوی اسباب و تدابیر کی طرح کرنے کرانے جائز ہیں اسی طرح وہ بھی جن کے الفاظ اور نقوش کے معنی معلوم ہوں اور شریعت کی تعلیمات کے خلاف نہ ہوں اور بزرگوں سے منقول ہوں، جائز ہیں۔ باقی وہ جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈے ٹونے ٹوٹکے جو شرکیہ اور خلاف شرع امور پر مشتمل ہوں وہ قطعاً ناجائز ہیں اسی طرح بدشگونی قطعاً ناجائز ہے ہاں اچھی چیزوں سے نیک فال لینا سرور کائنات ﷺ سے ثابت ہے۔

ان تینوں چیزوں کی خصوصیت

یہ تینوں چیزیں ضعف ایمان اور ضعفِ اعتقاد کی خاص نشانی ہیں ضعف توکل کی وجہ سے مذکورہ بالا مایوس کن حالات میں وہم و خیال کے غلبہ اور تسلط کی وجہ سے انسان ان کی طرف اسی طرح لپکتا ہے جیسے پیاسا سراب ــ چمکتی ہوئی ریت جو دور سے پانی معلوم ہو ــ کی طرف لپکتا ہے اور عموماً مفت میں ایمان کی بے بہا دولت ان کے بھینٹ چڑھا دیتا ہے اور ہاتھ کچھ نہیں آتا اور عوام اور ضعیف الاعتقاد لوگ تو ان بے اصل وہمی چیزوں کے چکر میں پھنس کر خدا اور اس کی مشیت کو بالکل ہی خیرباد کہہ دیتے ہیں، تو جو لوگ ان حالات میں گرفتار ہونے کے باوجود بھی توکل علی اللہ پر قائم اور ثابت قدم رہتے ہیں وہ کامل متوکل ہیں۔ باقی وہ یونانی اور ڈاکٹری دوا علاج جو تجربہ سے مفید ثابت ہوئے ہیں ان کے اختیار کرنے میں ایمان اور توکل کے لیے چنداں خطرہ نہیں ہوتا بلکہ دوا علاج اور اسباب و تدابیر اختیار کرنا شریعت کا حکم ہے جیسا کہ آپ توکل کے بیان میں پڑھ چکے ہیں۔

مومن کا جینا اور مرنا سب اللہ کے لئے ہے — حدیث نمبر (۲/۷۵)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اے میرے اللہ! میں تیرا ہی فرمانبردار ہوں، اور تیرے اوپر ہی ایمان لایا ہوں اور تیرے ہی اوپر میں نے بھروسہ کیا ہے، اور تیری ہی طرف میں نے (ہر معاملہ میں) رجوع کیا ہے، اور تیرے ہی سہارے میں نے (منکرین حق سے) مقابلہ کیا ہے۔

اے اللہ! میں تیری زبردست طاقت و قوت کی پناہ لیتا ہوں ـــــ اور تیرے سوا کوئی معبود ہے بھی تو نہیں ـــــ اس سے کہ تو مجھے سیدھے راستہ سے بھٹکائے۔

اے اللہ! تو تو وہ (ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور زندگی دینے والا) ہے۔ جس کے لئے موت (فنا) ہے ہی نہیں۔ اور تیرے سوا (تمام مخلوق) جن و انس ضرور مریں گے۔

امام نووی فرماتے ہیں: اس حدیث کے یہ الفاظ تو صحیح مسلم کے ہیں امام بخاری علیہ الرحمۃ نے صحیح بخاری میں اسی حدیث کو ذرا مختصر الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

تشریح!

دعائیں اور اعتقاد کی پختگی

ظاہر ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دعا کے مانگنے کا اور صحابہ کا اسکو روایت کرنے کا اور محدثین کا ان مسنون دعاؤں کو محفوظ کرنے کا، واحد مقصد امت کو ان دعاؤں کے مانگنے کی تعلیم دینا ہے اسلئے آپ بھی یہ مسنون دعا ضرور مانگا کیجئے۔

یاد رکھیئے اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کے نصیب ہونے کا سبب تو یہ دعائیں ہیں ہی اسی کے ساتھ ساتھ اعتقاد کی پختگی اور ایمان کی تازگی اور زیادتی میں ان دعاؤں کو بڑا دخل ہے اسلئے کہ انسان اور کسی وقت اپنے رب کی طرف جیسا ہے آنا دل و جان سے متوجہ نہ بھی ہوتا ہو مگر دعا مانگنے کے وقت تو یقیناً اسطرح متوجہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا تمام خیالات سے اسکا دل و دماغ بالکل خالی اور ارحم الراحمین کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاتا ہے اسی لئے سراپا شفقت و رأفت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ ـ دعا عبادت کا مغز ہے ـ اور ایک حدیث میں آیا ہے اَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ـ دعا (مانگنا) ہی عبادت (کرنا) ہے ـ یعنی عبادت کی روح ہی دعا ہے بلکہ عبادت ہے ہی دعا۔ سبحان اللہ

اسی لئے ارحم الراحمین قرآنِ عظیم میں اپنے بندوں کو دعا مانگنے کا حکم بھی دیتے ہیں اور از راہِ فضل و انعام قبول کرنے کا وعدہ بھی فرماتے ہیں اور دعاؤں سے گریز کرنے والوں کو تنبیہ کے لئے شدید ترین وعید ـ سزا ـ سے بھی خبردار فرماتے ہیں ارشاد ہے؛

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ ۝ (مؤمن ع ۶)

اور تمہارے رب نے فرمایا ہے: تم مجھ سے دعا مانگو، میں تمہاری دعا قبول کرونگا، بیشک جو لوگ میری عبادت (دعا مانگنے) کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں وہ ذلیل و خوار جہنم میں ضرور داخل ہوں گے۔

اطلاع ہر وقت اور ہر حالت کی مسنون دعاؤں نیز آداب دعا کے لئے اردو ترجمہ حصن حصین مطبوعہ تاج کمپنی پڑھئیے اور سب حال دعائیں یاد کیجئے۔ وَفَّقَكُمُ اللّٰهُ ـ خدا تمہیں توفیق دے۔

آڑے وقتوں میں انبیاء علیہم السلام کا شعار

حدیث نمبر (۳/۷۶)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ہمارے لئے تو اللہ بہت کافی ہے اور وہ تو بہت ہی اچھا کارساز ہے۔

یہ کلمہ صبر و توکل سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اسوقت کہا تھا جب ان کو آتش نمرود میں ڈالا گیا تھا (اور اسی کی برکت اور اثر سے آتش نمرود گلزار ابراہیم بنی تھی)

اور محمد مصطفیٰ ﷺ نے یہ کلمہ عزیمت و توکل اسوقت کہا تھا جب (قریش کے جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے والے) لوگوں نے کہا:

إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ بیشک (قریش اور انکے حمایتی) لوگوں نے تمہارے (مقابلہ اور سرکوبی کے لئے (بڑی تیاریاں کر رکھی ہیں اور) فوجیں جمع کی ہیں پس تم ان سے ڈرو (اور لڑنے کے لئے مت جاؤ)

فَزَادَهُمْ إِيْمَانًا وَّقَالُوْا: تو اس (جھوٹے پروپیگنڈے) نے ان (غازیان اسلام) کے ایمان کو اور بھی زیادہ کر دیا اور انہوں نے کہہ دیا:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ہمیں تو اللہ ہی بہت کافی ہے اور وہ بڑا اچھا کارساز ہے

تشریح!

واقعہ

جنگ احد سے بری طرح پسپا ہونے کے بعد مشرکین مکہ۔ قریش۔ کے سردار اور سپہ سالار ابو سفیان نے اپنی خرم مٹانے کے لئے اگلے سال بدر کے مقام پر لڑائی کا اعلان کر کے احد کے میدان سے فرار کی راہ اختیار کی اور سب کے سب مکہ واپس چلے گئے مگر پورا سال گزر جانے اور لڑائی کی تیاریاں کر لینے کے باوجود قریش کی ہمت نہ ہوئی کہ مسلمان سرفروشوں سے اعلان جنگ کے مطابق بدر میں آکر لڑیں ادھر غازیان اسلام کے قائد اعظم سردار دو جہاں ﷺ اور غازیان اسلام کے مدینہ سے بدر کی جانب روانہ ہونے اور بدر پہنچنے کی خبریں گرم تھیں تو ابو سفیان نے وعدہ خلافی کی رسوائی اور جنگ سے گریز کی سیاہ روئی کو مٹانے کی غرض سے یہ سازش کی کہ بڑی بھاری رقم دے کر کچھ کرایہ کے جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے

والے لوگ جن میں سے ایک کا نام نعیم بن مسعود اشجعی تھا، تیار کئے کہ وہ فوراً مدینہ پہنچ کر زور و شور سے یہ پروپیگنڈہ کریں: اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَکُمْ فَاخْشَوْھُمْ تاکہ مسلمان ڈر کر حسب وعدہ بدر نہ پہنچیں، اس جنگ کا ارادہ ترک کر دیں اور وعدہ خلافی اور جنگ سے گریز کا الزام قریش کے بجائے مسلمان مجاہدوں کے سر پڑے، قریش کی جان بچ جائے۔ مگر کارساز مطلق ﷻ پر توکل اور بھروسہ کرنے کی برکت سے اس جھوٹے پروپیگنڈہ نے الٹا اثر کیا اور ﷻ کی کارسازی پر ایمان میں اور زیادہ اضافہ کر دیا۔ چنانچہ مسلمان غازیوں نے صاف کہہ دیا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ اور پوری تیاری کے ساتھ بدر پہنچ گئے قریش میں آنے کی ہمت بھی نہ آئی، اور اس جھوٹا پروپیگنڈہ کرانے کی بنا پر سارے عرب میں اور بھی ذلیل و رسوا ہوئے مسلمان غازیوں کو اس توکل کے نتیجہ میں کیا ملا؟ قرآن کی زبان سے سنئے ارشاد ہے:

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰہِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْھُمْ سُوْٓءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ	پس وہ (غازیان اسلام بدر سے) واپس آئے اللہ کی نعمت (فتح و ظفر) اور فضل (مال و منال) کے ساتھ، کچھ بھی تو گزند ان کو نہ پہنچا، اور اللہ کی رضا کی پیروی بھی کر لی، اور اللہ تو بڑے ہی فضل و انعام والا ہے

یہ ہیں یقین کامل کے ساتھ ﷻ پر بھروسہ کرنے کے ثمرات اور برکات۔

کاربرآری اور حاجت روائی کا بیعبراز وظیفہ

انبیاء کرام اور خاتم النبیین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے لے کر صحابہ، تابعین اور اولیاء امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تک ہر ایک بزرگ نے ہر آڑے وقت اور صبر آزما مشکل و دشواری میں جس وظیفہ کا تجربہ کیا اور کامیاب پایا اور اسکی تصدیق کی وہ وظیفہ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ہے قرآن عظیم نے بھی اسکی تائید فرمائی ہے، آپ بھی اس وظیفہ کو یاد کر لیجئے۔ انسان کے کام کب اٹکے نہیں رہتے؛ اسلئے معمولاً ہر نماز کے بعد، پورے یقین کے ساتھ سو مرتبہ یہ وظیفہ پڑھا کیجئے اور کسی خاص مشکل اور دشواری کے وقت تو ہر وقت ورد زبان رکھئے، اور اگر اتنا نہ ہو سکے، تو صبح شام ایک ایک تسبیح تو ضرور ہی پڑھا کیجئے۔

مترجم کے شیخ اور انکا معمول

ہمیں خوب اچھی طرح یاد ہے بلکہ یہی سب سے زیادہ یاد ہے کہ ہمارے شیخ امام العصر حضرت مولینا محمد انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ بیٹھتے اٹھتے عموماً دل کی گہرائیوں سے حَسْبُنَا اللّٰہُ ذرا آواز سے فرمایا کرتے تھے۔ ہم نے س کو ذرا کھینچ کر لکھا ہے اسلئے کہ حضرت استاد رحمہ اللہ اسی طرح س کو ذرا کھینچ کر زبان مبارک سے ادا فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ اللہ پاک ہم سب کو اپنے بزرگوں کے طریق پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین بحرمت رحمۃ للعالمین۔

ﷻ پر کما حقہ بھروسہ کرنے والوں کے دل

حدیث نمبر (۴۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مخبر صادق، رحمت عالم ﷺ نے (بشارت دی اور) فرمایا: جنت میں کچھ ایسے گروہ بھی داخل ہونگے جن کے دل (اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ رکھنے کی وجہ سے) پرندوں کے دلوں کی مانند (فکر دنیا سے آزاد اور ہلکے پھلکے) ہوں گے۔

امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

بعض علماء محققین نے فرمایا ہے کہ یہ متوکلین کاملین کے گروہ ہونگے اور بعض علما کی رائے ہے کہ یہ وہ رقیق القلب لوگ ہیں جن کے دل (عجز و نیاز اور خوف وخشیت الٰہی کے غلبہ کی وجہ سے نرم) اور لطیف ہوتے ہیں۔

تشریح!

کمال توکل کا عظیم فائدہ

آپ توکل کے دوسرے اور اعلیٰ مرتبہ کی تشریح کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں کہ توکل کے اعلیٰ مدارج پر پہنچنے کے بعد متوکلین کاملین کی نظروں میں ظاہری اسباب، انسانی تدابیر اور جدوجہد کی حقیقت پر کاہ۔ تنکے۔ کی برابر بھی باقی نہیں رہتی وہ دنیاوی فکروں پریشانیوں اور لاحاصل تگ و دو سے بالکل آزاد اور فارغ البال ہوتے ہیں اُن کے قلوب قادر مطلق پروردگار کی کار برآری اور کارسازی پر کامل یقین و ایمان رکھنے کی وجہ سے سخت سے سخت حالات اور بڑے سے بڑے خطرات سے دوچار ہونے کے وقت بھی بالکل مطمئن رہتے ہیں کلمۂ توکل حسبنا اللہ ونعم الوکیل ان کی زبانوں پر جاری ہوتا ہے اور نور یقین وایمان کی روشنی سے اُن کے دل منور اور طمانینت الٰہی سے مطمئن رہتے ہیں۔ جیساکہ آپ توکل سے متعلق آیات خصوصاً آیت کریمہ نمبر(۱ و ۲) کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں ۔ اور انتہائی حاضر حواسی اور ہوشمندی کے ساتھ وہ حق تعالیٰ کے احکام اور سرور کائنات ﷺ کی سنت وسیرت کی روشنی میں جو کچھ کرنا چاہیئے وہ کرتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ ہوگا وہی جو خدا کو منظور ہے ہم تو صرف اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ اسکے برعکس جو لوگ اس توکل کی نعمت اور خدا کی کارسازی پر کامل یقین و ایمان کی دولت سے محروم ہوتے ہیں وہ مذکورہ بالا حالات وخطرات کے وقت مضرت یا مصیبت سے دوچار ہونے سے پہلے ہی خوف ودہشت فکر و پریشانی میں اس بری طرح گرفتار ہو جاتے ہیں کہ عقل وخرد بلکہ ہوش وحواس تک کھو بیٹھتے ہیں اور گھبراہٹ کے مارے اُن کا برا حال ہو جاتا ہے ذہنی آسودگی، اور فکری یکسوئی اور قلبی سکون واطمینان سے قطعاً محروم ہو جاتے ہیں حالانکہ ہوتا وہی ہے جو خدا کو منظور اور مقدر ہوتا ہے۔

متوکلین کے دلوں کا پرندوں کے دلوں کے مانند ہونے کا مطلب

حاصل یہ ہے کہ دنیوی زندگی میں بھی توکلِ کامل کا عظیم ترین فائدہ دنیوی خصوصاً معاشی امور و مشکلات میں ذہنی آسودگی، فکری یکسوئی اور قلبی اطمینان و سکون ہے جو بجائے خود بہت بڑی نعمت ہے، یہی مطلب ہے ان متوکلین کے دلوں کا پرندوں کے دلوں کی مانند ہونے کا جیسا کہ آپ توکلِ کامل کی تشریح و تفصیل کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں اور حدیث نمبر(۶) میں خود سرورِ کائنات ﷺ نے اُن پرندوں کی مثال کی تفصیل بھی بیان فرمادی ہے لہٰذا مذکورہ بالا حدیث میں مذکور جنتی گروہ سے متوکلین کاملین کا گروہ ہی مراد ہے اسی لئے امام نووی رحمۃ اللہ اس حدیث کو توکل کے باب میں لائے ہیں۔

باقی جو علماء کرام پرندوں کے دلوں سے تشبیہ دینے کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ ان جنتی لوگوں کے دل پرندوں کے دلوں کی طرح رقیق۔ نرم۔ اور لطیف ہوتے ہیں اس صورت میں یہ حدیث خوف و خشیتِ الٰہی سے متعلق ہو جائے گی اور امام نووی علیہ الرحمۃ کا اسکو توکل کے باب میں بیان کرنا بھی درست نہ ہوگا۔ امام نووی نے اِن علماء کی رائے صرف دیانتداری کے تحت نقل کی ہے

نبی رحمت ﷺ کے توکل علی اللہ کا ایک واقعہ اور اُس کا کرشمہ

حدیث نمبر (۵/۷۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

(۱) وہ (ایک مرتبہ) نجد کی جانب ایک لڑائی میں رحمتِ عالم ﷺ کے ہمرکاب تھے چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ اس جنگ سے واپس تشریف لا رہے تھے تو جابرؓ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ (اثنائے راہ میں اتفاقاً) ایک ایسی وادی میں قیلولہ۔ دوپہر کے آرام۔ کا وقت آگیا جس میں بکثرت خاردار۔ کیکر کے۔ درخت تھے تو سرورِ کائنات ﷺ وہیں اُتر پڑے اور لوگ (آرام کرنے کے لئے) اِدھر اُدھر سایہ دار درختوں کے نیچے منتشر ہو گئے (اور آرام کرنے لگے) رحمتِ عالم ﷺ بھی ایک کیکر کے (سایہ دار) درخت کے نیچے اُترے اور (اپنی تلوار اسی درخت کی ایک ٹہنی پر لٹکا دی (اور آرام فرمانے لگے دوپہر کا وقت تھا ہم سب کی ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ اتنے میں آپ نے ہمیں آواز دے کر بلانا شروع کر دیا (ہم گھبرا کر دوڑے تو دیکھتے کیا ہیں کہ) ایک بدو (عرب دیہاتی) آپ کے

پاس اکھڑا ہے ہمیں دیکھ کر آپ نے ارشاد فرمایا: اس شخص نے (بیخبری میں درخت سے) میری تلوار اتار کر میرے اوپر سونت لی تھی اور میں سو رہا تھا، اچانک میری آنکھ کھل گئی تو دیکھتا کیا ہوں کہ برہنہ تلوار اسکے ہاتھ میں ہے اور کہہ رہا ہے: اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ میں نے کہا: ﷲ، تین مرتبہ اسنے یہی سوال کیا اور میں نے یہی جواب دیا۔ (اسکے بعد) آپ نے اس کو (اس جرم کی کوئی سزا نہیں دی اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔

امام نووی علیہ الرحمۃ کہتے ہیں: (یہ تو صحیحین کی روایت کے الفاظ ہیں) اور حضرت جابرؓ ہی کی ایک اور روایت کے الفاظ یہ ہیں:

(۲) ہم (ایک مرتبہ) جنگ ذات الرقاع میں رحمت عالم ﷺ کے ہمراہ (سفر کر رہے) تھے اثناء راہ میں (دوپہر کو آرام کرنے کے وقت ہمارا معمول یہ تھا کہ) جب کوئی سایہ دار درخت آتا تو ہم اسکو رسول اللہ ﷺ کے لئے چھوڑ دیتے۔ چنانچہ (ایک دن) اسی طرح ایک سایہ دار درخت کے نیچے آپ آرام فرما رہے تھے (شکست خوردہ) مشرکین میں کا ایک شخص (جو شروع سے گھات میں لگا ہوا تھا بیخبری میں) آپہنچا، آپ کی تلوار درخت پر لٹکی ہوئی تھی اس نے فوراً تلوار (درخت سے) اتار کر سونت لی اور (سر مبارک پر کھڑے ہو کر) کہا: تم مجھ سے نہیں ڈرتے؟ آپ نے (نہایت اطمینان و اعتماد کے ساتھ) فرمایا: نہیں، تو اس نے کہا: اب تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے (بڑے یقین و اعتماد کے ساتھ) فرمایا: اللہ۔

امام نووی رح فرماتے ہیں: حافظ ابوبکر اسمٰعیلی کی کتاب صحیح اسمٰعیلی کی اسی روایت میں اتنا اور اضافہ ہے کہ: اس مشرک کے سوال کے جواب میں جونہی آپ نے اللہ فرمایا، تو ایک دم تلوار

اس کے ہاتھ سے گر گئی اور (نہایت اطمینان سے) رحمتِ عالم ﷺ نے اُٹھا لی اور فرمایا: اب بتا تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟ تو وہ (بے بس ہو کر) بولا: تم ہی بہترین تلوار اُٹھانے والے بن جاؤ (تو میں بچ سکتا ہوں ورنہ تو میرے سر کو تن سے جدا ہونے سے بچانے والا کوئی نہیں ہو سکتا) نبی رحمت ﷺ نے فرمایا: کیا تو (مسلمان ہونے اور) کلمہ شہادت اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ پڑھنے کے لئے تیار ہے؟ اُس نے کہا: ”نہیں“ (یہ تو نہیں کر سکتا) لیکن میں آپ سے عہد کرتا ہوں کہ نہ کبھی میں خود آپ سے جنگ کرونگا اور نہ کسی ایسی قوم کا ساتھ دوں گا جو آپ سے برسرِ پیکار ہو“ تو آپ نے (اسی عہد پر) اسکو رہا کر دیا چنانچہ وہ (جب زندہ سلامت) اپنے قبیلہ میں پہنچا تو اُس نے پُورا واقعہ بیان کیا اور (کہا، یاد رکھو) میں نوعِ انسانی کے مہربان ترین شخص کے پاس سے تمہارے پاس آیا ہوں (اگر اس رحمۃ للعالمین ﷺ کی شفقت میری دستگیری نہ کرتی تو کبھی کا میرا سر تن سے جدا ہو چکا ہوتا)

تشریح!

حضور ﷺ پر کما حقہ توکل وہ طاقت و قوت ہے جو دشمنوں کو مرعوب اور لرزہ براندام کر دیتی ہے

اس حدیث پاک میں محبوب رب العالمین، نبی رحمت ﷺ کی شان یقین و توکل علی اللہ اُمت کیلئے ایمان افروز اور سبق آموز ہے۔ شدید ترین جان کے خطرہ کے باوجود۔ کہ ظاہری حالات کے اعتبار سے برہنہ تلوار ہاتھ میں لئے خون کا پیاسا دشمن سر پر کھڑا ہے اور چشم زدن میں سر تن سے جدا ہونا بظاہر یقینی ہے مگر آپ ہیں کہ۔ ذرہ برابر خوف و ہراس اور گھبراہٹ آپ کے پاس تک نہیں پھٹکتی اور نہایت اطمینان و سکون اور دل جمعی کے ساتھ اُٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں اور اسکے سوالوں کا پُورے یقین و اعتماد کے ساتھ جواب دیتے ہیں، اسی یقین و توکل علی اللہ کے رعب اور صبر و استقلال کی ہیبت اور ایمان باللہ کے سکون و اطمینان کی طاقت سے مرعوب ہو کر وہ خون کا پیاسا دشمن خائف ہو کر لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ کپکپانے لگتا ہے۔ اور تلوار اسکے ہاتھ سے گر پڑتی ہے اور آپ نہایت اطمینان سے اپنی تلوار اُٹھا لیتے ہیں اور اپنے فرضِ منصبی کے تحت اس اقدامِ قتل کے مجرم کی سزا دینے کی بجائے اسکو ﷺ اور اس کی قدرت سے

آگاہ اور متوجہ کرنے کی غرض سے سوال فرماتے ہیں مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّي - اب تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائیگا؛ مگر اسکا زنگ کفر و شرک اتنا سخت تھا کہ ﷻ کہنے اور خدا کی پناہ لینے کے بجائے آپ کی عام نواز رحمت و شفقت کی پناہ لیتا ہے اور کہتا ہے كُنْ خَيْرَ آخِذٍ - آپ ہی بہترین تلوار اٹھانے والے بن جائیں - آپ نے اپنی پیغمبرانہ بصیرت سے محسوس فرمالیا کہ اگرچہ یہ ابھی اسلام قبول کرنے کے لیئے آمادہ نہیں ہے مگر مزید شفقت و رحمت اور عفو و درگذر کا برتاؤ کرنے سے نہ صرف یہ بلکہ اسکا پورا قبیلہ مسلمان ہوجائے گا اسلیئے اسکے جنگ میں ناطرفدار رہنے کے عہد پر ہی اسکی جان بخشی فرمادیتے ہیں تاکہ اپنے قبیلہ میں جاکر نبی رحمت ﷺ کی بے مثل شفقت و رحمت اور بے نظیر عفو و درگذر سے سب کو آگاہ کرے اور پورا قبیلہ آپ کا گرویدہ ہوکر مسلمان ہوجائے - چنانچہ ایسا ہی ہوتا ہے -

رحمتِ عالم ﷺ کے یقین و توکل علی اللہ کے رعب اور ہیبت سے دشمنوں کے مرعوب ہونے کا صرف یہی ایک واقعہ نہیں ہے بلکہ یہ رعب ایک مستقل طاقت و قوت تھی جو ﷻ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کو دشمنوں سے مقابلہ کے لیئے عطا فرمائی تھی چنانچہ ارشاد ہے:

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (آل عمران ع ۱۶) (تم اطمینان رکھو ہم یقیناً اُن کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈالدینگے)

چنانچہ خاتم انبیا ﷺ فرماتے ہیں، نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ - رعب اور ہیبت کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے - سرور کائنات ﷺ کے غزوات کی تاریخ شاہد ہے کہ بارہا آپ کا رعب ہی دشمنوں کی پسپائی اور آپ کی کامیابی اور فتح و ظفر کا سبب بنا ہے -

بہرصورت مذکورہ بالا واقعہ میں سرخیل متوکلین - توکل کرنے والوں کے سردار - نبی رحمت ﷺ کا صبر و توکل علی اللہ آیت کریمہ نمبر (۴) پر مبنی تھا - جو آپ آیاتِ قرآن عظیم کے تحت پڑھ چکے ہیں - اسی صبر و توکل علی اللہ کے آپ مامور تھے - اسی لیئے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث - واقعہ - کو احادیث یقین و توکل کے ذیل میں ذکر کیا ہے

اُمت کی بدنصیبی

امت محمدیہ اپنے سراپا شفقت و رحمت نبی ﷺ کے اس یقین و توکل اور طرزِ عمل سے اگر سبق نہ حاصل کرے تو اسکی بڑی زبردست بدنصیبی اور محرومی ہے اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْهُ - اللہ ہمیں اس سے بچائے -

معاشی فکر و پریشانی اور سرگردانی سے نجات حاصل کرنیکا واحد ذریعہ توکل علی اللہ ہے

حدیث نمبر (۶/۷۹)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

ہادیٔ برحق نبیٔ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم ﷻ پر ایسا توکل کرو جیسا

اس کا حق ہے تو وہ تم کو اسطرح (بغیر کسی فکر و سرگرانی کے) روزی دینے جیسے وہ پرندوں کو روزی دیتا ہے کہ وہ صبح سویرے بھوکے (جنگلوں میں) جاتے ہیں، شام کو شکم سیر۔ پیٹ بھرے۔ واپس آتے ہیں۔

تشریح!

اس حدیث کا مطلب۔

اس حدیثِ پاک میں رحمتِ عالم ﷺ اپنی اُمت کو تبلانا چاہتے ہیں کہ تمہاری تمام تر معاشی سرگردانی اور دنیاوی فکر و پریشانی جس میں تم شب و روز سرگرداں رہتے ہو اور مارے مارے پھرتے ہو، نہ دن کو چین نصیب ہے، نہ رات کو آرام، نو بنو فکروں اور تازہ بتازہ پریشانیوں نے خواب و خور تم پر حرام کر رکھا ہے، اس کا واحد سبب صرف ﷻ پر کامل توکل اور پورا بھروسہ نہ ہونا ہی یا اس کی اور کوتاہی ہے اور اگر تم اللہ اور اسکی رزق رسانی، حاجت روائی اور کارسازی پر بغیر ذرہ برابر تذبذب و تردد اور بدون کسی شک و شبہ کے کامل یقین و ایمان اور بھروسہ رکھو تو تم کو ان تمام لایعنی دنیاوی فکروں اور بے حاصل معاشی سرگردانیوں سے کلیۃً نجات حاصل ہو جائے اور تم پورے اطمینان و دلجمعی اور ذہنی آسودگی و یکسوئی کے ساتھ خدا اور اسکے رسول کے احکامات کے تحت دین اور دنیا کے تمام فرائض بخوبی انجام دینے کی سعادت حاصل کر سکو۔ تم ذرا دیکھو اور غور کرو! پرندے کس بے فکری، دل جمعی اور آسودگی و یکسوئی کے ساتھ رات بھر اپنے گھونسلوں میں بسیرا کرتے ہیں اور پھر صبح ہوتے ہی کس اطمینان کے ساتھ رزّاق مطلق کی رزق رسانی پر بھروسہ کر کے جنگل میں چلے جاتے ہیں اور دن بھر دانہ چنتے اور چگتے رہتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر اپنے گھونسلوں میں واپس آجاتے ہیں وہ کل کی فکر اور "آن ہونی" بات کی پریشانی و سرگردانی سے بالکل آزاد اور بے فکر رہتے ہیں مشیت خداوندی سے جو مصیبت یا آفت سامنے آتی ہے اس سے بچنے کے لئے جو وسائل پروردگار نے ان کو دیتے ہیں ان سے کام لیتے ہیں قسمت میں بچنا ہوتا ہے تو بچ جاتے ہیں ورنہ شکار ہو جاتے ہیں۔ بہر صورت اس قبل از مرگ واویلا اور "ہائے کل کیا ہوگا" اور "کہاں سے آئے گا" کی فکر و پریشانی سے وہ بالکل آزاد، فارغ البال اور مطمئن رہتے ہیں اسکے برعکس توکل علی اللہ کی نعمت و دولت سے محروم انسان کو شب و روز کی زندگی میں چین و آرام، سکون و اطمینان اور بے فکری و آسودگی تو کیا نصیب ہوتی اسکو تو ﷻ کی عبادت اور فرض نماز تک یکسوئی اور دل جمعی کے ساتھ پڑھنی نصیب نہیں ہوتی کسی فارسی گو شاعر نے اسی لاحاصل معاشی پریشانی اور پراگندہ خیالی کا نقشہ ذیل کے شعر میں خوب کھینچا ہے وہ کہتا ہے ؎ شب چو عقد نماز بربندم۔ چہ خورد بامداد فرزندم

یہ تمام تر مصیبت اور تباہی صرف ﷻ کی لامحدود قدرت پر اور اسکی روزی رسانی، حاجت روائی اور کارسازی پر کامل یقین و ایمان اور اعتماد و توکل نہ ہونے کا نتیجہ ہے۔ کاش اُمت اپنے پیارے اور مہربان نبی ﷺ کی ہدایات و تعلیمات پر صدق دل سے پورے طور پر عمل کر کے ان لایعنی دنیوی فکروں معاشی پریشانیوں اور سرگردانیوں سے

جن کی وجہ سے دین کے ساتھ دُنیا بھی برباد ہو رہی ہے نجات حاصل کر کے اور اطمینان و سکون، دلجمعی فارغ البالی کے ساتھ اللہ جل شانہ اور اسکے رسول ﷺ کے احکامات پر عمل کر کے دین اور دُنیا دونوں کی فلاح اور کامرانی سے سرفراز ہو۔

تنبیہ

آپ پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ توکل کے بیان میں پڑھ چکے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب ظاہری اسباب و وسائل، تلاش و جستجو اور تدبیر و جدوجہد کو ترک کر دینا ہرگز نہیں ہے آخر پرندے بھی تو صبح ہوتے ہی گھونسلوں سے نکل کر روزی کی تلاش میں جنگل جاتے ہیں، دانہ دنکا بھی چنتے اور چگتے ہیں اور اپنا پیٹ بھرتے ہیں اگر وہ دن نکلنے کے بعد بھی گھونسلوں میں ہی پڑے رہیں اور پر تک نہ ہلائیں تو یقیناً بھوکے مر جائیں اسی طرح حلال روزی کی تلاش و جستجو اور اسکے لیئے جدوجہد اور تدابیر و وسائل کو اختیار کرنا ہر انسان خصوصاً مسلمان کا تو فرض بلکہ بہت بڑی عبادت ہے اسلیئے کہ ہادیٔ برحق نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے:

كُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ الْحَرَامِ فَالنَّارُ اَوْلٰى بِهٖ جو گوشت حرام (غذا) سے اُگے (پیدا ہو) وہ جہنم ہی کے لائق ہے۔ اسلیئے توکل علی اللہ کے معنی ظاہری اسباب و تدابیر کو ترک کر دینا ہرگز نہیں ہیں، جیساکہ آپ تفصیل سے پڑھ چکے

توکل کی دُعا

حدیث نمبر (۷/۸۰)

حضرت برا ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

(ایک دن) نبی رحمت ﷺ نے (مجھے خطاب کر کے) فرمایا: اے عازب کے بیٹے، برا! جب تم اپنے بستر پر لیٹا کرو تو یہ دُعا پڑھا کرو!

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَاَلْجَاْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ

اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا اور اپنا چہرہ (رخ) تیری طرف موڑ دیا اور اپنا ہر کام (اور ہر معاملہ) تیرے حوالے کر دیا اور اپنی کمر کا سہارا (پشت پناہ) تجھ کو بنالیا تیری رحمت کی رغبت اور تیری ناراضگی کے خوف کی وجہ سے (اسلیئے کہ) تیرے قہر و غضب سے نجات اور پناہ کی جگہ تیرے رحم و کرم کے سوا اور کہیں نہیں۔ جو

اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَبِنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ

کتاب (قرآن) تونے اتاری ہے اس پر میں ایمان لاچکا ہوں اور جو نبی (محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام) تو نے بھیجا ہے اس پر بھی ایمان لاچکا ہوں (اس لئے تیری رحمت کا مستحق ہوں)

(اسکے بعد حضور ﷺ نے (اس دعا کو پڑھ کر سونے کا فائدہ بیان) فرمایا: اگر تم (اس دعا کو پڑھنے کے بعد) اسی رات میں مر گئے تو فطرتِ سلیمہ یعنی دین الٰہی پر مروگے اور (اگر صبح (زندہ سلامت) اٹھے تو خیر و خوبی کے ساتھ اٹھوگے۔

امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: صحیحین (بخاری اور مسلم) ہی کی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے (خطاب کر کے) فرمایا: (اے براء بن عازب) جب تم اپنے بستر پر (لیٹنے کے ارادہ سے) آؤ تو (پہلے) نماز کی طرح پورا وضو کرو پھر دائیں پہلو پر لیٹو اور یہ دعا پڑھو (اس کے بعد مذکورہ بالا دعا تعلیم فرمائی) اور ارشاد فرمایا: یہ تمہاری زبان سے نکلنے والے آخری کلمات ہونے چاہئیں (یعنی اس دعا کے بعد اور کوئی بات مت کرو اور سو جاؤ)

تشریح!

توکل کا آخری اور اعلیٰ و ارفع مرتبہ تفویض و تسلیم

اس حدیث شریف میں نبی رحمت ﷺ نے اپنی امت کو دعا کے پیرایہ میں توکل علی اللہ کے آخری اور اعلیٰ و ارفع مرتبہ تفویض و تسلیم کی تعلیم دی ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ۔ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ توکل علی اللہ کا ایک مرتبہ تو یہ ہے کہ بندہ اپنے خالق و مالک کے حکم کی بنا پر دینی اور دنیوی تمام کاموں اور معاملات میں ظاہری اسباب و وسائل اور تدابیر کو اختیار تو کرے مگر اس یقین و ایمان کے ساتھ کہ ان پر نتائج اور اثرات مرتب ہونا یا نہ ہونا صرف اور محض اللہ جل شانہ کی مشیت پر موقوف ہے حقیقی کارساز وہی ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی کارسازی، حاجت روائی پر یقین و ایمان اس قدر قوی پختہ اور غالب ہو کہ بندہ کی نظر میں ظاہری اسباب و تدابیر کی کوئی اہمیت و وقعت اور دل میں کوئی قدر و قیمت باقی نہ رہے اور اسباب و وسائل سے قطع نظر کلی طور پر اللہ جل شانہ کی کارسازی اور حاجت روائی پر عین الیقین یعنی مشاہدہ کے درجہ میں یقین کامل نصیب ہو جائے اور اسباب و وسائل

تدبیر و جدوجہد کار برآری کی تاثیر سے بالکل خالی اور عاری محسوس ہونے لگیں تیسرا اور آخری مرتبہ یہ ہے کہ بندہ نہ صرف اپنے تمام دینی اور دنیوی کاموں اور معاملات کو بلکہ خود اپنے کو بھی اپنے پیدا کرنے اور پرورش کرنے والے مالک کے سپرد کر دے اور کلی طور پر خود کو اور اپنی تمام ظاہری اور باطنی قوتوں کو، اعضا و جوارح کو اپنے پروردگار کے احکام کا فرمانبردار اور مطیع و منقاد بنا دے اسکے ہر قول و فعل، نقل و حرکت، اور نیت و ارادہ کا واحد مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری ہو اور بس، وہ کوئی کام اپنے لئے نہ کرے بلکہ جو کچھ کرے اللہ تعالیٰ کے لئے کرے، کھائے پیئے تو اللہ تعالیٰ کے لئے سوئے اور آرام کرے تو اللہ تعالیٰ کے لئے بیوی بچوں کے حقوق ادا کرے تو اللہ تعالیٰ کے لئے، دوستوں اور قرابتداروں کی امداد و اعانت کرے تو اللہ تعالیٰ کے لئے، اور دشمنوں، کافروں اور مشرکوں سے جنگ کرے تو اللہ تعالیٰ کے لئے، توکل کے اس مرتبہ پر پہنچنے کے بعد بندہ کی اپنی منفعت و مضرت، کامیابی و ناکامی کا سوال ہی ختم ہو جاتا ہے صرف اللہ تعالیٰ کی کارسازی و کارفرمائی باقی رہجاتی ہے توکل علی اللہ کے اس مرتبہ کا نام تفویض و تسلیم ہے۔ عارفین اس تفویض و تسلیم کے مرتبہ کے بعد بھی توکل کا ایک مرتبہ بتلاتے ہیں اور وہ یہ کہ بندہ اپنی تمام خواہشات و مرضیات سے بھی دستبردار ہو جائے اسکی خواہش ہو تو وہی ہو جو اسکے رب کا منشا ہو اسکی مرضی بعینہٖ وہی ہو جو اسکے مولیٰ کی مرضی ہو اور راضی برضاء مولیٰ رہ کر زندگی بسر کرے۔ ارباب باطن اس مرتبہ کو مقام رضا سے تعبیر کرتے ہیں، علماء ظاہر اس مرتبہ کو تفویض و تسلیم کے مرتبہ کے تحت ہی داخل کرتے ہیں۔

توکل کے اس مرتبہ کا ثبوت قرآن و حدیث سے

توکل کے ان تمام مراتب و مدارج کے بیان سے متعلق قرآن عظیم کی آیات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث بکثرت موجود ہیں ہم یہاں تفویض و تسلیم کے بیان سے متعلق اس حدیث پاک کی تشریح سے پہلے قرآن کریم کی صرف دو آیتیں قارئین کے سامنے پیش کرنا مناسب سمجھتے ہیں سورۃ المؤمن میں اللہ تعالیٰ رجل من آل فرعون کی زبان سے ارشاد فرماتے ہیں:

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَی اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ	اور میں تو اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں (اسلئے کہ) بیشک اللہ اپنے بندوں کو خوب اچھی طرح دیکھتا ہے۔

سورۃ النساء میں اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے فرماتے ہیں۔ ذرا زور کلام ملاحظہ فرمایئے ارشاد ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (النساء ع ۹)	پس یونہی نہیں قسم ہے تیرے رب کی، وہ مومن (ہرگز) نہونگے یہانتک کہ وہ اپنے تمام باہمی معاملات میں تجھ کو حکم (نہ) مان لیں اور پھر وہ اپنے دلوں میں تیرے کیے ہوئے فیصلہ سے کسی قسم کی تنگی (ناگواری) بھی محسوس نہ کریں اور دل و جان سے اپنے معاملات کو (کلی طور پر) سپرد کردیں۔

حدیث ۱۰ اور اس میں مذکور دعا کی تشریح اور دعا کا پیرایہ اختیار کرنے کی وجہ

اس سے قبل آپ اہم ترین دینی مقاصد اور مہمات امور کو دعا کے پیرایہ میں بیان کرنے اور تعلیم دینے کا فائدہ پڑھ چکے ہیں کہ دعا مانگنے کے وقت ﷺ علیہ وسلم وآلہ کی طرف بندوں کی توجہ اور عبدیت۔ عاجزی و انکساری ۔ کا اظہار اور اسکے جلال و جمال کا استحضار ۔ شعور واحساس ۔ سب سے زیادہ ہوتا ہے اور بندہ کے اس عاجزی و انکساری کے اظہار میں اور ہمہ تن اپنے رب کی طرف توجہ کے اندر ایسی زبردست مقناطیسی کشش رکھی ہوئی ہے کہ وہ فوراً رب العالمین کے گوناگوں رحم وکرم اور بے پایاں فضل و انعام کو بندہ کی جانب اسطرح کھینچ لیتی ہے جیسے مقناطیس لوہے کو کھینچ لیتا ہے ، اسلئے بندہ اس حالت میں جو بھی بڑی سے بڑی چیز مانگتا ہے وہ ارحم الراحمین رب العالمین اُسے دے دیتا ہے ۔ درحقیقت مالک الملک رب العالمین کے "دینے" میں تو کمی یا کوتاہی کا امکان ہی نہیں، کمی اور کوتاہی جو بھی ہوتی ہے بندہ کے مانگنے میں ہوتی ہے۔

بہرصورت دعا مانگنے کے وقت بندہ پوری یکسوئی کے ساتھ ہمہ تن اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے اسی لئے نبی رحمت ﷺ نے توکل کے ان اعلیٰ مراتب کے بیان کرنے کے لئے جن کا حصول محض توفیق الٰہی اور فضل خداوندی پر موقوف ہے۔ دعا کا پیرایہ اختیار فرمایا ہے۔ اس اہم ترین نکتہ کو سمجھنے کے بعد اس دعا کے اعلیٰ مطالب و مقاصد کو سمجھئے یہ دعا حسب ذیل سات فقروں پر مشتمل ہے، ہر فقرہ ایک مستقل دعا اور اہم ترین مقصد کا حامل ہے ۔ خوب اچھی طرح سمجھئے اور یاد کیجئے۔

اَللّٰھُمَّ اے میرے اللہ!

(۱) اَسْلَمْتُ نَفْسِیْ اِلَیْکَ ۔ اے اللہ! میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا۔ یہ تسلیم کے اعلیٰ مرتبہ کا بیان ہے یعنی میں نے اپنی جان کو، اپنی تمام کام کرنے کی قوتوں کو، اعضاء و جوارح کو خواہشوں اور ارادوں کو تیرے سپرد کر دیا ہے اب جو تو چاہے مجھ سے کام لے۔

(۲) وَوَجَّھْتُ وَجْھِیْ اِلَیْکَ ۔ میں نے اپنا منہ (رخ) تیری طرف کر دیا یعنی تمام کائنات سے منہ موڑ کر صرف تیری طرف متوجہ ہو گیا یعنے صرف تیرا ہو گیا ہوں یہ وہی توکل کے دوسرے اور اعلیٰ مرتبہ کا بیان ہے جس میں بندہ کی نظر میں ظاہری اسباب و وسائل اور اپنی تدبیروں اور کوششوں کی ذرہ برابر اہمیت اور وقعت نہیں رہتی اور تمام تر اعتماد اور کلی بھروسہ صرف کارساز حقیقی جل جلالہ کی کارسازی اور حاجت روائی پر ہوتا ہے اور بس۔

(۳) وَفَوَّضْتُ اَمْرِیْ اِلَیْکَ ۔ اور میں نے اپنا کام تیرے سپرد کر دیا یعنے میں نے اپنا ہر کام اور ہر معاملہ تیری مشیت کے حوالہ کر دیا اب جو تو چاہے اور تیرے علم و حکمت کے تحت میرے لئے جو مناسب اور مصلحت ہو، وہ کر۔ جو تیری مرضی، وہی میری مرضی ہے ۔ یہ تفویض و تسلیم کے اس اعلیٰ مرتبہ کا بیان ہے جسکو صوفیا مقام رضا سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۴) وَاَلْجَأْتُ ظَھْرِیْ اِلَیْکَ ۔ اور میں نے اپنی کمر کا سہارا۔ پشت پناہ ۔ تجھ کو بنا لیا یعنی تیرے

حکم کی بنا پر دینی اور دنیوی کاموں کو انجام دینے کے لئے جو بھی تدبیریں، کوششیں اور بھاگ دوڑ میں کرتا ہوں اسکی بھی طاقت و قوت کا سہارا اور قدرت و اختیار وارادہ کا دار و مدار صرف تیرے ہی فضل و کرم اور تیرے ہی توفیق دینے پر ہے ورنہ میں اور یہ ظاہری اسباب و تدابیر تو کچھ بھی نہیں کرسکتے اصلی فاعل مختار اور موثر حقیقی تو صرف تو ہے، یہی عبدیت کا اظہار اور اسی حقیقت کا بیان مشہور و معروف ذکر "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ" (نہیں ہے کسی بھی کام کی قدرت اور نہیں ہے کسی بھی کام کی طاقت مگر اللہ بزرگ و برتر (کی مدد) سے) میں کیا جاتا ہے۔ گویا اس فقرہ میں اس حقیقت کا اظہار مطلوب ہے، کہ اسباب و وسائل اور تدابیر کارو غیرہ جو بھی میں اختیار کرتا ہوں انکو میں فی نفسہٖ موثر اور نتیجہ خیز ہرگز نہیں جانتا، موثر اور نتیجہ خیز تو صرف تیری کارسازی اور حاجت روائی ہے اور اسی پر میرا اعتماد اور بھروسہ اور یقین و ایمان ہے۔

(۵) رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَيْكَ - تیری رحمت کی طرف رغبت کی وجہ سے اور تیرے ہی (قہر و غضب کے) خوف اور ڈر کی وجہ سے یعنی میں نے توکل اور تفویض و تسلیم کو صرف اسلئے اختیار کیا ہے کہ تو ہی مالک الملک اور قادر مطلق ہے تیرے سوا نہ کوئی کسی کو کچھ دے لے سکتا ہے اور نہ کچھ نفع و نقصان پہنچا سکتا ہے اسلئے تمام دینی اور دنیوی امور میں کامیابی و کامرانی اور حاجت روائی و کاربرآری کی امید اور توقع تیرے سوا اور کسی سے نہیں کی جاسکتی اور اگر میری ناشکری اور نافرمانی کی وجہ سے کہیں تو ناراض ہو جائے، تو تمام دنیا بھی ایڑی چوٹی کا زور لگا لے تب بھی ناکامی محرومی اور ضرر و نقصان سے نہیں بچا سکتی اسلئے میرا یہ یقین و ایمان ہے کہ جس کے رحم و کرم اور فضل و انعام کی طرف رغبت کی جاتی ہے وہ بھی تو ہی ہے اور جس کی خفگی اور ناراضگی سے ڈرا جاتا ہے اور خوف کیا جائے وہ بھی تو ہی ہے اسی لئے میں نے اپنے تمام کام اور معاملات تیرے ہی سپرد اور حوالے کر دیئے اور تجھی کو اپنا پشت پناہ بنالیا۔

(۶) لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ - تجھ سے (یعنی تیرے قہر و غضب سے) پناہ حاصل کرنے اور نجات پانے کی جگہ بھی تیرے رحم و کرم کے سوا اور کہیں نہیں۔ یعنی اگر میں اپنے تمام کام تیرے سپرد اور تمام معاملات تیرے حوالے نہ کروں اور تیرے سوا اوروں پر بھروسہ اور اعتماد کروں تو اس کفران نعمت اور ناشکری پر اگر تو مجھ سے ناراض ہو جائے کہ ہمارا بندہ اور پروردہ، اور غیروں پر بھروسہ کرتا ہے ۔ تو میرا یقین و ایمان ہے کہ تیرے قہر و غضب سے بچانے اور نجات دلانے والا بھی تیرے سوا کوئی نہیں، تیرے ہی عفو و کرم اور رحم و درگزر کے سایہ میں تیری ناراضگی اور خفگی سے پناہ مل سکتی ہے اسلئے کہ تو ارحم الراحمین ہے تو اپنے بندوں کی خطاؤں کو بڑا ہی معاف کرنے اور درگذر کرنیوالا ہے، اس لئے بھی تجھی پر بھروسہ اور اعتماد کرتا ہوں اور اپنے تمام کاموں اور معاملات کو تیرے ہی سپرد کرتا ہوں۔ گویا اس فقرہ میں تفویض و تسلیم اور توکل علی اللہ کو اختیار کرنے کی دوسری وجہ کی تعلیم مقصود ہے کہ خدا پر بھروسہ نہ کرنے کے جرم کو معاف کرنے والا بھی خدا کے سوا کوئی نہیں، اسلئے اس کے عفو و درگزر اور رحم و کرم کا دامن ہرگز نہ چھوڑو اور روزانہ یہ دعا مانگتے رہو تاکہ اگر نادانستہ طور پر یا غلطی سے اس توکل اور تفویض و تسلیم میں کوتاہی ہو جائے تو ساتھ کے ساتھ معاف ہوتی رہے۔

(۷) اٰمَنْتُ بِکِتَابِکَ الَّذِیْ اَنْزَلْتَ وَبِنَبِیِّکَ الَّذِیْ اَرْسَلْتَ - جو کتاب (قرآن) تو نے اتاری ہے اس پر میں (سچے دل سے) ایمان لاچکا ہوں اور جو نبی (محمد ﷺ) تو نے بھیجا ہے اس پر بھی (دل و جان سے) ایمان لاچکا ہوں (اسلئے تیرے رحم وکرم اور عفو و درگزر کا مستحق ہوں) یہ آخری فقرہ اللہ تعالیٰ کے عفو و درگذر اور فضل و کرم کے استحقاق کو ظاہر کرنے کے لئے تعلیم فرمایا ہے یعنی اے اللہ تو یہ توکل و تفویض اور تسلیم کی نعمتیں اور سعادتیں مجھے عطا فرما دے اور ان میں جو کوتاہی مجھ سے ہوگئی ہو اسکو معاف فرمادے اسلئے کہ میں تیرا مومن بندہ ہوں تجھ پر تیرے نبی پر تیری کتاب پر کامل یقین و ایمان رکھتا ہوں اور تیرے وعدے کے بموجب تیرا ہر مومن بندہ - اگر چہ کتنا ہی خطا کار گنہگار ہو - تیری مغفرت و رحمت کا مستحق ہے، اسی کے ساتھ ساتھ اس امر کی طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ ایمان کی دولت اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے جو انسان اس سے محروم ہو وہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی فضل و انعام کا مستحق نہیں۔

دیکھا آپ نے، سراپا شفقت و رحمت پیارے نبی فداہ ابی و امی ﷺ نے اپنی عزیز امت کو اللہ تعالیٰ سے توکل و تفویض جیسی عظیم نعمتیں طلب کرنے اور انکے ذریعہ دنیوی و اخروی فوز و فلاح حاصل کرنے کی ترغیب میں کتنا اہتمام فرمایا ہے اور کتنی عظیم الشان، اور توکل علی اللہ کے تمام مراتب و مدارج پر حاوی دعا تعلیم فرمائی ہے - اس اہتمام سے ہی اندازہ ہوتا ہے نبی رحمت ﷺ کی اس "رأفت و رحمت" کا اور امت کو دنیوی اور اخروی مشقتوں اور ہلاکتوں سے بچانے کی "حرص اور فکر" کا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے بطور امتنان ذیل کی آیتِ کریمہ میں فرمایا ہے ارشاد ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

(التوبۃ ع ۱۶)

بیشک تمہارے پاس تمہیں میں کا ایک رسول آیا ہے (جسے تم خوب جانتے پہچانتے ہو) ہر وہ چیز جو تم کو مشقت میں ڈالے وہ اس پر انتہائی شاق ہے وہ تمہاری فلاح و بہبود کا بیحد حریص ہے مومنوں پر تو بڑا ہی مہربان اور شفیق ہے۔

موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی وجہ

نبی رحمت ﷺ کی اس شفقت و رأفت اور امت کو دنیوی اور اخروی مشقتوں، تباہیوں اور ہلاکتوں سے بچانے کی حرص اور تڑپ کے باوجود جو آج امت مسلمہ - نبی رحمت ﷺ کی عزیز امت - دنیا میں گوناگوں مشقتوں، تباہیوں اور ہلاکتوں میں گرفتار ہے اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے مشفق اعظم نبی رحمت، حریص امت رسول ﷺ کی تعلیمات کو یکسر طاقِ نسیان پر رکھ دیا اور بھلا بیٹھے بلکہ پس پشت ڈال دیا اور ٹھکرا دیا اسکے نتیجہ میں توکل علی اللہ اور تفویض و تسلیم الی اللہ جیسی ناکامیوں تباہیوں اور بربادیوں سے بچانے والی نعمتوں سے کلی طور پر محروم ہو گئے اب وہ اللہ تعالیٰ، و عظمت قدرتہ پر اور اسکی کارسازی پر حاجت روائی پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کے بجائے انسانی تدبیروں اور کوششوں پر مادی ساز و سامان اور وسائل و ذرائع پر اور کافر و مشرک اور خدا اور اسکی قدرت کی منکر قوموں پر اعتماد اور بھروسہ کرنے لگے روئے زمین کی تمام مسلمان قوموں کا حال یہی ہے کہ ہر تباہی اور مصیبت کے وقت بلکہ ہر ضرورت اور

حاجت کے لئے کوئی یورپ کی بے دین نام کی عیسائی قوموں امریکہ، برطانیہ، فرانس وغیرہ کی طرف دوڑا جارہا ہے اور کاسۂ گدائی اُن خدا ناشناس قوموں کے سامنے لئے کھڑا ہے اور کوئی روس، چین وغیرہ خدا دشمن کمیونسٹ قوموں کی امداد واعانت پر بھروسہ کرکے اُنکے در پر جبہ سائی کر رہا ہے اور ان کی خوشامد وخوشنودی میں لگا ہوا ہے۔ حالانکہ شانہٗ کی وہ کتاب قرآن بھی اسکے پاس موجود ہے جو اُس نے انسانیت کی فلاح کے لئے اُتاری ہے اور اس نبی ﷺ کی تعلیمات اور احادیث بھی موجود ہیں جس کو اُس نے انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے، نہیں ہیں، تو اس کتاب اور نبی ﷺ کی تعلیمات پر کماحقہٗ یقین وایمان رکھنے والے مسلمان نہیں ہیں صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ، نَسُوا اللّٰہَ فَنَسِیَھُمْ انہوں نے شانہٗ کو بھلادیا تو جل جلالہٗ نے اُنکو بھلا دیا۔

مسلمانوں کے لئے خدا کے اس قہر وغضب سے نجات پانے کا واحد راستہ

مذکورہ بالا احدیث اور دعا کے فقرہ لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَیْكَ کے تحت مسلمانوں کے لئے خدا کی اس ناراضگی اور قہر وغضب سے نجات پانے اور بچنے کے لئے واحد پناہ گاہ، خدا کے عفو ودرگذر اور رحم وکرم کے سایۂ رحمت کے سوا اور اور کوئی نہیں ہوسکتی وہ بڑا ہی غفور ورحیم ہے اگر مسلمان عاجزی اور انکساری کے ساتھ توبہ واستغفار کریں اور سچے دل سے مذکورہ بالا دُعا پوری طرح اسکا مطلب سمجھ کر مانگیں تو وہ یقیناً معاف کردے اور توکل علی اللہ کی نعمت سے سرفراز فرماکر کامیابیوں اور کامرانیوں کا دروازہ کھول دے اور اپنی کارسازی وحاجت روائی کی قدرت کے کرشمے دکھلادے۔

قارئین سے اس دراز نویسی کی معذرت اور درخواست

ہم قارئین کرام سے مذکورہ بالا سطور کی تحریر کے لئے۔ جو دراصل موجودہ زمانے میں دُنیا کے مسلمانوں کی تباہی وبربادی پر دُکھے ہوئے دل کی آہ وزاری، فریاد وفغاں ہے۔ معذرت خواہ ہیں اُمید ہے بلکہ درخواست ہے، کہ وہ ہماری اس دراز نویسی کو معاف فرمائینگے اور مذکورہ بالا دُعا روزانہ سوتے وقت باوضو بستر پر لیٹ کر ضرور پڑھا کرینگے وباللہ التوفیق۔

مذکورہ بالا دُعا مانگنے کا وقت

انسان کے ذمے صبح سوکر اُٹھنے سے لے کر رات کو بستر سے کمر لگانے اور سونے تک اتنے بہت سے دینی اور دُنیوی فرائض اور کام ہیں کہ انسان طبعاً بھی اور شرعاً بھی خواہی نخواہی ان میں ہر وقت مصروف ومنہمک رہنے پر مجبور ہے یہاں تک کہ ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف رہنے کے باوجود ہر دن کے کام اُسی دن پورے نہیں کرپاتا کچھ نہ کچھ کام ضرور رہ جاتے ہیں لہٰذا اس مصروفیت اور انہماک کے عالم میں ہر کام کرتے وقت اس مادی وسائل واسباب سے گھری ہوئی زندگی میں توکل علی اللہ اور تفویض وتسلیم کے مراتب کا پیش نظر رہنا عموماً بہت دشوار اور مشکل ہے اسلئے شفیق اعظم، نبی رحمت رسول ﷺ نے اس دُعا کا وقت رات کو بستر پر لیٹنے کے بعد اور سونے سے پہلے تجویز فرمایا تاکہ صبح سوکر اُٹھنے سے لے کر رات کو سونے تک کے کیے ہوئے تمام کام اور معاملات اس دعا کے بعد توکل وتفویض کے تحت آجائیں اور اگر اس میں کوئی کوتاہی رہ گئی ہو تو اسکا ازالہ ہوجائے اور اس توکل علی اللہ کی بدولت کامیابیوں اور کامرانیوں کے دروازے کھل جائیں، کارسازی وحاجت روائی

کے راستے ہموار ہوجائیں، تدبیروں اور کوششوں کے موافق اور سازگار نتائج اور فوائد ومنافع میسر آئیں۔

روزانہ سوتے وقت اس دعا کو پڑھنے کا عظیم فائدہ

ہادی برحق رحمتِ عالم ﷺ نے اس دعا کو سوتے وقت باوضو پڑھنے کا بہت بڑا فائدہ یہ بتلایا کہ اگر بتقدیر ایزدی اسی رات میں موت آگئی تو اس محکم اور پختہ دین فطرت ۱۔ دین توحید۔ پر مرنے کی سعادت نصیب ہوگی جس پہ قائم رہنے کا حکم ﷻ نے ذیل کی آیتِ کریمہ میں دیا ہے۔ ارشاد ہے:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ (الروم ع ۴)	سو تو (غیر اللہ سے) منہ موڑ کر اس دین توحید پر اپنا منہ قائم کردے یہ اللہ کی وہ خلقت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی اس خلقت (بناوٹ) میں کوئی تبدیلی (ممکن) نہیں، یہی پختہ (اور محکم) دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (اور غیروں پر بھروسہ کرتے ہیں)

اور اگر زندہ سلامت سوکر اٹھے تو دن بھر ﷻ کے وعدے:

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ	اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرلیتا ہے تو اللہ اسکے لئے بہت کافی ہے

کے بموجب تمام امور ومعاملات میں یقینی طور پر کارسازِ حقیقی ﷻ کی کارسازی وحاجت روائی کی کفایت وکفالت نصیب ہوگی جو تمام تر کامیابیوں اور کامرانیوں کی قطعی ضمانت ہے اور منبع خیرات ربّ العالمین کی عطا کردہ سب سے بڑی خیر وخوبی اور نعمت ہے۔

حدیث نمبر (۸/۸۱)

سرورِ کائنات ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں
بے مثل ولاثانی توکل علی اللہ کا دوسرا واقعہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:
(قریش اور مشرکین مکہ کی سازشِ قتل کو ناکام بنانے کی غرض سے ﷻ کے حکم کے تحت محبوب ربّ العالمین ﷺ کے اپنے وطن عزیز مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کے موقع پر غار ثور کے اندر روپوش ہونے کے زمانہ میں ایک دن مجھے (غار کے اوپر سے کھوج لگانے والے) مشرکین کے پاؤں نظر آئے اور ہم اسی غار کے اندر چھپے ہوئے تھے اور عین ہمارے سروں پر وہ کھڑے تھے تو میں نے (گھبراکر) نبی رحمت حبیب ربّ العالمین ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:
یارسول اللہ! (خدانہ کرے) ان میں سے کسی نے بھی اپنے قدموں کی طرف ذرا

جھک کر دیکھا تو ہم انہیں صاف نظر آجائینگے (اور پھر ان کے چنگل سے بچنا ناممکن ہے) تو مجسمہ یقین و ایمان، پیکر صبر و توکل، حبیب رب العالمین ﷺ نے (انتہائی سکون و اطمینان کے ساتھ) فرمایا: اے ابوبکر! ان دو مظلوم بندوں کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا (محافظ و نگہبان) اللہ ﷻ ہے (کیا وہ انہیں خون کے پیاسے ظالم دشمنوں کے ہاتھوں تباہ ہونے دے گا)

تشریح!

متعلقہ واقعہ کا بیان اور حدیث کی تشریح

سرور کائنات، حبیب رب العالمین ﷺ کی مکہ مکرمہ سے ہجرت کا واقعہ، آپ کی سیرت مقدسہ کا انسانی تصور اور وہم و گمان سے بالاتر گوناگوں قدرت الٰہیہ کے کرشموں پر مشتمل ایک عجیب واقعہ ہے پورا کا پورا واقعہ یوں تو بے شمار عجیب و غریب تصرفات الٰہیہ پر مشتمل تاریخ انسانی کا بے مثل واقعہ بلکہ آپ کا عظیم معجزہ ہے جس کی ایمان افروز تفصیلات سیرت کی کتابوں میں پڑھ کر مومن مسلمان کو اپنا ایمان باللہ تازہ کرتے رہنا چاہیئے مگر رسول اللہ ﷺ کے یگانہ رفیق ہجرت "یار غار صدیق اکبر رضی اللہ عنہ" نے مذکورہ بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے کمال توکل علی اللہ اور یقین و ایمان باللہ سے امت کو متعارف کرانے کے لئے اس واقعہ کا صرف وہ حصہ جو انتہائی خطرناک حالت سے دوچار ہونے اور خطرہ میں گھر جانے کے وقت۔ جبکہ امت کے اللہ ﷻ کی کارسازی پر سب سے بڑے توکل اور بھروسہ کرنے والے صدیق اکبر بھی گھبرا جاتے ہیں۔ آپ کے انسانی تصور سے بالاتر اللہ ﷻ کی کارسازی پر مکمل اعتماد اور بھروسہ کا مظہر ہے، حتیٰ کہ اللہ ﷻ بھی اپنے محبوب کے اس اعتماد سے خوش ہو کر قرآن عظیم میں بعینہٖ آپ کے ایمان افروز جواب کو نقل فرماتے ہیں ارشاد ہے:

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا	(اے مسلمانو) اگر (بالفرض تم اس (ہمارے پیارے نبی) کی مدد نہ بھی کرو (تو کیا بگڑتا ہے) اسلئے کہ بیشک اسکی مدد تو اللہ ﷻ نے ایسے (آڑے) وقت کی ہے جبکہ کفار نے اسکو (اپنے وطن عزیز مکہ سے) نکلنے پر مجبور کر دیا تھا (اس حالت میں کہ وہ (ہمارا پیارا نبی صرف) دو میں کا دوسرا تھا (یعنی صرف دو نفر تھے) جبکہ وہ اپنے (گھبرائے ہوئے) رفیق سفر سے (اسکی تسلی اور اطمینان کیلئے) کہہ رہا تھا: تم غم نہ کرو، بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اللہ نے (اسکے اس اعتماد و توکل سے

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ

خوش ہو کر اپنا رخاص علیہ (سکون (و اطمینان) اُس پر اُتار دیا اور ایسی (فرشتوں کی) فوجوں سے اسکی تائید (و تقویت) فرمائی جو تم (انسانوں) کو نظر بھی نہیں آتیں اور کافروں کی بات بھی نیچی کر دی اور اللہ کی بات ہی اُونچی رہتی ہے اور اللہ تو بڑا زبردست (اور) حکمت والا ہے۔

اس واقعہ ہجرت کا مختصر سا بیان

نہ جانے قارئین کتاب کو "سیرت" کے اس ایمان افروز واقعہ کے پڑھنے کا موقع ملے یا نہ ملے، اسلیئے ہم اپنے دوسرے استاذِ حدیث حضرت العلامہ شبیر احمد عثمانی قدس اللہ سرہٗ کے تحریر کردہ فوائد قرآن عظیم میں سے مذکورہ بالا آیت کریمہ سے متعلق فائدہ اس موقع پر نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں سورۃ براۃ رکوع (۶) کی مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کے تحت لکھتے ہیں

مشرکین کا آخری مشورہ یہ قرار پایا تھا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک نوجوان منتخب ہو اور وہ سب مل کر بیک وقت آپ پر ضرب لگائیں (وار کریں) تاکہ "خون بہا" دینا پڑے تو سب قبیلوں پر تقسیم ہو جائے اور بنی ہاشم کی یہ ہمت نہ ہو کہ وہ (آپ کے قصاص کیلئے) سارے عرب (قبائل) سے لڑائی مول لیں جس شب میں اس ناپاک کارروائی (سازش) کو عملی جامہ پہنانے کی تجویز تھی حضور ﷺ نے اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو لٹایا تاکہ وہ لوگوں کی امانتیں، احتیاط سے آپ کے (تشریف لے جانے کے بعد اُن کے مالکوں کے حوالے کر دیں اور حضرت علیؓ کی تسلی فرمائی کہ تمہارا بال (تک) بیکا نہ ہو گا (تم مطمئن رہو) پھر خود بنفسِ نفیس ظالموں کے ہجوم میں سے (جنہوں نے مکان کا مکمل محاصرہ کیا ہوا تھا) شَاهَتِ الْوُجُوْهُ ۔ یہ چہرے مسخ ہوں اندھے ہوں ۔ فرماتے ہوئے اور اُنکی آنکھوں میں خاک جھونکتے ہوئے (سب کے سامنے سے) صاف (محاصرہ سے باہر) نکل آئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو (جو پہلے سے تیار بیٹھے تھے) ساتھ لیا اور مکہ سے چند میل ہٹ کر غارِ ثور میں قیام فرمایا۔ یہ غار پہاڑ کی بلندی پر ایک بھاری مُجَوَّف (اندر سے خالی) چٹان ہے جس میں داخل ہونے کا صرف ایک راستہ تھا وہ بھی ایسا تنگ کہ انسان کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر اس میں گھس نہیں سکتا صرف لیٹ کر داخل ہونا ممکن تھا۔ (چنانچہ) اوّل حضرت ابوبکر نے اندر جا کر اُسے صاف کیا سب سوراخ کپڑے سے بند کئے، کہ کوئی زہریلا کیڑا مکوڑا گزند نہ پہنچا سکے ایک سوراخ باقی (رہ گیا) تھا (سو) اس میں (بیٹھنے کے بعد) اپنا پاؤں اڑا دیا سب انتظام کر کے حضور ﷺ سے اندر تشریف لانے کو کہا آپ (اندر آ کر) صدیق اکبرؓ کے زانو پر سر مبارک رکھ کر استراحت فرما رہے تھے کہ سانپ نے ابوبکر صدیقؓ کا پاؤں (جو اسکے سوراخ میں اڑا ہوا تھا) ڈس لیا مگر ابوبکر صدیقؓ (اسکے باوجود) پاؤں کو مطلق حرکت نہ دیتے تھے (اور سانپ کاٹے جا رہا تھا) کہ مبادا حضور ﷺ کے استراحت میں خلل پڑے جب آپ کی آنکھ کھلی اور (سانپ کے ڈسنے کا) قصہ معلوم ہوا تو آپ نے

لعاب مبارک صدیق اکبرؓ کے پاؤں کو لگا دیا جس سے فوراً زہر اُتر گیا اور) شفا ہو گئی - ادھر کفار قائفؔ یعنی نشان قدم سے کھوج لگانے والے کو ہمراہ لے کر جو نشانہائے قدم کی شناخت میں ماہر تھا حضور ﷺ کی تلاش میں نکلے اس نے عین غار ثور تک نشان قدم کی شناخت کی مگر خدا کی قدرت کہ (اتنی دیر میں) غار کے دروازے (منہ) پر ایک مکڑی نے جالا تن لیا اور ایک جنگلی کبوتر نے وہاں انڈے دے دیئے - یہ دیکھ کر سب نے قائف کو جھٹلایا اور کہنے لگے کہ یہ مکڑی کا جالا تو محمد ﷺ کی ولادت سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے اگر اندر کوئی داخل ہوتا تو یہ جالا اور انڈے کیسے صحیح سالم رہ سکتے تھے (اس وقت) ابوبکر صدیقؓ کو اندر سے کفار کے پاؤں نظر آرہے تھے، انہیں فکر تھی کہ کہیں جان سے زیادہ محبوب نبی ﷺ جس کے لئے وہ سب کچھ فدا کر چکے ہیں دشمنوں کی نظر نہ پڑ جائے، گھبرا کر کہنے لگے کہ: یارسول اللہ! اگر ان لوگوں نے ذرا جھک کر اپنے قدموں کی طرف نظر ڈالی تو ہم کو دیکھ پائیں گے، حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ابوبکر! ان دو شخصوں کے متعلق تیرا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے یعنی جب اللہ (ہمارا نگہبان) ہمارے ساتھ ہے تو پھر کس کا ڈر ہے (مطلق غم نہ کرو) اُس وقت حق تعالیٰ نے ایک خاص قسم کی کیفیتِ سکون و اطمینان حضور ﷺ کے قلبِ مبارک پر اور آپ کی (رفاقت کی) برکت سے ابوبکر صدیقؓ کے قلب پر نازل فرمائی (اور وہ بھی مطمئن ہو گئے) اور فرشتوں کی فوج سے (آپ کی) حفاظت و تائید کی - یہ اُسی تائید غیبی کا کرشمہ تھا کہ مکڑی کا جالا جسے (قرآنِ عظیم نے) اَوْهَنَ الْبُيُوتِ (سب سے زیادہ کمزور گھر) بتلایا ہے بڑے بڑے مضبوط و مستحکم قلعوں سے بڑھ کر ذریعۂ تحفظ بن گیا - اس طرح خدا نے کفار کی بات نیچی کر دی اور ان کی تدبیریں خاک میں ملا دیں -

صورتِ حال کے اس نہایت مختصر بیان سے بھی آپ اندازہ اور یقین کر سکتے ہیں کہ خطرہ انتہائی شدید تھا، ظاہری اسباب کے اعتبار سے آپ کی گرفتاری اور قتل یقینی تھا، قائف نے دشمنوں کو عین آپ کے سر پر لیجا کر کھڑا کر دیا تھا تلاش کرنے والوں کا غار میں جھک کر دیکھنا یقینی تھا اور آپ اس وقت نہتے اور بالکل خالی ہاتھ تھے، دفاع اور مزاحمت بالکل نہیں کر سکتے تھے - بڑے سے بڑے زور آور، قوی دل و نڈر انسان کے بھی ایسے وقت میں اوسان خطا ہو جانے یقینی ہیں مگر آپ ہیں کہ سکون و اطمینان کے ایک پہاڑ کی طرح قطعی مطمئن اور بالکل بے پروا محض اللہ کے بھروسہ پر بیٹھے ہیں خوف، ہراس یا گھبراہٹ کا نام تک نہیں بلکہ اپنے رفیق سفر کو بھی پورے طور پر مطمئن فرما دیتے ہیں - یہ سکون و اطمینان اور اعتماد و بھروسہ صرف اللہ کے وعدے پر: وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ - اور اللہ تم کو لوگوں سے بچائیگا - غیر متزلزل یقین و ایمان کا نتیجہ تھا آپ کو آفتاب نصف النہار کی طرح اللہ جل شانہ کی حفاظت نگہبانی اور کارسازی پر یقین تھا اسی لئے باوجود ظاہری اسباب پر مبنی ہلاکت کے یقینی خطرہ میں گھرا ہونے کے باوجود آپ بالکل مطمئن اور بے فکر تھے

یہ ہے شانِ نبوت ﷺ کی لامحدود قدرت پر یقین و ایمان اور اسکی "کارسازی" پر بھروسہ اور توکل جس کی مثال نہیں مل سکتی۔
سُبْحَانَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَحَبِیْبِہٖ وَسَلَّمَ

توکل علی اللہ کے حصول کی دعائیں

حدیث نمبر (۹/۸۲)

اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:
نبی رحمت ﷺ جب نبوۃ کدہ۔ گھر سے باہر تشریف لیجاتے تو یہ دُعا پڑھا کرتے:

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ	اللہ کے (مبارک) نام کے ساتھ (میں گھر سے
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ اَنْ اَضِلَّ	باہر قدم رکھتا ہوں) میں نے (کارسازِ حقیقی) اللہ
اَوْ اُضَلَّ، اَوْ اَزِلَّ اَوْ اُزَلَّ	پر بھروسہ کیا ہے، اے اللہ میں تیری پناہ لیتا ہوں
اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ،	اس سے کہ میں خود گمراہ ہوں یا مجھے گمراہ کیا جائے
اَوْ اَجْھَلَ اَوْ یُجْھَلَ عَلَیَّ	یا میں خود کوئی لغزش کروں یا مجھ سے لغزش
	کرائی جائے یا میں خود ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے،
	یا میں خود (کسی کے ساتھ) جہالت (اور بدتمیزی) کروں
	یا میرے ساتھ جہالت (اور بدتمیزی) کی جائے۔

امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: یہ حدیث "صحیح" ہے (اگرچہ بخاری و مسلم میں نہیں آئی ہے) امام ابوداؤد اور امام ترمذی وغیرہ محدثین نے اسکو (اپنی اپنی کتابوں میں) ذکر کیا ہے، یہ مذکورہ بالا الفاظ ابوداؤد کی روایت کے ہیں۔

حدیث نمبر (۱۰/۸۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:
رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے بھی گھر سے نکلتے وقت یہ پڑھ لیا:

بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ   اللہ کے (مقدس) نام کے ساتھ (گھر سے باہر نکلتا
وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ   ہ۔۔ا) میں نے (کارساز مطلق) اللہ جل شانہ پر بھروسہ
کر لیا، اور نہ کسی بھی کام کی (قدرت (میسر آسکتی)
ہے نہ قوت مگر اللہ (کی مدد) سے۔

تو (اللہ جل شانہ) کی طرف سے اس سے کہہ دیا جاتا ہے: تجھے ہدایت دیدی گئی، اور کفایت (وکفالت) کر دی گئی اور تجھے (ہر شر سے) بچا دیا گیا اور شیطان اس سے دُور ہو جاتا ہے (اور اسکا پیچھا چھوڑ دیتا ہے)۔

امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اس حدیث کو بھی امام ابو داؤدؒ، امام ترمذیؒ امام نسائیؒ وغیرہ محدثینؒ نے (اپنی اپنی کتابوں میں) روایت کیا ہے، امام ترمذیؒ نے کہا ہے: یہ حدیث حسنٌ ہے، امام ابوداؤدؒ نے (اپنی کتاب میں اس حدیث کے الفاظ میں) یہ اضافہ کیا ہے: تو (اس دُعا مانگ لینے کے بعد) ایک شیطان دُوسرے شیطان سے کہتا ہے: تو کیا بگاڑ سکتا ہے اُس شخص کا جسکو (منجانب اللہ خیر کی) ہدایت کر دی گئی اور کفایت کر دی گئی اور (ہر شر سے) بچا دیا گیا۔

تشریح!

ان ہر دو دعاؤں کی اہمیت اور وقت کی تعیین کی وجہ۔

یہ تو ظاہر ہی ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ان ہر دو دعاؤں کی تعلیم سے دولتِ نعمت توکل کی اہمیت سے آگاہ کرنا اور اللہ جل شانہ سے خاص طور پر اسکے طلب کرنے کی ہدایت فرمانا ہے۔ اسلئے کہ آپ بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ تمام دینی اور دُنیوی امور و معاملات میں، جن کا انسان مکلف ہے۔ کامیابی یا ناکامی کا براہِ راست تعلق اللہ جل شانہ کی مشیت سے ہے دُنیاوی اسباب وسائل اور انسانی تدبیریں اور کوششیں تو محض "واسطہ" ہیں جن کو بندہ محض حکم خداوندی کو بجالانے کے لئے اختیار کرتا ہے۔ اسلئے ایک مسلمان کے لئے کلی طور پر اللہ جل شانہ کی کارسازی پر بھروسہ کرنے کے سوا چارہ نہیں یہی ایمان باللہ اور ایمان بالقدر۔ تقدیر پر ایمان کا تقاضہ ہے۔ لہٰذا ہر کام کرنے اور ہر معاملہ کو انجام دینے کے وقت اللہ جل شانہ پر نہ صرف مکمل طور پر بھروسہ کرنا بلکہ دُعا کی صورت میں

اس کا اظہار و اعتراف کرنا بھی ہر مسلمان کا فرض ہے - اسی لئے ہر کام کرنے کا ارادہ یا وعدہ کرنے کے وقت انشاء اللہ۔ کلمہ توکل و تفویض کہنے کا حکم قرآن کریم میں نہ صرف امت کو بلکہ حبیب رب العالمین کو خطاب کر کے دیا گیا ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں اور یہ بھی آپ پوری وضاحت کے ساتھ پڑھ چکے ہیں کہ اس معروف زندگی میں ہر کام کے وقت توکل علی اللہ کا تصور ذہن میں اور اسکا اظہار زبان سے عموماً دشوار اور مشکل ہے اسلئے جیسے نبی رحمت ﷺ نے حدیث نمبر (۷) میں دن بھر کے تمام کاموں سے فارغ ہو کر سونے کے ارادہ سے بستر پر لیٹنے کے وقت توکل اور تفویض و تسلیم کے مضامین پر مشتمل دعا کی تعلیم دی ہے اسی طرح حدیث نمبر (۹) اور (۱۰) میں گھر سے نکلنے اور عملی زندگی شروع کرنے کے وقت یہ کلمات توکل پڑھنے کی تعلیم دی ہے اسلئے کہ وہ بیشتر اہم دینی اور دنیوی امور جن میں انسان دنیوی اسباب و وسائل اور انسانی تدابیر سے کام لیتا ہے، گھر سے باہر ہی انجام دیتا ہے - خود اپنی روزانہ کی زندگی کا جائزہ لے کر دیکھ لیجیے - اور کچھ بعید نہیں کہ اس حدیث میں گھر سے نکلنے کے بعد سے مراد ہی سو کر اٹھنے کے بعد ہو، چنانچہ امام محمد بن محمد جزری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حصن حصین میں ان دونوں دعاؤں کو فجر کی نماز کے لئے گھر سے نکلنے کے وقت کی دعاؤں کے ذیل میں درج کیا ہے۔

ان حدیثوں میں دعاء توکل کے علاوہ باقی اجزا کے اضافہ کی وجہ

چونکہ یہ وقت گھر سے نکل کر زندگی کے کاروبار شروع کرنے کا وقت ہے اسلئے ان دونوں دعاؤں کو بسم اللہ سے شروع کیا ہے اسلئے کہ مشہور و معروف حدیثِ تسمیہ - بسم اللہ کی حدیث - میں آیا ہے:

كُلُّ أَمْرٍ ذِي بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ بِاسْمِ اللهِ فَهُوَ أَبْتَرُ

جو بھی اہم کام جل جلالہ کے نام سے نہ شروع کیا جائے وہ برکت سے محروم ہوتا ہے۔

اور اسی لئے حدیث نمبر (۱۰) میں کلمۂ تفویض و تسلیم یعنی لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا بھی اضافہ فرمایا ہے۔

اُن چار برائیوں سے پناہ مانگنے کی وجہ جو حدیث نمبر (۹) میں مذکور ہیں

باقی حدیث نمبر (۹) کی دعا میں سراپا رأفت و شفقت نبی ﷺ نے چار ہلاکت خیز چیزوں سے جل جلالہ کی پناہ طلب کرنے کا بھی ذکر فرمایا ہے (۱) گمراہی (۲) لغزش (۳) ظلم (۴) جہالت یعنی بدتمیزی کا برتاؤ اسلئے کہ عموماً انسان کو اپنی تدبیروں اور کوششوں میں ناکامی کا منہ انہی چیزوں کی وجہ سے دیکھنا پڑتا ہے پھر ان چاروں مضرت رساں برائیوں کا محرک کبھی خود انسان کا نفس امارہ یعنی مکار نفس ہوتا ہے اور کبھی شیطان یا شیطان فطرت شریر انسان ہے اسلئے ان میں سے ہر ایک برائی کے واقع ہونے کی دو دو صورتیں ہیں مثلاً انسان یا از خود گمراہ ہو یا دوسرے اسے گمراہ کریں علی ھذا القیاس اس لئے معجز بیان نبی رحمت ﷺ نے ہر ایک کی دونوں صورتوں کا ذکر فرما کر ان سے جل جلالہ کی پناہ طلب کرنے کی ہدایت فرمائی ہے سبحان اللہ کس قدر مہربان ہیں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

تنبیہ

گھر سے روانہ ہوتے وقت اگر زیادہ فرصت نہ ہو تو صرف اصل دُعا، توکل بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ ضرور پڑھ لینی چاہیئے بلکہ کوشش تو یہ ہونی چاہیئے کہ ہر اہم کام کرنے کے وقت اس دُعا کو ضرور پڑھا جائے، کچھ بھی تو مشکل کام نہیں ایک لمحہ میں انسان پڑھ سکتا ہے صرف خیال رکھنے کی بات ہے خدا آپ کو توفیق دے آپ ہر اہم کام کرنے کے وقت اس دُعا کے پڑھنے کا تہیہ کریں۔ یہی اس کتاب کے پڑھنے کا فائدہ ہے۔

دوسروں کے لئے باعثِ برکت متوکلین

حدیث نمبر (۱۱/۸۴)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں دو (حقیقی) بھائی تھے ان میں سے ایک تو (روزانہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں (تعلیم دین کیلئے) حاضر ہوا کرتا تھا اور دوسرا دن بھر روزی کماتا (اور گھر کا خرچ چلاتا تھا) تو ایک دن اس کمانے والے نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بھائی کی شکایت کی (کہ یہ نکھٹو مفت کی روٹیاں کھاتا ہے ایک پیسہ نہیں کماتا گھر کا سارا بوجھ میرے اوپر ڈال رکھا ہے) تو آپ نے ارشاد فرمایا: (ارے بیوقوف تجھے کیا خبر) کہیں اسی کی برکت سے تجھے روزی نہ ملتی ہو۔

تشریح!

اس حدیث کا مطلب، دو اہم نکتے اور توکل کے مضمون سے اسکی مناسبت

اس کسبِ معاش میں مصروف رہنے والے شخص نے ناواقفیت اور نادانی کی بنا پر اپنے بھائی کے متعلق یہ سمجھ رکھا تھا کہ یہ میرا بھائی دراصل نکھٹو اور کام چور ہے، محنت مزدوری سے بچنے کی غرض سے آپ کے پاس آبیٹھتا ہے اسی لئے آپ سے شکایت کی تو ہادیٔ اُمت نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی بدگمانی کو دُور فرمایا اور اسی کے ذیل میں اسکو اور اسکے واسطے سے تمام اُمت کو دو نہایت اہم باتوں پر متنبہ فرمایا ایک یہ کہ یہ تیرا بھائی اور اسی قسم کے دین کی خدمت کے لئے اپنی زندگی کو وقف کرنے والے لوگ نکمے اور کام چور نہیں ہیں بلکہ یہ تو اتنا بڑا کام انجام دے رہے ہیں کہ اگر تم سب کے سب اس کام کو چھوڑ دو اور کمائی کے پیچھے لگ جاؤ تو سب گنہگار ہو اور قیامت کے دن پکڑے جاؤ اور وہ کام ہے اوّل خود علم دین حاصل کرنا اور اسکے بعد خدا کے دین کو اسکی تمام مخلوق تک پہنچانا سکھانا اور اسکی نشر و اشاعت کرنا

چنانچہ آیتِ کریمۂ ذیل کے تحت علم دین حاصل کرنا اور پھر اسکی تبلیغ کرنا مسلمانوں پر فرض کفایہ" ہے ارشاد ہے:

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ

اور کیوں نہ نکلا علم دین حاصل کرنے کے لیے (مسلمانوں کے) ہر فرقہ میں سے اُن میں کا ایک گروہ تاکہ وہ دین کا علم حاصل کرتا اور واپس آکر انکو (خدا کے دین سے) خبردار کرتا تاکہ وہ سب کے سب (خدا کی نافرمانیوں سے) بچتے اور پرہیز کرتے۔

یعنی ہر ملک، ہر بستی ہر قوم، ہر قبیلہ اور ہر گھرانے کے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ حسب ضرورت اپنے میں سے ایک یا چند آدمیوں کو علم دین حاصل کرنے اور اسکی تبلیغ واشاعت کے لئے وقف کردیں اور اُن کے اخراجات کی خود کفالت کرکے اُنہیں فکر معاش سے آزاد کردیں تاکہ وہ یکسوئی اور فارغ البالی کے ساتھ اپنا تمام وقت اور قوت کار اول خود علم دین حاصل کرنے میں صرف کریں اور پھر خود عالم دین بنکر اپنے ملک کو بستی کو قوم کو قبیلہ کو اور عام مسلمانوں کو دین سے آگاہ کرنے اور سکھانے میں ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف رہیں۔ اور اگر مسلمانوں نے اس دین سیکھنے سکھانے کے سلسلہ کو دنیا کمانے کی حرص میں پڑکر بالکل چھوڑ دیا اور سب کے سب دُنیا کے دھندوں میں لگ گئے تو دین ان میں سے اُٹھ جائے گا اور سب کے سب بے دین اور قہرِ خداوندی میں گرفتار ہوکر دُنیا میں بھی گوناگوں مصیبتوں اور تباہیوں سے دوچار ہونگے اور آخرت میں تو جہنم ان کا ٹھکانہ ہے ہی ایسی صورت میں یہ تیرا بھائی اور اس قسم کے تمام لوگ نکھٹو، ناکارہ اور کام چور نہیں ہیں بلکہ تم سب کی طرف سے ایک دینی فرض ادا کر رہے ہیں ان کی معاشی کفالت تم سب پر فرض ہے۔

دوسری بات یہ کہ ہر انسان کو جو رازق مطلق روزی دیتا ہے وہ صرف اسی کی ضروریات پوری کرنے کے لئے نہیں دیتا بلکہ ان تمام خدا کے بندوں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بھی دیتا ہے جو یا روزی کمانے سے عاجز و لاچار ہیں یا اُنہوں نے اپنے آپ کو خدا کے حکم کے تحت جل شانہ کے دین کی حفاظت کے لئے وقف کیا ہوا ہے اور ہمہ وقت ہمہ تن اسی میں لگے ہوئے ہیں خواہ توپ تفنگ کے ذریعہ کافروں، مشرکوں اور خدانا شناس دشمن دین و ایمان قوموں سے جنگ کرنے میں مصروف ہوں جنکو غازی کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے یا زبان و قلم کے ذریعہ سے ملحدوں، زندیقوں اور نام نہاد منافق مسلمانوں کے دین اسلام اور اسکی تعلیمات پر حملوں۔ اعتراضات، شکوک و شبہات ۔ کا جواب دینے اور دین اور اسکے احکام و تعلیمات کی حقانیت ثابت کرنے میں ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف ہوں، اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم:

فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ — ہر موجود شخص کو چاہیئے کہ وہ غیر موجود کو (دین) پہنچائے۔

کے تحت دین کی تبلیغ میں ہمہ تن منہمک ہوں۔

یہ دین کی حفاظت کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دینے والوں کا گروہ — خواہ مجاہدین ہوں خواہ علماء دین و مبلغین ہوں جو اپنی معاش اور ضروریات زندگی کے بارے میں صرف رزاقِ حقیقی جل شانہ کی روزی رسانی اور حاجت روائی پر اعتماد

کرتا ہے، درحقیقت اُن متوکلین علی اللہ کا گروہ ہے جن کی برکت سے اُن کی معاشی کفالت کرنے والوں کو فراخ روزی ملتی ہے خصوصاً ایسے حالات میں کہ عالم اسباب میں اُن کی معاشی کفالت کا کوئی یقینی اور قابل اعتماد وسیلہ نہ ہو جیساکہ عہدِ نبوت میں اصحاب صفہ۔ دین اور علم دین کے لئے زندگی وقف کردینے والے صحابہ کا گروہ تھا اور اس شکایت کرنے والے کا بھائی اسی گروہ میں شامل یعنی نبوی مدرسہ کا ایک طالب علم تھا ایسی صورت میں ہر دو وجوہ کی بنا پر اسکی معاشی کفالت اس شکایت کرنے والے بھائی پر فرض اور لازم تھی لیکن نبی رحمت ﷺ نے اندازِ بیان نہایت نرم اور ناصحانہ اختیار کیا اور فرمایا لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهٖ۔ شاید اسی کی وجہ سے تجھے روزی ملتی ہو۔ تاکہ اس جفاکش محنتی روزی کمانے والے کی دل شکنی نہ ہو ورنہ تو دوسری احادیث میں آپ نے صاف اور صریح لفظوں میں فرمایا ہے:

تُرْزَقُوْنَ بِضُعَفَآئِكُمْ ـــ تم کو رزق دیا جاتا ہے تم میں کے کمزور لوگوں۔ کسب معاش سے مجبور و معذور لوگوں کی وجہ سے۔ اسی لحاظ سے یہ حدیث توکل کے ذیل میں آتی ہے اور اسی لئے امام نووی علیہ الرحمۃ نے اسکو توکل کے باب میں درج کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

باب ۸

اِستقامت کا بیان

تشریح!

استقامت کے لغوی اور شرعی معنی

استقامت کا لفظ قیام سے ماخوذ ہے از روئے لغت اسکے معنی ہیں کسی قول فعل، رائے، فیصلہ یا نظریہ پر انتہائی پختگی اور سختی کے ساتھ قائم رہنا کسی بھی صورت، حالت یا زمانہ میں اس سے نہ ہٹنا، اسی کو ثابت قدمی اور پائیداری بھی کہہ دیتے ہیں۔

قرآن و حدیث اور شریعت کی اصطلاح میں استقامت کے معنی ہیں خاتم انبیاء ﷺ کے لائے ہوئے سبحانہ کے دین پر جس کا نام اسلام ہے۔ قولاً، فعلاً، عقیدتاً انتہائی پختگی اور ثابت قدمی کے ساتھ قائم رہنا یعنی سچے دل سے اسکی تعلیمات — عقائد و عبادات اور احکام — کے برحق ہونے کا ایسا پختہ اور پکا عقیدہ رکھنا کہ ذرہ برابر شک و شبہ یا تذبذب و تردد اس میں راہ نہ پاسکے۔ اور سب کے سامنے بھی اور تنہائی میں بھی زبان سے اسکے برحق ہونے کا اقرار و اظہار کرنا اور مقدور بھر اس کی عملی تعلیمات — عبادات و احکام — پر محض سبحانہ کی خوشنودی کے لئے عمل کرنا اور مرتے دم تک اس پر قائم رہنا۔

یہ دین ہی قرآن و حدیث کی اصطلاح میں صراطِ مستقیم — سیدھا راستہ — ہے اس لئے شریعت کی اصطلاح میں استقامت کے معنی "صراطِ مستقیم پر پختگی اور ثابت قدمی کے ساتھ مرتے دم تک قائم رہنے" کے بھی آتے ہیں۔

اس دین کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ دین ہر پہلو اور ہر حیثیت سے انتہائی اعتدال پر مبنی ہے اور افراط — حد سے بڑھنے — اور تفریط — حد سے گھٹنے — سے بالکل محفوظ ہے یعنی دوسرے مذاہب کی بنسبت اس دین کی تمام تعلیمات عبادات و احکام و معاملات

سب میں ہر پہلو سے اعلیٰ درجہ کا اعتدال موجود ہے اسی لئے صراط مستقیم کے معنی درمیانی راہ کے بھی آتے ہیں اور استقامت کے معنی اعتدال پر پختگی اور پائیداری کے ساتھ قائم رہنے کے بھی آتے ہیں۔

اس لحاظ سے شریعت کی اصطلاح میں استقامت کے معنی تین ہونگے۔

خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پسندیدہ کے دین — اسلام — پر قولاً فعلاً اور عقیدتاً مرتے دم تک سختی کے ساتھ قائم رہنا۔

صراطِ مستقیم — سیدھے راستہ — پر پختگی اور ثابت قدمی کے ساتھ قائم رہنا۔

پختگی اور ثابت قدمی کے ساتھ ہمیشہ اعتدال پر قائم رہنا، کسی بھی دینی معاملہ میں نہ حد سے بڑھنا نہ حد سے گھٹنا

ظاہر ہے کہ استقامت کے اصل شرعی معنے تو پہلے — نمبر (۱) — ہی ہیں باقی دونوں — نمبر (۲) و (۳) —

لہ مثلاً اسلام کی عبادات و احکام نہ اتنے مشکل، دشوار اور ناقابل عمل ہیں کہ انسان ان پر پابندی کے ساتھ عمل ہی نہ کر سکیں ہر ملک، ہر زمانہ اور ہر حالت میں ان پر کاربند اور ثابت قدم نہ رہ سکیں۔

جیسے یہودی مذہب ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی اولاد اسرائیل اس پر قائم نہ رہ سکی اور ان کی وفات کے بعد تو وہ علماء یہود کی قطع برید اور کتر بیونت کی وجہ سے ایسا محرف اور مسخ ہو گیا کہ اصل دین تورات اور اصل آسمانی کتاب تورات کا میسر آنا بھی ناممکن ہو گیا، یہاں تک کہ ان سختیوں، دشواریوں کو دور کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھیجے گئے۔

اور نہ اسلام کی تعلیمات — عبادات و احکام — اتنی نرم، بے اثر، محدود اور زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کے لئے ناکافی ہیں کہ نفس انسانی کی فکری، اخلاقی اور عملی اصلاح اور تطہیر و تزکیہ بھی نہ کر سکیں اور ہر ملک، ہر قوم اور ہر زمانہ میں انسان کی رہنمائی کر قاصر ہو۔

جیسے عیسائی مذہب ہے کہ وہ انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر زمانہ اور ہر حالت میں انسانوں کی رہنمائی سے قاصر ہے اسی لئے وہ صرف گرجاؤں کی چہار دیواری اور ہفتہ وار انجیل خوانی اور اعترافِ گناہ کی چند رسوم کے اندر محدود و محصور ہو کر رہ گیا۔

اسکے برعکس اسلام ایک نہایت معتدل اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی اور ہر زمانہ اور ہر ملک و قوم کے لئے نہ صرف قابل عمل بلکہ تمام مادی اور روحانی کامیابیوں، کامرانیوں اور ترقیات کی ضمانت دینے والا عالمگیر زندہ مذہب ہے اس کی آسمانی کتاب (قرآن) ہو بہو امت کے سینوں میں موجود و محفوظ ہے اسکے رسول خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل زندگی بھی حدیثوں کے سفینوں (کتابوں) میں موجود و محفوظ ہے نہ صرف یہ بلکہ امت مسلمہ کے متواتر و مسلسل عمل بالکتاب والسنت کی صورت میں دشمنانِ دین کی دستبرد سے بالاتر ہے۔ دین بھی زندہ ہے کتاب بھی زندہ ہے، رسول بھی زندہ ہے، رسول کا معجزہ (قرآن) بھی زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہیں گے اسلام کی یہ لازوال زندگی اسکے "اعتدال" کا نتیجہ ہے اسی لئے اس کا دوسرا نام دین فطرت ہے اسلئے کہ یہ دین انسانی فطرتِ سلیمہ کے عین مطابق ہے۔ خالق کائنات ہر انسان کو اسی دین فطرت پر پیدا کرتا ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ آپ گزشتہ باب کے صفحہ (۲۲۲) پر آیت کریمہ فِطْرَتَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ اور اسکا ترجمہ پڑھ چکے ہیں۔ انجان یا جان بوجھ کر انجان بننے والے لوگ اس آیت کریمہ پر شبہ یا اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اگر یہی دین — اسلام — انسانی فطرت ہے، تو انسان اس سے منحرف اور کافر و منکر کیوں ہو جاتے ہیں؛ قرآن کے اصلی اور حقیقی مفسر جن پر قرآن نازل ہوا اور جنہوں نے ان کو قرآن کے معنی اور حقائق بتلائے ہیں یعنی خاتم انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ذیل کی حدیث میں اس اعتراض کا جواب دیتے اور شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں

اسی سے ماخوذ ہیں، تینوں معنی قارئین کے سامنے صرف اسلئے بیان کر دیئے کہ قرآن کریم کی آیات اور احادیث کا مطلب، اور اُن سے استقامت کی حقیقت سمجھنے میں آسانی ہو

استقامت کے فوائد و منافع اور اسکی اہمیت

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ استقامت پر ۔ سادہ لفظوں میں کہئے ثابت قدمی پر ۔ تو، خواہ دنیوی امور میں ہو خواہ دینی اور اخروی امور میں، نہ صرف تمام تر کامیابیوں اور کامرانیوں کا مدار ہے بلکہ تمام انسانی خوبیاں اور کمالات اُسی وقت خوبی اور کمال بنتے ہیں جبکہ انسان ان پر پختگی و استقامت اور ثابت قدمی و مستقل مزاجی سے مرتے دم تک یکساں قائم رہے ۔ اس لحاظ سے استقامت اور ثابت قدمی و مستقل مزاجی انسانی کردار کا جوہر اصلی ہے جو شخص اس جوہر سے محروم ہے وہ تن و توش کے اعتبار سے تو انسان ہے مگر اصل انسانیت سے محروم ہے اس اجمال کی تفصیل اور اس دعوے کا ثبوت حسب ذیل ہے ۔

دُنیوی امور میں استقامت کی اہمیت

اول انسان کے معاشی امور اور کاروباری زندگی ہی کو لیجئے ۔ شب و روز کے تجربات و مشاہدات شاہد ہیں کہ جو شخص کسبِ معاش اور روزی کمانے کے لئے آج ایک ذریعہ معاش اختیار کرتا ہے اور کل اُسے چھوڑ کر دوسرا ذریعہ معاش اختیار کرتا ہے اور پرسوں تیسرا اسی طرح آئے دن نئے نئے ذرائع معاش اختیار کرتا اور چھوڑتا رہتا ہے کسی ایک بھی ذریعہ معاش سے، ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ کچھ عرصے بھی روزی کمانے پر قائم نہیں رہتا ایسا شخص کسی بھی ذریعہ معاش سے فراخ روزی کمانے میں خاطر خواہ مالی منفعت حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا اور نہ اسکو کبھی معاشی سکون و اطمینان نصیب

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ — ہر بچہ دین فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے پھر اسکے ماں باپ (یعنی ماحول اور معاشرہ) اسکو یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں یا مجوسی بنا دیتے ہیں

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کا مطلب یہ ہے کہ ﷻ تو ہر انسان کو اسی دین فطرت پر پیدا کرتا ہے اسکو بگاڑنے اور منحرف بنانے والے اسکے ماں باپ یعنی ماحول اور معاشرہ ہے اگر یہ دراندازی نہ کریں اور وہ اپنی فطرت سلیمہ پر نشو و نما پاتے اور سن شعور کو پہنچے تو کبھی اپنے پیدا اور پرورش کرنے والے رب کا منکر اور اس کے دین سے منحرف اور باغی نہ ہو ۔ اسکی ایک بدیہی مثال یہ ہے کہ خالق کائنات نے مرد اور عورت میں ایک دُوسرے سے نظر آنے والا فرق اور نمایاں امتیاز یہ رکھا ہے کہ مرد کے چہرہ پر بال (داڑھی) رکھی ہے اور عورت کا چہرہ صاف اور سادہ رکھا ہے تاکہ دُور سے نظر آجائے کہ یہ مرد ہے اور یہ عورت مگر دشمنانِ فطرتِ الٰہی مغربی معاشرہ اور ماحول سے متاثر ہو کر خدا دشمن قوموں کی نقالی میں داڑھی منڈا دیتے ہیں اور بہر مصنوعی تدبیر کے ذریعہ اپنے رخسار عورتوں کی طرح صاف، سادہ، نرم اور ملائم بنا لیتے ہیں ۔ اسی طرح ہر معاملہ میں اسلام کی مخالفت در اصل فطرت کی مخالفت ہے جو شیطان صفت انسان محض اپنی نفسانی خواہشات اور اغراض کی بنا پر فطرت سے بغاوت کرتے ہیں خواہ وہ کافر و مشرک غیر مسلم ہوں خواہ فاسق و فاجر مسلمان یہ اسلام اور اسکی تعلیمات کے اعتدال کے صرف ایک پہلو کا بیان ہے اسی پر اسلام کی ہر عبادت اور حکم کو قیاس کیجیے ۔ کتاب کے حد سے بڑھ جانے کا خطرہ ہے ورنہ جی چاہتا ہے کہ اسلام کی جملہ عبادات و احکام کا اسی طرح جائزہ لیا جائے اور موازنہ کیا جائے تاکہ اسلام کی حقانیت کا یقین علم الیقین سے بڑھ کر عین الیقین کے درجہ میں آجائے حق الیقین تو میدان حشر میں ہی ہوگا ۔

ہو سکتا ہے ساری عمر مفت بیچے یا پڑ بیلنے میں گذر جاتی ہے اور ناشاد و نامراد دنیا سے جاتا ہے اسکی وجہ صرف یہ ہے کہ کسی بھی ذریعہ معاش سے خاطر خواہ روزی حاصل کرنے کے لئے اس کام میں زیادہ سے زیادہ مہارت اور تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ تجربہ اور مہارت کافی عرصہ تک مستقل مزاجی کے ساتھ جم کر اس کام کو لگاتار کرتے رہنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے اور اسکے بعد ہی اس ذریعہ معاش کیسے ہنر یا پیشہ سے خاطر خواہ مالی منفعت اور خوشحالی نصیب ہوتی ہے اس پر جم کر اور لگاتار کام کرتے رہنے کا نام ہی استقامت ہے مثال کے طور پر ایک شخص روزی کمانے کے لئے کچھ دن بخاری کو اپنا ذریعہ معاش بناتا ہے، پوری طرح بڑھئی کے کام میں تجربہ اور مہارت نہونے کی وجہ سے خاطر خواہ مالی منفعت اور معاشی سکون حاصل نہیں کر پاتا گھبرا کر اُسے چھوڑ دیتا ہے اور آہنگری کا کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ کچھ ہی دن لوہاری کا کام کرتا ہے، خاطر خواہ آمدنی نہ ہونے کے باعث اس کام سے بھی دل برداشتہ ہو کر اُسے بھی چھوڑ بیٹھتا ہے اور خیاطی کو اپنا ذریعہ معاش بنا لیتا ہے اور درزی کا کام کرنے لگتا ہے ابھی پُورے طور پر درزی کے کام میں مہارت نہیں ہو پاتی کہ ضروریاتِ زندگی حسبِ منشا پورے نہ ہونے کی وجہ سے اُسے چھوڑ کر ظروف سازی کو ذریعہ معاش بنا لیتا ہے اور کمہاری کے کام میں لگ جاتا ہے غرض ساری کسبِ معاش کی توانائی اور عمر یہی آئے دن نئے نئے ذریعہ معاش اختیار کرنے اور چھوڑنے میں برباد کر دیتا ہے اور ساری عمر معاشی اعتبار سے خوشحال، پُر سکون اور باعزت زندگی سے محروم رہتا ہے اسکے برعکس اگر یہ شخص ابتدا میں ہی ان تمام پیشوں کو سامنے رکھ کر اور اپنے ذوق، رجحان اور صلاحیت و اہلیت کا جائزہ لے کر ان میں سے جس کام کو اپنے لئے زیادہ مناسب اور موزوں پاتا اسکو انتخاب کر لیتا اور پوری تندہی مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کے ساتھ اس میں تجربہ، مہارت اور ترقی کی دھن میں لگا رہتا تو تھوڑے دنوں کی سختیاں برداشت کرنے کے بعد خاطر خواہ مالی منفعت، خوشحالی اور باعزت معاشی زندگی حاصل کر لینے کے علاوہ اس کام اور ہنر کا ماہر اور آزمودہ کار بن کر قدر و منزلت بھی حاصل کرتا اور دولت و ثروت بھی۔

اسی پر تمام معاشی اور کاروباری امور کو قیاس کر لیجئے کسی بھی چیز کی اور کسی بھی قسم کی تجارت ہو یا زراعت یا ملازمت سب میں کامیابی کا راز جم کر اور لگاتار اسی ایک کام کو ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ کرتے رہنے میں مضمر ہے اسی کا نام استقامت ہے۔

بالکل یہی کیفیت علوم و فنون کی ہے کوئی بھی علم و فن ہو جب تک اسکے حاصل کرنے میں پوری تندہی مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کے ساتھ طالب علم و فن لگا نہیں رہے گا اور عمر کا قدر ضروری حصہ اور محنت اس پر صرف نہیں کرے گا اسوقت تک نہ اس علم و فن کا مالک و ماہر بن سکتا ہے نہ ہی اس سے مالی منافع اور دنیوی فوائد حاصل کر سکتا ہے اس مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کے ساتھ تحصیل علم و فن میں لگے رہنے کا نام ہی استقامت ہے۔

یہی صورت حال اخلاقی فضائل و کمالات میں ہے، انسان کسی بھی اخلاقی فضیلت اور کمال کا مالک اس وقت تک نہیں بن سکتا جب تک کہ ساری زندگی ہر حالت، ہر موقعہ اور ہر زمانہ میں اُس پر مستقل مزاجی اور پائیداری کے ساتھ

ہمیشہ قائم نہ رہے۔ مثال کے طور پر آپ سخاوت ہی کو لے لیجئے اگر کوئی شخص کسی خاص زمانہ میں خاص موقعہ پر اور مخصوص حالات میں تو اعلیٰ درجہ کی داد ودہش کا مظاہرہ کرتا ہے، ڈھونڈ ڈھونڈ کر مزدرتمندوں اور غریبوں محتاجوں کی خوب مالی امداد کرتا ہے لیکن جونہی وہ مخصوص صورتِ حال بدل جاتی ہے تو اسکی وہ تمام داد ودہش یکسر ختم ہوجاتی ہے تھیلی کا منہ بند ہوجاتا ہے بینک بیلنس لاک (مقفل) ہوجاتا ہے ایسا شخص ہرگز سخی نہیں کہلا سکتا نہ ہی وہ کسی احترام وستائش کا مستحق سمجھا جاتا ہے بلکہ ایسا شخص مکار اور غرض پرست کہلاتا ہے۔ جیسا کہ آپ اپنے ملک میں "الکشن" کے زمانے میں مشاہدہ کیا کرتے ہیں ــــ اسکے برعکس جس شخص کی حسب استطاعت اور بے لوث وبے غرض داد ودہش کا سلسلہ ہر زمانہ میں، ہر موقعہ پر، ہر حالت میں، یکساں طور پر جاری اور مرتے دم تک قائم رہتا ہے وہ درحقیقت سخی ہے اسکی داد ودہش اس کی فطرتاً سخاوت کا تقاضہ ہوتی ہے اور دنیا اسکی زندگی میں بھی اسکو عزت واحترام کی نظر سے دیکھتی ہے اور مرنے کے بعد بھی اسکو اور اسکی سخاوت کو یاد کرتی ہے اور ہمیشہ کلمۂ خیر اسکے حق میں کہتی ہے۔ یہی شجاعت، مروت، عفت وغیرہ تمام اخلاقی فضائل کو قیاس کیجئے۔ یہ کامیابی وکامرانی اور عزت واحترام صرف اسکی بے لوث وبے غرض اور مسلسل داد ودہش کا نتیجہ ہے اسی ثابت قدمی کا دوسرا نام استقامت ہے۔

ان مشاہدات اور آزمودہ حقائق پر غور وفکر کرنے کے بعد یقیناً آپ ہمارے اس دعوے پر متفق ہونگے کہ تمام دنیوی امور ومعاملات میں کامیابی وکامرانی کا انحصار اور تمام تر خوبیوں اور کمالات کا مدار، ثابت قدمی، مستقل مزاجی، پائیداری اور استقامت پر ہے اور انسانی کردار کا جوہر اصلی استقامت ہے۔

دینی اور اخروی امور ومعاملات میں استقامت کی منفعت واہمیت اور اس سے محرومی کی دُور رس مضرت

دُنیا، دُنیا کی زندگی، اسکے تمام امور ومعاملات سب چند روزہ اور فانی ہیں جب اُن میں کامیابی وکامرانی اور فوز وفلاح، استقامت ـ پختگی اور ثابت قدمی ـــ کے بغیر میسر نہیں آسکتی تو دین اور دینی امور ومعاملات یعنی عقائد حقہ، عبادات صالحہ، احکام شرعیہ اور خدا پرستی سے متعلق جملہ امور تو دونوں جہان میں باقی رہنے والے اور نفع پہنچانے والے امور ہیں، ان میں کامیابی وکامرانی میسر آنا، عند اللہ انکا قابلِ قبول ہونا، اور پھر وعدۂ خداوندی کے بموجب اُن پر دُنیوی واُخروی ثمرات وبرکات اور اجر وثواب کا مرتب ہونا تو بدرجہ اولیٰ استقامت پر موقوف ومنحصر ہونا چاہیئے۔

چونکہ وہ استقامت جس کو امام نووی علیہ الرحمۃ اس باب کے ذیل میں بیان کرنا اور آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ ـ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ـ سے اسکو ثابت کرنا چاہتے ہیں، یہی "دینی امور میں استقامت" ہے اسلئے دینی امور اور اخروی معاملات کی مزید تشریح اور کسی قدر تفصیل بیان کرنی مناسب معلوم ہوتی ہے تاکہ صحیح معنی میں پوری بصیرت کے ساتھ، دینی امور ومعاملات میں استقامت کی عظیم منفعت واہمیت قارئین کے ذہن نشین ہوجائے اور آیات واحادیث کا مطلب کما حقہ سمجھ سکیں۔

دینی امور

دین تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے (۱) ایک عقائد (۲) دوسرے عبادات (۳) احکام و معاملات۔ ان تینوں امور میں استقامت کی منفعت و اہمیت اور اس سے محرومی کی دور رس اور تباہ کن مضرتوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنا زیادہ مناسب ہے۔

عقائد میں استقامت کے معنی اور اسکی اہمیت

عقائد میں استقامت اور پختگی و ثابت قدمی کے معنی یہ ہیں کہ اسلام اور اسلامی عقائد یعنی قرآن عظیم اور احادیث نبویہ — علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام — میں بیان شدہ تمام عقیدوں کے برحق ہونے پر ہوش سنبھالنے اور بالغ ہونے کی عمر سے لے کر مرتے دم تک ایسے پکے، پختہ اور بدیہی یقین و ایمان پر قائم اور جمے رہنا جیسے مطلع صاف ہونے کے وقت دوپہر کو آفتاب کا یقین ہوتا ہے اگرچہ دشمنان اسلام مخالفین و معاندین لاکھ شکوک و شبہات اُس یقین و ایمان کے خلاف پیدا کریں اور ہزارہا دلیلیں اسکے خلاف پیش کریں اور ہم مخالفوں کی دلیلوں اور شکوک و شبہات کا جواب بھی دے سکیں تب بھی ذرہ برابر تزلزل اور تردد و تذبذب ہمارے اس یقین و ایمان میں راہ نہ پاسکے اور قطعی طور پر کہہ دیں کہ ہم تو بغیر کسی دلیل[1] کے اسلام اور اسکے مسلمہ عقائد کو برحق مانتے ہیں۔ عقائد پر اسی پختگی اور ثابت قدمی کا نام استقامت ہے۔

موافق پہلو

قرآن و حدیث کی تصریحات کی روشنی میں گذشتہ ابواب۔ خصوصاً تقویٰ، محاسبہ اور توکل کے ابواب — کے تحت جو کچھ لکھا جاچکا ہے اور آپ پڑھ چکے ہیں بنظر غائر اس پر غور و فکر کرنے سے بآسانی یہ واضح نتیجہ اور روشن حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ جس قدر انسان کے عقائد میں صحت، قوت، پختگی اور استحکام زیادہ ہوتا ہے اور وہ زندگی کے ہر دور اور عمر کے ہر حصہ میں ثابت قدمی مستقل مزاجی اور پائیداری کے ساتھ یکساں اُن پر قائم رہتا ہے اس کی زندگی اُسی قدر گناہوں معصیتوں اخلاقی برائیوں اور بدکرداریوں سے پاک و صاف اور پاکیزہ اعمال و اخلاق سے

---

[1] اسلئے کہ یہ بالکل کھلا ہے کہ جو یقین و ایمان نظری اور استدلالی ہوتا ہے یعنی عقلی دلیلوں کی بنیادوں پر اسکی عمارت قائم ہوتی ہے نہ وہ محکم اور پختہ ہوتا ہے نہ شکوک و شبہات سے مامون و محفوظ ہوتا ہے کیونکہ آج تک بڑے سے بڑے منطقی، فلسفی اور حکیم و دانشور کی قائم کردہ کوئی عقلی دلیل اور کوئی فکری نظریہ ٹوٹنے سے نہیں بچ سکا پھر عقلی دلیلوں پر مبنی یقین و ایمان کیونکر محفوظ رہ سکتا ہے۔ دراصل یہ خالص علمی بحث ہے ہم اسے یہیں ختم کرتے ہیں اور بطور جملہ معترضہ تجربات و مشاہدات کی روشنی میں صرف اتنی بات کہدینی ضروری سمجھتے ہیں کہ مذہب اور اسکے مسلمہ عقائد کے برحق ہونے کا یقین و ایمان صرف قلب سے تعلق رکھتا ہے عقل و خرد اور نظر و فکر سے اسکا تعلق نہیں جب تک مذہب اور اسکے برحق ہونے کا یقین و ایمان دل کی گہرائیوں میں نہ اتر جائے اُس وقت تک وہ پختہ محکم اور قابل اعتماد ہرگز نہیں ہوسکتا نہ ہی اس یقین و ایمان پر اُس تمام آلودگیوں — یعنی گناہوں بدکاریوں حرام کاریوں اور تمام اخلاقی جرائم — سے پاک پاکیزہ زندگی کی عمارت قائم ہوسکتی ہے، جو درحقیقت اسلام کی حقانیت کا آنکھوں سے نظر آنے والا ثبوت ہے، یاد رکھئے کسی بھی مذہب کی حقانیت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس مذہب اور اسکی تعلیمات نے اپنے دل و جان سے ماننے والوں اور مکمل پیروی کرنے والوں کی زندگی پر کیا اثر کیا؟ اور انکی زندگیوں کو کس سانچہ میں ڈھالا؟ — اسی لئے ہمارا کہنا یہ ہے کہ مذہب اور اسکی تعلیمات کی حقانیت پر یقین و ایمان آفتاب نصف النہار کی طرح بدیہی ہونا چاہیئے تب ہی اس مذہب کے مسلمہ عقائد پر استقامت نصیب ہوسکتی ہے۔۱۲

آراستہ ہوتی ہے۔ دنیوی زندگی میں اس مسلمان کا وجود اپنے ماحول کے لئے بہترین مثالی نمونہ ہوتا ہے بلکہ پورا معاشرہ ایسے لوگوں کی بدولت تمام اخلاقی اور معاشرتی برائیوں سے پاک و صاف ہو جاتا ہے اور ایسے لوگ "انسانیت" کے لئے باعثِ صد رحمت و سعادت ہوتے ہیں اور انکے دنیا سے اُٹھنے کے وقت زمین و آسمان بھی انکی موت پر روتے ہیں اور آخرت میں وہ رضا و قرب الٰہی جو آخرت (جنت) کی سب سے بڑی نعمت ہے، ان کو نصیب ہوتی ہے۔ اور دونوں جہان — دنیا و آخرت — کی یہ "شاندار کامیابی" و کامرانی صرف "عقائد" میں استقامت کا نتیجہ و ثمرہ ہوتی ہے۔

مخالف پہلو

اور جس قدر عقائد کے برحق ہونے پر یقین و ایمان میں ضعف، لایقینی، بے اطمینانی، بے اعتمادی اور ناپائیداری کی کیفیت زیادہ پائی جاتی ہے اور انسان ساری عمر اسی طرح "ڈھلمل یقین" رہتا ہے، زبان سے سب کچھ کہتا ہے مگر دل ان مسلمہ عقائد پر یقین و ایمان سے بالکل کورا ہوتا ہے یعنی عقائد میں استقامت سے محروم ہوتا ہے، اسی قدر اسکی عملی زندگی، اخلاقی برائیوں سے سخت سے سخت گناہوں اور معصیتوں سے آلودہ، فسق و فجور کی دلدل میں پھنسی ہوئی شرمناک اور گھناؤنے جرائم سے داغدار ہوتی ہے۔ ایسے لوگ دنیا میں متعدی بیماری کے مریض کی طرح "پورے ماحول اور معاشرہ" کے لئے باعثِ تباہی، "انسانیت" کے لئے موجب ننگ و عار ہوتے ہیں شریف اور دیندار لوگ ان کے سایہ سے بھی بھاگتے ہیں حکومتیں ان کے نام سیاہ فہرست (بلیک لسٹ) میں لکھتی ہیں زمین و آسمان بھی ایسے لوگوں کے وجود سے پناہ مانگتے ہیں اور مرنے کے بعد تو جہنم ان کا ٹھکانہ ہوتی ہی ہے۔ اس دنیا اور آخرت دونوں جہان میں تباہی کا اصلی اور حقیقی سبب دینی عقائد میں استقامت سے محرومی ہے۔

اگرچہ اس مسلم اور واضح حقیقت کو سمجھنے کے لئے کسی مثال کی ضرورت نہیں تاہم اپنے گرد و پیش اور ماحول کا جائزہ لیجئے دیکھئے جس قدر کسی شخص کے دل میں جزاء و سزاءِ اعمال کا کامل یقین اور پختہ ایمان ہوگا اور مرنے کے بعد یعنی قیامت کے دن، اپنے پیدا کرنے والے پروردگار کے سامنے پیش ہونے پر اور اس عادل و منصف جل جلالہ کے محاسبہ پر اور ابدی اجر و ثواب یعنی جنت پر اور ابدی عقاب و عذاب یعنی دوزخ پر یقین و ایمان قوی، پختہ اور تزلزل و تذبذب، شک و شبہ سے پاک ہوگا اسی قدر وہ شخص بد اعمالیوں، فحش کاریوں اور اخلاقی و معاشرتی جرائم خصوصاً خیانت، بدزبانی دروغ گوئی، دھوکہ دہی، جعلسازی وغیرہ سے دُور اور بہت دُور رہیگا یہاں تک کہ ان تمام گناہوں اور بداعمالیوں کے بے خوف و خطر مواقع میسر آنے اور دعوتِ گناہ دیئے جانے کے باوجود وہ محض خدا کے خوف اور آخرت کے ڈر کی وجہ سے اُس طرف نگاہ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ چنانچہ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں تمام تجارتی کاروبار پر بینکاری اور بیمہ وغیرہ کے سودی نظاموں کے تسلط کے باوجود ایسے دیندار تاجر موجود ہیں جو کاروبار چلنے نہ چلنے کی پروا کئے بغیر محض خدا کے خوف اور آخرت کے ڈر کی وجہ سے سودی کاروبار سے دُور رہتے ہیں اور اسکے باوجود وہ کامیاب تاجر ہیں — یہ صرف دینی عقائد میں پختگی اور استقامت کا نتیجہ ہے۔

اسکے برعکس جن لوگوں کے دل اس خوفِ خدا اور آخرت کے ڈر کے یقین و ایمان سے عاری اور کورے ہیں وہ بڑے سے بڑے اخلاقی اور معاشرتی جرائم اور حیاسوز ننگ انسانیت بدکاریوں میں نہایت بے باکی کے ساتھ بے خوف و خطر مصروف و منہمک ہیں بلکہ ملک میں ان بدترین جرائم اور حیاسوز بدکاریوں نے ایک مستقل پیشہ کی حیثیت اختیار کرلی ہے اور ملک کی آبادی میں ان جرائم پیشہ لوگوں کا ایک بہت بڑا گروہ پیدا ہوگیا ہے جن کا ذریعہ معاش ہی یہ جرائم اور بدکاریاں بن گئی ہیں۔ یہ لوگ قانون کی زد حکومت کی گرفت کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتے ہواس سے بچانے کے لئے ان کے "پتی دار" وکیل اور "بڑے لوگ" موجود ہیں نتیجہ یہ ہے کہ حکومت اور اسکی پوری مشینری ان تباہ کن جرائم اور بدکاریوں کے انسداد سے عاجز ہے اور چونکہ یہ جرائم اور حرام کاریاں قومی زندگی میں متعدی مرض کی حیثیت اختیار کرچکے ہیں اسلئے ایسے جرائم پیشہ اور بدکار، حرامخور لوگوں کی تعداد میں حکومت کی کوششوں کے علی الرغم۔ برعکس۔ روزافزوں اضافہ ہورہا ہے اور حکومت اور اسکی زبردست مشینری اسکے مداوئی سے عاجز ہے۔

معاشرہ اور قوم کی اس تباہی و بربادی کا اصلی اور حقیقی سبب جس کی طرف بدقسمتی سے کوئی بھی طبقہ متوجہ نہیں ہوتا۔ صرف دلوں سے خدا کے خوف اور آخرت کے ڈر کا کلی طور پر نکل جانا ہے جو آخرت پر یقین اور ﷺ پر ایمان کے ضعف بلکہ فقدان کا نتیجہ ہے اور یہ صورتِ حال صرف دینی عقائد پر استقامت سے محرومی کی بنا پر وجود میں آئی ہے اگر آج پاکستان کے مسلمانوں۔ حکمرانوں اور رعایا دونوں۔ کو اسلامی عقائد کے یقین و ایمان پر کماحقہ پختگی، استحکام اور استقامت نصیب ہوجائے تو آج ہی نہ صرف ان اخلاقی، تمدنی اور معاشرتی بدکاریوں اور جرائم سے بلکہ تمام تر قومی و اجتماعی تباہیوں سے ملک اور قوم کو نجات ملجائے اور ملک کا تحفظ و استحکام اور سالمیت و بقا بھی قوی سے قوی تر ہوجائے لیکن ملک و قوم کے مختلف طبقات کے سربراہوں کے رجحانات، عزائم اور مساعی کو دیکھتے ہوئے اس قسم کے دینی انقلاب کی توقع نہیں کی جاسکتی بجز اسکے کہ کوئی لطیفہ غیبی ظہور میں آئے یعنی

ع مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

کے مصداق اس پندرہویں صدی کا کوئی مجدد پیدا ہو اور حقیقی معنی میں دین کی تجدید و اصلاح کرے۔

ہماری گذارشات پر غور کرنے کے بعد یقین ہے کہ آپ پوری بصیرت کے ساتھ سمجھ گئے ہوں گے کہ دین کے عقائد پر استقامت، دینی اور دنیوی فوز و فلاح کے لئے کس قدر اہم اور ضروری امر ہے اور اس سے محرومی کے نقصانات کتنے دُوررس اور تباہ کن ہیں۔

عبادات اور اُن میں استقامت کے معنی اور اُن کی اہمیت

عبادتیں دو قسم کی ہیں (۱) ایک فرض (۲) دوسرے نفل، ہر ایک قسم کی عبادت میں استقامت کا مفہوم اور مصداق دوسری قسم کی عبادت سے مختلف ہے اسلئے ہم دونوں قسموں میں استقامت کا مفہوم علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔

فرض عبادات میں استقامت کی اہمیت اور اس سے محرومی کی شدید ترین مضرت

فرض عبادت یعنی فرض نماز، فرض زکوٰۃ، فرض روزے فرض حج کے ادا کرنے میں ثابت قدمی اور استقامت کے معنی یہ ہیں کہ ایک مسلمان ہوش سنبھالنے اور بالغ ہونے سے لے کر مرتے دم تک فرض عبادتوں کے ادا کرنے کو تمام دنیوی و دینی کاموں سے مقدم رکھے اور جن عبادتوں کا جو وقت مقرر ہے پوری پابندی کے ساتھ اُن کے مقررہ وقت کے ہوتے ہی مسنون طریق پر ہمیشہ ادا کیا کرے نماز کا مسنون وقت ہوتے ہی بلا تاخیر با جماعت نماز ادا کرے، بقدر نصاب مال پر پورا سال گذرتے ہی بلا تاخیر مال کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کا مہینہ آتے ہی پوری تندہی کے ساتھ پُورے رمضان کے روزے رکھے اور ضروریات سے فارغ، اتنا مال جمع ہوتے ہی جس سے حج اور سفر کے مصارف اُٹھائے جاسکیں بلا تاخیر حج ادا کرے، بجز شرعی اعذار کے اور کسی بھی صورت میں کسی بھی حالت میں کسی بھی وجہ سے اُن کے ادا کرنے میں تساہل یا تاخیر ہرگز نہ کرے، جان بوجھ کر کسی بھی فرض عبادت کو ہرگز ہرگز نہ چھوڑے اور اگر کبھی بھول چوک، یا غفلت کی نیند سوجانے کی وجہ سے یا کسی شرعی عذر کی بنا پر کوئی فرض نماز چھوٹ جائے تو اسکو یاد آتے ہی ادا کرلے اور دوسرے وقت پر ہرگز نہ ڈالے اسلئے کہ جیسے ادا کرنے میں تاخیر یا تساہل استقامت کے منافی ہے، ایسے ہی رہی ہوئی نماز یا روزے یا زکوٰۃ کی قضا میں بھی تساہل یا تاخیر استقامت کے منافی اور سخت مضر ہے۔ فرائض کے قضا کرنے میں ڈھیل، تساہل اور تاخیر کا بڑا دُور رس دینی نقصان یہ ہوتا ہے کہ جب اسی آج کل میں بڑھتے بڑھتے قضا نمازوں، قضا روزوں اور دی ہوئی زکوٰتوں کی تعداد اور مقدار بہت زیادہ ہو جاتی ہے تو اُن کا پُورا کرنا کام چور اور راحت طلب نفس پر بیحد شاق اور دشوار ہو جاتا ہے اور بڑھتے بڑھتے وقتی فرائض کے ساتھ ساتھ ان کا قضا کرنا تو بالکل ہی ناممکن ہو جاتا ہے اور پھر مکار نفس کے اس فریب میں آکر کہ جہاں جَلَّ جَلَالُہٗ اتنے فرضوں کو معاف کرے گا انکو بھی معاف کردے گا وہ بڑا غفور و رحیم ہے، وقتی فرائض ادا کرنے کی پابندی میں بھی اول اول سستی آتی ہے پھر گنڈے دار ادا ہونے لگتے ہیں رفتہ رفتہ ان فرض عبادتوں کے ادا کرنے سے بالکل ہی محروم اور ترک فرائض و واجبات کا ــ جو کبیرہ گناہوں میں اول درجہ کا گناہ ہے ــ مرتکب بن جاتا ہے نہ صرف یہ بلکہ دُوسرے کبیرہ گناہ اور معصیتیں اُن کی جگہ لے لیتی ہیں اسلئے کہ انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ بے کار اور بے شغل خالی نہیں بیٹھ سکتا جوں جوں نفس کے اس "فریب" میں آکر فرائض و واجبات سے دستبردار ہوتا جائے گا محرمات منکرات ان کی جگہ لیتے جائیں گے اور فرض عبادات پر پابندی کے انوار و برکات سے محروم ہو کر معاصی اور کبیرہ گناہوں کی ظلمتوں اور نحوستوں میں گرتا چلا جائے گا۔ اول اول کبھی کبھی اس ترقی معکوس یعنی رُوحانی رفعت کی بلندیوں سے گر کر مادی قعر ظلمت و ذلت میں جا پڑنے کا احساس ہوتا ہے مگر خود کو بے بس اور مجبور پاتا ہے رفتہ رفتہ یہ احساس بھی مٹ جاتا ہے اور رہتا یا فسق و فجور میں گرفتار اور کفار و مشرکین کی طرح مردود و مقہور و سیہ کار انسان بن جاتا ہے اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْہُ ــ حق تعالیٰ شانہٗ ہم سب کو اپنی پناہ میں رکھیں۔

اس لحاظ سے فرض عبادتوں کی پابندی پر استقامت انسان کے لئے فسق و فجور سے بچنے کے لئے ایک محفوظ

پناہ گاہ اور مضبوط حصار و قلعہ ہے جب تک اس استقامت اور پابندیٔ فرائض کے حصار میں پناہ گزیں رہتا ہے گناہوں اور معصیتوں کی یورشوں اور حملوں سے محفوظ رہتا ہے، جہاں اس حصار سے باہر نکلا اور فواحش و منکرات اور فسق و فجور کی دلدل میں پھنسا پھر اس دلدل سے نکلنے کی اگر کوشش بھی کرتا ہے تو اور پھنستا چلا جاتا ہے اور نجات کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی بجز اسکے کہ رحمتِ خداوندی اور توفیق الٰہی اس کا ہاتھ پکڑ کر اس دلدل سے نکال کر پھر فرض عبادتوں کی پابندی کے حصار میں پہنچادے مگر یہ صورتِ نجات صرف اسی وقت میسر آتی ہے جبکہ دینی عقائد پر استقامت نصیب ہو اور خدا کی کریمی اور کارسازی پر پکا یقین و ایمان و دستگیری کرے ﷻ سے مغفرت کی دعائیں مانگے اور گڑگڑا کر اسکی رحمت کی پناہ لے۔ اس لحاظ سے دینی عقائد پر استقامت بڑے بڑے گنہگاروں، سیاہ کاروں اور جرائم پیشہ لوگوں کے کام بھی آجاتی ہے۔

یہ جو کچھ ہم لکھ رہے ہیں محض فرضی باتیں اور خیالی افسانے نہیں ہیں بلکہ دنیا میں بکثرت ایسی مثالیں موجود ہیں بڑے بڑے صوم وصلوٰۃ کے پابند دینداروں کو محض ترکِ فرائض کی نحوست اور شومی کی بدولت فسق و فجور اور بدکاریوں حرامکاریوں کی دلدل میں گرتے اور پھنستے بھی دیکھا ہے اور بہت سے گناہوں معصیتوں اور سیاہ کاریوں کے دلدل میں پھنسے ہوئے فساق و فجار کو محض پختہ اور محکم دینی عقیدوں اور خدا کی رحمت اور کارسازی پر ناقابل تزلزل ایمان و یقین کی بدولت فواحش و منکرات اور معاصی و آثام کے قعر ذلت سے ابھرتے، نکلتے اور نہایت خلوص کے ساتھ صوم وصلوٰۃ، حج و زکوٰۃ کی پابندی پر ثابت قدم بنتے بھی دیکھا ہے۔

اس مختصر مگر واقعات و مشاہدات پر مبنی بیان کو پڑھ کر آپ یقیناً محسوس کرینگے کہ ﷻ کی فرض کردہ عبادتوں کی پابندی پر استقامت ﷻ کا کتنا عظیم الشان عطیہ ہے اور اس سے محرومی ایک مسلمان کے لئے کتنا بڑا خسران مبین ہے اسلئے چاروں فرض عبادتوں، نماز روزہ زکوٰۃ اور حج کے ادا کرنے پر استقامت کی ضرورت ایک مسلمان کے لئے غذا، لباس، مسکن وغیرہ طبعی حوائج سے بھی زیادہ لابدی اور مقدم ہے اسلئے کہ ان ضروریاتِ زندگی سے محروم ہونے سے صرف مادی اور دنیوی زندگی ہی جو یقیناً فانی ہے خطرہ میں پڑتی ہے مگر ان چاروں فرض عبادتوں سے ـ جو ایک مومن مسلمان کے لئے عظیم روحانی غذا ہیں ـ محروم ہونے سے انسان کی روحانی اور ابدی ہلاکت یقینی ہو جاتی ہے ﷻ اپنے فضل و کرم سے سب مسلمانوں کو خصوصاً قارئین کتاب کو اس پابندی یعنی "فرض عبادات پر استقامت" کی توفیق عطا فرمائے اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے میں۔

نفل عبادتوں پر استقامت کے معنی اور اسکی شرط

نفل عبادتوں پر استقامت کے معنی بیان کرنے سے پہلے چاروں قسم کی عبادتوں میں نفل اور فرض عبادتوں کی تشخیص اور ان میں فرق بیان کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ۔

(۱) پنجوقتہ فرضوں کے علاوہ جن کی کل سترہ رکعتیں ہیں چار ظہر کی چار عصر کی چار عشا کی تین مغرب کی دو فجر کی

- باقی سب نمازیں خواہ وہ پنجوقتہ فرضوں سے پہلے یا بعد کی سنتیں اور نفلیں ہوں خواہ تہجد کی آٹھ یا بارہ رکعتیں یا چاشت کی آٹھ یا چار رکعتیں یا زوال کے فوراً بعد کی چار سنن زوال، یا مغرب کے بعد کی چار یا چھ یا اس سے زیادہ رکعتیں اوابین کی ہوں، یہ سب کی سب نمازیں یا سنت موکدہ ہیں یا سنن زوائد یا محض نوافل ہیں ـ بہرصورت فرض ان میں سے کوئی بھی نہیں ہے عشا کی نماز کے بعد میں ۳ رکعت وتر بیشک واجب ہیں مگر وہ عشا کے فرضوں کے تابع اور پابندی کے لحاظ سے انہی کے حکم میں ہیں ـ

(۲) اسی طرح فرض زکوٰۃ[1] ـــ کل مال کا چالیسواں حصہ سالانہ ـــ کے علاوہ باقی تمام صدقات وخیرات، سب صدقات نافلہ اور نفل مالی عبادتیں ہیں ـ

(۳) اسی طرح ماہِ رمضان کے تیس[30] یا انتیس[29] روزوں کے علاوہ باقی سال کے تمام روزے سنت یا نفل روزے ہیں فرض ان میں کوئی بھی روزہ نہیں ہے ـ

(۴) اسی طرح عمر میں ایک مرتبہ حج کے علاوہ جتنے بھی حج یا عمرے کئے جائیں سب سنت یا نفل ہیں فرض صرف ایک پہلا حج ہے ـ

(۵) یہ تو وہ نفلی عبادتیں ہیں جو فرض عبادتوں کی جنس (قسم) سے ہیں اور انہی کی تکمیل وتتمیم کے لئے ادا کی جاتی ہیں، باقی ان کے علاوہ قرآن کریم کی تلاوت، نبی رحمت ﷺ پر درود وسلام توبہ واستغفار، مسنون دعائیں موقت یا غیر موقت ذکر اللہ خواہ تسبیح وتہلیل کی صورت میں ہو خواہ اور دوسری مسنون وماثور صورتوں میں ہو یہ سب نفلی عبادتیں ہیں اور بیحد وبے انتہا اجر وثواب اور دنیوی واخروی برکات وثمرات کا موجب ہیں مگر فرض ان میں سے کوئی بھی عبادت نہیں ہے ـ

ان تمام نفلی عبادتوں پر استقامت کے معنی یہ ہیں کہ انسان مذکورہ بالا فرض عبادتوں اور حقوق العباد ـ بندوں کے حقوق ـ کے پابندی اور ثابت قدمی سے ادا کرتے رہنے کے بعد ان میں سے جتنی عبادتوں کے ادا کرنے کی جسمانی قدرت، یا مالی استطاعت ہو اور جائز ومباح مشاغل ـ کسب معاش وغیرہ ـ سے جتنی بھی فرصت ہو اور وقت ملے اسی قدر ہر ایک قسم کی مذکورہ بالا نفل عبادتیں پوری پابندی اور پائیداری وثابت قدمی کے ساتھ حتی الامکان روزانہ ادا کرنے پر مستقل مزاجی کے ساتھ قائم اور کاربند رہے ـ مگر اس استقامت کی شرط یہ ہے کہ ان نفلی عبادتوں کی پابندی کرنے کی وجہ سے فرض عبادتوں کی پابندی پر مطلق اثر نہ پڑے یعنی ان میں ذرہ برابر کوتاہی ہرگز نہ ہو نفل عبادتوں کے اتنا پیچھے پڑنا کہ اسکی وجہ سے فرض عبادتوں، یا حقوق العباد کے پابندی کے ساتھ ادا کرنے میں کوتاہی اور خلل واقع ہونے لگے، یہ نفل عبادتوں پر استقامت نہیں بلکہ شرعاً ناپسندیدہ بے اعتدالی اور غلو ـ حد سے تجاوز کرنا ـ ہے جس میں اجر وثواب ملنے کے بجائے مواخذہ کا اندیشہ ہے بلکہ خطرناک نتائج کا موجب ہے جیسا کہ آپ مثالوں میں پڑھینگے ـ مثلاً

[1] فرض زکوٰۃ میں صدقات واجبہ بھی شامل ہیں ـ

(۱) ایک شخص کثرتِ عبادت کے شوق میں روزانہ آدھی رات کے بعد بیدار رہو جاتا ہے اور تہجد کی نماز اور اَوراد و وظائف، ذکر اذکار میں مشغول رہتا ہے مگر روزانہ نیند کے غلبہ سے مجبور ہو کر آخر میں سو جاتا ہے اور فجر کی نماز یا بالکل ہی قضا ہو جاتی ہے یا جماعت کے ساتھ نہیں پڑھ پاتا روزانہ کا یہی معمول ہے یہ قابلِ مواخذہ بے اعتدالی اور غلو ہے اس شخص کو یہ شب بیداری، ذکر و اذکار اور تہجد کی اتنی لمبی نماز فوراً چھوڑ دینی چاہیئے اور بقدرِ ضرورت نیند بھر کر سونا چاہیئے اور فجر کی نماز باجماعت ادا کرنے کی پوری پابندی کرنی چاہیئے اگر بقدرِ ضرورت سو لینے کے بعد — اس یقین کے ساتھ کہ فجر کی نماز باجماعت ضرور ادا کر سکے گا۔ صبح صادق سے کچھ پہلے بیدار ہو کر تہجد کی جتنی رکعتیں پڑھ سکتا ہو پڑھ لے اور اس پر روزانہ پابندی کرے تو کچھ حرج نہیں اسلیئے کہ یہ تہجد کی نماز اور اوراد و وظائف نہ پڑھنا گناہ اور معصیت نہیں ہے اور جانتے بوجھتے فجر کی نماز قضا کر دینا یا جماعت کے ساتھ ادا نہ کرنا گناہ اور معصیت ہے چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ کا واقعہ ہے کہ سلیمان نامی ایک صحابی روزانہ فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے ایک دن وہ نماز میں نہیں آئے اتفاق سے صبح سویرے عمر فاروق کا اُن کے مکان سے گذر ہوا تو اُنہوں نے اُن کی والدہ سے اُن کے نماز میں نہ آنے کی وجہ دریافت کی تو اُن کی والدہ نے تبلایا کہ: وہ ساری رات نماز پڑھتے رہے تھے آخر شب آنکھ لگ گئی اور سو گئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میں تو صبح کی نماز باجماعت پڑھنے کو ساری رات نماز پڑھتے رہنے سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔

اسی طرح مسافر اگر یہ دیکھے کہ میں صرف فرض نماز — وہ بھی قصر یعنی چار کی دو — پڑھ سکتا ہوں لیکن پہلی یا بعد کی سنتیں نہیں پڑھ سکتا اُس پر فرض ہے کہ وہ صرف فرض پڑھ لے اور سنتیں چھوڑ دے عام طور پر لوگ ناواقفیت کی بنا پر سنتوں کو نہ پڑھ سکنے کی وجہ سے فرض بھی چھوڑ دیتے ہیں یہ قطعاً ناجائز اور گناہ ہے۔

(۲) اسی طرح ایک شخص کثرتِ عبادت کے شوق میں رمضان کے علاوہ بھی روزانہ روزہ رکھنے کی پابندی کرتا ہے اور صائم الدھر — روزانہ روزہ سے — رہتا ہے یہ بھی شرعاً ناپسندیدہ بے اعتدالی اور غلو ہے اس روزانہ روزہ رکھنے کی پابندی میں جسمانی صحت اور قوت کو ایسا نقصان پہنچ جانے کا شدید خطرہ ہے کہ اسکے بعد اور فرض عبادات اور فرائضِ زندگی — کسبِ معاش، حقوق العباد وغیرہ — ادا کرنے کے قابل بھی نہ رہے اور ترکِ فرائض و حقوق کے گناہ میں ماخوذ ہو۔

(۳) اسی طرح ایک شخص انفاق فی سبیل اللہ — جل جلالہٗ کی راہ میں خرچ کرنے — کے شوق میں ایسے صدقات و خیرات میں جو فرض نہیں اس قدر روپیہ خرچ کر دیتا ہے کہ اسکے بعد اہل و عیال اور اُن قرابتداروں کے اخراجات پورے نہیں کر سکتا — جن کی کفالت اس پر فرض ہے — یا خود پیسہ پیسہ کو محتاج ہو جاتا ہے یہ بھی ناپسندیدہ بے اعتدالی اور غلو ہے اسکو فوراً ترک کر دینا چاہیئے اور تمام اہلِ حقوق کے حقوق پورے طور پر ادا کرتے رہنے کے بعد جو روپیہ بچے اس میں سے ہمیشہ اتنا صدقہ خیرات کرتے رہنا چاہیئے کہ خود محتاج اور مفلس نہ بن جائے۔ رحمۃ للعالمین

ﷺ کا ارشاد ہے :

لَا صَدَقَۃَ اِلَّا عَنْ ظَھْرِ غِنًی صدقہ وہی ہے جسکے بعد خود بھی غنی رہے۔

(۴) یہی حال بار بار حج کے لئے جانے اور سفر میں بے دریغ روپیہ صرف کرنے کا ہے کہ اس میں بھی ارباب حقوق کی حق تلفی یا خود محتاج و مفلس ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے لہٰذا جب تک اس امر کا اطمینان نہ ہو کہ نفلی حج کے لئے سفر کرنے اور اخراجات برداشت کرنے سے نہ کسی کی حق تلفی ہوگی نہ دوسرے فرائض و مشاغل میں کوئی ناقابلِ تلافی کوتاہی ہوگی اس وقت تک نفلی حج کے لئے سفر نہ کرنا چاہیئے اسلئے کہ وہ نفلی حج جس میں لوگوں کی حق تلفیاں ہوں ﷻ کے ہاں قابلِ قبول نہیں ہو سکتا، بلکہ حق تلفی کے گناہ میں پکڑے جانے کا قوی اندیشہ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ نفل عبادتوں کے ادا کرنے پر۔ چاہے کم سے کم ہوں یا زیادہ سے زیادہ۔ مداومت و استقامت میں یہ شرط ضروری ہے کہ اس سے فرض عبادتوں اور حقوق العباد وغیرہ دیگر فرائض کے پابندی کے ساتھ ادا کرتے رہنے میں کوئی کوتاہی یا خلل واقع نہ ہو۔ اسلئے کہ عبادات کے ادا کرنے پر استقامت کے اندر، اول درجہ پر فرض عبادتوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرنا اور اسپر سختی کے ساتھ قائم رہنا ہے، اور دوسرے درجہ پر نفل عبادتوں کے ادا کرنے میں مداومت اور پابندی ہے مگر جتنی بھی اور جو بھی نفل عبادتیں اختیار کرے۔ خواہ کتنی ہی تھوڑی ہوں۔ ہمیشہ اور روزانہ پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہے ایسا نہ ہو کہ مثلاً کسی زمانہ میں یا کسی حصۂ عمر میں تو اتنا جوش و خروش اور نفل نمازوں کی اتنی حرص ہو کہ روزانہ نہ صرف پنجوقتہ فرض نمازوں کے پہلے یا بعد کی سنتیں اور نفلیں، بلکہ آدھی رات کے بعد اٹھ کر تہجد کی بارہ ۱۲ رکعتیں بھی پڑھے اور اوراد و وظائف بھی، اشراق کی دو رکعتیں بھی، زوال کے بعد کی چار سنتیں بھی اور صلوٰۃ اوابین بھی پڑھے اور کچھ دن بعد نمازوں سے اتنا فرار اور گریز ہو جائے کہ پنجوقتہ فرض نمازیں بھی گنڈے دار رہ جائیں کوئی پڑھی کوئی اڑادی۔

دراصل یہ اُس چندروزہ ناپسندیدہ غلو اور بے اعتدالی کا رد عمل ہوتا ہے جو استقامت کے قطعاً منافی ہے اور فرض نمازوں میں رخنہ اندازی کا باعث ہونے کی وجہ سے گناہ اور معصیت ہے۔ نفل روزوں اور نفلی صدقہ و خیرات اور نفلی حج و عمرہ وغیرہ کو بھی اسی پر قیاس کر لیجیئے۔ اسی لئے نبیِ رحمت حریصِ نجاتِ اُمت رسول ﷺ کا ارشاد ہے :-

خَیْرُ الْعَمَلِ مَا دِیْمَ عَلَیْہِ بہترین عمل وہ ہے جس پر مداومت کی جائے۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ تمام عبادتیں خصوصاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج نفس انسانی کی راحت و آسائش اور خواہشات کے نہ صرف منافی ہیں بلکہ جسمانی اور بدنی اعتبار سے بھی تعب و مشقت کا موجب ہیں اسی لئے نفس اور بدن کے لئے وہ شاق اور ناگوار ہیں ایک قربِ الٰہی کا شیدائی بندہ نفس انسانی کے علی الرغم یعنے خواہش نفس کے خلاف اپنے آپ کو اپنے اعضاء و جوارح ۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا۔ کو اور بدنی قوتوں کو اس محنت شاقہ کے برداشت کرنے پر مجبور کرتا ہے

نفس اور جسم و جسمانی قوتوں پر حکمران عقل و خرد ہے اُسکے مجبور کرنے پر نفس اور بدن اور اسکی قوتیں خواہی نخواہی اپنی راحت و آسائش اور دوسری خواہشات کو ترک کرنے پر اور عقل و خرد کی تعمیل حکم کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے چنانچہ نماز کے متعلق جو دین کی سب سے اہم عبادت بلکہ دین کا ستون ہے جل جلالہ کا ارشاد ہے:

وَاِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ . بیشک وہ نماز بہت ہی شاق اور گراں ہوتی ہے بجز ان لوگوں کے

الَّذِينَ يَظُنُّونَ اَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ جو یقین رکھتے ہیں کہ انہیں مرنے کے بعد اپنے پروردگار سے ملنا اور

وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُونَ - (البقرہ ع) اسکے سامنے پیش ہونا ہے اور یہ کہ وہ اسی کے پاس لوٹ کر جائینگے۔

(اور اولین پرسش نماز بود - سب سے پہلے نماز کا سوال ہوگا)

ایسی صورت میں نفس اور بدن، فرض عبادتوں مثلاً فرض نمازوں کو - جو حکیم و علیم پروردگار نے ہر انسان کی جسمانی قوتوں کے لئے قابلِ برداشت ہونے کی حد تک ہی فرض کی ہیں - تو پابندی کے ساتھ ادا کرتے رہنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں اور سرتابی نہیں کرتے لیکن نفل عبادتوں کے بارے میں بھی اگر انسان اپنے نفس، بدن اور اعضاء و جوارح کو ان حد سے متجاوز مشقتوں کے برداشت کرنے پر مجبور کرتا ہے تو کچھ عرصہ میں ہی نفس و جسم کی قوت برداشت ختم ہوجاتی ہے ہاتھ پاؤں جواب دے جاتے ہیں اور پھر ان میں فرض عبادتوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرنے کی سکت بھی باقی نہیں رہتی اور اسطرح نتیجہ کے اعتبار سے نفل عبادتوں میں یہ غلو اور بے اعتدالی فرض عبادتوں پر مداومت اور ان پر استقامت سے بھی محروم کر دیتی ہے - بالکل اسی طرح جیسے سفر کو جلد از جلد طے کر لینے کا حریص اور جلد باز مسافر اپنے سواری کے گھوڑے کو دم لینے کی مہلت دیئے بغیر بے تحاشا مسلسل دوڑائے چلا جاتا ہے راستہ میں کہیں نہیں ٹھہرتا وہ اپنی اس بے اعتدالی کی بدولت تھوڑی سی مسافت طے کرنے کے بعد ہی سواری سے محروم ہوجاتا ہے، گھوڑا حد سے زیادہ تھک جانے کی وجہ سے ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے اسکی ٹانگ ٹوٹ جاتی ہے، نہ سفر طے ہوتا ہے، نہ سواری کا گھوڑا ہی کارآمد رہتا ہے - یہ مثال ہماری اختراع کردہ نہیں ہے بلکہ اُمت کی فطرت اور نفسیات سے آگاہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو عبادات پر استقامت کے اندر غلو اور مضرت رساں بے اعتدالی سے منع فرمانے کے سلسلہ میں بیان فرمائی ہے، ارشاد ہے:

فَاِنَّ الْمُنْبَتَّ لَا اَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَهْرًا اَبْقَى (عبادتوں میں غلومت اختیار کرو) اسلئے کہ ایک بے تحاشا سواری کو دوڑانے والا مسافر نہ مسافت ہی طے کر پاتا ہے اور نہ سواری ہی کارآمد رہنے دیتا ہے۔

اسکے بعد انسانی فطرت کی کمزوری کو صاف اور صریح لفظوں میں بے نقاب فرمایا ہے ارشاد ہے:

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوا اسلئے کہ حق تعالیٰ (تمہاری زیادہ سے زیادہ عبادتوں کا اجر و ثواب دینے سے) نہیں اُکتاتے تم ہی آخر کار ان بے تحاشا عبادتوں سے اُکتا جاتے ہو (اور بالکل ہی چھوڑ بیٹھتے ہو)

اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ کیسی بھی یکسانیت اور پھر اس پر مداومت سے جلد یا بدیر اکتا جاتا ہے خصوصاً جب کہ وہ کام نفس کی طبعی خواہشات کے خلاف بھی ہو اور اس میں جسمانی مشقت اور تعب بھی ہوتا ہو اور نہ اس میں کوئی مالی منفعت یا مادی لذت ہو، اگرچہ کتنے ہی قوی جذبہ، داعیہ اور پابندی کے عزم کے ساتھ شروع کرے مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد یا زیادہ عرصہ کے بعد اول بیدلی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اسکے بعد پابندی ختم ہوتی ہے، کسی دن کیا کسی دن نہیں آخر کار بالکل ہی چھوٹ جاتا ہے، پابندی اور استقامت اسی کام میں میسر آتی ہے جو اتنا ہو کہ کبھی بھی اس سے دل نہ اکتائے۔ اسی انسانی فطرت کی کمزوری کی طرف امت کے نبض شناس نبیِ رحمت ﷺ نے مذکورہ بالا احادیث میں اشارہ فرمایا ہے۔

اسی لئے نبی رحمت ﷺ نے اسی شوقِ الٰہی میں سرمست اور عواقب اور نتائج سے بے پروا بعض صحابہ کرام کو۔ جنہوں نے ساری عمر روزانہ دن کو روزہ رکھنے کا اور رات کو ساری رات نماز میں قرآنِ عزیز پڑھنے کی مداومت کرنے کا عزم اور فیصلہ کر لیا تھا۔ بڑی سختی کے ساتھ اس اقدام سے روکا ہے اور اسکے مضرت رساں نتائج سے بڑی وضاحت کے ساتھ آگاہ فرمایا ہے اور انکی تسلی کے لئے خود اپنے اسوۂ حسنہ اور مقدس اور قابل عمل طرز عمل کو بطور مثال پیش کیا ہے کہ دیکھو: میں رات کو سوتا بھی ہوں اور شب بیداری بھی کرتا ہوں، روزے بھی رکھتا ہوں، اور افطار بھی کرتا ہوں (یعنی رات کے کچھ حصہ میں سوتا ہوں کچھ میں تہجد پڑھتا ہوں اور کچھ دن روزے رکھتا ہوں پھر کچھ دن چھوڑ دیتا ہوں)

ایک صحابی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے بڑے اصرار پر صرف اتنی اجازت دی کہ اچھا ایک دن روزہ رکھو ایک دن افطار کرو، عمرو بن العاص نے ساری عمر اسکی پابندی کی تو سہی مگر آخر عمر میں اپنے اس ناعاقبت اندیشانہ اصرار پر اور اس ناقابل برداشت عمل کو اختیار کرنے اور اسکی مداومت کو اپنے ذمے لینے پر پشیمان ہوئے اور ساری عمر پچھتائے کہ کیا اچھا ہوتا کہ میں رحمتِ عالم ﷺ کے مسنون و معتدل طرز عمل ۔ یعنی ہر مہینہ میں تین دن کے روزے پابندی کے ساتھ رکھنے پر مداومت ۔ کو قبول کر لیتا اور اس حد سے متجاوز اکتا دینے والے طرز عمل ۔ یعنی ایک دن روزہ رکھنے ایک دن افطار کرنے ۔ کو اختیار نہ کرتا۔

اسی پر بقیہ نفلی عبادتوں کو قیاس کر لیجئے۔ اسی لئے نفل عبادات پر استقامت کو نبھانے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے سے سوچ سمجھ لے، جن عبادات کو پابندی کے ساتھ آخر عمر تک ادا کر سکے انہی کو اختیار کرے، وہ کتنی ہی کم کیوں نہ ہوں مثلاً قرآن کریم کا اتنا حصہ تلاوت کے لئے اختیار کرے جو آخر عمر تک بلا ناغہ روزانہ پڑھ سکے چاہے وہ ایک رکوع ہی کیوں نہ ہو۔

نبیِ رحمت ﷺ کی مشفقانہ ہدایات و تعلیمات کی روشنی میں انسان کی اس فطری کمزوری کو سامنے رکھتے ہوئے تو یہ بیشک صحیح ہے کہ نفلی عبادتوں پر استقامت اور ثابت قدمی کو نبھانے کے لئے کم سے کم عبادات ہی کو اختیار کرنا

چاہیئے تاکہ عمر بھر اُن پر قائم رہ سکیں۔

زیادہ سے زیادہ نفل عبادتوں پر استقامت حاصل کرنے کی تدبیر

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ قرآن اور حدیث میں ہی اِن نفلی عبادتوں پر آخرت میں اتنے زیادہ اجر و ثواب مغفرت و رحمت؛ اور رضا و قرب الٰہی کے وعدے مذکور ہیں۔ اور ہمارا ایمان ہے کہ وہ تمام وعدے بالکل سچے ہیں اور ضرور پورے ہوں گے۔ اور دُنیا کی زندگی میں بھی ان نفلی عبادات کی مداومت و استقامت پر ایسے سکون آفرین، روح پرور اور گناہوں سے بچانے والے اثرات اور انوار و برکات کے مرتب ہونے کی خبر دی گئی ہے کہ ان ترغیبات کو دیکھ کر ایک ایسا مسلمان جسکے دل میں واقعی خدا کا خوف، آخرت کا ڈر موجود ہے اور نجات کی فکر اسکو شدت کے ساتھ دامنگیر ہے وہ نفس اور بدن کی ان تمام مزاحمتوں کے اور جسمانی طاقتوں کے جواب دے جانے کے خطرات کے باوجود زیادہ سے زیادہ نفلی عبادتوں پر استقامت کو اختیار کرنے کے لئے بیقرار ہوتا ہے مگر صرف اس ڈر سے کہ کہیں مذکورہ مثال کے گھوڑے کی طرح بدنی طاقت اور صحت اسطرح ساقط نہ ہو جائے کہ فرض عبادتوں کی مداومت سے بھی محروم ہو جائے باز رہتا ہے اسلئے یہ خدا پرستی کا شیدائی اور اخروی نجات کا طلبگار مسلمان شدید کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے ایک طرف فرض عبادتوں پر استقامت سے محروم ہو جانے کا ڈر دوسری طرف ان نفلی عبادتوں کی کشش، نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن نہ اختیار کئے بنتی ہے نہ چھوڑے۔ نبی رحمت ﷺ نے ازراہِ شفقت و رأفت ذیل کی حدیث میں بغیر کسی مضرت کے زیادہ سے زیادہ نفلی عبادتوں پر استقامت حاصل کرنے کی تدبیر بھی تبلائی ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّ هٰذَا الدِّيْنَ مَتِيْنٌ فَاَوْغِلُوْا فِيْهِ بِرِفْقٍ۔	بیشک یہ دین بہت مضبوط (اور منضبط) ہے پس اس (کی حدود) میں نہایت آہستگی کے ساتھ (نہایت دھیمی رفتار سے) قدم رکھو۔

یعنی ہر نوع کی زیادہ سے زیادہ نفل عبادتوں پر مداومت و استقامت کو آسان اور جسمانی قوتوں کے لئے قابلِ برداشت بنانیکی تدبیر یہی ہے کہ انکو جسم اور جسمانی قوتوں کیلئے قابل برداشت حد میں رکھ کر آہستہ آہستہ بڑھانا چاہیئے یعنی اوّل کسی بھی قسم کی نفل عبادت کو کم سے کم اختیار کرو جب اسکی عادت پڑ جائے تو اور تھوڑا سا اضافہ کرو جب اسکی بھی عادت پڑ جائے تو کچھ اور اضافہ کرو، اسی طرح تدریجاً نفس اُن سے مانوس ہوتا جائے گا اور جسمانی قوتیں عادی ہوتی جائینگی یہانتک کہ ایک دن وہ نفلی عبادت زیادہ سے زیادہ کرسکو گے اور نہ کوئی تعب ہوگا اور نہ جسمانی قوت و صحت کو کوئی نقصان پہنچے گا اور بغیر کسی مضرت کے اس پر مداومت اور استقامت بھی آسان ہوگی۔

مثلاً ایک رضاء الٰہی کا متوالی خدا کا بندہ؛ چاہتا ہے کہ اُن محسنین کی طرح جن کا ذکر ذیل کی آیت کریمہ میں فرمایا ہے:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ — اور وہ رات کو بہت ہی کم سویا کرتے تھے۔

میں بھی رات کو بہت تھوڑے حصے سوؤں اور رات کا بیشتر حصہ اُن عباد الرحمٰن کی طرح جن کا ذکر ذیل کی آیت کریمہ میں فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۔ (فرقان ۶۴)

اور وہ لوگ جو ساری رات اپنے رب کے سامنے رکوع وسجود اور قیام یعنی نمازیں گزار دیتے ہیں۔

بستر کے بجائے مصلّے پر اپنے رب سے مناجات یعنی نمازیں گذاروں اور اللہ کے اُن بندوں کی طرح جنکی شان میں ارشاد ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا (السجدہ ۱۶)

اُن کے پہلو بستروں سے دُور بھاگتے ہیں وہ اپنے رب کو (اسکے) خوف اور رحمت کی طمع کی وجہ سے پکارتے (اور دُعائیں مانگتے) رہتے ہیں۔

میرا بستر بھی مجھے تھپک کر سلانے کی بجائے ایسا کانٹوں کا فرش بن جائے کہ کسی کروٹ اس پر چین نہ آئے اور پہلو بستر سے دور بھاگے، اور میں بھی اپنے رحمٰن ورحیم پروردگار کی رحمت حاصل کرنے کی غرض سے اور اس قہار وجبار جلّ جلالہ کے قہر وغضب سے بچنے کی غرض سے ساری رات اسکو پکاروں یعنے رحمت کی دُعائیں مانگتا اور توبہ واستغفار کرتا رہوں۔

تو اسکا طریقہ یہ ہے کہ اگر اس شخص کا روزانہ معمول چھ گھنٹے سونے اور آرام کرنے کا ہے تو پہلے دن سونے کے وقت میں صرف آدھ گھنٹہ کی کمی کرے اور ½۵ گھنٹے کا الارم لگا کر ٹائم پیس سرہانے رکھ لے اور الارم بجتے ہی فوراً اُٹھ جائے اور حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر وضو کر کے صبح صادق ہونے سے پہلے دو، چار، یا جتنی رکعتیں بھی پڑھ سکے پڑھ لے اور اُس وقت تک اسی معمول پر پابندی سے قائم رہے یہانتک کہ ساڑھے پانچ گھنٹے سونے کی عادت پڑ جائے، اسکے بعد آدھ گھنٹہ اور کم کر دے اور صلوٰۃ اللیل۔ نماز تہجد۔ کی تعداد اور بڑھا دے اور اللہ سے قیام لیل کی توفیق کی دُعائیں برابر کرتا رہے اور بلاناغہ اُسوقت تک اسی معمول پر سختی کے ساتھ پابندی کرتا رہے یہانتک کہ ۵ گھنٹے کی نیند کافی ہونے لگے اور جسم اسی کا عادی ہو جائے اسی طرح تدریجی طور پر بلاناغہ سونے اور آرام کرنے کا وقت گھٹاتا اور صلوٰۃ اللیل اور ذکر اللہ کا وقت بڑھاتا چلا جائے یہ رفتار اگرچہ چیونٹی کی سی دھیمی رفتار ہوگی لیکن اگر مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کے ساتھ بلاناغہ اس مشق کو جاری رکھا تو یقیناً ایک دن وہ آجائے گا کہ رات میں صرف دو تین گھنٹے کا آرام اور نیند کافی ہونے لگے گی اُدھر اُن نفلی عبادتوں۔ صلوٰۃ اللیل اور ادعیہ واذکار۔ کے انوار و برکات اور اسکے نتیجہ میں وہ رُوحانی کیف وسرور اور وہ رُوحانی لذت محسوس ہونے لگے گی کہ فی الواقع بستر پھولوں کی سیج کے بجائے کانٹوں کا بچھونا معلوم ہونے لگیگا۔ اسلئے کہ نصف شب کے بعد خصوصاً رات کا آخری حصہ۔ جلّ جلالہ پر صدق دل سے ایمان رکھنے والوں اور قرآن وحدیث کی تعلیمات پر سچے دل سے یقین رکھنے والوں کے لئے۔ ایسا عظیم الشان "نزولِ رحمتِ الٰہی" کا وقت ہے جسکے متعلق حبیب ربّ العالمین کا ارشاد ہے:

يَنْزِلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِلٰى سَمَآءِ الدُّنْيَا كُلَّ لَيْلَةٍ حِيْنَ يَمْضِيْ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاَوَّلُ فَيَقُوْلُ: اَنَا الْمَلِكُ: اَنَا الْمَلِكُ، مَنْ ذَا الَّذِيْ يَدْعُوْنِيْ

اللہ تبارک وتعالیٰ ہر رات کو، پہلا ایک تہائی حصہ گذرنے کے بعد، پہلے آسمان کی طرف نزول فرماتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں: میں ہوں (تمام کائنات کا) بادشاہ، میں ہوں (تمام مخلوق کا) حکمران! ہے کوئی، جو مجھ سے دعا مانگے؟ تو میں اسکی دعا قبول کروں، ہے کوئی؟

فَاَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ ذَا الَّذِي يَسْأَلُنِي — جو مجھ سے (کچھ) مانگے تو میں (جو وہ مانگے) اس کو دوں ہے کوئی؛
فَاُعْطِيَهُ مَنْ ذَا الَّذِي يَسْتَغْفِرُنِي فَاَغْفِرَ لَهُ — جو مجھ سے (اپنے گناہ) بخشوائے تو میں اسکے گناہ بخش دوں؛
فَلَا يَزَالُ كَذَالِكَ حَتّٰى يُضِيْئَ الْفَجْرُ — یہ اعلان صبح روشن ہونے تک ہوتا رہتا ہے۔

اب ذرا ٹھنڈے دماغ سے دِل پر ہاتھ رکھ کر سوچیئے کہ ایک سچے دِل سے خدا اور اسکی لامحدود شئون، اور جمالی و جلالی صفات پر یقین رکھنے والا، رضاء الٰہی کا دل وجان سے طلبگار اور قہرِ الٰہی سے بچنے کے لئے بیقرار اور فکر مند بندہ، مخبر صادق ﷺ کی وحی ترجمان زبان — جسکے متعلق قرآن کریم کی شہادت یہ ہے کہ وحی کے سوا اسکی زبان سے ایک لفظ نہیں نکلتا ارشاد ہے:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (النجم ۱۲) — اور وہ (ہمارا رسول) اپنی خواہش سے نہیں بولتا وہ تو جو کچھ بولتا (اور کہتا) ہے وہ (اللہ کی) وحی ہوتی ہے جو اسکے پاس بھیجی جاتی ہے۔

— سے نکلی ہوئی اِس بشارت کی سچائی پر حق الیقین کے درجہ میں یقین و ایمان کے ساتھ، آدھی رات کے بعد جبکہ اس کے آس پاس خدا کی رحمت سے غافل مخلوق خوابِ شیریں میٹھی نیند — کے مزے لے رہی ہو اور بیخبر سو رہی ہو، چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا ہو مکمل تنہائی ہو، اور اسکے اور اُسکے مولیٰ ارحم الرحمین پروردگار کے درمیان — جس کا اعلان یہ ہے:

سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ — میری رحمت میری خفگی پر غالب ہے۔

کوئی تیسرا حائل نہ ہو ایسے مبارک وقت میں جب وہ — اس یقین کے ساتھ کہ میرا رب مجھے دیکھ رہا ہے اور میری بات سُن رہا ہے — انتہائی عجز و نیاز کے ساتھ عرض کر رہا ہو!

رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران ع ۲۰) — اے ہمارے رب! ہم (تجھ پر اور تیرے دین پر سچے دل سے) ایمان لاچکے پس اب تو ہمارے تمام گناہوں کو بخش دے اور ہماری تمام برائیوں کا کفارہ کردے اور ہمیں اپنے نیک بندوں کے ساتھ وفات دیجیو (دُنیا سے اُٹھائیو)

اور سجدہ کی حالت میں دل کے کانوں سے، پہلے آسمان سے کی جانے والی مذکورہ منادی سُن رہا ہو اور زبانِ حال و مقال سے ہر سوال کے جواب میں کہہ رہا ہو:

(۱) اے ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ پروردگار! میں ہوں وہ تجھ سے دُعائیں مانگنے والا محتاج بندہ تو میری ساری دعاؤں کو قبول فرمالے۔

(۲) اے خَيْرَ الْمَسْئُوْلِيْنَ پروردگار! میں ہوں وہ تجھ سے مانگنے والا سائل! تو میری ساری مرادیں پوری کردے۔

(۳) اے غَفَّارَ الذُّنُوْبِ پروردگار! میں ہوں تیرا وہ گناہ بخشوانے والا گنہگار بندہ! تو میرے سارے گناہ بخشدے۔

اور آسمان اوّل سے یہ روح پرور اور سکون آفریں جواب دل کے کانوں سے سن رہا ہو:

یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝	اے راہ اپنے رب کے وعدوں پر اطمینان رکھنے والے نفس (کے مالک
ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ۝	بندے) تو اپنے رب کی طرف خوشی خوشی واپس آ تو پھر میرے (مقرب ترین)
فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝	بندوں میں شامل ہو جیو اور میری جنت میں داخل ہو جیو۔

تو اس مناجات اور اپنے محبوب پروردگار سے راز و نیاز کی باتوں سے وہ اپنے اندر ایسی زبردست روحانی طاقت و قوت کیف و سرور سکون و اطمینان موجود پائے گا کہ اسکی وجہ سے شب بیداری کا جسمانی تعب و مشقت یا ضعف و نقاہت یکسر دور ہو جائے گا اور انتہائی نشاط اور چستی کے ساتھ آنے والی رات میں پھر اپنے محبوب پروردگار سے تنہائی میں ملاقات و مناجات کے لئے صبح سے ہی کمر کس لے گا اور بے چینی سے دن بھر انتظار کی گھڑیاں گنتا رہے گا کہ کب آدھی رات ہو اور کب لقاء حبیب کی یہ سعادت حاصل کروں۔

یہ ہے وہ زیادہ سے زیادہ نفلی عبادت جس پر استقامت سے ہرگز ہرگز کسی بھی قسم کی کوئی بھی مضرت نہیں پہنچ سکتی۔ یہی حال اور نفلی عبادتوں کا بھی ہے۔

(۱) چنانچہ کثرت سے یا بغیر افطار اور سحری کے روزے رکھنے تمام لوگوں کے لئے ممنوع ہیں صرف اسلئے کہ ان پر مدت اُن کے بس کی بات نہیں ہے لیکن فوق العادۃ روحانی قوت کے مالک مقربین بارگاہِ الٰہی نے ہمیشہ بکثرت یا مسلسل روزے رکھے ہیں چنانچہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صوم وصال (بغیر افطار اور سحری کے روزہ) رکھنے سے عام صحابہ کو ممانعت فرمانے کے موقع پر ایک صحابی کے سوال:

فَاِنَّكَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ	تو یا رسول اللہ آپ خود تو بلا سحری اور بغیر افطاری کے روزہ رکھتے ہیں (پھر ہمیں کیوں منع فرماتے ہیں)

کے جواب میں اس نفلی عبادت صوم وصال — کے متعلق اپنے طرز عمل کی وجہ آپ یہ بیان فرماتے ہیں:

قَالَ لَسْتُ كَاَحَدِكُمْ فَاِنَّ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ	آپ نے فرمایا: میں تم میں کسی بھی شخص کی مانند نہیں ہوں اسلئے کہ مجھے تو میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔

روزے کی حالت میں اس کھلانے پلانے کا مطلب یہی ہے کہ روحانی طاقت و قوت، جسمانی قوت کی جگہ لے لیتی ہے اور مسلسل بلا افطار اور بلا سحری کے روزہ رکھنے سے مطلق کمزوری اور نقاہت نہیں ہوتی۔ لہٰذا ایسی روحانی قوت کے مالک حضرات کے لئے زیادہ سے زیادہ روزے رکھنے تقرب الی اللہ کے مدارج میں ترقی اور بلندی کا موجب ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کا معاملہ اپنے ساتھ ذیل کی آیت میں بیان فرمایا ہے:-

وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ	اور وہ رب العالمین جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے
وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ (شعراء ع ۵)	اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے

یعنی روحانی طاقت و قوت غذا اور دوا کا کام کرتی ہے۔

اور یہی مطلب ہے، صحیح بخاری کی ایک حدیث قدسی میں اللہ جل شانہ کے اپنے مقربین خاص اولیاء اللہ کے ساتھ اپنے "معاملہ" کو ذیل کے الفاظ میں بیان فرمانے کا :

وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا الحديث	میرا بندہ برابر نفلوں کے ذریعہ مجھ سے قریب (سے قریب تر) ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں ہی اسکا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں ہی اسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں ہی اسکا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور میں ہی اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔

یعنی تمام جسمانی قوتوں کی جگہ الٰہی قوتیں لے لیتی ہیں وہ آنکھوں سے وہی دیکھتے ہیں جو اللہ جل شانہ دکھانا چاہتا ہے، کانوں سے وہی سنتے ہیں جو اللہ جل شانہ سنانا چاہتا ہے۔ اُن کے ہاتھ اور پاؤں بھی انہی چیزوں کی طرف بڑھتے اور اُٹھتے ہیں جنکی طرف اللہ جل شانہ کی مرضی ہوتی ہے۔ سبحان اللہ کثرتِ عبادت پر استقامت کی معراج! کیا شان ہے!

(۲) یہی حال ہے نفلی مالی عبادت یعنی انفاق مال کا کہ ظاہری اور عمومی حالات کے اعتبار سے تو اتنا مال صدقہ وخیرات کرے کہ اس پر بغیر کسی کی حق تلفی کے مداومت بھی ممکن ہو اور خود محتاج بھی نہ رہ جائے لیکن اعلیٰ درجے کے اللہ جل شانہ پر توکل کرنے والے حضرات عواقب و نتائج سے بے پروا ہو کر اہم اور مناسب مواقع پر اپنی ساری پونجی اللہ جل شانہ کی راہ میں دے سکتے ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں آپ توکل کے باب میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال :

مَا أَبْقَيْتَ لِأَهْلِكَ ؟	تم نے اپنے اہل وعیال کے لئے کیا باقی چھوڑا ہے ؟

کے جواب میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حسب ذیل گذارش پڑھ چکے ہیں۔

فَقَالَ أَبْقَيْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ	تو عرض کیا: اُن کے لئے تو بس اللہ جل شانہ اور رسول ہی کو چھوڑا ہے

حالانکہ عام مسلمانوں کے لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت ہے :

خَيْرُ الصَّدَقَةِ مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى	بہترین صدقہ وہ ہے جسکے بعد انسان غنی رہے۔

نفلی عبادتوں کی کثرت اور استقامت سے متعلق ثمرات و برکات کا یہ بیان جو گلے از گلزارے کے طور پر ایک جملہ معترضہ کی حیثیت سے لکھا گیا یہ بھی محض فرضی باتیں یا خیالی افسانے نہیں ہیں بلکہ ایک طرف صرف شب بیداری کی کیفیت سے متعلق قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیات ہی اسی قسم کے شب بیداری کرنیوالے بندگانِ خدا کے وجود کا ثبوت ہیں دوسری طرف مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ میں بکثرت اس قسم کے شب بیدار اور کثرت عبادت کے شیدائی اولیاء کرام کی ہستیاں ملتی ہیں خود ہمارے امام، امام اعظم ابوحنیفہ کی سیرتِ طیبہ اور پاکیزہ زندگی شاہد ہے کہ برسوں امام صاحب موصوف نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی ہے یعنی ساری رات باوضو عبادت میں مصروف رہے ہیں، لیکن ایسے

عبادت گذار وہی عارفین ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں جو جل جلالہٗ کی گوناگوں شیون الٰہیہ اور جمالی و جلالی صفات پر آفتاب نصف النہار کی طرح یقین و ایمان رکھتے ہیں، عام لوگوں کے بس کا یہ کام نہیں ہے۔

اس طویل بحث کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ عام حالات میں اور عام لوگوں کے لئے تو نفلی عبادتوں پر استقامت کے معنی یہی ہیں کہ اتنی نفلی عبادتیں جو کسی لحاظ سے بھی ناقابلِ برداشت، اور کسی کی بھی حق تلفی کا موجب ہوں اور کسی پہلو سے بھی حد سے متجاوز نہ ہوں اُن پر انتہائی مستقل مزاجی اور پابندی کے ساتھ ساری عمر قائم رہنا اور کبھی بھی اور کسی بھی حالت میں انکو نہ چھوڑنا استقامت ہے اور اگر کسی دن کوئی سی بھی نفلی عبادت چھوٹ جائے تو فرض عبادتوں کی طرح اس کی قضا کرنا ضروری ہے تاکہ چھوڑنے کی عادت نہ پڑے، یہ بھی استقامت میں داخل ہے۔

لیکن مخصوص لوگ، خاص حالات میں، مذکورہ بالا تدبیر یا اہتمام یعنی تدریجی طور پر اضافہ کے ساتھ زیادہ سے زیادہ نفلی عبادتوں پر مداومت کر سکتے ہیں اور نہ غلو ہوگا نہ حد سے تجاوز بلکہ تقرب الی اللہ کا واحد اور بے بدل ذریعہ ہے اور قرآن و حدیث میں بکثرت اسکی ترغیب آئی ہے حتٰی کہ محدثین کرام نے اس موضوع پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور ان میں باثرت احادیث جمع کی ہیں۔

ہاں عام لوگوں کے لئے عام حالات کے اعتبار سے سابقہ مشق و ریاضت کے بغیر نفلی عبادتوں کی کثرت حدِ اعتدال سے خارج بگوناگوں مضرتوں کا موجب اور ممنوع ہے اسی لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی کے ساتھ اس سے روکا ہے مگر ساتھ ہی مذکورہ سابق حدیث کے الفاظ فَاَوْغِلُوْا فِیْہِ بِرِفْقٍ سے خاص لوگوں کو اس کثرتِ عبادت کو آسان اور بے ضرر بنانے کی تدبیر بھی بتلادی ہے۔

قارئین سے معذرت

ہمیں اسکا پورا احساس ہے کہ اہل استقامت خصوصاً نفل عبادتوں پر استقامت کی تشریح و تفصیل کافی دراز ہوگئی اسی لئے قارئین سے ہم معذرت خواہ بھی ہیں لیکن نفلی عبادتوں کی کثرت اور اُس پر استقامت سے متعلق اس طویل بیان پر ہم صرف اس وجہ سے مجبور ہوئے ہیں بلکہ ضرورت کے پیشِ نظر تو نفلی عبادتوں کے فوائد و برکات اور اجر و ثواب — جن پر محدثین نے مستقل کتابیں لکھی ہیں — کے لحاظ سے تو ابھی یہ بیان بالکل ہی تشنہ ہے اور ان شاء اللہ ہم اس کمی کو کتاب ریاض الصالحین کے دوسرے ابواب میں مناسب موقع و محل پر ضرور پورا کرینگے۔

وہ وجہ بلکہ وجوہ یہ ہیں کہ گذشتہ سات ابواب کے تحت دین کے جن اہم اور اساسی موضوعات پر بحث کی گئی ہے خصوصاً مراقبہ، تقویٰ اور توکل وغیرہ کے ملکات کے حصول اور اُن سے استفادہ میں کامیابی و کامرانی کا واحد ذریعہ، ہمہ وقت خوف و خشیتِ الٰہی کو دل میں محفوظ رکھنے کا — جس پر تمام معاصی اور محرمات و منکرات سے بچنے کا مدار ہے — اور تعلق مع اللہ کو قوی سے قوی تر بنانے کا — جو تمام عبادتوں کی روح ہے۔ واحد وسیلہ صرف اور محض زیادہ سے زیادہ نفلی عبادتیں ہیں خواہ وہ نفل نمازیں ہوں یا نفلی روزے، خواہ نفلی صدقات و خیرات ہوں یا نفلی حج اور عمرے، خواہ

تلاوتِ قرآن کریم اوراذکار وادعیہ مسنونہ ہوں یا نبی ﷺ پر درود وسلام یا اَوراد ووظائف سب نفلی عبادتیں ہیں تزکیہ وتطہیرِ نفس، اصلاحِ اعمال واخلاق، یقین وایمان باللہ کی تقویت، تقرب الی اللہ کی سعادت غرض تمام انسانی کمالات کا مدار انہی زیادہ سے زیادہ نفلی عبادتوں کی مداومت پر ہے پھر کیونکر ممکن ہے کہ اُن سے صرف نظر کیا جائے یا روکا جائے۔

خود فرض عبادتوں پر استقامت کیلئے نفل عبادتوں پر استقامت ضروری ہے

علاوہ ازیں علماء دین کے نزدیک یہ مسلّم اور قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ ہر قسم کی فرض عبادتوں کے ساتھ اُسی جیسی تمام نفلی عبادتیں ہر فرض عبادتوں کے لئے مکمل ومتمم ہوتی ہیں مثلاً تمام نفل نمازیں خواہ وہ فرضوں سے پہلے یا بعد کی سنتیں ہوں یا اُن کے علاوہ نفلیں سب فرض نمازوں کے لئے مکمل ہیں، اسی طرح نفلی روزے، فرض روزوں کے لئے، نفلی صدقات وخیرات، زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کے لئے اور نفلی حج اور عمرے حج فرض کے لئے مکمل اور متمم ہیں۔ اس تکمیل وتتمیم کا مطلب یہ ہے کہ فرض عبادتیں مثلاً فرض نمازیں اپنی ظاہری صورت کے اعتبار سے بھی اور باطنی روح۔ اخلاص واحسان اور خشوع وخضوع وغیرہ کے اعتبار سے بھی کتنی ہی احتیاط کے ساتھ ادا کی جائیں پھر بھی ان کا اس معیار پر پورا اترنا جو ﷻ کے ہاں مطلوب ہے، بہت ہی دشوار ہے اسلئے ﷻ اور اُسکی مراد بیان کرنے والے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فرض عبادت کے ساتھ اسی جیسی نفل عبادتوں کا اضافہ فرما دیا ہے تاکہ فرض عبادت کے ادا کرنے میں جو ظاہری یا باطنی کوتاہی یا خامی رہ گئی ہو۔ جس کا یقینی علم صرف ﷻ کو ہی ہے کہ اس کے منشا کے مطابق ادا ہوئی یا نہیں ان نفلی عبادتوں سے اس کی مکافات ہو جائے۔ اسلئے بھی نفلی عبادتوں سے صرف نظر اور استغنا نہیں ہوسکتا بلکہ صرف فرض عبادتوں کے ادا کرنے پر استقامت صحیح معنی میں اس وقت پائی جائیگی جبکہ اُن کی متمم نفلی عبادتوں پر بھی استقامت ہو۔

باقی مذکورہ بالا قسم کی اقتصاد فی العبادت۔ عبادتوں میں اعتدال ــ سے متعلق جتنی احادیث آئی ہیں ان کا منشا نفلی عبادتوں سے یا اُن کی کثرت سے روکنا ہرگز نہیں ہے بلکہ اس بے اعتدالی سے روکنا مطلوب ہے جو سوء تدبیر یعنی بُرے طریق کار کا نتیجہ ہوتی ہے اور بہت سی دینی مضرتوں کا سبب بنتی ہے۔ جس کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔

مگر چونکہ انسان کا نفس انتہا درجہ کام چور ہے خصوصاً عبادات اور اُنکی پابندی سے تو اُسکی جان نکلتی ہے، بڑے ہی دینداری کے دباؤ سے اگر آمادہ بھی ہوتا ہے تو صرف فرض عبادتوں کے ادا کرنے پر، اور نفلی عبادتوں سے جان بچانے کیلئے نبی رحمت ﷺ کی اُن احادیث کا سہارا لیتا ہے جن میں آپ نے عام مسلمانوں کو عام حالات میں غلو یعنی حد سے تجاوز کرنے سے منع فرمایا ہے۔ جن میں سے کچھ حدیثیں آپ پڑھ چکے ہیں، حالانکہ یہ محض نفس کا زبردست دھوکا اور فریب ہے یہ مکار انسان کو دینی اور دنیوی سعادتوں سے محروم کرنے کی غرض سے نبی رحمت ﷺ کی حدیثوں کا غلط اور بے جا استعمال کرتا ہے ﷻ اپنی رحمت سے اس نفس کے شر سے محفوظ رکھیں۔ آپ بھی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ

پڑھا کیجئے تو انشاء اللہ اس چھپے ہوئے دشمن کے شر سے محفوظ رہیں گے۔

یہ ہے وہ وجہ جس کی بنا پر ہم نفلی عبادتوں کی کثرت اور اس پر استقامت کی اہمیت، ضرورت اور شرعاً پسندیدگی کو واضح کرنے پر مجبور ہوئے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

(۳) معاملات اور احکام پر استقامت۔

شریعت کی اصطلاح میں "معاملات" کا لفظ عبادات کے علاوہ بقیہ امور زندگی کے لئے اور ان سے متعلق احکام خدا و رسول کے لئے "احکام" کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے خواہ یہ امور، نکاح و طلاق وغیرہ عائلی امور ہوں خواہ بیع و شرا۔ خرید و فروخت۔ قرض و رہن وغیرہ تجارتی اور کاروباری امور ہوں خواہ حدود قصاص۔ جرم و سزا۔ وغیرہ اجتماعی امور ہوں خواہ رحم و کرم، شجاعت و سخاوت وغیرہ اخلاقی امور ہوں شریعت کی اصطلاح میں یہ تمام امور "معاملات" کہلاتے ہیں۔

یہ تمام شرعی احکام۔ قرآن و حدیث یا ان سے نکلے ہوئے علم فقہ کے اعتبار سے دو قسم کے ہیں۔

(۱) ایک مامورات وہ امور جن کے کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔

(۲) منہیات وہ امور جن کے کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے۔

ان مامورات و منہیات پر استقامت کے معنی یہ ہیں:

(۱) کہ جن امور کا شریعت نے حکم دیا ہے عمر کے ہر حصہ میں انتہائی پابندی اور مستقل مزاجی کے ساتھ مرتے دم تک ان پر کاربند رہے بجز ان صورتوں یا حالات کے جن میں خود شریعت نے ترک کرنے کی اجازت دی ہے کبھی نہ چھوڑے۔ اگر کبھی کوئی مامور بہ امر چھوٹ جائے تو فوراً اس پر توبہ و استغفار کرے اور آئندہ ترک نہ کرنے کا عہد بھی اسلئے کہ ترک مامور بہ ۔۔۔ جس امر کا شریعت نے حکم دیا ہے اسکو نہ کرنا ۔۔۔ معصیت ہے اور گناہ کبیرہ۔

(۲) اور منہیات پر استقامت کے معنی یہ ہیں کہ جن امور سے منع فرمایا ہے عمر کے کسی بھی حصہ میں کبھی بھی اور کسی بھی حالت میں ان کے پاس نہ جائے بجز ان صورتوں یا حالتوں کے جن میں خود شریعت نے ان کی اجازت دی ہے ہمیشہ ان سے دور اور مجتنب رہے، ۔۔۔ بلکہ ورع اور تقویٰ کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ان حالات اور صورتوں میں بھی ان سے احتراز کرے ۔۔۔ اور اگر کبھی نادانستہ یا دانستہ طور پر اس کام کو کر بیٹھے تو فوراً اس پر توبہ و استغفار کرے اور آئندہ کبھی نہ کرنے کا عہد بھی اسلئے کہ حرام کام کرنا زبردست گناہ اور معصیت ہے۔

احکام شرعیہ کے لحاظ سے مامورات و منہیات کی قسمیں اور استقامت کے لحاظ سے ان میں فرق۔

احکام شرعیہ کے لحاظ سے اصولاً مامورات کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک فرض یا واجب ان کو اصطلاح میں فرائض کہا جاتا ہے (۲) دوسرے سنت یا مندوب (مستحب)۔

اسی طرح منہیات کی دو قسمیں ہیں (۱) ایک حرام یا مکروہ تحریمی، انہی کو اصطلاح میں محرمات کہا جاتا ہے (۲) دوسرے

مکروہ تنزیہی، یا خلاف اولیٰ۔

ان احکام پر عمل کرنے یا نہ کرنے پر یعنے استقامت کے اعتبار سے بھی فرق مراتب ہے۔

(۱) فرض یا واجب کا ترک کرنا معصیت اور گناہ کبیرہ ہے اگر توبہ نہ کرے تو آخرت میں عذاب کا مستحق ہے

(۲) سنت کا ترک کرنا معصیت ہے، نہ گناہ، ہاں سنت کے ترک پر اگر مداومت کرے یعنی ہمیشہ سنت کو ترک کیا اور توبہ نہ کی تو آخرت میں ترک سنت کا عذاب ہوگا علاوہ ازیں ترک سنت پر شافع محشر ﷺ کی ناراضگی اور شفاعت سے محرومی کا خطرہ ہے جس سے بڑھ کر ایک ایماندار امتی کے لئے اور کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح (۱) امر حرام یا مکروہ تحریمی سے بچنا فرض ہے اگر اسکا ارتکاب کر لیا اور توبہ نہ کی تو آخرت میں عذاب کا مستحق ہے۔

(۲) مکروہ یا خلاف اولیٰ امر کا ارتکاب کرنا نہ گناہ ہے نہ معصیت مگر اسکے نہ کرنے کے ثواب سے ضرور محروم رہیگا ہاں اگر وہ محرمات کے محرکات اور دواعی میں سے ہو تو ضرور معصیت اور گناہ ہوگا۔

ان امور و احکام پر مداومت یعنی استقامت کے اعتبار سے بھی فرق مراتب پیش نظر رکھنا ضروری ہے مثلاً فرائض اور واجبات کی پابندی سب سے مقدم ہے سنت اور مستحب کا درجہ اسکے بعد ہے یعنی ایسا ہرگز نہ کرے کہ سنت یا مستحب پر عمل کرنے کے لئے فرض یا واجب کو چھوڑ دے کہ یہ معصیت اور گناہ کبیرہ ہے ہاں فرض یا واجب پر عمل کرنے سے اگر سنت یا مستحب چھوٹ جاتے تو اس میں چنداں حرج نہیں مگر استقامت کے خلاف ضرور ہے اسلئے حتی الامکان ایسا موقع ہی نہ آنے دے کہ فرض یا واجب پر عمل کرنے کے لئے سنت یا مستحب کو چھوڑنا پڑے۔

اسی طرح حرام یا مکروہ تحریمی سے بچنا سب سے مقدم ہے مکروہ یا خلاف اولیٰ کا درجہ اسکے بعد ہے ایسا ہرگز نہ کرے کہ مکروہ یا خلاف اولیٰ امر سے بچنے کے لئے کسی امر حرام یا مکروہ تحریمی کا ارتکاب کر بیٹھے کہ یہ معصیت اور گناہ کبیرہ ہے ہاں حرام یا مکروہ تحریمی امر سے بچنے کی غرض سے اگر کسی مکروہ تنزیہی یا خلاف اولیٰ امر کا ارتکاب کرے تو اس میں چنداں حرج نہیں مگر استقامت کے ضرور خلاف ہے، اسلئے ایسی صورت ہی نہ پیدا ہونے دے کہ امر حرام یا مکروہ تحریمی سے بچنے کے لئے کسی مکروہ یا خلاف اولیٰ امر کا ارتکاب کرنا پڑے بلکہ دونوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

مختصر یہ ہے کہ ان امور پر استقامت میں فرق مراتب کا خیال رکھنا ضروری ہے بقیہ تفصیلات کتب فقہ میں دیکھئے۔

جی تو چاہتا تھا کہ قارئین کی آسانی کے لئے ہر ایک کی مثال بھی دی جاتی مگر یہ استقامت کا مضمون اتنا طویل ہو گیا کہ ہم اختصار پر مجبور رہیں۔

اِستقامت سے متعلق آیات

حق تعالیٰ اپنے محبوب نبی خاتم انبیاء ﷺ کو خطاب کرکے اُن کو اور اُنکی پیروی کرنے والوں کو استقامت کا حکم دیتے ہیں ارشاد ہے :۔

(۱) فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (هود ۱۱۲)

(۱) پس جیسے تمہیں حکم دیا گیا ہے (سختی کے ساتھ) سیدھی راہ پر قائم رہو اور وہ (مسلمان) بھی جنہوں نے (کفر و عصیان سے) توبہ کرلی ہے، تمہارے ساتھ (رہیں) اور (اس سے) اِدھر اُدھر نہ ہٹو بیشک وہ (اللہ) جو تم کرتے ہو اُسے خوب اچھی طرح دیکھتا ہے (اس پر تمہاری بے راہ روی مخفی نہ رہیگی)

استقامت کا یہ حکم ذیل کی آیت کریمہ اور اسکے علاوہ متعدد آیات میں دیا گیا ہے ارشاد ہے :۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (الجاثیہ ۲۴)

پھر ہم نے تمہیں دین کی ایک (خاص) شریعت پر قائم کیا ہے پس تم اسی کی پیروی کرو اور ان لوگوں کے کہے میں مت آؤ جو نہیں جانتے (کہ خدا پرستی کیا ہے)

اس شریعت اور سیدھی راہ کا نام ہی صراطِ مستقیم ہے جس پر آپ کے قائم رہنے کی شہادت ذیل کی آیت کریمہ میں دی ہے ارشاد ہے :

إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (یٰسٓ) بیشک تم بھیجے ہوئے نبیوں میں سے ہو سیدھی راہ پر قائم ہو

اسی صراطِ مستقیم کو ذیل کی آیت کریمہ میں "اپنا راستہ" قرار دیا ہے اور مسلمانوں کو اسکی پیروی کرنے اور اس پر چلنے کا حکم دیا ہے ارشاد ہے :

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ (انعام ۱۵۳) اور بیشک یہی میرا سیدھا راستہ ہے پس تم اسکی پیروی کرو

اسی صراطِ مستقیم پر چلانے کی دعا ہر نمازی ہر نماز کی ہر رکعت میں ارحم الرحمین رب العالمین سے مانگتا ہے اس لئے کہ اُس کی توفیق کے بغیر اس پر چلنا ممکن نہیں سورۃ فاتحہ میں تعلیم ہے :

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (اے رحمٰن و رحیم رب العالمین) تو ہمیں سیدھی راہ چلا۔

ذیل کی آیت کریمہ میں خاتم انبیاء ﷺ کو دین الٰہی اسلام کی ساری دنیا کو دعوت دینے اور امر الٰہی کے مطابق پختگی کے ساتھ اس پر قائم رہنے اور مخالفین کی پرواہ نہ کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ ارشاد ہے :

(۲) فَلِذَٰلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ ۔ (۲) پس تم اسی (دین الٰہی کی پیروی) کی طرف (لوگوں کو) بلاؤ اور جیسے

كَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ (شوریٰ ع ۲) — تمہیں حکم دیا گیا ہے پختگی کے ساتھ اسیدھی راہ چلتے رہو اور ان (کفار و مشرکین) کی خواہشات کی پرواہ مت کرو۔

ذیل کی آیتِ کریمہ میں مسلمانوں کو غیر اللہ سے منہ موڑ کر اللہ کی وحدانیت کے عقیدہ پر ساری زندگی پختگی کے ساتھ قائم رہنے اور اس سے اپنی خطاؤں، گناہوں اور نافرمانیوں کی مغفرت چاہتے رہنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

(۳) فَاسْتَقِيمُوٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ — (۳) پس تم (اے مسلمانوں) اس (اللہ) کی طرف ہی سیدھی راہ چلتے رہو اور (اپنی کوتاہیوں کی) اس سے مغفرت چاہتے رہو۔

ذیل کی آیتِ کریمہ میں سبحانہٗ کی ربوبیت کے عقیدہ پر ساری زندگی قائم رہنے کے عظیم اخروی ثمرات یعنے نعیم جنت کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے:

(۴) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ (حم السجدۃ ع ۴)

(۴) بیشک جن لوگوں نے (دل سے مان لیا اور زبان سے) کہا ہمارا پروردگار (خالق و مالک) اللہ ہے، پھر (ساری زندگی سختی کے ساتھ (اسی پر) قائم رہے (اور اسی پر مرے) تو ان پر (اللہ کی جانب سے مرتے وقت) فرشتے اترتے (اور خوشخبری دیتے) ہیں کہ تم (کسی بات سے) ڈرو اور نہ (کسی چیز کا) غم کرو اور (اب) اس جنت کی خوشخبری ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا (اور یاد رکھو) ہم ہی تمہارے ولی (کفیل) ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور اس (جنت) میں تمہارے ہی لئے ہے جس چیز کو بھی تمہارا دل چاہے اور تمہارے ہی لئے ہے جو تم (خدام جنت سے) منگواؤ (یہ تمہاری) مہمانی ہے بہت بخشنے والے بڑے ہی مہربان (رب) کی جانب سے۔

ذیل کی آیتِ کریمہ میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ ربوبیت کے عقیدے پر استقامت کا لازمی نتیجہ ہے دین کے احکام پر پابندی کے ساتھ قائم رہنا تب ہی انسان نعیم جنت کا مستحق ہوتا ہے ارشاد ہے:

(۵) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (الاحقاف ع ۲)

(۵) بیشک جن لوگوں نے (دل سے مان لیا اور زبان سے) کہا: ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر (ساری زندگی اس پر) سختی کے ساتھ قائم رہے تو نہ اُن پر کوئی خوف ہے، اور نہ ہی وہ غم کرینگے (اسلئے کہ) وہی لوگ ہیں جنت والے وہ ہی ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہینگے جو وہ (زندگی میں) نیک کام کرتے رہے یہ انکی جزا ہے

تشریح!

آیات پر تبصرہ

(۱) پہلی اور دوسری آیت میں لفظ استقامت پورے دین پر۔ جس کا نام صراطِ مستقیم ہے سختی کے ساتھ اس طرح قائم رہنے میں استعمال ہوا ہے کہ نہ کبھی از خود اس سے ہٹے اور نہ کسی کے کہنے میں آکر اس سے ہٹے۔ یہی ثابت قدمی اور پختگی استقامت کے اصلی معنی ہیں۔

(۲) تیسری آیت میں استقیموا کے ساتھ الیہ کا اضافہ ظاہر کرتا ہے کہ اس استقامت سے عقائد حقہ۔ توحید، رسالت، آخرت اور تقدیر وغیرہ۔ کے یقین و ایمان پر استقامت مراد ہے جس کا لازمی نتیجہ اور اثر اعمال، عبادات و احکام دینیہ۔ پر استقامت ہے اور اس میں جو کوتاہی ہو جسکا ہونا ناگزیر ہے۔ اسکی خدا سے مغفرت طلب کرتے رہنے کا حکم دیا ہے کہ یہ بھی استقامت میں داخل ہے۔

(۳) چوتھی اور پانچویں آیت میں استقامت سے اللہ جل شانہ کی عظیم جمالی صفت ربوبیت پر کامل یقین اور پختہ ایمان پر استقامت مراد ہے جسکا لازمی نتیجہ بلکہ ثبوت عبادات و احکام شرعیہ پر استقامت ہے اگر عبادات و طاعات پر استقامت نہ ہو تو یہ ربوبیت پر ضعف ایمان و یقین کی دلیل ہے اور اگر عبادات و طاعات پر عمل بالکل ہی نہ ہو تو یہ تو ربوبیت پر ایمان و یقین العیاذ باللہ بالکل ہی نہ ہونے کی علامت ہے اسی لئے دوسری آیت میں تصریح فرمادی کہ یہ عظیم کامرانی یعنی جنت کی ابدی نعمتیں اعمال صالحہ کی جزا ہے جو اللہ جل شانہ کی ربوبیت پر استقامت کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔

اللہ جل شانہ کی صفت ربوبیت

ربوبیت کا لفظ رب سے ماخوذ ہے جسکے معنی ہیں رب ہونا۔ رب کے لفظی معنی تو اگرچہ پالنے والے یا مالک کے ہیں مگر بغیر اضافت کے یعنی تنہا رب کا لفظ اللہ جل شانہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے اور اسی کے ساتھ مخصوص ہے اسی طرح ربوبیت بھی اللہ جل شانہ ہی کی صفاتِ خاصہ میں سے ہے کسی بھی دوسرے پرورش کرنے والے کو نہ رب کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی پرورش کو ربوبیت بلکہ اللہ جل شانہ کے سوا پرورش کرنے والے کو "مربی" کہتے ہیں اور اسکی پرورش کو "تربیت" کہتے ہیں۔

اللہ جل شانہ کی صفاتِ جمالیہ میں ربوبیت ایک ایسی بدیہی اور محسوس کی جانے والی صفت اور ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ انسان چاہے زبان سے اقرار نہ کرے مگر اپنی پوری زندگی میں اسکی کارفرمائی کو محسوس و مشاہدہ ضرور کرتا ہے۔ پیدا ہونے سے پہلے سے لے کر مرتے دم تک ہر حالت میں اور ہر حصہ عمر میں اسکی تمام ضروریات زندگی۔ اسکی خدا فراموشی بلکہ خدا ناشناسی کے باوجود۔ اس طرح پوری ہوتی ہیں اور زندگی کو تباہ کردینے والی آفات و مصائب سے اسکی حفاظت اس طرح ہوتی ہے کہ بہت سے مواقع پر تو بڑے سے بڑے خدا کے منکر اور خدا دشمن انسان کی زبان سے بھی بے ساختہ نکلتا ہے کہ: بس قدرت نے ہی بچالیا ورنہ تو بچنا بالکل محال تھا۔

نظامِ اسباب اور اسکی حقیقت

اس اجمال کی تفصیل اور دعوے کا ثبوت یہ ہے کہ اگرچہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ خالقِ کائنات نے اس دنیا کو عالمِ اسباب بنایا ہے وہ جس بندہ کو جو کچھ بھی دیتا ہے اسباب و وسائل اور انسانی تدبیر و تصرف کے ذریعہ دیتا ہے مثلاً بچہ کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اسکی ماں کی چھاتیوں میں دودھ پیدا کر دیتا ہے پیدا ہوتے ہی وہ سب سے پہلے ماں کا دودھ پیتا ہے جو اسکے لئے غذا اور پانی دونوں کا کام دیتا ہے نیز ماں باپ کے دلوں میں ایک ایسا زبردست طبعی اور فطری جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ وہ اولاد کے خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی عمر کو پہنچنے تک بغیر کسی کے کہے سنے اور بتلائے اولاد کی غذا، لباس، دوا علاج وغیرہ ضروریات کی اس طرح کفالت کرتے ہیں کہ اپنی ذات اور اسکی ضروریات تک بھول جاتے ہیں اسکے بعد کسبِ ہنر یا تحصیل علم و فن کے لئے بھی اسباب و وسائل معلمین اور درسگاہیں مقرر فرما دیتے ہیں کہ ان کو سیکھ کر یا حاصل کر کے وہ نہ صرف اپنی ضروریات بلکہ آئندہ پیدا ہونے والی اولاد کی بھی ضروریات پوری کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ یہ نظامِ اسباب و وسائل اتنا پختہ اور محکم ہے کہ عام طور پر کبھی اسکے خلاف نہیں ہوتا لیکن اسی کے ساتھ ساتھ خالقِ کائنات ﷻ، خدا ناشناس انسانوں کو اس حقیقت کا مشاہدہ کرانے کی غرض سے اگر یہ تمام اسباب و وسائل بذاتِ خود تاثیر منفعت یا مضرت رسانی سے بالکل عاری ہیں ان پر تمامتر نتائج منفعت و مضرت۔ ہم مرتب کرتے ہیں) وقتاً فوقتاً اس نظامِ اسباب و وسائل کو بالکل معطل اور ناکارہ بناتے اور نتائج و اثرات سے بالکل محروم کرتے رہتے ہیں اور اپنی غیر مرئی قدرت اور ہمہ گیر تصرف کے کرشمے دکھلاتے رہتے ہیں۔

چنانچہ ہر انسان کی زندگی میں بکثرت ایسے مرحلے پیش آتے ہیں کہ قطعی اور یقینی اسباب و وسائل موجود اور انسانی تدبیر کارفرما و مصروفِ کار ہونے کے باوجود متوقع نتائج ان پر مرتب نہیں ہوتے اور کام نہیں ہوتے اور ایسے مواقع بھی بکثرت پیش آتے ہیں کہ اسباب و وسائل یکسر مفقود ہوتے ہیں اور مطلوبہ فوائد و منافع میسر آجاتے ہیں کام ہونے کی اُمید بالکل نہیں ہوتی اس کے باوجود کام بن جاتے ہیں۔ بڑے سے بڑا مدبر و مفکر انسان بھی سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے اور حیران ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہوتا ہے کہ خدا ہی جانے کیسے اور کیونکر یہ کام ہو گیا یا ہوتا ہے مثلاً ڈاکٹر کسی مہلک مرض کے علاج کی غرض سے ماں یا باپ کا ایسا اپریشن کرتے ہیں کہ اسکے بعد ان کا اولاد پیدا کرنے کے قابل رہنا ناممکن ہوتا ہے اور وہ فیصلہ کر دیتے ہیں کہ ساری عمر ان سے اولاد نہ ہوگی مگر ان کے صحتیاب ہو جانے کے بعد اولاد پیدا ہونے لگتی ہے، اسی طرح ڈاکٹر اولاد کے خواہشمند جوڑے کا طبی معائنہ کرنے کے بعد ان کے اولاد پیدا کرنے کے قابل ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیتے ہیں اور سرٹیفکیٹ دے دیتے ہیں میاں بیوی بھی تمامتر تدبیریں اور علاج معالجہ کرتے کرتے عاجز آجاتے ہیں مگر ساری عمر نہ حمل ٹھیرتا ہے نہ اولاد ہوتی ہے۔ یا مثلاً آجکل ضبط تولید کی غیر فطری وبا پھیلی ہوئی ہے بیشتر ملکوں کی حکومتیں سر توڑ تدبیریں اور کوششیں کر رہی ہیں، سائنسدان ایک سے ایک بڑھکر قاطعِ نسل اپریشن، انجکشن اور مانع حمل دوائیں ایجاد کر رہے ہیں اور خدا ناشناس قومیں بھی افزائش نسل کو — جو جل جلالہ

کا علیم الہام ہے ۔ روکنے کے لئے انہیں استعمال کر رہی ہیں مگر اسکے باوجود بکثرت ایسی مثالیں سننے اور دیکھنے میں آتی ہیں کہ سارے انجکشن لگوا لینے اور دوائیں استعمال کر لینے کے باوجود اولاد ہوتی ہے اور ہوتی رہی ہے یہی نہیں بلکہ جل شانہ ان سر پھرے انسانوں اور اُن کی تدبیروں کو ذلیل و خوار کرنے کی غرض سے ایک ایک عورت سے بیک وقت چھ چھ بچے پیدا فرما رہے ہیں ۔

اسی طرح انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں دیکھ جائیے اس نظامِ اسباب اور انسانی تدابیر کے ناکام اور ناکارہ ثابت کرنے والے صدہا واقعات و مشاہدات آپ کو ملیں گے یعنی کامیابی منفعت رسانی یا مضرت رسانی کے اسباب و وسائل اور انسانی تدبیریں اور کوششیں قطعاً موجود نہ ہونے کے باوجود خاطر خواہ نتائج منفعتیں میسر آنے کے، اور تمام تر اسباب و وسائل موجود اور انسانی تدبیریں اور کوششیں مصروفِ کار ہونے کے باوجود نتائج میں قطعاً کامیابی میسر نہ آنے کے واقعات و مشاہدات انسانی زندگی میں ہر قدم پر اتنی کثرت سے پیش آتے رہتے ہیں کہ انکو دیکھ کر انسان اسباب و وسائل کے پس پردہ کسی غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) طاقت یعنی نظامِ اسباب سے بالاتر اور اس پر کنٹرول کرنے والی طاقت کے وجود کا کسی نہ کسی عنوان سے اقرار کرنے پر مجبور ہوتا ہے اب جس کی قسمت میں سعادت لکھی ہوتی ہے وہ تو انہی گوناگوں واقعات کی روشنی میں اسباب و وسائل کی حقیقت کو سمجھ کر اس عالمِ اسباب سے بالاتر اور تمام عالمِ اسباب میں متصرف طاقت یعنی جل شانہ پر ایمان لے آتا ہے اور اس تمام نظامِ اسباب و وسائل کے پس پردہ خالقِ کائنات کی ربوبیت کو کارفرما اور جلوہ گر محسوس کرنے لگتا ہے اور جو شقی ازلی ہوتے ہیں وہ اس قسم کے بے شمار واقعات کو "اتفاقات" کہہ کر ٹالدیتے ہیں۔ اور خدا کے انکار پر اڑے رہتے ہیں مگر اس قسم کے منکرین کی تعداد انسانوں کی دنیا میں نہ ہونے کے برابر ہے، نوعِ انسانی کے اکثر و بیشتر بلکہ تمام تر افراد و اقوام اس نظامِ اسباب کو کنٹرول کرنے والی اور متصرف طاقت کو کسی نہ کسی عنوان سے تسلیم ضرور کرتے ہیں مگر بدقسمتی سے یہ نظامِ اسباب کا دبیز پردہ اس خدائی طاقت اور اسکے نظامِ ربوبیت کو آباد دنیا کی اکثر و بیشتر اقوام و افراد کی عقل و بصیرت کو ایمان کی روشنی سے محروم رکھتا ہے اور وہ رب العالمین پر ایمان لانے کی سعادت سے محروم ہیں۔

ہم اس نظامِ اسباب کے بذاتِ خود تاثیر اور نتیجہ سے عاری ہونے کے سلسلہ میں اس ایک ہی مثال پر اکتفا کرتے ہیں اور سورۃ الواقعہ کی مذکورہ ذیل آیات اور انکا ترجمہ نقل کرتے ہیں جو انسانی زندگی اور اسکی حوائج کے بنیادی اسباب و وسائل ۔ پیدائش، پرورش، روزی اور موت کے بیان پر حاوی ہے: ارشاد ہے:

(۱) أَفَرَأَيْتُم مَّا تُمْنُونَ ءَأَنتُمْ تَخْلُقُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ عَلَىٰٓ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِى مَا لَا تَعْلَمُونَ ۔	(۱) ذرا تم یہ تو بتلاؤ: یہ جو تم چند قطرے (رحم میں) ٹپکا دیتے ہو تو کیا تم اسکو (انسان بناکر) پیدا کرتے ہو: یا ہم ہیں اسکو (انسان بنانے اور) پیدا کرنے والے: (پھر بھی تم ہمارے قبضہ سے باہر نہیں ہو جاتے بلکہ) ہم ہی نے تمہارے درمیان موت کا وقت بھی مقرر کر دیا ہے (اس سے ہرگز نہیں بچ سکتے) اور ہم اس سے بھی عاجز نہیں ہیں کہ (تمہارے بجائے)

تم ہی جیسے اور لوگ بدل دیں اور تم کو ایسی مخلوق بنادیں جس کو تم جانتے بھی نہیں (جو تمہارے وہم و گمان میں بھی نہ ہو)

(۲) أَفَرَأَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ؛ لَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَاهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ إِنَّا لَمُغْرَمُونَ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ۔

(۲) اور ہاں ذرا یہ تو بتلاؤ (تم جو زمین میں) بیج ڈال دیا کرتے ہو تو کیا اسکو اگانے والے تم ہو یا ہم ہیں اسکو بونے اور اگانے والے؛ اگر ہم چاہیں تو اس (ساری اُگی اُگائی کھیتی) کو روندڈالیں پھر تم باتیں بناتے پھرو کہ (ہائے) ہم تو گھاٹے میں آگئے بلکہ ہم تو بالکل ہی لٹ گئے۔

(۳) أَفَرَأَيْتُمُ الْمَاءَ الَّذِي تَشْرَبُونَ ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ الْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ الْمُنزِلُونَ؛ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ۔

(۳) اچھا ذرا یہ تو بتلاؤ: یہ جو (میٹھا) پانی تم پیتے ہو کیا تم اسکو بادلوں سے اتارتے ہو یا ہم ہیں اسکے اتارنے والے؛ اگر ہم چاہیں تو اس کو (سمندر کے پانی کی طرح) کھارا بنادیں (اور تم پیاسے مرجاؤ) پھر تم (ہمارا) شکر کیوں نہیں ادا کرتے۔

(۴) أَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِي تُورُونَ ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَا أَمْ نَحْنُ الْمُنشِئُونَ؛ نَحْنُ جَعَلْنَاهَا تَذْكِرَةً وَمَتَاعًا لِّلْمُقْوِينَ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ

(الواقعہ ع ۲)

(۴) اور یہ تو بتلاؤ کہ یہ جو آگ تم (لکڑیوں سے) سلگاتے ہو کیا تم نے ان کے درختوں کو (سوختنی) بنایا ہے یا ہم ہیں انکو سوختنی بنانے والے؛ ہم نے اس (لکڑیوں کی) آگ کو اپنی قدرت کی یاد دلانے والی (خاص طور پر بیابانوں میں) سفر کرنے والوں کے فائدہ کی چیز بنایا ہے۔ پس (اور کوئی نہیں مانتا تو نہ مانے) تم تو اپنے عظیم پروردگار کی تسبیح کیا کرو۔

انسانی زندگی کے ان چاروں بنیادی اسباب و وسائل میں سے ہر ایک کی پوری تفصیلات و جزئیات قرآن کریم میں متعدد آیات کے اندر بیان فرمائی ہیں جن کے بیان کرنے کے لئے مستقل دفتر درکار ہے، حاصل ان سب کا یہ ہے کہ یہ ظاہری اسباب و وسائل اور انسانی تدبیریں اور کوششیں جن کو تم نے اپنی نادانی اور حقیقت ناشناسی کی بنا پر اپنی ضروریاتِ زندگی اور حاجتوں کا پورا کرنے والا سمجھ رکھا ہے یہ بذاتِ خود کچھ نہیں کرسکتے تمہیں جو کچھ یہ کرتے نظر آتے ہیں درحقیقت وہ سب کچھ ہم کرتے ہیں چونکہ تمہیں ہماری کارفرمائی نظر نہیں آتی اسلئے تم اسکو اُن کی کارگذاری سمجھ بیٹھے بالکل اسی طرح جیسے لکھنے والے کے ہاتھ میں قلم ہوتا ہے اب کوئی عقل کا دشمن کاغذ پر قلم کی نوک سے حروف بنتے ہوئے دیکھ کر یہ کہہ دے کہ یہ تحریر قلم نے لکھی ہے تو یہ اسکی نادانی ہے یا حماقت اسی طرح ان اسباب و وسائل اور انسانی تدابیر و مساعی کے ذریعہ ظہور میں آنے والی منفعتوں یا مسرتوں کو یہ سمجھ بیٹھو کہ یہی ہیں انسان کو مسرت یا منفعت پہنچانے والے اور ہماری ضروریاتِ زندگی بہم پہنچانے والے، تو یہ تمہاری جہالت اور نادانی ہے یا غفلت و بے حسی، اسی کا پردہ چاک کرنے اور اپنی کارفرمائی کو منظرِ عام پر لانے کے لئے ہم وقتاً فوقتاً ان اسباب و وسائل کو معطل اور انسانی تدابیر و مساعی کو بے نتیجہ بناتے رہتے ہیں۔

بہر حال اس حقیقت کو سچے دل سے مان لینے کے بعد ۔ کہ یہ دنیوی اسباب و وسائل اور انسانی تدبیریں تاثیر سے یکسر عاری ہیں اُن پر جو نتائج و ثمرات مرتب ہوتے نظر آتے ہیں درحقیقت ان کا مرتب کرنے والا قادر مطلق، مالک الملک جل شانہٗ ہے ۔ انسان کے لئے اس حقیقت کا اعتراف کرنا اور اس پر ایمان لانا از بس ضروری اور ناگزیر ہو جاتا ہے کہ پیدا ہونے سے لے کر مرتے دم تک انسان کی تمام ضروریاتِ زندگی ۔۔ پیدائش، پرورش، روزی، صحت، شفا اور عمر طبعی کو پہنچنے کے بعد موت ۔۔ کے اسباب و وسائل کو حقیقی معنی میں مہیا کرنے والا اور حاجتوں کو پورا کرنے والا۔ یعنی انسان کی "پرورش کرنے والا" صرف جل شانہٗ ہے نہ کہ یہ اسباب و وسائل، انسانی تدابیر اور دنیوی پرورش کرنے والے ماں باپ وغیرہ جنکے ذریعہ بظاہر اسکی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور وہ پرورش پاتا ہے ۔ یہی مطلب ہے آیت کریمہ ذیل کا ارشاد ہے :

وَاٰتَاكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ	اور جو تم نے مانگا اللہ نے وہ تم کو دیا اور اگر تم اللہ کی
تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ	ان نعمتوں کو شمار کرنے بیٹھو تو تم ان کو شمار تک نہیں کر سکتے۔
الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ (ابراہیم ع ۵)	بیشک انسان بڑا ہی نا انصاف (اور) بڑا ہی ناشکرا (واقع ہوا) ہے

یعنی تمہاری ہر ا[illegible] ت اور حاجت کو، جو تمہاری زندگی کا مطالبہ اور مصلحت کا تقاضہ بھی اور ہے جل شانہٗ نے کو پور[illegible] ور رہا ہے اور وہ تمہاری ضرورتیں اور حاجتیں جن کو جل شانہٗ پورا کرتا ہے اتنی ہیں کہ تم ان کو گن بھی نہیں سکتے، مگر تم اتنے نا انصاف اور ناشکرے واقع ہوئے ہو کہ کبھی مان کر نہیں دیتے، بلکہ جل شانہٗ کے بجائے اُن ظاہری ضرورتوں کے کفالت کرنے والے انسانوں کا نام لیتے ہو حالانکہ نہ یہ کچھ کرتے ہیں نہ کر سکتے ہیں ۔

ربوبیت کی حقیقت اور اسکی اہمیت

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں ربوبیت کا لفظ رب سے نکلا ہے رب کے لغوی معنی ہیں "پالنے والا پرورش کرنے والا" پرورش کے معنی ہیں "کسی بھی مخلوق (پیدا شدہ چیز) کو تدریجی طور پر اسکے خلقی اور پیدائشی نقص اور پستی سے نکال کر اُس فطری کمال اور بلندی تک پہنچانا جس کی صلاحیت و اہلیت اس کی ذات میں رکھی ہوتی ہے ۔ اس بڑھوتری اور ترقی کو ہی "نشو و نما" کہتے ہیں ۔ جو مخلوق چیزیں محض مادی ۔ غیر ذی عقل ہوتی ہیں ۔ جیسے نباتات و حیوانات ان کے نشو و نما کے لئے تو صالح یعنی جزوِ بدن بننے کے قابل مادی غذاؤں کا مہیا کرنا کافی ہوتا ہے اور جو مخلوق چیزیں مادی بھی ہیں اور رُوحانی بھی ۔۔ جیسے انسان جس کی پرورش اس وقت ہمارا موضوع بحث ہے ۔۔ ان کی پرورش کے لئے جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی صالح غذاؤں کا بہم پہنچانا اور مہیا کرنا نیز فاسد ۔۔ نشو و نما کو نقصان پہنچانے والی ۔۔ غذاؤں سے بچانا اور محفوظ رکھنا، پرورش کرنے والے کا اولین فرض ہوتا ہے ۔ نیز اس نشو و نما کو ضرر پہنچانے اور فطری کمال سے محروم کرنے والی بہت سی خارجی اور داخلی اندرونی اور بیرونی مادی اور رُوحانی چیزیں ہوتی ہیں جن سے زیر پرورش مخلوق کو دُور اور محفوظ رکھنا اور اگر غفلت یا

بے احتیاطی کی وجہ سے کوئی جسمانی یا روحانی نقصان پہنچ جائے تو اسکے ازالہ کی تدبیر یعنی جسمانی یا روحانی علاج معالجہ کرنا بھی پرورش کرنے والے کے ذمہ ہوتا ہے اور اگر وہ زیرِ پرورش مخلوق ذی شعور اور اپنے ارادہ اور اختیار سے نقل و حرکت کی اہلیت بھی رکھتی ہو تو اسکی تمام حرکات و سکنات نشست و برخاست اخلاق و اعمال اور اقوال و افعال کی کڑی نگرانی کرنا بھی پرورش کرنے والے کا کام ہوتا ہے۔ نیز اسکی مصالح زندگی اور ظاہری و باطنی مفادات سے متعلق ضروری ہدایات دینا مفید چیزوں سے آگاہ کرنا اور مضر چیزوں سے منع کرنا اور ان پر عمل کرنے یا نہ کرنے کی نگرانی کرنا بھی پرورش کرنے والے کا اہم کام ہوتا ہے۔

اس لحاظ سے پرورش کرنے والے کے لئے سب سے پہلے تو اس زیرِ پرورش مخلوق کی پوشیدہ فطری صلاحیتوں سے اور پیدائشی نقص اور پستی سے اور اس نقص اور پستی سے نکال کر فطری کمال اور بلندی تک پہنچانے کی تدبیروں اور طریقوں سے اسکے بعد صالح اور فاسد مادی اور روحانی غذاؤں کے خواص سے ان کے مفید یا مضر اثرات سے اسی طرح دوسری مضرت رساں چیزوں سے اور ان کے ضرر و نقصان اور اسکے ازالہ کی تدبیروں ۔ دوا علاج ۔ سے گہری اور دور رس واقفیت گوناگوں معلومات وسیع علم عظیم قدرت ، اعلیٰ درجہ کے تدبر اور حکمت کا مالک ہونا کما حقہٗ، پرورش کرنے والے کے لئے از بس ضروری اور لازمی ہے ورنہ وہ کما حقہٗ پرورش نہ کر سکے گا اور پرورش کرنے والا ربّ تو کجا مربّی بھی نہ کہلا سکے گا۔

اللہ ربّ العالمین کے سوا اور کوئی انسان کی پرورش کر ہی نہیں سکتا

اور ظاہر ہے کہ انسان کا علم، واقفیت اور تجربہ کتنا ہی وسیع اور عمیق کیوں نہ ہو اسی طرح قوت و طاقت کتنی ہی زبردست کیوں نہ ہو بہرحال محدود ہے اور وہ مخلوق یعنی انسان جس کی پرورش زیرِ بحث ہے ایک وقت میں بھی ہزار ہا گوناگوں اور پورے بسیط ارض ۔ روئے زمین ۔ پر پھیلی ہوئی اور منتشر ہے اسلئے عقلاً محال بلکہ ناقابلِ تصور ہے کہ کوئی ایک انسان پوری نسلِ انسانی کی پرورش کر سکے۔

لامحالہ ایک انسان کے متعلق پرورش کرنے کا تصور تقسیم کار کے طور پر زیادہ سے زیادہ اپنی اولاد کے متعلق ہی کیا جا سکتا ہے لیکن فرائضِ پرورش کے تنوع اور ایک دوسرے سے مختلف بلکہ متضاد ہونے کے لحاظ سے ــــ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں ایک باپ کے متعلق صرف اپنی اولاد کی پرورش کا تصور بھی ۔ چاہے وہ ایک ہی کیوں نہ ہو ــــ عادتاً محال ہے اسلئے کہ انسان کی قوتِ کار بھی محدود ہے ایک انسان ایک وقت میں ایک ہی کام کر سکتا ہے اگر وہ مادی ضروریاتِ زندگی ۔ غذا لباس مسکن وغیرہ مہیا کرنے کے لئے کسبِ معاش میں منہمک ہوگا تو روحانی ضروریات ــــ اخلاقی تربیت تعلیم اخلاق و اعمال کی نگرانی نہیں کر سکتا اسی پر اور ضروریاتِ پرورش کو قیاس کر لیجئے اس لئے ایک باپ کو بھی تقسیمِ کار کے اصول پر اپنی اولاد کی تربیت کے مختلف شعبے مختلف انسانوں کے سپرد کرنے از بس ضروری اور ناگزیر ہیں مثلاً صالح مادی غذا، لباس وغیرہ ضروریاتِ زندگی وغیرہ مہیا کرنے کا کام وہ اپنے ذمے لے ۔ داخلی و خارجی جسمانی

مضرت رساں چیزوں ــ دکھ بیماری ــ سے حفاظت اور نقصان پہنچ جانے کی صورت میں اُسکے ازالہ کی تدبیر ــ علاج معالجہ وغیرہ ــ کا کام وہ طبیب یا ڈاکٹر کے سپرد کرے ــ روحانی مضرت رساں چیزوں ــ بُرے اخلاق و اطوار و اعمال ــ سے حفاظت اور نقصان پہنچ جانے کی صورت میں اُسکے ازالہ کی تدبیر ــ اخلاق و اعمال کی اصلاح ــ کا کام وہ مربی اخلاق ــ آتالیق ــ کے سپرد کرے اور علوم و فنون کی تعلیم یا صنعت و حرفت سکھانے کا کام وہ معلم اور استاد سے لے ــ اس لحاظ سے ایک باپ کے اپنی اولاد کی پرورش کے لئے کم از کم چار پرورش کرنے والے تو ناگزیر ہیں (۱) ایک خود باپ (۲) دوسرا طبیب یا ڈاکٹر (۳) تیسرا مربی اخلاق یعنے آتالیق (۴) چوتھا معلم یا اُستاد ــ اِسکے باوجود بھی پرورش کے دو نہایت اہم شعبے (۱) ایک اس کی فطری اہلیت و صلاحیت کا پتہ چلانا (۲) دوسرے ناگہانی آفتوں اور حادثوں سے بچانا ــ رہ جاتے ہیں ان کی اہلیت کسی بھی انسان کے اندر نہیں پائی جا سکتی اسلئے کہ نہ ناگہانی آفتوں اور اچانک حادثوں سے کوئی شخص واقف ہو سکتا ہے نہ بچا سکتا ہے اسی طرح پوشیدہ فطری صلاحیتوں کو بھی پیدا کرنے والے کے سوا کوئی اور شخص نہیں جان سکتا اسلئے کہ غیب کا علم تو کسی بھی انسان کو نہیں ہے ــ پھر یہ ناقص، ناکام اور مشترک "نظام پرورش" بھی ناقابلِ عمل ہے اسلئے کہ ہر ذمہ داری کا کفیل اپنی ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے زیرِ پرورش اولاد کو یقیناً خاص قسم کی ہدایات و احکام دے گا کچھ کاموں اور باتوں سے منع کرے گا کچھ کے کرنے کا حکم دے گا، زیرِ پرورش بچہ کے لئے ان مختلف متنوع احکام و ہدایات پر عمل کرنا عادتاً ناممکن ہے اسلئے کہ ایک انسان خصوصاً بچہ جس کی فطرت ویسے ہی پابندیوں سے بھاگتی ہے زیادہ سے زیادہ کسی ایک مربی کی ہدایات و احکام پر عمل کر سکے گا ــ

دیکھا آپ نے ایک باپ بھی اپنی اولاد کی پرورش کی اہلیت سے عاری اور عاجز ہے بلکہ مذکورہ بالا چاروں کفیلوں کے لئے مل بانٹ کر بھی ایک بچہ کی کما حقہٗ پرورش محال ہے چہ جائیکہ پوری اولادِ آدم اور نسلِ انسانی کی پرورش؛ دراں حالیکہ نوعِ انسانی کا ہر ہر فرد پیدا ہونے کے بعد سے ہی اپنی زندگی بسر کرنے کے لئے جس چیز کا سب سے زیادہ محتاج ہے وہ "پرورش" ہے اور یہ ماں باپ مربی، معلم وغیرہ دُنیوی پرورش کرنے والے تو آپ ابھی پڑھ چکے کہ حقیقی معنی میں یہ کسی بھی شخص کی پرورش نہیں کر سکتے یہ تو محض ظاہری اسباب و وسائل ہیں اور بس جو بذاتِ خود تاثیر سے بالکل خالی اور عاری ہیں ــ

حقیقی معنی میں پرورش کی تمامتر ذمہ داریوں کو کما حقہٗ پورا کرنے کا اہل صرف وہی وحدہٗ لاشریک لہ ہے جو اس تمام مخلوق خصوصاً نوعِ انسانی کا بلا شرکت غیرے پیدا کرنے والا ہے اور جو پیدا کرنے والا ہوتا ہے وہی اپنی تمام مخلوق کی پوشیدہ سے پوشیدہ فطری صلاحیتوں اور اہلیتوں سے نیز اپنی اور تمام پیدا کردہ چیزوں کی ذرہ ذرہ منفعتوں اور مضرتوں سے اُن کے اچھے بُرے اثرات سے کما حقہٗ واقف ہوتا ہے اور چونکہ وہی تمام کائنات و مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے اسلئے وہی ان کا مالک و مختار ہے اور سب پر اتنی زبردست قدرتِ تصرف رکھتا ہے کہ اسکے حکم کے بغیر اسکی دُنیا میں پتہ تک ہوا کے جھونکے سے نہیں ہل سکتا فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے جو چاہے جس چیز سے چاہے کام لے لے

اسلئے انسانی فہم سے بالاتر اپنی حکمت و مصلحت کے تحت انسانی زندگی اور اسکی تمام تر ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کرنے کے لئے جو نظام اسباب و وسائل پیدا اور قائم کیا ہے اسکو در حقیقت وہی چلا رہا ہے اور وہی اپنی اس مخلوق کی تمام ضرورتوں اور حاجتوں کو پورا کر رہا ہے یہی مطلب ہے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے حسب ذیل اعلان کرانے کا :

رَبَّ الْعَالَمِيْنَ الَّذِىْ خَلَقَنِىْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ وَالَّذِىْ هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَيَسْقِيْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ وَالَّذِىْ يُمِيْتُنِىْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ وَالَّذِىْ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِىْ خَطِيْئَتِىْ يَوْمَ الدِّيْنِ (الشعراء ع ۵)

تمام جہانوں کا پالنے والا جس نے مجھے پیدا کیا پس تو وہی مجھے رسیدھے راستہ پر چلاتا ہے اور وہ پروردگار ہی ہے جو مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے اور وہ پروردگار جو مجھے (جب میرے حق میں مصلحت سمجھے گا تو) موت دے دے گا پھر (حشر کے دن) زندہ کر دے گا اور وہ (میرا پروردگار) جس سے مجھے امید ہے کہ جزا و سزا کے دن میری خطاؤں کو معاف کر دے گا (کہ یہی غفور رحیم رب کی رحمت کا تقاضہ ہے)

لہٰذا بے شک و شبہ ہر انسان کا۔ خواہ وہ مومن ہو یا کافر ـ حقیقی پرورش کرنے والا رب وہی وحدہٗ لاشریک لہ رب العالمین ہے جو اس تمام کائنات کا عرش سے لے کر فرش تک اور فرشتوں سے لے کر جن و انس تک اور حیوانات سے لے کر نباتات و جمادات تک سب کا ـ بلا شرکت غیرے تنہا خالق و مالک ہے اور اس نظام اسباب و وسائل کے پس پردہ اُسکے علم و حکمت اور قدرت کے تحت جو نظام کار فرما ہے وہی "نظام ربوبیت" ہے اس محسوس و مشاہد نظام اسباب و وسائل میں جہاں آپ دیکھیں کہ ظاہری اسباب کے خلاف واقعات ظہور میں آرہے ہیں ـ اسباب و وسائل قطعاً موجود نہیں ہیں اور کام ہو رہے ہیں یا تمام تر اسباب و وسائل موجود ہیں اور کام بالکل نہیں ہوتے کسی طرح نہیں ہوتے ـ سمجھ لیجئے اور یقین کر لیجئے کہ یہ رب العالمین کے ہماری آنکھوں سے اوجھل "نظام ربوبیت" کی کارفرمائی اور کرشمہ سازی ہے اور پہلی صورت میں فوراً اس رب العالمین کا شکر ادا کیجئے تاکہ اسی طرح بلا اسباب و وسائل سارے کام بنتے رہیں اور دوسری صورت میں فوراً توبہ و استغفار کیجئے تاکہ رب غفور و رحیم کی ناراضگی اور خفگی دُور ہو اور اسباب ساز گار ہو جائیں ہم خود، ہماری یہ دنیا اور اس دُنیا میں کارفرما یہ نظام اسباب سب مشاہد مخلوق ہیں اور یہ عالم عالم شہادت ہے اسلئے ہم اس نظام اسباب کی ایک ایک جزئیات اور تفصیلات سے واقف ہیں اسی لئے ان اسباب و وسائل اور تدابیر و مساعی کو اختیار کرنے کے مامور بھی ہیں اور مکلف بھی اسکے برعکس نظام ربوبیت ہماری آنکھوں سے اوجھل اور دسترس سے بالاتر ہے اور عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے اسلئے اسکے متعلق ہم اتنا ہی جان سکتے اور بتلا سکتے ہیں جتنا ہمارے رب رحمٰن و رحیم یا اسکے رسول رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتلایا ہے یا خدا شناس عقل ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

ربوبیت کے اہم تقاضے ربّ سے متعلق

اب ہم رب العالمین کی ربوبیت کے چند اہم تقاضوں پر متنبہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ ایک مسلمان اپنی زبان سے

رُبُنا اللہ کہنے کی ذمہ داری کو محسوس کرے (۱) ایک بہی خواہ اور مہربان پرورش کرنے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ زیر پرورش شخص یا اشخاص کی ضروریات اپنے علم و حکمت کے مطابق پوری کرے نہ کہ اسکی طلب اور خواہش کے مطابق اسلئے کہ اسکو خود اپنی منفعت و مضرت اور مصالح زندگی کا علم نہیں ہوتا اسلئے وہ بعض اوقات ان چیزوں کو طلب کرتا ہے جو اسکے لئے مضرت رساں اور مصلحت کے خلاف ہوتی ہیں اور ان چیزوں سے بھاگتا بلکہ انکار کرتا ہے جو اسکے لئے منفعت رساں اور اسکی مصالح کا تقاضہ ہوتی ہیں اسلئے مہربان پرورش کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ اسکو وہی چیزیں دے اور وہی خواہشیں پوری کرے جو اسکے لئے مفید اور مصلحت کے مطابق ہوں خواہ وہ ان سے کتنا ہی بھاگے اور انکار کرے اور وہ چیزیں ہرگز نہ دے جو اسکے لئے مضر اور خلاف مصلحت ہوں۔ چاہے وہ ان کے لئے کتنا ہی اصرار اور منت و خوشامد کرے۔ یہی مطلب ہے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا:

عَسٰی اَنْ تَکْرَهُوْا شَیْئًا وَّهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ
تم سے کچھ بعید نہیں کہ تم ایک چیز کو برا اور ناگوار سمجھو، حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر اور مفید ہو

وَعَسٰی اَنْ تُحِبُّوْا شَیْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ
اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ تم ایک چیز کو دوست رکھو اور پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہت بری اور مضر ہو

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ
اللہ ہی (چیزوں کے بہتر و بدتر اور مفید و مضر ہونے کو) جانتا ہے اور تم (کچھ) نہیں جانتے (اسلئے اسی کا کہا ماننے ہی میں تمہاری خیر ہے)

اور یہی ہوتی ہیں ہماری وہ دعائیں جو اللہ رب العالمین کے اس وعدہ کے باوجود،

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ
تم مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔

قبول نہیں ہوتیں اسلئے جب آپ کی کوئی دعا قبول نہ ہو تو یقین کیجئے کہ یہ ہمارے حق میں مضر ہے یا ہماری مصلحت کے خلاف ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مہربان پرورش کرنے والا از راہ لطف و کرم اسکی دلدہی کے لئے کوئی اور ایسی خوش آیند چیز جو اسکے لئے مضر یا خلاف مصلحت نہیں ہوتی، دے کر بہلا دیتا ہے۔ یہی معاملہ ہے رؤف و رحیم رب العالمین کا اپنے بندوں کے ساتھ جیسا کہ دعا کی قبولیت کی تفصیل سے متعلق حدیث شریف میں آیا ہے۔

(۲) نیز خیر خواہ پروردگار کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ زیر پرورش فرد اگر اپنے پروردگار کی ان ہدایات و احکامات کی — یہی ہدایات و احکام ہیں وہ احکام شرعیہ یعنی مامورات و منہیات جن کا انسان کو مکلف بنایا گیا ہے — جو اسی کے فائدے کے لئے وہ دیتا ہے: نافرمانی کرے تو اسکی خیر خواہی پروردگاری کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ اس سے اپنی ناراضگی کا عملاً اظہار کرے یعنی اس سرتابی کے زائل ہونے تک نظر شفقت و رحمت اس سے پھیر لے یا عبادات کے ثمرات و برکات سے محروم کر دے یا ضروریات پورا کرنے میں بطور سزا کچھ کمی کر دے یا اور کوئی جسمانی سزا دے — دکھ مصیبت میں گرفتار کر دے — اور جب وہ حسب مصلحت قولاً اور فعلاً فرمانبرداری کا اظہار کرے تو کچھ انعام وغیرہ دے کر حوصلہ افزائی

کرے ۔ یہی راز ہے انسان کے رزق کی تنگی یا دُکھ بیماری یا اور آفات و مصائب وغیرہ میں گرفتار ہونے کا اور اسکے توبہ و استغفار کرنے کے بعد رزق کی وسعت، خوشحالی، دولتمندی، عزت و جاہ کے میسر آنے کا جن سے انسان اپنی زندگی میں وقتاً فوقتاً دوچار ہوتا رہتا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ

اور جس مصیبت میں بھی تم گرفتار ہوتے ہو وہ تمہاری ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہوتی ہے ۔ اور وہ (ارحم الراحمین) بہت سی تمہاری کرتوتوں سے تو درگزر کرتا رہتا ہے اور تم روئے زمین میں (کہیں بھی) اسکے قابو سے باہر نہیں ہو اور (دیکھو) اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی (سرپرست) ہے نہ مددگار۔

اسی طرح ایک رحمٰن و رحیم پروردگار کی ربوبیت کا تقاضہ یہ بھی ہے کہ اس کی زیر پرورش مخلوق یعنے بندوں میں سے جو لوگ برملا اسکی ربوبیت کا انکار کریں یا اسکے علاوہ وہ کسی بھی دوسرے کو اپنا رب کہیں اور زندگی بھر اسی انکار و عناد ۔ کفر و شرک ۔ پر اڑے رہیں انہیں اس و انکی انکار و عناد کی ابدی سزا بھی دے یعنے ہمیشہ ہمیشہ انہیں اپنے قہر و غضب کی آگ نار جہنم میں اس طرح جلائے کہ لایموت ولا یحییٰ ۔ نہ مرے نہ جئے ۔ یہی معنی ہیں مذکورہ ذیل آیات کے:

(۱) اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

بیشک اللہ اسکو تو معاف نہیں کریگا کہ اسکے ساتھ کسی اور کو شریک بنایا جائے (یعنی شرک اور کفر تو توبہ کئے بغیر ہرگز معاف نہیں کرے گا) اس سے کم درجہ کے گناہوں کو جسکے لئے چاہے گا (اور مناسب جانے گا) معاف کر دے گا۔

(۲) وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ

اور بیشک تمہارا پروردگار (بڑا ہی) مغفرت کرنیوالا اور (بڑا ہی) دردناک عذاب دینے والا ہے۔

(۳) اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ

بیشک تمہارے پروردگار کی پکڑ بہت ہی سخت ہے۔

دیکھئے آخری دونوں آیتوں میں جل شانہ کا اسم صفت رب ہی واقع ہوا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بطش شدید اور عقاب الیم کی ربوبیت ہی کے تقاضے ہیں ان دونوں کی رب العالمین جل شانہ نے قرآن عظیم میں بڑی تفصیل کیساتھ وضاحت فرمائی ہے تاکہ ان تفصیلات کو پڑھ کر یا سنکر ان فریب خوردہ اپنی جان کے دشمن انسانوں کی آنکھیں کھل جائیں اور کم از کم مرنے سے پہلے تو اس پر اور اسکی ربوبیت پر ایمان لے آئیں جو مکار نفس اور شیاطین جن و انس کے دام فریب اور خواہشات و لذات نفس کے سبز باغ سے دھوکا کھا کر اندھے بہرے اور گونگے بنے ہوئے ہیں اور رب العالمین کا اسکی ربوبیت کا جسکی بدولت وہ دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں اسکی ہدایات و تعلیمات کا جو انہی کے فائدے اور مصلحت کی غرض سے دی ہیں انکار کر رہے ہیں اور گندگی بھری سے اپنی انسانیت کا گلا کاٹ رہے ہیں اور محرمات و منہیات کے مہلک زہر کے پیالے پر پیالے پڑھائے جا رہے ہیں۔

ربوبیت کے اہم ترین تقاضے زیر پرورش مخلوق سے متعلق

اب تک آپنے ربوبیت یعنے پرورش کے ان تقاضوں کا بیان پڑھا ہے جو رب ۔ پرورش کرنے والے ۔ سے تعلق رکھتے ہیں ان کے علاوہ ربوبیت کے کچھ تقاضے ایسے بھی ہیں جو زیر پرورش شخص یا اشخاص سے تعلق رکھتے ہیں مثلاً

پرورش کی مذکورہ بالا تفصیل و تشریح پڑھکر اس بات میں تو کسی صحیح العقل انسان کو ذرہ برابر شک و شبہ باقی نہیں رہ سکتا کہ اللہ رب العالمین کی یہ عالمگیر اور ہمہ گیر پرورش ۔ جو بندوں کے کفر و شرک، انکار و عناد، سرکشی و سرتابی، فسق و فجور کے باوجود جاری رہتی ہے ۔ اتنا بڑا احسانِ عظیم ہے کہ بندہ اسکے سوا اور کسی طرح اس انعام و احسان کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتا کہ اپنی تمام تر ہمت اور عملی قوت اسکی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے میں یعنی اسکی مقرر کردہ عبادات اخلاص کیساتھ ادا کرنے میں صرف کرے اور ثابت قدمی کے ساتھ مرتے دم تک ان عبادتوں کے ادا کرنے پر قائم رہے جو اس نے فرض کی ہیں کیونکہ یہ عبادت پر استقامت ایک طرف اسکی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے اور انعام و احسان کا شکر ادا کرنے کی واحد صورت ہے دوسری طرف اُسکے وعدے ۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ — اگر تم شکر ادا کروگے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا ۔

کے بموجب زیادہ سے زیادہ اُسکے انعام و احسان حاصل کرنے کا وسیلہ ہے ۔ بندہ جتنا زیادہ یہ شکر نعمت یعنی عبادات ادا کرے گا اُتنا ہی اسکے انعام و احسان میں اضافہ ہوگا اتنی ہی پرورش اور روحانی و جسمانی، ظاہری و باطنی نشو و نما زیادہ تر اور بہتر ہوگی اس لحاظ سے اس عبادت گذاری کی عظیم تر منفعت بھی اسی عبادت گذار بندے کو نصیب ہوگی اور وہ کامل سے کامل تر انسان بن سکے گا ۔

اسکے برعکس اگر بندے نے [illegible] کی عبادت کے ادا کرنے میں کسی بھی قسم کی کوتاہی کی یا بالکل ہی ترک کر بیٹھا تو ایک طرف تو اس ناشکری اور نمک حرامی کی کمینگی کی بنا پر، اشرف المخلوقات کے مقامِ عظمت و رفعت سے گر کر جانوروں سے بھی گیا گزرا ہو جائیگا ۔ یہی مطلب ہے آیت کریمہ :

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ — وہ (کافر و منکر) تو جانوروں کے مانند ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گذرے ۔

اسلئے کہ جانور بھی اپنے چارہ ڈالنے والے مالک کو پہچانتا اور اسکے سامنے سر جھکاتا ہے ۔ دوسری طرف کفرانِ نعمت یعنی ناشکری اور نمک حرامی کے شدید ترین جرم کا مرتکب ہوگا اور آیت کریمہ ذیل کے بموجب اس کی دردناک سزا بھگتنی ہوگی ۔ ارشاد ہے :

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ — اور اگر تم نے ناشکری (اور نمک حرامی) کی تو میرا عذاب بہت سخت ہے ۔

اور انسانیت کا چہرہ مسخ ہو جانے کی وجہ سے، روحانی نشو و نما کو جو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچے گا وہ الگ رہا ۔

اس لحاظ سے پرورش کی تکمیل اور رب العالمین کی ربوبیت سے کماحقہ بہرہ یاب ہونے کے لئے زیر پرورش بندوں کا اپنے ولی نعمت آقا، اللہ رب العالمین کی فرض کردہ عبادتوں کو پابندی کے ساتھ ادا کرنے پر قائم رہنا انسانی فطرت کا تقاضہ بھی ہے اور عقل و خرد کا تقاضہ بھی ہے اور ربوبیت الٰہیہ سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کا تقاضہ تو ہے ہی ۔

(۲) اسی طرح پرورش کی تشریح کے ذیل میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ پرورش کے لازمی تقاضوں میں سے ایک اہم تقاضہ یہ بھی ہے کہ پرورش کرنے والا شخص زیر پرورش مخلوق کی منفعتوں اور مضرتوں کی اور مصالح و مفادات کی حفاظت اور نگرانی کی غرض سے ضروری ہدایات و احکامات دے یعنی جسمانی یا روحانی مضرت رساں چیزوں یا کاموں کے اختیار کرنے سے منع کرے اور منفعت رساں چیزوں یا کاموں کے اختیار کرنے کا حکم دے انہی ہدایات و احکامات کا نام منہیات و مامورات شرعیہ یا احکام الٰہیہ ہے ۔ ظاہر ہے کہ ان احکام شرعیہ کی خلاف ورزی یا نافرمانی اپنی پرورش کو جان بوجھ کر نقصان پہنچانے بلکہ تباہ کرنے کے مرادف ہے ۔ پرورش کرنے والے رب العالمین کی ناراضگی، عقاب و عذاب دنیوی الگ رہا ۔ اس لئے

زیر پرورش بندوں کا انتہائی ضروری فرض اور ذمہ داری ہے کہ وہ پوری پابندی کے ساتھ زندگی بھر احکام دینیہ کی پابندی پر قائم رہیں اور اگر از راہِ غفلت یا نادانستہ طور پر کوئی خلاف ورزی ہو جائے تو اس رب غفور کے بتلائے ہوئے طریق پر یعنی توبہ و استغفار کے ذریعہ جلد از جلد اس کی تلافی کریں تاکہ جسمانی یا روحانی نشو و نما میں خلل نہ پڑے۔

رَبُّنَا اللّٰہُ کہنے کے اور اس پر استقامت کے معنی۔

ربوبیت کی اس تمام تر تفصیل کو ذہن نشین کر لینے کے بعد سمجھئے کہ رَبُّنَا اللّٰہُ کہنے کے ــ جس کا ذکر قرآن عظیم کی آخری دو آیتوں میں آیا ہے ــ کیا معنی ہیں؟ اور اتنی سی بات کہنے اور ساری عمر اس بات پر قائم رہنے سے کس طرح ایک انسان انسانی تصور سے بالاتر جنت اور نعیم جنت کا ــ جن کے متعلق نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ	نہ کسی آنکھ نے (وہ جنت) دیکھی نہ کسی کان نے سُنی نہ کسی انسان کے دل پر اسکا خیال گذرا۔

مستحق اور مالک کیونکر بن جاتا ہے؟

مثالیں

دیکھئے جس طرح کسی ملک میں رہنے والا جب اپنی زبان سے کہتا ہے: "میں اس ملک کا شہری ہوں" تو اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اس ملک کی حکومت کے تمام قوانین و احکام کی پابندی اپنے ذمہ لیتا ہے اور ان میں سے کسی ایک قانون یا حکم کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں اپنے مجرم اور مستحق سزا ہونے کا اقرار کرتا ہے اور خدا نہ کرے ایسی صورت پیش آجائے تو خود کو خواہی نخواہی سزا کے لئے پیش کر دینے کی ذمہ داری بھی لیتا ہے۔

اسی طرح کسی شخص یا محکمہ کا ملازم جب اپنی زبان سے یہ کہتا ہے کہ: "میں فلاں شخص یا محکمہ کا ملازم ہوں" تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اُس شخص یا دفتر کی مفوضہ خدمات ــ جن کاموں کے لئے وہ ملازم رکھا گیا ہے ــ کسی کوتاہی یا خیانت کے بغیر پابندی کے ساتھ انجام دینے اور اس شخص یا دفتر کے اُن خدمات سے متعلق احکامات کی تعمیل کرنے کو اپنے ذمہ لیتا ہے اور اگر دانستہ یا نادانستہ کوئی کوتاہی، خلاف ورزی یا خیانت سرزد ہو جائے تو اُس کی پاداش میں سزا کو قبول کرنے کے لئے آمادگی کا بھی اقرار کرتا ہے۔

اسی طرح جب کوئی عورت کسی مرد کے متعلق اپنی زبان سے کہتی ہے کہ: "یہ مرد میرا شوہر ہے" تو اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ عورت اس مرد کے تمام حقوق زوجیت ادا کرنے اپنے اوپر اسکو قدرت دینے اور ان حقوق سے متعلق اسکے احکامات کی اطاعت کرنے کی ذمہ دار بنتی ہے اگر دانستہ یا نادانستہ طور پر کبھی کوئی حق تلفی یا خلاف ورزی سرزد ہو جائے تو اسکی مقررہ پاداش بھگتنے کے لئے آمادگی کا بھی اقرار کرتی ہے۔

اسی طرح جب کوئی مرد کسی عورت کے متعلق کہتا ہے کہ "یہ عورت میری بیوی ہے" تو اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ مرد اس عورت کے مقررہ نفقات ــ ضروریات زندگی اور اخراجات ــ کی کفالت کا اور اسکے علاوہ دوسرے ازدواجی حقوق کے

ادا کرنے کا ذمہ دار بنتا ہے اگر ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں کوتاہی ہو یا بالکل ہی پورا نہ کرے تو وہ اسکی پاداش میں عورت بحکم عدالتی چارہ جوئی کرنے اور فیصلہ کی صورت میں خواہی نخواہی اس کو فارغ خطی لکھ دینے اور ازدواجی رشتہ سے آزاد کر دینے کے لئے آمادگی کا بھی اقرار کرتا ہے۔

یہ مثالیں صرف سہولتِ فہم اور آسانی سے سمجھنے کی غرض سے ذکر کی گئی ہیں کہ ذرا سی زبان سے کہی ہوئی بات کے معنی اور مصداق میں کتنی وسعت اور اہمیت رکھی ہوتی ہے۔ ورنہ جل شانہ اور اسکی مقدس صفات کی تو کوئی مثال ہے ہی نہیں۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔ اس جیسی کوئی بھی چیز نہیں۔ یہ اسکا اپنی اور اپنی صفات کے متعلق اعلان ہے۔ اسلئے آپ رب اور ربوبیت سے متعلق مذکورہ بالا تفصیلات کو سامنے رکھ کر یوں سمجھئے کہ جب ایک عاقل و بالغ انسان بقائمی ہوش و حواس دل سے مانتا اور زبان سے کہتا ہے۔ رَبِّیَ اللہُ میرا پروردگار جل شانہ ہے تو وہ پورے اخلاص کے ساتھ محض اللہ رب العالمین کی رضا اور خوشنودی کی غرض سے اسکے بیان فرمودہ تمام عقائد پر یقین و ایمان رکھنے کا، اس کی فرض کردہ تمام عبادتوں کے مقدور بھر ادا کرنے کا اور اسکے تمام احکامات مامورات و منہیات کی تا بمقدور اطاعت کرنے کا ذمہ دار بنتا ہے اور استقامت سے متعلق تمام مذکورہ بالا تفصیلات کو سامنے رکھ کر ثُمَّ اسْتَقَامُوْا کے معنی یہ سمجھئے کہ عقائد حقہ کے یقین و ایمان پر ساری زندگی اس طرح قائم رہے کہ کبھی بھی اور کسی بھی حالت میں ذرہ برابر شک و شبہ یا تذبذب و تردد اس یقین و ایمان میں راہ نہ پا سکے اور مقدور بھر عبادات ادا کرنے پر ساری عمر اس پختگی کے ساتھ قائم رہے کہ عذر شرعی کے علاوہ کبھی بھی عمداً اور دانستہ کوئی فرض عبادت نہ چھوٹے اور حدِ اعتدال میں رہ کر نفلی عبادتیں بھی پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہے اگر بتقاضا بشریت نادانستہ یا غفلت سے کبھی کوئی عبادت چھوٹ جائے فوراً اس کی قضا کرلے اور توبہ و استغفار کر کے سہو یا غفلت کی تلافی کر دے اور احکام شرعیہ کی تا بمقدور اطاعت اس طرح کرے کہ کسی بھی امر مامور بہ کو دانستہ کبھی نہ چھوڑے اور کبھی بھی امر منہی عنہ کے دانستہ پاس تک نہ جائے اگر کبھی کوئی امر مامور بہ غفلت سے چھوٹ جائے یا غفلت سے امر منہی عنہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو فوراً توبہ و استغفار کے ذریعہ اسکی تلافی کر دے۔ ساری زندگی پختگی اور پائیداری کے ساتھ اسی معمول پر قائم رہے اسی پر جئے اسی پر مرے۔

ایسے فرشتہ صفت بلکہ فرشتوں سے بھی افضل اربابِ عزیمت اور اصحاب استقامت انسان یقیناً جل شانہ کے محبوب ترین اور مقرب ترین بندے ہیں اور یہی جنتِ نعیم کے مالک ہیں بلکہ دراصل جنت انہی کے لئے ہے اور باقی ان سے کم درجہ کے مسلمان تو ان کے طفیل میں جنت میں جائینگے اسلئے کہ وہ بھی کسی نہ کسی حد تک انہی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے اور رات دن دعا مانگتے رہتے ہیں:

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (اے رحمٰن و رحیم رب العالمین) تو ہمیں سیدھی راہ پر چلا ان لوگوں کی راہ پر جن پر تو نے انعام فرمایا ہے۔

ارحم الراحمین سے دعا ہے کہ وہ محض اپنے فضل و کرم سے انہی اصحاب استقامت، ربنا اللہ کہنے والے مومنین کے زمرہ میں قارئین کتاب کو بھی اور ہمیں بھی شامل فرمالیں آمین بحرمۃ سید المرسلین رحمۃ للعالمین ﷺ

استقامت سے متعلق احادیث

اسلام کیا ہے

حدیث نمبر (۸۵/۱)

حضرت ابو عمرۃ سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: (ایک دن) میں نے عرض کیا: "یارسول اللہ آپ مجھے اسلام کے متعلق ایسی (تسلی بخش) بات بتلادیجئے کہ پھر مجھے کسی سے اسلام کے متعلق سوال نہ کرنا پڑے" نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم (دل سے) آمنت باللہ کہہ لو اور پھر پختگی کے ساتھ (زندگی بھر) اس پر قائم رہو۔ (بس یہی اسلام ہے)

تشریح!

آمنتُ باللہِ کے معنی

آمنتُ باللہِ در اصل ایک معاہدہ ہے اس امر کا کہ میں نے ﷺ کی ہر بات کو اور اسکے ہر حکم کو مان لیا اور اس پر عمل کرنا اپنے ذمہ لے لیا، اسلئے آمنتُ باللہِ — میں اللہ پر ایمان لے آیا — کے معنی یہ ہوئے کہ میں ﷺ کے دین اسلام پر یعنی اسلامی عقائد پر، عبادات پر، اور احکام پر ایمان لے آیا دل و جان سے ان کو برحق مان لیا اور ان پر عمل کرنے کا ذمہ دار بن گیا — لہٰذا آمنتُ باللہِ کہنے کے بعد جو شخص اسلام کے کسی بھی عقیدہ کو یا کسی بھی عبادت کو یا کسی بھی حکم کو نہ مانے اور اسکا سرے سے انکار کردے یا اسکے کوئی ایسے معنی اور مراد تبلائے جو نہ جل جلالہ نے تبلائے نہ رسول نے، نہ ہی اس چودہ صدیوں کے عرصہ میں کسی صحابی نے امام نے مجتہد نے یا کسی بھی مسلّم و مستند عالم نے بیان کئے تو اُسنے خود اپنی زبان سے اپنے قول آمنتُ باللہِ کی تردید و تکذیب کردی، معاہدہ کو توڑ دیا اور اسلام سے خارج اور کافر و مرتد ہوگیا اسلئے کہ اسلام نام ہے مجموعہ عقائد و عبادات و احکام کا ان تینوں میں سے کسی ایک کا بھی انکار یعنی کسی بھی عقیدہ کا انکار، کسی بھی عبادت کا انکار، یا کسی بھی حکم کا انکار، اسلام کا انکار ہے — چنانچہ یہودیوں نے ﷺ کے ایک حکم — یعنی لڑائی میں اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر اپنے ہی ہم مذہب یہودیوں کو قتل کرنے — کا خلاف کیا تھا تو اس پر ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ

تو کیا تم (آسمانی) کتاب (تورات) کا ایک حکم مانتے ہو ایک کو نہیں مانتے؟ تو تم میں سے جو کوئی ایسا کرتا ہے اس کی سزا تو دنیا کی زندگی میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں ڈالے جائینگے۔

یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی شخص کا کسی حکومت کو تسلیم کرنا ایک معاہدہ ہوتا ہے اس امر کا کہ میں نے اس حکومت کے تمام قوانین و احکام کو مان لیا اور ان پر عمل کرنے کا ذمہ دار بن گیا اسکے بعد اگر وہ حکومت کے کسی ایک قانون کو بھی نہ مانے خواہ وہ فوجداری کا قانون ہو یا دیوانی کا تو وہ اس حکومت کا باغی ہے۔

اسی لئے حق تعالیٰ اہل ایمان کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ

اے ایمان والو تم پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو کہ کوئی بات تو مانو اور کوئی نہ مانو بیشک وہ شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

لہٰذا جو شخص خاتم النبیین کو آخری نبی نہ مانے یا اس میں کوئی تاویل کرے اور آپ کے بعد کسی بھی شخص کو کسی بھی طرح کا نبی مانے یا قرآن عظیم کو حق تعالیٰ کا کلام نہ مانے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حالت جذب و استغراق یعنے توسیع ذات میں کہا ہوا کلام کہے۔ یا نماز کو عبادت نہ مانے اور کہے یہ تو اس زمانے کے فوجی تنظیم (ڈسپلن) سے ناواقف مسلمانوں کو فوجی تربیت دینے کی ایک مشق (پریڈ) تھی ہمارے زمانہ میں فوجی تعلیم و تربیت کی باضابطہ درسگاہیں کھل گئی ہیں اب نماز کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی یا زکوٰۃ کو مالی عبادت ماننے کے بجائے اسلامی حکومت کا ٹیکس قرار دے اور کہے کہ جس شخص نے سرکاری ٹیکس دے دیا اسکی زکوٰۃ ادا ہو گئی اسی طرح حج کو عبادت نہ مانے بلکہ اس زمانے کے مسلمانوں کی ایک سیاسی کانفرنس بتلائے جو آپ نے مکہ میں بلائی تھی۔ کاروباری سود کو تجارتی منافع کہہ کر حلال اور جائز بتلائے، باہمی رضامندی کے ساتھ زنا کو جائز قرار دے، شراب اتنی جس سے نشہ نہ ہو یا بیر وغیرہ شرابوں کو حلال کہے غرض اسی طرح تمام شرعی احکام کا یہ کہہ کر انکار کرے کہ "یہ احکام اب سے چودہ سو برس پہلے عرب معاشرہ کے تقاضہ کے مطابق دیئے گئے تھے اب نہ وہ زمانہ ہے نہ وہ معاشرہ اب اُن کے بجائے قانون ساز اسمبلیوں کے بنائے ہوئے قوانین اور برسر اقتدار حکومت کے احکام کی پابندی فرض ہے۔ یہ اور اسی قسم کے نام نہاد مسلمان اپنی زبان سے خود اپنے ایمان و اسلام سے خارج ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں یہ لوگ حق تعالیٰ اور اسکے دین پر ایمان لانے کے بجائے اسلام اور مسلمانوں کے کھلے ہوئے دشمن یہودی اور نصرانی مستشرقین اور ان کی تحقیقات پر ایمان لائے ہیں انہی شیاطین کے نقش قدم پر چل رہے ہیں ان کو اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

باقی جو لوگ مانتے سب کچھ ہیں مگر عمل کسی ایک چیز پر بھی نہیں کرتے نہ کبھی نماز پڑھتے ہیں نہ کبھی روزہ رکھتے ہیں مالدار ہونے کے باوجود نہ زکوٰۃ دیتے ہیں، نہ حج کرتے ہیں اسکے برعکس مذکورہ بالا اور انکے علاوہ تمام حرامکاریوں میں،

اور کافروں مشرکوں جیسے کاموں میں شب و روز زندگی بسر کرتے ہیں تہذیب میں تمدن میں غرض ہر چیز میں انہی جیسا بننے کی دھن میں لگے ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی اپنے عمل سے اپنی زبان کی یعنی آمَنْتُ بِاللّٰہِ کی تردید و تکذیب کرتے ہیں اگر ایسے لوگ مرنے سے پہلے صحیح معنوں میں سچے دل سے توبہ نہ کرینگے اور کلی طور پر اسلام کے عقائد، عبادات و احکام کی پابندی نہ اختیار کرینگے تو اُن تمام سزاؤں اور جہنم کے عذاب کے مستحق ہوں گے جو قرآن و حدیث میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں اور اُن کفار و مشرکین کے ساتھ ہی ان کا حشر ہوگا جن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مرینگے۔

اور اگر کچھ عبادتیں تو ادا کرتے ہیں کچھ نہیں یا کبھی ادا کرتے ہیں کبھی نہیں اسی طرح شریعت کے بقیہ احکام میں سے کچھ پر عمل کرتے ہیں کچھ پر نہیں یا کبھی عمل کرتے ہیں کبھی نہیں تو یہ استقامت کے خلاف اور منافی ہے اسلئے ان لوگوں کا ایمان و اسلام پکا اور پختہ نہیں ہے جو عبادتیں ترک کی ہیں اُن کی قضا نہ کی یا جو گناہ اور نافرمانیاں کی ہیں مرنے سے پہلے اُن سے توبہ نہ کی تو اپنی نافرمانیوں اور گناہوں کی سزا — عذابِ جہنم — کے مستحق ہونگے۔

آخری دونوں قسم کے لوگ مسلمان تو کہلائینگے مگر فُسّاق و فُجّار کے زمرہ میں داخل ہوں گے اگر قیامت کے دن جل جلالہ نے ان کو معاف نہ کیا تو اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کے بقدر جہنم کی آگ میں ضرور جلیں گے۔

اس پورے بیان کے ایک ایک فقرہ کے ثبوت اور دلیل میں قرآنِ کریم کی صریح آیات اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث موجود ہیں طوالت سے بچنے کی غرض سے ہم نے ذکر نہیں کیا ہے۔

اس زمانہ میں چونکہ ملحدوں اور بیدینوں کا ایک مخصوص فرقہ اپنے مخصوص مشن کے تحت اسلام کے نام پر اسلام کے عقائد، عبادات اور احکام کی بیخ کنی پر تلا ہوا ہے اور ماڈرن اسلام تیار کرنے کے درپے ہے اسلئے آمَنْتُ بِاللّٰہِ کی تشریح میں ہم نے مذکورہ بالا تفصیلات کا بیان کرنا ضروری سمجھا تاکہ کتاب کے قارئین ان دشمنانِ اسلام یہودیوں اور نصرانیوں کے "مہروں" کی شاطرانہ چالوں میں نہ آئیں اور اپنے دین و ایمان کو محفوظ رکھیں جل شانہ ہم سب کو آمَنْتُ بِاللّٰہِ پر استقامت کی توفیق عطا فرمائیں آمین بحرمۃ سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

ایک اہم نکتہ آمَنْتُ بِاللّٰہِ اور رَبُّنَا اللّٰہُ کا باہمی ربط۔

جل شانہ کی ذات اس تمام کائنات سے ماوراء، انسانی نظر و فکر اور عقل و فہم کی دسترس سے بالکل ہی وراء الوراء — دور سے بہت دور — ہے ہمارے لئے اسکے علم و معرفت کا — جو اس پر ایمان لانے کے لئے از بس ضروری ہے — ذریعہ اسکے سوا نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ یا جو خود اُس نے اپنے کلام — قرآنِ عظیم — میں اپنا تعارف کرایا ہے اُسکے ذریعہ اسکا علم حاصل کریں یا پھر اسکی جن صفات و شیون — شانوں — کو ہم اپنی ذات و صفات اور اپنی زندگی میں کار فرما پاتے ہیں انکے ذریعہ اسکا علم حاصل کریں۔

علم و معرفتِ الٰہی کے انہی دونوں ذریعوں میں کامل غور و فکر اور تلاش و جستجو کے بعد اہلِ ایمان اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اللہ تو اس کا اسم جلالت یعنی عَلَم — شخصی اور ذاتی نام ہے — چنانچہ علماء اسلام نے اللہ کے معنی یہ بیان

کہتے ہیں کہ اللہ اس ذات کا ذاتی نام ہے جس میں وہ تمام تر کمالات جو تصور میں آسکتے ہیں اعلیٰ درجہ پر بیک وقت موجود اور برقرار ہیں اور وہ ان تمام عیوب، نقائص اور کمزوریوں سے بالکل پاک اور مبرا ہے جو اسکی شان کے منافی ہیں۔ اور اس کے علاوہ بقیہ تمام نام، جو اس نے قرآن عظیم میں ذکر فرمائے ہیں اور صاحب وحی والہام پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعداد ننانوے 99 بتلائی ہے وہ سب اَسْمَاءِ حُسْنٰی ۔ اچھے نام۔ یعنی صفاتی نام ہیں۔ ان اسماء حسنیٰ میں سب سے زیادہ محسوس و مشاہد اور اہم نام جسکو ہم اپنی شب و روز کی زندگی میں ہر قدم پر محسوس اور کارفرما پاتے ہیں۔ جس کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں ۔۔ وہ رَبٌّ ہے۔ اسلئے کہ ہر عاقل و بالغ انسان جب اس فطری سوال کو حل کرنے کے لئے کہ ہمیں کس نے پیدا کیا ہے اور کون پیدا ہونے سے لیکر مرتے دم تک ہماری تمام حاجتوں اور ضرورتوں کو پورا کرتا ہے؛ اپنے ماحول اور اس پورے عالم اسباب کا بنظر غائر جائزہ لیتا ہے تو اسکو نہ صرف اپنی زندگی بلکہ پورے عالم اسباب میں کارفرما (کنٹرول کرنے والی) عظیم غیر مرئی طاقت کا اور اسکی حاجت روائی، کاربرآری اور کارسازی کا احساس ہوتا ہے اور فطری طور پر اسکی معرفت اور اس تک رسائی حاصل کرنے کا ایک زبردست داعیہ جذبہ اور جستجو اسکے دل میں پیدا ہوتی ہے اسی اثناء میں ایک داعی حق یعنی قرآن عظیم کی آواز اسکے دل کے کانوں میں آتی ہے اور وہ قرآن کی طرف رجوع کرتا ہے اسکے مطالعہ سے اسکو علم ہوتا ہے کہ وہ غیر مرئی طاقت ہمارا رَبّ پرورش کرنے والا ۔۔ ہے اور اس کا نام اللہ ہے وہ سچے دل سے فوراً اس پر ایمان لے آتا ہے، لہٰذا انسان سب سے پہلے اور سب سے زیادہ یقینی طور پر جس صفت سے متعارف ہوتا ہے اور اس پر ایمان لاتا ہے وہ رَبّ اور اس کی صفت ربوبیت ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ سب سے پہلے بے ساختہ جو کلمہ ایک حق کے متلاشی انسان کی زبان سے اس تمام کائنات کا جائزہ لینے کے بعد نکلتا ہے وہ رَبُّنَا اللہ ہے اور اسکے بعد فوراً جو کلمہ اس کی زبان سے نکلتا ہے وہ اٰمَنْتُ بِاللہِ ہے لہٰذا خدا کی معرفت کا پہلا قدم یا پہلا زینہ رَبُّنَا اللہ ہے اور دوسرا قدم یا زینہ اٰمَنْتُ بِاللہِ ہے چنانچہ قرآن عظیم بندوں کی زبان سے ہی بیان فرماتا ہے:

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ	اے ہمارے پروردگار! بیشک ہم نے ایک منادی کرنے والے کو ایمان کی
اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا	دعوت دیتے ہوئے سنا کہ اپنے رب پر ایمان لے آؤ تو ہم ایمان لے آئے پس (اب تو)
وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ	اے ہمارے رب ہمارے گناہوں کو بخش دے (اسلئے کہ تو رب غفور ہے) اور ہماری تمام
(آل عمران ع ۲۰)	برائیوں کا کفارہ کر دے اور نکوکاروں کے ساتھ ہمیں (دنیا سے) اٹھائیو۔

اس آیت کریمہ اور اسکے ترجمہ پر غور کیجئے، دیکھئے رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا میں اللہ کو بار بار رَبَّنَا سے پکارنا اور رب پر ایمان لانے کی دعوت دینا ہمارے اس بیان کی صاف تائید کر رہا ہے کہ انسان کا جل جلالہ سے سب سے پہلا تعارف اسکے وصف ربوبیت کے ذریعہ ہوتا ہے اور یہی تعارف انسان کے دل میں ایمان لانے کا داعیہ اور جذبہ پیدا کرتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے اور اٰمَنْتُ بِاللہِ کہتا ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے وجود کی فطری دلیل ہے ہم نے طوالت کے خوف سے

سے اس آیت کریمہ سے پہلے اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے لے کر اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ تک کی تمام آیات کو نقل نہیں کیا ہے آپ ان تمام آیات کو اور اُنکے ترجمہ کو پڑھیئے آپ انشاء اللہ بڑا اطمینان و سکون محسوس کریں گے۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کی تفصیل۔

اسی اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کی تفصیل نبی رحمت ﷺ نے ذیل کی حدیث میں فرمائی ہے:

رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّ بِمُحَمَّدٍ ﷺ رَسُوْلًا وَّنَبِیًّا — میں نے اللہ کو رب مان لیا اور اسلام کو اپنا دین اور محمد (ﷺ) کو اپنا پیغمبر اور نبی (مان لیا)

یہ تفصیل ہمارے اس بیان کی تائید کرتی ہے جو ہم نے اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کے معنی کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کی مسلمانوں میں اہمیت

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کی مسلمانوں کے نزدیک اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے کہ اسلامی مکتبوں میں — سکولوں میں نہیں کہ اُن کے سربراہوں کا مقصد تو مسلمان بچہ کے کانوں کو ان چیزوں سے نا آشنا رکھنا ہی ہے — ہر مسلمان بچے کو اسلام کے پانچ کلموں کے ساتھ ایمان مجمل کے عنوان سے یاد کرایا جاتا ہے:

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَآئِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ — میں اللہ پر جیسا وہ ہے اپنے ناموں اور صفتوں کے ساتھ ایمان لے آیا اور اسکے تمام احکام قبول کر لئے۔

اور ایمان مفصل کے عنوان سے یاد کرایا جاتا ہے:۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ — میں ایمان لے آیا اللہ پر اسکے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اسکے پیغمبروں پر اور قیامت کے دن پر اور تقدیر پر جو اچھی ہو یا بری اللہ کی جانب سے ہے — اور مرنے کے بعد زندہ اٹھنے پر۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ ان مکتبوں میں پڑھے ہوئے بچوں کے دل پر یہ امور جو اسلامی معتقدات کا نچوڑ ہیں پتھر کی لکیر کی طرح نقش ہو جاتے ہیں اور ساری عمر نہیں مٹتے۔

اعتدال اور استقامت کا حکم اور نجات کا ذریعہ

حدیث نمبر (۲/۸۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم (دینی اور دنیوی) تمام کاموں میں

درمیانی راہ — اعتدال — کو اختیار کرو اور ساری عمر اس پر سختی کے ساتھ قائم رہو اور یاد رکھو تم میں سے کوئی شخص بھی (محض) اپنے عمل کی وجہ سے ہرگز نجات نہیں پائے گا، صحابہ نے عرض کیا: اور نہ آپ یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: اور نہ میں، بجز اسکے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت (کی پناہ میں) اور فضل (و انعام کے دامن) میں چھپا لے۔

تشریح!

اس حدیث کے پہلے حصہ میں نبی رحمت ﷺ نے دینی اور دنیوی امور میں کامیابی و کامرانی کے دو عظیم اصولوں کو بیان فرمایا ہے ایک اعتدال دوسرے استقامت ان دونوں اصولوں کی سیر حاصل تشریح آپ پڑھ چکے ہیں جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان دونوں اصولوں پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرما دیں یقیناً وہ قرآن اور حدیث کی تصریحات کے مطابق دنیا میں بھی سرخروئی کی زندگی بسر کرے گا اور آخرت میں تو جنت اور نعیم جنت کا اسکے لئے وعدہ ہے ہی۔ چونکہ مکار نفس ہر وقت اس کو دینی فوز و فلاح سے محروم کرنے کی گھات میں لگا رہتا ہے اسلئے اس اعلیٰ درجہ کی دینداری اور خدا پرستی کو بھی وہ اپنے ہتھکنڈوں سے انسان کی ہلاکت کا ذریعہ بنا دیتا ہے ان ہتھکنڈوں میں سے ایک ہتھکنڈہ ہے عجبِ نفس جس کو اردو محاورہ میں خود پرستی کہتے ہیں اور اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب کسی خدا کے بندے کو اس کی رحمت سے اعتدال اور استقامت کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے تو وہ نفس کے بہکانے میں آکر خود کو بہت بڑا خدا پرست اور مقرب بارگاہِ الٰہی سمجھنے لگتا ہے، رفتہ رفتہ یہ عجب نفس تکبر کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور دوسرے مسلمانوں کو اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھنے لگتا ہے اور پھر پورا شیطان بن جاتا ہے۔ اور بقول شیخ سعدیؒ

تکبر عزازیل را خوار کرد۔ بزندانِ لعنت گرفتار کرد   تکبر ہی نے شیطان کو ذلیل و خوار کیا لعنت اور پھٹکار کے زندان میں گرفتار کر دیا

ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مردود و ملعون بن جاتا ہے۔

سراپا شفقت، نبی رحمت ﷺ انسانی فطرت کے خصوصاً اپنی امت کے سب سے بڑے نبض شناس ہیں اسلئے آپ نے اعتدال اور استقامت کی تعلیم دینے کے فوراً بعد اس گمراہی کے خطرہ کا سد باب فرما دیا کہ دیکھنا کہیں اپنے اس حسنِ عمل پر گھمنڈ مت کر بیٹھنا نجات ان اعمال سے نہیں ملے گی، نجات کا مدار تو صرف اللہ تعالیٰ کے سایۂ رحمت میں پناہ ملنے پر ہے اور اس کا پتہ قیامت کے دن ہی چلے گا کہ اس کی رحمت کی پناہ ملی یا نہیں ملی؟ اس لئے نکوکاری کے کتنے ہی اعلیٰ درجہ پر کیوں نہ پہنچ جاؤ کبھی اپنے اعمالِ صالحہ پر بھروسہ مت کرنا بلکہ خدا سے ڈرتے اور گڑگڑا کر رحمت و مغفرت کی دعائیں اس سے مانگتے رہنا۔ پھر از راہِ شفقت و رحمت صحابہ کے سوال کے جواب میں اپنی ذات معصوم عن الخطاء

قصد اً خطا سے محفوظ ذات۔ کو بھی رحمت و فضلِ خداوندی کے محتاج لوگوں کے زمرہ میں شامل فرما دیا یہی راز ہے اس کا کہ حبیب رب العالمین ﷺ، جل جلالہ کے اس اعلان کے باوجود کہ اللہ نے تمہارے اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیئے دن میں کم از کم ستر مرتبہ یعنی بکثرت توبہ و استغفار کرتے تھے جس کی تفصیل آپ توبہ و استغفار کے باب میں پڑھ چکے ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ اس بیان کو پڑھ کر حدیث شریف کے دونوں حصّوں میں ربط و تعلق بخوبی واضح ہو گیا ہو گا انشاء اللہ العزیز۔

ایک شبہ اور اسکا ازالہ

باقی اس حدیث شریف میں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ حق جل شانہ تو آیت کریمہ نمبر (۵) میں جزآءً بما کانوا یعملون کی تصریح فرما رہے ہیں علاوہ ازیں قرآنِ عظیم میں بکثرت ایسی آیات موجود ہیں جن میں عذابِ جہنم سے نجات پانے اور جنت میں داخل ہونے کو اعمال صالحہ کی جزا قرار دیا ہے پھر نبی رحمت ﷺ اعمالِ صالحہ کو نجات کا ذریعہ سمجھنے سے کس طرح منع فرما رہے ہیں؛ اور نجات کو حق جل شانہ کی رحمت اور فضل و انعام پر کیونکر موقوف فرماتے ہیں؛

اس شبہ کے ازالہ کے لئے اگرچہ جو کچھ حدیث شریف کی تشریح اور اسکے دونوں حصّوں میں باہمی ربط اور تعلق کے سلسلہ میں عرض کیا گیا ہے وہ ہی بہت کافی ہے کہ آپ کا منشا اعمال پر بھروسہ کر کے حق جل شانہ کی رحمت کو بھول جانے یا اس سے بے نیاز ہو جانے سے روکنا اور منع فرمانا ہے جو عبدیت اور شکر نعمت کے قطعاً منافی ہے اور خسرانِ عظیم کا موجب ہے۔ تاہم "جزاءِ اعمال" اور "ذریعہ نجات" کے مسئلہ میں چند اہم امور پیش نظر رکھنے ضروری ہیں

(۱) اول یہ کہ قرآن و حدیث کی تصریحات سے ثابت ہے کہ اعمالِ صالحہ اور ان پر استقامت کی توفیق بھی حق جل شانہ کی رحمت اور فضل و احسان پر ہی موقوف ہے۔ حق جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں؛

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ	یہ (قرآن) تو تمام جہانوں کے لئے صرف نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو سیدھی راہ پر چلنا چاہیں اور (یاد رکھو تم (سیدھی راہ پر چلنا) اللہ رب العالمین کے چاہے بغیر نہیں چاہ سکتے؛

چنانچہ حق جل جلالہ کی رحمت اور اسکا فضل و کرم اگر (العیاذ باللہ) بندے کی دستگیری نہ کرے اور اسکے شاملِ حال نہ ہو تو اعمال صالحہ اور ان پر استقامت اور اسکے نتیجہ میں نجات بندے کو نصیب ہو ہی نہیں سکتی اسلئے اصل مدار نجات حق جل شانہ کی رحمت اور فضل پر ہوا نہ کہ اعمال صالحہ پر۔

(۲) دوم یہ کہ بندہ اپنے کسی بھی عمل صالح کے متعلق کبھی یقین کے ساتھ کہہ ہی نہیں سکتا کہ میرے اس عمل میں کوئی بھی ظاہری یا باطنی، محسوس یا غیر محسوس نقص یا کوتاہی مطلق نہیں ہے اور یہ قطعی طور پر جزا کے لائق ہے۔ دیکھئے کسی بھی عبادت یا طاعت میں اگر ذرا بھی توجہ الی اللہ سے غفلت ہو جائے تو وہ جزا کے لائق نہیں رہتی، یہ دوسری بات ہے کہ حق جل جلالہ اپنی رحمت اور فضل و احسان سے اسے قبول فرمالیں اور اس پر جزا دے دیں۔ علاوہ ازیں بہت سی کوتاہیاں ذاتی

ہو جاتی ہیں کہ اُن کا عبادت کرنے والے کو پتہ بھی نہیں چلتا پھر کس طرح نجات کے معاملہ میں ان عبادات و طاعات پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وہ عبادت گذار بندے بھی ساری ساری رات مصلے پر گذار دیتے ہیں وہ بھی اس عبادت گذاری کے ساتھ ساتھ عذاب جہنم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ برابر مانگتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے مقرب ترین بندوں عباد الرحمن کی صفات کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ (الفرقان ع ۶)

اور وہ لوگ جو رکوع و سجود اور قیام کی حالت میں (یعنے نماز میں) ساری رات گذار دیتے ہیں اور وہ لوگ جو (اسکے باوجود) کہتے رہتے ہیں اے ہمارے رب تو جہنم کے عذاب کو ہم سے دور رکھیو، بیشک جہنم کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے (اور) بیشک جہنم تو بہت ہی بری جگہ اور برا مقام ہے

اور ان عبادت گذار بندوں کے متعلق جن کے پہلو راتوں کو بستر پر نہیں لگتے، ارشاد ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا

اُن کے پہلو اُن کی خوابگاہوں (بستروں) سے دور بھاگتے ہیں وہ (رات بھر) اپنے رب کو (اسکے عذاب کے) خوف کی وجہ سے اور (اسکی رحمت کی) طمع کی وجہ سے پکارتے (اور دعائیں مانگتے) رہتے ہیں۔

دیکھیے یہ اللہ تعالیٰ کے شب بیدار عبادت گذار عباد الرحمن بھی رات رات بھر عبادت کرنے کے باوجود کس قدر جہنم کے عذاب سے نجات کے لئے متفکر اور مضطرب ہیں اور اپنے رب کے خوف و دہشت اور اسکی رحمت کی طمع اور لالچ میں کس قدر گریہ وزاری اور عاجزی و نیازمندی کے ساتھ دعائیں مانگنے میں مصروف رہتے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جب تک اس رحمن و رحیم پروردگار کی رحمت بندوں کی دستگیری نہ کرے اور وہ ارحم الراحمین اپنے بندوں کی عبادتوں اور طاعتوں کی کوتاہیوں سے چشم پوشی اور صرف نظر نہ فرمائے بندوں کے اعمال جزا کے لائق اور اسکے نتیجہ میں نجات کا ذریعہ بن ہی نہیں سکتے۔ اسی لئے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

کس نتواند کہ سزاوار خداوندیش شکر بجا آورد — اسکی خداوندی کے شایان شان اسکا شکر کوئی نہیں ادا کر سکتا۔
بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش عذر بدرگاہ خدا آورد — بندہ کے لئے تو یہی بہتر ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں اپنی عاجزی کا اقرار کرے

(۳) سوم یہ کہ نجات کے لئے صرف عبادتوں کو ادا کرنا اور اعمال صالحہ کو اختیار کرنا ہی کافی نہیں بلکہ گناہوں، خطاؤں اور برے کاموں سے بچنا اور روحانی و جسمانی گندگی سے پاک صاف ہونا بھی از بس ضروری ہے اور ان گناہوں، خطاؤں اور برے کاموں میں بیشمار ایسے گناہ، خطائیں اور برے کام ہیں کہ انسان کو ان کا پتہ ہوتا ہی نہیں۔ اسی لئے ادعیہ مسنونہ میں جن گناہوں کی اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے کی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے ان میں گناہوں کی ایک مستقل قسم وہ بیان فرمائی ہے جس کا علم صرف خدا کو ہوتا ہے۔ بندے کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ مجھ سے یہ گناہ بھی سرزد ہوتے ہیں۔ چنانچہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورۂ ذیل دعا مغفرت نمازوں کے سجدوں میں پڑھنے کی تعلیم دی ہے آپ بھی یاد کر لیجئے اور پابندی سے پڑھا کیجئے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِیْعًا مَا قَدَّمْتُ وَمَا اَخَّرْتُ وَمَا اَعْلَنْتُ وَمَا اَسْرَرْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ

اے اللہ تو میرے سب گناہ معاف کر دے وہ بھی جو میں نے پہلے کئے اور وہ بھی جو بعد میں کئے۔ وہ بھی جو میں نے علانیہ کئے اور وہ بھی جو میں نے چھپ کر کئے، اور وہ بھی جن کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ بیشک تو ہی تو بہت بڑا مغفرت کرنے والا مہربان اخدا ہے۔

گناہوں، خطاؤں اور برے کاموں سے بالکل تو انسان بچ ہی نہیں سکتا اسلئے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا اور کوئی انسان معصوم ہو ہی نہیں سکتا ہاں ارحم الراحمین پیدا کرنیوالے خدا نے اُن کے تدارک اور تلافی کے لئے توبہ و استغفار کا نہایت وسیع اور طویل و عریض دروازہ ـ جس کی تفصیل آپ توبہ کے باب میں پڑھ چکے ہیں۔ کھولدیا ہے مگر توبہ اور استغفار کے گناہوں کی مغفرت کے لئے مفید اور کارآمد ہونیکی اتنی کڑی اور کٹھن شرطیں ہیں۔ جن کی کچھ تفصیل آپ توبہ کے بیان میں پڑھ چکے ہیں۔ کہ ان کا پورا کرنا بڑا ہی دشوار کام ہے اسی لئے ایک فارسی شاعر کہتا ہے ع

ہست استغفار ما محتاج استغفار ما ـــ ہماری تو دعائے مغفرت خود مغفرت کی محتاج ہے۔

یعنے ہماری توبہ و استغفار بجائے خود ایک گناہ ہے جس سے توبہ کرنے اور مغفرت طلب کرنے کی ضرورت ہے صرف اس لئے کہ ہم نے توبہ و استغفار کو بھی ایک کھیل بنا رکھا ہے۔ جن گناہوں سے توبہ کرنے کی ضرورت ہے ان سے توبہ بھی کر رہے ہیں اور وہ گناہ بھی کر رہے ہیں جن گناہوں سے مغفرت چاہ رہے ہیں وہ گناہ بھی کئے جا رہے ہیں اور مغفرت بھی چاہ رہے ہیں۔ یا زبان سے توبہ و استغفار کر رہے ہیں اور دل کو اسکی خبر تک نہیں کہ زبان کیا کہہ رہی ہے سو وہ اپنے خیالوں کی دنیا میں کھویا ہوا ہے۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہی ہماری عام حالت ہے، اسی لئے وہ شاعر کہتا ہے کہ ہمیں تو اپنی توبہ و استغفار سے توبہ کرنی چاہیئے کہ ہم یہ توبہ نہیں کر رہے بلکہ جھوٹ بول رہے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَغْفِرُكَ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ اے اللہ! میں تجھ سے ہر گناہ کی مغفرت چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں۔ آپ بھی پڑھئے۔

ایسی صورت میں گناہوں، خطاؤں اور برے کاموں کے عذاب سے نجات پانے کا تو اسکے سوا کوئی امکان ہی نہیں کہ ہمارا رحمٰن و رحیم پروردگار اپنی رحمت اور کریمی سے ہماری ان ٹوٹی پھوٹی توباؤں اور ادھورے سدھورے استغفاروں پر ہی ہمیں معاف کر دے اور جہنم کے عذاب سے نجات دیدے دیکھئے کس قدر سچ فرمایا ہے اصدق القائلین۔ سب سے بڑے سچے انسان ـــ صلی اللہ علیہ وسلم نے: تم میں سے کوئی بھی اپنے اعمال سے نجات ہرگز نہیں پا سکتا بجز اسکے کہ شانہٗ اسکو اپنی رحمت کے سایہ میں چھپالے۔

(۴) چہارم یہ کہ اعمال کی جزا دینے والے شانہٗ ہیں لہٰذا بندوں کے اعمالِ صالحہ بھی وقت لائق جزا ہو سکتے ہیں جب وہ اُن کو قبول فرمالیں اور یہ قبول فرمالینا ہی جل جلالہٗ کی رحمت و رأفت اور فضل و انعام ہے اسلئے کہ اول تو بندے اِس انسانی عقل و ادراک اور وہم و خیال سے بالاتر معبود کی شایانِ شان عبادت و طاعت سے قاصر ہی ہیں اسلئے کہ کما حقہٗ عبادت و

طاعت کما حقہ علم و معرفت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

علاوہ ازیں بندے اپنی بساط کے مطابق اس وحدہ لاشریک لہ کی جو کچھ بھی عبادت اور اطاعت کر کے عبدیت کا فرض، اور اسکی ربوبیت کا شکرِ نعمت ادا کرتے ہیں اگر وہ ایسا نہ کریں تو معبودِ حقیقی کی نافرمانی اور ناشکری کے مجرم ہوں۔ اس غفور و رحیم پروردگار کی کریمی ہے کہ وہ اس ادائے فرض پر جنت اور نعیم جنت سے سرفراز کر دیتا ہے۔

(۵) پانچویں اور آخری بات یہ ہے کہ عبدیت کا تقاضہ بذاتِ خود یہ ہے کہ بندہ اپنے معبود کی رضا اور خوشنودی اور رحم و کرم سے کبھی بھی صرفِ نظر نہ کرے اور اپنے اعمال وغیرہ دوسرے وسائل حتی کہ اسکے وعدوں کو بھی خاطر میں نہ لائے بلکہ صرف اسکی رحمت اور فضل کو ہی اپنا آخری سہارا سمجھے اور ہمہ وقت اسکی عبادت گذاری اور شکر گذاری میں ہمہ تن مصروف رہے۔ اور ہمہ وقت خود کو کوتاہ کار اور قصوروار اور اپنے اعمال۔ عبادات و طاعات۔ کو حقیر و ہیچ سمجھتا رہے۔ نبی رحمت ﷺ نے صحابہ کے کثرتِ استغفار کے جواب میں؛

اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا شَكُوْرًا

کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں۔

فرما کر اسی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ عبدیت اور شکرِ نعمت کا تقاضہ یہی ہے کہ بندہ خود کو اپنے اعمال کو حتی کہ مغفرت کے وعدے کو بھی خاطر میں نہ لائے اور زیادہ سے زیادہ رحمت کی دعائیں اور توبہ و استغفار کرتا رہے۔ اس کی تفصیل بھی توبہ کے باب میں گذر چکی ہے کسی اردو کے شاعر نے بھی اسی حقیقت کو ذیل کے شعر میں ادا کیا ہے:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی ۔ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مختصر یہ ہے کہ عبادات و طاعات وغیرہ اعمال صالحہ اختیار کرنے اور گناہوں معصیتوں وغیرہ سے بچنے کی خواہش طلب اور جذبہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت و رحمت پر موقوف ہے، ان پر عمل کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت پر موقوف ہے اور ان کو قبول فرمانا بھی اسی ارحم الراحمین کی رحمت پر موقوف ہے لہٰذا عذاب جہنم سے نجات پانا بھی اسی رحمٰن و رحیم کی رحمت و شفقت اور فضل و انعام پر موقوف ہے، ابتداء میں بھی رحمت، درمیان میں بھی رحمت اور آخر میں بھی رحمت غرض بندے کی دنیا اور آخرت کی پوری زندگی میں رحمٰن و رحیم پروردگار کی رحمت ہی رحمت اور فضل ہی فضل کارفرما ہے یہی مطلب ہے آیت کریمہ نمبر (۴) کے روح پرور، انسانیت نواز فقرہ کا:

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ہم ہی تمہارے ولی ہیں دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔

بندے کے اعمال صالحہ اور توبہ و استغفار تو محض ارحم الراحمین کی رحمت کا ایک وسیلہ بلکہ بہانہ ہیں فارسی شاعر نے خوب کہا ہے ؎

رحمت حق بہا نمی جوید ۔ رحمت حق بہانہ می جوید خدا کی رحمت قیمت (عوض) کا مطالبہ نہیں کرتی، خدا کی رحمت تو بہانہ ڈھونڈتی ہے۔

بندوں کی حوصلہ افزائی بلکہ عزت افزائی کے لئے قرآن عظیم میں جنت اور نعیم جنت کو "جزائے اعمال" سے تعبیر فرمایا ہے

اعمال صالحہ کی اہمیت اور شدید ضرورت۔

لیکن اس کا مطلب ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ بندہ حق جل شانہ کی رحمت اور فضل و انعام پر بھروسہ کر کے بیٹھ جاتے اور اعمال صالحہ۔ عبادات و طاعات کو بے کار و بے فائدہ سمجھ کر چھوڑ بیٹھے یا اُن میں کوتاہی کرے کہ یہ تو کھلی ہوئی سرکشی، نافرمانی اور ناشکری و ناسپاسی ہے اور شدید ترین جرم ہے اس کی لازمی سزا جہنم اور عذاب جہنم ہے اسلئے کہ اگر ایک طرف حق تعالیٰ ارحم الراحمین اور ذوالفضل العظیم ہیں تو دوسری طرف قہار و منتقم اور ذُو عقابٍ شدید بھی ہیں یہ محض شیطان کا ایک فریب ہوتا ہے کہ وہ بندے کو حق جل شانہ کے رحم و کرم اور فضل و انعام کے سبز باغ دکھا کر اپنی طرح مغرور و مغضوب اور ملعون و مردود بنا دیتا ہے اسی لئے حق تعالیٰ اپنے بندوں کو شیطان کے اس دام فریب سے ہوشیار رہنے کی غرض سے شدید تنبیہ فرماتے ہیں۔

فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا — دُنیا کی زندگی تم کو حق جل شانہ کے متعلق دھوکہ میں ہرگز نہ ڈالے اور نہ

وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (لقمان ع ۴) — فریبی شیطان ہی تم کو حق تعالیٰ کے متعلق دھوکہ میں ڈالے۔

یعنی دو شیطانی فریب اور دھوکے ہیں جو انسان کو حق تعالیٰ کی عبادت و طاعت یعنی اعمال صالحہ سے روکتے اور محروم کر دیتے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ جیسے دُنیا میں بے نیاز پروردگار بندوں کی نافرمانیوں، بداعمالیوں اور سرکشیوں کے باوجود اُن کو سب کچھ دے رہا ہے ایسے ہی وہ آخرت میں بھی جنت اور اُسکی نعمتیں ضرور دے گا۔

(۲) دوسرے یہ کہ خدا تو بڑا غفور و رحیم ہے اپنے بندوں کی خطاؤں کو معاف کرتا رہتا ہے ایسے ہی آخرت میں بھی ضرور معاف کرے گا۔

قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے جگہ جگہ مختلف عنوانات سے ان دونوں شیطانی فریبوں کا پردہ چاک کیا ہے ذیل کی آیت کریمہ میں نہایت مشفقانہ اور ناصحانہ انداز میں ارشاد فرمایا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ — ارے او انسان! تجھے کس چیز نے اپنے کرم کرنے والے رب کے متعلق دھوکے میں ڈالا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اپنے بندوں کو انسان کے لفظ سے بطور ندا خطاب فرما کر متنبہ کیا ہے کہ تو انسان ہے، پیدا کرنے والے اور پرورش کرنے والے سب سے بڑے محسن و مربی پروردگار کے سامنے سر جھکانا۔ اس کی اطاعت و عبادت کرنا — تو تیری انسانیت کا تقاضا اور فریضہ ہے — تجھے تو طبعی اور فطری طور پر اپنے رب کی طاعت و عبادت کرنی تھی چہ جائیکہ تو اس رب کریم کے بارے میں — جو محض اپنے لطف و کرم سے تجھے اس دُنیا کی زندگی میں تیری بداعمالیوں اور نافرمانیوں کے تدارک اور تلافی کے موقعے دے رہا ہے اور محض اپنی رحمت کے تقاضہ کی بنا پر تیری نافرمانیوں اور بدکاریوں کی پاداش میں سزا نہیں دیتا اور درگذر فرماتا ہے صرف اسلئے کہ شاید یہ ظلوم و جہول انسان اب بھی ہوش میں آجائے اور

اسکی خفتہ انسانیت زندگی کے آخری لمحات میں ہی بیدار ہو جائے ۔ تو ایسے مہلک فریب اور ایسے تباہ کن دھوکے میں گرفتار ہے؟ اسکے معنی تو یہ ہیں کہ تو مجسم شیطان بن گیا ہے ، ذرا ہوش میں آ اور دیکھ یہ رب کریم کون ہے اور کیسے کیسے عظیم احسان اسکے تجھ پر ہیں اور کتنے اہم حقوق اسکے تیری گردن پر ہیں یہ وہ رب کریم ہے الخ باقی آیات اور ان کا ترجمہ قرآن کریم سے پڑھیئے ہم طوالت کے خوف سے آگے بڑھتے ہیں ۔

بہرحال یہ دنیا عالم اسباب ہے، رب العالمین نے انسانی زندگی کے ہر قدم پر ۔ خواہ وہ دنیوی ہو یا دینی ۔ کامیابی و کامرانی کے اسباب وسائل تجویز فرما کر انسان کو طبعاً، فطرتاً، عقلاً، شرعاً غرض ہر حیثیت سے ان کا مکلف بنایا اور مامور فرمایا ہے لہٰذا انسان کے خدا تک پہنچنے یعنی اسکی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کا ۔ جو اسکا فطری تقاضہ ہے ۔ واحد وسیلہ اعمال صالحہ ہیں جس طرح دسترخوان پر رکھے ہوئے کھانے کا لقمہ انسان کے ہاتھ ہلائے بغیر منہ میں نہیں پہنچ سکتا اور منہ چلائے بغیر پیٹ میں پہنچ کر بھوک کو دور نہیں کر سکتا اسی طرح خود انسان، اعمال صالحہ ۔ عبادات وطاعات الٰہیہ ۔ کو اختیار کئے بغیر خدا کا قرب اور اسکی رضا و خوشنودی کو ۔ جسکا حاصل کرنا بندہ کی عبدیت کا تقاضہ ہے ۔ ہرگز ہرگز حاصل نہیں کر سکتا لہٰذا اعمال صالحہ کا اختیار کرنا اور ادا کرنا انسان کی روحانی بھوک کی تسکین کیلئے ایسا ہی لابدی اور ناگزیر ہے جیسے دسترخوان پر رکھے ہوئے کھانے کے لقمے بنا کر منہ میں رکھنا اور منہ چلانا پیٹ بھرنے کیلئے۔ اس لئے انسان ۔ بشرطیکہ وہ انسان ہو، انسان کے روپ میں شیطان نہ ہو ۔ مقدور بھر اعمال صالحہ سے صرف نظر ہرگز نہیں کر سکتا باوجود اسکے کہ نجات کا مدار صرف حق جل شانہ کی رحمت اور فضل پر ہے ۔

آپ اسباب و وسائل کی تفصیلی بحث میں پڑھ چکے ہیں کہ بندے اپنے مقاصد میں مطلوب نتائج حاصل کرنے کیلئے اسباب و وسائل اختیار کرنے کے محتاج بھی ہیں اور مامور و مکلف بھی لیکن مسبب الاسباب یعنے رب العالمین اسباب و وسائل سے بالکل مستغنی اور بے نیاز ہیں وہ بغیر اسباب و وسائل کے جو چاہیں کر سکتے ہیں اسی اصول کے تحت اعمال صالحہ کی اہمیت کو سمجھئے کہ بندے نجات حاصل کرنے کے لئے اعمال صالحہ کے محتاج بھی ہیں مامور بھی ہیں مکلف بھی ہیں لیکن ارحم الراحمین رب العالمین کو اپنے کسی مومن بندے کو نجات دینے کے لئے اعمال صالحہ کی قطعاً ضرورت نہیں صرف ان کے رحم و کرم اور فضل و انعام کا اس کو اپنے سایہ رحمت میں لے لینا کافی ہے ۔

طول بیان کی معذرت اور وجہ

استقامت کی تشریح و توضیح کے سلسلہ میں قارئین کو ہمارا یہ بیان بہت دراز محسوس ہو رہا ہوگا اور اسکے لئے ہم ان سے معذرت خواہ بھی ہیں لیکن اگر وہ بنظر غائر اسے پڑھینگے اور غور فرمائینگے تو محسوس کرینگے کہ کتاب "ریاض الصالحین" کے گذشتہ ساتوں اہم ترین الباب ابواب میں بیان شدہ دین کے بنیادی مسائل کی دینی اور دنیوی افادیت اور منفعت کا تمام تر دارو مدار استقامت پر ہے اگر ان امور میں سے کسی ایک امر پر بھی استقامت نہ ہو تو نہ اسکا کوئی دینی فائدہ ہے نہ دنیوی، دیکھئے ۔ نہ چند روزہ توبہ و استغفار و اخلاص کارآمد ہے نہ چند روزہ صبر و صدق، نہ چند روزہ

تقویٰ اور پرہیزگاری نتیجہ خیز ہے نہ ہی چند روزہ مراقبہ اور محاسبۂ اعمال، نہ ہی چند روزہ یقین و توکل کا کوئی فائدہ ہے۔ ان تمام اہم ترین دینی امور کی دنیوی اور اُخروی برکات و ثمرات، اور انسانی زندگی میں ملکوتی صفات پیدا کر دینے والے اثرات اسی صورت میں مرتب ہو سکتے ہیں کہ جب ان پر کماحقہٗ استقامت پائی جائے، پھر استقامت بھی نہ صرف عبادات میں ہی ضروری ہے بلکہ ایک طرف عقائد حقہ پر استقامت ناگزیر ہے تو دوسری طرف معاملات وغیرہ احکام شرعیہ پر استقامت بھی ناگزیر ہے بالفاظ دیگر جب تک پوری انسانی زندگی کے دینی اور دنیوی امور پر استقامت نہ ہو اس وقت تک استقامت بھی کارآمد اور نتیجہ خیز نہ دینی اعتبار سے ہو سکتی ہے نہ دنیوی اعتبار سے۔

اسلئے استقامت کی مکمل تشریح اور تفصیل بیان کرنا ہمارے لئے ناگزیر تھا اور اسی لئے ہم اللہ جل شانہٗ کی توفیق پر بھروسہ کرکے اگر یہ کہیں کہ اس طول طویل بیان کا ایک فقرہ (پیراگراف) بھی دینی اور دنیوی فائدہ اور دینی معلومات میں اہم اضافہ سے خالی نہیں ہے تو بیجا نہ ہوگا وباللہ التوفیق ولاحول ولاقوۃ الا باللہ ولہ الحمد فی الآخرۃ والاولیٰ۔ اللہ جل شانہٗ ہی کی توفیق کا یہ نتیجہ ہے اور کسی بھی کام کی طاقت و قوت اللہ جل شانہٗ کے دیئے بغیر میسر نہیں، اسی کی حمد و ثنا اور شکر و سپاس ہے اول میں بھی آخر میں بھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نواں باب

تفکر

(۱) اللہ تعالیٰ کی گوناگوں عظیم مخلوقات کے بارے میں اور پھر تمام دُنیا کے فنا ہونے کے بارے میں غور وفکر کرنا نیز آخرت کے ہولناک واقعات اور تمام امورِ آخرت کے بارے میں غور وفکر کرنا۔

(۲) پھر اپنے نفس کی کوتاہیوں اور اُس کی اصلاح و تہذیب کے بارے میں، اور استقامت پر اُس کو آمادہ کرنے کی ترغیب کے بارے میں غور وفکر کرنا۔

نوٹ :- امام نووی رحمۃ اللہ عنوان باب کو ثابت کرنے کے لئے پوری آیت نہیں لاتے بلکہ صرف وہ ٹکڑا نقل کر دیتے ہیں جس سے باب ثابت ہو۔ اُن کے زمانے میں یہ کافی تھا لیکن ہمارے زمانہ میں تو نہ صرف پوری آیت نقل کرنے کی ضرورت ہے بلکہ اُردو ترجمہ اور تشریح کی بھی۔ اِسی لئے ہم نے پوری پوری آیتیں اور ان کے ترجمے بھی نقل کئے ہیں اور تشریح بھی کی ہے تاکہ عام اُردو پڑھے لکھے مسلمان بھی فائدہ حاصل کرسکیں۔

قرآن کریم کی آیات اور اُن کے ترجمے اور تشریح

۱۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے :-

قُلْ إِنَّمَآ أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ أَن تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِكُم مِّن

(اے نبی!) تم ان سے کہو، میں تم کو ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لئے دو دو (ملکر) اور تنہا تنہا اٹھ کھڑے ہو پھر (ٹھنڈے دل سے) غور کرو تمہارے اس

جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ○ (سورۂ سبا آیت ۴۶)

رفیق نبی) کو سودا نہیں ہے یہ تو صرف تم کو ایک شدید عذاب کے آنے سے پہلے خبردار کرنے والا ہے۔

۲۔ نیز ارشاد ہے:۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ○ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ○

(آل عمران آیت ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱)

بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات (کے بعد دن) اور دن (کے بعد رات) کے آنے جانے میں البتہ (خدا کی یکتائی اور قدرت و حکمت کی بہت سی نشانیاں (موجود) ہیں ۔ اُن عقلمندوں کے لئے جو کھڑے اور بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر (لیٹے ہوئے) (غرض ہر حالت میں) اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی آفرینش میں غور و فکر کرتے رہتے (اور بے ساختہ کہہ اُٹھتے) ہیں اے ہمارے پروردگار! تو نے اِس (تمام دنیا) کو بے کار (اور بے مقصد) نہیں پیدا کیا۔ (بلکہ ہمارے غور و فکر اور عبرت کے لئے پیدا کیا ہے تاکہ ہم اُس کو دیکھ کر تیری وحدانیت و قدرت پر ایمان لائیں اور تیری ہی عبادت کریں) تو تو پاک ہے (اِس سے کہ بے کار اور بے مقصد کوئی کام کرے) پس تو ہماری کوتاہیوں کو بخش دے اور) ہم کو جہنم کی آگ سے بچالے۔

۳۔ نیز ارشاد ہے:۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ

بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات (کے بعد) دن (اور دن کے بعد رات) کے آنے جانے میں اور اُن کشتیوں (اور جہازوں) میں جو لوگوں کے لئے کارآمد چیزوں کو (اور خود لوگوں کو) لے کر سمندر میں چلتی (اور سفر کرتی) ہیں اور

النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَبَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ

(پارہ ۲ سورۃ البقرۃ آیت ۱۶۴)

(بارش کے) اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے برسایا اور پھر اس پانی سے زمین کو اس کے خشک (اور بنجر) ہو جانے کے بعد سرسبز و شاداب کر دیا اور اس زمین میں ہر قسم کے جانوروں (کی نسل) پھیلا دی۔ اور (گرم و سرد و خشک و تر) ہواؤں کو (شرقاً غرباً جنوباً شمالاً) اَدلنے بدلنے میں اور آسمان و زمین کے درمیان معلق بادلوں میں البتہ (اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کی) بے شمار دلیلیں (موجود) ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقل (سلیم) رکھتے ہیں۔

۴۔ نیز ارشاد ہے :۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ ○ وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ ○ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ○ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ○ فَذَکِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ ○ لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ ○

(پارہ ۳۰ سورۃ الغاشیۃ آیت ۱۷ سے ۲۲)

تو کیا وہ (پہاڑوں سے گھرے ہوئے ریگستانوں کے درمیان سفر کرتے وقت اپنی سواری کے) اونٹ کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسا (عجیب و غریب اور بے مثل جانور) پیدا کیا گیا ہے اور (سر اٹھا کر) آسمان کی طرف نہیں دیکھتے) کہ وہ کیسے (زمین کی چھت کی طرح) بلند کیا گیا ہے اور (بلند و بالا) پہاڑوں کی طرف (نہیں دیکھتے کہ وہ میخوں کی طرح زمین پر) کیسے نصب کئے گئے ہیں اور (اپنے پیروں کے نیچے بچھی ہوئی) زمین کی طرف (نہیں دیکھتے کہ وہ باوجود گیند کی طرح گول ہونے کے) کیسے (فرش کی طرح) ہموار بچھی ہوئی ہے (پس اے نبی) تم ان کو (خدا کی بے مثل نعمتیں) یاد دلایا کرو (اس لئے کہ) تم تو بس یاد دلانے والے ہی ہو (ایمان لانا اور احسان ماننا ان کا فرض ہے) تم ان پر مسلط نہیں ہو (کہ زبردستی ان سے منواؤ)

۵۔ نیز ارشاد ہے :۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ	کیا ان منکروں نے (کبھی روئے) زمین کے سفر نہیں کئے
فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ	کہ دیکھیں (اور غور کریں) کہ کیا انجام ہوا ان قوموں کا جو
الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کَانُوْآ	اُن سے پہلے (گذر چکی) ہیں وہ تو (تعداد میں بھی) اُن سے
اَکْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّۃً	زیادہ تھے۔ اور طاقت میں بھی اور روئے زمین پر یادگاریں
وَّ اٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَآ	قائم کرنے میں بھی (ان سے بڑھ کر تھے) پس (دیکھو اور
اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا کَانُوْا	عبرت پکڑو) ان کا سب کچھ کیا کرایا اُن کے کچھ بھی کام
یَکْسِبُوْنَ ○ (پارہ ۲۴، س المؤمن آیت ۸۲)	نہ آیا۔

اجمالی خلاصہ

اسی طرح قرآنِ کریم کی اور بہت سی آیاتِ کریمہ اِس غافل اور دُنیا کی اُلجھنوں میں گرفتار انسان کو خاص طور پر اس "غور و فکر" اور تفکر و تدبر کی دعوت دیتی ہیں اور یگانہ و یکتا پروردگار کی وحدانیت پر ایمان لانے اور اسی کی عبادت واطاعت میں مصروف رہنے کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔

احادیث کے ذخیرہ میں سے سابق ابواب میں ذکر شدہ (باب المراقبہ کی ساتویں) حدیث ذیل خاص طور پر توجہ کے لائق ہے۔

حضرت ابو یعلی شداد بن اوس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا:۔

زیرک وہ شخص ہے جس نے خود اپنے نفس کا محاسبہ کیا۔ (اور اپنے اعمال کا جائزہ لیا) اور مرنے کے بعد (کی زندگی) کے لئے عمل کیا۔ اور عاجز و ناکارہ وہ شخص ہے جس نے اپنے آپ کو خواہشاتِ نفس کے حوالے کر دیا۔ اور اللہ جل شانہ پر (بے سر و پا) آرزوئیں باندھتا رہا (کہ اللہ کریم ہے سب گناہ معاف کر دے گا)۔

اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور "حسن صحیح" کہا ہے (اس حدیث پر تفصیلی بحث مراقبہ کے بیان میں گذر چکی ہے ضرور دیکھئے)

الفاظ کے معنی! امام ترمذی وغیرہ علماء حدیث نے "دان نفسہ" کے معنی: حاسبھا بیان کئے ہیں یعنی اپنے نفس (اور اس کے اعمال وافعال) کا جائزہ لیا۔

مُفصّل تشریح آیاتِ کریمہ

امام نووی رحمہ اللہ نے اس باب کے تحت قرآن کریم کی پانچ مختلف آیات نقل کی ہیں جن میں سب سے زیادہ جامع اور اہم دوسری آیتِ کریمہ ہے اس لئے ہم اسی کی تشریح مناسب سمجھتے ہیں۔

ذِکرُ اللہ

وہ اربابِ عقول جن کے لئے آسمانوں اور زمین کی آفرینش میں اور رات دن کے یکے بعد دیگرے آمدورفت میں اللہ جل شانہ کی قدرت وحکمت کی عظیم نشانیاں ہیں اللہ جل شانہ نے ان کے کچھ اوصاف بیان کئے ہیں۔ انہی اوصاف سے ان کی تخصیص وتعیین فرمائی ہے۔ ان اوصاف میں پہلا وصف یہ ہے ارشاد ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ۔ (پارہ ۴، س آل عمران آیت ۱۹۱) وہ لوگ جو کھڑے بیٹھے اور پہلوؤں پر (لیٹے) اللہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

یعنی ہر حالت میں اور ہر وقت اللہ جل شانہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انسان کی عام اوقات میں یہی تین حالتیں ہوتی ہیں۔ یا وہ کھڑا یا بیٹھا ہوتا ہے۔ یا لیٹا ہوتا ہے۔ لہٰذا ان اصحابِ عقول کی ایک شان تو یہ ہوئی۔ کہ وہ ہر حالت میں اور ہر وقت اللہ جل شانہ کے ذکر میں مصروف رہتے ہیں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی صحیح حدیث میں آیا ہے:۔

کَانَ یَذْکُرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ اَحْیَانِہٖ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام اوقات میں اللہ جل شانہ

کا ذکر کیا کرتے تھے۔

اگرچہ عام طور پر قرآن کریم اور صحیح احادیث میں ذکر لسانی (زبان سے اللہ اللہ کرنا) ہی آتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہے :۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ سن لو! اللہ جل جلالہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان (پ ۱۳ سورۃ رعد آیت ۲۸) نصیب ہوتا ہے۔

عام مفسرین رحمہم اللہ نے اس ذکر کا مصداق تلاوت قرآن عزیز اور وہ تمام مسنون اذکار قرار دیئے ہیں جو صحیح احادیث میں آتے ہیں لیکن تلاوت کلام اللہ کے بعد دوسرا مصداق اس ذکر کا زبان سے اَللّٰہ اَللّٰہ یا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا ہے۔ چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سب سے افضل ذکر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔

عربی زبان میں بھی ذکر کے معنے زبان سے ذکر کرنے کے آتے ہیں۔

لیکن اس آیت کریمہ میں ہر حالت اور ہر وقت کا مفہوم بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے کہ انسان کی بہت سی ایسی حالتیں ہیں جن میں زبان سے اللہ جل جلالہ کا ذکر مکروہ یا خلاف اولیٰ اور ناپسندیدہ ہے حوائج ضروریہ میں مصروف ہونے کے وقت مکروہ ہے اور قرآن وحدیث کا درس دیتے وقت یا وعظ کہتے وقت یا فقہی مسائل بیان کرتے وقت ضروری ہے کہ زبان قرآن وحدیث کے معانی ومطالب کے یا دینی مسائل کے یا پند وموعظت کے مضامین بیان کرنے میں مصروف ہونی چاہیئے نہ کہ اَللّٰہ اَللّٰہ یا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے میں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ضروری دینی امور بیان کرتے یا غزوات وغیرہ کے بارے میں مشورہ کرنے کے وقت صحابہ کرام سے ہی گفت گو کرنے میں مصروف رہتے تھے۔ بہرحال ظاہر یہ ہے کہ ہر حالت اور ہر وقت زبان سے ذکر اللہ نہیں کیا جا سکتا ہاں ذکر قلبی (دل سے) اَللّٰہ اَللّٰہ کہنا مراد ہو تو ہر وقت اور ہر حالت میں کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر علماء محققین اور

صوفیائے کرام اس ذکر کا مصداق جو ہر وقت اور ہر حالت میں کیا جاسکے ذکر قلبی ہی قرار دیتے ہیں اور یہی مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ اور حدیث میں مراد لیتے ہیں ۔

بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیتِ کریمہ اور حدیث کو اپنے عموم پر باقی رکھا جائے کہ خالی اوقات اور تنہائی میں زبان سے اَللّٰہ اَللّٰہ کیا کرتے ہیں ۔ اور مشغول و مصروف اوقات میں دل سے اَللّٰہ اَللّٰہ کیا کرتے ہیں صوفیاء کرام بھی سالک کو ابتدا میں ذکر لسانی ہی کی تعلیم دیتے ہیں ۔

بہرحال اِن اصحابِ عقول کا ایک وصف تو یہ ہوا دوسرا وصف یہ ہے :۔

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (پارہ ۴، س: آل عمران، آیت ۱۹۱) اور غور و فکر کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی آفرینش میں ۔

تَفَکُّرُ

از روئے لغت تفکّر کے معنے ہیں غور و فکر کرنا غور گذشتہ امور پر کیا جاتا ہے اور فکر آئندہ امور کی کی جاتی ہے یہ دونوں امور ہر صورت میں مشاہد و محسوس نہیں ہوتے بلکہ نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں ۔ ان دونوں لفظوں کے ساتھ ہی ایک اور لفظ تَدَبُّر بھی آتا ہے جس کے معنی ہیں انجام پر غور کرنا خواہ گذشتہ امور کا انجام ہو خواہ آئندہ کے امور کا ۔ گویا یہ ماحصل اور فائدہ ہوتا ہے غور و فکر کا اِسی لئے یہ تینوں چیزیں تَفَکُّر کے تحت آتی ہیں ۔ یہ تو ہوئے تَفَکُّر کے لغوی معنی اور مدلول ۔ اس تَفَکُّر کے موضوعات یعنی جن امور پر انسان غور و فکر کرتا ہے امور دُنیوی بھی ہوتے ہیں اور غیر دُنیوی بھی ۔

اسی لئے یہ تفکّر کسی خاص قوم یا خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر انسان کی خلقی عقلیت کا فطری تقاضا ہے ۔ یہ ہوئے تفکّر کے موضوعات باقی زیرِ بحث آیت کریمہ میں ان اربابِ عقول کے اوصاف میں سے دُوسرا وصف جیسا کہ ہم بیان کر چکے یہ ہے ارشاد ہے :۔

وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ (پ۴ آیت ۱۹۱) — اور وہ غور و فکر کرتے رہتے ہیں آسمانوں اور زمین کی آفرینش میں۔

گویا اللہ کا مسلسل ذکر ان کو آسمانوں اور زمین کی آفرینش میں غور کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اس آیتِ کریمہ میں موضوع تفکر کا ذکر اجمالاً فرمایا ہے تیسری آیت میں تفصیلی طور پر بیان فرمایا ہے۔ بہر حال اس تفکر کے مختلف مدارج و مراتب ہیں اعلیٰ مرتبہ۔ اور یہی مطلوب ہے۔ یہ ہے۔ گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر دل کو ماسویٰ اللہ کے خیال اور تصور سے پاک و صاف اور فارغ (خالی) کر کے جل جلالہٗ کی صفات، اسماء اور شیئوں میں اور کائنات میں جو ان کے مظاہر ہیں۔ اُن کے تصور میں اس طرح مستغرق اور محو ہو جائے۔ کہ اپنی ہستی کا احساس و شعور ہی نہ رہے جیسے آفتاب نکل آنے کے بعد سارے محو ہو جاتے ہیں اس طرح محو ہو جائے۔ یقیناً یہ محویت مسلسل ذکر اللہ کی ریاضت کے بعد ہی پیدا ہو سکتی ہے اسی تصور اور محویت کا نام تَفَکُّر ہے۔

جل جلالہٗ کی صفات اور اسماء و شیئوں مختلف ہیں۔ ابتدائی طور پر صفات اور اسماء و شیئوں کو دو قسموں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔ ۱۔ ایک اسماء و صفاتِ رحمت و جمال۔ ۲۔ دوسرے اسماء و صفاتِ قہر و جلال۔ پہلی قسم کے مظاہر، کائنات میں تمام خیر و صلاح کے اسباب کی آفرینش ہے مثلاً آدم علیہ السلام کو اور اُن کی ذرّیت کو پیدا کرنا۔ انبیاء و رُسل کو بھیجنا آسمانی کتابوں اور صحیفوں کو نازل فرمانا ایمان والوں اور فرمانبرداروں کو جنت اور نعیم جنت عطا فرمانے کا وعدہ اور اس کا تفصیلی بیان۔ دوسری قسم کے مظاہر، کافر و مشرک اور نافرمان قوموں اور افراد کو دُنیا میں مختلف قسم کے عذابوں سے ہلاک کرنا یا آخرت میں ان کے لئے گوناگوں ہولناک عذابوں کا تیار فرمانا وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ انسان کے لئے یہ اعلیٰ درجہ کا تَفَکُّر ہے مگر اس کی ریاضت بے حد دُشوار اور مُشکل کام ہے اس کے لئے کافی عرصہ مسلسل ذِکْرُ اللہ کرنے کے باوجود مکمل تنہائی اور یکسوئی حاصل کرنے کی غرض سے بستیوں اور آبادیوں سے دُور خانقاہوں یا قدرتی

خانقاہوں یعنی پہاڑوں کے غاروں یا سنسان جنگلوں میں چلہ کشی یعنی خلوت نشینی کرنی پڑتی ہے
مگر ہے بیحد مفید اور یہ کام ابتدا میں تو ترک مالوفات (مانوس چیزوں کو چھوڑنے) کی وجہ سے
کٹھن معلوم ہوتا ہے مگر کچھ دن بعد ہی روحانی لذت اور کیف و سرور حاصل ہونے کی وجہ سے
اس گوشہ نشینی سے بیحد محبت ہو جاتی ہے۔

تَفَکُّر و تَدَبُّر عظیم عبادت ہے

یہ تفکر و تدبر ایک عظیم الشان عبادت ہے جب ہمہ وقت توجہ اِلَی اللہ میسر آتی ہے
اور تزکیۂ نفس اور تصفیۂ روح کے لئے تریاقِ اعظم کا درجہ رکھتا ہے ان مراحل سے گذرنے
کے بعد انسان تمام خُلقی رذائل و ذمائم سے خواہ عملی ہوں خواہ اخلاقی یا اعتقادی بالکل پاک صاف
ہو جاتا ہے اور انوار و تجلیات سے آراستہ و پیراستہ ہو کر سراپا نُور بن جاتا ہے۔

تَفَکُّر کے عبادت ہونے کا ثبوت قرآن و حدیث سے

قرآن کریم توجگہ جگہ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ اور لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ اور اَفَلَا
يَتَدَبَّرُوْنَ کے ذریعہ اِس تَفَكُّرُ و تَدَبُّرُ کی دعوت دیتا ہے ﷺ جس چیز
کی دعوت دیں وہ عبادت نہ ہو محال ہے خصوصًا تَفَكُّرُ کا وہ اعلیٰ مرتبہ جس کا حال آپ پڑھ چکے
ہیں وہ تو عبادتِ عقلی ہے۔

سرورِ کائنات ﷺ بھی بعثت سے پہلے غارِ حِرا میں خلوت نشینی اور چلہ کشی فرمایا
کرتے تھے ہفتہ عشرہ کا سامان خورد و نوش یعنی ایک تھیلا کھجوروں کا اور ایک چھاگل پانی کا
لے جاتے اور رات دن اسی تفکر و تدبر میں مصروف رہتے۔ کہتے ہیں کہ غارِ حِرا میں
ایک سوراخ (موکھ) تھا۔ وہاں سے بیت اللہ صاف نظر آتا تھا۔ وہیں آپ ﷺ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بدءِ وحی (ابتداء وحی) کی طویل حدیث میں بیان کرتی ہیں
"پھر (رؤیائے صادقہ کے بعد) آپ کو خلوت نشینی سے محبت ہو گئی چنانچہ آپ
غارِ حِرا کے اندر کئی کئی رات (دن) تنہائی میں عبادت کے اندر مصروف رہتے۔"

اس عبادت کا مصداق اُس زمانے میں کہ ابھی وحی کا سلسلہ بھی نہیں شروع ہوا جس سے شرائع وعبادات کا علم ہو۔ یہی اسماء اور صفاتِ الٰہیہ، اور کائنات میں ان کے مظاہر پر غور وفکر میں استغراق اور اُن کے اندر محو ہو جانا تھا جس کے علم کے لئے آپ کی فطرتِ سلیمہ اور دُنیا کی آلائشوں سے پاک وصاف دل کافی تھا۔

حدیث کے الفاظ میں یتحنث وھو التعبد (آپ ہر خدا سے غافل کر دینے والی چیز سے دور رہتے اور یہی تعبد ہے) آتا ہے۔ یہ ثبوت ہے تفکر کے عظیم ترین عبادت ہونے کا۔ بہر کیف آپ کی اس خلوت نشینی اور اس کے اندر اس تفکر نے ہی آپؐ کی روحانی قوت یعنی ملکی قوت کو اتنا قوی کر دیا کہ آپ حامل وحی فرشتے یعنی حضرت جبرائیل سے اُس کلام اللہ کو اخذ کرکے اور حامل بن گئے جس کا حال یہ ہے :۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اُتار دیتے تو تم دیکھتے کہ وہ پہاڑ اللہ کے خوف سے لرزنے لگتا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

یہ روحانی قوت میں عظیم اضافہ اس تفکر کا بے مثال فائدہ ہے اسی لئے صوفیاکرام بھی لسانی ذکر اللہ کی ریاضت کے بعد ذکر قلبی اور اسی تفکر وتدبر کی تعلیم دیتے ہیں جس کو ان حضرات کی اصطلاح میں "مُراقبہ" کہتے ہیں جس کا کچھ بیان آپ "مُراقبہ" کے باب میں پڑھ چکے ہیں مزید تفصیل تصوف کی کتابوں میں دیکھئے۔

اِس تفکر وتدبر کا حاصل اور نتیجہ

انہی اربابِ عقول کے متعلق ذکر اللہ اور تفکر کے بعد ارشاد ہے :۔

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (پ ۴ آیت ۱۹۱)

اے ہمارے پروردگار (ہم اقرار کرتے ہیں) کہ تو نے اس (آسمان و زمین اور اسکے درمیان بسنے والی مخلوقات) کو بے مقصد نہیں پیدا کیا تو پاک ہے (اس سے کہ بے مقصد کام کرے) بس تو ہم کو جہنم کی آگ سے بچالے۔

یعنی اسماء وصفاتِ الٰہیہ اوران کے مظاہر میں غور وفکر کرنے کے بعد بیساختہ اور بلا اختیار کہہ اُٹھتے ہیں : اے ہماری پرورش کرنے والے ہمیں یقین ہے کہ تونے اِس تمام کائنات کو بے مقصد پیدا نہیں کیا بلکہ ان کی آفرینش کا ایک عظیم مقصد ہے جو تو ہی ہمیں اپنی رحمت و رُبوبیت کے تقاضے سے بتلاتا ہے وہ یہ ہے :۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ — میں نے جنّوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے
اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذاریات) — کہ وہ میری عبادت کریں۔

اِس پر بھی ہم ایمان لاچکے ہیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ اس عبادت میں ہم سے ضرور کوتاہیاں اور نافرمانیاں ہوں گی پس تو ہماری کوتاہیوں اور نافرمانیوں کو معاف فرمادے ۔ اس لئے کہ تو ہمارا رب ہے تو معاف نہیں کرے گا تو کون معاف کرے گا ۔ اور تو ہم کو جہنم کے ہولناک عذاب سے بچالے ۔

خلاصہ

حاصلِ غور وفکر چار چیزیں ہیں ۱۔ ایک اعترافِ رُبوبیت ۲۔ دوسرے مقصدِ تخلیق پر ایمان ۳۔ تیسرے اپنی کوتاہیوں اور نافرمانیوں کا اقرار ۴۔ چوتھے کوتاہیوں اور نافرمانیوں کو بخش دینے اور جہنم کے عذاب سے بچانے کی دُعا ۔

تقریباً یہی چار چیزیں تفکّر کے باب کا عنوان ہیں اس لئے اس باب تفکّر کے اثبات کے لئے یہ آیتِ کریمہ جامع ترین آیت ہے باقی آیتوں میں مظاہر رحمت یا مظاہر نقمت (وعذاب) میں تفکّر کی دعوت دی گئی ہے ۔

اِس پُرفتن زمانے میں ہماری حالت

ہم تو اس پُرآشوب زمانے میں ایسے دُنیا کے دھندوں میں پھنسے ہوتے اور الجھنوں میں گرفتار ہیں کہ ہر وقت اور ہر حالت میں ہوسِ زراندوزی اور فراوانی مال و دولت کی طمع ہمارے دل و دماغ پر مسلّط ہے ۔ اِسی میں ہم محو ہیں ۔ خالی اوقات اور تنہائیوں میں بھی زیادہ سے زیادہ مال و دولت

حاصل کرنے کی تدبیروں میں ہی غور و فکر کرتے ہیں۔ سچ فرمایا ہے جل جلالہ نے :۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا۔ (پ ۳۰ س الاعلیٰ آیت ۱۶) بلکہ تم تو دُنیا کی زندگی کو ہی ترجیح دیتے اور پسند کرتے ہو۔

حالانکہ ہمارے محبوب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہ شفقت و رآفت خبردار فرما دیا ہے :۔

فَوَاللّٰہِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ	پس خدا کی قسم تنگدستی اور افلاس سے مجھے تمہارے متعلق کوئی ڈر
وَلٰکِنْ اَخْشٰی عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا اِذَا	نہیں بلکہ مجھے ڈر لگتا ہے دُنیا (کی دولت) سے جبکہ وہ تمہارے لئے
ھِیَ حِیْزَتْ لَکُمْ فَتَنَافَسُوْا	سمیٹ دی جائیگی پھر تم اس مال و دولت کے سمیٹنے میں ایک دوسرے
فِیْھَا کَمَا تَنَافَسَ مَنْ کَانَ	سے آگے بڑھنے کی کوشش کروگے۔ جیسے تم سے پہلی قوموں نے
قَبْلَکُمْ فَتُھْلِکَکُمْ کَمَا	کیا۔ اور پھر وہ دُنیا (کی طمع) تم کو ایسے ہی ہلاک کر ڈالے گی
اَھْلَکَتْ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ	جیسے اُن قوموں کو ہلاک کیا۔

مگر افسوس، صد افسوس! ہم میں سے بیشتر لوگوں نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مشفقانہ تنبیہ کو بھی پسِ پشت ڈال دیا اور مال و دولت سمیٹنے میں ایسے لگے ہیں کہ نہ صرف خدا اور رسول اور آخرت کو بھول گئے بلکہ اپنے آپ کو بھی بھلا بیٹھے اور علانیہ غیر قانونی کاروبار کر رہے ہیں سزائیں کاٹتے ہیں لیکن جیل سے باہر آکر پھر وہی خلافِ قانون کاروبار کرتے ہیں حرام و حلال اور جائز و ناجائز کا تو ذکر ہی کیا۔

اللہ جل و عزّ، رحیم ہیں اپنے محبوب نبی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے صدقے ہماری حالت پر رحم فرمائیں: اور اس زر پرستی کے جہنم سے نکال کر خدا پرستی کی توفیق عطا فرمائیں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتلائی ہوئی یہ دُعا معنی سمجھ کر مانگا کیجئے۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ	اے اللہ! تو دُنیا کو ہمارا سب سے بڑا فکر نہ بنائیو اور نہ
ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا	(دنیا کو) ہمارا منتہائے علم (مقصد علم) بنائیو اور نہ دُنیا کو ہماری
غَایَۃَ رَغْبَتِنَا۔	مرغوب چیز بنائیو۔

ہمت کیجئے اور کسی نہ کسی وقت تنہائی میں کسی نہ کسی درجہ میں تفکر۔ اسماء و صفاتِ الٰہیہ پر غور و فکر ضرور کیجئے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

دسواں باب

۱۔ نیک کاموں کے انجام دینے میں عجلت اختیار کرنے کا۔
۲۔ اور جو شخص کسی خاص کارِ خیر کا ارادہ کرے اس کو بلا تاخیر، اور تردد کے بغیر، پورے اہتمام کے ساتھ انجام دے لینے پر برانگیختہ کرنے اور ترغیب دینے کا بیان۔

نوٹ:۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کتاب کی طوالت کے خوف سے قرآنِ کریم کی بڑی بڑی آیات میں سے صرف وہ حصہ لیا ہے جس سے ترجمۃ الباب (عنوان باب) ثابت ہوتا ہے ہم نے پوری پوری آیات مع ترجمہ و تشریح کے نقل کر دی ہیں تاکہ کتاب پڑھنے والے کامل نفع حاصل کر سکیں۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی — اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَلِکُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ

(سورہ بقرہ آیت ۱۴۸)

اور ہر مذہب والے کا ایک (مخصوص) قبلہ ہے جس کی طرف وہ (عبادت میں) اپنا منہ (رُخ) کرتا ہے پس (اے مسلمانو تم قبلہ کے بارے میں یہود و نصاریٰ سے جھگڑے میں اپنا وقت ضائع مت کرو بلکہ) نیک کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو (کیونکہ) جہاں بھی تم ہوگے اللہ تم سب کو (وہیں سے میدان حشر میں) لے آئے گا (اور پھر نیک کاموں کی جزا اور بُرے کاموں کی سزا دے گا لہٰذا اس دن کی فکر کرو اور زیادہ سے زیادہ کارہائے خیر کر لو وقت بالکل ضائع نہ کرو) بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تشریح:۔ اس آیتِ کریمہ میں اہلِ ایمان کو اعمالِ صالحہ اور کارہائے خیر میں ایک دوسرے

سے سبقت کرنے اور آگے نکل جانے کی ترغیب دی گئی ہے یہی ترجمۃ الباب (عنوان باب) کا پہلا جزو ہے۔

۲۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی — اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ	اور تم اپنے رب کی مغفرت کی طرف دوڑو (اور عجلت کرو)
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا	اور اُس جنت کی جانب (دوڑو) جس کا عرض ہے آسمانوں اور
السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ	زمین (کے برابر اور طول کا حال تو خدا ہی جانتا ہے کتنا ہوگا) تیار
لِلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ	کی گئی ہے پرہیزگاروں کے لیے جو خوشحالی اور تنگدستی (دونوں
فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ	حالتوں میں اللہ کے حکم کے مطابق) خرچ کرتے ہیں اور جو غصہ
وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ	کو دبا لیا کرتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیا کرتے ہیں اور اللہ
وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ	ایسے ہی نیکو کاروں سے محبت کرتا ہے اور وہ لوگ جو جب
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ	بھی کوئی فحش کام کرتے ہیں یا اپنے حق میں کوئی بُرا کام (گناہ)
وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً	کر بیٹھتے ہیں، تو (فوراً) اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ اور اللہ سے اپنے
اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا	گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں۔ اور ہے کون اللہ کے سوا جو
اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ	گناہوں کو معاف کرے؟ اور وہ اپنے کئے ہوئے (بُرے کاموں)
وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا	پر اڑے نہیں رہتے (بلکہ) وہ جانتے ہیں (کہ ہم نے فلاں فلاں
اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا	گناہ کئے اور ان سے توبہ کی ہے ایسا نہ ہو کر دوبارہ کر بیٹھیں)
فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ	ان ہی لوگوں کی جزا اُن کے رب کی جانب سے (تمام
اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ	گناہوں کی) مغفرت ہے اور ایسے (سر سبز و شاداب) باغات
مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ	ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ	اور (یہ) کتنا اچھا صلہ ہے ان عمل کرنے والوں کا۔
فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ	

(سورۃ آل عمران ۱۳۳-۱۳۶)

تشریح

اس آیتِ کریمہ میں اعمال صالحہ اور کارہائے خیر کے انجام دینے میں عجلت اور جلدی کرنے کی ترغیب کے ساتھ ساتھ ان کے اجرِ عظیم کا، نیز اہم ترین اعمال فاضلہ کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

اسی باب سے متعلق ایک اہم ترین آیت اور اس کے ترجمہ و تشریح کا اضافہ مناسب معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے :۔

۳ ۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ	اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔
یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو اور ہر شخص کو چاہیئے
اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا	کہ وہ غور کیا کرے کہ اس نے کل (قیامت کے دن) کے لئے
قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰہَ	پہلے سے کیا کچھ تیار کیا ہے؛ اور (ہر وقت) اللہ سے ڈرتے
اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا	رہا کرو۔ بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خوب
تَعْمَلُوْنَ ○ (پ۲۸ سورۃ الحشر آیۃ۱۸)	اچھی طرح باخبر ہے۔

تشریح

اس آیتِ کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی ایک مسلمان کو خدا کے خوف اور آخرت کی فکر سے غافل نہ ہونا چاہیئے اور اپنے اعمال و افعال پر کڑی نظر رکھنی چاہیئے اگر کوئی نافرمانی اور گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً اس سے توبہ کر لینی چاہیئے ایسا نہ ہو کہ غفلت میں کوئی گناہ سرزد ہو جائے اور توبہ کا خیال بھی نہ رہے تو قیامت کے دن مجرم کی حیثیت سے خدا کے سامنے پیش ہونا پڑے۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے تمام مسلمانوں کو ان تینوں آیات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔

انتہائی خطرناک اور تاریک ترین فتنوں کا زمانہ آنے سے پہلے نیک کام کر لینے میں عجلت کیا کرو۔ | پہلی حدیث (۱/۸)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ :۔

کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نیک کام کرنے میں عجلت کیا کرو (آج کل پر مت رکھا کرو) اس لیئے کہ عنقریب اندھیری رات کے ٹکڑوں (حصوں) کی طرح (ایسے) فتنے رونما ہوں گے کہ آدمی صبح کو مومن ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا اور شام کو مومن ہوگا صبح (ہوتے ہوتے) کافر ہو جائے گا۔ اپنے دین کو متاع دنیا کے بدلے بیچ ڈالے گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان تاریک فتنوں کے زمانے میں ایمان و کفر، حق و باطل اور حلال و حرام میں اتنا شدید اشتباہ والتباس ہو جائے گا کہ دونوں میں فرق کرنا اور کفر سے، باطل سے اور حرام سے بچنا بیحد دشوار ہو جاتے گا۔ چنانچہ ایک مسلمان مومن دنیاوی معاملات اور کاروبار کو ایمان و اسلام کے مطابق اور برحق و حلال سمجھ کر کرے گا۔ حالانکہ وہ سراسر حرام، باطل اور اسلام کے منافی ہوگا اور نفس کے دھوکے اور فریب میں آکر اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اور کافر ہو جائے گا اس لیئے کہ حرام کو حلال جاننا اور باطل کو حق سمجھ لینا یقیناً کفر ہے اسی طرح مال یا جاہ و منصب کی خاطر یا کسی اور منفعت کی طمع میں شعوری یا غیر شعوری طور پر گرفتار ہو کر اس کو حق سمجھ کر اختیار کرلے گا، اور کسی بھی باطل عقیدہ کو حق سمجھ لینا کفر ہے اور اسلام سے خارج ہونے کا موجب ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حالتِ کفر میں کیا ہوا کوئی بھی اچھے سے اچھا عمل اللہ کے ہاں قبول نہیں ہو سکتا۔ اور آخرت میں کام نہیں آسکتا۔ ﷻ کا فرمان ہے :۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (سورہ کہف آیت ۱۰۳-۱۰۴)	(اے نبی) تم کہہ دو! آؤ تمہیں اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ خسارہ میں رہنے والوں سے آگاہ کریں یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا کی زندگی میں کی ہوئی تمام تر کوششیں (اور اعمال) رائیگاں اور بیکار گئیں اور وہ یہی سمجھتے رہے کہ ہم اچھے کام کر رہے ہیں۔

لہٰذا نبی رحمت ﷺ متنبہ فرماتے ہیں کہ ایسا وقت اور ایسا پُرفتن زمانہ آنے سے پہلے جس قدر بھی اعمالِ صالحہ اور کارہائے خیر کر سکتے ہو کر لو ٹال مٹول اور تاخیر ہرگز مت کرو۔ یہی ترجمۃ الباب (عنوان باب) کا دوسرا جزو ہے۔

اس پُرفتن زمانہ میں کفر سے بچنے کی تدبیر

اس پُرفتن زمانے میں اس غیر شعوری یا شعوری کفر سے بچنے کی صورت صرف یہ ہے کہ کہ اوّل تو انتہائی کوشش کرے کہ ایسے مشتبہ امور و معاملات اور دُنیوی کاروبار سے حتی الامکان بچے اور دُور رہے اسی طرح کسی بھی دُنیوی منفعت یا مالی وجاہی فائدہ کے عوض مجمع علیہ عقائد حقہ سے کسی بھی قیمت پر دستبردار نہ ہو بلکہ دینی عقائد کی حفاظت میں بڑے سے بڑا دنیاوی نقصان اُٹھانے کے لئے بخندہ پیشانی تیار اور آمادہ رہے۔ اور ہر دنیاوی منفعت حاصل کرنے سے پہلے اچھی طرح غور و فکر کرلے کہ یہ منفعت مجھے میرے دین کے بدلے میں تو حاصل نہیں ہو رہی؟ اسی طرح اگر پاک و صاف اور حلال روزی خواہ کتنی ہی قلیل کیوں نہ ہو میسر آسکتی ہے تو اُسی پر اکتفا کرے۔ اور جیسے تیسے اس چند روزہ زندگی کو گذار دینے پر قناعت کرے۔ اور اگر اضطرار کی حالت پیش آجائے اور فاقہ کشی کی نوبت پہنچ جائے تو "اَکْلِ مَیْتَہ" (مردار جانور کھانے) کے درجہ میں اس کو حرام جانتے ہوئے پیٹ کی آگ بجھائے۔ اور زندہ رہنے کے بقدر اس روزی پر اکتفا کرے۔ اور اللہ تعالیٰ سے برابر توبہ و استغفار کرتا رہے اور حلال روزی عطا کرنے کی دُعائیں مانگتا رہے اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اس پر حلال روزی کے راستے ضرور کھول دیں گے۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔ (سورہ طلاق آیت)	اور جو شخص اللہ تعالیٰ (کی نافرمانی سے) ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ضرور کوئی راستہ نکال دینگے اور ایسی جگہ سے اس کو روزی دیں گے جہاں سے ملنے کا وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔

بہرحال ایک مومن مسلمان کو دین پر دُنیا کو ترجیح اور فوقیت ہرگز نہ دینی چاہیئے کہ یہ تو

کفار کا شیوہ ہے ﷺ کا ارشاد ہے :۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (سورۃ الاعلیٰ) — بلکہ تم دُنیا کی زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت (کی زندگی دُنیا کی زندگی سے) بہت بہتر اور پائدار ہے۔

اسی بنا پر نبی رحمت ﷺ نے اپنی اُمت کو حسبِ ذیل دُعا مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے :۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا۔ — اے اللہ! تو ہمارے دین کو ہمارے لئے مصیبت نہ بنائیو اور دُنیا کو ہمارا سب سے بڑا فکر اور غم نہ بنائیو اور نہ منتہائے علم (مقصدِ علم) بنائیو۔

نبی رحمت ﷺ نے تو مذکورہ ذیل حدیث میں اُن مشتبہ امور سے بھی بچنے اور دُور رہنے کی ہدایت فرمائی ہے جو نہ قطعی طور پر حرام ہوں اور نہ قطعی طور پر حلال۔ حدیث میں آتا ہے :۔

نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں :۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے سُنا ہے آپ فرما رہے تھے حلال بھی بالکل ظاہر ہے اور حرام بھی بالکل ظاہر ہے ان دونوں (حلال و حرام) کے درمیان کچھ مشتبہ امور بھی ہیں جن کو بیشتر لوگ نہیں جانتے (کہ وہ حرام ہیں یا حلال) پس جو شخص اُن مشتبہ امور سے بچا (اور دور رہا) اس نے تو اپنے دین اور آبرو کو محفوظ کر لیا (نہ خدا کی ناراضگی کا اندیشہ رہا اور نہ لوگوں میں بدنام ہوا) اور جو اُن مشتبہ امور میں پڑ گیا اس کی مثال اُس چرواہے کی سی ہے جو محفوظ و ممنوع چراگاہ کے آس پاس اپنے مویشی چراتا ہے کہ وہ کبھی نہ کبھی ممنوع چراگاہ میں ضرور جا گھسے گا۔ یاد رکھو ہر بادشاہ کی ایک محفوظ (سرکاری) چراگاہ ہوتی ہے اچھی طرح سُن لو ﷲ کی محفوظ چراگاہ (روئے زمین پر) وہ امور ہیں جن کو اس نے حرام کیا ہے (جو کوئی بھی ان میں سے کسی بھی حرام کام کا ارتکاب کرے گا ضرور سزا کا مستحق ہوگا) اور مشتبہ امور کا ارتکاب کرنے والا کسی نہ کسی دن حرام

کام کر بیٹھے گا۔ (رواہ البخاری جلد ۱ صفحہ ۱۳۰)

چہ جائیکہ قطعی طور پر حرام امور کہ اُن کا ارتکاب تو ﷲ کی کھلی نافرمانی بلکہ بغاوت ہے

اعاذنا اللہ تعالیٰ (خدا تعالیٰ ہمیں بچائے)

موجودہ زمانہ، اور چارۂ کار

لیکن ہمارے اس تاریک ترین پُر فتن زمانہ میں کہ تمام ضروریاتِ زندگی کا کاروبار خواہ مُلکی پیداوار ہو، خواہ غیر ملکی، درآمد شدہ اشیاء ہوں، خواہ خام پیداوار ہو، خواہ مصنوعات ہوں، سب سُود اور بیمہ کی بنیاد پر ہو رہا ہے جو از روئے شرع قطعاً حرام ہے اس لئے نہ پیٹ بھرنے کو روٹی میسر آسکتی ہے نہ تن ڈھانکنے کو کپڑا جائز اور حلال میسر آسکتا ہے۔ ایسی صورت میں حدیث میں مذکورہ کفر سے بچنے کی صورت صرف یہی ہے کہ انسان کم سے کم ضروریاتِ زندگی پر اکتفا کرے اور اس کو بھی حلال اور جائز ہرگز نہ سمجھے۔ بلکہ بدرجۂ مجبوری "اَکْلُ مَیْتَۃٍ" (مردار کھانے) کے درجہ میں سمجھے۔ اور توبہ و استغفار کے ساتھ ساتھ حلال ضروریاتِ زندگی میسر آنے کی دعائیں بھی کرتا رہے اور کوشش بھی جاری رکھے تو انشاء اللہ حرام کو حلال سمجھنے اور باطل کو حق سمجھنے کے کفر سے بچ جائے گا۔ وَاللّٰہُ ھُوَ الْمُوَفِّقُ (اللہ توفیق بخشنے والا ہے)

ایک منٹ کی تاخیر کے بغیر مستحقوں کا مال اُنکو پہنچا دینے کی ہدایت

دوسری حدیث (۲/۸۸)

حضرت ابو سروعہ عُقبۃ بن الحارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

ایک مرتبہ میں نے مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی تو آپ سلام پھیرنے کے بعد (خلاف معمول فوراً) کھڑے ہوئے اور لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے بڑی تیزی سے ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کے حجرے کی طرف تشریف لے گئے تو جب (زنانخانہ سے) باہر (صحابہ کے پاس) تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ لوگ آپ کی اِس عجلت پر تعجب کر رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا:

کچھ سونے کے ٹکڑے مجھے (گھر میں رکھے ہوئے اچانک) یاد آگئے تو مجھے

اُن کی (اپنے گھر میں) موجودگی اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ اس لئے میں (فوراً گھر گیا اور) اس کو (حاجتمندوں میں تقسیم کر دینے کے لئے کہہ دیا۔ یہ بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ: میں گھر میں صدقہ کے کچھ سونے کے ٹکڑے چھوڑ آیا تھا۔ تو رات بھر اُن کو اپنے گھر میں رکھنا مجھے بُرا معلوم ہوا اور میں نے یاد آتے ہی فوراً (گھر جا کر) اُن کو (مستحقین میں) تقسیم کر دینے کا حکم دے دیا۔ بخاری شریف

تِبر سونے یا چاندی کے (بغیر سکہ لگے) ٹکڑوں کو کہتے ہیں۔

تشریح

اس حدیث میں نبی رحمت ﷺ نے اپنی اُمت کو عملی طور پر جس کارِ خیر کا ارادہ کیا ہو اُس کو بلا تاخیر اور بلا تردّد جلد از جلد کر لینے کی تعلیم و ترغیب فرمائی ہے۔

انسانی زندگی کے واقعات و تجربات شاہد ہیں، کہ انسان بسا اوقات آج کل اور ٹال مٹول کی بنا پر بعض کارہائے خیر سے محروم رہ جاتا ہے جو اگر سازگار حالات میں جبکہ اس نے ارادہ کیا تھا بلا تاخیر انجام دے لیتا تو ہو جاتے اور دُنیا و آخرت دونوں میں کام آتے لیکن بلا وجہ تاخیر کی بنا پر نہیں کرتا اور پھر ساری عمر اپنی اس کوتاہ کاری پر کفِ افسوس ملتا رہتا ہے کہ کاش جب میں نے ارادہ کیا تھا، اُسی وقت یہ کام کر لیتا۔ اور ٹال مٹول نہ کرتا تو آج کام آتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کہ انسانی زندگی میں سازگار حالات ہمیشہ برقرار نہیں رہتے۔ جو شخص بھی اپنی زندگی کے نشیب و فراز پر غور کرے گا اُسے ضرور ایسے کارہائے خیر یاد آئیں گے جن کو بر وقت نہ انجام دینے پر افسوس اور محرومی کا احساس ہوگا۔

ظاہر ہے کہ حدیث ترجمۃ الباب (عنوان باب) کے دوسرے جزو سے متعلق ہے۔

جنت یقینی طور پر ملتی ہو تو ایک لمحہ کی تاخیر کے بغیر حاصل کر لو

تیسری حدیث (۳/۸۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:-

ایک آدمی نے جنگ "اُحد" کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ اگر میں قتل کردیا گیا تو میں کہاں ہوں گا؟ آپ نے جواب دیا: جنت میں؛ تو یہ سنتے ہی اس کے ہاتھ میں جو کھجوریں تھیں وہ اسی وقت زمین پر ڈال دیں اور پھر جنگ کے میدان میں کود پڑا یہاں تک کہ لڑتے لڑتے مارا گیا اور شہید ہوگیا (اور سیدھا جنت میں پہنچ گیا) بخاری و مسلم

تشریح

ان صحابی رضی اللہ عنہ کی شہادت کا یہ سبق آموز واقعہ، حیات بعد الموت اور آخرت پر ایمان کامل اور یقین محکم کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے "فی الجنۃ" کا جواب سن کر شوقِ شہادت میں سرشار صحابی نے اتنی تاخیر بھی گوارا نہ کی کہ ہاتھ میں لی ہوئی کھجوریں ہی کھالیتے اور پیٹ کی آگ بجھالیتے بلکہ اس زندگی اور اس کے تقاضوں سے بے نیاز و بالاتر ہو کر ہاتھ کے ہاتھ جنت میں پہنچ گئے۔

ایک ایسے ہی کفار و مشرکین کے ہاتھوں شہید ہونے والے جانباز و سرفروش بندہ کے متعلق ﷻ فرماتے ہیں۔

إِنِّىٓ ءَامَنتُ بِرَبِّكُمْ فَٱسْمَعُونِ قِيلَ ٱدْخُلِ ٱلْجَنَّةَ قَالَ يَـٰلَيْتَ قَوْمِى يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِى رَبِّى وَجَعَلَنِى مِنَ ٱلْمُكْرَمِينَ۔	بلاشبہ میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا، کان کھول کر سن لو (تو فوراً کافروں نے اس کو ربِ جلیل پر ایمان لانے کے جرم میں قتل کردیا) تو ربِ جلیل کی جانب سے (اسی وقت اس سے) کہدیا گیا جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ (اس پر اس سرفروش غازی) نے کہا، کاش کہ میری قوم کو علم ہو جاتا کہ میرے رب نے میری عمر بھر کی خطاؤں کو معاف کردیا اور مجھے اپنے مقرب و معزز بندوں (شہداء) میں شامل کرلیا۔

(سورہ یسین آیت ۲۵ تا ۲۷)

حدیث کا حاصل یہی ہے کہ کسی بھی کارِ خیر میں تردد و تذبذب اور تاخیر نہ کرنی چاہیئے

بلکہ جب موقع ہاتھ آئے فوراً کے فوراً اس کام کو انجام دے لینا چاہیئے خواہ وہ جان دینا اور شہادت کا جام پینا ہو اور خواہ ﷲ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہو۔
مگر یہ وہی شخص کرسکتا ہے جس کو آخرت پر یقین کامل ہو اور اس کی فکر میں بے چین ہو۔

ہماری حالت

افسوس کا مقام تو یہ ہے کہ ہم تو سرے سے اس فکر آخرت سے ہی محروم ہیں آخرت کے لئے کچھ کرنا تو بڑی بات ہے۔ ہم تو اسی ہیچ دپوچ دنیا اور فانی زندگی اور اسکے لوازمات مہیا کرنے میں اس طرح سرگرداں ہیں کہ اور کسی بات کا ہوش ہی نہیں ہے۔
ﷲ نے کتنے واضح الفاظ میں متنبہ کیا ہے۔
بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿﴾ بلکہ تم تو دنیا کی زندگی کو ہی ترجیح دیتے ہو۔
مگر وائے محرومی کہ ہم شب و روز قرآن کریم میں اس قسم کی آیات تلاوت کرتے اور پڑھتے ہیں مگر ہم دیوانگان دنیا پر مطلق اثر نہیں ہوتا حالانکہ ﷲ نے اس دیوانگی کے انجام سے بھی آگاہ فرما دیا ہے۔
فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَ اٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی (پ۳۰، سورہ النّٰزعٰت آیت ۳۷، ۳۹) باقی جس نے سرتابی و سرکشی اختیار کی اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دی تو بلاشبہ جہنم ہی اس کا ابدی ٹھکانا ہے۔
اسی سلسلہ کی مسنون دعائیں اس سے پہلی حدیث کی تشریح کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں آپ بھی دعائیں مانگا کیجیئے۔ اللہ پاک کا وعدہ ہے وہ ضرور قبول فرمائیں گے۔

آفتوں کے آنے سے پہلے صدقہ کرنا اصل صدقہ ہے

چوتھی حدیث (۴)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ :۔
ایک دن ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا : یا رسول اللہ! ــــ کس صدقہ کا اجر سب سے بڑا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

دہ صدقہ جو تم اس حالت میں کرو کہ تم تندرست بھی ہو (جس کی بنا پر زندہ رہنے کی بجا طور پر اُمید رکھتے ہو پس انداز کرنے کی غرض سے پیسہ خرچ کرنے میں بخیل بھی ہو، تنگدستی سے ڈرتے بھی ہو، مالدار بننے کی اُمید بھی رکھتے ہو اور ان سب باتوں کے باوجود اللہ جل جلالہٗ کی رضا کے لئے صدقہ کرو) نہ کہ وہ صدقہ جس کو تم ٹالتے رہو یہاں تک کہ جب دم نکلنے لگے تو کہو کہ فلاں کو اتنا دے دو، فلاں کو اتنا۔ حالانکہ اب تو وہ مال آپ سے آپ فلاں اور فلاں کا ہو گیا (دم نکلتے ہی وہ مال خود بخود داروں کا ہو جائے گا) متفق علیہ

تشریح

ایک تندرست اور اچھی صحت والا شخص زندہ رہنے اور عمر طبعی کو پہنچنے کی بجا طور پر اُمید کرتا ہے اور زندگی بسر کرنے کے لئے مال کی ضرورت ظاہر ہے۔ اور ناگہانی مصائب کے وقت فقر و فاقہ سے بچنے کے لئے کچھ مال پس انداز کرنا بھی ضروری ہے جس کے لئے کفایت شعاری اور جزرسی لازمی ہے اور خوشحال زندگی بسر کرنے کے لئے جائز طریقہ پر دولتمند بننے کی کوشش کرنا بھی کچھ بُری بات نہیں ہے یہ سب انسان کے فطری تقاضے ہیں لہٰذا ان حالات میں صدقہ خیرات کرنا بڑی جوان ہمتی کا کام ہے اور نفس انسانی پر انتہائی شاق ہے اسی لئے اُس کا ثواب بھی بہت بڑا ہے برعکس اس کے ایک بیمار اور زندگی سے مایوس انسان یا اتنا مالدار جس کو تنگدستی کا اندیشہ ہی نہ ہو۔ کہ ان دونوں شخصوں کا صدقہ خیرات کرنا کوئی خاص کارنامہ نہیں ہے۔ نہ ہی ان کے نفس پر شاق ہوتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے :۔

اَشَقُّ الْاَعْمَالِ اَکْثَرُھَا ثَوَابًا۔ — جو اعمال انسان پر جتنے زیادہ شاق ہوتے ہیں ان کا ثواب بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے ۔

مگر اس صدقہ و خیرات کی جراٗت ان فطری موانعات کے باوجود وہی شخص کرتا ہے جسے آخرت کی فکر اور خدا کا خوف ہو۔ اللہ جل جلالہٗ کا ارشاد ہے :۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ	باقی جو شخص اپنے رب کے سامنے پیش ہونے سے ڈرا
وَنَہَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی ۙ	اور نفس کو خواہشات سے باز رکھا تو اس کا (ابدی)
فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی ؕ	ٹھکانا جنت ہی ہے۔

موجودہ زمانہ میں ہماری حالت

مگر ہماری حالت تو اس فتنہ پرور زمانہ میں اتنی ناگفتہ بہ ہے کہ حلال وحرام اور جائز و ناجائز کا فرق کئے بغیر نفسانی خواہشات یا کہئے نفس پروری میں اس قدر منہمک اور سرگرداں ہیں کہ خدا کے سامنے پیش ہونے کا خوف تو کیا خیال بھی نہیں آتا، کہ ہم اس نفس آمارہ کو اس کی ناجائز خواہشات سے باز رکھ کر آخرت کے لئے کوئی کام کریں۔

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے :-

اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِکَ اَنَّھُمْ	کیا یہ لوگ کبھی یہ نہیں سوچتے کہ ان کو ایک عظیم دن
مَّبْعُوْثُوْنَ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ یَّوْمَ	(قیامت کے دن) کے لئے ضرور دوبارہ زندہ کیا
یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ	جائے گا جس دن تمام مخلوق رب العالمین کے سامنے
(سورۃ المطففین، آیت ۴، ۶)	پیش ہوگی۔

لیکن وائے برما و برحالِ ما (افسوس ہم پر اور ہمارے حال پر)

بہرحال نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے کہ کارہائے خیر کے انجام دینے میں تاخیر اور ٹال مٹول نہ کرنی چاہیئے جو بھی بن پڑے حالات کی پرواہ کئے بغیر آخرت کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کرتے رہنا چاہیئے۔ اللہ پاک ہر مسلمان کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

تلوار کا حق ادا کرنے کے مطالبہ پر نبی کریم ؐ سے ابودجانہ کا تلوار قبول کرنا

پانچویں حدیث (۵/۹۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگِ اُحد کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار دستِ مبارک میں لی اور فرمایا اس تلوار کو کون لیتا ہے؟ تو سب نے ہاتھ پھیلا دیئے اور ہر شخص نے کہا: "میں یا رسول اللہ

آپ نے فرمایا : تو جو اس تلوار کو لے گا اس کو اس کا حق بھی ادا کرنا ہوگا، توسب پیچھے ہٹ گئے (اور پھیلے ہوئے ہاتھ سکڑ گئے) تو ابو دجانہ رضی اللہ عنہ (آگے بڑھے اور انہوں) نے عرض کیا میں اس تلوار کو لیتا ہوں اور اس کے حق ادا کرنے کا ذمہ بھی لیتا ہوں چنانچہ ابو دجانہ نے وہ تلوار لے لی اور خوب مشرکین کی کھوپڑیاں اس سے پھاڑیں اور گردنیں کاٹیں۔ (صحیح مسلم)

تشریح

یہ بات نہیں کہ دوسرے ہاتھ پھیلانے والے صحابہ کو مشرکین سے جنگ کرنے اور جام شہادت پینے کی خواہش نہ تھی یا ان میں سرفروشی کا جذبہ نہ تھا بلکہ وہ مناسب وقت اور موقعہ کے منتظر تھے بلا تاخیر جانبازی و سرفروشی کے لئے تیار نہ تھے۔ اس کے برعکس ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کا جذبہ سرفروشی و جانبازی اور شہادت کی تڑپ کسی بھی تاخیر کی متحمل نہ تھی انہوں نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور پورے عزم کے ساتھ فوراً ہی تیار ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ سے عہد کر کے تلوار لے لی اور اس کا حق ادا کر دیا سُبحَانَ اللہ !

اسی مقصد کی بنا پر امام نووی نے اس حدیث کو اس باب کے ذیل میں ذکر کیا ہے کہ کسی بھی کارِ خیر کے انجام دینے کا جو موقع بھی میسر آجائے اُسے غنیمت سمجھنا چاہیئے اور بلا تردّد تاخیر اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے کیا خبر ہے پھر موقعہ ہاتھ آئے یا نہ آئے۔

بدسے بدتر زمانے آتے رہیں گے، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملوگے — چھٹی حدیث ($\frac{6}{92}$)

زُبیر بن عدی بیان کرتے ہیں کہ :-

(ایک مرتبہ) ہم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے (اثنائے گفتگو میں) حجاج بن یوسف (مُبیر اُمت) کے اُن مظالم کی شکایت کی جو ہم (مسلمانوں) پر شب و روز توڑے جا رہے تھے تو اُنہوں نے فرمایا (بھائی) صبر کرو صبر، اس لئے کہ جو زمانہ بھی آتا ہے اس کے بعد کا زمانہ اس

اس سے بھی زیادہ بُرا (اور بدتر) ہوتا ہے۔ (اسی طرح بد سے بدتر زمانے آتے رہیں گے) یہاں تک کہ تم اپنے رب سے جا ملو گے (یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا) تمہارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے میں نے اسی طرح سُنا ہے۔ (صحیح بخاری)

تشریح

یاد رکھئے! خیر القرون کا سا خیر و صلاح اور امن و امان کا زمانہ تو اب آنے سے رہا وہ تو نبوت کے انوار و برکات تھے جو آفتابِ رسالت کے غروب ہونے کے بعد اسی طرح کچھ عرصہ قائم رہے جیسے سُورج غروب ہونے کے بعد کچھ دیر تک اس کی روشنی شفق کی صورت میں باقی رہتی ہے۔ اس کے بعد تو بس اندھیرا ہی اندھیرا رہ جاتا ہے اور دُنیا تاریک سے تاریک تر ہوتی جاتی ہے۔ روشنی کی توقع حماقت ہے اسی طرح اُمت عہدِ رسالت سے جس قدر دُور ہوتی جاتی ہے اسی قدر شر و فساد کی تاریکیوں میں ڈوبتی جاتی ہے۔ اِس میر اُمت حجاج بن یوسف کے نامبارک عہد میں اگرچہ مسلمانوں کے جان و مال پر ظلم و جور کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے بے گناہوں کے معصوم خون کی ندیاں ہر طرف بہہ رہی تھیں۔ مگر دین و ایمان کا سرمایہ قطعاً محفوظ رہا۔ اس کے بعد آنے والے زمانوں میں دین و ایمان پر بھی ڈاکے ڈالے گئے۔ چنانچہ تاریخ اسلام شاہد ہے کہ عہدِ رسالت سے جس قدر مسلمان دُور ہوتے چلے گئے دین و ایمان میں اضمحلال آتا چلا گیا۔ نت نئے فرقے پیدا ہوتے اور پھولتے پھلتے رہے اور اسلامی عقائد میں ملحدوں اور بے دینوں کی رخنہ اندازیاں برابر بڑھتی چلی گئیں۔ اور مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوتی چلی گئی۔ اسی لئے نبی رحمت ﷺ نے اُمت کو آگاہ کر دیا تھا:۔

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ۔

بہترین عہد میرا (یعنی صحابہ کا) عہد ہے پھر ان لوگوں کا عہد بہتر ہے جو اِن (صحابہ) کے قریب ہیں (کبار تابعین) پھر ان لوگوں کا عہد جو ان (کبار تابعین) سے قریب ہیں (تبع تابعین)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اب تو زادِ آخرت جو کچھ جمع کرنا ہے یعنی کارہائے خیر جو بھی کرنے ہیں اسی ظلم و جور اور فتنہ و فساد کے ہنگاموں میں کرنے پڑیں گے۔ زندگی کی رفتار ایک لمحہ کے توقف کے بغیر منزلِ فنا کی طرف بڑھ رہی ہے اور موت کا وقت قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے۔ ایسی صورت میں اگر تم خیر و صلاح کا زمانہ آنے کے انتظار میں بیٹھے رہے تو یہ چند روزہ زندگی ختم ہو جائے گی۔ اور تمہیں زادِ آخرت یعنی اعمالِ صالحہ سے تہی دامن سفرِ آخرت کرنا پڑے گا اور رَبُّ الْعٰلَمِیْن کے سامنے جبکہ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ (سورۃ التکاثر آیت ۸) اُس دن ضرور سوال کیا جائیگا تم سے نعمتوں کے بارے میں کے تحت سوال ہوگا کہ اتنی طویل زندگی کی نعمت اور کارہائے خیر انجام دینے کی صلاحیت و قدرت ہم نے عطا کی تھی بتلاؤ تم نے اُس کو کہاں صرف کیا اور ہمارے سامنے پیش کرنے کے لئے کیا لائے ہو؟ تو تمہارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا اور جنت النعیم سے محرومی اور "جحیم" (جہنم) کے سوا اور کوئی ٹھکانا نہ ہوگا۔

لہٰذا خیر و صلاح کے زمانے اور امن و امان کے وقت کا انتظار کئے بغیر بلا توقف اور بلا تذبذب و تردد جو بھی نیک کام کر سکتے ہو کرتے رہو یاد رکھو تمہاری زندگی کا ایک ایک دن بیش بہا سرمایہ ہے اسے "سازگار حالات کے انتظار" میں ہرگز ضائع نہ کرو۔ درحقیقت یہ تمہارے سب سے بڑے دشمن مکار نفس کا ایک "حربہ" ہے جو تمہیں زادِ آخرت سے محروم رکھنے کی غرض سے تمہارے خلاف استعمال کرتا ہے۔ تمہارا فرض ہے کہ تم اس دشمن اور اس کے حربوں کو پہچانو اور اس کو ناکام اور اس کے حربوں کو ناکارہ بنا دو۔

حاصل حدیث یہ ہے کہ خیر و صلاح اور امن و امان کے زمانے کا انتظار شیطانی فریب ہے اس دھوکہ میں ہرگز نہ آؤ۔ اور جو بھی کارہائے خیر کر سکتے ہو بلا توقف و تردد کر لو۔ یاد رکھو

ع گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔

اسی غرض سے امام نوویؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کو اس باب میں لائے ہیں۔

قیامت اور خروجِ دجال سے پہلے کارہائے خیر کر لینے کی تاکید (ساتویں حدیث ۹۲)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سات چیزوں کے پیش آنے سے پہلے جو بھی کارہائے خیر کر سکتے ہو کر لو آخر تم کس چیز کا انتظار کرتے ہو۔ کیا اُس تنگدستی (اور فقر و فاقہ) کا جو سب کچھ بھلا دیتی ہے۔ یا اُس دولتمندی کا؟ جو (دولت کے نشہ میں مست اور) سرکش بنا دیتی ہے۔ یا اُس بیماری کا، جو ہوش و حواس بھی تباہ کر دیتی ہے یا اُس عقل و خرد کو خراب کر دینے والے) بڑھاپے کا؟ جس میں اچھی بُری بات کی خبر ہی نہیں رہتی۔ یا دُنیا سے رخصت کر دینے والی موت کا؟ یا خروجِ دجال کا کہ وہ (آنکھوں سے) پوشیدہ ایک ایسا شر ہے جس کا انتظار کیا جا رہا ہے (کہ اب آیا اور جب آیا)۔ یا قیامت کا انتظار کر رہے ہو حالانکہ قیامت تو سب سے بڑی مصیبت اور سب سے زیادہ تلخ حقیقت ہے (جس کی ہوش ربا تفصیل قرآنِ کریم میں شرح و بسط کے ساتھ بیان کی گئی ہے) ترمذی۔

تشریح

یہ ظاہر ہے کہ آخرت کی فکر اور اُس کے لئے کارہائے خیر انجام دینے کی ضرورت کا احساس اور وقت اِن ساتوں چیزوں کے پیش آجانے کے بعد نہیں رہ سکتا اور ان کا پیش آنا یقینی ہے جلد ہو یا دیر سے موت اور قیامت کے بعد تو عمل کا وقت ہی نہیں رہتا۔ دجال کا فتنہ جس کا کھٹکا ہر وقت لگا رہتا ہے انسان کی عملی قوت کو مفلوج کر دینے میں قیامت سے کچھ کم نہیں ہے باقی چار چیزوں ۱۔ فقر ۲۔ غنا ۳۔ مرض ۴۔ عقل و خرد کو مفلوج کر دینے والا بڑھاپا۔ کے متعلق انسانی زندگی کے تجربات و واقعات شاہد ہیں۔ کہ اِن حالات میں بھی انسان کو ہوش باقی نہیں رہتا۔ اور نہ ہی آخرت کے لئے کچھ کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ چاروں حالات بھی ایسے ہیں کہ انسان کسی وقت بھی اُن کے پیش آجانے کی طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتا ہر وقت اُن کے

پیش آنے کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔ لہٰذا اس سے پہلے کہ اس قسم کے حالات پیش آئیں انسان کو آخرت کے لیے جو کچھ کرنا ہے بلا تاخیر کر لینا چاہیئے اور اس وقت اور فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہیئے یہی حدیث شریف کا منشا ہے اور یہی ترجمۃ الباب (عنوان باب) ہے

آٹھویں حدیث (۸/۹۲) | اللہ اور رسول کی زبان سے محبت کی تصدیق اور فتح کی بشارت، حضرت عمرؓ کا جذبۂ شہادت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ "خیبر" کے موقع پر (ایک دن) فرمایا (آج) میں یہ جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور اسی کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائے گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے عمر میں کبھی (لشکر کی) امارت (و قیادت) کی خواہش نہیں کی سوائے اس دن کے" چنانچہ میں آگے بڑھا (اور سامنے آیا) اس امید پر کہ مجھے اس امارت کے لئے بلایا جائے گا۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی ابن ابی طالب کو بلایا اور وہ جھنڈا ان کو دیا۔ اور فرمایا: جاؤ اور پیچھے مڑ کر مت دیکھنا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں فتح عطا فرمائیں چنانچہ حضرت علیؓ آپ کے دستِ مبارک سے جھنڈا لے کر تھوڑی دور چلے پھر ٹھہر گئے مگر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور بلند آواز سے پکارا: یَا رَسُوْلَ اللہ! میں ان لوگوں سے کس بات پر جنگ کروں؟ آپ نے فرمایا: اس وقت تک لڑتے رہو جب تک کہ وہ اس بات کی شہادت نہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں جب وہ ایسا کر لیں گے (یعنی یہ شہادت دے دیں گے) تو (وہ مسلمان ہو جائینگے اور) ان کی جانیں اور مال تمہاری دستبرد سے محفوظ ہو جائے گا سوائے اسلام کے حق کے (یعنی اگر وہ کوئی ایسا جرم کریں گے جس کی سزا اسلام میں قتل ہو تو دوسرے مسلمانوں کی طرح وہ بھی قتل کئے جائیں گے)

باقی اُن (کے دلوں) کا حساب اللہ کے سپرد ہے (کہ وہ دل سے مسلمان ہوئے یا نہیں؟ اس کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا لہٰذا اس کا حساب بھی وہی لے گا) صحیح مسلم

تشریح

اس حدیث میں حضرت عمرؓ کا اقدام ترجمۃ الباب (عنوان باب) کے تحت آتا ہے کہ نہ صرف فتح خیبر کا کارنامہ بلکہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ﷺ اور اس کے رسول کی محبت کی شہادت کا حصول ایک ایسا کارِ خیر ہے کہ اُس کو انجام دینے کے لئے بغیر کسی جھجک اور تاخیر کے ان کا آگے بڑھنا اعمالِ صالحہ کی طرف مُبادرت (عجلت) اور سبقت کی اہم ترین مثال ہے ساتھ ہی تحبّبِ جاہ و منصب" کی غلط فہمی کی تردید بھی فرمادی کہ" اس دن کے علاوہ" میں نے ساری عمر کبھی امارت جیش کی خواہش نہیں کی۔

بہر حال حضرت عمرؓ نے اپنے مخلصانہ جذبے کے اظہار میں مطلق کوتاہی نہیں کی یہ دوسری بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منشائے خداوندی کے تحت حضرت علیؓ کو فتح خیبر کی سعادت حاصل کرنے کا موقعہ دیا۔ اور اُنھوں نے کما حقہٗ شجاعت و سرفروشی کا مظاہرہ کیا (تفصیل کے لئے کتب مغازی میں فتح خیبر کے حالات ملاحظہ کیجیے)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گیارھواں باب

مُجاھدہ

قرآن کریم کی آیات اور اُن کا ترجمہ وتشریح

۱۔ قَالَ اللهُ تَعَالیٰ ﷻ فرماتے ہیں:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (سورۃ عنکبوت) — اور جو لوگ ہمارے واسطے مشقتیں اُٹھاتے ہیں ان کو ہم اپنے راستے سجھا دیتے (بتلا دیتے) ہیں اور بلاشبہ اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

۲۔ وَجَاهِدُوْا فِی اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِی الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (سورۃ حج آیت) — اور مشقتیں اٹھاؤ اللہ ﷻ کے لئے جیسی اُس کے واسطے مشقتیں اُٹھانی چاہئیں۔ اس نے تم کو (اس کام کے واسطے) انتخاب کیا ہے اور اس نے (اس) دین میں ذرا بھی دشواری نہیں رکھی (یہ) تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی ملت ہے۔

تشریح

قرآن وحدیث میں عام طور پر دو لفظ آتے ہیں ۱۔ ایک جہاد ۲۔ دوسرے مُجاھدہ۔ جہاد اللہ ﷻ کے دین کے دشمنوں یعنے کافروں مشرکوں اور بے دینوں کے ساتھ کیا جاتا ہے خواہ تلوار کے ذریعہ ہو خواہ زبان کے، خواہ قلم کے ذریعہ۔ مُجاھدہ خود اپنے نفسِ اَمّارہ سے کیا جاتا ہے کہ وہ انسان کا سب سے بڑا اور خطرناک دشمن ہے اس کی صورت یہ ہے کہ نفس کی خواہشات اور رغبت کے خلاف اس کے علی الرغم اللہ ﷻ کی عبادت و

طاعت میں مسلسل شدید ترین مشقتیں اٹھائی جاتی ہیں نفس کی خواہش کے خلاف احکام شرعیہ پر پورا پورا عمل کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نفس مخالفت اور سرکشی سے باز آ جائے۔ اور کلی طور پر اللہ اور رسول ﷺ کا تابعدار بن جائے احکام شرعیہ پر اگرچہ اس کی خواہش کے خلاف ہوں عمل کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہ مشقتیں قرآن و حدیث کی تعلیمات اور ہدایات کے مطابق اٹھائی جائیں جیسا کہ لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا میں اللہ نے وعدہ فرمایا ہے اور اس باب کی حدیثوں میں ان مشقتوں کی تفصیل مذکور ہے اسی مشقت کشی کو مُجَاھَدَہ کہتے ہیں۔ یہی عنوان باب ہے جو ان دونوں آیتوں سے ثابت ہے احسان کی حقیقت آپ حضرت جبرئیل کی حدیث کے ذیل میں (مراقبہ کے بیان میں) پڑھ چکے ہیں پھر پڑھ لیجئے۔

نفس امّارہ کی اس دشمنی کا ثبوت قرآن وحدیث سے

قرآن کریم میں اللہ حضرت یوسف علیہ السلام جیسے پاک دامن نبی کی زبان سے کہلواتے ہیں:۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ	میں اپنے نفس کی براءت نہیں کرتا (صفائی نہیں پیش کرتا) بلاشبہ
النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ	نفس تو بری ہی باتوں کا کثرت سے حکم کرنے (اور ابھارنے)
اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ	والا ہے بجز اس کے کہ میرا رب رحم فرمائے (اور اس کے شر سے
رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ	بچائے) بے شک میرا رب بہت زیادہ بہت بخشنے والا مہربان ہے

(سورۂ یوسف آیت ۵۳)

از روئے شریعت ممنوع اور حرام چیزوں اور لذتوں کے سبز باغ دکھا کر دعوتِ گناہ دینا اور خدا اور رسول کے احکام پر عمل کرنے کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنا اور روڑے اٹکانا تو اس نفس امارہ کا ہر وقت کا مشغلہ ہے ہی جیسا کہ قرآن کریم کے لفظ اَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ سے ظاہر ہے اور احادیث میں اس کی تفصیل آ رہی ہے لیکن اس نفس کی سب سے زیادہ خطرناک

اور تباہ کن دشمنی یہ ہوتی ہے کہ بڑے بڑے عبادتیں اور ریاضتیں کرنے والوں کے دلوں میں غیر محسوس طریقے پر ریاکاری خودنمائی اور خودپرستی کے زہر ملا کر انہیں برباد کر دیتا ہے۔ ایک اعلیٰ درجہ کے جانباز غازی کو، ایک اعلیٰ درجہ کے واعظ اور خطیب کو، ایک اعلیٰ درجہ کے صاحبِ قلم انشاء پرداز کو، ان ہی ریاکاری، شہرت پسندی اور خودنمائی وغیرہ کے خفیہ اور زیرِ زمین حربوں سے ہلاک اور ان کے جہاد فی سبیل اللہ کو برباد کر دیتا ہے اور ان کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ اسی طرح ایک عابد شب زندہ دار اور ایک تارکِ لذات وشہوات پرہیزگار کی ساری محنتوں اور مشقتوں کو انہی حربوں سے تباہ کر دیتا ہے۔ اسی لئے ﷲ نے پہلی آیتِ کریمہ میں "احسان" کی شرط لگائی۔ اور دوسری آیت کریمہ میں حَقَّ تُقَاتِہٖ کا اضافہ فرمایا اور آیتِ کریمہ ذیل میں اس ریا و سمعہ وعجب کو شرک فی العبادت قرار دیا۔ اور اس سے منع فرمایا ارشاد ہے:۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ	اور جو شخص اپنے رب سے ملنے کی امید رکھے اس کو
فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ	چاہیئے کہ (زیادہ سے زیادہ) نیک کام کرے اور اپنے
بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ (سورۂ کہف آیت ۱۱۰)	رب کی عبادت میں کسی (چیز) کو شریک نہ کرے۔

اس لئے اور کافروں، مشرکوں سے پہلے اس مارِ آستین دشمن کو مارنا یعنی نفس کشی کرنا ضروری ہے اسی کا نام مجاھدہ ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ (جنگ) سے واپس آئے مدینہ کے قریب پہنچ کر صحابۂ کرام کے رویّہ میں نفس کی خباثت کے کچھ آثار محسوس فرمائے تو آپ نے کسی صحابی کو خطاب کر کے فرمایا:۔

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى	ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف آ رہے ہیں اس لئے
الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ فَاِنَّ اَعْدٰى عَدُوِّكَ	کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا النفس ہے جو تمہارے پہلوؤں
نَفْسُكَ الَّتِىْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ	کے درمیان (چھپا بیٹھا) ہے (اور ہر وقت اور ہر حالت میں دشمنی

میں لگا رہتا ہے اور تمہاری جڑیں کاٹتا رہتا ہے)

انسان کا سب سے بڑا دشمن

بہرحال انسان کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ خطرناک دشمن خود انسان کا نفس ہے یہی انسان کو لذت و آسائش کے سبز باغ دکھا کر طرح طرح سے ہر کارِ خیر سے روکتا ہے اور گناہوں اور بُرے کاموں کی ترغیب دیتا ہے اس کو مارنا اور اس کے علی الرغم (منشا کے خلاف) ﷲ کی عبادت اور کارہائے خیر میں لگا رہنا ہی جہاد ہے۔

اسلامی مجاہدہ اور عیسائیوں کی "رہبانیت" اور ہندوؤں کے "یوگ" میں فرق

یہ مجاہدہ اور نفس کشی اس سے بالکل مختلف ہے جو عیسائی راہب اور ہندو سنیاسی کیا کرتے ہیں۔ وہ لوگ تو جسم کی تمام قوتوں یا کسی خاص قوت کو بالکل ہی ناکارہ اور بے حس (سُن) کر دیتے ہیں پھر وہ کوئی کارِ خیر بھی نہیں کر سکتا۔ اور جو حقوق اللہ اور حقوق العباد اس پر فرض ہیں وہ بھی ادا نہیں کر سکتا

اسلامی مجاہدہ اور نفس کشی شریعت کی حدود میں رہ کر صرف نفسِ انسانی کے تزکیہ (گناہوں سے پاک کرنے) اور روح انسانی کے تصفیہ (جسمانی آلائشوں سے پاک و صاف کرنے) کے لئے کیا جاتا ہے جیسا کہ آپ آئندہ باب الاقتصاد فی العبادۃ کے ذیل میں پڑھیں گے یہی فرق ہے اسلامی مجاہدہ اور عیسائیوں کی "رہبانیت" اور ہندوؤں کے "یوگ" میں۔

۳۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ﷲ کا ارشاد ہے:۔

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًاo (سورۂ مزمل آیت ۸)	اور اپنے رب کا نام لیا کرو (نماز بسم اللہ سے شروع کیا کرو) اور ماسوی اللہ سے قطع تعلق کرکے اپنے رب کی طرف (کلی طور پر اس طرح) متوجہ ہو جایا کرو (کہ غیر اللہ کا خیال بھی دل میں نہ آئے)

۴۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ﷲ فرماتے ہیں:۔

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ۔ (سورۂ حجر آیت ۹۹)	اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تمہارے پاس یقین (یعنی موت)

تشریح ہر دو آیات

آیت نمبر ۲ سورۂ مزمل کی آیت ہے جو نزولِ وحی کی آیات کے نزول کے بعد دوسری سورت ہے اِس سے پہلے سورۂ مدثر نازل ہوئی ہے جس میں ﷻ اپنے محبوب نبی ﷺ کو قُمْ فَاَنْذِرْ (اٹھو پس خبردار کردو) کے ذریعہ انفرادی تبلیغ کے لئے تیار ہوجانے کا حکم دیتے ہیں۔ اور سورۂ مزمل کی اس آیت میں تیار ہونے کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ پہلے اپنے نفس کو سخت ترین عبادتوں اور ریاضتوں کے ذریعہ جو یقیناً تمہارے نفس پر شاق اور دشوار ہوں گی پامال کرکے اپنے دل کا تعلق مَاسِوَی اللہ سے اس طرح منقطع کرلو کہ دل میں غیر اللہ کا خیال تک نہ آئے اس کے بعد ﷻ کا نام لیا کرو (یعنی بسم اللہ سے نماز شروع کیا کرو) اور ترتیل کے ساتھ (رک رک کر اور سمجھ کر نماز میں) قرآن پڑھا کرو۔

ان دونوں ریاضتوں میں شب بیداری اور ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھنے کا فائدہ ذیل کے الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ○ (سورۂ مزمل آیت ۶)	بلاشبہ رات کا اٹھنا (شب خیزی) نفس کو پامال کرنے کے لحاظ سے بہت سخت (ریاضت) ہے اور (زبان سے نکلی ہوئی بات کو دل میں بٹھانے کے اعتبار سے) بہت محکم (طریقہ) ہے

یعنی آسائش پسند نفس پر خوابِ شیریں کو چھوڑ کر اٹھنا اور بیدار ہونا بہت زیادہ شاق اور دشوار ہے۔ جب تم شب (میں) اٹھ کر روزانہ عبادت کیا کرو گے۔ تو وہ نفس بری طرح پامال ہوجائے گا اور نفس کی سرکشی اور سرتابی ختم ہوجائے گی اور اس کے بعد یہ تیسری ریاضت یعنے ماسوائے اللہ سے اس طرح قطع تعلق کہ دل میں غیر اللہ کا خیال تک نہ آئے، آسان ہوجائے گی۔

چنانچہ یہ مجاہدہ رحمتِ عالم ﷺ نے مسلسل ایک سال تک جاری رکھا۔ رات کے

اوّل حصہ میں ہی عشاء کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر مصلّے پر کھڑے ہو جاتے۔ اور رات بھر محویت کے عالم میں ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھتے رہتے یہاں تک کہ رات ختم ہو جاتی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کیف و سرور میں سرشار ہو کر ایک ہی آیت کو بار بار پڑھتے رہتے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ ساری رات رحمتِ عالم ﷺ

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (سورہ مائدہ آیت ۱۱۸)

اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے تو بیشک تو سب پر غالب حکمران ہے۔

پڑھتے رہے۔ اور جسم کی حالت یہ تھی کہ قدموں پر ورم آگیا تھا۔ اور پاؤں پھٹنے لگے تھے۔ تب ایک سال بعد اللہ نے یہ دیکھ کر کہ اب آپ کے نفس کی سرکشی بالکل ختم ہو گئی ہے اور وہ نفسِ اَمّارہ بِالسُّوْءِ کی پستی سے نکل کر نفسِ مُطْمَئِنّہ کی بلندی پر پہنچ گیا ہے۔ اب اس کی رضا وہی ہو گئی ہے جو اللہ کی رضا ہے۔ اب امتثال اوامر و مرضیاتِ الٰہیہ ہی اس کے لئے وجہ طمانیت بن گئے ہیں تب اس مجاہدہ اور ریاضت میں تخفیف فرما دی ارشاد ہے:۔

عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ (سورہ مزمل آیت ۲۰)

تمہارے رب کو علم ہے کہ تم (اس شب خیزی کا) احاطہ نہیں کر سکتے اس لئے تمہارے رب نے تم پر رحم فرمایا اب (پوری رات کے قیام کی بجائے) جتنا قرآن مجید آسانی کے ساتھ پڑھ سکو، پڑھ لیا کرو (اور آپ کے ساتھ قیام کرنے والوں کے متعلق بھی) اللہ کو علم ہے کہ ان میں سے بعض بیمار ہونگے۔ اور بعض اللہ کا فضل (رزق) حاصل کرنے کے لئے روئے زمین میں سفر بھی کرتے ہوں گے اور بعض

۔ اللہ کی راہ میں جنگ بھی کیا کریں گے اسلئے جتنا آسان ہو قرآن پڑھ لیا کرو
چنانچہ سرورِ کائنات ﷺ کی صلوٰۃ اللیل کے متعلق ذخیرہ احادیث میں آتا ہے کہ اس کے بعد آپ عام طور پر رات کے آخری چھٹے حصہ میں اٹھتے اور کبھی سات اور کبھی نو اور کبھی گیارہ اور کبھی تیرہ رکعتیں وِتر سمیت پڑھا کرتے تھے ۔ اور ساری عمر اس پر قائم رہے جیسا کہ آیتِ کریمہ نمبر ۴ میں مرتے دم تک اس عبادت پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے ،

اِس مجاہدہ کا مقصد اور اس کی برکات

یہ مجاہدہ اور نفس کشی سرورِ کائنات ﷺ سے صرف اس لئے کرائی کہ آپ کے نفس کی خلقی سرکشی و سرتابی ختم ہو جائے اور وہ آپ کا تابعدار بن جائے ۔ اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ۔ کہ وہ نفسِ اَمّارہ بِالسُّوء کے ادنیٰ مرتبہ سے نکل کر نفسِ مُطمئِنہ کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جائے کہ جل شانہ کا منشا ہی اس کا منشا ۔ اور اللہ کی رضا ہی اس کی رضا بن جائے ۔ اور امتثال اوامر و مرضیاتِ الٰہیہ ہی اس کے لئے وجہ طمانیت ہو جائے ۔
چنانچہ اس سال بھر کے مجاہدہ کے بعد آپ کا نفس کُلّی طور پر آپ کے تابع ہو گیا ۔ کبھی بھی کسی نافرمانی یا بُری بات کا خیال تک بھی نہ دن میں آپ کے دل میں آتا نہ رات میں ۔ اور آپ خالصًا لوجہ اللہ نہایت کامیابی کے ساتھ انذار و تبلیغ کا فریضہ ادا کر سکے ۔ ابتدا میں آپ نے جل شانہ کے دشمنوں کی تمام تر ایذا رسانیوں اور انذار و تبلیغ کی راہ میں ان کی پیدا کردہ رکاوٹوں کو نہایت صبر و سکون کے ساتھ برداشت کیا ۔ اور اپنا کام کرتے رہے ۔ اس کے بعد جل جلالہ کے حکم سے مدینہ طیبہ ہجرت اور قیام فرما کر انہی دشمنوں کے ساتھ نہایت کامیاب لڑائیاں لڑیں اور بڑے بڑے معرکے سر کئے حتیٰ کہ صرف دس سال کے عرصہ میں تمام جزیرۃ العرب مسلمان ہو گیا اور کفر و شرک کا نام لینے والا بھی کوئی نہ رہا ۔
اور سب سے بڑا آپ کا کارنامہ یہ ہے کہ اس قیام لیل کی ریاضت میں آپ کے ساتھ شرکت کرنے والے صحابہ یعنی مہاجرین اوّلین اور انصار ، کی ایک ایسی سرفروش غازیوں اور

مبلغوں کی جماعت تیار کردی جنہوں نے آپ کی وفات کے بعد ﷺ کے دین کو روئے زمین کے چپہ چپہ پر پہنچا دیا۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ

یہ ہیں اس مجاہدہ کے برکات و ثمرات جو آپ نے اور آپ کے ساتھ صحابہ نے کیا۔

۵ - قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ ﷻ کا ارشاد ہے۔

وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْہُ عِنْدَ اللّٰہِ ھُوَ خَیْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا (سورہ مزمل) — اور جو بھی تم اپنے واسطے کوئی نیک کام آگے بھیجو گے اس کو اللہ ﷻ کے پاس بہتر اور بڑے اجر والا پاؤ گے۔

۶ - قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ ﷻ فرماتے ہیں:-

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ۔ (سورۃ الزلزال آیت ۷) — تو جس نے ذرہ بھر بھی نیک کام کیا ہوگا اس کو (قیامت کے دن) دیکھ لے گا۔

۷ - قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ ﷻ کا ارشاد ہے:-

وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ۔ (سورہ البقرہ آیت ۲۱۵ رکوع ۲۶) — اور جو بھی نیک کام تم کرتے ہو پس بیشک اللہ اس کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔

تشریح

تینوں آیتوں کا مآل واحد ہے وہ یہ کہ انسانی نفس ہر نیک اور اچھے کام سے بھاگتا ہے اور اس کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے لہٰذا اس کی مخالفتوں اور رکاوٹوں کو روند کر اور کچل کر ہر نیک کام کرنا ہی مجاہدہ ہے تفصیل احادیث میں آتی ہے۔

احادیث اور اُن کی تشریح

ﷻ کے ولی سے عداوت رکھنے والوں سے اعلانِ جنگ اور محبوب خدا بننے کا طریقہ (پہلی حدیث ۱/۹۴)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ﷻ نے ارشاد فرمایا ہے جس کسی نے میرے کسی 'ولی'

سے دشمنی کی تو سمجھ لو) بلاشبہ میں نے اس سے جنگ کا اعلان کر دیا۔ اور
جو عبادتیں میں نے اپنے بندے پر فرض کی ہیں اُن سے زیادہ مجھے کوئی چیز
پسند نہیں کہ جس سے میرا بندہ میرا قرب حاصل کرے۔ اور میرا بندہ نفلوں
کے ذریعہ مجھ سے قریب تر ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس
سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا
ہے اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن
جاتا ہوں جس سے وہ (کسی چیز کو) پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں
جس سے وہ چلتا ہے اور بخدا اگر وہ مجھ سے کچھ بھی مانگتا ہے تو میں اس کو
ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ (کسی چیز سے) میری پناہ مانگتا ہے تو میں اس کو
ضرور پناہ دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری)

تشریح

اس حدیث قدسی کے تین جزو ہیں:۔

۱۔ پہلے جزو میں اللہ جل جلالہ نے اولیاء اللہ کے مرتبہ اور مقام کا اظہار فرمایا ہے کہ اللہ کے کسی بھی
ولیؒ سے عداوت رکھنا اور دشمنی کرنا اللہ جل جلالہ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ
ان اولیاء کرام کو اللہ جل شانہ کی معیت خاصہ حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ (سورۃ النحل آیت ۱۲۸) بلاشبہ اللہ جل شانہ یقیناً اُن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو متقی ہیں اور وہ لوگ جو "احسان" کے رتبے والے ہوتے ہیں۔

تقویٰ کی تفصیل آپ اسی کتاب کے مستقل "باب تقویٰ" میں پڑھ چکے ہیں۔ اور احسان
کی تفصیل آپ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں پڑھ چکے ہیں۔ دوبارہ پڑھ لیجئے تاکہ اس اعلان
جنگ کی اہمیت واضح ہو جائے۔

اللہ جل شانہ ان اولیاءؒ کی تعیین بھی فرماتے ہیں ارشاد ہے:۔

اِنْ اَوْلِیَآءُ ہٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ۔ سورہ الانفال آیت ۳۴ اللہ کے "ولی" صرف پرہیزگار لوگ ہوتے ہیں۔
لہٰذا آج کل کے نام نہاد "ولی" جو ورع و تقویٰ کے مفہوم سے بھی آشنا نہیں ہوتے اس حدیث کا مصداق ہرگز نہیں ہیں۔

اس حدیث قدسی میں اولیا اللہ سے عداوت رکھنے والوں اور دشمنی کرنے والوں سے اللہ پاک کا یہ اعلان جنگ ایسا ہی ہے جیسے قرآن کریم میں سودی لین دین ترک نہ کرنے والوں سے اعلان جنگ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللہَ وَذَرُوْا مَا بَقِیَ	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو سود تمہارا
مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝	باقی ہے اسے چھوڑ دو اگر تم (فی الواقع) مومن ہو
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللہِ	اور اگر تم نے اس پر عمل نہ کیا تو اللہ اور اس کے
وَرَسُوْلِہٖ۔ (سورہ بقرہ آیت ۲۷۸، ۲۷۹)	رسول سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

اس کے معنی یہ ہوئے کہ اولیاء اللہ سے عداوت رکھنے والے اور دشمنی کرنے والے اللہ جل شانہ کے نزدیک ایسے ہی کشتنی اور گردن زدنی ہیں جیسے ممانعت کے باوجود سودی کاروبار ترک نہ کرنے والے۔

۲۔ حدیث کے دوسرے جزو میں اللہ جل شانہ نے ان محبوب ترین عبادات کی نشان دہی فرمائی ہے جن کے ذریعے بندہ اللہ جل شانہ سے قریب ہو سکتا ہے۔ اور "ولایت" کے مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے۔ اور وہ تمام فرض عبادتیں اور احکام شرعیہ ہیں جو اللہ جل شانہ نے اپنے بندوں پر فرض کئے ہیں خواہ وہ حقوق اللہ ہوں خواہ حقوق العباد۔ ظاہر ہے کہ کسی بھی فرض عبادت یا حکم شرعی کو ترک کرنا شدید ترین معصیت اور گناہ کبیرہ ہے جس کا ارتکاب کرنے والا فاسق و فاجر اور عذاب جہنم کا مستحق ہے تو بھلا ایسے شخص کو اللہ کے قرب سے کیا واسطہ یہی "امتثال مامورات" اور اجتناب منہیات (جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل کرنا اور جن چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان سے دور رہنا) تقویٰ کا ابتدائی درجہ اور مرتبہ ولایت

کی طرف پہلا قدم ہے۔

۳۔ حدیث کے تیسرے جزو میں ﷻ نے قربِ الٰہی کے مراتب و مدارج اور آخری مرتبہ "مقام رضا و تسلیم" کی نشان دہی فرمائی ہے جس پر پہنچ کر بندہ محبوبِ الٰہی اور "مستجاب الدعوات" بن جاتا ہے۔ اور اس ارتقاء و ترقی کے ذریعہ سے بھی آگاہ فرمایا ہے کہ وہ ذریعہ کثرتِ نوافل ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی باب کی بارہویں حدیث میں اپنے قول فَاَعِنِّیْ عَلٰی نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ سے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ لیکن جس طرح نوافل (نفل نمازوں) کی کثرت اس ازدیادِ قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے اسی پر قیاس کر کے تمام نفل عبادتیں نفل روزے، نفلی صدقات و انفاقات، نفلی حج و عمرہ وغیرہ بھی ازدیادِ قرب کا ذریعہ قرار دی جاسکتی ہیں۔ اسی طرح تمام مستحبات و مندوبات بھی اسی ذیل میں آتے ہیں جیسا کہ ان فضائل سے متعلق احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ جو حدیثوں میں آتے ہیں تاہم اس میں شک نہیں کہ فوقیت اور ترجیح کثرتِ نوافل (نفل نمازوں کی کثرت) کو حاصل ہے۔

گویا فرض عبادتیں ادا کرنا تو بندہ کا فرض ہے ہی اُن کے ترک پر تو مجرم، گناہگار، سزا کا مستحق ہوگا۔ لیکن خدا تعالیٰ سے رابطہ قائم کرنے کی رغبت، طلب اور خواہش "نفل عبادات" بکثرت ادا کرنے سے ثابت ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ طلب کے بغیر تو کچھ ملتا ہی نہیں چہ جائیکہ غنی مطلق پروردگار کا قرب۔ فرض عبادات اور نوافل کا یہ فرق پیش نظر رکھنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

تنبیہ

حدیث قدسی کے اس جزو میں مقام محبوبیت پر پہنچنے کے بعد بندہ جس "رضا و تسلیم" کے مرتبہ پر پہنچتا ہے۔ اس کو ﷻ نے ایسے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جن کے ظاہری معنی سے ایک ملحد و زندیق، خدائے قدوس کی شانِ تقدیس سے ناآشنا مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے یہ دریدہ دہنی کرسکتا ہے کہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ خدا

العیاذ باللہ بندے کے اندر حلول کر جاتا ہے اور خدا اور بندے میں کوئی مغایرت باقی نہیں رہتی اسی طرح ایک منکرِ صفاتِ الٰہیہ معتزلی (عقلیت پرست) یہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اعضاء و جوارح اور جسم و جسمانیات سے پاک و منزہ ہیں۔ اُن کے کان، آنکھ، ہاتھ پاؤں نہیں پھر اس حدیث میں کیسے کہہ دیا گیا کہ میں اُس کا کان، آنکھ، ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں لہٰذا یہ حدیث غلط اور گھڑی ہوئی ہے۔

درحقیقت یہ حدیث "متشابہات" میں سے ہے۔ اور اس بندے کی آنکھ، کان اور ہاتھ پاؤں بن جانے کے معنی یہ ہیں۔ کہ وہ بندہ رضاء و تسلیم کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں وہ اپنی آنکھوں سے صرف ان چیزوں کو دیکھتا ہے۔ جن کو دیکھنا اللہ تعالیٰ کے منشا اور رضا کے مطابق ہوتا ہے کانوں سے اُنہی آوازوں کو سنتا ہے جن کو سننا اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اُنہی چیزوں کو ہاتھ سے پکڑتا یا چھوتا ہے جن کو پکڑنا یا چھونا اللہ پاک پسند فرماتے ہیں۔ قدم اسی طرف اُٹھاتا اور چلتا ہے جس طرف قدم اُٹھانا یا چلنا اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ اپنی مرضی، اپنے "ارادہ و اختیار" سے کلی طور پر دست بردار ہو جاتا ہے۔ اس کی مرضی وہی ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی ہے۔ اس کی خواہش وہی ہو جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کا منشا ہوتا ہے اس کا قصد، ارادہ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے گویا وہ اپنی ہستی کو فنا کر کے "فنا فی اللہ" کے مرتبہ پر پہنچ کر "بقا باللہ" کا مقام حاصل کر لیتا ہے اسی لئے محب کے درجہ سے ترقی کر کے محبوبیت کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے اس لحاظ سے یہ تمام تفصیل کہ میں اس کا کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں بن جاتا ہوں اسی مقام محبوبیت کا بیان ہے جس کا حاصل صرف یہ ہے کہ بندہ اپنی ہستی کو فنا کر کے وہی کرتا، کہتا، سنتا اور دیکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اب نہ وہ خود اپنی ذات سے باقی ہے نہ اُسکی کوئی خواہش باقی ہے، نہ اُسکا کوئی منشا اور ارادہ ہے وہ تو سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی راہ میں قربان کر چکا اب تو اللہ ہی اللہ ہے۔ اسی مقام کو مقام "رضا و تسلیم" یا مقام "فنا فی اللہ و بقا باللہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے

اور بغیر مجاھدہ کے یہ رتبہ حاصل نہیں ہوسکتا۔

دوسری حدیث (۲) حدیث قدسی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندے کے پاس دوڑ دوڑ کر آتے ہیں

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے پروردگار عزوجل کا قول نقل کرتے ہیں کہ بزرگ و برتر پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے۔ جب بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس سے قریب ہوجاتا ہوں اور جب وہ (خراماں خراماں) چلتا ہوا آتا ہے تو میں لپکتا ہوا اس کے پاس آتا ہوں۔ (صحیح بخاری)

تشریح

یہ حدیث قدسی بھی پہلی حدیث کی طرح "متشابہات" میں سے ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بندہ کی اللہ سے قریب ہونے، اور اس کے پاس آنے، کی رفتار کی بہ نسبت، یگانہ و بے ہمتا پاک پروردگار کی بندے سے قریب تر ہونے اور اس کے پاس آنے کی رفتار دگنی ہے اسلئے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ سے قریب آنے کے لئے اپنے نفس کو مارنا اور فنا کی منزل سے گذرنا لابدی اور ضروری ہے۔ جو بڑی ہی کٹھن منزل ہے۔ اسی لئے حدیث شریف میں نفس کو مارنے کی جدوجہد کو "جہاد اکبر" سے تعبیر کیا ہے اور نفس کو انسان کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا ہے جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ فَاِنَّ اَعْدٰى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِيْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ . (اَوْكَمَا قَالَ النَّبِيُّ) صلی اللہ علیہ وسلم

اس کے برعکس نہ صرف یہ کہ اللہ پاک کے لئے اپنے بندے سے قریب تر ہونے کے لئے کوئی مانع نہیں چنانچہ ارشاد ہے:۔

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (س۔الاعراف ع ۱۹ آیت ۱۵۶) میری رحمت تو ہر چیز پر محیط ہے۔

بلکہ وہ ایک شفیق اور مہربان ماں سے بھی زیادہ اپنے بندوں پر مہربان ہیں (جیسا کہ

آپ توبہ کے بیان میں بندہ کے توبہ کرنے پر اللہ جل جلالہٗ کی فرحت ومسرت کا حال حدیث نمبر۲ میں پڑھ چکے ہیں اس کو دوبارہ پڑھ لیجئے)

حق جلّ وعلیٰ خود اپنے تقدس، اور جسم وجسمانیات اور امارات حدوث وفنا سے منزّہ ہونے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:-

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ (سورۃ الشوریٰ آیت ۱۱) اس جیسی کوئی بھی چیز نہیں ہے اور وہی تو (حقیقی معنی میں) سننے اور دیکھنے والا ہے[1]

اسی لئے اللہ جل جلالہٗ کا اپنے اس قرب کے طلبگار بندے کے پاس اس کی طلب کی بہ نسبت دوگنی رفتار سے آنے اور قریب سے قریب تر ہونے کا مطلب اس بندہ کو اپنا محبوب ومطلوب بنالینا ہے۔ جیسا کہ پہلی حدیث کے الفاظ فَاِذَا اَنَا اَحْبَبْتُهٗ اس حقیقت کو ظاہر کر رہے ہیں۔ ورنہ تو اللہ جل جلالہٗ اپنے علم اور قدرت کے اعتبار سے تو اپنے تمام ہی بندوں کے ساتھ ہیں اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے:-

وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ (سورۃ الحدید آیت ۴) اور اللہ تو تمہارے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی تم ہو۔

الغرض اس حدیث کا حاصل اور اللہ جل جلالہٗ کی رفتار طلب کو بندہ کی بہ نسبت دوگنا ظاہر کرنے کا مقصد یہ ہے۔ کہ قرب خداوندی کا طلبگار بندہ اللہ جل جلالہٗ کی رفعت وعظمت اور کبریائی کے سامنے

---

[1] یعنی اللہ جل شانہٗ کے علاوہ اور تمام سننے اور دیکھنے والے ایک طرف کانوں اور آنکھوں یعنی قوتِ سمع وبصر کے محتاج ہیں۔ اور دوسری طرف خود اللہ جل جلالہٗ کے محتاج ہیں اگر اس کی مشیت نہ ہو تو قوتِ سمع وبصر کے باوجود انسان نہ کچھ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں، اس کے برعکس اللہ جل جلالہٗ بذاتِ خود سنتے اور دیکھتے ہیں۔ نہ کسی قوت کے محتاج ہیں نہ کسی عضو کے اسی لئے ان کی صفت سمع وبصر ازلی وابدی ہے۔ یہی حال ان کی تمام تر صفاتِ کمال کا ہے اسی لئے ان جیسا اور کوئی نہیں ہے وہ اپنی ذات کی طرح صفات میں بھی وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ ہیں۔

اپنی پستی، عاجزی اور کمتری کو دیکھ کر کہیں ہمت نہ ہار بیٹھے اور طلب سے دستبردار نہ ہو جائے۔ سُبحان اللہ کیا ذرہ نوازی اور حوصلہ افزائی ہے۔ قربان جائیے ایسے پروردگار کے۔

مجاھدہ سے حدیث کا تعلق ظاہر ہے:۔

دو نعمتیں جن سے نفع اٹھانے کے بجائے اکثر لوگ خسارے میں رہتے ہیں

تیسری حدیث (۳/۹۶)

حضرت ابنِ عبّاس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

"نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔ دو نعمتیں ہیں جن کے بارے میں بیشتر لوگ خسارہ میں ہیں ایک تندرستی دوسرے فارغ البالی (صحیح بخاری)

تشریح

حدیث سابق سے معلوم ہو چکا کہ اللہ جل شانہٗ سے قرب حاصل کرنے اور مقام رضا و محبوبیت تک پہنچنے کا واحد ذریعہ نفل عبادات خصوصاً نفل نمازوں میں انتہائی یکسوئی اور خلوص کے ساتھ مشغول ہونا ہے اور اس کے لئے اول صحت و تندرستی درکار ہے۔ اور اس کے بعد فارغ البالی و بے فکری۔ ظاہر ہے کہ ایک مریض اور کسی جسمانی تکلیف میں مبتلا انسان کے لئے تو فرض عبادتیں ادا کرنا ہی دوبھر ہوتا ہے۔ چہ جائیکہ نفل عبادتیں خصوصاً نفل نمازیں اور وہ بھی اس طرح دل لگا کر پڑھنا کہ ماسوی اللہ سے دل بالکل خالی اور ہمہ تن اللہ جل شانہٗ کی طرف اس طرح متوجہ ہو کر گویا وہ اللہ جل شانہٗ کو دیکھ رہا ہے۔ اور وہ اللہ جل جلالہٗ سے مناجات (سرگوشی) کر رہا ہے جیسا کہ آپ حدیث جبرئیل علیہ السلام میں احسان کے بیان میں پڑھ چکے ہیں[1]۔ اس لئے کہ انسان کی روح اور جسم کا تعلق چولی دامن کا ساتھ ہے ایک دوسرے سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اس لئے ممکن نہیں کہ ایک بیمار آدمی کو نماز میں وہ یکسوئی اور توجہ الی اللہ میسر آ جائے،

[1] حدیث جبرئیل کے الفاظ یہ ہیں:۔ ما الاحسان قال ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ (رواہ مسلم)

جو ایک تندرست آدمی کو میسر آسکتی ہے اسی طرح فارغ البالی یعنی تمام خارجی پریشانیوں اور پریشان کن حالات و معاملات سے من دحفظ جس شخص کو حاصل ہو وہ جس قدر یکسوئی اور اطمینان کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے۔ ایک متفکر اور الجھنوں میں گرفتار پریشان حال شخص ہرگز ہمہ تن متوجہ ہو کر یکسوئی کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتا۔ خاص طور پر معاشی پریشانیاں اور کاروباری الجھنیں یا لوگوں سے دوستی و دشمنی وغیرہ سے متعلق افکار اور پریشانیاں کہ یہ تو انسان کو نرم و گداز بستر پر بھی چین سے سونے نہیں دیتیں۔ ساری ساری رات کروٹیں بدلتے گذر جاتی ہے۔ اور نیند نہیں آتی۔ چہ جائیکہ نماز پڑھنا اور وہ بھی دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ اس لئے بڑا ہی بدنصیب اور محروم القسمت ہے وہ شخص جو ان دونوں نعمتوں کے میسر ہوتے اپنے محبوب و مطلوب پروردگار کا قرب حاصل کرنے اور اس کا محبوب بننے سے محروم رہے اس سے بڑھ کر بھی کوئی خسارہ اور محرومی ہو سکتی ہے؛ نہ صرف یہ بلکہ یہ اعلیٰ درجہ کی ناسپاسی و ناشکری بھی ہے اس لئے جل جلالہٗ کی عطا کی ہوئی نعمت سے زیادہ فائدہ اٹھانا ہی اس کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہے:۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۔ (س۔ الضحیٰ آیت ۱۱) باقی اپنی رب کی عطا کی ہوئی نعمت کا اظہار کیا کرو۔

اس لئے اندیشہ ہے۔۔۔ کہ اس ناسپاسی کی پاداش میں کہیں ان نعمتوں سے بھی محروم نہ کر دیا جائے۔ ورنہ کم از کم قیامت کے دن ان نعمتوں پر بازپرس تو ضرور ہوگی۔ ارشاد ہے:۔

ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ۔ (س۔ التکاثر آیت ۸) قیامت کے دن ان نعمتوں سے متعلق تم سے بازپرس ضرور ہوگی۔

اسی حقیقت کی طرف نبی رحمت ﷺ نے اپنی امت کو اس مختصر سی مگر انتہائی بلیغ اور جامع و مانع حدیث میں توجہ دلائی ہے۔ تاکہ جن لوگوں کو یہ دونوں نعمتیں میسر ہیں۔ وہ ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر اس سعادت اور خوش بختی یعنی محبوب رب العٰلمین اور مستجاب الدعوات بننے کا شرف حاصل کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔ اور کثرت سے نوافل پڑھیں۔ ورنہ اس سے بڑھ کر کوئی خسارہ نہ ہوگا۔

اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں نعمتیں بھی دُنیا کی تمام نعمتوں کی طرح ناپائیدار اور فنا پذیر ہیں
بلکہ شب و روز کے مشاہدات و تجربات شاہد ہیں کہ خاص طور پر یہ دونوں نعمتیں سب سے
سریع الزوال ہیں آن کے آن میں انسان صحت اور فارغ البالی سے محروم ہو جاتا ہے۔
اس لئے اِس سے قبل کہ یہ دونوں نعمتیں ضائع ہوں ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر ان سے زیادہ
سے زیادہ فائدہ اُٹھا لینا چاہیئے۔ ورنہ پھر کفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

ہماری حالت

اس پُر آشوب زمانہ میں ہماری حالت تو اس قدر دگرگوں اور ناگفتہ بہ ہے۔ کہ ہم ان
دونوں نعمتوں تندرستی اور فارغ البالی سے قرب و رضاء الٰہی حاصل کرنے کے بجائے شب و روز
دُنیا کی بے حقیقت جائز و ناجائز اغراض و خواہشات پوری کرنے اور زیادہ سے زیادہ
مال و جاہ حاصل کرنے میں بلکہ علانیہ نافرمانیوں اور گناہوں کے ارتکاب کرنے میں صرف کر رہے
ہیں۔ ہم نہ صرف یہ کہ ان نعمتوں سے جو فائدے اٹھانے چاہئیں تھے وہ نہیں اٹھا رہے،
بلکہ اُن سے ناروا فائدے اُٹھا رہے ہیں۔ اور صَرْفُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ۔
(چیز کو بے محل استعمال) کرکے ظلم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ اسی لئے مسنون دُعاؤں
میں ایک استغفار کے ذیل میں آیا ہے :۔

وَاَسْتَغْفِرُكَ لِلنِّعَمِ الَّتِیْ — اور میں تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں ان نعمتوں (کے استعمال)
تَقَوَّیْتُ بِهَا عَلٰی مَعْصِیَتِكَ — پر جن سے میں نے تیری نافرمانی کرنے پر قوت حاصل کی۔

اس لئے ہمیں تو اس بدترین ناسپاسی پر زیادہ سے زیادہ توبہ و استغفار کرنا چاہیئے
اس لئے کہ کفرانِ نعمت اور ناشکری و ناسپاسی کی اللہ جل جلالہ بہت سخت سزا دیتے ہیں
ارشاد ہے :۔

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ — اور بخدا اگر تم نے ناشکری کی تو میرا عذاب بہت
لَشَدِیْدٌ - (س، ابراھیم آیت) — سخت ہے۔

اور جن لوگوں کو یہ دونوں نعمتیں تندرستی و فارغ البالی حاصل ہیں انہیں بلا تاخیر نفل عبادات خصوصاً نفل نمازوں میں معروف ہوکر قرب و رضا الٰہی حاصل کرنا چاہیئے۔ کہ یہی ان نعمتوں کے شکریہ ادا کرنے کا طریقہ ہے اور اس عظیم خسران سے بچنا چاہیئے۔ واللہ یھدی إلی الحق۔
حدیث کا تعلق مجاھدہ کے باب سے ظاہر ہے۔

چوتھی حدیث (۹۷/۴) | طویل قیام لیل (تہجد کی نماز) مغفرت کا ذریعہ بھی ہے اور اسوۂ شکر بھی ہے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ :۔
کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام (ابتدا میں) شب کو اتنا طویل قیام فرماتے (اور نماز میں کھڑے کھڑے قرآن پڑھتے رہتے) کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجاتا یہاں تک کہ پھٹنے لگتے۔ تو (ایک دن) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ دراں حالیکہ بتحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے ہیں؛ تو آپ نے فرمایا تو کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ بننا پسند نہ کروں؛ (اور اس کے انعام و احسان کا شکریہ نہ ادا کروں) (بخاری و مسلم)۔
یہ صحیح بخاری (کی حدیث حضرت عائشہ رض) کے الفاظ، ہیں مغیرہ بن شعبہ کی روایت بھی بخاری و مسلم میں اسی کے مانند آئی ہے۔

تشریح

یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جبکہ سُورۂ مُزَّمِّل کا صرف پہلا رکوع نازل ہوا تھا۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ نے (نماز میں) طویل قیام اور ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے :۔
یَا أَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّیْلَ إِلَّا اے کملی والے! کچھ حصّے[1] کے علاوہ پوری رات (نماز میں)

[1] یہ کچھ حصّہ یعنی (تہائی حصّہ) نماز عشا کے لئے ہے۔ (باقی حاشیہ صفحہ ۳۵۹ پر)

قَلِيلًا نِّصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا	کھڑے رہا کرو آدھی رات یا آدھی رات سے کچھ کم
أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا	(ایک تہائی) یا کچھ زیادہ (دو تہائی) اور آہستہ آہستہ
(سورۂ مزمل ع ۱ آیت ۱تا۴)	قرآن پڑھا کرو۔

ایک سال کے بعد ازراہِ شفقت و ترحم اس میں تخفیف کر دی گئی ارشاد ہے :۔

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ	بتحقیق تمہارا پروردگار جانتا ہے کہ تم دو تہائی رات کے قریب
تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ	یا آدھی رات یا ایک تہائی رات (نمازمیں) کھڑے قرآن
وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ	پڑھتے) رہتے ہو اور (تمہارے ساتھیوں کا ایک گروہ بھی (تمہاری پیروی
مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ	کرتا ہے) اور اللہ ہی رات دن کے اندازے مقرر کرتا ہے۔
يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ	(کبھی رات چھوٹی دن بڑا اور کبھی رات بڑی دن چھوٹا ہوتا رہتا ہے)
أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ	اس نے جان لیا (یعنی ظاہر کر دیا) کہ تم اس کا احاطہ ہرگز نہیں
فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ	کر سکتے (یعنی تہجد کے وقت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکتے) اس لئے
(سورہ مزمل ع ۲ آیت ۲۰)	اس نے تمہاری حالت پر توجہ فرمائی (اور تمہاری مجبوری اور کمزوری
	پر ترس کھایا) بس اب جتنا تم سے ہو سکے قرآن پڑھ لیا کرو (تمام رات
	مشقت نہ اٹھایا کرو)

❖ ❖ ❖
❖

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک طویل حدیث میں سعد بن ہشام کے سوال کے جواب میں فرماتی ہیں :۔

أَلَسْتَ تَقْرَأُ يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ	کیا تم (قرآن میں) سورۃ مزمل نہیں پڑھتے ، میں نے عرض کیا۔

بقیہ حاشیہ از صفحہ ۳۵۲ تقریباً ایک سال تک آپ نے (اور آپ کے ساتھ صحابہ نے بھی) اس حکم کے تحت تمام شب تہجد کی نماز اور اس میں قرآن پڑھنے میں گذار دی۔ یہاں تک کہ آپ کے مبارک قدموں پر ورم آگیا۔ اور پھٹنے لگے۔ تو قیام لیل کی اس طویل اور پُر مشقت ریاضت اور مجاہدہ کے بعد دوسرا رکوع نازل ہوا.......

قُلْتُ بَلٰی قَالَتْ فَاِنَّ اللّٰہَ عزوجل افترض قیام اللیل فِیْ اَوَّلِ ھٰذِہِ السُّوْرَۃِ فقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم وَاَصْحَابُہٗ حَوْلًا وَّاَمْسَکَ اللّٰہُ خَاتِمَتَھَا اثْنَیْ عَشَرَ شَھْرًا فِی السَّمَآءِ حَتّٰی اَنْزَلَ فِیْ اٰخِرِ ھٰذِہِ السورۃ التَّخْفِیْفَ (صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۵۶)

کیوں نہیں (ضرور پڑھتا ہوں) کہنے لگیں اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے اوّل حصّہ میں قیام لیل کو فرض قرار دیا ہے۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ نے ایک سال تک اس حکم کے تحت (تمام رات قیام لیل جاری رکھا) اور اللہ جل جلالہٗ نے اس سورۃ کے آخری حصّہ کو بارہ مہینے آسمان (بیت المعمور) میں روکے رکھا تا اینکہ اس سورۃ کے آخر میں (اس پوری رات کے قیام میں) اللہ تعالیٰ نے تخفیف نازل فرمائی۔

الغرض ایک سال تک اس طویل ریاضت اور کٹھن مجاھدہ کے بعد اللہ جل جلالہٗ نے کچھ تخفیف فرما دی لیکن آخر عمر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے پچھلے تہائی حصّہ یعنے چھٹے حصّہ میں برابر قیام فرماتے اور نماز تہجّد پڑھتے رہے ہیں محققین کے نزدیک یہ تخفیف شدہ قیام لیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی طور پر فرض تھا جیسا کہ ارشاد ہے:۔

وَمِنَ الَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ (سورہ بنی اسرائیل ع ۹ پ ۱۵)

اور شب کے ایک حصّہ میں تم تہجد (کی نماز) میں قرآن پڑھا کرو یہ تمہارے لئے (پنجگانہ نمازوں پر) زائد ہے توقع ہے کہ تمہارا پروردگار تم کو مقام محمود (مقام شفاعت عظمیٰ) عطا فرمائے گا۔

باقی امت کے لئے مستحب بلکہ سنت موکدہ ہے۔

باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے تمام کردہ و ناکردہ گناہوں اور خطاؤں کی مغفرت کا اعلان فرما دیا تھا ارشاد ہے:۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا

بلاشبہ ہم نے تم کو فتح مبین عطا فرمائی ہے تاکہ اللہ

لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ۔ (سورۃ الفتح ع ۱ آیت)

تمہاری کردہ خطاؤں اور ناکردہ خطاؤں کو بھی معاف فرمادے (اور تمام گناہوں اور خطاؤں سے بری اور پاک ہونے کا اعلان کردیا ہے۔)

پھر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے آخر عمر تک اس قیام لیل کی مشقت برداشت کرنے پر ازراہ محبت و شفقت آپ سے یہ سوال کیا اسلئے کہ ان کے خیال میں جل جلالہ کے اس سورۂ مزمل کے ختم پر وَاسْتَغْفِرُوا اللهَ ۔ اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ فرمانے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس قیام لیل کا مقصد جل جلالہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرنا ہے۔ تو آپ کے تو تمام کردہ وناکردہ گناہوں کی مغفرت کا جل جلالہ اعلان فرما چکے اب آپ کو اس قدر مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس خیال کی اصلاح فرماتے ہیں کہ اے عائشہ رض! اس قیام لیل کا مقصد جس طرح طلب مغفرت ہے اسی طرح شکر نعمت بھی اس کا مقصد ہے۔ اور جل جلالہ نے مجھ پر اتنا عظیم احسان فرمایا ہے کہ میرے تمام کردہ وناکردہ گناہوں کی معافی کا دنیا میں ہی اعلان فرما دیا۔ اس عظیم انعام واحسان کا شکر اسی طرح ادا ہوسکتا ہے کہ میں اس کے بعد بھی اعتراف نعمت اور اظہار منت کے طور پر مرتے دم تک اس قیام لیل اور شب بیداری کے مجاہدہ پر قائم رہوں۔

یہی انعام عظیم۔ تمام کردہ وناکردہ خطاؤں کی مغفرت کا اعلان۔ رحمت عالم ﷺ کا وہ "طغرائی امتیاز" ہے جس کی بنا پر محشر کے دن جبکہ جل جلالہ کا قہر وغضب اپنی مخلوق پر اس درجہ پر پہنچا ہوگا کہ نہ اس طرح کبھی پہلے غضبناک ہوئے اور نہ آئندہ کبھی اس طرح غضبناک ہونگے۔ اور تمام انبیاء کرام آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسٰی علیہ السلام تک اس ہولناک دن میں اس شفاعت عظمٰی یعنی تمام مخلوق کی شفاعت کے لئے خود کو "لَسْتُ هُنَاكُمْ" (میں اس کا اہل نہیں ہوں) کہہ کر اور سب اپنی اپنی خطاؤں کو یاد کر کے نفسی نفسی (مجھے تو اپنی پڑی ہے اپنی، میں تمہاری سفارش کس منہ سے کروں) کہیں گے اور ہر نبی اپنے بعد کے نبی کے پاس

بھیج دے گا۔ تا آنکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجیں گے اور
کہیں گے محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جاؤ اس لئے کہ اللہ جل شانہٗ نے ان کی تمام کردہ وناکردہ
خطاؤں کی معافی کا اعلان فرما کر ہر طرح مطمئن کر دیا ہے۔ وہی شفاعتِ کبریٰ کے اہل ہیں چنانچہ
رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِیْن۔ تمام جہانوں کے لئے رحمت۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام عرش عظیم کے
سامنے سربسجود ہو کر شفاعت کی اجازت طلب کریں گے اور جل جلالہٗ فرمائیں گے۔
اِرْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ سجدہ سے سر اٹھاؤ مانگو جو مانگو گے دیا جائے گا۔ سفارش کرو
اِشْفَعْ، تُشَفَّعْ تمہاری سفارش قبول کی جائے گی۔
اس اجازت کے بعد ہی آپ تمام اُمتوں کے لئے شفاعت (سفارش) فرمائیں گے یہی مقام
وہ مُقَامِ مَحْمُوْد ہے جس کے عطا فرمانے کی بشارت بھی جل جلالہٗ نے اسی قیام لیل کے حکم کے
ساتھ ساتھ دی ہے ارشاد ہے:۔

وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤى اَنْ
یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (سورہ بنی اسرائیل ع آیت ۹)

اور یہی وہ مُقَامِ مَحْمُوْد ہے جس کی بنا پر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اعترافِ نعمت اور
اظہارِ منت کے طور پر فرمایا ہے:۔
اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں فخر کے طور پر نہیں کہتا،
بِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ میرے ہاتھ میں حمدِ الٰہی کا جھنڈا ہوگا، فخر کے طور پر نہیں کہتا،
اٰدَمُ فَمَنْ بَعْدَهٗ تَحْتَ آدم اور ان کے بعد کے تمام انبیا میرے جھنڈے کے نیچے
لِوَائِیْ وَلَا فَخْرَ، ہوں گے، فخر کے طور پر نہیں کہتا۔
اِس تمام تفصیل کے بعد اندازہ کیجئے کہ یہ تمام عمر شب بیداری کی ریاضت اور استغفار
پر مداومت آپ کے لئے کن عظیم رفعتوں پر پہنچنے کا باعث بنی ہے۔ فداہُ اَبِی وَاُمِّی صلی اللہ علیہ وسلم
تنبیہ۔ یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب تمام انبیا عَلَیْهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام

اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق معصوم اور گناہوں سے پاک و محفوظ ہیں خصوصاً رسول اللہ ﷺ کہ آپ کا دامن تو برائے نام گناہوں سے بھی پاک ہے پھر اللہ جل شانہٗ کس طرح ارشاد فرماتے ہیں :۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ۔ (س: الفتح آیت ۲) تاکہ تمہارے کردہ وناکردہ (سب) گناہ معاف کردے ۔

اس شبہ کا جواب ہم باب تَوْبَہ وَاسْتِغْفَار کے ذیل میں حدیث نمبر ایک کے تحت دے چکے ہیں اُس کو ضرور دوبارہ پڑھ لیجئے ۔

رمضان کے آخری دنوں میں نبی کریم ﷺ تمام رات خود بھی جاگتے اور گھر والوں کو بھی جگاتے تھے (پانچویں حدیث ۵ / ۹۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں :۔

جب (رمضان المبارک کا) آخری عشرہ آتا تو رسول اللہ ﷺ خود بھی (تمام) رات بیدار (اور نماز یا تلاوتِ قرآن اور اس کے علاوہ ذکر و اذکار میں مشغول) رہتے اور اپنے گھر والوں کو بھی بیدار فرماتے اور (عبادت میں) انتہائی محنت و مشقت برداشت کرتے اور تہبند کس لیتے۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے ۔

امام نووی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: تہبند کس لینے سے مراد ازواج مطہرات سے علیحدگی اختیار کرنا ہے (یعنے اس عشرہ میں ازواجِ مطہرات میں سے کسی کے پاس بھی نہ جاتے) اور بعض علماء نے کہا ہے کہ تہبند کس لینے سے مراد عبادت کے لئے کمر کس لینا ہے ۔ چنانچہ محاورہ میں کہا جاتا ہے "میں نے فلاں کام کے لئے کمر کس لی ہے" اور خود کو فارغ کر لیا ہے ۔ (یہی دوسرے معنی زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ آپ اس آخری عشرہ میں اعتکاف میں ہوتے تھے ، اس لئے ازواجِ مطہرات کے پاس جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ زمانۂ اعتکاف میں بیوی کے پاس جانا بنصِ قرآن ممنوع ہے۔

تشریح

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ ماہ رمضان المبارک سال کے بارہ مہینوں میں سب سے زیادہ خیر و برکت کا مہینہ ہے اس مہینے کے دن تمام سال کے دنوں سے افضل اور راتیں تمام سال کی راتوں سے افضل ہیں اسلئے کہ اسی ماہ مبارک کی راتوں میں سے ایک رات لَیْلَۃُ الْقَدْر ہے جو قرآن کریم کی تصریح کے مطابق ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

اسی لئے اس ماہِ مبارک میں رضاء خداوندی حاصل کرنے کی غرض سے خَیْرُ الْبَرِیَّہ اَفْضَلُ الْخَلَائِقِ رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن ﷺ مجاہدہ اور عبادتِ الٰہی میں محنت و مشقت اٹھانے کے لئے خود بھی کمر کس لیا کرتے اور اہلِ خانہ کو بھی شب بیداری کی تلقین فرماتے جس کا اجمالی تذکرہ اس حدیث میں کیا گیا ہے۔ اور رمضان المبارک کے شب و روز میں عبادات کی تفصیل کہ دن میں آدابِ صوم کی پوری پابندی کے ساتھ روزے رکھتے، رات میں قیام لیل فرماتے، آخر عشرہ میں اعتکاف مسنون کے تَبَتُّل۔ تمام مخلوق بلکہ ماسوائے اللہ سے قطع تعلق اختیار فرماتے جس کی تفصیلات احادیث میں بھی مذکور ہیں۔ اور آیات کی تشریح میں بھی آپ پڑھ چکے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ رحمۃ للعالمین ﷺ اس ماہ مبارک کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دیتے۔

نبی رحمت ﷺ کے اس اسوۂ حسنہ کی پیروی ہر عشقِ رسول ﷺ کے مدعی کا فرض ہے۔ یہی محبتِ رسول ﷺ کا ثبوت ہو سکتا ہے۔ ورنہ صرف زبانی دعوی اور خاص خاص اوقات و حالات میں بلند آواز سے درود و سلام پڑھنا اور میلاد کی محفلیں سجانا تو فریب نفس کے سوا کچھ نہیں

امام نووی علیہ الرحمہ کے اس حدیث کو بابِ مجاھدہ میں لانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ مجاھدہ اور ریاضت کا بہترین وقت رمضان المبارک کے روز و شب ہیں ایک لمحہ بھی اِس زرّیں فرصت اور بابرکت مہینہ کا ضائع نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اس انمول فرصت کو کہ ماہ رمضان المبارک اس کو میسر آگیا، جل شانہ کا ایک عظیم انعام و احسان سمجھ کر اس کا شکریہ اس طرح ادا کرے کہ بغیر کسی بھی قسم کی کوتاہی کے خود کو ہر چیز سے فارغ

کرکے شب و روز عبادت میں مصروف رہے وَاللّٰہُ الموفق (اللہ ہی توفیق دینے والا ہے)

بہر حال اس حدیث اور نبی رحمت ﷺ کی سیرت طیبہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سال کے مبارک ترین ایام ولیالی میں قرب خداوندی حاصل کرنے کے لئے معمول سے زیادہ جد وجہد کرنا اور مشقت اٹھانا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ اور ایسے ایام ولیالی کا منتظر رہنا اور نزول رحمت خداوندی کے اوقات اور فرصتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اس امت کا خصوصی شعار ہے۔ اسی شعار کو اختیار کرکے وہ دنیا کی دوسری قوموں اور ملتوں کے لئے لائق اقتدار نمونہ بن سکتی ہے۔ جل جلالہ کا ارشاد ہے:۔

لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ	تاکہ تم لوگوں کے لئے (حق پرستی کے) گواہ بنو
وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا	اور رسول ﷺ تمہارے اوپر (اقتدار سنت رسول
(سورۂ بقرہ آیت ۱۴۳)	کے) گواہ ہوں۔

کاش رحمۃ للعالمین کی امت خصوصاً اس زمانۂ خدا فراموشی و خود فراموشی میں اپنے محبوب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس سنت پر عمل کرکے اپنے رب کی محبوب امت بن جائے جیسا کہ خود ربّ العٰلمین اس امت کو خطاب فرماتے ہیں:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	تم بہترین امت ہو تم کو لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ	پیدا کیا گیا ہے تم (از روئے شرع) بھلی بات (لوگوں کو)
الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ	بتلاتے ہو اور (شرعاً) بری بات سے منع کرتے ہو اور اللہ
(سورۂ آل عمران ع۲ آیت ۱۱۰)	پر (کما حقہٗ) ایمان لاتے ہو۔

اَللّٰہُ الموفق (اللہ ہی توفیق دینے والا ہے)

جل جلالہ کا ارشاد ہے:۔

أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ	کیا یہ لوگ کبھی یہ نہیں سوچتے کہ ان کو ایک عظیم دن
لِيَوْمٍ عَظِيمٍ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ	(قیامت کے دن) کے لئے ضرور ضرور دوبارہ زندہ

لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کیا جائے گا جس دن تمام مخلوق رب العالمین کے سامنے پیش ہو گی۔
(سورۃ المطففین رکوع آیت ۶)

لیکن وائے برما و برحال ما (افسوس ہم پر اور ہمارے حال پر)

بہرحال نبی رحمت ﷺ کی اس حدیث کا حاصل بھی یہی ہے۔ کہ کارہائے خیر کے انجام دینے میں مطلق تاخیر اور ٹال مٹول نہ کرنی چاہیئے جو بھی بن پڑے حالات کی پرواہ کئے بغیر آخرت کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کرتے رہنا چاہیئے اللہ ہر مسلمان کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

(اللہ کے نزدیک طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے، مصیبت کے وقت یہ نہ کہو کہ اگر ایسا ہوتا تو ایسا نہ ہوتا | چھٹی حدیث ۹۹)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ:۔
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: طاقتور مومن بہتر ہے اور اللہ جل جلالہ کو زیادہ محبوب ہے کمزور مومن سے۔ اور خیر و خوبی تو سب ہی میں ہے۔ جو امور تمہارے لئے مفید اور کار آمد ہیں ان (پر عمل کرنے) کی حرص (اور کوشش) کیا کرو اور اللہ جل جلالہ سے مدد طلب کیا کرو ناکارہ نہ بنو (جو کچھ بن پڑے کرتے رہو) اور اگر کوئی مصیبت پیش آجائے تو یوں مت کہو "اگر میں (فلاں تدبیر) کرتا تو ایسا ایسا ہوتا" بلکہ یوں کہا کرو: یہ تقدیر خداوندی ہے (اسے کون بدل سکتا ہے اور اللہ جل شانہ نے جو چاہا کیا" اس لئے کہ (اگر) کا لفظ شیطان کی کارگذاری کا راستہ کھولتا ہے۔ (مسلم نے روایت کیا)

تشریح

اس ارشادِ نبوی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے دو جزو ہیں۔ اوّل جزو میں بندہ مومن کو جو بھی وہ حسبِ طاقت و قدرت عبادت و طاعتِ الٰہی رضاء خداوندی حاصل کرنے کے لئے کر سکتا ہے اس میں بلا تاخیر و تردد مصروف اور سرگرمِ عمل رہنے کی ترغیب ہے۔
جیسا کہ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:۔

وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ اور اسی (نکوکاری) میں (ایک دوسرے سے) آگے نکلنے کی کوشش کرنے والوں کو کوشش کرنی چاہیئے)
(سورۃ المطففین، ع آیت ۲۶)

اور اسی بنا پر طاقتور مومن کو کمزور مومن سے بہتر اور محبوب تر فرمایا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ مشقت برداشت کر کے عبادت وطاعتِ خداوندی میں ہمہ تن مصروف رہ کر اس مقامِ محبوبیت پر پہنچتا ہے جس پر کمزور اپنی کمزوری کی وجہ سے نہیں پہنچ پاتا۔ لیکن بہر حال ایمان اور عمل صالح کی دولت اس کے پاس بھی ہے۔ اس کے ذریعے جنت یعنی مقامِ رضاءِ الٰہی میں وہ بھی پہنچ ہی جائے گا۔ گو مومن قوی کا درجہ نہ پا سکے۔ رحمتِ خداوندی سے مایوس کسی کو بھی نہ ہونا چاہیئے۔ سُبْحَانَ اللہ ارشاد ہے:۔

رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ میری رحمت تو ہر چیز (اور ہر شخص) کے لئے عام ہے۔
(سورہ الاعراف ع ۱۹ آیت ۱۵۶)

اسی لئے آخرت میں کام آنے والے اعمال پر عمل پیرا ہونے کی حرص اور رغبت وشوق ہر مومن میں ہونا چاہیئے اور عمل کے لئے اللہ جل شانہٗ سے ہی مدد طلب کرتے رہنا چاہیئے کہ ہم کو ہر رکعت میں اللہ جل شانہٗ سے ہی مدد طلب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے ارشاد ہے:۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔
(سورۃ فاتحہ)

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث[ع] قدسی میں اللہ جل شانہٗ نے اس دعا کے قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:۔

وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ۔ اور میرے بندے کے لئے ہے جو اس نے مانگا۔

کاش کہ ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھتے یا امام سے سنتے وقت اس ایمان پرور دعا اور اس کی بشارتِ قبولیت کو کان لگا کر توجہ سے سنیں یا غور سے پڑھیں اور ہمارے ایمان تازہ ہوں۔

ع یہ حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔

بہر حال ﷺ اپنے کمزور اور عاجز بندے کے شوق اور حرص کو دیکھ کر ضرور اس کی مدد کریں گے جیسا کہ اُن کا وعدہ ہے۔ اس لئے اس کمزور اور عاجز بندے کا اپنی کمزوری اور عاجزی کو بہانہ بنا کر ناکارہ اور مایوس ہو کر بیٹھ رہنا بہر صورت مذموم ہے۔ کیونکہ یہ یقیناً انسان کے ازلی دشمن شیطانِ لعین یا سب سے بڑے دشمن نفسِ امّارہ کا فریب ہے جس سے ہمہ وقت چوکنا اور ہوشیار رہنا اور بچنا ہر مومن پر فرض ہے۔ چنانچہ اسی شیطان کے متعلق ﷻ کا ارشاد ہے:۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ (بقرہ ع۲۱ آیت۱۶۸) شیطان کے نقش قدم کی پیروی ہرگز مت کرو بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

اور نفسِ امّارہ کے متعلق ارشاد ہے:۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ۔ (سورہ یوسف ع۷ آیت۵۳) بلاشبہ نفس تو بُری باتوں کا ہی کثرت سے حکم دیتا ہے۔ بجز اس کے کہ میرا پروردگار رحم فرمائے۔

اور دوسرے جزو میں رحمتِ عالم ﷺ اپنی اُمت کو شیطان کی خفیہ دراندازی سے جس کا بے خبری میں اور غیر شعوری طور پر ایک مردِ مومن بھی شکار ہو جاتا ہے خبردار کرتے ہیں کہ اگر تم کسی اچانک مصیبت یا ناگہانی حادثہ کا شکار ہو جاؤ تو یوں ہرگز مت کہا کرو کہ: "اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہوتا" شیطان تمہاری زبان سے یہ کہلوا کر تمہیں غیر شعوری طور پر تقدیرِ الٰہی کا منکر بنانا چاہتا ہے بلکہ یہ کہا کرو کہ "تقدیر خداوندی یوں ہی تھی اسکے خلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا" یہ محض تمہارا خیال ہے کہ اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہوتا درحقیقت جو مشیت الٰہی تھی وہی ہوا ہے اور یوں ہی ہونا چاہیئے تھا۔ جیسا کہ "باب مراقبہ" کی تیسری حدیث میں جو حضرت علی رضؓ سے مروی ہے۔ آپ پڑھ چکے ہیں۔ اس حدیث کے بعض طرق کے الفاظ یہ ہیں:۔

وَاعْلَمْ اَنَّ مَا اَخْطَاَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيْبَكَ وَمَا اَصَابَكَ اور یاد رکھو جو تمہارے ساتھ نہیں ہوا وہ ہو ہی نہیں سکتا تھا اور جو مصیبت تمہارے اوپر آئی وہ ٹل

لَمْ یَکُنْ لِیُخْطِئَکَ۔ ہی نہیں سکتی تھی۔

اسی حدیث کے آخر میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام فرماتے ہیں :-

رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ۔ (تقدیر لکھنے والے) قلم اٹھ چکے (لکھ کر فارغ ہو گئے) اور تقدیر کے نوشتے خشک ہو گئے (اب نہیں مٹ سکتے)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو بار بار پڑھیئے بڑی ایمان افروز حدیث ہے اور تقدیر الٰہی پر ایمان تازہ کیجیئے۔ اس قسم کے شیطانی وسوسوں کی بیخ کنی کے لئے مسنون دعاؤں میں مندرجہ ذیل دعائیں آئی ہیں۔ انہیں پڑھا کیجیئے تاکہ شیطانی فریب اور وسوسے آپ کو گمراہ نہ کر سکیں ایک دعا یہ ہے :-

۱۔ اَللّٰھُمَّ رَضِّنِیْ بِقَضَائِکَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا قُدِّرَ لِیْ حَتّٰی لَآ اُحِبَّ تَعْجِیْلَ مَآ اَخَّرْتَ وَلَا تَاخِیْرَ مَا عَجَّلْتَ۔ اے اللہ! تو مجھے اپنے فیصلے پر راضی کر دے اور جو تو نے میرے لئے مقدر کیا ہے اس میں برکت عطا فرما تاکہ جو (کام) تو نے پیچھے کیا میں اسکو (جلدی) کرنے کی خواہش نہ کروں اور جو تو نے جلدی کر دیا میں اسکی تاخیر کی کوشش نہ کروں۔

۲۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ کُلَّ قَضَائِکَ لِیْ خَیْرًا وَعَاقِبَتَہٗ رُشْدًا اے اللہ! تو اپنے ہر فیصلہ کو میرے لئے بہتر اور خیر کا باعث بنا۔ اور اس کے انجام کو میرے لئے ہدایت و بہتری کا سبب بنادے۔

۳۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الرِّضَا بَعْدَ الْقَضَاءِ وَبَرْدَ الْعَیْشِ بَعْدَ الْمَوْتِ وَلَذَّۃَ النَّظَرِ اِلٰی وَجْھِکَ وَشَوْقًا اِلٰی لِقَائِکَ فِیْ غَیْرِ ضَرَّاءَ مُضِرَّۃٍ وَلَا فِتْنَۃٍ مُضِلَّۃٍ اے اللہ میں سوال کرتا ہوں تجھ سے تیرے فیصلے کے بعد (اس پر) رضامندی کا اور مرنے کے بعد خوشگوار زندگی کا اور تیرے (بے کیف) چہرے کے دیکھنے کی لذت کا اور تیری ملاقات کے شوق کا جس میں کسی مضرت کی بدحالی اور کسی فتنہ کی گمراہی (کا اندیشہ) نہ ہو۔

تنبیہ

یاد رکھیئے ان الفاظ "اگر میں ایسا کرتا تو ایسا ہوتا" کے استعمال کرنے کی یہ ممانعت ایسے امور ماضیہ۔گذرے ہوئے امور۔ کے ساتھ مخصوص ہے جن میں عموماً انسان تقدیر کی شکایت کے طور پر اپنی کوتاہی کو نوشتہ تقدیر۔تقدیر کا لکھا۔قرار دے کر خود کو کوتاہی کے الزام سے بری کرنا چاہتا ہے یا کسی دوسرے پر کوتاہی کا الزام رکھنا چاہتا ہے۔ یا غیر ارادی طور پر اس قسم کے الفاظ اُس کی زبان سے نکل جاتے ہیں جن سے اِیْمَانٌ بِالْقَدْر (تقدیر پر ایمان) کی کمزوری کا پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ باب "مراقبہ" کی تیسری حدیث میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے۔حسب ذیل الفاظ سے معلوم ہوتا ہے:۔

وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰۤى اَنْ يَّنْفَعُوْكَ لَمْ يَنْفَعُوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ وَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰۤى اَنْ يَّضُرُّوْكَ لَمْ يَضُرُّوْكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ۔

اور یاد رکھو! کہ اگر پوری اُمت تم کو نفع پہنچانے پر متفق و متحد ہو جائے تو جو تمہاری تقدیر میں لکھ دیا ہے اس سے زیادہ نفع نہیں پہنچا سکتے اور اگر وہ تم کو نقصان پہنچانے پر متفق ہو جائیں تو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اس سے زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

ورنہ تو امور مستقبلہ۔آنے والے امور۔کے متعلق بطور تنبیہ ان الفاظ کا استعمال خود کوتاہی سے بچنے یا دوسروں کو بچانے کے لئے بالکل درست اور جائز ہے۔قرآن و حدیث میں بھی اور شب و روز کی گفتگو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

جنت مکروہاتِ نفس میں اور جہنم خواہشاتِ نفس میں گھری ہوئی ہے | ساتویں حدیث (۱۰۷)

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جہنم (نار دا) خواہشات سے چھپا دی گئی ہے (یعنی طبعاً مرغوب اور دلکش و دل آویز مگر شرعاً حرام و ناجائز چیزوں میں چھپا دی گئی ہے) اور

جنت ناگوار (مگر شرعاً ضروری اور فرض و واجب عبادات و مامورات) میں چھپا دی گئی ہے۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں

یہ تو بخاری اور مسلم دونوں کی روایت کے الفاظ ہیں۔ اور مسلم کی روایت میں حُجِبَتْ (چھپا دی گئی ہے) کے بجائے حُفَّتْ (گھیر دی گئی ہے) آیا ہے معنی دونوں لفظوں کے ایک ہی ہیں یعنی انسان کے اور جہنم یا جنت کے درمیان (مرغوب امور یا ناگوار امور کی) ایک دیوار حائل ہے پس جب اُن میں سے کسی ایک پر عمل کرے گا تو اندر داخل ہوگا (یعنی اگر نفس کی ناجائز خواہشات و مرغوبات پر عمل کرے گا تو جہنم میں جائے گا اور اگر نفس کو ناگوار محسوس ہونے والے اور دشوار امور۔ عبادات و احکام شرعیہ پر عمل کرے گا تو جنت میں جائے گا)

مُفصّل حدیث

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی یہی مختصر حدیث سنن میں زیادہ تفصیل کے ساتھ آئی ہے وہ تفصیل یہ ہے :۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "جل جلالہ نے جب جنت کو پیدا فرمایا تو جبرئیل سے کہا، جاؤ ذرا جنت کو دیکھو" چنانچہ جبرئیل گئے اور جنت کو اور ان نعمتوں کو دیکھا جو جل جلالہ نے اہل جنت کے لئے تیار کی ہیں پھر واپس آئے اور عرض کیا : "اے میرے رب قسم ہے تیری عزت و عظمت کی جو بھی کوئی اس جنت (اور نعیم جنت) کا حال سنے گا۔ اس میں ضرور داخل ہو کر رہے گا" پھر جل جلالہ نے اس جنت کو ناگوار اور دشوار امور (احکام الٰہیہ کی پابندیوں سے) گھیر دیا (یعنی مامورات اور منہیات کے خارزار اس کے چاروں طرف بچھا دیئے) پھر ارشاد فرمایا : اے جبرئیل (اب پھر) جاؤ اور جنت کو دیکھو جبرئیل گئے

اور دیکھا تو واپس آکر عرض کیا، اے میرے رب قسم ہے تیری عزت و عظمت کی بخدا مجھے تو ڈر ہے کہ اب تو کوئی بھی اس جنّت میں داخل نہ ہونے پائے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسی طرح جب جل جلالہ نے جہنّم کو پیدا کیا تو جبرئیلؑ سے فرمایا اے جبرئیل جاؤ ذرا جہنّم کو بھی جاکر دیکھو، تو جبرئیلؑ گئے اور جہنّم (اور اس کے ہولناک عذابوں) کو دیکھا تو واپس آکر عرض کیا: "اے میرے پروردگار! تیری عزت و عظمت کی قسم جو بھی اس جہنّم کا حال سُنے گا ہرگز اس میں داخل نہ ہوگا تو جل جلالہ نے جہنّم کو مرغوبات سے گھیر دیا۔ (یعنی ممنوع و محترم لذائذ اور آسائش و راحت کے دل آویز سبز باغ چاروں طرف لگا دیئے) پھر جبرئیلؑ سے فرمایا: اے جبرئیلؑ جاؤ ذرا اب جہنّم کو دیکھو، جبرئیلؑ گئے اور جہنّم کو (اور اس کے چاروں طرف مرغوبات و لذائذ کے مقناطیسی کشش رکھنے والے سبز باغوں کو) دیکھا تو واپس آکر عرض کیا: اے میرے پروردگار! تیری عزت و عظمت کی قسم اب تو مجھے ڈر ہے کہ کوئی بھی جہنّم میں جانے بغیر نہ رہ سکے گا۔

(ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے)

تشریح

اس حدیث کی تشریح سے پہلے نفس انسانی اور اس کی بلندی و پستی، ارتقاء و انحطاط، سعادت و شقاوت، فلاح و نکبت اور اس کے اسباب و موجبات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے ﷻ کا ارشاد ہے:۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا — اور قسم ہے نفس کی اور اس کو (خیر و شر کو قبول کرنے کیلئے) تیار کر دینے

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ — کی (پھر اس کو بدکاری اور پرہیزگاری سے آگاہ کر دینے کی پس

وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا۔ (سورۃ الشمس ع ۱)

بتحقیق جس نے اپنے نفس کو (بدکاری اور اسکے رجحانات سے) پاک کرلیا۔ اس نے (دنیا اور آخرت دونوں میں) بلاشبہ فلاح پالی اور بلاشبہ جس نے اپنے نفس کو (بدکاریوں میں) دفن کردیا سوہ (دونوں جہان میں تباہ و برباد ہوا اور محروم و) ناکام رہا۔

اس آیتِ کریمہ میں پروردگارِ عالم نے اپنی اس اعجوبۂ روزگار مخلوق کی یعنی نفسِ انسانی کی معجون مرکب فطرت سے آگاہ فرمایا ہے کہ اس ظلوم وجہول انسان کی خلقت اور فطرت میں ہم نے نکوکاری اور بدکاری دونوں کے متضاد رجحانات پیدائشی طور پر ودیعت فرمائے ہیں۔ اور خیر وشر کی تمیز کے لئے عقل وفہم بھی عطا فرمائی ہے۔ اور عقل وفہم کی رہنمائی کے لئے ہر زمانہ میں انبیاء ورسل بھی بھیجے ہیں۔ اور ہر زمانہ کے تقاضے کے مطابق آسمانی کتابیں اور صحیفے بھی نازل فرمائے ہیں مگر اسی کے ساتھ بدکاری اور گناہ کی طرف دعوت دینے والے شیاطینِ جن وانس بھی پیدا فرمائے ہیں۔ اور مقناطیسی کشش رکھنے والی مرغوب ولذیذ اور جاذب ودلکش اشیاء بھی پیدا فرمائی ہیں۔ جن کی طرف ہمہ وقت یہ شیاطین اور خود اس کا نفسِ امّارہ دعوت گناہ دیتے رہتے ہیں۔ اور اس رزمگاہ خیر وشر اور کارگاہ کفر وایمان میں ابتلاء اور آزمائش کی غرض سے انسان کو خیر وشر اور نکوکاری وبدکاری ہر ایک کے اختیار کرنے کی قدرت بھی دیدی ہے اور بتلا دیا ہے کہ اگر نکوکاری اور پرہیزگاری کو اختیار کروگے تو امتحان میں کامیاب ہوگے اور فلاحِ دارین نصیب ہوگی اور اس کے صلہ میں جنت ملے گی۔ جو مقام رضاء الٰہی ہے اور اگر اس کے برعکس فسق وفجور اور کفر وشرک اختیار کروگے تو امتحان میں ناکام ہوگے۔ انسانیت زندہ درگور ہوجائے گی اور اس کی پاداش میں جہنم تمہارا ابدی ٹھکانہ ہوگا جو مقام قہر الٰہی ہے۔

لیکن کچھ تو اصل فطرت کے اعتبار سے اور کچھ لذیذ وپرکشش چیزوں کی کشش کی بنا پر یہ نفس عموماً بدکاریوں اور فسق وفجور پر ہی ابھارتا اور اکساتا رہتا ہے اور عبادات وطاعات اور احکامِ الٰہیہ کی پابندی سے گریز کرتا ہے، خصوصاً وہ عبادات شاقہ اور احکام شرعیہ جو خواہشات

نفس اور راحت و آسائش کی راہ میں حائل ہوں ان پر عمل کرنے سے عموماً پہلو تہی کرتا اور اور بھاگتا ہے۔ بجز اس شخص کے جس کو رحمتِ خداوندی اپنے سایۂ رحمت میں لے لے چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام جیسے پاک دامن و پاکباز نبی بھی اپنے نفس کی برات سے قاصر نظر آتے ہیں جلالہٗ حضرت یوسف علیہ السلام کا قول نقل فرماتے ہیں :۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ اور میں اپنے نفس کو (بداندیشی و بدکاری سے) بری قرار نہیں دیتا بلاشبہ نفس تو برائیوں پر بڑا ہی ابھارنے والا ہے بجز اس کے کہ میرا رب ہی رحم فرمائے (اور اس کے شر سے محفوظ رکھے) در حقیقت میرا رب تو بیحد مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔

(پارہ ۱۳ سورۂ یوسف ع آیت ۵۳)

لیکن یہی برائیوں اور بدکاریوں پر اکسانے والا نفس رحمتِ خداوندی کے شاملِ حال ہوجانے کے بعد اپنی بدکاریوں اور فسق و فجور پر نادم ہوکر خود کو ملامت بھی کرنے لگتا ہے۔ اور خدا کے سامنے اپنے گناہوں کی مغفرت کے لیے ہاتھ پھیلاتا اور آئندہ کے لئے توبہ کرتا ہے اور اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کی بشارت کے تحت پروردگار اسکے گناہوں کو معاف بھی فرمادیتے ہیں۔

مگر اکثر و بیشتر نفسانی خواہشات کے غلبہ اور بیرونی محرکاتِ گناہ کی کشش سے مغلوب ہوکر پھر گناہ اور نافرمانی کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے۔ اور پھر استغفار و توبہ کرنے لگتا ہے۔ اس حالت میں اس کا پروردگار اس کو نَفْسِ لَوَّامَہ کے نام سے موسوم کرتا ہے۔

جل شانہٗ کا ارشاد ہے :۔

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ○ یوں نہیں، میں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی اور یوں نہیں، وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ○ قسم کھاتا ہوں کثرت سے ملامت کرنے والے نفس کی (کہ تم (پارہ ۲۹ سورۃ القیمۃ ع آیت ۲) ضرور دوبارہ زندہ اور اپنے رب کے سامنے پیش کئے جاؤ گے)

اگر رحمتِ الٰہی اسی طرح برابر اس پر سایہ فگن اور شاملِ حال رہتی ہے تو رفتہ رفتہ اس کو

اپنی تمام تر خواہشات کو خدا اور رسول کے تابع کر دینے اور بیرونی محرکات یعنی نفسانی خواہشات کی کشمکش اور گرفت سے آزاد ہونے کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے اور احکام الٰہیہ و مرضیات خداوندی پر عمل پیرا ہونے میں ہی سکون و طمینان نصیب ہو جاتا ہے۔ تو اس مرحلہ پر اُس کا رب کریم اُس کو نَفْسِ مُطْمَئِنَّہ کے لقب سے سرفراز فرماتا ہے اور اسی لقب سے خطاب فرماتا ہے اور اس رزمگاہ خیر و شر اور جہان فسق و فجور سے کامیاب و کامران واپس آنے اور اپنے برگزیدہ بندوں کے زمرہ میں شامل ہونے اور جنت الخلد میں داخل ہونے کی دعوت اور بشارت دیتا ہے ارشاد ہے:-

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ	اے (عبادت و طاعت الٰہی پر) مطمئن نفس تو اپنے رب
ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً	کی طرف واپس آ اس شان سے کہ تو اپنے رب سے راضی اور
مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ	تیرا رب تجھ سے راضی پھر میرے (برگزیدہ) بندوں (کے زمرہ)
وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ○ (س الفجر آیت ۲۷ تا ۳۰)	میں شامل ہو اور میری (خوشنودی کی) جنت میں داخل ہو جا۔

نفس انسانی ان تینوں مراحل سے گذرنے کے بعد ہی مقام رضاء الٰہی تک۔ جس کا دوسرا نام جَنَّتُ الْخُلْد ہے پہنچ پاتا ہے لیکن اگر خدا ناکردہ یہ نفس اپنے پہلے یا دوسرے مرحلہ میں ہی رہ جاتا ہے۔ اور فسق و فجور اور کفر و شرک کے گورستان میں اپنی انسانیت کو زندہ درگور کر دیتا ہے تو جہنم۔ جو مقام قہر الٰہی ہے۔ اس کا ابدی ٹھکانا ہوتا ہے۔

جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں:-

فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ○ وَ	باقی جس نے سرتابی و سرکشی اختیار کی اور دنیا کی
اٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○	(لذت آفرین مگر فانی) زندگی کو آخرت کی (سدا باقی رہنے
فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ○	والی ابدی) زندگی پر ترجیح دی تو بلاشبہ جہنم ہی اس کا
(پارہ ۳۰ س النّٰزعٰت ع ۲ آیت ۳۷ تا ۳۹)	ٹھکانہ ہے۔
وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ	باقی جو (قیامت کے دن) اپنے رب کے سامنے پیش ہونے

وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ○ سے ڈرا اور نفس کو خواہشات سے باز رکھا تو بلاشبہ
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ○ جنت ہی اس کا ابدی ٹھکانا ہے۔
(النازعات ع ۲ آیت ۴۰، ۴۱)

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ انسان کے جہنم رسید ہونے کا بنیادی سبب خوفِ خدا کا نہ ہونا اور اس کے نتیجہ میں احکامِ الٰہیہ سے سرتابی و سرکشی اختیار کرنا ہے۔ اس کے برعکس خوفِ خداوندی کا غلبہ اور استیلاء۔ اور اس کے نتیجہ میں احکامِ الٰہیہ کی پابندی۔ جن چیزوں کا حکم ہے ان پر عمل کرنا اور جن چیزوں کی شرعاً ممانعت ہے ان سے دور رہنا یعنی نفس کو ناجائز خواہشات و مرغوبات سے باز رکھنا جَنَّتُ الْخُلْد تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے۔

اسی حقیقت کو نبیِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورۃ الصدر حدیث نمبرے میں دو نہایت مختصر جملوں میں بیان فرمایا ہے:۔

۱۔ جنت مکروہاتِ نفس سے گھری ہوئی ہے۔ ان مکروہاتِ نفس (نفس کو بُری لگنے والی چیزوں) کو برداشت کئے بغیر جنت میں پہنچنا محال ہے۔

۲۔ جہنم ناروا خواہشات ناجائز مرغوباتِ نفس سے گھری ہوئی ہے ان خواہشات و مرغوبات کے بھنور میں پھنس کر رہ جانا جہنم رسید ہونے کا راستہ ہے۔

اسی حقیقت کو جل جلالہ نے مذکورۃ الصدر آیت کریمہ میں انتہائی ایجاز کے ساتھ بیان فرمایا ہے ارشاد ہے:۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ○ وَقَدْ خَابَ بیشک فلاح پائی جس نے نفس کو پاک کرلیا۔ اور مَنْ دَسّٰىهَا ○ (الشمس ع ۱) بیشک برباد ہوگیا جس نے نفس کو زندہ درگور کردیا۔

یہ ہے اس رزمگاہِ حیات اور جہاں کفر و ایمان میں نفسِ انسانی کی بلندی و پستی عروج و زوال ترقی و تنزل اور سعادت و شقاوت فلاح و نکبت کی داستان۔ اس تمام تر تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ تنزل و انحطاط اور شقاوت و نکبت کا تمام تر مدار ناروا خواہشات و لذائذ یعنی شرعاً حرام و ممنوع امور اور راحت و آسائش کے سبزباغ میں نفس کو بے لگام

چھوڑ دینے پر ہے جس کو ایک فاسق و فاجر شاعران الفاظ میں تعبیر کرتا ہے۔

ع اب تو چین سے گذرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

اور عروج و ارتقا، سعادت و فلاح کا تمام تر انحصار نفس کو بری لگنے والی چیزوں پر آمادہ کرنے اور عبادات و طاعات کا پابند بنانے یعنی نافرمان نفس کے شتر بے مہار کی ناک میں احکام الٰہیہ کی نکیل ڈالنے اور سرکش نفس کے منہ میں احکام شرعیہ کی لگام ڈالنے پر ہے۔

مکروہات

قرآن و حدیث میں نفس کو ناگوار اور دشوار محسوس ہونے والی تمام چیزوں کی متعدد اور مختلف طریقوں سے نشان دہی کی گئی ہے چنانچہ نماز جو پورے دین اسلام کا اساسی ستون ہے نفس پر اس کے شاق اور گران ہونے کا حال جل جلالہ نے آیت کریمہ ذیل میں ظاہر فرمایا ہے ارشاد ہے:۔

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ○ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ○

(پارہ ۱ سورۃ البقرۃ ع ۵ آیت ۴۶)

اور بلاشبہ نماز پڑھنا (لوگوں پر) انتہائی شاق (اور گراں) ہے بجز (مدا سے) ڈرنے والے لوگوں کے جن کو یقین ہے کہ ہمیں (ایک نہ) ایک دن اپنے رب سے ملنا (اور اُسکے سامنے پیش ہونا) ہے اور یہ کہ اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے

ظاہر ہے کہ بے نمازوں کا تو ذکر ہی کیا۔ وہ تو جہنم کا ایندھن ہیں ہی۔ نمازی مسلمان کو بھی گرمیوں کی چھوٹی چھوٹی راتوں میں یا جاڑوں کی سرد اور ٹھٹھری ہوئی راتوں میں صبح سویرے بستر سے اُٹھ کر نماز کے لئے مسجد جانا دشوار محسوس ہوتا ہے۔ اسی طرح ملازم پیشہ اور کاروباری طبقہ کے لوگوں کے لئے بھی اپنی ڈیوٹی یا دکان یا کاروبار چھوڑ کر ظہر اور عصر کی نماز کے لئے مسجد جانا اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا انتہائی گراں اور شاق گذرتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ نمازیں بالکل ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ یا قضا پڑھتے ہیں یا ناوقت بلا جماعت ادا کرتے ہیں۔ اور مکار نفس بہانہ یہ بناتا ہے۔ کہ آخر روزی کمانا اور اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ

پالنا بھی تو فرض ہے۔ یا یہ فریب دیتا ہے کہ خدا کسی کو اُس کی برداشت سے باہر چیز کا مکلف اور پابند نہیں بناتا۔ اسی قسم کے دھوکے اور فریب میں گرفتار ہو کر رفتہ رفتہ بالکل ہی نماز جیسی اہم عبادت سے محروم ہو جاتے ہیں۔

لیکن جن مسلمانوں کے دلوں میں خوفِ خدا جاگزیں اور آخرت کے مواخذہ کا ڈر غالب ہوتا ہے۔ ان کی شان خود جلّ شانہٗ بیان فرماتے ہیں ارشاد ہے:۔

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ إِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْأَبْصَارُ ۝
(پارہ ۱۸ سورہ نور ع ۵ آیت ۲)

وہ ایسے مرد ہیں کہ نہ کوئی خرید و فروخت اور نہ ہی کوئی تجارتی کاروبار ان کو اللہ کے ذکر سے غافل کرتا ہے نہ نماز کو قائم کرنے سے نہ ہی زکوٰۃ ادا کرنے سے، وہ اُس دن سے ڈرتے رہتے ہیں جس میں (سینوں میں) دل (خوف و دہشت سے) اُلٹ پلٹ ہو جائیں گے اور آنکھیں بھی (دہشت کے مارے) پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

اسی ڈر اور خوف کی وجہ سے دُنیا کے تمام معاشی کاروبار میں مصروف ہونے کے باوجود اُن کا دل خدا کے ذکر سے، ادائے فرائض دینیہ سے مطلق غافل نہیں ہوتا۔ بقول صوفیائے نقشبندیہ

ع "دست بکار دل بیار"

یہی وہ خدا ترس بندے ہیں جو شب میں نرم و گرم بستروں کو خارزار محسوس کرتے ہیں، چین و آرام کی نیند کبھی نہیں سوتے، رات بھر خدا کی یاد میں مصروف رہتے ہیں۔ یعنی جب آنکھ کھلتی ہے خدا کا ذکر ان کی زبان پر ہوتا ہے اور نماز کا وقت ہوتے ہی بستر ان کو کاٹنے لگتا ہے۔ اور فوراً اُٹھ کر نماز ادا کرتے ہیں۔ اُن خدا ترس بندوں کا حال شب میں جو خدا نے آرام کے لئے بنائی ہے یہ ہوتا ہے ارشاد ہے:۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ

ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں (غفلت کی نیند نہیں سوتے) خوف و رجا اور امید و بیم کی حالت میں اپنے رب کو

خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا پکارتے (اور یاد کرتے) رہتے ہیں اور جو (مال ومنال) ہم نے ان
رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ کو دیا ہے اس میں سے (ہمارے حکم کے مطابق) خرچ کرتے
(پارہ ۲۱ سورہ السجدہ ع ۲ آیت ۱۶) رہتے ہیں۔

اور یہی وہ خدا ترس بندے ہیں جو کڑکڑاتے جاڑے میں ٹھٹھرے ہوئے مخ بستہ پانی سے پورے طور پر وضو کرتے ہیں۔ اور مکار نفس کے اس فریب میں نہیں آتے کہ تیمم سے نماز پڑھنا بھی تو جائز ہے اپنے آپ کو کیوں ہلاکت میں ڈالتے ہو۔ نمونیہ ہو جائے گا۔ نہیں بلکہ وضو کرتے ہیں۔ اور وضو بھی پورا۔ اسی طرح مکان سے مسجد دور ہونے کی صورت میں نفس کہتا ہے اتنی دور کون جائے۔ یہیں جماعت کئے لیتے ہیں۔ نہیں، بلکہ اس یقین کے ساتھ کہ نماز کے لئے اٹھنے والے ہر قدم پر ﷻ ایک خطا معاف کرتے ہیں۔ اور ایک درجہ بلند فرماتے ہیں مسجد دور ہونے کے باوجود جاتے ہیں۔ اور جماعت سے نماز ادا کرتے ہیں اور ایک نماز ادا کرنے کے بعد دوسری نماز کا ایسے انتظار کرتے ہیں۔ جیسے کسی محبوب کی آمد کا انتظار ہوتا ہے۔ غرض دل برابر نماز میں لگا رہتا ہے۔

مکارہ ایسے ہی نمازی بندوں کو عفو خطایا اور رفع درجات کی خوشخبری مخبر صادق ﷺ نے ذیل کی حدیث میں دی ہے۔ اور مکار نفس سے متنبہ فرمایا ہے۔ اور مکارہ کی نشاندہی فرمائی ہے۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلاؤں جس سے ﷻ خطاؤں کو مٹاتے اور درجات کو بلند فرماتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں (ضرور بتلایئے) آپ نے فرمایا: ناگوار اوقات و حالات میں وضو کو پورا کرنا۔ مسجدوں کی طرف زیادہ قدم اٹھانا (دور سے چل کر جانا)۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ پس یہی تمہاری (دین کی) سرحدوں کی نگرانی (اور حفاظت) ہے۔ یہی تمہاری سرحدوں کی نگرانی ہے (کہ مکار

نفس تم کو اپنے مکر و فریب کے حملوں سے زیادہ سے زیادہ اجر و ثواب حاصل کرنے سے محروم نہ کر دے)۔

اسی طرح موقع بموقعہ قرآن وحدیث میں مختلف عنوانات سے مکروہات سے آگاہ کیا گیا ہے تفصیلات کے لئے قرآن وحدیث کا مطالعہ کیجئے مختصر یہ ہے کہ جو بھی خدا اور رسول کا حکم نفس پر شاق ہو اور اس پر عمل کرنا یا اس کی پابندی کرنا ناگوار ہو۔ وہ سب مکروہات میں شامل ہیں۔ اس خارزار سے گذر کر ہی جنّت میں داخل ہونا ممکن ہے۔

مرغوباتِ نفس

اللہ جل شانہٗ بنیادی طور پر شہوات اور مرغوب ولذیذ چیزوں سے آگاہ فرماتے ہیں ارشاد ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ (پارہ ۳ آل عمران ع ۲ آیت ۱۴)

آراستہ کر دی گئی ہے لوگوں کے لئے پسندیدہ چیزوں کی محبّت عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے جمع کردہ ذخیرے (اعلیٰ نسل کے) نشان لگے گھوڑے، مویشی اور کھیتیاں یہ (سب) دنیا کی زندگی کا ساز و سامان ہے۔ (اور دنیا اور اُس کا تمام ساز و سامان ہیچ و پوچ اور فانی ہے) اور اللہ کے پاس خوب ترین ٹھکانہ (آخرت) ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ جل شانہٗ نے بنیادی طور پر انسان کو مرغوب و مطلوب اور دلکش و دل آویز چیزوں کی جن سے انسان محبّت کرتا ہے نشان دہی فرمائی ہے۔

کسی حکیم کا بھی قول ہے کہ تمام دنیا کا حاصل تین ذخیرے ہیں یعنی زن۔ زر۔ زمین باقی تمام چیزیں انہی کے لوازمات ہیں۔ اگر مزید تجزیہ کیا جائے۔ تو اصل اصول زن یعنی عورت ہے۔ یہی شیطان کا سب سے زیادہ کارگر حربہ ہے۔ چنانچہ دنیا کے واقعات شاہد ہیں۔ کہ بیشتر جرائم کی تہ میں عورت کی ذات کارفرما ہوتی ہے۔ اسی لئے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

نے عورتوں کو مردوں کے لئے سب سے زیادہ ضرر رساں فتنہ قرار دیا ہے اور اُمت کے مردوں کو اُن سے ہوشیار اور چوکنا رہنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:-

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مَیں نے اپنے بعد مردوں کے حق میں عورتوں سے زیادہ ضرر رساں کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔

لیکن درحقیقت یہ تمام چیزیں منعمِ حقیقی جل جلالہٗ کی عظیم نعمتیں ہیں جن پر قرآن و حدیث میں مختلف عنوانات سے متنبہ کیا گیا ہے۔ مگر انسان کی آزمائش بھی زیادہ تر انہی نعمتوں کے استعمال و انتفاع میں مضمر ہے اگر اللہ اور اسکے رسُول ﷺ کے بتلائے ہوئے طریقوں پر انسان ان سے نفع اُٹھائے۔ تو یہی چیزیں آخرت کے لئے بہترین کارآمد اور اجر و ثواب کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ لیکن اگر انہی دلکش و دِل آویز چیزوں کے سبزہ زار میں نفس کو بے لگام چھوڑ دے۔ احکام الٰہیہ کو پسِ پشت ڈال کر حلال و حرام جائز و ناجائز کا فرق کئے بغیر عیش کوشی و لذّت اندوزی میں مستغرق ہو جائے۔ تو یہی چیزیں جہنّم کا کندہ بنا ڈالنے کا سبب بن جاتی ہیں اور یہی ہیں وہ شہوات جن کے سبز باغ جہنّم کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ اِن لذائذ و مرغوبات کی مقناطیسی کشش سے صرف وہی خدا ترس انسان بچ سکتے ہیں جن کے دلوں پر خدا کا خوف اور آخرت کے مواخذہ کا ڈر مسلّط ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم کی مذکورہ بالا آیات میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ اسی حقیقت کو عارفِ رُومی نے "مثنوی" میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مثنوی کا ایک شعر یہ ہے:-

چیست دُنیا؟ از خدا غافل بودن   نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور دوبارہ آپ کو مخبر صادق نبی رحمت ﷺ کی انتہائی وسیع حقائق پر مشتمل اور جامع حدیث پیش کرتے ہیں:-

حفت الجنّة بالمکارہ   وحفت النّار بالشّھوٰت

اِس کو ہمیشہ یاد رکھئے اور حرزِ جاں بنالیجئے۔ اور زندگی کے ہر قدم پر پیش نظر رکھئے
انشاءاللہ العزیز آپ مکار نفس کے حملوں سے محفوظ رہیں گے۔ اور آپ کا نفس
نفسِ مُطْمَئِنّہ کے مرتبہ پر پہنچ کر ربُّ العٰلَمِیْنَ کے محبوب و مقرب بندوں میں شامل
اور جنت الخلد میں داخل ہوگا ۔ اِنْشَاءَاللّٰہُ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔

آٹھویں حدیث نمبر (۸/۱۰۱) | رسول اللہ ﷺ کی ایک نماز کا واقعہ

ابوعبداللہ حذیفہ بن الیمان جو رسول اللہ ﷺ کے صاحبِ
سِرّ (راز داں) صحابی کے نام سے مشہور ہیں رضی اللہ عنہما سے روایت ہے
فرماتے ہیں ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (تہجد کی) نماز
پڑھی ۔ تو آپ نے (سورۂ فاتحہ کے بعد) سورۂ بقرہ شروع فرمائی تو میں نے
(دل میں) کہا آپ سو آیتیں پڑھ کر رکوع کریں گے ۔ آپ (سو آیتوں کے بعد
بھی) پڑھتے رہے ۔ تو میں نے دل میں سوچا آپ (پوری سورۂ بقرہ) ایک
رکعت میں پڑھیں گے ۔ چنانچہ آپ پڑھتے رہے تو (سورۂ بقرہ ختم ہونے پر)
میں نے سوچا (اب) آپ رکوع کریں گے (مگر) پھر آپ نے سورۂ نساء
شروع کردی ۔ اور پھر پوری سورۃ پڑھی ۔ پھر آپ نے سورۂ آلِ عمران
شروع کردی ۔ تو وہ بھی پوری پڑھی ۔ اور آپ پڑھ بھی رہے تھے ٹھہر ٹھہر کر
جب کوئی آیت تسبیح آتی تو آپ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہتے اور
جب کوئی دعا کی آیت آتی ۔ تو آپ وہ دُعا مانگتے اور جب کوئی تعوذ
کی آیت (پناہ مانگنے کی آیت) آتی تو آپ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ فرماتے پھر (یہ
تین سورتیں پوری پڑھ کر) آپ نے رکوع کیا تو (رکوع میں آپ نے
سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہنا شروع کیا ۔ اور پھر رکوع بھی قیام کے قریب
قریب (دراز) تھا ۔ پھر (رکوع سے اُٹھے اور) سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ

رَبَّنَالَکَ الْحَمْدُ کہنا شروع کیا۔ اور پھر رکوع کے قریب قریب ہی (قومہ میں طویل قیام فرمایا پھر سجدہ کیا تو (سجدہ میں) سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہنا شروع کیا تو آپ کا سجدہ بھی (قومہ میں) آپ کے قیام کے قریب قریب ہی تھا

(مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا)

رسُول اللہ ﷺ کا نماز میں قیام

نویں حدیث (۹/۱۰۲)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :۔

کہتے ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ (تہجد کی) نماز پڑھی تو آپ نے اتنا طویل قیام فرمایا کہ میں نے ایک بری بات کرنے کا ارادہ کیا ان سے دریافت کیا گیا آپ نے کیا بُری بات کرنے کا ارادہ کیا تھا؛ فرمایا میں نے ارادہ کیا کہ میں بیٹھ جاؤں۔ اور آپ کو کھڑا رہنے دوں ۔ (مسلم)

تشریح

یہ دونوں حدیثیں سرورِ کائنات فخرِ موجودات، سیدالانبیاء والمرسلین حبیبِ ربّ العٰلمین ﷺ فداہ ابی وامی کے انہی طویل و شدید مجاہدات کے دو نمونے ہیں جن کے ذریعہ آپ یتیم آمنہؓ کے درجہ سے اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ بِیَدِیْ لِوَاءُ الْحَمْدِ وَلَا فَخْرَ الحدیث کے مرتبہ پر پہنچے ہیں۔

یہ دو جلیل القدر صحابی تو اتفاق سے پہنچ گئے۔ اور ان کو آپ کے ساتھ قیام کرنے کا موقعہ مل گیا۔ اور ان کے ذریعہ پوری امت کو آپ کے ان مجاہدات کا علم ہوگیا۔ ورنہ آپ تو عموماً کاشانۂ نبوت میں ہی قیام لیل فرمایا کرتے تھے۔ اور ایسے اوقات میں جبکہ تمام دنیا محوِ خواب ہوتی۔ حتّٰی کہ ازواجِ مطہرات بھی خوابِ شیریں کے مزے لیتی ہوتی تھیں۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے طویل و شدید مجاہدات آپ نے اوائل نبوت میں ہی کئے۔ جبکہ ربِّ جلیل نے ازراہِ شفقت آپ کو حکم دیا ہے :۔

یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۝ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۝ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝ (پارہ ۲۹ سورۂ مزمل ع ۱)

اے کملی پوش تمام رات قیام کیا کر بجز تھوڑی سی رات کے، آدمی رات یا اس سے کچھ کم یا (آدمی رات) سے زیادہ اور قرآن رک رک کر (اور سمجھ سمجھ کر) پڑھا کر۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ترتیل کی حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ ٹھہر ٹھہر کر اور سمجھ سمجھ کر قرآن پڑھیئے اور حسبِ موقعہ فرمانِ الٰہی کے تقاضے پورے کیجئے۔ جہاں تسبیح و تحمید کا مقام ہو وہاں تسبیح و تحمید کیجئے جہاں دعا کا مقام ہو وہاں دعا مانگئے اور جہاں تعوذ کا مقام ہو وہاں پناہ مانگیئے اس طرح کہ گویا آپ ﷺ سے کلام فرما رہے ہیں اور ہمہ تن گوش ہو کر سن رہے ہیں۔ اور تعمیل حکم کر رہے ہیں۔

ذرا تصور کیجئے اس طرح ٹھہر ٹھہر کر کلام اللہ کی قرأت میں اور اسی قیام کے مناسب طویل رکوع و سجود میں کس قدر لطف و سرور حاصل ہوتا ہوگا اور اسی کے ساتھ کتنا طویل وقت صرف ہوتا ہوگا اور کتنی شدید مشقت برداشت کرنی پڑتی ہوگی اسی مشقت برداشت کرنے کے نتیجہ میں مبارک قدموں پر ورم آگیا تھا۔ پھٹنے لگے تھے۔ اسی لئے کہا گیا ہے "مشقت برداشت کئے بغیر کچھ نہیں ملتا" چنانچہ انہی مجاہدات کے ایک سال تک کرنے پر ساری شدتیں اور تکلیفیں راحت و مسرت اور کیف و نشاط سے بدل گئی تھیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ۔ میری آنکھ کی ٹھنڈک (اور دل کی راحت) نماز میں رکھ دی گئی ہے۔

صوفیائے کرام رحمہم اللہ کے تمام مجاہدات کا ماخذ یہی رسول اللہ ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے۔ یہ مجاہدات بھی انہی مکارہ میں داخل ہیں۔ جن کے خارزار سے گذرنے کے بعد جنت الخلد میں داخل ہونا نصیب ہوتا ہے۔ جس کی تفصیل آپ حفت الجنۃ بالمکارہ کے تحت پڑھ چکے ہیں۔

مرنے کے بعد صرف انسان کے عمل اسکے ساتھ جاتے اور کام آتے ہیں — دسویں حدیث

حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ:۔

آپ نے ارشاد فرمایا، مرنے والے کے ساتھ تین جاتے ہیں ایک اس کے اہل و عیال دوسرا اس کا مال تیسرے اس کے اعمال تو دو تو دفن کرنے کے بعد واپس آجاتے ہیں، ایک اس کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ بیوی بچے اور مال تو واپس آجاتے ہیں۔ اور عمل اس کے ساتھ باقی رہتا ہے۔ (بخاری و مسلم نے روایت کیا)

تشریح

ہر انسان ایک طرف ہوش سنبھالتے ہی خود کو ایسی معاشی ضروریات زندگی کا محتاج محسوس کرتا ہے۔ جن کا حصول مال پر موقوف پاتا ہے اس لئے اپنی تمام تر توانائی، کارکردگی کی قوت اور جد و جہد کو مال حاصل کرنے میں صرف کرتا ہے اور کمائے ہوئے مال کے ذریعہ دیگر ضروریاتِ زندگی اپنے لئے اور اپنے اہل و عیال کے لئے مہیا کرنے میں مصروف ہوتا ہے سب سے پہلے ایک رفیق حیات یعنی بیوی کو حاصل کرنے کی جستجو کرتا ہے تو اُسے محسوس ہوتا ہے کہ نکاح کرنے سے پہلے بیوی کے رہنے کے لئے گھر اور گھر کا اثاثہ ہونا چاہیئے۔ کمائے ہوئے مال کا ایک حصہ اس میں صرف کرتا ہے۔ نکاح میں بھی مہر معجل و مؤجل وغیرہ کے لئے مال درکار ہوتا ہے ایک حصہ اس میں صرف کرتا ہے۔ نکاح کرنے اور بیوی کو حاصل کرنے کی اصلی اور فطری غرض و غایت۔ اگرچہ جنسی خواہشات کے طوفان میں محسوس نہ ہو۔ بقاء نسل ہے اس کے لئے اولاد کی ضرورت اور طلب رونما ہوتی ہے۔ لہٰذا بیوی سے بچے پیدا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اب اپنی ضروریاتِ زندگی، کھانا، کپڑا، مکان کے ساتھ ہی ساتھ بیوی بچوں کی ضروریاتِ زندگی مہیا کرنے کی ذمہ داری بھی قانوناً و اخلاقاً و شرعاً غرض ہر حیثیت سے اس پر عاید ہو جاتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں مال کی ضرورت زیادہ سے زیادہ تر ہوتی چلی جاتی ہے اور اس کے حاصل کرنے کے لئے کسب معاش کے مختلف اور متنوع ذرائع میں زیادہ سے زیادہ مصروف ہوتا ہے۔ نہ دن کی خبر نہ رات کی نہ آرام کی پروا ہوتی ہے نہ راحت کی۔ ۵

دوسری طرف ہوش سنبھالنے یعنی بالغ ہونے کے بعد خدا اور رسول پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کو تسلیم کر لینے کی بنا پر احکام الٰہیہ کی پابندی اس پر عاید ہو جاتی ہے کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے، یعنی اوامر و نواہی شرعیہ کی پابندی کا فرض اس پر عائد ہو جاتا ہے۔

یہ ہے انسان کی عملی زندگی کا نہایت مختصر اور سرسری خاکہ، اس لحاظ سے اس زندگی میں جو سرمایہ اس نے حاصل کیا وہ تین ہی چیزیں ہیں۔ ایک مال۔ دوسرے اہل و عیال، تیسرے عمل۔ لیکن انسان فطری محبت اور مال و اہل عیال کی مقناطیسی کشش سے مغلوب ہو کر تیسری چیز یعنی عمل اور اس کی ذمہ داری کو بالکل بھول جاتا اور پس پشت ڈال دیتا ہے۔ اور پہلی دو چیزوں کو ہی اپنا سرمایہ اور حاصل زندگی سمجھ بیٹھتا ہے۔ اور انہی کے لئے ساری عمر سر کھپاتا رہتا ہے جل جلالہ اس غافل انسان کو متنبہ فرماتے ہیں۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

بے شک ہم نے روئے زمین کی تمام چیزوں کو اس کا سامان آرائش بنایا ہے تاکہ ہم لوگوں کو آزمائیں کہ ان میں سے کون زیادہ اچھے کام کرنے والا ہے۔

(پارہ ۱۵ الکھف ع ۱ آیت ۷)

اس زینت اور جاذب قلب و نظر بنانے کی حکمت اور مصلحت، حسن عمل کی آزمائش بیان فرمائی۔ اس لئے کہ اس آزمائش ہی سے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کی اہلیت منظر عام پر آتی ہے۔ اس زینت اور اس سے پیدائشی محبت کی تفصیل سے بھی آگاہ فرماتے ہیں:-

جل شانہ کا ارشاد ہے:-

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ

لوگوں کے لئے مرغوب چیزوں کی محبت آراستہ کردی گئی ہے عورتوں کی، اولاد کی، سونے چاندی کے ڈھیر کے ڈھیر ذخیروں کی (خوبی کے) نشانوں والے گھوڑوں کی، اور مویشیوں کی اور کھیتوں (اور باغوں) کی۔

(پارہ ۳ سورہ آل عمران ع ۲ آیت ۱۴)

آخر میں ان تمام مرغوب چیزوں کی ناپائیدار حقیقت سے بھی آگاہ فرماتے ہیں ارشاد ہے:۔

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ○ (پارہ ۳ سورہ آل عمران ع ۲)

یہ سب چیزیں دنیا کی زندگی میں کام آنے والا سامان ہیں۔ اور دنیا اور اس کے تمام سازوسامان فانی اور ناپائیدار ہیں۔ بہترین لوٹنے کی جگہ تو اللہ جل شانہ کے پاس ہے۔

تیسری چیز حسنِ عمل جو اس دنیا کی شریفانہ اور باعزت زندگی بسر کرنے میں بھی بہترین معاون ہے اور مرنے کے بعد آخرت میں تو صرف عمل ہی عمل باقی رہ جائے گا۔ اور وہی کارآمد سرمایہ ثابت ہوگا۔ وہاں نہ اہل و عیال کام آئیں گے۔ اور نہ مال و جائیداد۔ مگر انسان اپنی جہالت و غفلت کی وجہ سے اس دونوں جہاں میں کارآمد سرمایہ کو خاطر میں نہیں لاتا اور مال و دولت اور اہل و عیال کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے۔ حالانکہ دونوں اعلیٰ درجہ کے بے وفا ہیں۔ مال کی بے وفائی کے تو صدہا واقعات و مشاہدات انسان شب و روز دیکھتا ہے۔ بسا اوقات بڑے بڑے لکھ پتی اور کروڑپتی سماوی و ارضی آفات کی وجہ سے مفلس و قلاش کوڑی کوڑی کے محتاج بن جاتے ہیں۔ باقی اہل و عیال بھی بوڑھے اور معذور ماں باپ سے بیزار اور ان کے مرنے کی دعائیں مانگنے لگتے ہیں۔

اس زیر نظر حدیث نمبر ۱ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو متنبہ فرماتے ہیں کہ یہ اہل و عیال اور مال و منال جس کے لئے تم اپنی توانائیوں کو خرچ کر رہے ہو یہ تو مرتے ہی تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ مرنے کے بعد تمہارا ساتھ دینے اور باقی رہنے والا سرمایہ صرف حسنِ عمل ہے اس لئے زندگی کے ہر مرحلہ میں اسی حسنِ عمل کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ جمع کرنے کی کوشش کرو۔ اور اپنی تمام تر توانائیوں کو حسنِ عمل یعنی اللہ جل جلالہ کے احکام کی اطاعت اور اسی کی عبادت میں صرف کرو یہ جدوجہد ہی اصل مجاہدہ ہے اور دشمن نفس کے خلاف اسی محاذ پر تمہیں جہاد کرنا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ نفسِ اَمّارہ کے کہنے میں آکر خدا کے احکام کی نافرمانی اور گناہوں کا ارتکاب کر بیٹھو۔ اور اگر خدانخواستہ بتقاضائے بشریت کوئی معصیت یا گناہ سرزد ہو جائے

توجلد از جلد توبہ واستغفار کے ذریعہ اس کا ازالہ کرو۔ اور اس سے چھٹکارا حاصل کرو۔ یہی اصل مجاھدہ ہے۔

مجازات اعمال کی تحقیق کے ذیل میں آپ قرآن وحدیث کی قطعی نصوص کی روشنی میں جزا کا عین عمل ہونا پڑھ چکے ہیں۔ اس کو باور کر لینے کے بعد تو صرف عمل ہی عمل رہ جاتا ہے۔

جب مرنے والے کو قبر میں دفن کر کے تمام عزیز و اقارب اور دوست واحباب اس کو اکیلا چھوڑ کر چلے آتے ہیں تو اس وقت صرف اعمال ہی اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اعمال کی یہ معیت و رفاقت آخرت کے اس پہلے ہی مرحلے میں یعنی قبر میں مرنے والے کے کس طرح کام آتی ہے اس کی تفصیل حسب ذیل حدیث میں پڑھئے اور اعمال صالحہ کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ جمع کرنے کی جدوجہد کیجئے:۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس پروردگار کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ لوگ جب میت کو دفن کر کے اور اسے اکیلا چھوڑ کر واپس جاتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز تک کو سنتا ہے (کہ کیسے بے وفا ہیں یہ سب لوگ مجھے کس طرح اس کال کوٹھری میں اکیلا چھوڑ کر واپس جارہے ہیں۔ جیسے ان سے کبھی تعلق ہی نہ تھا)۔

فرماتے ہیں: مرنے والا اگر ایمان دار ہوتا ہے تو نماز اس کے سر کی جانب کھڑی ہوتی ہے۔ اور زکوٰۃ اس کے داہنے جانب اور روزہ اس کے بائیں جانب اور اچھے اور شرعاً پسندیدہ کام اور لوگوں کے ساتھ کئے ہوئے احسان میت کے پاؤں کی جانب موجود ہوتے ہیں تو باز پرس کرنے والے فرشتے سر کی جانب سے آتے ہیں۔ تو نماز کہتی ہے میری جانب سے جانے کا راستہ نہیں ہے (واپس جاؤ) وہ دائیں جانب سے (میت کے) پاس جانا چاہتے ہیں تو

زکوٰۃ (تیغ بے نیام بن کر) کہتی ہے میری جانب سے جانے کا راستہ نہیں ہے۔ (واپس جاؤ) پھر وہ بائیں جانب سے جانا چاہتے ہیں تو روزہ سپر بن کر کہتا ہے میری جانب سے جانے کا راستہ نہیں ہے (واپس جاؤ) قدموں کی جانب سے جانا چاہتے ہیں تو لوگوں کے ساتھ کیئے ہوئے نیک کام کہتے ہیں میری جانب سے جانے کا راستہ نہیں ہے۔ (غرض عبادات و اعمال صالحہ قلعہ کی فصیل کی طرح میت کے چاروں طرف حصار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں) تب اس سے کہا جاتا ہے اُٹھ کر بیٹھو تو میت بیٹھ جاتا ہے اور اسے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سورج غروب ہو رہا ہے تو کہا جاتا ہے:

ان اعمال صالحہ کے بعد ایمان کا امتحان لینے کی غرض سے مُنکر نکیر ربّ کے نبیؐ اور دین کے متعلق سوالات کرتے ہیں صحیح جواب پا کر کہتے ہیں:۔

بیشک ہم تو (ان اعمال صالحہ کے حصار کو دیکھ کر ہی) جان گئے تھے کہ تم یہ جواب دو گے پھر اُس کی (وہ تنگ و تاریک قبر) سرسبز اور خوب کشادہ کر دی جاتی ہے۔

اور اسی کا نام مجاھدہ ہے اسی لئے امام نووی علیہ الرحمہ نے اس حدیث کو مجاہدہ کے باب کے تحت ذکر کیا ہے۔

اور نبی رحمت ﷺ نے ازراہِ شفقت اپنی مرحوم (قابل رحم) اُمت کو خبردار کیا ہے:۔

اَلْقَبْرُ اِمَّا رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَاِمَّا حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ قبر یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک (ہولناک) گڑھا ہے۔

تب اس کو روشن کر دیا جاتا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے آرام سے سو جاؤ، میت کہتا ہے ذرا مجھے گھر والوں کے پاس جانے دو۔ میں اُن کو اپنا حال بتلا آؤں۔ تو دونوں فرشتے کہتے ہیں سو جا اُس دلہن کی طرح جس کو اس کی محبوب ہستی یعنی شوہر ہی بیدار کرتا ہے پھر حضور ﷺ اس کو اسی خواب گاہ سے

دوبارہ زندہ کر کے اُٹھائیں گے۔

اعمالِ صالحہ کی یہ رفاقت صرف قبر ہی میں کام نہیں آئے گی۔ بلکہ حشر کے روز پل صراط سے گذرتے وقت جبکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر بھی رَبِّ سَلِّمْ رَبِّ سَلِّمْ ہوگا۔ یہ اعمال خصوصاً تلاوتِ قرآن کرنے والے کے لئے سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران وغیرہ قرآن کی سورتیں شفاعت کریں گی۔ اور سروں پر سایہ فگن ہوں گی۔

اس لئے اصلی اور آڑے وقت میں کام آنے اور ہمیشہ ساتھ رہنے والا سرمایہ عملِ صالح ہی ہے اور اسی کے ذخیرہ جمع کرنے کی فکر ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

گیارہویں حدیث (۱۱) جنّت اور جہنّم دونوں قریب ہیں انسان جسے چاہے اپنائے

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جنّت تم میں سے ہر شخص سے اس کے چپلوں کے تسموں سے بھی زیادہ قریب ہے، (نہایت آسانی سے اُس میں داخل ہو سکتے ہو) اور جہنم بھی اسی طرح (تم میں سے ہر شخص کے چپلوں سے بھی زیادہ قریب ہے ذرا سی غفلت سے اس میں جا سکتے ہو) (صحیح بخاری)

تشریح

نبیٔ رحمت ﷺ کے ارشاد گرامی کا مقصد اُمت کو متنبہ اور خبردار کرنا ہے کہ جنّت بھی انسان سے انتہا درجہ قریب ہے آسانی سے اس میں داخل ہو سکتا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ صدق دل سے کہا اور جنّت کا حق دار ہو گیا اگر کہتے ہی موت آگئی تب تو سیدھا جنّت میں جائے گا۔ حدیث شریف میں آیا ہے:۔ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ اور اگر کلمہ پڑھنے کے بعد زندہ رہا۔ اور اس کلمہ کے مصداق کے مطابق یعنی دین کے تمام احکام۔ فرائض و مامورات پر عمل کیا اور ممنوعات و منہیات سے اجتناب کیا اور دُور رہا۔ اگر بتقاضائے بشریت کوئی گناہ یا نافرمانی سرزد ہوگئی۔ تو فوراً توبہ کر لی۔ تب بھی

جنت میں داخل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ ہاں اگر کوئی گناہ سرزد ہوا کوئی نافرمانی ہوئی اور بغیر توبہ کے موت آگئی جو ایک سچے مومن سے بیحد مستبعد ہے۔ تب بھی ﷲ کی مشیت کے تحت داخل ہے چاہے معاف فرمائیں چاہے بقدر گناہ سزا دیں۔ یا یوں کہیئے کہ گناہ کی آلودگی اور گندگی کو جہنم کی آگ میں جلا کر دور فرما دیں اور پاک و صاف کندن بنا دینے کے بعد جنت میں داخل فرمائیں۔ صدق دل سے کلمہ پڑھنے کے بعد جنت ملے گی ضرور آگے، پیچھے، دیر، سویر، کی دوسری بات ہے ﷲ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ

تحقیق ﷲ شرک (و کفر) کو تو ہرگز معاف نہیں کریں گے باقی اسکے سوا (گناہ) جس کے چاہیے معاف کر دیں (ان کی مشیت پر موقوف ہے)

(پارہ ۵ سورۂ نساء ع ۷، آیت ۱۱۹)

مَا دُوْنَ ذٰلِکَ (کفر و شرک کے علاوہ) کے تحت بڑے سے بڑا گناہ کبیرہ بھی داخل ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں (ایک دن) میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ سفید چادر اوڑھے آرام فرما رہے تھے میں (واپس چلا آیا) پھر (تھوڑی دیر بعد) حاضر ہوا تو آپ بیدار ہو چکے تھے۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: جس بندے نے بھی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (صدق دل سے) کہا پھر اسی پر اس کو موت آگئی تو ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے عرض کیا "اگرچہ اس نے زنا کیا ہو۔ اور اگرچہ اس نے چوری کی ہو (تب بھی جنت میں داخل ہوگا) آپ نے فرمایا (ہاں ہاں) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو۔ میں نے پھر عرض کیا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو اگرچہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے فرمایا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو، اگرچہ اس نے چوری کی ہو۔ میں نے پھر عرض کیا اگرچہ اس نے زنا کیا ہو، اگرچہ اس نے چوری کی ہو؟ آپ نے پھر جواب دیا (ہاں۔ ہاں) اگرچہ اس نے زنا کیا ہو، اگرچہ

اُس نے چوری کی ہو، تین مرتبہ میں نے اسی طرح سوال کیا اور تینوں مرتبہ
آپ نے یہی جواب دیا۔ (بخاری شریف)

بخاری شریف ہی کی ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ اس وقت سو نہیں رہے تھے۔ بلکہ نزول وحی کے وقت جو ربودگی کی کیفیت ہوا کرتی تھی۔ وہ طاری تھی اور اُسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام اُمت کے لئے یہ بشارت لے کر آئے تھے اور جیسے ابو ذرؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ سوال کیا ہے اور آپ نے جواب دیا ہے بالکل اسی طرح آپ نے جبرئیل علیہ السلام سے وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ بغرض تحقیق یہی سوال کیا تھا اور جبرئیل نے وحی الٰہی کے مطابق:۔ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ جواب دیا تھا۔

اس آیت کریمہ اور حدیث سے صراحتاً معلوم ہوا کہ کفر و شرک تو ہر گز معاف نہیں ہو سکتا۔ باقی تمام چھوٹے بڑے گناہ حتٰی کہ زنا اور چوری جیسے گناہ بھی جن پر دُنیا میں بھی حد شرعی لگتی ہے اگر بغیر توبہ کئے بھی کوئی مسلمان مر جائے تو حق تعالیٰ کی مشیت کے تحت داخل رہے گا۔ چاہیں معاف فرما دیں چاہے بقدر گناہ سزا دے کر جنت میں داخل فرمائیں۔ بہر حال جنت کے دروازے کی کنجی کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے پوری زندگی اسی پر قائم رہنا اور اس کلمہ کے تقاضوں کو پورا کرنا یعنی مامورات (جن کاموں کے کرنے کا حکم ہے) پر پوری پابندی سے عمل کرنا اور منہیات (جن کاموں کے نہ کرنے کا حکم ہے) سے بچنا اور دور رہنا اسی کا نام استقامت ہے اور اسی کا نام مجاھدہ ہے۔ اسی لئے امام نووی علیہ الرحمۃ اس حدیث کو مجاہدہ کے باب میں لائے ہیں۔

توبہ کے دروازے کے کھلا ہونے کے اعلان کے بعد ساری زندگی ایک مسلمان بغیر کسی دُشواری یا تنگی کے دین اسلام پر پختگی کے ساتھ قائم رہ سکتا ہے۔

سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اُنہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ !! آپ مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات تبلا دیجئے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے اس کے بارے

میں دریافت کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا (صدق دل سے) اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کہو اور (ساری عمر) اسی پر قائم رہو۔" (صحیح مسلم)

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ صدق دل سے کہنے کے بعد یہ ممکن ہی نہیں۔ کہ کسی مسلمان سے کوئی گناہ یا معصیت سرزد ہو جائے اور وہ ﷲ سے توبہ نہ کرے پھر اسے جنت میں داخل ہونے سے کون روک سکتا ہے۔ اور یہی مطلب ہے ﷻ کے اس فرمان کا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○	بلاشک و شبہ جن لوگوں نے رَبُّنَا اللّٰہُ (صدق دل سے) کہا اور پھر اسی پر (ساری زندگی) قائم رہے (مرنے کے وقت) ان کے پاس فرشتے آتے ہیں اور کہتے ہیں تم (کسی بات کا) خوف نہ کرو اور نہ غم کرو اور اس جنت کی تمہیں خوشخبری دی جاتی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔

(پارہ ۲۴ حٰم سجدہ ع ۴ آیت ۳۰)

اِسْتَقَامَتْ کی پوری تفصیل کتاب کے "بَابُ الْاِسْتَقَامَتْ" کے تحت آپ پڑھ چکے ہیں۔ دوبارہ پڑھ لیجئے۔ حاصل اس تمام تفصیل اور خامہ فرسائی کا یہ ہے کہ فی الحقیقت جنت ہر اس شخص سے جو جنت میں جانا چاہے بیحد قریب ہے۔ اور اس میں داخل ہونا نہایت آسان ہے اسی طرح جہنم بھی ہر اس شخص سے جو جہنم میں جانا چاہے انتہا درجہ قریب ہے۔ اور نہایت آسانی سے اس میں بھی جا سکتا ہے ادھر زبان سے کلمہ کفر کہا اُدھر جہنم کے داروغہ نے جہنمیوں کے رجسٹر میں اس کا نام لکھا۔ مثلاً کسی جھوٹے مدعی نبوت کی تصدیق کر دی۔ یا کسی بھی دین کے مسلمہ اور متواتر قطعی عقیدے کا انکار کر دیا مثلاً عدالتِ صحابہ کا انکار کر دیا۔ یعنی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دروغ گو اور بدکردار کہہ دیا تو کافر ہو گیا۔ ساری اسلامی زندگی برباد گئی۔ سیدھا جہنم میں جائے گا۔ یا کسی بھی کافرانہ فعل کا ارتکاب کر لیا بت یا کسی بھی غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنے کو جائز کہا اور سجدہ کر لیا یا کسی بھی قطعی حرام چیز کو حلال یا حلال چیز کو حرام کہہ دیا

یا خنزیر کا گوشت، سود کا مال یا شراب کو حلال کہہ دیا اور کھا پی لیا کافر ہو گیا۔ ساری عمر کا اسلام برباد ہوا سیدھا جہنّم میں جائے گا۔ دیکھا آپ نے کس قدر قریب ہے جہنّم۔ اور کتنی جلدی انسان جہنّم رسید ہو جاتا ہے پناہ بخدا۔ خدا بچائے جل جلالہ کا ارشاد ہے :-

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ (پارہ ۱۰ سورہ توبہ ع آیت)

وہ (منافقین) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم نے (کفر کی بات) نہیں کہی حالانکہ بخدا انہوں نے کلمہ کفر کہا ہے اور وہ اپنے اسلام (اور مسلمان ہونے) کے بعد کافر ہو چکے ہیں اور انہوں نے تو منصوبہ بنایا تھا جس میں وہ کامیاب نہیں ہوئے۔

وہ کلمہ کفر جو ان لوگوں نے کہا تھا وہ بھی سورہ منافقون میں بیان فرمایا ہے :-

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (پ۲۸، المنافقون ع، آیت ۸)

۱- یہ منافقین کہتے ہیں بخدا اگر ہم مدینہ واپس ہوئے تو یقیناً عزت والے (یعنی ہم) ذلیلوں (یعنی مسلمانوں) کو ضرور بالضرور مدینہ سے نکال دیں گے۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ (پارہ ۲۸ منافقون ع آیت)

۲- یہ تو وہی لوگ ہیں جو کہتے ہیں جو مسلمان رسول اللہ کے پاس ہیں اُن پر (ایک پیسہ بھی) مت خرچ کرو تاکہ وہ (فاقہ کشی سے مجبور ہو کر) آپ کے پاس سے منتشر ہو جائیں۔ اعاذنا اللہ منہ

اور وہ منصوبہ جس کو جل شانہ نے بروقت اپنے نبی کو وحی کے ذریعہ آگاہ کر کے ناکام بنا دیا۔ وہ لَيْلَةُ الْعَقَبَه کا واقعہ ہے جس کی تفصیل ارباب سیر نے غزوہ تبوک سے واپسی کے ذیل میں بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ منافقین رات کی تاریکی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر چھپ کر حملہ کر کے آپ کو العیاذ باللہ ہلاک کر دینا چاہتے تھے، گویا ان بیوقوفوں نے آپ کو مدینہ سے نکال دینے کی یہ شیطانی تدبیر سوچی تھی۔

پھر ان دونوں کلماتِ کفر کے متعلق "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" کے طور پر جو عذر ان لوگوں نے پیش کیا تھا۔ اس کا ذکر فرما کر خود ان کے قول سے ان کا کافر ہونا ثابت کرتے ہیں :-

منافقوں کا عذر

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ (پارہ ۱۰ توبہ ع ۸ آیت ۶۵)

اور بخدا اگر تم اُن سے دریافت کرو گے تو وہ یقینا یہی کہیں گے ہم تو ہنسی مذاق کر رہے تھے۔

جواب عذر

قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ○ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ (پارہ ۱۰ توبہ ع ۸)

کیا تم اللہ کے اور اُس کی آیات کے اور اس کے رسول کے ساتھ اِستہزاء اور ہنسی مذاق کر رہے تھے، کوئی معذرت مت کرو بیشک تم ایمان کے بعد کافر ہو چکے ہو۔

یعنی جل جلالہ اور اس کی آیات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء (مذاق اڑانا) جس کا تم خود اعتراف کرتے ہو۔ یہ استہزاء تو بجائے خود کفر ہے۔ لہٰذا تم نے خود اپنی زبان سے اپنے کافر ہونے کا اقرار کر لیا۔

یہ کفریہ اقوال و افعال غزوہ تبوک کے شدید ترین اور دور دراز سفر کے دوران منافقین سے سرزد ہوئے تھے جو اس سے پہلے مسلمان سمجھے جاتے تھے، مسلمانوں کے سے کام کرتے تھے۔ اس لئے اس مقدس جہاد میں ساتھ تھے۔ مگر ان کفریہ اقوال و افعال کی بنا پر کافر اور جہنم کے مستحق قرار دیئے گئے۔

دیکھا آپ نے کتنی ذرا سی بات پر کافر اور جہنم رسید ہو گئے۔ انہی آیات کی بنیاد پر علماء اہلِ سنت و الجماعت نے استہزاء بآیات اللہ و استہزاء باحادیث الرسول کو موجبِ کفر قرار دیا ہے۔ اور یہی تمام اُمت کا عقیدہ ہے۔

تنبیہ

ہم نے ان منافقین کے کفریہ اقوال و افعال کو قرآن کریم اور صحیح احادیث کی روشنی میں ذرا تفصیل سے اس لئے بیان کیا ہے کہ ہمارے زمانے کے غافل اور بے خبر مسلمان اس قسم کی باتوں اور کاموں سے اجتناب کریں اور احتیاط برتیں خصوصاً اِستہزاء بِآیاتِ اللہ اور

اِسْتِهْزَاء بِاَحَادِیْثِ الرَّسُوْل ، کہ اس قسم کے اقوال و افعال کو ہنسی مذاق کہہ کر نظر انداز نہ کریں خصوصًا نام نہاد تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ کہ اُن کی زبان تو بہت ہی بے لگام ہے انہیں خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ﷻ اور رسول ﷺ کے ساتھ استہزا۔ اور ہنسی مذاق سے بھی ایک مسلمان کافر اور جہنم رسید ہو جاتا ہے۔ العیاذ باللہ (پناہ بخدا)

یاد رکھئے یہ احکامِ الٰہی قدیم زمانے کے منافقین کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ قرآن کریم کوئی داستانِ پارینہ اور تاریخ اقوام دیرینہ نہیں ہے بلکہ قرآنِ کریم تو رہتی دنیا تک انسانوں کے لئے کتابِ ھدایت اور مشعل نور ہے۔ آج بھی جو شخص ان منافقین جیسے اقوال و افعال کا ارتکاب کرے گا۔ کافر اور جہنم رسید ہو جائے گا۔

اس تمام تر تفصیل کے ساتھ مخبر صادق ﷺ کی اس مختصر سی حدیث کی گہرائیوں اور وسعتوں کو سمجھئے اور سُبْحَانَ اللّٰہ کہئے۔

اَلْجَنَّةُ اَقْرَبُ اِلٰی اَحَدِکُمْ مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهٖ وَالنَّارُ مِثْلُ ذٰلِكَ۔

جنت اور جہنم دونوں ایک مسلمان سے بیحد قریب ہیں۔ نہایت آسانی سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے چاہے جہنم میں گویا جنت یا جہنم کے علاوہ کوئی تیسری جگہ نہیں ہے۔ اب جہاں چاہے اپنا ٹھکانا بنالے۔ اس کے فعل و عمل پر موقوف ہے۔ اسی کی ترجمانی شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے ذیل کے شعر میں کی ہے۔ ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَیْهِ المرجع والمآب

جَنَّت میں رسول اللہ ﷺ کی رفاقت حاصل کرنے کا ذریعہ | بارہویں حدیث ۱۲/۱

حضرت ابو فراس ربیعہ بن کعب اسلمی جو رسول اللہ ﷺ کے خادم اور اصحابِ صفہ میں سے ہیں رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

میں رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بسر کیا کرتا تھا۔ تو جب آخر شب میں آپ

بیدار ہوتے تو) میں روزانہ وضو کے لئے پانی اور دوسری ضروریات (استنجے کے لئے ڈھیلے وغیرہ) پیش کیا کرتا تھا (ایک دن) آپ نے (میری خدمت سے خوش ہو کر) فرمایا:۔ مجھ سے کچھ مانگو! تو میں نے عرض کیا میں تو جنت میں آپ کی رفاقت کی درخواست کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اس کے علاوہ؛ میں نے عرض کیا "بس یہی" آپؐ نے ارشاد فرمایا: تو تم اپنے اوپر کثرت سے نفل نمازیں پڑھنے کو لازم کر کے میری مدد کرو (تو میں) جنت میں بھی تم کو اپنے ساتھ رکھ سکوں گا۔

(صحیح مسلم)

تشریح

جلیل القدر صحابی حضرت ابو فراس اسلمی رضی اللہ عنہ کا یہ جذبہ محبت اور خدمت محبوب کا یہ شوق کہ دونوں جہان کی نعمتوں میں سے کسی بڑی سے بڑی نعمت کے بجائے اپنے پیارے نبی ﷺ کی رفاقت جنت میں طلب کرنا، ایک ایسا بے نظیر اور لاثانی جذبۂ محبت ہے۔ کہ نبیٔ رحمت ﷺ کے جانثار صحابہ کے علاوہ اُس کی مثال نہیں ملتی۔ ظاہر ہے کہ حاصلِ کائنات ﷺ نے ان کی خدمت گذاری سے خوش ہو کر فرمایا تھا اسلمی! مانگ جو مانگتا ہے؛ اس وقت اگر یہ دونوں جہاں، دنیا و آخرت، کی بڑی سے بڑی نعمت بھی مانگتے تو یقیناً وہ نعمت ﷺ ان کو دے دیتے۔ مگر اُنہوں نے جنت میں اپنے محبوب کی رفاقت کی درخواست صرف اس لئے کی کہ دنیا میں تو بہر حال جل جلالہ کے فضل سے ان کو آپ کی صحبت و رفاقت کی سعادت نصیب ہو گئی تھی۔ مگر اندیشہ تھا کہ کہیں جنت میں آپ کے درجات عالیہ کی رفعت کی بنا پر میں اس نعمت سے محروم نہ ہو جاؤں اسلئے کہ اُنکے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی محرومی نہ تھی۔ اس لئے جنت میں آپ کی رفاقت کی درخواست کی تاکہ وہاں بھی آپ کی خدمت و رفاقت کی سعادت اور دیدارِ محبوب کی نعمت نصیب ہو۔ نبیٔ رحمت ﷺ نے غالباً اس خیال سے کہ ممکن ہے اُنہوں نے بے سوچے سمجھے کہہ دیا ہو۔ دوبارہ ارشاد فرمایا:

اَوْغَيْرَ ذٰلِكَ ؛ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ؟ تو اُنہوں نے عرض کیا : هُوَ ذَاكَ بس میرا مدعا تو یہی ہے۔

اس سوال و جواب سے تحقیق ہوگئی کہ ان کی واحد آرزو اور سب سے بڑی خواہش یہی ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں کہ محب ہمہ وقت محبوب کے ساتھ رہے۔

مگر سرورِ کائنات ﷺ نے ان کے حق میں اس رفاقت کی دُعا کرنے سے پہلے اُن کے اندر اس رفاقت کی اہلیت پیدا کرنے کی غرض سے فرمایا :۔

فَاَعِنِّیْ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ تو تم میری مدد کرو کثرت سے نفلیں پڑھنے کے ذریعہ۔

یعنی اس رفاقت کی دُعا اور اس کی قبولیت کے بارے میں تم میری مدد کرو اور کثرت سے نفلیں پڑھا کرو۔ تاکہ تم محبوب رَبُّ الْعٰلَمِیْن بن کر جنّت میں میری رفاقت کی سعادت حاصل کرسکو۔ کیونکہ جنّت میں محبوبِ رَبُّ الْعٰلَمِیْن ﷺ کا رفیق وہی بن سکتا ہے۔ جو خود بھی محبوبِ رَبُّ الْعٰلَمِیْن ہو۔ اور اسی باب کی حدیث نمبر اوّل کے ذیل میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ محبوب رَبُّ الْعٰلَمِیْن کے مرتبے پر پہنچنے کا واحد ذریعہ کثرت سے نفلیں پڑھنا ہے۔

نبیِ رحمت ﷺ نے فَعَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ۔ "اپنے اوپر کثرت سے نفلیں پڑھنا لازم کرلو"۔۔۔ کے بجائے فَاَعِنِّیْ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ۔ "تو تم میری مدد کرو کثرت سے نفلیں پڑھکر" فرما کر انتہائی شفقت و رأفت کا اظہار فرمایا ہے یعنی میں بھی دل سے چاہتا ہوں اور میری بھی خواہش ہے کہ تم جنّت میں میرے رفیق بنو۔ مگر اس کے لئے تمہارا محبوب رَبُّ الْعٰلَمِیْن کے مرتبہ پر پہنچنا ضروری ہے۔ اس لئے تم بکثرت نفلیں پڑھ کر میری مدد کرو اور میری خواہش کو پورا کرو۔ سُبْحَانَ اللهِ

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر دُعا ہر شخص کے لئے نہیں کی جاتی۔ بلکہ جس شخص میں جس چیز کی اہلیت ہو۔ اسی کی دُعا اُس کے لئے کی جاتی ہے۔ اگر کسی شخص کے لئے کوئی ایسی دُعا کرنی ہو جس کی اہلیت اس میں نہیں ہے تو پہلے اس شخص میں اس دُعا کی اہلیت پیدا کرنے

کی تدبیر کی جائے۔ پھر دُعا کی جائے۔ مثلاً کوئی گھسیارا کہے کہ آپ میرے لئے دعا کریں کہ میں اس ملک کا حکمران بن جاؤں یا جاہل محض کہے کہ آپ میرے لئے دعا کیجئے کہ میں عالم متبحر بن جاؤں اور آپ چاہیں بھی کہ ایسا ہو جائے۔ تو پہلے اس شخص میں حکمران یا عالم بننے کی اہلیت و استعداد پیدا کرنے کی تدبیر کیجئے پھر دُعا کیجئے۔ اسی لئے ﷻ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ (پارہ ۵ سورہ نساء ع ۵ آیت ۳۲)

ﷻ نے جو تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت (فوقیت) دی ہے اس کی تمنا مت کیا کرو مرد (جس کے اہل ہیں اور) جو کریں گے ان کے لئے اس کا حصہ ہے عورتیں (جس کی اہل ہیں اور) جو کریں گی ان کے لئے اس کا حصہ ہے۔

یعنی ﷻ نے مردوں سے متعلق کاموں (احکام و فرائض) کی اہلیت مردوں میں رکھی ہے۔ اگر وہ ان کاموں "احکام و فرائض" کو انجام دیں گے۔ تو اس کا اجر و ثواب اور جنت میں درجاتِ عالیہ ان کو ملیں گے اور عورتوں سے متعلق کاموں ــ احکام و فرائض ــ کی اہلیت عورتوں میں رکھی ہے۔ اگر وہ ان کاموں ــ احکام و فرائض ــ کو انجام دیں گی۔ تو اس کا اجر و ثواب اور جنت میں درجاتِ عالیہ ان کو ملیں گے گویا جنت میں درجاتِ عالیہ حاصل کرنے کے لئے مردوں اور عورتوں کے راستے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اس لئے جیسے مردوں کو عورتوں کے راستے اختیار کرنے کی تمنا نہیں کرنی چاہیئے ایسے ہی عورتوں کو مردوں کے راستے اختیار کرنے کی تمنا نہیں کرنی چاہیئے کہ یہ قانون فطرت اور نظام عادت کے خلاف ہے اور خالق کائنات کا یہ اعلان ہے:۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ (پارہ ۲۱ سورہ روم ع ۴ آیت ۳۰)

(یہ) اللہ کی (پیدا کردہ) فطرت ہے جس پر لوگوں کو اُس نے پیدا کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔

چنانچہ جہاں مردوں کو اللہ کے حکم کے مطابق عظیم اور پُر مشقت کاموں کے انجام دینے کے بعد جنّت ملتی ہے۔ وہاں عورتوں کو اللہ کے حکم کے مطابق چند آسان ترین کاموں کو انجام دینے سے ہی جنّت مل جاتی ہے۔ نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے:۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے عورت جب پانچ وقت کی نمازیں پڑھ لے۔ ماہ رمضان کے روزے رکھ لے۔ اور اپنی عصمت کی حفاظت کرے۔ اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو اس کو اختیار ہے کہ جنّت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ (مشکوٰۃ صا۲۸)

اسی لئے احادیث میں کسی عادۃً محال چیز کی دعا کرنے کی ممانعت آئی ہے مثلاً کوئی بوڑھا سفید ریش دعا کرے۔ اے اللہ تو مجھے جوان اور میرے بال جوانوں جیسے کر دے۔ اگرچہ یہ قدرتِ خداوندی کے پیشِ نظر محال نہیں ہے مگر قانونِ فطرت کے خلاف ہے۔

اسی لئے نبی رحمت ﷺ نے ابو فراس اسلمی کے درخواست کرنے پر اسی وقت ان کے لئے جنّت کی رفاقت کی دعا نہیں فرمائی۔ باوجودیکہ اُن کے اس جذبہ کو دیکھ کر آپ بھی چاہتے تھے کہ ان کو یہ سعادت حاصل ہو جائے۔ مگر درخواست کرنے کے وقت وہ اس کے اہل نہیں تھے۔ اس لئے پہلے اس سعادت کو حاصل کرنے کی اہلیت پیدا کرنے کی تدبیر بتلائی۔ اور ازراہِ شفقت اس مشقت کو اپنی مدد سے تعبیر فرمایا کہ یہ تمہاری ہی خواہش نہیں ہے بلکہ میں بھی چاہتا ہوں کہ تم کو یہ سعادت حاصل ہو جائے۔ اِس لئے تم اپنی نہیں میری خواہش کو پورا کرنے کے لئے میری مدد کرو اور یہ مشقت برداشت کرو۔

سُبحَانَ اللہ کس قدر آسان ہو گیا ہو گا ان کے لئے رات دن نفلیں پڑھنا کہ یہ میں اپنے محبوب کی مدد کر رہا ہوں۔ اپنی نہیں۔ قربان جایئے اس رافت و شفقت پر فداہ امی وابی ﷺ (میرے ماں باپ آپ پر قربان) مجاھدہ کے باب سے اس حدیث کا تعلق ظاہر ہے۔

کثرت سے سجدے کرنے یعنے نفل نمازیں ادا کرنے سے درجات کی بلندی

گیارہویں حدیث (۱۱؍۱۰۵)

حضرت ابُوعبداللہ اور بقول بعض ابوعبدالرحمٰن رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے سنا ہے آپ نے فرمایا تم کثرت سے نفلیں پڑھنے اور سجدے کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لو اس لئے کہ تم جو سجدہ بھی جل شانہ کے لئے کرو گے جل شانہ ہر سجدے کے بدلے تمہارا ایک درجہ بلند فرمادیں گے اور ایک خطا معاف فرمائینگے۔ (صحیح مسلم)

یعنی تم جتنی زیادہ نفلیں پڑھو گے اور ان میں جتنے زیادہ سجدے کرو گے اسی قدر جل شانہ تمہارے درجات بلند فرمائیں گے۔ اور اسی قدر تمہاری خطائیں معاف فرمائیں گے۔

تشریح

اس باب کی سابقہ احادیث سے معلوم ہو چکا کہ کثرت سے نفلیں پڑھنا اللہ سے قرب حاصل کرنے اور محبوبیت کے مرتبہ پر پہنچنے کا یقینی ذریعہ ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان نفلوں میں طول قیام کی بہ نسبت کثرت رکوع وسجود افضل ہے اور رفع درجات اور عفو خطایا کا موجب ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ نوافل جن کے بغرض تَقَرُّبُ اِلَى الله پڑھنے کی ترغیب فرمائی ہے۔ ان میں نہ وقت کی قید ہے نہ تعداد کی، ان میں کثرتِ رکوع وسجود ہی افضل ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی حدیث میں تصریح فرمائی ہے:۔

اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهٖ وَهُوَ سَاجِدٌ۔ — عبدیت کا حقیقی مظاہرہ معبود کے سامنے سربسجود ہو جانے میں ہی مضمر ہے۔

اور وہ قیام لیل جس کا حکم سورۂ مزمل کے اندر ذکر فرمایا ہے۔ اس میں طول قیام اور زیادہ سے زیادہ تلاوتِ قرآن ہی افضل ہے اسی لئے ایک سال کی اس طویل ریاضت اور مجاھدہ

کے بعد اس طویل قیام اور قراءت قرآن میں تخفیف فرمادی گئی جس کی تفصیل آپ اسی باب میں پڑھ چکے ہیں ۔

بعض علماء دین کا ان نوافل میں کثرت سجود کی ترغیب سے مطلقاً کثرت رکوع و سجود کی فضیلت پر استدلال کرنا بے محل ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ۔

بہترین انسان ؟

(چودھویں حدیث ۱۴۰/۱۰۷)

حضرت ابو صفوان عبداللہ بن بسر اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ :-
رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بہترین آدمی وہ ہے جس کی عمر دراز ہو اور اعمال اچھے ہوں ۔ (ترمذی نے اس حدیث کو روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن ہے)

تشریح

حدیث اپنے مفہوم اور مصداق کے اعتبار سے بالکل واضح ہے ظاہر ہے کہ حسن عمل اور نکوکاری کی توفیق کے ساتھ ساتھ عمر دراز اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے انسان کو اپنی ذات کے لئے بھی وسیع سے وسیع تر جنت بنانے کا موقع میسر آتا ہے اور خدا کی مخلوق کے لیے بھی سایۂ رحمت بنتا ہے ۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے :-

خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَنْفَعُ النَّاس بہترین آدمی وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے
اس نفع رسانی کی مختلف اور متنوع صورتیں ہیں ۔ جو تفصیل کے ساتھ احادیث میں مذکور ہیں ۔
یہی وہ ہستیاں ہوتی ہیں جن کی وفات پر زمین و آسمان بھی روتے ہیں ۔

اس کے برعکس اگر حسن عمل کی توفیق کے ساتھ عمر دراز نصیب نہ ہوئی ۔ تو خدا کی مخلوق بھی زیادہ عرصہ تک اس کی نیک ذات سے فائدہ نہ اٹھا سکی ۔ خود بھی آخرت کے لئے معتد بہ ذخیرہ مہیا کرنے سے قاصر رہا ۔ یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کی نیک نیتی اور حسن عمل کی بنا پر اس کی مکافات فرمادیں ۔

اور اگر خدانخواستہ عمر دراز تو ہوئی مگر حسن عمل کی توفیق سے محروم رہا تب تو

زمین و آسمان بھی اس کی ایذا رسانیوں اور ضرر رسانیوں سے تنگ ہوتے ہیں۔ اور اس کی موت کی دعائیں مانگتے ہیں۔ اور خلق خدا بھی اور خود اپنی ذات بھی اپنی بدکاریوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے تنگ آجاتی ہے اور زندگی وبال ہو جاتی ہے۔ جتنی عمر دراز ہوتی ہے۔ اسی قدر جہنم کے گوناگوں عذابوں کا ذخیرہ تیار ہوتا رہتا ہے۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے متعلق ﷲ فرماتے ہیں :-

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ وَمَا كَانُوا مُنظَرِينَ (الدخان) پس ان (کی وفات پر) آسمان اور زمین نہیں روئے اور نہ ان کو مہلت دی گئی۔

سرور کائنات ﷺ کی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ انسان عمر دراز کو ﷲ کی ایک عظیم نعمت سمجھے اور اس کو زیادہ سے زیادہ نکوکاریوں اور عبادات و طاعات میں صرف کرے۔ ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونے دے اسی کا نام مجاھدہ ہے۔

عام طور پر انسان بڑھاپے میں قویٰ اور اعضاء کے طبعی اور فطری انحطاط کی وجہ سے تنگ آکر موت کی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔ حالانکہ احادیث میں موت کی دعا مانگنے کی ممانعت آئی ہے بلکہ اس کی بجائے رحمتِ عالم ﷺ نے مذکورہ ذیل دعا کی تعلیم دی ہے :-

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ وَاجْعَلِ الْحَيٰوةَ زِيَادَةً لِّيْ فِيْ كُلِّ خَيْرٍ وَّاجْعَلِ الْمَوْتَ رَاحَةً لِّيْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ۔ اے اللہ تو مجھے زندہ رکھ جب تک کہ زندگی میرے لئے خیر و برکت کا باعث ہو۔ اور تو مجھے اٹھالے جبکہ وفات میرے لئے بہتر ہو۔ اور زندگی کو میرے لئے ہر طرح کی خیر و برکت میں زیادتی کا باعث بنا اور موت کو میرے لئے ہر قسم کے شر سے راحت پانے کا ذریعہ بنا۔

باقی پیرانہ سالی کے ضعف کی مکافات کا وعدہ خود ﷲ نے فرمایا ہے :-

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ بخدا ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا۔

ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ پھر ہم نے پست درجہ میں لوٹا دیا (بوڑھا اور ناکارہ بنا دیا)

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ

بجز ان لوگوں کے جو (جوانی میں برابر) نیک کام کرتے رہے پس اُن کے لئے (بڑھاپے میں بھی) اجر و ثواب (جاری رہیگا) منقطع نہ ہوگا۔

(پارہ ۳۰ سورہ والتین)

واضح ہو کہ حدیث میں اس آیت کریمہ کی یہی تفسیر آئی ہے۔

ایک ﷲ کی راہ میں شہید ہونیوالے کی شاندار شہادت

(پندرہویں حدیث ۱۵/۱۰۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

میرے چچا نضر بن انس رضی اللہ عنہ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تو انہوں نے (از راہ تاسف) عرض کیا: یا رسول اللہ! (مجھے افسوس ہے) آپ نے مشرکین سے جو پہلی جنگ لڑی۔ میں اس میں شریک نہ ہو سکا۔ بخدا (آئندہ) اگر ﷲ نے مشرکین سے جنگ میں شرکت کا مجھے موقعہ دیا تو مجھے یقین ہے کہ ﷲ ضرور دکھلادیں گے کہ میں کیا کرتا ہوں؟ تو جب جنگ اُحد ہوئی۔ (اور خلاف توقع مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو نضر بن انس نے کہا اے اللہ جو ان مسلمانوں نے کیا (خلاف توقع پسپا ہو گئے) اس کے لئے میں تجھ سے معذرت خواہ ہوں اور جو ان مشرکین نے آپ کے چہرۂ مبارک کو زخمی کیا اس سے میں بے تعلقی کا اظہار کرتا ہوں پھر (یہ کہہ کر) وہ آگے بڑھے تو سعد بن معاذ اُن کے سامنے آ گئے تو اُنہوں نے کہا: اے سعد بن معاذ رب کعبہ کی قسم یہ ہے جنت، میں تو اُحد کے آگے جنت کی خوشبوئیں سونگھ رہا ہوں (اس پر) سعد نے عرض کیا: جو نضر بن انس نے کر دکھایا میں تو یا رسول اللہ نہیں کر سکا۔ انس کہتے ہیں چنانچہ (جنگ ختم ہونے کے بعد) ہم نے ان کے جسم پر اسی سے کچھ زیادہ تلواروں کے یا نیزوں کے یا تیروں کے زخم پائے اور ہم نے ان کو قتل کیا ہوا پایا (مشرکین نے اُن کے ناک کان کاٹ دیئے

تھے اور چہرہ مسخ کر دیا تھا اس لئے سوائے ان کی بہن کے اور کوئی ان کو شناخت بھی نہ کر سکا۔ ان کی بہن نے بھی صرف انگلیوں کے پوروں سے پہچانا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے ہم یقین رکھتے یا گمان کیا کرتے تھے کہ یہ آیت کریمہ ذیل نضر بن انس کے اور انہی جیسے دوسرے غازی مومنین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (صحیح مسلم)

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (پارہ ۲۱ سورۃ الاحزاب ع ۳ آیت ۲۳)

ایمان والوں میں کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جنہوں نے جل جلالہ سے جس بات پر عہد کیا تھا (کہ ہم اللہ کی راہ میں جان دے دیں گے) اس کو سچا کر دکھایا پس ان میں سے بعض نے تو اپنی ذمہ داری پوری کر دی (اور اللہ کی راہ میں شہید ہو گئے) اور بعض انتظار میں ہیں (کہ کب موقعہ آئے اور ہم جان دیں) اور ان ایمان والوں نے (اپنے عہد میں) ذرہ برابر تبدیلی نہیں کی۔

حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ کا یہ جذبہ اور اس پر فوراً عمل سراسر مجاھدہ ہے اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو مجاھدہ کے باب میں ذکر کرتے ہیں۔

سولھویں حدیث (۱۶/۱۰۹)

ایک دولتمند کے مالِ کثیر کو جل جلالہ کی راہ میں خرچ کرنے کو دکھاوا کہنا اور ایک مزدور کے صدقہ کی تحقیر کرنا نفاق کی علامت ہے

حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس زمانے میں آیت صدقہ نازل ہوئی ہے ہم لوگ عام طور پر بار برداری کی مزدوری کیا کرتے تھے۔ تو (صدقہ کی آیت نازل ہونے کے بعد) ایک آدمی آیا۔ اور اس نے بہت سا مال صدقہ میں دیا۔ تو اس پر منافقوں نے (ازراہ طنز) کہا ریاکار ہے (دکھلاوے کی خاطر اتنی فیاضی دکھلا رہا ہے) دوسرا شخص ایک صاع (جو) لایا تو اس پر (ازراہ تمسخر) کہا

اللہ تو اُس کے صاع سے بے نیاز ہے اُسے اس کی ضرورت نہیں یہ بھی کیوں لایا) اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی :-

اَلَّذِیْنَ یَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِیْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقَاتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (سورۃ توبہ ۷۹)

وہ لوگ جو ایمان والوں میں سے دل کھول کر صدقہ کرنے والوں پر بھی طعن و تشنیع کرتے ہیں اور ان پر بھی جن کو بجز اپنی محنت و مشقت کی مزدوری کے اور کچھ میسر نہیں، ٹھٹھہ کرتے ہیں۔ ان پر جلّ جلالہٗ نے ٹھٹھہ کیا ہے۔ اور اُنہی کے لئے دردناک عذاب ہے۔

تشریح

مذکورہ بالا حدیث مسلمانوں کے اس دَور سے متعلق ہے جبکہ انصار عام طور پر انتہائی افلاس اور عسرت کی زندگی بسر کر رہے تھے مگر اس کے باوجود ان کو اپنی آخرت کی فکر تھی۔ صدقہ کی آیت نازل ہوتے ہی ہر شخص حسبِ مقدور صدقہ پیش کرتا تھا اور یہ طعن و تشنیع کرنے والے اور مذاق اُڑانے والے وہی منافقین تھے جن کے حسد و نفاق کا تفصیلی بیان اس سے پہلے اسی باب کی حدیث میں آچکا ہے جلّ جلالہٗ کا دنیا میں ان کو کچھ نہ کہنا اور آخرت میں اُن کی منافقانہ حرکات پر دردناک عذاب کی خبر دینا جزاء بالمثل ہے اسی لئے مشاکلت و مشابہت کی بناء پر جلّ جلالہٗ کے معاملہ کو سخریہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس صدقہ سے زکوٰۃ مراد نہیں ہے۔ اس لئے کہ زکوٰۃ تو ایسے مفلس و نادار لوگوں پر واجب ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ اس صدقہ سے نفلی صدقہ مراد ہے جس کی نہ کوئی مقدار مقرر ہے نہ جنس نہ ہی اس میں "صاحبِ نصاب" ہونا اور "حولان حول" (سال گذرنا) شرط ہے بلکہ یہ وہ صدقات ہیں جو جلّ جلالہٗ کے اس تقرب کا وسیلہ بنتے ہیں۔ جس کا حال آپ اسی باب کی حدیثوں میں پڑھ چکے ہیں اور جس کے متعلق نبی رحمت علیہ السلام نے فرمایا ہے :-

اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ۔ (جہنم کی آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ سے ہی ہو)

بہرحال نبیٔ رحمت ﷺ اس حدیث کے ذریعہ اُمت کو توجہ دلاتے ہیں۔ کہ ہر وہ مسلمان جسے آخرت کی فکر ہو اس کو چاہیئے کہ خطاؤں اور گناہوں کی مغفرت اور اللہ سے قرب حاصل کرنے کی غرض سے دیگر کارہائے خیر کے ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ صدقہ خیرات بھی ضرور کرتا رہے۔

ہمارا حال

لیکن ہم یعنی آج کل کے عام مسلمان تو اس طرح دُنیا کی اغراض و خواہشات میں مستغرق اور ڈوبے ہوئے ہیں۔ کہ سر اٹھانے تک کی فرصت نہیں۔ آخرت کی فکر تو کجا کبھی بھول کر بھی خیال تک نہیں آتا۔ " وائے برما و برحالِ ما " افسوس ہم پر اور ہمارے حال پر"

ہمارا حال تو یہ ہے:۔ ؎

شب چو عقد نماز بر بندم چہ خورد بامداد فرزندم

رات کو جب نماز کی نیت باندھ کر (کھڑا ہوتا ہوں) تو (ساری نماز میں یہی سوچتا رہتا ہوں) کہ صبح میرے بچے کیا کھائینگے؟ (اور کہاں سے آئیگا)

حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہر زمانہ میں ایسے خدا پرست لوگوں پر طعن و تشنیع کرنے اور مذاق اڑانے والے منافق دشمنان دین و ایمان لوگ ہوتے ہیں۔ اور حدیث شریف اور آیتِ کریمہ ایسے ہی دشمنانِ دین و ایمان منافقین کی خدا دشمنی سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لئے وارد اور نازل ہوئی ہیں۔ اور یہ ایک بڑا مجاھدہ ہے کہ ایسے مارِ آستین دشمنوں کے طعن و تشنیع اور اِستِہزاءُ و تَمَسْخُرْ کے ڈنک سہنا اور صراطِ مستقیم پر قائم رہنا، آسان کام نہیں ہے۔

اسی بناء پر امام نووی اس حدیث کو بابِ مجاھدہ کے ذیل میں لائے ہیں

○

سترہویں حدیث (۱۷/۱۱)

حدیث قدسی

رَبُّ العٰلَمِین جَلَّ جَلالُہٗ

کا

خطاب اپنے بندوں سے

جل شانہٗ کا حقیقت افروز خطاب اپنے بندوں سے (سترہویں حدیث ۱۷/۱۱)

عن سعید بن عبد العزیز عن ربیعة بن یزید عن ابی سعید الخولانی عن ابی ذر جندب بن جنادة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم فیما یروی عن الله تبارك وتعالیٰ انه قال :۔	سعید بن عبد العزیز ربیعہ بن یزید سے اور ربیعہ، ابو سعید خولانی سے اور ابو سعید، ابو ذر جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جل شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں:۔
۱۔ یا عبادی! انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلته بینکم محرمًا فلا تظالموا۔	۱۔ اے میرے بندو! میں نے خود اپنے اوپر بھی ظلم کو حرام کیا ہے، اور تمہارے درمیان بھی (ایک دوسرے پر ظلم کرنے کو) حرام کیا ہے، لہٰذا تم بھی ایک دوسرے پر ظلم مت کرو۔
۲۔ یا عبادی! کلکم ضالٌّ الا من هدیته فاستهدونی اهدکم۔	۲۔ اے میرے بندو! تم میں سے ہر شخص گم کردہ راہ ہے سوائے اس شخص کے جس کو میں ہدایت دوں لہٰذا تم مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تمہیں ضرور ہدایت دونگا۔
۳۔ یا عبادی! کلکم عارٍ الا من کسوته فاستکسونی اکسکم۔	۳۔ اے میرے بندو! تم میں سے ہر شخص لباس کا محتاج ہے سوائے اس شخص کے جس کو میں لباس پہناؤں پس تم مجھ ہی سے لباس طلب کرو میں تمہیں ضرور لباس پہناؤنگا

۴۔ يَا عِبَادِي! كُلُّكُمْ جَائِعٌ إِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُهُ فَاسْتَطْعِمُونِي أُطْعِمْكُمْ۔

۴۔ اے میرے بندو! تم میں سے ہر شخص بھوکا ہے۔ سوائے اس شخص کے جس کو میں کھانے کو دوں پس تم مجھ ہی سے کھانا طلب کرو میں تمہیں ضرور کھلاؤں گا۔

۵۔ يَا عِبَادِي إِنَّكُمْ تُخْطِئُونَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا فَاسْتَغْفِرُونِي أَغْفِرْ لَكُمْ۔

۵۔ اے میرے بندو! تم رات دن خطائیں اور گناہ کرتے رہتے ہو اور میں ہی تمام گناہ معاف کرتا ہوں، لہٰذا تم مجھ سے گناہ معاف کراؤ۔ میں تمہارے سب گناہ معاف کر دوں گا۔

۶۔ يَا عِبَادِي إِنَّكُمْ لَمْ تَبْلُغُوا ضُرِّي فَتَضُرُّونِي وَلَنْ تَبْلُغُوا نَفْعِي فَتَنْفَعُونِي۔

۶۔ اے میرے بندو! نہ تم مجھے نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہو کہ نقصان پہنچا سکو اور نہ تم مجھے نفع پہنچانے کی قدرت رکھتے ہو کہ نفع پہنچا سکو۔

۷۔ يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَتْقَى قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا زَادَ ذَلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا۔

۷۔ اے میرے بندو! اگر تم اگلے پچھلے اور جن و انس سب کے سب تم میں کے سب سے زیادہ عبادت گزار اور پرہیزگار آدمی کی طرح پرہیزگار بن جاؤ تو میری خدائی میں اس سے ذرہ برابر اضافہ نہ ہوگا

۸۔ يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلَى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَاحِدٍ مِنْكُمْ مَا نَقَصَ مِنْ مُلْكِي شَيْئًا۔

۸۔ اے میرے بندو! اگر تم اگلے پچھلے اور جن و انس سب کے سب تم میں کے سب سے زیادہ بدکار آدمی کی طرح بدکار بن جاؤ تو اس سے ذرہ برابر میری خدائی میں کمی نہ آئے گی۔

۹۔ يَا عِبَادِي لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَسَأَلُونِي فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ

۹۔ اے میرے بندو! تمہارے اگلے اور پچھلے اور جن و انس سب مل کر کھلے میدان میں جمع ہو کر ایک وقت مجھ سے اپنی اپنی حاجت کا سوال کرو تو میں اسی وقت ہر ہر شخص کی حاجت پوری کر دوں گا اور اس سے جو خزانے

مَسْئَلَتَهٗ مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِيْ إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ۔

میرے پاس ہیں ان میں کوئی کمی نہ آئے گی بجز اس سوئی کے جس کو سمندر میں ڈبو کر نکال لیا جائے تو اس سے سمندر کے پانی میں کچھ بھی کمی نہیں آتی (ایسے ہی تم میں سے ہر ایک کا سوال پورا کر دینے سے میرے خزانوں میں ذرا بھی کمی نہ آئے گی)

۱۰- يَا عِبَادِيْ! إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيْهَا لَكُمْ ثُمَّ أُوَفِّيْكُمْ إِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمَنَّ إِلَّا نَفْسَهٗ۔

۱۰- اے میرے بندو! (یہ جزا و سزا) تو تمہارے (اچھے برے) اعمال ہی ہیں جن کو میں تمہارے لئے (اعمالناموں میں) جمع کرتا رہتا ہوں پھر قیامت کے دن تم کو وہی پورے کے پورے دے دونگا تو جس کو جزائے خیر ملے اس کو چاہیئے کہ وہ اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرے (کہ اسی نے نیک کاموں کی توفیق دی) اور جو اس کے سوا پائے (یعنی جو اپنے اعمال بد کی سزا پائے) اس کو خود اپنے کو برا کہنا چاہیئے (کہ نہ شیطان کے کہنے میں آکر برے کام کرتا نہ سزا بھگتا)

قَالَ سَعِيْدٌ: كَانَ أَبُوْ إِدْرِيْسَ إِذَا حَدَّثَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ جَثَا عَلٰى رُكْبَتَيْهِ۔

سعید (اس حدیث کے راوی) نے بیان کیا کہ ابو سعید خولانی جب اس حدیث کو روایت کرتے تو (غلاموں کی طرح) باادب دوزانو بیٹھ جایا کرتے۔

(رواہ مسلم)

مسلمؒ نے اس حدیث کو روایت کیا فرماتے ہیں:

وَرُوِّيْنَا عَنِ الْإِمَامِ أَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ قَالَ: لَيْسَ لِأَهْلِ الشَّامِ حَدِيْثٌ أَشْرَفُ مِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ۔

اور امام احمد بن حنبل سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: اہل شام کی حدیثوں میں اس حدیث سے زیادہ شریف (شرف والی) کوئی حدیث نہیں ہے۔

تشریح

یہ حدیث قدسی خود آپ اپنی شرح ہے کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں ۔ ایک طرف جل شانہٗ کی شان بے نیازی ، بے پایاں اور لاثانی قدرت اور عظمت و جلال کا مظہر ہے تو دوسری طرف بندوں سے بے پایاں محبت و شفقت اور رحمت و رأفت اس خطاب سے مترشح ہے۔

درحقیقت رب جلیل کے اِس مشفقانہ خطاب اور ذرّہ نوازی کا تقاضہ یہی ہے کہ حضرت ابوادریس خولانی کی طرح نیاز مند اور فرمانبردار غلاموں کی طرح باادب اور دو زانو بیٹھ کر سر تسلیم خم کریں اور اس حدیث کو بیان کریں یا پڑھیں اور سنیں نیز "بہت اچھا" یا "درست فرمایا" وغیرہ مناسب الفاظ میں اور تشکر آفرین انداز میں جواب دیں ۔

علمی تحقیق

یہ حدیث قدسی ایک اہم علمی تحقیق کے لئے بھی روشن دلیل ہے وہ ایک مشہور و معروف مسئلہ ہے کہ جزا عین عمل ہے یا عمل کے علاوہ ہے ؟ محققین کے نزدیک بندوں کے تمام اچھے یا بُرے گوناگوں اعمال و افعال باقی رہتے ہیں ۔ فنا نہیں ہوتے گو ہمیں نظر نہ آئیں اور یہی گوناگوں اعمالِ صالحہ اور حسنات آخرت میں گوناگوں نعیم جنّت کی صورت اختیار کرلیں گے ۔ اور یہی اعمال سیئہ (بُرے اعمال) آخرت میں گوناگوں عذاب جہنّم کی شکل اختیار کرلیں گے۔ اس مسئلہ کا عنوان ہے "تجسّد اعمال"

اِس تحقیق کے ثبوت میں اگرچہ قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص اور تصریحات موجود ہیں اس کے باوجود ظاہر پرست علماء عقلیت پرست یونانی فلسفہ سے متاثر لوگ (معتزلہ) اس حقیقت کا انکار کرتے ہیں ۔ اور صریح آیات و احادیث میں طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں۔ شاعر مشرق علامہ اقبال نے اس حقیقت کا اظہار ذیل کے شعر میں کہا ہے ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنّت بھی جہنّم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

ہماری زندگی میں اس حقیقت کے اذعان و یقین کے فوائد

اگر آج مسلمان یقینی طور پر اس جزا و سزائے اعمال کی حقیقت کو باور کر لیں۔ کہ جو چھوٹے بڑے گناہ، فسق و فجور، بدکاری و حرام خوری لوگوں پر ظلم و ستم اور حق تلفیاں ہم شب و روز کرتے رہتے ہیں۔ چاہے کتنے ہی خفیہ طور پر کریں، کسی متنفس کو بھی پتہ نہ چلنے دیں ان کے ارتکاب کا کوئی ثبوت اثر و نشان وغیرہ بھی نہ چھوڑیں ان کی کوئی اذیت تکلیف یا عذاب بھی محسوس نہ ہو حتیٰ کہ ہم بالکل پاک صاف اور متقی و پرہیزگار نظر آئیں۔ تب بھی یہ گناہ (جرائم) ہرگز فنا نہیں ہوتے مٹ نہیں جاتے۔ بلکہ ہمارے وجود کے ساتھ باقی اور چمٹے رہتے ہیں۔ صرف اتنا ہے کہ اس زندگی میں ہمیں محسوس نہیں ہوتے۔ نہ اُن کی اذیت و تکلیف یا کسی قسم کا عذاب ہی محسوس ہوتا ہے لیکن مرنے کے بعد آخرت میں یہی ہماری سیہ کاریاں، نافرمانیاں چھوٹے بڑے گناہ کفریہ و شرکیہ اعمال و افعال ظلم و جور، جہنم کے ان ہولناک عذابوں کی شکل اختیار کر لیں گے جن کی خبر قرآن و حدیث میں دی گئی ہے۔ اِلاّ یہ کہ ہم توبہ و استغفار اور مکفرات (وہ عبادتیں جو گناہ کا کفارہ بنتی ہیں) کے ذریعہ اُن گناہوں کا ازالہ کر لیں۔ اور دنیا میں ہی اُن سے چھٹکارا حاصل کر لیں۔ حقوق العباد ہوں تو اُن کو ادا کریں۔ یا معاف کرا لیں ورنہ تو انہی سیاہ کاریوں حرام خوریوں حق تلفیوں اور فسق و فجور کفر و شرک کی آگ میں ہم ہمیشہ ہمیشہ جلتے اور تڑپتے رہیں گے اور جیسے زندگی بھر ہم نے ان گناہوں کو نہیں چھوڑا ایسے ہی آخرت میں یہ گناہ ہمیں نہیں چھوڑیں گے۔ دنیا کی زندگی فانی تھی۔ موت آنے پر ختم ہو گئی۔ آخرت کی زندگی ابدی اور نہ ختم ہونے والی ہے وہاں موت نہ آئے گی اس لئے خود کردہ عذاب سے کبھی بھی چھٹکارا نصیب نہ ہو گا۔

اسی طرح ہمارے تمام اعمال صالحہ تمام عبادتیں اور طاعتیں غرض تمام نکوکاریاں ہرگز فنا نہیں ہوتیں بلکہ باقی اور ہمارے ساتھ رہتی ہیں۔ گو ہمیں اپنی اس زندگی میں نظر نہ آئیں نہ اُن کی موجودگی کا کوئی اثر مسرت و فرحت لطف و لذت محسوس ہو۔ بلکہ ہم تو اپنی جہالت

کی بنا پر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے ناگوار حالات کے باوجود مسجد میں جا کر نماز پڑھ لی سخت گرمی اور بھوک پیاس کی شدت کے باوجود روزے رکھ لئے مال کی فطری محبت کے باوجود سال پورا ہوتے ہی پورے مال کی زکوٰۃ نکال دی سفر کی دشواریوں کے باوجود حج وعمرہ کرلیا۔ قصہ ختم ہوا۔ ہمیں کیا ملا۔ ہم تو ویسے کے ویسے رہے، جیسے پہلے تھے۔ لیکن یہ قطعاً جہالت، شیطان کا فریب اور مکار نفس کا دھوکا ہے۔ درحقیقت وہ ہماری نمازیں جوں کی توں باقی اور ہمارے ساتھ ہیں۔ وہ روزے بھی جو ہم نے رکھے ہیں موجود ہیں۔ جو زکوٰۃ خیرات ہم نے نکالی، وہ بھی کہیں نہیں گئی۔ ہمارے ساتھ ہے حج وعمرہ بھی اپنی تمام تر برکتوں کے ساتھ موجود و برقرار ہیں۔ اسی طرح تمام عبادات وحسنات ہمارے ساتھ موجود ہیں صرف اتنا ہے کہ وہ ہمیں نظر نہیں آتیں۔ نہ اُن کے موجود ہونے کا ہم کوئی اثر محسوس کرتے ہیں لیکن مرنے کے بعد آخرت میں یہی عبادات وطاعات، اعمال صالحہ وحسنات ایسی حسین وجمیل صورت میں ہمارے سامنے آئیں گی کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا نہ کسی کان نے سنا ہوگا۔ نہ کسی بشر کے وہم وخیال میں آئی ہوں گی یہی وہ نعیم جنت ہیں جن کے حصول کی بشارت قرآن کریم اور مخبرِ صادق ﷺ نے دی ہے۔ اور ہمیشہ ہمیشہ ہم اُس ابدی عیش وعشرت اور دائمی لطف وسرور میں ان نشاط آفرین حسنات سے محظوظ اور لطف اندوز ہوتے رہیں گے۔ اسی حقیقت کو ﷺ نے اس معجز خطاب میں فرمایا ہے۔

إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا عَلَيْكُمْ ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللهَ وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ۔	یہ جزا وسزا تو تمہارے (اچھے بُرے) اعمال ہی ہیں جن کو میں تمہارے لئے (اعمال ناموں میں) جمع کرتا رہتا ہوں پھر قیامت کے دن وہی پورے کے پورے تمہیں دے دوں گا۔ تو جس کو (جزا) خیر ملے، اسکو چاہیئے کہ وہ اللہ کا شکر ادا کرے (کہ اسی نے نیک کاموں کی توفیق دی) اور جو اسکے سوا پائے۔ (یعنی جو اعمالِ بد کی سزا پائے) اسکو خود اپنے کو بُرا کہنا چاہیئے۔ (کہ نہ شیطان کے کہنے میں آکر بُرے کام کرتا نہ سزا بھگتا)

اس زمانہ میں اس حقیقت کے یقین کا فائدہ

اگر مجازات اعمال کی اس حقیقت کا ہمیں یقین ہو جائے تو یقیناً ہماری سیاہ کاریوں حرام خوریوں اور اپنے بھائیوں کی حق تلفیوں اور چھوٹے بڑے گناہوں میں کافی حد تک کمی آجائے نیز ان کے جلد از جلد ازالے اور اُن سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے توبہ و استغفار اور مکفرات کی اہمیت و ضرورت کا شدت سے احساس اور فکر ہو جائے۔ اسی لئے رب العلمین نے اس خطاب قدسی میں مجازات اعمال کی حقیقت تبلانے سے پہلے باہمی ظلم و جور اور حق تلفی سے منع فرمایا۔ اور شب و روز توبہ و استغفار کرنے کی طرف توجہ دلائی اور توبہ کی قبولیت اور گناہوں کی مغفرت کا وعدہ فرمایا۔

ہم یہاں "گلے از گلزارے" یعنی نمونہ کے طور پر قرآن کریم کی صرف دو آیتیں اور دو صحیح حدیثیں پیش کرتے ہیں جن میں جزار کے عین عمل ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

یتیموں کا مال ظلماً کھانے والوں کے متعلق

ﷻ ارشاد فرماتے ہیں:۔

١۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَ سَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۔	جو لوگ ظلماً یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔ اس کے سوا نہیں کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ (کے انگارے) بھرتے ہیں اور عنقریب (یعنی مرنے کے بعد) وہ بھڑکتے ہوئے (آگ کے) شعلوں میں داخل ہوں گے۔ (سورۃ النساء ع آیت ۱۰)

اس آیت کریمہ میں تصریح ہے کہ یتیموں کے مال کے چرب و شیریں لقمے درحقیقت آگ کے انگارے ہوتے ہیں جن سے وہ لوگ اپنا پیٹ بھرتے ہیں صرف اتنا ہے کہ اس زندگی میں اُن کی سوزش اور جلن محسوس نہیں ہوتی۔ مرنے کے بعد وہی انگارے اپنی پوری سوزش کے ساتھ بھڑکنے لگیں گے اور اُن کی آگ میں ظلماً یتیموں کا مال کھانے والے جلیں گے اور جلتے رہیں گے۔

سونے اور چاندی کے خزانے جمع کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہے :۔

۲۔ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ○ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ ○ (سورۃ التوبہ ۹ آیت ۳۴،۳۵)

اور جو لوگ سونے چاندی کے خزانے جمع کرتے (اور سینت سینت کر رکھتے) ہیں اور اُن کو اللہ کی راہ میں (یعنی اسکے حکم کے مطابق) خرچ نہیں کرتے۔ تو ان کو دردناک عذاب کی بشارت دیدو۔ جس دن ان سونے چاندی کے خزانوں کو آگ میں تپایا جائیگا پھر اُن سے اُن کی ... پیشانیوں اور پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائیگا (اور جب وہ چیخیں چلائینگے تو) ان سے کہا جائیگا یہ تو وہی (سونا اور چاندی) ہے جس کے خزانے تم نے اپنے لئے جمع کئے تھے۔ اب چکھو اپنے جمع کئے ہوئے خزانوں کا مزہ۔

یہ آیتِ کریمہ تو صریح دلیل ہے اس امر کی کہ وہی سونے چاندی کے خزانے جن کے حاصل کرنے کے لئے دُنیا میں دولتمندوں کے سامنے پیشانیاں رگڑی تھیں۔ اور حاصل کرنے کے بعد محبوب کی طرح انہیں سینے سے لگا کر رکھا تھا۔ اور اس میں سے ایک پائی بھی اللہ کی راہ میں اُس کے حکم کے مطابق خرچ کرنے میں تکلیف محسوس کرتے اور بخل کرتے تھے۔ قیامت کے دن اسی حرص و طمعِ مال کی آگ میں اُنہیں سونے چاندی کی سلاخوں کو تپا کر انہی پیشانیوں کو اُن سے داغا جائے گا۔ جو مال حاصل کرنے کے لئے رگڑی تھیں اور اُنہی پہلوؤں پر ان سونے چاندی کی تپائی ہوئی سلاخوں سے داغ لگائے جائیں گے۔ جن کو دنیا میں سینے سے لگا کر رکھا تھا۔ معلوم ہوا مال جمع کرنے کی حرص و طمع دراصل ایک آگ ہے جس میں جمع کردہ سونے چاندی کی سلاخوں کو تپایا گیا تھا۔ مگر دُنیا میں نہ اُن لوگوں کو اُس آگ کا احساس تھا نہ ان تپی ہوئی سلاخوں کا۔ مرنے کے بعد اس عذاب کا احساس ہوگا اور جب وہ تکلیف کی شدت سے چیخیں و چلائیں گے تو ان کو توبیخ و سرزنش کے طور پر عذاب دینے والے فرشتے کہیں گے اب کیوں چلاتے ہو۔ یہ وہی تمہارے محبوب خزانے تو ہیں۔ جو تم نے اپنے لئے جمع

کیئے تھے ۔ دُنیا میں تو تم اُن کا مزہ نہیں چکھ سکے اب آخرت میں ان کا مزہ چکھو۔ معلوم ہوا کہ مال کی حرص و طمع اور اللہ کے حکم مطابق اس کو خرچ کرنے میں بخل خود ایک عذاب ہے۔ مگر دُنیا میں اس عذاب کی تکلیف کا احساس نہ تھا مرنے کے بعد ہو گا۔

اسی طرح پیغمبر صادق ﷺ ذیل کی حدیث میں خطاؤں کے انسان کے جسم میں داخل اور وضوء کامل سے اُن کے خارج ہونے کی خبر دیتے ہیں۔

عبداللہ صنابحی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ۔ جب مومن بندہ وضو کرنے بیٹھتا ہے تو جب کُلی کرتا ہے تو اس کے منہ (اور زبان) کی تمام خطائیں نکل جاتی ہیں۔ اور جب ناک سنکتا ہے تو ناک کی (یعنی ناک کے ذریعہ کی ہوئی) خطائیں نکل جاتی ہیں ۔ اور جب چہرہ دھوتا ہے تو چہرہ کی خطائیں نکل جاتی ہیں ۔ یہاں تک کہ آنکھوں کی پلکوں کے نیچے سے بھی (یعنی نگاہوں کے ذریعہ کی ہوئی خطائیں بھی) پھر جب اپنے دونوں ہاتھ (کہنیوں تک) دھوتا ہے ۔ تو دونوں ہاتھوں سے کی ہوئی خطائیں نکل جاتی ہیں یہاں تک کے دونوں ہاتھوں کے ناخونوں کے نیچے سے بھی ، پھر جب سر کا مسح کرتا ہے ۔ تو سر سے کی ہوئی خطائیں نکل جاتی ہیں ، یہاں تک کہ کانوں سے کی ہوئی خطائیں بھی ۔ پھر جب اپنے دونوں پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں کے ذریعے) کی ہوئی خطائیں نکل جاتی ہیں۔ یہانتک کہ پاؤں کے ناخنوں کے نیچے سے بھی ۔ اس کے بعد اس کا مسجد چل کر جانا اور نماز (باجماعت) پڑھنا اس کے لئے مزید ثواب کا موجب ہوتا ہے ۔ (امام مالک اور نسائی نے روایت کیا (مشکوۃ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان اپنے بدن کے جن اعضاء سے خطاؤں کا ارتکاب کرتا ہی وہ خطائیں ان اعضاء میں غیر محسوس طور پر داخل اور پیوست ہو جاتی ہیں ۔ اور وہ اعضاء

ان خطاؤں سے اسی طرح آلودہ ہو جاتے ہیں۔ جیسے غیر مرئی (نظر نہ آنے والی) نجاستوں سے گندے ہو جاتے ہیں اور جس طرح گندے اعضاء پانی سے دھونے سے پاک ہو جاتے ہیں بدن گندگی سے پاک ہو جاتا ہے اسی طرح مسنون طریقے پر کامل وضو کرنے سے خطاؤں کی گندگی نکل کر دور ہو جاتی ہے۔ اور انسان ظاہری نجاستوں کی طرح باطنی نجاستوں سے بھی پاک ہو جاتا ہے۔ اور اس کے بعد پاک و صاف ہو کر نماز پڑھتا ہے تو وہ نماز مزید برآں رفع درجات کا موجب ہوتی ہے۔ خطاؤں کا خروج جس کی اس حدیث میں تصریح ہے تجسّد اعمال کی بیّن دلیل ہے۔

۲۔ اسی طرح حدیث ذیل میں رسول اللہ ﷺ نے خطاؤں کو آگ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جس میں انسان غیر محسوس طریق پر جلتا رہتا ہے۔ اور صدقہ کو پانی سے تعبیر فرمایا ہے، جو خطاؤں کی غیر محسوس اور نظر نہ آنے والی آگ کو بجھاتا ہے۔ ارشاد ہے:۔

الصدقة تطفئ الخطایا — صدقہ کرنا خطاؤں (کی آگ) کو اسی طرح بجھا دیتا ہے جیسے
کما یطفئ الماء النار — پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔

اطفاء کا لفظ عربی زبان میں لگی ہوئی آگ بجھانے کے لئے مخصوص ہے۔ اس لئے یہ حدیث بھی تجسّد اعمال کی روشن دلیل ہے۔ گویا خطائیں ایک غیر مرئی آگ ہیں جس میں ارتکاب کرنے والا جلتا ہے۔ مگر جلنے کو محسوس نہیں کرتا۔ اور صدقہ اس آگ کو بجھا دیتا ہے

ایک شبہ کا ازالہ

لیکن اس جزاء و سزا کے عین اعمال ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں۔ کہ آخرت میں جزاء و سزا صرف وہی اچھے برے اعمال ہوں گے۔ جو بندوں نے دنیا میں کئے ہیں بلکہ نکوکاروں اور پرہیزگاروں کو ان نیکیوں کے علاوہ بھی بطور انعام ایسی نعمتیں دی جائیں گی جو اس جہان میں انسان کے وہم و خیال سے بھی باہر اور تصور سے بھی بالاتر ہیں چنانچہ ﷻ کا ارشاد ہے:۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ — پس کوئی نہیں جانتا جو ایمان والوں کے لئے آنکھوں کی

مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ، جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (السجدہ ۲ آیت) ٹھنڈک (اور دلوں کی فرحت) چھپا رکھی ہے ان کے اعمال کے صلہ میں۔

نیز جل جلالہ کا ارشاد ہے :۔

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ۔ (سورہ ق۔ ع آیت ۳۵) اور (جنت میں) اُن ایمان والوں کو وہ سب کچھ ملے گا جو وہ چاہیں گے (اور اُس کے اہل ہونگے) اور (خاص) ہمارے پاس تو اور بھی بہت کچھ ہے (جو ان کو ملیگا)

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس "مزید" کا مصداق رویت الٰہی یعنی جل جلالہ کا دیدار ہے جس کا وعدہ جل شانہ نے قرآنِ کریم میں فرمایا ہے ارشاد ہے :۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ۔ (سورۂ قیامۃ ع آیت ۲۲،۲۳) کچھ چہرے (اہلِ ایمان کے چہرے) اس دن ترو تازہ ہونگے اپنے رب کی طرف دیکھتے ہوں گے۔

ظاہر ہے اہلِ ایمان کے لئے جنت میں سب سے بڑی نعمت جل شانہ کا دیدار ہوگا جو احادیث کی تصریح کے مطابق روزانہ عصر کی نماز کے بعد اور فجر کی نماز کے بعد اور ہفتہ وار جمعہ کے بعد ہوا کرے گا۔ اور یہ بھی بالکل واضح ہے۔ کہ یہ رؤیت بندوں کے کسی بھی عمل کی مثالی صورت نہیں بلکہ محض جل شانہ کا انعام و احسان ہے۔

اس کے بالمقابل کفار و مشرکین کے لئے علاوہ کفر و شرک کے جہنم میں جلنے اور پھکنے کے سب سے بڑا عذاب ایسی نعمت یعنی اپنے رب کے دیدار سے محرومی ہوگی چنانچہ ارشاد ہے :۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۔ (سورہ تطفیف ع آیت ۱۵) ہرگز نہیں، بے شک وشبہ وہ (کفار و مشرکین) اپنے رب (کے دیدار) سے محجوب اور محروم ہوں گے۔

اسی خصوصی جزاء کے متعلق جل جلالہ کا ارشاد ہے :۔

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا۔ (پارہ ۳۰ سورہ النباء ۲ آیت ۳۶) یہ جزاء ہے تیرے رب کی طرف سے عطا ہے حساب کے مطابق۔

یعنی یہ جزا جس کا متقین کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ یہ درحقیقت تیرے پروردگار کی ایک عطا یعنی انعام ہے۔ حساب کے مطابق یعنی حسبِ مراتب، گویا جیسے درجے کا تقوی ہوگا، اسی کے مطابق یہ عطا ہوگی۔ اعلیٰ درجہ کے متقین کے لئے عطا بھی اعلیٰ درجہ کی ہوگی۔

اس کے برعکس سرکشوں یعنی کفار و مشرکین و منکرین کو جزاء و سزا کے لئے سب سے بڑا عذاب جہنم کا سالہا سال لامتناہی عذاب ہوگا۔ جس کا ذکر ﷻ نے اس آیت سے پہلی آیت میں فرمایا ہے:۔

جَزَآءً وِّفَاقًا (پارہ ۳۰ سورہ النباء آیت ۲۶) ایسی سزا جو ان کے جرم کے مطابق ہے۔

یعنی یہ سالہا سال لامتناہی عذاب ان کے جرم یعنی کفر و شرک اور انکارِ جزاء و سزا پر عمر بھر اصرار کے موافق و مطابق ہے اس لئے کہ جیسے ان مجرموں نے دنیا کی پوری زندگی کفر و شرک اور انکارِ حق اور اس پر اصرار میں گذاری اب آخرت کی پوری زندگی جہنم کے عذاب میں گذارنی ہوگی اس لحاظ سے سزا جرم کے مطابق ہے یہ دوسری بات ہے کہ دنیا کی زندگی چند روزہ تھی یا چند سالہ تھی ختم ہوگئی آخرت کی زندگی ابدی اور لامتناہی ہے ختم نہیں ہوسکتی۔

بہرحال تجسدِ اعمال اور جزاء و سزا کے عینِ عمل ہونے کا عقیدہ اس زمانہ کے گوناگوں گناہوں اور نافرمانیوں کے بھنور میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کی اصلاح اور بہبودی کے لئے نہایت مؤثر اور تریاق کی طرح کارگر ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بارہواں باب

عمر کے آخری حصّوں میں زیادہ سے زیادہ کارہائے خیر کرنیکی ترغیب کا بیان

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے :۔

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ	کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی جس میں جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہے وہ نصیحت حاصل کر سکتا ہے اور خبردار کرنے والا بھی تمہارے پاس آ چکا ہے۔
س : فاطر آیت ۳۷	

آیت کریمہ کی تفسیر اور اُس عمر کی تعیین کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ چار اقوال نقل کرتے ہیں :۔

۱ :۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ان کے علاوہ دوسرے محققین کے قول کے مطابق اس آیتِ کریمہ کے معنی یہ ہیں، کیا ہم نے تمہیں ساٹھ سال کی عمر نہیں دی ؟ اس قول کی تائید صحیح بخاری کی وہ پہلی حدیث بھی کرتی ہے۔ جو ہم نے اسی باب کے ذیل میں نقل کی ہے۔

۲ :۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ عمر اٹھارہ ۱۸ سال ہے۔

۳ :۔ بعض حضرات کی رائے ہے کہ یہ عمر چالیس سال ہے۔ حسن کلبی اور مسروق سے بھی یہی قول منقول ہے، اسی طرح حضرت ابن عباس سے بھی یہی قول نقل کیا گیا ہے۔ اور اسی کی تائید میں اہلِ مدینہ کا تعامل نقل کیا ہے : کہ جب ان میں سے کسی کی عمر چالیس سال کو پہنچ جاتی تو وہ (دنیا کے تمام کاروبار چھوڑ دیتا اور شب و روز) عبادت میں مشغول ہو جاتا۔

۴ :۔ اور بعض علماء کا کہنا ہے کہ یہ بلوغ کی مدت ہے (یعنی جب انسان بالغ ہو جائے خواہ پندرہ برس کی عمر میں خواہ اٹھارہ سال کی عمر میں)

اور ﷺ کے قول وَقَدْ جَآءَكُمُ النَّذِيرُ (اور خبردار کرنے والا بھی تمہارے پاس آچکا)
کا مصداق حضرت عبداللہ بن عباس اور عام مفسرین کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
گرامی ہے اور حضرت ابن عباس کے شاگرد حضرت عکرمہ اور ابن عیینہؒ وغیرہ کے نزدیک اس کا مصداق بڑھاپا
ہے۔ وَاللہُ اَعْلَمُ

ان اقوال وآراء کا تجزیہ

دوسرا اور چوتھا قول اس پر مبنی ہے کہ بالغ ہونے سے پہلے انسان مکلف ہوتا ہی نہیں لہٰذا
ایک نابالغ بچے یا لڑکے کو نصیحت نہ حاصل کرنے اور خبردار کرنے والے کی بات نہ سننے اور نہ
ماننے پر سرزنش کیسے کی جاسکتی ہے نہ یہ عقل کا تقاضہ ہے نہ شریعت کا حکم ہے۔

تیسرا قول اہلِ مدینہ کے تعامل پر مبنی ہے اُن کا یہ تعامل عہدِ نبوت یا قربِ عہدِ نبوت کے
فیوض و برکات پر مبنی ہے اور ظاہر ہے کہ آیتِ کریمہ میں مخاطب صرف اہلِ مدینہ یا صرف اس اُمت
کے کفار ہی نہیں ہیں بلکہ نوعِ انسانی کے تمام ہی کافروں کو یہ سرزنش کی جائے گی۔

مصنف رحمہ اللہ کے اندازِ بیان سے نیز بخاری شریف کی آنے والی حدیث سے پہلے
قول کی تائید ہوتی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث، امام بیہقیؒ کی کتاب
"شعب الایمان" میں اس سے زیادہ تفصیل سے آئی ہے:۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا:۔

قیامت کے دن ایک منادی کرنے والا آواز دے گا، ساٹھ سال کی عمر والے
کہاں ہیں؛ (سامنے آئیں) اور یہی ساٹھ سال وہ عمر ہے جس کا ﷻ نے اس
آیتِ کریمہ میں ذکر فرمایا ہے: کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی جس میں جو شخص
نصیحت حاصل کرنا چاہے وہ نصیحت حاصل کرسکتا ہے اور خبردار کرنے والا
بھی تمہارے پاس آچکا ہے؛

علاوہ ازیں مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیل کی حدیث میں اپنی اُمت کی عمریں ساٹھ اور ستر سال کے درمیان بتلائی ہیں۔

حضرت **ابوھریرہ** رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کی عمریں ساٹھ اور ستر کے درمیان ہیں بہت کم لوگ ہوں گے جو ستر سے تجاوز کریں گے۔ (مشکوٰۃ)

مزید تشریح

ظاھر ہے کہ یہ سرزنش مکلف اور بالغ لوگوں کو ہی فرمائیں گے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بالغ ہوتے ہی انسان طبعاً اور فطرتاً دنیوی امور میں منہمک اور مستغرق ہو جاتا ہے ایک طرف تمام فطری اور خلقی جذبات و خواہشات شباب پر ہوتی ہیں ان کے تقاضے عقل و خرد سے بیگانہ بنا دیتے ہیں دوسری طرف معاشی ذمہ داریاں بھی اس پر عاید ہو جاتی ہیں۔ بیوی بچوں کے تقاضے بالکل ہی اندھا بنا دیتے ہیں اسلئے اوائل شباب اور چڑھتی جوانی کے زمانہ میں وہ آخرت سے غافل اور دُنیا میں منہمک اور مستغرق ہو جانے میں فی الجملہ معذور رہے لیکن تیس ۳۰ سال کی عمر کے بعد ایک طرف چڑھتی جوانی کے جذبات و خواہشات میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے دوسری طرف اس دس سالہ معاشی اشتغال اور کاروباری تجربات کی وجہ سے نفع نقصان اور خیر و شر کی تمیز پیدا ہو جاتی ہے۔ ہر کام کے عواقب و نتائج پر نظر رکھنے اور غور و فکر کرنے کی عادت ہو جاتی ہے اور چالیس سال کے بعد تو زندگی میں ہر پہلو سے اعتدال اور ٹھیراؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ اولاد بڑی حد تک کاروبار کو سنبھالنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ دُنیا کی بے ثباتی عیاں ہو جاتی ہے اور اس زندگی کے بعد کسی دوسری زندگی کا شعور بیدار ہو جاتا ہے (تعامل انصار اسی پر مبنی تھا وہ چونکہ ایمان باللہ اور آخرت پر یقین رکھتے تھے۔ عہدِ نبوت کے انوار سے ان کے قلوب منور تھے۔ اسی لئے وہ چالیس سال کی عمر کے بعد اپنے آپ کو دُنیوی کاروبار سے آزاد اور آخرت کے لئے فارغ کر لیا کرتے تھے) اور ساٹھ سال کے بعد تو جسمانی اعضا اور قویٰ میں نمایاں انحطاط شروع ہو جاتا ہے اور

ستر سال کی عمر میں تو ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا بالکل ہی جواب دینے لگتے ہیں عقل و خرد اور بینائی و شنوائی وغیرہ جسمانی قوتیں انسانی عزائم کے ساتھ دینے سے انکار کردیتی ہیں اور انسان ہار مان لینے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اعتراف کرلیتا ہے کہ میں بوڑھا اور ناکارہ ہوگیا اس عمر میں پوری طرح موت اور ما بعد الموت کی فکر اس پر سوار ہو جاتی ہے۔

یہ عام طور پر اس امتِ مرحومہ کے افراد کی دنیاوی زندگی کے ارتقاء و انحطاط کا عمومی معیار ہے شاذ و نادر ہی اس اُمت کے افراد اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اس اُمت مرحومہ کے پیغمبر ﷺ کی حدیث کے الفاظ وَ اَقَلُّھُمْ یَجُوْزُ ذٰلِكَ (اور بہت کم لوگ ہونگے جو اس عمر سے تجاوز کرینگے) سے ظاہر ہے۔

باقی یہ ظاہر ہے کہ ﷻ کا یہ خطاب اور سرزنش صرف اس اُمت کے کفار کو ہی نہ ہوگی بلکہ نوع انسانی کے تمام کفار اس کے مخاطب ہوں گے اور امم سابقہ کی عمریں اس اُمت کی بہ نسبت بہت زیادہ دراز ہوئی ہیں ان کی زندگی کا ارتقاء و انحطاط بھی اس اُمت سے مختلف ہوگا اسی لئے ﷻ نے مدتِ عمر کو مبہم کہا صرف اتنا فرمایا کہ تمہیں اتنی عمر ضرور دی جس میں نصیحت حاصل کرنیوالے نصیحت حاصل کرسکتے ہیں اس کے باوجود تمہاری آنکھیں نہ کھلیں اور اپنے خالق و مالک رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کو نہ پہچانا اور آخرت کی فکر نہ کی۔

اس لحاظ سے نذیر کا مصداق بڑھاپا صحیح معلوم ہوتا ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ و علمہ اتم

ساٹھ سال کی عمر پانے والے کے پاس کوتاہی کرنے کا کوئی عذر نہیں | پہلی حدیث (۱۱۶)

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: ﷻ نے اس شخص کے لئے کسی عذر کی گنجائش نہیں چھوڑی جس کی عمر دراز کی یہاں تک کہ ساٹھ سال کو پہنچ گیا (اور پھر بھی اُسے خدا یاد نہ آیا اور آخرت کی کوئی فکر نہ کی) (صحیح بخاری)

امام نووی فرماتے ہیں کہ علماء نے کہا ہے: اس کے معنی یہ ہیں کہ ﷻ نے اس شخص کے لئے

(ایمان نہ لانے کا) کوئی عذر نہیں چھوڑا جس کو اتنی مدت تک مہلت دی: عربی زبان میں کہا جاتا ہے اَعْذَرَ الرَّجُلُ جبکہ کوئی شخص عذر کے بارے میں انتہا کو پہنچ جائے۔ (صحیح بخاری)

تشریح

اصل یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ایک طرف انسان کی ساخت ایسی بنائی کہ شر اور خیر دونوں کے محرکات خلقتاً اس کی فطرت میں ودیعت فرما دیئے ارشاد ہے:۔ اَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (بدکاری اور پرہیزگاری دونوں کے محرکات اس کے دل میں ڈال دیتے) — دوسری طرف دنیاوی لذائذ میں مقناطیسی کشش اس قدر رکھی کہ انسان اُن کی طرف کھنچے بغیر نہیں رہ سکتا ارشاد ہے:۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (کہف) ہم نے زمین پر جتنی چیزیں ہیں ان کو زمین کی زینت (اور پرکشش) بنایا تاکہ ان کو آزمائیں کہ اُن میں کون عمل کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔

ہر قدم پر خدا سے غافل اور گناہ پر آمادہ کرنے والی مرغوب اور لذیذ چیزیں پیدا فرما کر انسان کی دسترس میں دیدیں اور اسکے ساتھ انبیاء و رسل کے ذریعہ اپنے احکام بھیجے کہ دیکھو ان تمام دل آویز چیزوں کو ہمارے احکامات کی حدود میں رہ کر استعمال کرنا، خبردار ان شرعی حدود سے قدم باہر نہ نکلے۔ بقول شاعر ؎

اندرون قعرِ دریا تختہ بندم کردہ
باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہوشیار باش

(بیچ دریا میں کھڑا کر دیا اور پھر حکم ہے کہ خبردار دامن تر نہ ہو (گناہ کا ارتکاب نہ ہو)

اس لئے بلوغ کے بعد جنسی جذبات کا اتنا زور اور نفسانی خواہشات کا ایسا طوفان برپا ہوتا ہے کہ اس طوفان میں بہہ کر اللہ جل شانہ سے غافل اور آخرت سے بے پروا اور بے فکر ہو جانا کچھ بعید نہیں۔ اس ہیجان میں کچھ کمی آتی ہے تو معاشی اُلجھنیں اور افکار، علاوہ ازیں دنیاوی مصروفیتیں اس قدر گھیر لیتی ہیں کہ بقول شاعر ؎

شب چو عقد نماز بر بندم
چہ خورد بامداد فرزندم
"رات کو جب نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہوں تو اس وقت بھی یہی فکر سوار ہوتی ہے
کہ صبح بچوں کے کھانے کو کہاں سے آئے گا۔"

اور یہ افکارِ پریشان نہ صرف اللہ جل شانہٗ اور آخرت کو بھلا دیتے ہیں بلکہ احکام الٰہیہ کو بھی پسِ پشت ڈال دینے پر مجبور کر دیتے ہیں اور حرام و حلال کا امتیاز بھی ختم ہو جاتا ہے۔

زندگی کے یہ دونوں بحرانی دور گذر جانے کے بعد ایک طرف زندگی میں کچھ ٹھہراؤ، سکون واعتدال۔ پیدا ہوتا ہے دوسری طرف سفید بال تازیانۂ عبرت بن کر ہر وقت موت اور مابعد الموت کو یاد دلاتے رہتے ہیں، اُس وقت یہ فکر ضرور لاحق ہوتی ہے کہ آخرت کے لئے اب تک کچھ نہیں کیا اللہ جل شانہٗ کے سامنے کس منہ سے جاؤں گا۔

لیکن اگر اس عمر کے بعد بھی درازیٔ عمر اور حرصِ مال وزر میں پڑ کر خدا یاد نہ آیا اور آخرت کی فکر نہ ہوئی تو یقیناً اس شخص کے پاس خدا ناشناسی اور آخرت فراموشی کا کوئی عذر نہ رہا۔ ایسے لوگوں کو ہی اس توبیخ و سرزنش اور عتاب و عذاب کا نشانہ بننا پڑے گا۔

باقی وہ خدا ترس لوگ جنہوں نے زندگی کے ہر دور میں پھونک پھونک کر قدم رکھا اور احکام الٰہیہ کی حدود سے حتی الامکان قدم باہر نہ رکھا اور اگر کبھی بتقاضائے بشریت کوئی بے اعتدالی ہوگئی اور گناہ سرزد ہوگیا تو فوراً توبہ و استغفار کے ذریعہ اس کی تلافی کر لی وہ تو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا	بیشک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ جل شانہٗ ہے اور وہ ہم
رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا	اسی کے فرمانبردار ہیں) پھر مرتے دم تک اس پر ثابت
تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ	قدم رہے ان کے پاس (مرتے وقت) فرشتے آتے ہیں
الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا	(اور کہتے ہیں) کہ نہ تم کسی چیز کا خوف کرو اور نہ غم کرو
وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا	اور تمہیں ہم اس جنت کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا تم سے

بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ	وعدہ کیا گیا تھا (اور) ہم تمہارے دنیا کی زندگی میں بھی
تُوعَدُونَ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ	مددگار رہے اور آخرت میں بھی (تمہارے مددگار رہیں گے)
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي	اور اس جنت میں تمہارے لئے ہر وہ چیز مہیا ہوگی
الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا	جس کو تمہارے دل چاہیں گے اور جو تم مانگو گے یہ (خاطر
تَشْتَهِيٓ أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ	مدارات) تمہارے مغفرت کرنے والے مہربان رب
فِيهَا مَا تَدَّعُونَ نُزُلًا مِّنْ	کی طرف سے (تمہاری) مخصوص مہمانی ہے!
غَفُورٍ رَّحِيمٍ ۝ (حم السجدة)	

یہی اصحابِ استقامت اس بشارتِ عظمیٰ اور خداوندی مہمان نوازی کے مستحق ہیں یہ ﷲ کا وعدہ ہے ضرور پورا ہوگا۔

دعا کیجئے کہ ﷲ جل شانہ اپنی رحمت سے ہم سب کو بھی اس دوسرے اہلِ ایمان کے گروہ میں شامل فرمالیں اور رہیں ساری زندگی خوفِ خدا اور فکرِ آخرت میں گذارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ ذیل کی مسنون دعا یاد کرلیجئے اور ہمیشہ مانگا کیجئے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي أَخْشَاكَ كَأَنِّي أَرَاكَ أَبَدًا حَتّٰى أَلْقَاكَ وَأَسْعِدْنِي بِتَقْوٰى لَكَ وَلَا تُشْقِنِي بِمَعْصِيَتِكَ۔

اے ﷲ تو مجھے ایسا (خداپرست) بنادے کہ گویا میں تجھے ہر وقت دیکھ رہا ہوں یہاں تک کہ (مرنے کے بعد) تجھ سے جا ملوں اور (مجھے اپنے تقویٰ (خوف) سے خوش نصیب بنادے (کہ کوئی گناہ اور نافرمانی نہ کروں) اور مجھے اپنی نافرمانیوں (کے ارتکاب) سے بدبخت نہ بنائیو (کہ نافرمانیوں اور گناہوں کی سزا میں گرفتار ہوکر جہنم میں جاؤں)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مردم شناسی اور عزت افزائی (دوسری حدیث ۱۱/۲)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ وہ (اپنی مجلس مشاورت میں) مجھے سن رسیدہ (اور معمر) شرکاء بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے۔ تو گویا ان میں سے بعض حضرات کو میری شرکت ان کے ہمراہ ناگوار محسوس ہوئی اور انہوں نے کہا: اس نو عمر لڑکے کو ہمارے ساتھ کیوں بٹھاتے ہیں؛ حالانکہ ہمارے تو بیٹے اس کے ہم عمر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: یہ نو عمر لڑکا علم و فہم کے اعتبار سے اس مقام پر ہے جسے تم بھی جانتے ہو (اسی لئے میں اسکو اپنی مجلس مشاورت میں شریک کرتا ہوں) چنانچہ ایک دن حضرت عمرؓ نے مجھے (مجلس شوریٰ میں) بلایا اور ان کے ساتھ بٹھایا۔ مجھے یقین ہے کہ اس روز حضرت عمرؓ نے ان کو مشاہدہ کرانے کے لئے بلایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے ﷻ کے اس قول کی تفسیر دریافت کی إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ (آخر تک) تو ان میں سے بعض حضرات نے کہا: اس سورت میں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ جب ہماری مدد کی جائے اور فتح حاصل ہو تو ہم ﷻ کا شکر ادا کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں؟ اور باقی لوگ خاموش رہے اور کچھ نہیں کہا، تو اسکے بعد حضرت عمرؓ نے مجھ سے فرمایا: کیا تم بھی یہی کہتے ہو اے ابن عباس؟ میں نے کہا: نہیں، تو فرمایا تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: اس سورت میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر دی گئی ہے ﷻ نے آپ کو بتلا دیا ہے کہ جب ﷻ کی مدد (ظہور میں) آجائے اور مکہ فتح ہو جائے تو یہ تمہاری وفات کی علامت ہے لہٰذا تم ﷻ کی پاکی بیان کرو شکر ادا کرو مغفرت طلب کرو بلاشبہ وہ بڑا ہی مہربان ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: میں بھی یہی سمجھتا ہوں جو تم نے بیان کیا (کہ یہ حضور ﷺ کی وفات کی علامت بتلائی گئی ہے) (بخاری شریف)

تشریح اس حدیث سے جہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مردم شناسی اور علم دوستی کا پتہ چلتا ہے

وہیں انہوں نے شرکاء بدر کے سن رسیدہ اور معمر صحابہ پر اس امر کو بھی عملی طور پر ثابت کر دیا کہ عظمت و احترام علم و فضل کا ہونا چاہیئے نہ کہ سن و سال کا، یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ عزت و احترام کا مستحق اَتْقَاکُمْ۔ (پ: الحجرات آیت ۱۳) وہ شخص ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

اور ظاہر ہے کہ علم کے بغیر تقویٰ کا حصول تو کیا تصور بھی محال ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

اَنَا اَتْقَاکُمْ وَاَعْلَمُکُمْ میں تم میں سب سے زیادہ ڈرنے والا اور سب سے زیادہ اللہ جل جلالہ بِاللّٰہِ۔ کو جاننے والا ہوں۔

اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ مشورہ کے وقت سن رسیدہ اور قدیم الاسلام صحابہ کے ساتھ حبر امت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو بھی شریک کیا کرتے تھے اور عام طور پر پیچیدہ اور دشوار امور ان سے دریافت کیا کرتے تھے۔

باقی امام نووی رحمہ اللہ جو اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں وہ صرف اس جزء سے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے سے بتلا دیا تھا۔ اس لئے کہ سورۂ النصر مکی سورتوں میں سے ہے۔ کہ اگرچہ اس وقت کفار خصوصاً قریش کا غلبہ ہے ایک ایک دو دو آدمی ہی اسلام میں داخل ہو رہے ہیں اور وہ بھی قریش کی ایذا رسانیوں کا نشانہ بن رہے ہیں مگر عنقریب اللہ جل جلالہ کی مدد آئے گی اور مکہ فتح ہو جائے گا اور اسکے بعد تم دیکھنا لوگ ایک ایک دو دو نہیں بلکہ فوج در فوج اور جوق در جوق اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہوں گے اور اس وقت تمہارا کام جس کے لئے تمہیں رسول بنا کر بھیجا گیا ہے پورا ہو جائے گا لہٰذا جس وقت تم اس علامت کو دیکھو۔ اور یہ تمہاری عمر کا آخری حصہ ہوگا۔ تو ہمارے پاس آنے کی تیاری میں یعنی تسبیح و تحمید اور توبہ و استغفار میں مشغول ہو جانا کہ ہمیں تمہارا اسی شان سے آنا پسند ہے چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے چند روز پہلے ایک دن منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا اور اس میں بیان فرمایا: "ایک بندے کو اللہ تعالیٰ

نے اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو اس کو اللہ ﷻ دنیا کی زینت و آرائش اور عیش و عشرت کے سامان عطا کر دیں اور وہ دنیا میں رہے اور چاہے تو دنیا سے منہ موڑ کر اللہ ﷻ کے پاس آجائے اور جو اللہ ﷻ کے پاس نعمتیں ہیں ان کو اختیار کرے اور اس بندے نے، جو اللہ ﷻ کے پاس ہے اس کو پسند کر لیا ہے۔" یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ رو پڑے اور عرض کیا ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ ہمیں چھوڑ کر نہ جائیے۔ صحابہ کو ان کی اس گریہ وزاری پر بڑا تعجب ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو ایک بندے کو اختیار دینے اور اس کے دنیا کو چھوڑ کر آخرت کو اختیار کر لینے کا ذکر فرمایا ہے یہ کیوں رو رہے ہیں؟ صحابہ کہتے ہیں چند روز بعد ہی حضور ﷺ کی وفات پر ہمیں معلوم ہو گیا کہ وہ بندہ جسے اختیار دیا گیا تھا وہ رسول اللہ ﷺ ہی تھے اور ابو بکرؓ ہم سب سے بڑے عالم تھے (کہ وہ اس لطیف اشارے کو سمجھ گئے) کہ یہ آپ کی وفات کی خبر دی جا رہی ہے اور اسی لئے ان آخری ایام میں رسول اللہ ﷺ کثرت سے تسبیح و تحمید اور توبہ و استغفار کرتے رہتے ہیں۔

بہرصورت اللہ ﷻ نے اپنے محبوب نبی ﷺ کے لئے اواخر عمر میں تسبیح و تحمید اور توبہ و استغفار کو ہی تجویز فرمایا ہے لہٰذا اُمت کے ہر فرد کا خصوصاً اس گناہ و معصیت کے عروج کے زمانہ میں ہمارا مشغلہ بھی یہی ہونا چاہیئے کہ ہم زیادہ سے زیادہ

سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ پاک ہے تو اے اللہ (اس سے کہ بغیر جرم کے کسی کو سزا دے) اور
أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ میں تیری ہی حمد و ثنا کرتا ہوں اور تجھی سے مغفرت چاہتا ہوں اور تیری طرف ہی لوٹتا ہوں یعنی توبہ کرتا ہوں۔

کا وِرد رکھیں اور یہی کہتے ہوئے احکم الحاکمین کے حضور میں پیش ہوں۔

رسول اللہ ﷺ جن کے متعلق اللہ ﷻ نے دنیا میں ہی اعلان کر دیا تھا کہ تمہارے کردہ و ناکردہ تمام گناہ اللہ ﷻ نے معاف کر دیئے ہیں جب اُن کے لئے اللہ ﷻ اواخر عمر میں یعنی ساٹھ سال کے بعد یہ مشغلہ تسبیح و تحمید اور توبہ و استغفار تجویز فرماتے ہیں تو ہم تو سرتا پا خطاکار و گنہگار ہیں

ہمیں تو نہ صرف اواخر عمر میں بلکہ ہر حصۂ عمر میں یہ مشغلہ ضرور اختیار کرنا چاہیئے۔ یہی ترجمۃ الباب عنوان باب۔ ہے

رسول اللہ ﷺ کی آخری ایام میں سفرِ آخرت کی تیاری | تیسری حدیث (۱۱۸/۳)

یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے ہم ہر طریق کا ترجمہ نمبروار لکھتے ہیں:۔

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں:۔ سورۃ النصر یعنی إذا جاء نصر اللہ والفتح (آخر تک) کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کوئی ایسی نماز نہیں پڑھی جس کے بعد یہ کلمات نہ کہے ہوں سُبْحَانَكَ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي (پاک ہے تو اے ہمارے رب (اس سے کہ بغیر گناہ کے کسی کو سزا دے) اور تیری ہی حمد و ثنا ہے اے اللہ تو مجھے بخش دے۔ بخاری و مسلم

۲۔ اور بخاری و مسلم ہی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع و سجود میں کثرت سے یہ کلمات کہا کرتے تھے سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي یعنی قرآن پر عمل کرتے تھے۔

۳۔ اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے رسول اللہ ﷺ وفات سے پہلے کثرت سے سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں:۔ میں نے عرض کیا یہ کیسے نئے کلمات ہیں جو آپ نے کثرت سے پڑھنے شروع کئے ہیں (پہلے تو آپ نہیں کہا کرتے تھے) آپ نے فرمایا: میری اُمت کے بارے میں ایک علامت ہے جو مقرر کی گئی ہے کہ جب میں اس علامت کا (امت میں) مشاہدہ کروں تو ان کلمات کو کہا کروں (وہ علامت یہ ہے) کہ جب اللہ جل شانہ کی مدد آجائے اور (مکہ) فتح ہو جائے اور تم دیکھو کہ لوگ فوج در فوج اللہ جل شانہ کے دین میں داخل

ہو رہے ہیں تو (اذا جاء نصر اللہ والفتح۔ آخر سورت تک) تو ان کلمات کو کہا کروں

۴۔ اور مسلم ہی کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کثرت سے یہ کلمات کہا کرتے تھے: سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ

(عائشہ رضی اللہ عنہ کہتی ہیں) اس پر میں نے عرض کیا؛ یارسول اللہ میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ آپ کثرت سے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ کہتے رہتے ہیں، تو آپ نے فرمایا میرے رب نے مجھے خبر دی ہے کہ میں عنقریب اپنی امت میں ایک علامت دیکھوں گا تو جب میں اس علامت کو دیکھوں تو کثرت سے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ، أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَأَتُوْبُ إِلَيْهِ کہا کروں۔ چنانچہ وہ علامت میں نے دیکھ لی کہ ﷲ کی مدد آگئی اور مکہ فتح ہو گیا اور میں نے دیکھ لیا کہ لوگ ﷲ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں تو میں نے بھی اللہ کے حکم فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (سورۃ النصر آیت ۳) کے تحت کثرت سے ان کلمات کو پڑھنا (اور اپنے رب کے حکم پر عمل کرنا) شروع کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی متعدد روایتوں کے بیان کرنیکا مقصد

امام نووی رحمہ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے، وفات سے پہلے اواخر عمر میں مذکورہ کلمات کی کثرت ثابت کرنا چاہتے ہیں اس مقصد کے لئے انہوں نے متفق علیہ یعنی بخاری و مسلم کی دو روایتیں نقل کیں جن میں سے پہلی روایت سے سورۃ النصر کے نزول کے بعد ہر نماز کے بعد ان کلمات کا پڑھنا ثابت ہوتا ہے نہ زمانہ (آواخر عمر) کا ذکر ہے نہ ہی علامت وفات ہونے کا۔ اسی طرح دوسری حدیث سے رکوع و سجود میں ان کلمات کے پڑھنے کا ذکر ہے اور بس۔ ہاں مسلم کی پہلی روایت میں وفات سے پہلے ان کلمات کی کثرت اور اواخر عمر کا ایک نیا مشغلہ ہونا اور حضرت عائشہ رضہ کے دریافت کرنے پر اس کو ایک علامت کا نتیجہ قرار دینا مذکور ہے اور

مسلم کی دوسری حدیث میں تو تصریح ہے کہ ﷻ نے اس علامت کے مشاہدہ کے وقت کثرت سے تَسْبِیْحُ وَتَحْمِیْد اور تَوْبَۃُ وَاِسْتِغْفَار کا حکم دیا ہے اور آپ نے اسی حکم کی تعمیل کے تحت اواخر عمر میں یہ مشغلہ اختیار کیا ہے۔ یہ حکم بھی آپ کی وفات کی طرف اشارہ کرتا ہے جس کو آپ نے مبہم (گول مول) الفاظ میں خطبہ میں "ایک بندہ کو اختیار دینے کے" عنوان سے ظاہر فرمایا اور سوائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور کسی نے اس خفی اشارہ کو نہیں سمجھا حضرت ابن عباس ؓ نے اسی بنا پر اس سورۃ کو آپ کی وفات کی خبر قرار دیا جس کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تائید کی۔

اَلْحَدِیْثُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا (ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے) کے اصول کے تحت امام نووی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے چاروں طرق (روایات) نقل کر دیئے تاکہ پورا واقعہ سمجھ میں آجائے اور اس باب۔ آخر عمر میں زیادہ کارہائے خیر کرنے کی ترغیب۔ کے تحت اس حدیث کو نقل کرنا درست ہو جائے باقی حدیث کی مزید تشریح دوسری حدیث کے ذیل میں گذر چکی ہے۔

ایک اشکال اور اس کا ازالہ

اشکال یہ ہے کہ سورۃ اَلنَّصْر مکی سورت ہے مکہ میں نازل ہوئی ہے گویا مکۃ المکرمۃ ہی میں آپ کو یہ خبر دی گئی ہے اور اسی وقت سے آپ عمل بھی کرتے رہے یعنی تسبیح و تحمید اور استغفار و توبہ برابر کرتے رہے ہیں مگر صحیح مسلم کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے آخری ایام میں آپ کو یہ خبر دی گئی ہے اور آپ نے ایک نئے عمل کے طور پر تسبیح و تحمید اور توبہ و استغفار کو اختیار کیا ہے۔ حضرت عائشہ ؓ کی روایت میں اسی کی تصریح ہے اور اواخر عمر میں ہی وہ خطبہ دیا ہے جس میں اشارۃً اس کا اظہار کیا گیا ہے گویا اس سے پہلے آپ کو خبر نہ تھی اور اسی بنا پر آپ نے کثرت سے تسبیح و تحمید اور توبہ و استغفار کو اختیار کیا ہے۔

اس اشکال کا ازالہ

ﷻ نے سورۃ مزمل میں جو مکہ کے مالداروں سے نمٹنے کا معاملہ اپنے ذمہ لیا اور آپ کو

تھوڑے دن صبر و سکون کی ہدایت فرمائی چنانچہ ارشاد ہے :۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ	اور یہ جو ایکہ والے برا بھلا کہتے ہیں اس پر صبر کرو (اور برداشت و تحمل
وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا	سے کام لو) اور ان کو خوبی کے ساتھ اُن کے حال پر چھوڑ دو، اور
وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ	دولتمند جھٹلانے والوں کو میرے حوالے کردو اور ان کو تھوڑی
اُولِى النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ	سی مہلت دے دو۔
قَلِيْلًا ۔(سورہ مزمل آیت ۱۰-۱۱)	

اس وعدہ کے ایفا کی تفصیل آپ کو سورہ اَلنَّصْرِ میں بتلادی گئی کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آئیگی مکہ فتح ہوگا اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوں گے اور تم اپنے مقصدِ بعثت کو پورا کرنے میں کامیاب ہوگے صرف چند روز انتظار کرو تاکہ آپ صبر و سکون کے ساتھ اپنا کام کرتے رہیں اس مدت میں آپ تحدیث بالنعمت و اظہار شکر کے طور پر تَسْبِيْح و تَحْمِيْد اور تَوْبَہ و اِسْتِغْفَار نمازوں میں کرتے رہیے۔

جب یہ وعدہ (فتح مکہ) پورا ہوگیا اور آپ نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیا اور آپ اپنے مقصدِ بعثت میں کامیاب ہوگئے اور رب جلیل کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا وقت آگیا تو آپ نے کثرت سے تسبیح و تحمید اور توبہ و استغفار نمازوں اور نماز کے علاوہ بھی ایک نئی عبادت کے طور پر شروع کردی یہاں تک کہ رفیقۂ حیات حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی اس تبدیلی کو محسوس کرکے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے ان کو صاف لفظوں میں وفات کی علامت ہونے کا حال بتلادیا اور عام صحابۂ کرام کو بھی خطبہ میں اشارۃً بتلادیا جس کو سن کر حضرت ابوبکر صدیقؓ پر گریہ وزاری طاری ہوگیا۔

غرض آپ کو خبر تو پہلے بھی تھی مگر وقت نہیں آیا تھا جب وقت آگیا تو بتلادیا جیسا کہ سورۂ اَلَمْ نَشْرَح میں فرمایا ہے: فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ اور جب تم فارغ ہوجاؤ تو تیار ہوجاؤ اور اپنے رب سے ملنے کی رغبت کرو۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ۔

وفات سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر پے در پے نزولِ وحی

حدیث (۱۴۹)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر وفات سے پہلے پے در پے وحی نازل فرمائی چنانچہ جب آپ کی وفات ہوئی ہے تو زیادہ سے زیادہ وحی نازل ہو چکی تھی (صرف چند آیتیں عین وفات سے پہلے نازل ہوئی ہیں) (بخاری و مسلم)

تشریح

اللہ تعالیٰ کی وحی نوع انسانی پر اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان اور اس کی ربوبیت کا کریمانہ تقاضا ہے خاصکر جب کہ قیامت تک کے لئے نبی آخر الزماں پر نبوت و رسالت اور وحی الٰہی کا سلسلہ ختم کیا جا رہا ہے۔ آپ کی وفات کے بعد نہ کوئی اور نبی آئیگا نہ ہی اور وحی نازل ہوگی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے نبی آخر الزماں ﷺ کی وفات سے پہلے پے در پے وحی نازل فرما کر اپنا احسان، جو آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا اور نبی آخر الزماں خاتم انبیاء ﷺ پر ختم ہوا پورا فرما دیا اور حجۃ الوداع کے دن ہی اعلان فرما دیا:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (سورۃ المائدہ۔ آیت ۳ کا جزو) آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل (اور مکمل) کر دیا اور اپنا احسان تم پر پورا کر دیا اور اسلام کو دین رہونے کے لحاظ سے تمہارے لئے پسند فرما دیا۔

اس لحاظ سے رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کا سب سے بڑا فیض اور کارِ خیر یہی ہے کہ آپ کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق تک پہنچا اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ سب سے زیادہ مشقت اور صعوبت کا کام بھی یہی تحمل وحی تھا جیسا کہ نزولِ وحی کی کیفیات سے ظاہر ہے نزولِ وحی کے وقت سخت سردی کے زمانہ میں آپ کی پیشانی پر پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح نمودار ہوتے اور ٹپکنے لگتے تھے۔ آپ کی مخصوص اونٹنی ۔جس کا نام "قصواء" تھا۔ کے سوا اور کوئی اونٹنی نزولِ وحی کے وقت آپ کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ ایک مرتبہ ایک صحابی کے زانو پر سر مبارک رکھے ہوئے آرام فرما رہے تھے۔

کہ اسی حالت میں آپ پر وحی نازل ہونے لگی صحابی کہتے ہیں مجھے اندیشہ ہوا کہ میرا گھٹنا چھٹ جائے گا اس کے علاوہ اور بہت سی نزولِ وحی کے وقت کی کیفیات تحمل کی شدت اور صعوبت کو ظاہر کرتی ہیں ﷻ فرماتے ہیں:۔

سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا (سورۃ المزمل آیت ۵) ہم عنقریب تم پر ایک وزن دار قول (کلام) ڈالیں گے (نازل کریں گے)

کلام الٰہی کا یہ ثقل معنوی بھی ہے اور حسی بھی، چنانچہ ﷻ اپنے کلام کے اس ثقل کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

لَوْ أَنْزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتارتے تو (اے مخاطب) تو لَرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّعًا دیکھتا کہ وہ پہاڑ (ﷻ کے خوف سے) لرزنے لگتا اور مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ (سورۃ حشر آیت ۲۱) ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔

جیسے ﷻ کی ایک تجلی سے کوہ طور ریزہ ریزہ ہو گیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے تھے۔

گویا کلام الٰہی کا جو وزن پہاڑ برداشت نہ کر سکتا تھا وہ ثقل آپ نزولِ وحی کے وقت برداشت کرتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی طرح بیہوش نہیں ہوتے تھے۔ صرف ایک گردو پیش سے غفلت اور ربودگی کی سی کیفیت طاری ہوتی تھی وہ بھی صرف کلام الٰہی کی طرف توجہ کامل کی غرض سے جس کا آپ کو حکم دیا گیا تھا ارشاد ہے:۔

فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ پس جب ہم (یعنی جبریئل) قرآن پڑھیں تو تم (پوری طرح متوجہ ہو کر (سورۃ القیامہ، آیت ۱۸) خاموشی کے ساتھ) سنا کرو۔

بات لمبی ہو گئی جس کے لئے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ آپ کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ دشوار کام مخلوق تک ﷻ کا کلام پہنچانا تھا جو آپ نے اواخر عمر میں مکمل طور پر انجام دیا اور یہی اس باب کا عنوان ہے —

وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔

ہر شخص قیامت کے دن اپنے آخری عمل پر اُٹھے گا

پانچویں حدیث (۵/۱۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا

کہ قیامت کے دن ہر بندہ اس حالت پر اُٹھے گا جس پر وہ مرا ہے (صحیح مسلم)

تشریح

یہ حدیث ہر مسلمان کو متنبہ کر رہی ہے کہ کم از کم عمر کے آخری حصہ میں تو وہ دُنیا اور دنیا والوں سے اپنا قلبی تعلق منقطع کرکے اپنے مالک و خالق پروردگار سے اپنے تعلق کو زیادہ سے زیادہ استوار کرلے اور اس کی صورت یہ ہے کہ اپنی شب و روز کی زندگی کا جائزہ لے کر کبیرہ گناہوں اور صریح نافرمانیوں سے توبہ کرکے کلی طور پر اجتناب کرے۔ خطاؤں اور کوتاہیوں کے پاس بھی نہ پھٹکے اور اگر بتقاضائے بشریت کوئی بڑا چھوٹا گناہ یا نافرمانی ہوجائے تو جلد از جلد توبہ و استغفار کے ذریعہ اس کی تلافی کرے۔ اللہ جلّ شانہٗ بڑے مہربان ہیں ارشاد فرماتے ہیں:۔

یَا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا (سورۃ الزمر آیت ۵۳)

اے میرے وہ گنہگار بندو! جنہوں نے اپنے نفس پر زیادتی کی ہے (گناہ کئے ہیں) اللہ جلّ شانہٗ کی رحمت سے مایوس مت ہو بیشک اللہ تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے

اور فرض عبادتیں پوری پابندی کے ساتھ ادا کرتا رہے اگر کوئی فرض عبادت وقت پر ادا ہونے سے رہ جائے تو فوراً اُس کی قضا کرلے اور نفل عبادتوں کے ادا کرنے کا بھی زیادہ سے زیادہ اہتمام اور پابندی کرے کہ یہی نفل عبادتیں اللہ جلّ شانہٗ سے زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنے اور محبوبِ خدا بننے کا ذریعہ ہیں (جیسا کہ آپ طویل حدیث قدسی میں جو باب مجاھدہ کی سترھویں حدیث ہے پڑھ چکے ہیں) نیز دل سے ماسوی اللہ جلّ شانہٗ کا خیال بالکل نکال دے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بالکل تارک الدنیا بن جائے بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ جس سے تعلق رکھے اسی بنیاد پر رکھے کہ "یہ اللہ جلّ شانہٗ کا حکم ہے"۔ اور اتنا ہی تعلق رکھے جتنا اللہ جلّ شانہٗ کا حکم ہے اور جو بھی کام

کرے یا نہ کرے صرف اللہ جل شانہ کے حکم کے تحت کرے یا نہ کرے اپنی مرضی اور خواہش کو اللہ جل جلالہ کی مرضی اور منشا میں فنا کر دے اسی مرتبہ کا نام "فنا فی اللہ" اور اسی کا دوسرا نام بقا باللہ ہے اور یہی قرآن کریم کی آیت ذیل کا مطلب ہے :

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ اِنِّيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ (سورۃ الذریٰت آیت)

پس (غیر اللہ سے) بھاگو اللہ جل شانہ کی طرف، میں اسی کی جانب سے تم کو واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں ۔

دنیا کے سارے کام کرو مگر اللہ جل شانہ کے حکم کے تحت کرو۔ اسی کے حکم کی تعمیل کی غرض سے کرو۔ اگر ساری زندگی اس معیار پر بسر نہ کی جائے تو عمر کے آخری حصہ میں تو ضرور ہی اس معیار پر زندگی بسر کرو تاکہ مذکورہ بالا احادیث کے مطابق دنیا سے اسی حالت پر رخصت ہو، اور قیامت کے دن ایک سرتاپا فرمانبردار بندہ کی صورت میں احکم الحاکمین کے حضور میں پیش اور سرخرو ہو۔

اسی غرض سے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر وقت اپنی اُمت کو مذکورہ ذیل دعا مانگتے رہنے کی تعلیم دی ہے ۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عُمُرِيْ اٰخِرَهٗ وَخَيْرَ عَمَلِيْ خَوَاتِيْمَهٗ وَخَيْرَ يَوْمِيْ يَوْمَ اَلْقَاكَ فِيْهِ يَا وَلِيَّ الْاِسْلَامِ وَاَهْلِهٖ ثَبِّتْنِيْ بِهٖ حَتّٰى اَلْقَاكَ ۔

اے اللہ تو میری آخری عمر کو بہترین عمر بنا دے اور میرے آخری اعمال کو بہترین اعمال بنا دے اور میرا بہترین دن اس دن کو بنا جس دن میں تجھ سے ملوں اے اسلام اور اہل اسلام کے مولیٰ تو مجھے اسلام پر ثابت قدم رکھ تاکہ میں تجھ سے ملنے کا شرف حاصل کروں ۔

اس لئے کہ جنت میں جہاں اللہ جل جلالہ کے لقا اور دیدار کا وعدہ ہے سوائے مسلمان کے اور کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ صحیح مسلم کی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر اعلان فرمایا :۔

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا نَفْسٌ مُّسْلِمَةٌ

جنت میں مسلمان کے سوا اور کوئی نہیں داخل ہوگا ۔

دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو خصوصاً۔ کتاب لکھنے والوں، شائع کرنے والوں، اور پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والوں کو۔ توفیق عطا فرمائیں کہ ہم کارہائے خیر اور اعمال صالحہ کے ذریعہ اپنی زندگی کو خدا کی مرضی کے مطابق بنالیں اس لئے کہ۔

لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ نہ (کسی کار خیر کی) قدرت ہے نہ (کسی برے کام سے بچنے کی) طاقت مگر خدائے بزرگ و برتر کی (دی ہوئی)

مذکورہ بالا دعا خلوص قلب سے ضرور مانگا کریں۔ دل کی گہرائیوں سے نکلی ہوئی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ۔ (سورۃ المومن آیت) مجھ سے دعا مانگو میں ضرور قبول کروں گا بلاشبہ جو لوگ تکبر برتتے ہیں (مجھ سے دعا مانگنے اور) میری عبادت کرنے سے وہ ضرور بالضرور جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل و خوار ہو کر۔

اَعَاذَنَا اللّٰہُ (خدا ہمیں پناہ میں رکھے)

تیرہواں باب
اعمالِ خیر کی کثرت کے بیان میں
قرآنِ کریم

۱۔ قال اللہ تعالیٰ: وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ (پارہ ۲ ۔سورہ البقرہ ۔ع ۲۶)
جل شانہ کا ارشاد ہے: اور تم جو بھی نیک کام کرو گے پس اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

۲۔ قال اللہ تعالیٰ: وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ (پارہ ۲ ۔سورہ البقرہ ۔ع ۲۴)
جل شانہ کا ارشاد ہے: جو بھی تم نیک کام کرو گے اللہ اس کو جان لے گا۔

۳۔ قال اللہ تعالیٰ: فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ (الزلزال۔ پارہ ۳۰)
جل شانہ کا ارشاد ہے: تو جس شخص نے ذرہ برابر بھی نیک کام کیا ہوگا وہ اس کو (قیامت کے دن) دیکھ لے گا (موجود پائے گا)

۴۔ قال اللہ تعالیٰ: مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ (پارہ ۲۴-۲۵ ۔حٰم السجدۃ والجاثیہ ع ۶)
جل شانہ کا ارشاد ہے، جس شخص نے کوئی نیک کام کیا پس وہ اپنے نفس کے لئے ہی کیا (اس کا فائدہ اسی کو پہنچے گا)۔

امام نووی علیہ رحمۃ فرماتے ہیں: (قرآنِ کریم) میں اس عنوان کے تحت بکثرت آیات موجود ہیں باقی حدیثیں تو اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے ۔ہم یہاں (بطور نمونہ) چند حدیثیں بیان کرتے ہیں۔

آیات کا اضافہ

ہم یہاں چند آیاتِ کریمہ کا اضافہ مناسب سمجھتے ہیں جن سے ان کار ہائے خیر کی نوعیت

کہ وہ فرائض و واجبات ہیں یا مستحبات و مندوبات ہیں اور ان پر اجرِ عظیم کے وعدے کا حال بھی واضح ہو جائے۔

۱۔ قال اللہ تعالیٰ: وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ۔ (پارہ ۲ سورہ البقرہ۔ ع ۱۹)

جل جلالہ کا ارشاد ہے: اور جس شخص نے بنیت ثواب کوئی بھی کارِ خیر کیا تو بیشک اللہ (بڑا) قدر دان اور خوب جاننے والا ہے۔

۲۔ قال اللہ تعالیٰ: وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا (پارہ ۲۹ سورہ المزمل۔ ع ۲)

جل شانہ ارشاد فرماتے ہیں: اور جو بھی کارِ خیر تم کرو گے اس کو اللہ کے پاس بہت بہتر اور (اجر کے اعتبار سے) بہت بڑا پاؤ گے۔

۳۔ قال اللہ تعالیٰ: يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا (پارہ ۳ سورہ آل عمران ع ۳)

جل جلالہ ارشاد فرماتے ہیں: جس دن (قیامت کے دن) ہر نفس نے جو عملِ خیر بھی کیا ہوگا اس کو موجود پائے گا۔

۴۔ قال اللہ تعالیٰ: وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ (پارہ ۳ سورہ البقرہ۔ ع ۲۷)

جل شانہ کا ارشاد ہے: اور جو مال بھی تم خرچ کرتے ہو وہ تم اپنے لئے ہی کرتے ہو (آخرت میں تمہارے ہی کام آئے گا)

تشریح آیات

ان آیاتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ (۱) ہر کارِ خیر کا بنیت ثواب کرنا ضروری ہے (۲) یہ کارہائے خیر فرائض و واجبات ہی نہیں بلکہ مستحبات و مندوبات بھی ہیں۔ (۳) یہ تمام کارہائے خیر جل شانہ کے پاس محفوظ ہیں قیامت کے دن تم ان کو موجود پاؤ گے (۴) ان کا اجر و ثواب بہت عظیم ہے (۵) جل جلالہ بڑے قدر دان اور قدر شناس ہیں اور ہر کارِ خیر کو خوب جانتے ہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ بنیت عبادت و ثواب کیا جائے۔

احادیث اور اُن کی تشریح

اب مذکورۂ ذیل احادیث میں ان کارہائے خیر کی فراوانی اور کثرت اور اہمیت کا حال پڑھیئے ،

افضل اعمال کا بیان

پہلی حدیث (۱/۱۲۱)

حضرت ابوذر (جن کا نام) جُندُب بن جُنادۃ (ہے) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا یا رسول اللہ! کونسا عمل (سب سے زیادہ) افضل ہے ؟ آپ نے فرمایا: جل شانہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا (پھر) میں نے عرض کیا: کونسا غلام آزاد کرنا (سب سے زیادہ) افضل ہے ؟ آپ نے فرمایا: جو غلام مالکوں کے نزدیک (سب سے زیادہ) نفیس ہو اور ان کی قیمت سب سے زیادہ ہو میں نے عرض کیا پس اگر میں (اپنی تہیدستی کی وجہ سے) نکروں (یعنی غلام آزاد نہ کرسکوں ؟ آپ نے فرمایا: "تم کسی کاریگر کی مدد کرو، یا کسی ناکارہ کے لیے کام کرو" (یعنی خود محنت مزدوری کرکے اس کو دے دو یا اس کی معاش کی کفالت کرو) میں نے عرض کیا "یارسول اللہ! ذرا بتلایئے اگر میں ان میں سے بھی کوئی کام نہ کروں (یعنی نہ کرسکوں) ؟ آپ نے فرمایا: "تم اپنے شر سے لوگوں کو بچاؤ" (یعنی کسی بھی شخص کو کسی بھی طرح کا ضرر یا اذیت نہ پہنچاؤ) کہ یہ تمہارا خود اپنے اوپر احسان (اور کار ثواب) ہے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح۔ اعمال صالحہ اور کارہائے خیر کی ضرورت و اہمیت

اعمال صالحہ کے بغیر صرف ایمان ایک ایسا درخت ہے جس کی صرف جڑ ہو وہ بھی زمین کے اندر لیکن زمین کے اوپر نہ اس کی کوئی شاخ ہو نہ گدا نہ ٹہنیاں ہوں نہ ٹہنیوں پر پتے، نہ پھول نہ پھل نہ اس کی کوئی شاخ ہو۔ ظاہر ہے کہ جب تک یہ درخت زمین سے پھوٹ کر باہر نہ نکلے اس کا تنہ اور گدے نہ ہوں ان پر ٹہنیاں اور ٹہنیوں پر پتے اور پھول پھل نہ لگیں اس وقت

تک یہ درخت بیکار اور صرف نام کا درخت ہے، اسی طرح جو شخص صرف دل سے ﷺ کو مانتا ہے لیکن نہ زبان سے کلمہ پڑھتا ہے نہ کوئی اور کام (نماز روزہ وغیرہ) کرتا ہے نہ ہی اسلام کے کسی بھی حکم پر عمل کرتا ہے اِس کو ایمان نہیں کہا جا سکتا وہ صرف گوشت کھانے کا مسلمان ہے۔ اسلئے کہ مسلمان بننے کے لئے دل سے ایمان لانے کے بعد زبان سے کلمۂ توحید پڑھنا فرض عبادتوں (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ) پر عمل کرنا نیز ﷺ کے ہر حکم پر عمل کرنا ہی مسلمان ہونا ہے۔

اسی لئے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ـــ جو ایک قدیم الاسلام جلیل القدر صحابی ہیں اور ایسے متقی اور پرہیزگار ہیں کہ ان کا تصور اور خیال بھی گناہ اور معصیت سے ناآشنا ہے۔ اعمالِ صالحہ اور کارہائے خیر کی حرص یا در جستجو کی بنا پر رسول اللہ ﷺ سے اعمالِ صالحہ اور کارہائے خیر کے متعلق سوالات کرتے ہیں اور نبی رحمت ﷺ بھی ابوذر کو جواب میں . . .
. . . ایسے ہمہ گیر اور دور رس اعمال صالحہ اور کارہائے خیر تبلاتے ہیں جن سے کوئی بھی مسلمان کسی بھی حالت میں محروم نہیں رہ سکتا، بشرطیکہ عبادت سمجھ کر اور ثواب کی نیت سے کرے باقی جو اِن پر بہ نیت ثواب عمل ہی نہ کرے اس کا تو کچھ علاج ہی نہیں۔

ہمارا زمانہ اسی بنا پر امام نووی رحمۃ اللہ اس باب ـ کثرت کارہائے خیر ـــ کے تحت سب سے پہلے اسی حدیث کو لائے ہیں ہمارے اس پُرآشوب اور گناہ و معصیت کی گرم بازاری کے زمانہ میں اس قسم کی احادیث کا ترجمہ اور بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے اعمال خیر کا بیان بیحد مفید اور ضروری ہے تاکہ ہر مسلمان یہ محسوس کرے کہ اعمالِ صالحہ اور کارہائے خیر ایسے بھی ہیں جو بغیر پیسہ خرچ کئے اور بغیر محنت و مشقت اٹھائے کئے جا سکتے ہیں صرف نیت اور ارادہ کرنے کی دیر ہے۔

حدیث کی تشریح

حضرت ابوذر کا پہلا سوال "سب سے افضل عمل" کونسا ہے؟

از روئے لغت افضل، فضل سے ماخوذ ہے۔ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور فضل کے معنی ہیں

زیادت کے، یہ زیادتی دُنیا میں عمل کی دشواری، صعوبت اور مشقت کے اعتبار سے ہے اور آخرت میں اجر و ثواب کی زیادتی کے اعتبار سے ہے اور مُسلّم ہے کہ اَشَقُّ الْاَعْمَالِ اَکْثَرُھَا ثَوَابًا (جس کام میں جتنی زیادہ مشقت ہوگی اسی قدر اجر و ثواب زیادہ ہوگا) اس لحاظ سے سب سے زیادہ افضل وہ عمل ہے جو سب سے زیادہ دشوار اور ناقابل برداشت ہو۔ چنانچہ حضور ﷺ "کونسا عمل سب سے زیادہ افضل ہے" کے جواب میں فرماتے ہیں: جل جلالہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا۔

ظاہر ہے کہ کسی بھی انسان کے لئے اپنے باپ دادا کے دین کو اور ہوش سنبھالتے ہی جس کو معبود جانا ہے اس معبود کو چھوڑ کر ایک نئے معبود پر اور اس کی وحدانیت پر ایمان لانا اور نئے مذہب کو قبول کرنا اگرچہ اس کی حقانیت کا یقین بھی ہو تب بھی نفسیاتی طور پر ایک انسان کے لئے بیحد شاق اور ناقابلِ برداشت عمل ہے۔

دیکھئے اوائل اسلام میں قریش نے بدر۔ اُحد وغیرہ کی لڑائیوں میں اپنے اعلیٰ درجہ کے جنگجو اور زور آزما بہادروں کو جن میں ایک ایک بہادر ہزاروں پر بھاری ہوتا تھا صرف اپنے آبائی دین اور بتوں کی پرستش پر قربان کر دیا مگر جل جلالہ پر ایمان نہ لائے یہاں تک کہ چند سال میں ہی مکہ مکرمہ فتح ہو گیا اور کفار قریش کا نام و نشان مٹ گیا۔

خود رسول اللہ ﷺ کے حقیقی چچا ابو طالب جن کی حمایت و سرپرستی میں رسول اللہ ﷺ دس برس تک مکہ مکرمہ میں کفارِ قریش کے علی الرغم بت پرستی کی بیخ کنی اور دین توحید کی تبلیغ کرتے رہے اور قریش تلملاتے رہے اور ابو طالب کی حمایت کی بنا پر کچھ نہ کر سکے باوجودیکہ ابو طالب کو یقین تھا کہ جس دین توحید کی آپ دعوت دے رہے تھے بالکل برحق ہے جیسا کہ ابو طالب کے ذیل کے شعر سے ظاہر ہے۔

ودعوتنی وعلمتُ انکَ صادق — اے میرے بھتیجے! تم نے مجھے (دین توحید کی) دعوت دی ہے اور
ولقد صدقتَ وکنتَ قبلُ امینا — مجھے یقین ہے کہ تم سچے ہو اور بخدا تم نے بالکل سچ کہا ہے اور تم تو اس سے پہلے بھی امین ہو۔

لیکن صرف قومی غیرت کی وجہ سے جل جلالہ پر ایمان نہ لائے حتیٰ کہ مرنے سے پہلے رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا:

اے عمّ قل لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ   اے میرے چچا ایک کلمہ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (صدق سے)

اشھد لك بھا یوم القیامۃ   کہہ دیجئے تاکہ میں اسکی بنیاد پر آپ کے مومن ہونیکی شہادت دے سکوں

مگر ابوطالب کا آخری جواب یہ تھا۔

لولَا عَیَّرَتْنِیْ قریش   (بھتیجے) اگر مجھے قریش کے عار کا اندیشہ نہ ہوتا کہ آخر وقت میں ابوطالب نے

لا قررتُ عینكَ ۔   اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیا) تو میں ضرور تمہارا دل ٹھنڈا کر دیتا (اور اللہ

پر ایمان لے آتا ۔)

دیکھئے ابوطالب کے لئے "ایمان باللہ" کتنا دشوار اور مشکل کام تھا کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کا ایندھن بننا گوارا کیا مگر اللہ جل شانہ پر ایمان نہ لایا۔

یہ کفارِ قریش ہی کی کچھ خصوصیت نہ تھی بلکہ کسی بھی غیر مسلم کے لئے اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ کر اسلام قبول کرنا اور اللہ جل جلالہ پر ایمان لانا اتنا ہی مشکل تھا اور آج بھی اتنا ہی دشوار ہے۔

ہم نے چونکہ اللہ جل شانہ کے فضل سے مسلمان گھرانے میں آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالنے کے وقت سے ہی اللہ جل شانہ کے سوا کسی اور معبود سے ہمارے کان آشنا ہی نہیں ہوتے اس لئے اللہ جل شانہ پر ایمان لانے کی دشواری سے ہم ناواقف ہیں بقول عوام "ہم تو سنی مسلمان ہیں" ہمیں اللہ جل جلالہ پر ایمان لانے کی دشواری کا کیا پتہ"؟ ہاں اس کا کچھ اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی ہم سے کہے کہ تم اللہ جل شانہ کو معبود بنانے کے بجائے کرشن یا گوتم بدھ کو اپنا خدا مان لو اور ہندو دھرم یا بدھ مت قبول کرلو، یا عیسیٰؑ کو خدا یا خدا کا بیٹا مان لو اور عیسائی ہو جاؤ تو اس وقت ہمارا جواب یہ ہوگا کہ اگر تم چاند سورج ہمارے ایک ہاتھ پر رکھ دو اور تمام دنیا کی دولت اور نعمتیں ہمارے دوسرے ہاتھ پر رکھ دو تب بھی یہ ممکن نہیں کہ ہم اللہ جل جلالہ کے سوا کسی اور کو معبود مان لیں اور اسلام کے علاوہ کسی بھی دوسرے مذہب کو قبول کریں بشرطیکہ ہمارا ایمان کامل ہو۔ یہ جواب کسی عالم دین ہی کا نہیں بلکہ ایک جاہل اور دینی تعلیمات سے ناآشنا مسلمان کا جواب بھی یہی ہے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے

روایت کرتے ہیں کہ ایمان کی لذت تین آدمیوں نے پائی جن میں سے

وَمَنْ كَانَ اَنْ يُّلْقٰى فِى النَّارِ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ اَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ
ایک وہ شخص ہے جس کے لئے آگ میں ڈالا جانا گوارا ہو بمقابلہ اس کے کہ کفر کی طرف لوٹے، اس کے بعد کہ جل جلالہٗ نے اس کو کفر سے نجات عطا فرمائی ہے۔ (صحیح مسلم)

اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر جل جلالہٗ پر ایمان لانا ہی کافی مشکل اور دشوار کام ہے، اسی کے ساتھ زندگی کے سب سے بڑے سرمایہ "جان و مال" کو جل جلالہٗ کی راہ میں قربان کرنا اور سر بکف کفن بردوش کافروں سے جنگ کرنے کے لئے جانا اور لڑنا اور بھی زیادہ دشوار اور مشکل کام ہے اس لئے جل جلالہٗ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا دوگونہ دشوار کام ہے اس لئے کہ انسان کی جان و مال سے محبت فطری اور خلقی ہے جل جلالہٗ کی راہ میں اس فطری محبت کو پس پشت ڈال کر عواقب و نتائج سے بے پروا ہو کر جنگ کی آگ میں کودنا بڑے دل جگرے کا کام ہے جل جلالہٗ ایسے ہی مومنوں کے متعلق فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (رکوع ۲- آیت ۳ سورۂ توبہ)
بلاشبہ جل جلالہٗ نے اہل ایمان سے اُن کے جان و مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔

جل جلالہٗ خریدار ہیں مومن دوکاندار ہے۔ جان و مال سودا ہے۔ جنت قیمت ہے۔ ہر اللہ پر ایمان لانے والا اپنا مال و جان جنت کے عوض جل جلالہٗ کے ہاتھ بیچ چکا ہے۔ اسی لئے مومن کامل جل جلالہٗ پر ایمان کے بعد بلا تردد و توقف جان و مال جل جلالہٗ کی راہ میں دینے اور جلد از جلد جنت حاصل کرنے کے شوق میں جب بھی موقعہ ملتا ہے میدان جنگ میں کود پڑتا ہے۔

بہرحال اول تو جل جلالہٗ پر ایمان لانا ہی دشوار کام ہے اور اسکے بعد جل جلالہٗ کی راہ میں جہاد کرنا، اس سے بھی زیادہ دشوار کام ہے اسی لئے سب سے زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہے اور سب سے زیادہ افضل عمل ہے۔ جو اعلیٰ درجہ کے ایمان والوں کو ہی نصیب ہوتا ہے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ کا دوسرا سوال ہے اَیُّ الرِّقَابِ اَفْضَلُ۔ کونسے غلام کو آزاد کرنا سب سے

زیادہ افضل ہے؟ نبی رحمت ﷺ فرماتے ہیں: اَنْفَسُهَا عِنْدَ اَهْلِهَا وَاَكْثَرُهَا ثَمَنًا ۔ جو غلام مالک کے نزدیک سب سے زیادہ نفیس ہو، اور سب سے زیادہ قیمت والا ہو۔

آقا کے نزدیک نفیس تر ہونے کا مدار حسنِ خدمت پر ہے۔ بعض غلام آقا کے ایسے مزاج شناس ہوتے ہیں کہ جس وقت جو خدمت آقا کو مطلوب ہوتی ہے آقا کے زبان سے کہے بغیر وہی خدمت انجام دیتے ہیں، آقا کے مزاج کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کرتے ایسے غلام کو آقا کسی بھی قیمت پر اپنے سے جدا کرنا گوارا نہیں کرتا۔ وہ آقا کی زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت بن جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ جب وہ گراں بہا اور بیش قیمت بھی ہو تو وہ آقا کے لئے ناگزیر اور ایک بیش بہا سرمایہ کی حیثیت حاصل کرلیتا ہے۔ ایسے غلام کو محض اللہ کی رضا کے لئے آزاد کردینا نقصان مایہ بھی ہے اور اپنی زندگی کی ایک ناگزیر ضرورت سے دستبردار ہونا بھی ہے۔ اسی لئے بیحد دشوار اور ناقابلِ برداشت کام ہے اور اسی بنا پر سب سے زیادہ اجر و ثواب کا موجب اور سب سے زیادہ افضل کام ہے جو ایک خدا پرست اور خدا دوست انسان ہی جس کا واحد مقصدِ حیات رضاءِ مولیٰ کو حاصل کرنا ہو کرسکتا ہے ہر کس و ناکس نہیں انجام دے سکتا۔ اللہ کا ارشاد ہے:۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ۔ (اے مسلمانوں) تم ہرگز نیکی حاصل نہیں کرسکتے جب تک کہ اپنے محبوب ترین مال میں سے اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو۔ اور جو چیز بھی تم خرچ کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے (اس پر مخفی نہیں رہ سکتی)

(سورۂ آل عمران آیت ۹۲)

ابوذر کے اس سوال کے جواب پر عمل کرنا بھی اعلیٰ درجہ کے خدا پرست اور خدا دوست مسلمانوں کا ہی کام ہے اس لئے ابوذر ایک عام مسلمان کو سامنے رکھ کر تیسرا سوال کرتے ہیں:

فَاِنْ لَمْ اَفْعَلْ؟ تو اگر میں (تہی دستی یا کم ہمتی کی وجہ سے یہ کام) نہ کروں؟

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

تُعِيْنُ صَانِعًا اَوْ تَصْنَعُ لِاَخْرَقَ ۔ تم کسی کاریگر کا ہاتھ بٹا کر اس کی مدد کرو یا کسی ناکارہ انسان کیلئے کام کرکے اس کی مدد کرو

اس جواب کے دو جزو ہیں (۱) کوئی شخص کاریگر یا پیشہ ور ہے وہ دن بھر میں اتنا کام نہیں کر پاتا کہ اسکے اور اسکے اہل و عیال کے روٹی، کپڑا، مکان سے متعلق ضروریاتِ زندگی پوری ہو سکیں دن بھر میں جتنا کام کرتا ہے اس کی اُجرت سے ایک وقت پیٹ بھرتا ہے تو دوسرے وقت فاقہ ہوتا ہے یا دونوں وقت روٹی تو مل جاتی ہے مگر تن ڈھانکنے کے لئے کپڑا خریدنے کے لئے کچھ نہیں بچتا۔ اس لئے وہ اور اس کے بچے پھٹے پُرانے کپڑوں میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں یا کپڑا بھی میسر آجاتا ہے مگر مکان کا کرایہ ادا کرنے کے لئے کچھ نہیں بچتا اس لئے سخت معاشی تنگی میں گرفتار ہے۔ دن بھر کے کام کی اُجرت سے جس ایک ضرورت کو پورا کرتا ہے باقی ضرورتیں رہ جاتی ہیں اس لئے امداد و اعانت کا محتاج ہے۔ ایسے ضرورت مند کی امداد اس طرح کی جائے کہ جو کام وہ کرتا ہے اس میں اس کا ہاتھ بٹائے تاکہ دن بھر میں اتنا کام وہ کر سکے اور اتنی اُجرت اس کو مل سکے کہ اپنی باقی ضروریات کو بھی پورا کر سکے، بہر حال جس صورت سے ہو سکے اس کی آمدنی میں اضافہ کر کے اس کی امداد کرے۔

(۲) دوسرا جزو ایک نکما آدمی ہے کوئی کام نہیں جانتا محنت مزدوری بھی نہیں کر سکتا اپاہج ہے یا اندھا ہے گونگا بہرا ہے اور ہے بال بچے دار تو ایسے شخص کی امداد و اعانت کی صورت یہ ہے کہ خود کوئی کام کرے اور اس کی آمدنی سے اس نکمے اور ناکارہ آدمی کی اور اس کے بال بچوں کی معاشی کفالت کرے تاکہ وہ دَر بدر بھیک مانگتے نہ پھریں۔

دونوں صورتوں کا مآل واحد ہے ضرورتمند محتاجوں، اپاہجوں کی معاشی مدد و اعانت کرنا یقیناً بیحد ثواب کا کام اور خدمتِ خلق ہے، حدیث شریف میں آیا ہے:۔

قَالَ رسُولُ اللّٰہ ﷺ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلخلقُ عِیالُ اللّٰہِ فَاَحبُّ الخلقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلیٰ عِیَالِہٖ

مخلوق اللہ جل شانہٗ کی عیال ہے (جن کی کفالت اس کے ذمہ ہے) لہٰذا اللہ کو سب سے زیادہ وہی شخص محبوب ہے جو اس کی عیال کے ساتھ احسان کرے۔

ابو ذر غفاری اس کے بعد سوال کرتے ہیں:

قلت: یارسول اللہ ارأیت ان ضَعُفتُ عن بعض العمل
میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ذرا بتلائیے اگر میں (اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے) ان دونوں میں سے کوئی کام بھی نہ کروں؟

نبیٔ رحمت ﷺ نے فرمایا:

تَکُفَّ شَرَّكَ عن الناس فَاِنّھا صَدَقۃ منك عَلٰی نفسكَ۔
تم لوگوں کو اپنے شر سے بچاؤ (یعنی کسی کو اذیت یا ضرر نہ پہنچاؤ) اسلئے کہ یہ تمہارا کارِ خیر (احسان) ہے اپنے حق میں،

ظاہر ہے کہ اگر تم نے کسی بھی شخص کو کسی بھی طرح کی اذیت یا کسی بھی قسم کا ضرر پہنچایا یا تو تم یقیناً گنہگار رہوگے لہٰذا تم نے لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھ کر خود کو گناہ سے بچایا اسی لئے یہ خود تمہارے حق میں کارِ خیر اور کارِ ثواب ہے جو تم نے کیا۔ یہی وہ کارِ خیر ہے جس میں نہ کوئی پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے نہ ہی کوئی کام کرنا پڑتا ہے نہ ہاتھ پاؤں ہلانے پڑتے ہیں کوئی مسلمان بھی کسی بھی حالت میں اس کارِ خیر سے محروم نہیں رہ سکتا۔

مگر یہ کارہائے خیر اسی صورت میں کارِ خیر اور ثواب کا کام ہیں جبکہ ﷺ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر عمل کرنے کی اور ثوابِ آخرت حاصل کرنے کی غرض سے کئے جائیں بالفاظ دیگر عبادت سمجھ کر اور عبادت کی نیت سے کرنا شرط ہے ورنہ تو بہت سے غیر مسلم بھی انسانی ہمدردی کے جذبہ سے یہ اور اسی قسم کے کام (جن کا ذکر آئندہ احادیث میں آرہا ہے) کرتے ہیں مگر نہ اُن کو کارِ خیر کہا جاسکتا ہے نہ ہی اجر و ثواب کا سوال پیدا ہوتا ہے اس لئے کہ وہ تو ثواب و عذاب کو جانتے اور مانتے ہی نہیں۔

بدن کے جوڑوں کا شکریہ اور نمازِ چاشت کی اہمیت (دوسری حدیث)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر صبح تم میں سے ہر شخص کے (بدن کے) ہر جوڑ پر ایک کارِ خیر (شکرِ نعمت) واجب ہوتا ہے چنانچہ ہر تسبیح ۔ سُبحَانَ اللہ کہنا ـــــ ایک کارِ خیر (اور ادائے شکرِ نعمت) ہے ہر تحمیدہ ۔ الحمد للہ کہنا ـــــ

ایک کارِ خیر (ادائے شکرِ نعمت) ہے ہر تَہْلِیْل۔ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہ کہنا۔ ایک کارِ خیر (ادائے شکرِ نعمت) ہے اور ہر تَکْبِیْر۔ اَللہُ اَکْبَر کہنا۔ ایک کارِ خیر (ادائے شکرِ نعمت) ہے اور کسی بھی (شرعًا) اچھے کام کے لئے کسی کو کہنا (کہ یہ کام کرو) ایک کارِ خیر (ادائے شکرِ نعمت) ہے اور ہر (شرعًا) برے کام سے کسی کو منع کرنا ایک کارِ خیر (ادائے شکرِ نعمت) ہے اور ان سب کاموں کے بجائے چاشت کی دو رکعتیں پڑھ لینا بھی کافی ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح

ظاہر ہے کہ سُبْحَانَ اللہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہُ اور اَللہُ اَکْبَر ان میں سے ہر کلمہ کو حضورِ قلب کے ساتھ کہنا اور اسی طرح محض جلّ جلالہ کے لئے کسی بھی شرعًا نیک کام کے لئے کسی کو کہنا اور کسی بھی برے کام سے کسی کو منع کرنا ان میں سے ہر ایک کام ایک مستقل کام اور ایک مستقل عبادت اور کارِ ثواب ہے۔

اور یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ انسانی بدن اور بدن کے جوڑ جن سے بدن حرکت کرتا ہے اور انسان مختلف و متنوع کام انجام دیتا ہے یہ سب جلّ شانہ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں۔ اگر یہ بدن اور بدن کے جوڑ نہ ہوتے تو انسان پتھر کی طرح ایک جگہ پڑا رہتا نہ حرکت کر سکتا نہ کوئی کام کاج کر سکتا۔ گویا یہ بدن، اعضاء اور ان کے جوڑ جلّ شانہ نے انسان کو اسی لئے دیئے ہیں کہ ان سے انسان دن بھر جلّ جلالہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق کام کاج کرے اور ایک لمحہ کے لئے بھی جلّ شانہ کے اس عظیم انعام و احسان سے غافل نہ ہو اور ان نعمتوں کا شکریہ یہ ہے کہ انسان مذکورۂ بالا کارہائے خیر اور ان کے علاوہ دوسرے کارہائے خیر جلّ جلالہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق انجام دیتا رہے اس کے برخلاف اگر اس بدن اور اس کے جوڑوں سے اللہ رسول کے احکام پر عمل کرنے کے بجائے اپنی اغراض و خواہشاتِ نفسانی کے تحت برے بھلے حرام و حلال جائز و ناجائز کام کرتا رہا تو یہ جلّ شانہ کی نعمتوں سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے اسی کا نام ناشکری اور کفرانِ نعمت

ہے جس کی سزا بہت سخت ہے جل جلالہٗ کا اعلان ہے ۔

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ ۔ (سورۂ ابراہیم آیت ۷) اور بخدا اگر تم نے (میری نعمتوں کا) شکر ادا کیا تو میں (تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ) تمہیں اور نعمتیں دوں گا اور بخدا اگر تم نے ناشکری کی تو بلاشبہ میرا عذاب بہت سخت ہے ۔ :

اس نعمت کی ناشکری کی ادنیٰ درجہ کی سزا یہ ہے کہ جل شانہٗ اس نعمت کو سلب کرلیں اور کسی ایسی بیماری میں مبتلا کردیں کہ ہلنا جلنا محال ہوجائے کسی حادثہ میں ہاتھ پاؤں بیکار ہوجائیں یہ تو دنیا کی سزا ہے اور آخرت کا عذاب اسکے علاوہ ہوگا جس سے جل شانہٗ ہر مسلمان کو بچائیں ۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس کے معنی یہ نہیں کہ انسان اپنی تمام طبعی و غیر طبعی اغراض و خواہشات سے کلی طور پر دست بردار ہوکر ہر وقت صرف اللہ ، اللہ ہی کرتا رہے اور انسان کے بجائے فرشتہ بن جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم اپنی ہر غرض اور ہر خواہش کو پورا کرو مگر شریعت کی مقرر کردہ حدوں کے اندر رہ کر ، اچھے سے اچھا کھاؤ پیو ، عیش کرو ، ہر طرح کے کام کاج کرو ، کاروبار کرو ، مگر جل شانہٗ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے تحت اور شرعی حدود کے اندر رہ کر کرو (جیسا کہ اسی باب کی چوتھی حدیث میں اس کی تصریح آتی ہے) غرض یہ ہے کہ سب کچھ کرو مگر جل جلالہٗ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے تحت رہ کر کرو اور ہر وقت یہ خیال رکھو کہ یہ بدن اور یہ ہاتھ پاؤں اور یہ عمل کی قوت ، سب جل شانہٗ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں اس سے ایک لمحہ کے لئے غافل نہ ہو ۔

جو مسلمان جل شانہٗ کی دی ہوئی ان نعمتوں ، لذتوں ، اور سامانِ راحت و آسائش سے انتفاع کو زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری کے منافی اور خدا پرستی کے خلاف سمجھ کر ٹھکراتے ہیں ان پر ذیل کی آیتِ کریمہ میں جل شانہٗ شدید عقاب اور ناراضگی کا اظہار فرماتے ہیں : ۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰہُ لَکُمْ اے ایمان لانے والو ! جو عمدہ (اور لذیذ) چیزیں جل جلالہٗ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو (اپنے اوپر) حرام مت کرو اور

وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ؕ وَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ (سورۃ المائدۃ آیت ۸۷-۸۸) اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کرکے) حد سے تجاوز نہ کرو (بندہ ہو کر خدا بننے کی کوشش نہ کرو)۔ بلاشبہ اللہ حد سے تجاوز کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا اور جو حلال طیب چیزیں اللہ نے تم کو دی ہیں وہ کھاؤ (پیو) اور اس اللہ سے (ہر وقت) ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو۔

یہ آیت کریمہ ان صحابہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جنہوں نے عہد کیا تھا کہ ہمیشہ دن کو روزے رکھا کریں گے اور راتیں مصلے پر گذارا کریں گے بیویوں کے پاس تک نہ جائیں گے، خوشبو کو ہاتھ نہ لگائیں گے، گوشت بالکل نہیں کھائیں گے بستر پر ہرگز نہیں سوئیں گے (اور اس ترک لذت و آسائش کے ذریعہ نفس کشی کرینگے) چنانچہ اس وعید کے نازل ہوتے ہی ان صحابہ نے اپنے عہد توڑے اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے لطف اندوز ہو کر ہی ان کا شکر ادا کیا۔

پیغمبر اسلام ﷺ اسی پُرفریب پرہیزگاری کے متعلق فرماتے ہیں :۔

لَا رَهْبَانِیَّةَ فِی الْاِسْلَامِ اسلام رہبانیت (ترک دُنیا) کی تعلیم نہیں دیتا۔

یہ رہبانیت تو عیسائیت کا شعار اور ناکام تجربہ ہے یا ہندو دھرم کا پُرفریب جال ہے۔ یہ تارک الدنیا راہب اور نفس کشی کرنے والے سادھو درون خانہ اعلیٰ درجہ کے دُنیا دار اور حرام خور ہوتے ہیں جیسا کہ تاریخی واقعات سے ثابت ہے۔

نماز چاشت اور اس کی اہمیت و فضیلت

ابوذر کی اس حدیث سے نماز چاشت کی عظیم فضیلت بھی ثابت ہوئی کہ دن بھر کے حدیث میں مذکور کار ہائے خیر کی جگہ صرف چاشت کی نماز کافی ہو جاتی ہے۔ سورج چڑھ آنے کے بعد دو یا چار رکعتیں نماز اشراق کہلاتی ہیں اور دوپہر سے پہلے تقریباً دس گیارہ بجے چار یا آٹھ رکعتیں نماز ضحیٰ (دن چڑھے کی نماز) کہلاتی ہیں۔ چاشت کی نماز کی کم سے کم دو رکعتیں ورنہ چار رکعتیں ہیں اور نماز ضحیٰ (دن چڑھے کی نماز) کی چار یا آٹھ رکعتیں ہیں۔ علاوہ ابوذر کی روایت کے نماز چاشت کی فضیلت سے متعلق ایک اور حدیث قدسی بھی آئی ہے جو یہ ہے :

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن اللہ تبارک وتعالیٰ انہ قال: یا ابن آدم ارکع لی اربع رکعات اول النھار اکفک اٰخرہ۔	حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اے آدم کی اولاد تو دن کے اول حصہ میں میرے لئے چار رکعتیں پڑھ لے تو میں دن کے آخر تک تیرے لئے کفایت کروں گا (تیرے سارے کام بنا دوں گا)
(رواہ الترمذی)	(ترمذی)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اُمت کے اچھے بُرے اعمال پیش کئے گئے حدیث ۳/۱۲۲

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کے اچھے اور بُرے دونوں طرح کے اعمال میرے سامنے پیش کئے گئے تو میں نے ان کے اچھے اعمال میں اُس تکلیف دِہ چیز تک کو بھی پایا جسے عام راستہ سے ہٹا دیا جائے اور اُن کے بُرے اعمال میں مسجد میں اُس (ناک کی) ریزش تک کو پایا جسے دفن نہ کیا گیا ہو۔ (مسلم)

تشریح

اللہ جل شانہ نے انسان کو اچھے اور بُرے ہر قسم کے کاموں کے کرنے کی قدرت عطا فرمائی ہے اور اچھے اور بُرے کاموں میں تمیز کرنے اور فرق کرنے کے لئے عقل بھی عطا فرمائی ہے مگر بسا اوقات خواہ اپنی کم فہمی، یا کج فہمی کی بنا پر خواہ بیرونی گمراہ کرنے والے شیاطین جن وانس کے دھوکے اور فریب کی وجہ سے یا مکار نفس کی مکاری وفریب کاری کی وجہ سے عقل اچھے اور بُرے کاموں میں فرق وامتیاز کرنے میں ناکام رہتی ہے اور بہت سے اچھے کاموں کو بُرا اور بہت سے بُرے کاموں کو اچھا سمجھ لیتی ہے اس لئے اللہ جل شانہ نے بتقاضاء رحمت وربوبیت انسانوں کی صحیح رہنمائی کے لئے ہر زمانہ میں نبیوں اور رسولوں کو بھیجا اور آسمانی وحی ان پر نازل فرمائی کہ وہ وحی الٰہی کی روشنی میں انسانوں کی صحیح رہنمائی کریں آخری زمانہ میں پیغمبر آخر الزماں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک دنیا کے انسانوں کی رہنمائی

کے لئے بھیجا اور کتابِ الٰہی ۔ قرآن کریم ۔ آپ پر نازل فرمائی اور رُوحانی مکاشفات سے آپ کو نوازا تاکہ رسولِ آخرالزمان ﷺ اپنی زندگی میں خود اور اپنی رحلت کے بعد کتاب و سنت اور مکاشفات کے ذریعہ قیامت تک کے لئے رہنمائی کا نظام قائم کریں اور اپنی اُمت کے ذمہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو لازم قرار دے کر اس محکم نظام کو جاری فرمائیں ۔

اسی کے ساتھ چونکہ آپ آخری نبی ہیں، آپ کے بعد قیامت تک کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔ اس لئے آپ کو بطور کشف پہلے سے یہ بھی بتلا دیا کہ یہ اُن چھوٹے بڑے اچھے کاموں کی فہرست ہے جو آپ کی امت کرے گی اور یہ ان چھوٹے بڑے بُرے کاموں کی فہرست ہے جو آپ کی اُمت کریگی نبی رحمت ﷺ نے ازراہِ شفقت و رحمت اپنی اُمت کو ہر بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے اچھے اور بُرے کام سے آگاہ کر دیا تاکہ اچھے کام کرتے وقت چھوٹے سے چھوٹے اچھے کام کو بھی یہ خیال کر کے نہ چھوڑیں کہ یہ بھی کوئی اچھا کام ہے ؟ اسی طرح بُرے کاموں سے اجتناب اور پرہیز کرتے وقت کسی چھوٹے سے چھوٹے بُرے کام کو بھی یہ سمجھ کر نہ کر بیٹھیں کہ اس کام کے کرنے میں کیا حرج ہے ؛ یہ بھی کوئی بُرا کام ہے؛ اس حدیث میں نبی رحمت ﷺ اپنی اُمت کو چھوٹے سے چھوٹے اچھے اور بُرے کاموں سے آگاہ فرماتے ہیں جب کہ دُوسری حدیثوں میں جو اسی باب میں آئی ہیں بڑے سے بڑے اچھے اور بُرے کاموں سے آگاہ فرمایا ہے کہ یہی مقصد ہے ﷺ کے "محاسن اعمال" اور "مساوی اعمال" کے آپ پر کشف فرمانے کا۔

ظاہر ہے کہ انسان عام راستہ اور گذرگاہ سے کسی بھی ایذا رسان اور تکلیف دہ چیز ہٹا دینے کو کوئی اہم کارِ خیر اور کارِ ثواب نہیں سمجھتا حالانکہ بہترین خدمت خلق ہے اور راستہ چلنے والوں کی دُعائے خیر کا موجب ہے اور مسجد میں چھینک آنے پر ناک کی ریزش (رینٹھ) یا کھانسی اُٹھنے پر منہ سے بلغم، ناک یا منہ سے نکلنے اور گر جانے کو بُرا کام نہیں سمجھتا۔ حالانکہ مسجد کو گندا کر دینے کے لحاظ سے نمازیوں کے لئے بیحد تکلیف دہ اور انسانوں کی گالیوں اور فرشتوں کی بد دعاؤں کا موجب ہے۔ اس کم فہمی یا کوتاہ فہمی پر متنبہ فرمانے کے لئے نبی رحمت ﷺ نے اس حدیث میں ان دونوں درجہ کے اچھے اور بُرے کاموں کا ذکر فرمایا ہے اور اسی غرض سے امام نووی علیہ الرحمۃ نے ابوذر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو

اس باب کے ذیل میں ذکر فرمایا ہے جیسا کہ انہی ابوذر کی تقریباً بارہ حدیثیں اسی کثرت کارہائے خیر کے ذیل میں نقل کی ہیں جن میں بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے کارِ خیر سے آگاہ کیا ہے، کاش کر مسلمان ان میں سے کوئی کارِ خیر تو اختیار کریں ؟ کرتے ہیں مگر عبادت سمجھ کر اور ثواب کی نیت سے نہیں کرتے اور ثواب سے محروم رہتے ہیں ۔

موجودہ زمانہ

ہماری حالت تو یہ ہے کہ ہم دنیا کے دھندوں اور نفسانی اغراض و خواہشات کے پھندوں میں اس بری طرح گرفتار اور جکڑے ہوئے ہیں کہ کسی بھی معمولی سے معمولی کارِ خیر کرنے کا ہمیں خیال ہی نہیں آتا جل جلالہ ہماری حالت پر رحم فرمائیں اور آخرت کی فکر کی یعنی ان احادیث سے فائدہ اٹھانے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں ۔ اٰمِیْن یَارَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی غفلت اور بے حسی کو دور کرنے کی غرض سے مندرجہ ذیل دعا مانگنے کی ہدایت فرمائی ہے :۔

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا اَکْبَرَ ھَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا غَایَۃَ رَغْبَتِنَا

اے اللہ! تو دنیا کو ہمارا سب سے بڑا مقصد اور منتہائے علم اور ہماری آخری رغبت (مرغوب چیز) نہ بنائیو ۔

اس دعا کی روشنی میں ہماری حالت

آج ہماری حالت یہی ہے کہ ہمارا سب سے بڑا مقصد دنیا ہے آخرت کا بھول کر بھی خیال نہیں آتا تحصیل علم کی منتہا بھی دنیا ہے یعنی ہم جو بھی علم حاصل کرتے ہیں اگرچہ دینی علم ہی ہو اس کا مقصد صرف دنیوی اغراض ہیں اور بس، آگے ہمیں کچھ نہیں چاہیئے ۔ دنیاوی کامرانیاں ہی ہمیں مرغوب و مطلوب ہیں اور بس" وائے برما و برحالِ ما" (افسوس ہم پر اور ہمارے حال پر)

آپ بھی اس دعا کو یاد کر لیجئے اور دل کی گہرائیوں سے جل جلالہ سے یہ دعا مانگا کیجئے یاد رکھیئے جل جلالہ خلوصِ قلب سے مانگی ہوئی دعاؤں کو ضرور قبول فرماتے ہیں وباللہ التوفیق ۔

باقی مسجد میں چھینک آنے پر ریزش کا ناک سے نکلنا یا کھانسی آنے پر منہ سے بلغم نکلنا

غیر اختیاری چیز ہے اس لئے اس برے کام کا کفارہ بھی بتادیا۔

عن انس قال قال رسول الله ﷺ البزاق فی المسجد خطیئۃ وکفارتھا دفنھا۔ (متفق علیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسجد میں تھوک خطا ہے اور اس کو دفن کر دینا اس خطا کا کفارہ ہے۔ (بخاری، مسلم)

اگر مسجد کی زمین کچھ نرم ہو تو ذرا مٹی کرید کر اسکو دفن کر دینا چاہیئے۔ اگر فرش پختہ ہو تو اپنے رومال، چادر یا کرتے کے کنارہ بدلے کر اس کو مسل دینا چاہیئے یا کسی بھی اور طریقہ سے اس کا ازالہ کر دینا چاہیئے۔ تاکہ مسجد پاک وصاف رہے۔ اسی لئے حضرت ابوذر کی حدیث میں لاتدفن (جو دفن نہ کی گئی ہو) کی قید ہے اگر کسی بھی طرح ازالہ کر دیا تو برائی ختم ہو گئی۔ ناک کی ریزش، تھوک اور بلغم سب کا ایک حکم ہے۔

دولتمندوں کے مقابلہ میں غریبوں اور مفلسوں کیلئے صدقہ اور ثواب میں سہولتیں

چوتھی حدیث (۴/۱۲۴)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ (ایک مرتبہ) کچھ لوگوں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مال دار لوگ سب اجر و ثواب لیگئے (اور ہم منہ تکتے رہ گئے دیکھیئے) وہ نمازیں پڑھتے ہیں جیسے ہم پڑھتے ہیں۔ وہ روزے رکھتے ہیں جیسے ہم روزے رکھتے ہیں (مگر) وہ اپنے فاضل اموال (دل کھول کر) صدقہ کرتے ہیں (ہم فقر و افلاس کی وجہ سے صدقہ نہیں کرسکتے (اس لئے وہ اجر و ثواب میں ہم سے بڑھ گئے ہم ان سے پیچھے رہ گئے) آپ نے فرمایا۔ کیا اللہ نے تمہارے لئے صدقہ کرنے اور اجر و ثواب حاصل کرنے کے کام نہیں تجویز کئے (جو بغیر مال و دولت تم کرسکتے ہو دیکھو) ہر کلمہ تسبیح (سبحان اللہ کہنا) ایک صدقہ (کار ثواب) ہے۔ اور ہر کلمہ تکبیر (اللہ اکبر کہنا) ایک صدقہ (کار خیر) ہے۔ ہر کلمہ تحمید (الحمد للہ کہنا) ایک صدقہ (کار خیر) ہے ہر کلمہ تہلیل (لا الہ الا اللہ) کہنا ایک صدقہ (کار ثواب) ہے۔

کسی کو بھلے کام کو کہنا ایک صدقہ (کارِ خیر) ہے۔ ہر برے کام سے کسی کو منع کرنا ایک صدقہ (کارِ ثواب) ہے اور تم میں سے ہر شخص کی شرمگاہ (کے معاملہ میں بھی) ایک صدقہ (کارِ خیر) ہے۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک شخص اپنی (خواہش نفس) کو پورا کرتا ہے اور اس میں بھی اُسے اجر و ثواب ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم مجھے بتلاؤ اگر وہ اپنی اسی خواہش کو حرام محل میں (اجنبی عورت سے) پورا کرتا تو کیا اس پر گناہ نہ ہوتا؟ (ضرور ہوتا) تو اسی طرح جب اس نے اپنی اسی خواہش کو حلال محل میں (بیوی سے) پورا کیا تو اس پر اُسے اجر نہ ملیگا (ضرور ملیگا)، (کیونکہ اس نے ایک حلال کام کرکے خود کو حرام کام اور اسکے گناہ سے بچا لیا کتنا بڑا کارِ ثواب ہے) (صحیح مسلم)

تشریح

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کارہائے خیر اور اجر و ثواب کے کام اللہ کی راہ میں مال و دولت خرچ کرنے میں منحصر نہیں ہیں کہ تہیدست و نادار لوگ مالداروں کے مقابلہ میں خود کو کمتر محسوس کریں بلکہ بہتسے کام ایسے ہیں کہ انسان اگر چاہے تو بغیر پیسہ خرچ کئے کر سکتا ہے۔ صرف "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" خلوص قلب اور رضاء الٰہی کی نیت سے کہے تو یہی چار کلمات جنت میں سرسبز و شاداب باغات لگانے کے لئے کافی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے:

عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَقِيْتُ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ اَقْرِئْ اُمَّتَكَ مِنِّي السَّلَامَ وَاَخْبِرْهُمْ اَنَّ الْجَنَّةَ طَيِّبَةُ التُّرْبَةِ عَذْبَةُ الْمَاءِ وَاَنَّهَا قِيْعَانٌ	حضرت ابنِ مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شب معراج میں (ساتویں آسمان پر) حضرت ابراہیم علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا: اے محمد! اپنی اُمت کو میرا سلام اور یہ پیغام پہنچا دو کہ جنت کی زمین نہایت عمدہ (اور زرخیز) ہے پانی بھی میٹھا ہے (مگر ابھی) وہ خالی پڑی ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

وَاَنَّ غِرَاسَهَا سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ (ترمذی)

وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اس کے پودے ہیں (جس قدر ممکن ہوسکے زیادہ سے زیادہ سرسبز و شاداب باغات لگالو)۔

اسی طرح کسی بھی شخص کو خوش اسلوبی سے شرعاً بھلی بات بتلانا اور شرعاً بری بات سے منع کرنا بھی کوئی دشوار کام نہیں نہ ہی اس میں روپیہ پیسہ خرچ ہوتا ہے بشرطیکہ نیک نیتی اخلاص اور خوش اسلوبی سے انجام دیا جائے تو بہت بڑے اجر و ثواب کا موجب ہے بلکہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو اللہ جل شانہٗ کے ارشاد کے مطابق :

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (سورہ آل عمران آیت ۱۱۰)

تم (اے امت محمد ﷺ) بہترین امت ہو تمہیں لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے پیدا کیا گیا ہے تم بھلی بات کا حکم کرتے ہو بری بات سے منع کرتے ہو۔

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا طغریٰ امتیاز ہے۔

اسی طرح ایک مسلمان اپنی طبعی حاجات کھانے پینے آرام کرنے بیوی بچوں سے بات چیت کرنے میں مصروف ہو یا نہایہ کہ اگر بیوی سے اختلاط، بوس و کنار اور جماع میں بھی مشغول ہو، تب بھی کارہائے خیر اور ثواب کی راہیں اس کے لئے کھلی ہیں صرف ارادہ کی ضرورت ہے کھانے پینے اور آرام کرنے کے وقت یہ نیت ہو کہ ان حاجات کو پورا کرنا خدا کا حکم ہے، میں اسی کی تعمیل کر رہا ہوں اس لئے کہ کھائے پیئے آرام کئے بغیر اللہ جل شانہٗ کی عبادت وطاعت نہیں کرسکتا جماع کرتے وقت نیت یہ ہو کہ حلال بیوی اللہ جل شانہٗ نے دی ہے اس سے اپنی حاجت پوری کر رہا ہوں۔ تاکہ حرام کاری سے بچوں نیز یہ تمام نعمتیں اللہ جل شانہٗ نے دی ہیں ان کا شکریہی ہے کہ ان سے فائدہ اٹھاؤں اور اللہ جل شانہٗ کا شکر ادا کروں اور کفرانِ نعمت کے گناہ اور عذاب سے بچوں اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے :-

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۔

اور بخدا اگر تم شکر کروگے تو اور زیادہ دوں گا اور بخدا اگر تم نے ناشکری کی تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔

اسی طرح ایک مسلمان اپنے گھر جا کر اہل و عیال کے درمیان بیٹھتا اٹھتا، کھاتا پیتا، بات چیت

کرتا، سوتا جاگتا ہے اور نیت اس کی یہ ہوتی ہے کہ یہ میرے اہل و عیال ہیں ان کے اعمال و اخلاق کی نگرانی میرا فرض ہے، غیر شرعی اعمال و اخلاق سے بحسن تدبیر ان کو روکوں یا منع کروں اور شرعی اعمال و افعال اور اسلامی آداب و اخلاق کی غیر محسوس طریق پر ان کو تعلیم دوں، اسلامی تہذیب و معاشرت سے ان کو روشناس کروں، مثلاً گھر کے تمام رہنے والے عورتیں، بچے، جوان، بوڑھے ایک دسترخوان پر کھانا کھائیں اور خود بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ذرا بلند آواز سے کہہ کر کھانا شروع کرے جو بچے کم عمر ہیں ان کو پیار محبت سے سمجھائے کہ بِسْمِ اللّٰہ پڑھ کر کھانا شروع کرتے ہیں تو جن سمجھدار مردوں، عورتوں نے ناواقفیت یا بے پروائی کی بنا پر بِسْمِ اللّٰہ نہیں پڑھی ہوگی وہ تو اپنی غلطی یا کوتاہی خود ہی محسوس کر کے بِسْمِ اللّٰہ پڑھ لیں گے اور دوسرے وقت جب دسترخوان پر بیٹھیں گے تو کھانا شروع کرنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہ پڑھنا نہ بھولیں گے اور اسی طرح روزانہ بار بار کی یاد دہانی اور فہمائش سے تمام گھر والے اس سنت پر عمل کرنے لگیں گے اور کھانا شروع کرنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰہ پڑھنے کی سب کو عادت پڑ جائے گی۔ دیکھئے ایک سنت کو زندہ کرنا کتنا بڑا کار خیر ہے اور کتنے بڑے ثواب کا کام ہے۔ لیکن یہ کام اسی صورت میں ہو سکا جب اسی نیت اور اسی ذمہ داری کے فرض کو ادا کرنے کے ارادہ سے اہلِ خانہ کے ساتھ بیٹھ کر دونوں وقت روزانہ کھانا کھایا۔ یہ تو ایک چھوٹی سی مثال ہے، اسی طرح اور اسی نیت سے اگر اہلِ خانہ کے درون خانہ تمام اعمال و افعال اور آداب و اخلاق کی نگرانی اور اصلاح کی جائے تو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي اَهْلِهٖ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ	تم میں سے ہر شخص نگران ہے اور قیامت کے دن تم میں سے ہر شخص سے اسکے زیر نگرانی لوگوں کے بارے میں باز پرس ہوگی اور ہر مرد اپنے اہل و عیال کا نگران ہے۔ اس سے اس کی رعایا اہل خانہ کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

کے مطابق آخرت کی مسئولیت سے بچ جائے گا ورنہ ﷻ کے فرمان:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (سورۃ التحریم آیت ۶)	بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو بھی جہنم کی آگ سے۔

کے مطابق اہل و عیال کے گناہوں اور نافرمانیوں کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا۔

اس تفصیل کے مطابق ہر مسلمان کے لئے اپنے گھر میں بھی بے شمار کارہائے خیر اور ثواب کے کام موجود ہیں بشرطیکہ وہ خدا اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت اور آخرت کے ثواب کی نیت اور غرض سے ان کاموں کو انجام دے ورنہ تو ہر شخص خصوصاً مہذب اور تعلیم یافتہ طبقہ کے سب ہی لوگ اپنے اہل و عیال کو ادب تمیز سکھلانے اور آداب و اخلاق سے آراستہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اس غرض اور نیت سے کہ سوسائٹی میں ان کو عزت کی نظر سے دیکھا جائے اور ان کی تعریف کی جائے، نہ کہ ارشاد رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری اور آخرت کی مسئولیت سے بچنے کی غرض سے ۔ چنانچہ ان کو وہی آداب و اخلاق سکھلاتے ہیں جو سوسائٹی میں مقبول اور پسندیدہ سمجھے جاتے ہیں. دیکھئے آج کل ہاتھوں میں پلیٹیں اور چمچے لے کر کھڑے کھڑے چلتے پھرتے کھانا کھانا اور پانی پینا عین تہذیب سمجھا جاتا ہے اور گھروں میں اسی کی تعلیم و تربیت دی جاتی ہے ۔ حالانکہ یہ اسلامی تہذیب اور رسول ﷺ کی سنت کے بالکل خلاف گداگرانہ اور بہیمانہ فعل ہے مگر اس طبقہ کا مقصد تو صرف سوسائٹی میں سرخروئی حاصل کرنا ہے ان کو خدا رسول ؐ اور آخرت کے ثواب و عذاب سے کیا واسطہ ، بھول کر بھی کبھی خدا رسول ؐ کا خیال نہیں آتا ۔ یاد رکھئے ! اسلامی معاشرہ اور خدا پرستی کا ماحول سٹیج کی تقریروں اور منبروں کی وعظوں سے کبھی قائم نہیں ہو سکتا. بہت سے نیک دل مسلمان جس وقت ان تقریروں اور وعظوں کو سنتے ہیں اسوقت صدق دل سے ان پر عمل کرنے کا ارادہ بھی کرتے ہیں مگر جونہی ان وعظوں اور تقریروں کی مجلس سے اُٹھتے اور اپنے گھر آتے ہیں یا کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں تو وہی غیر اسلامی کام کرتے ہیں جن کی بچپن سے عادت پڑی ہوتی ہے ۔ یاد رکھئے علم نفسیات کے مطابق عادت سب سے "قوی موثر اور عامل" ہے ۔

اس لئے جب تک ہر مسلمان گھرانے کا بڑا سربراہ مذکورہ حدیث کے مطابق اپنی ذمہ داری کو محسوس نہ کرے گا کہ ان اہلِ خانہ عورتوں، مردوں، بچوں اور بوڑھوں کی دینی اصلاح اور اسلامی تربیت میرا فرض ہے اور میں ہی قیامت کے دن جواب دہ ہوں اور عملی طور پر ان کے نشست برخاست ، خورد و نوش ، گفت و خواب کی عادتوں کو اسلامی آداب و اخلاق اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے سانچے

میں نڈھالا جائے گا: اس وقت تک گھر کا ماحول دینی اور اسلامی نہیں ہو سکتا اور جب تک اس فرض کو اہم ترین ذمہ داری اور آخرت کے مواخذہ سے بچنے کا واحد ذریعہ سمجھ کر نہ ادا کیا جائے گا اسوقت تک کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ اسی طرح جب ہر گھر اور خاندان کا بڑا اور سربراہ اسی طریق کار پر عمل کریگا تو پوری بستی کا معاشرہ اسلامی اور ماحول دینی ہو سکتا ہے اور جب ہر بستی اور ہر شہر کے مسلمان اسی طرح اپنے اپنے گھرانوں اور بستیوں میں اسی نہج پر کام کرینگے تو پورے ملک کا معاشرہ اسلامی اور خدا پرستی کے ماحول سے تبدیل ہو سکتا ہے۔ یہی واحد تدبیر ہے اسلامی معاشرہ قائم کرنے کی۔

ایک شبہ کا ازالہ

لیکن قرآن کریم کی سابقہ آیت کریمہ اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث کے پیش نظر ہر مسلمان پر بجائے خود اپنی اہل وعیال کی اصلاح و تربیت اپنا فرض ہے اور وہی قیامت کے دن مسئول اور جواب دہ ہے خواہ دوسرے لوگ اس پر عمل کریں یا نہ کریں لہٰذا کسی بھی مسلمان کا یہ کہنا: کہ دوسرے مسلمان تو اپنے گھرانوں کی اصلاح اور تربیت کرتے نہیں میرے اکیلے کے گھر کا ماحول اگر دینی اور معاشرہ اسلامی ہو بھی گیا تو اس سے کیا بنتا ہے؛ یہ عذر اسکو قیامت کے دن مواخذہ اور پکڑ سے نہیں بچا سکتا۔

غرض اس چوتھی حدیث کا حاصل یہ ہے کہ دروں خانہ بھی اور بیرون خانہ بھی اتنے زیادہ اور بے شمار کارہائے خیر ہیں کہ انسان کی زندگی کا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں جس میں کوئی ثواب کا کام کرنے کے لئے نہ ہو، کرنے والا ہونا چاہیئے۔ اور کرنے والا وہی شخص ہو سکتا ہے جس کو آخرت کی فکر ہو پھر ساری زندگی اجر و ثواب کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ لہٰذا کسی بھی مسلمان کو کسی بھی حالت میں یہ خیال ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ میں اس حالت میں کوئی کار ثواب نہیں کر سکتا۔ فقر و افلاس ہو، دکھ بیماری ہو ہر حالت میں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ أَکْبَرُ تو کہہ سکتا ہے زبان سے کہنے میں دشواری ہو تو دل میں تو کہہ سکتا ہے۔ طلب صادق اور لگن ہونی چاہیئے پھر کوئی چیز مانع نہیں ہو سکتی اللہ جل جلالہ ہمیں سب کو — کتاب لکھنے والے کو بھی اور پڑھنے والوں کو بھی، اور شائع کرنے والوں کو بھی — یہ لگن عطا فرمائیں تاکہ ہماری زندگی کا ایک ایک لمحہ کارہائے خیر میں صرف ہو اور ہم ہمہ وقت

ثواب کے کاموں میں مشغول رہیں۔

کسی بھی نیک کام کو حقیر نہ سمجھئے ہر مسلمان کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملئے | پانچویں حدیث (۱۲۵)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مجھ سے فرمایا، (اے ابوذر) تم بھلائی کے کاموں میں سے کسی بھی کام کو حقیر (اور معمولی) ہرگز نہ سمجھنا اگرچہ اپنے (دینی بھائی) سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا ہی (کیوں نہ) ہو۔ (صحیح مسلم)

تشریح

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ حضرت ابوذر کو خاص طور پر خطاب کر کے متنبہ فرماتے ہیں کہ کبھی کسی بھی بھلے کام کو "معمولی" اور حقیر سمجھ کر ہرگز نہ ترک کرنا یہ نفس کا فریب اور دھوکا ہے وہ تم کو کارِ خیر کے ثواب سے محروم کرنا چاہتا ہے چنانچہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے خوش روئی اور خندہ پیشانی سے ملنا اور ملاقات کرنا بھی کارِ ثواب ہے اگرچہ بظاہر اس میں نہ اس کی کوئی مالی امداد و اعانت ہوتی ہے، نہ ہاتھ پاؤں کی کوئی مدد، مگر یہ طرز ملاقات اپنے دوررس نتائج کے اعتبار سے بیحد اہم کارِ خیر ہے اس لئے کہ اس طرح ملنے اور ملاقات کرنے سے مسلمانوں میں باہمی اخوت اور بھائی بندی کا رشتہ استوار اور مضبوط ہوتا ہے اور ضرورت کے وقت ایک دوسرے کی امداد و اعانت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے باہمی میل جول بڑھتا ہے اور ضرورت کے وقت بغیر کسی جھجک کے ایک دوسرے سے مدد لی اور جائز دنیوی کام لئے جا سکتے ہیں جو بغیر باہمی تعاون کے نہیں ہو سکتے۔

انسانی زندگی میں یہ باہمی امداد و تعاون اس قدر ضروری اور ناگزیر چیز ہے کہ دنیا کے ہر ملک اور قوم میں — خواہ خدا پرست ہوں یا خدا ناشناس حتیٰ کہ خالص کمیونسٹ ملکوں اور قوموں میں بھی امداد باہمی کی بڑی بڑی انجمنیں اور ادارے موجود ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ صرف دنیوی کاموں میں خواہ وہ کام جائز ہوں خواہ ناجائز امداد باہمی کے منصوبے اور پروگرام بناتے ہیں، خدا پرستی دینداری اور آخرت کے یا وہ سرے سے منکر ہیں یا غافل ہیں، اس لئے دینی کاموں کا ان کے ہاں سوال ہی نہیں لیکن خدا پرست اور دیندار لوگ خدا کی عبادت و طاعت اور آخرت میں کام آنے والے کاموں کو دنیوی

اغراض و مقاصد پر مقدم رکھتے ہیں اور مرنے کے بعد ایک ابدی اور لافانی زندگی پر یقین و ایمان رکھتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک دینی کاموں میں باہمی امداد اور تعاون دنیوی کاموں کی بہ نسبت زیادہ ضروری ہے اور دنیاوی کاموں میں امداد و تعاون صرف شرعاً جائز کاموں تک محدود رکھتے ہیں اور گناہ و نافرمانی میں باہمی امداد کو حرام اور ممنوع سمجھتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے :۔

تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (المائدہ)

نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ و ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو اور اللہ سے (ہر حالت میں) ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

بہرحال یہ شرعی تعاون اور امداد باہمی مسلمانوں کے لئے بھی ناگزیر ہے اور اس کی راہ خندہ روئی اور خوش خوئی سے ہی ہموار ہوتی ہے اس لئے اس حدیث میں کشادہ پیشانی اور خندہ روئی کے ساتھ ایک دوسرے سے ملنے کو بھی نیک کام اور کار ثواب قرار دیا ہے اور معمولی بات سمجھ کر اسکو ترک کرنے سے منع فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر والی ابو ذرؓ کی حدیث میں امر بالمعروف کو ایک کار ثواب بتلایا ہے اس لحاظ سے اس پانچویں حدیث میں ابو ذر کو ہی خطاب کر کے تنبیہ فرمائی کہ تم کسی بھی کار خیر کو حقیر اور معمولی مت سمجھنا اگرچہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی ہو اس لحاظ سے یہ پانچویں حدیث چوتھی حدیث کا نتیجہ ہے اور امر بالمعروف ہی سے متعلق ہے۔

بدن کے تین سو ساٹھ جوڑوں کا شکرانہ — چھٹی حدیث (٦/١٢٦)

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگوں کے (بدن کے) جوڑوں میں سے ہر جوڑ پر ایک صدقہ (کار خیر بطور شکرانہ) واجب ہے۔ (١) دو شخصوں کے درمیان تم انصاف کر دو یہ ایک کار خیر ہے۔ (٢) کسی شخص کی سواری (پر سوار ہونے) میں مدد کرنا اس کو (سہارا دے کر) اس پر سوار کر دینا یا اس کا سامان اٹھا کر سواری پر اس کو دے دینا ایک کار ثواب ہے۔

(۳) اچھی بات (کسی کو بتا دینا) ایک کارِ ثواب ہے۔ (۴) ہر قدم جو نماز کے لئے (مسجد) جانے میں اُٹھاؤ یہ ایک کارِ ثواب ہے۔ (۵) راستہ (گذرگاہ) سے ایذارساں چیز کو ہٹا دینا ایک کارِ ثواب ہے۔ (بخاری اور مسلم)

امام مسلم نے بھی یہ حدیث (ذرا تفصیل کے ساتھ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی وہ کہتی ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اولادِ آدم میں سے ہر انسان کے (بدن میں) تین سو ساٹھ جوڑ پیدا کیے گئے ہیں، پس (ان جوڑوں کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے) جس شخص نے اَللّٰہُ اَکْبَر کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا سُبْحَانَ اللّٰہ کہا اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ کہا اور لوگوں کے راستے (گذرگاہ) سے پتھر ہٹا دیا یا کانٹا یا ہڈی لوگوں کے راستہ سے ہٹا دی یا (کسی کو) بھلے کام کے لئے کہا یا بُرے کام سے منع کیا (اسی طرح) تین سو ساٹھ جوڑوں (کے ادا شکر کے لئے) تین سو ساٹھ کام کر لئے تو اس شخص نے اس دن شام ہونے تک اپنے آپ کو (جہنم کی) آگ سے دُور (اور محفوظ) کر لیا۔

تشریح

اس سے قبل حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث میں بھی انسان کے بدن کے جوڑوں پر اللہ جل شانہٗ کا عظیم انعام و احسان ہونا اور اس انعام و احسان کے شکریہ میں کارہائے خیر انجام دے کر شکریہ ادا کرنے کا بیان آچکا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیثوں میں بھی اسی ادا شکر کا بیان ہے لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ان جوڑوں کی تعداد تین سو ساٹھ بتلائی ہے اور صبح سے شام تک روزانہ تین سو ساٹھ کارہائے خیر انجام دے کر خود کو کفرانِ نعمت کی سزا جہنم سے نجات دلانے کی تاکید فرمائی ہے۔

ان دونوں حدیثوں میں جن کارہائے خیر کا ذکر ہے ان کی تعداد حسب ذیل ہے۔

(۱) ہر کلمہ سُبْحَانَ اللّٰہ (۲) ہر کلمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ (۳) ہر کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (۴) ہر کلمہ اَللّٰہُ اَکْبَر (۵) ہر کلمہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہ (۶) ہر بھلا کام کسی کو تبلانا (۷) ہر برے کام سے کسی کو منع کرنا (۸) دو شخصوں کے درمیان انصاف کرنا (۹) کسی کمزور انسان کو سواری پر سوار ہونے یا سامان اٹھا کر اس کو دے دینے میں مدد کرنا (۱۰) ہر اچھی بات کہنا (۱۱) نماز کے لئے مسجد جانے میں ہر قدم اٹھانا (۱۲) عام گذرگاہ سے ہر ایذا رساں چیز کو دور کردینا (۱۳) لوگوں کے راستہ سے پتھر، کانٹے یا ہڈی کو ہٹا دینا۔

یہ کارہائے خیر اپنی نوعیت کے اعتبار سے تو صرف تیرہ قسم کے کام ہیں مگر ہر کام تعمیم کے اعتبار سے یہ بے شمار ہو جاتے ہیں جن سے کوئی انسان کسی وقت بھی خالی نہیں رہ سکتا جس کی تفصیل اسی باب کی دوسری حدیثوں کی تشریح کے ذیل میں گذر چکی ہے۔ مگر حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تو صرف دن چڑھے کی دو رکعتوں کو ہی ان تمام کارہائے خیر کی بجائے کافی قرار دے دیا ہے۔

سُبْحَانَ اللّٰہ کتنا بڑا جَلَّ شَانُہٗ کا احسان اور بندہ پروری ہے کہ تین سو ساٹھ جوڑوں کے ادائے شکر کے لئے تین سو ساٹھ کارہائے خیر کی جگہ صرف دو رکعتوں کو ہی کافی قرار دے دیا اس کے بعد بھی اگر کوئی خدا پرست انسان ان بدن کے جوڑوں کا شکریہ ادا نہ کرے تو اس سے بڑھ کر احسان ناشناس، ناشکرا اور کفرانِ نعمت کی سزا کا مستحق اور کون ہو سکتا ہے۔

ہماری حالت

لیکن وائے بر ما (افسوس ہماری حالت پر) ہم تو دن رات اس قدر دنیا میں منہمک اور سرگرداں ہیں کہ کسی وقت بھول کر بھی ہمیں خیال نہیں آتا کہ یہ ہاتھ پاؤں اور اعضا جن سے ہم دنیا کے تمام کام لے رہے ہیں خواہشات پوری کر رہے ہیں اغراض حاصل کر رہے ہیں ان کو عطا کرنے والے کا بھی ہم پر کچھ حق ہے؟ کسی کے انعام و احسان کا شکریہ ادا کرنا تو انسانیت اور شرافت کا تقاضا بھی ہے جانور بھی چارہ ڈالنے والے کے سامنے سر جھکاتا ہے۔ ہم تو جانوروں سے بھی گئے گذرے ہیں ہم تو دنیا میں اس قدر منہمک اور سرگرداں ہیں کہ ہمیں یہ سوچنے سمجھنے کی فرصت ہی نہیں۔ ہمارے متعلق ہی فرمایا ہے:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا (سورۃ الاعلیٰ آیت ۱۶) بلکہ تم تو دنیا کی زندگی کو (آخرت پر) ترجیح دیتے ہو۔
حالانکہ یہ دنیا کی زندگی جس میں ہم نے اپنے آپ کو کھپا رکھا ہے اس کی آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں جس سے ہم بالکل بے پروا اور بے خبر ہیں کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتی نہ ہی اس کی کوئی بنیاد ہے ارشاد ہے:
وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی (آیت ۱۷) حالانکہ آخرت (کی زندگی بدرجہا) بہتر اور پائیدار (لافانی) ہے
ہم بچشم خود مشاہدہ کرتے ہیں کہ بڑے بڑے خوشحال اور دولتمند لوگ زمانہ کی گردش کا شکار ہو جاتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے نانِ شبینہ تک کے محتاج ہو کر در بدر ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ درحقیقت یہ ہمارے خبیث نفس کی سرکشی اور سرتابی ہے کہ وہ ہمیں ان روز روشن کی طرح واضح حقیقتوں کے سوچنے سمجھنے کی مہلت ہی نہیں دیتا اور دولت و ثروت جاہ و منفعت کے نئے سے نئے سبز باغ دکھا کر شب و روز سرگرداں رکھتا ہے اور مرتے دم تک اسی فنا ہونے والی دنیا میں ہم سر کھپاتے رہتے ہیں اس کا انجام یہ ہے، ارشاد ہے:
فَاَمَّا مَنْ طَغٰی وَاٰثَرَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا اور جس نے سرکشی اختیار کی اور دُنیا کی زندگی کو (پسند کیا اور) فَاِنَّ الْجَحِیْمَ ھِیَ الْمَاْوٰی (سورۃ النّٰزعٰت آیت ۳۷-۳۸) ترجیح دی پس بیشک جہنم ہی اس کا ٹھکانا ہے۔
بجز اس خوش نصیب اور سعید ازلی شخص کے جو اس مکار نفس کی فریب کاری سے آگاہ ہو کر قیامت کے دن خدا کے روبرو پیش ہونے سے اور گناہوں کی سزا سے ڈرا اور اس بے لگام نفس کے منہ میں احکام خداوندی کی پابندی کی لگام دی اور اس کو ناجائز خواہشات سے باز رکھا تو بیشک قیامت کے دن جنت اس کا ٹھکانہ ہوگی۔ ارشاد ہے:
وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑے (اور پیش) ہونے سے
النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ڈرا اور نفس کو خواہشات سے باز رکھا تو بیشک جنت ہی
ھِیَ الْمَاْوٰی (سورۃ النّٰزعٰت آیت ۴۰، ۴۱) اس کا ٹھکانا ہے۔
اس باب کی احادیث اور ان کی تشریحات کے ذیل میں ہر حالت میں اور ہر وقت کارہائے خیر میں مصروف رہنے کا مقصد اسی بے لگام نفس کے منہ میں لگام دینا خدا اور رسول کے احکام کے خلاف ورزی

اور ممنوع اغراض و خواہشات سے روکنا اور قیامت کے دن سرخرو ہونا ہے۔
اللہ ﷻ ہم سب کو ان دنیاوی خواہشات و اغراض سے دور اور محفوظ رکھے، جو قیامت کے دن جہنم میں لیجانے والی ہوں۔

ساتویں حدیث (۱۲۷) صبح شام مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے والے کی مہمانی

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص صبح کو (نماز کے لئے) مسجد گیا یا شام کو گیا اللہ ﷻ اس کے لئے جنت میں خصوصی ضیافت تیار فرمائیں گے۔ جتنی مرتبہ بھی وہ صبح یا شام کو (مسجد) جائے گا۔ (بخاری و مسلم)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "نُزُل" (عربی زبان میں) اُس (خصوصی) غذا، (کھانے) کو اور ہر اس چیز (کو کہتے ہیں جو مہمان کے لئے تیار کی جائے۔

تشریح

اس نُزُل (خصوصی ضیافت) کی خوشخبری فرشتے (مرتے وقت) ہر اُس مسلمان کو سناتے ہیں جو تمام عمر اللہ ﷻ پر ایمان اور دین پر پختگی کے ساتھ قائم رہتا ہے اللہ ﷻ عزّ نوالہ کا ارشاد ہے:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ	بے شک جن لوگوں نے (صدق دل سے) کہا: ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر (تمام عمر پختگی کے ساتھ) اس پر قائم رہے ان کے پاس (مرتے وقت) فرشتے آتے ہیں (اور کہتے ہیں) اب تم نہ کسی چیز کا خوف کرو اور نہ ہی کسی چیز کا غم کرو اور تم کو خوشخبری ہو اس جنت کی جس کا (دنیا میں) تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے مددگار رہے اور آخرت میں بھی تمہارے مددگار رہیں گے اس جنت میں تمہیں وہ تمام چیزیں (نعمتیں) ملیں گی جنکو تمہارا جی چاہے گا اور اس جنت میں تمہیں ہر وہ چیز (نعمت) ملیگی جو تم طلب کروگے (یہ) خصوصی ضیافت ہے

(سورۂ حٰم السجدۃ: ۳۰-۳۲)

بہت مغفرت کرنے والے مہربان (رب) کی جانب سے۔

یہ حقیقت ہے کہ روزانہ پابندی کے ساتھ پانچوں وقت مسجد میں جاکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اتنا عظیم دین کا کام (عبادت) ہے کہ جو مسلمان اس کی پابندی کر لیتا ہے اس کے لئے اور دین کے کاموں (عبادتوں) کی پابندی آسان ہو جاتی ہے اور جو مسلمان پنجوقتہ نماز باجماعت کی پابندی نہیں کر سکتے وہ اور دین کے کاموں (عبادتوں) کی پابندی بھی نہیں کر سکتے اور فرض عبادتوں تک کو ترک کرنے کے مجرم اور گناہگار ہوتے ہیں اسی لئے ﷺ نماز کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں:

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ	اور تم (دین کے تمام کاموں میں) مدد حاصل کرو ثابت قدمی اور نماز
وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ	سے بلاشبہ نماز (پڑھنا) بہت زیادہ گراں اور دشوار ہے سوائے
الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا	ان لوگوں کے جن کو یقین ہے کہ ان کو (مرنے کے بعد) اپنے رب کے
رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ	سامنے ضرور پیش ہونا ہے اور وہ (دنیا سے) اسی کے پاس لوٹ کر
(پارہ ۱، سورہ بقرہ ع ۵)	جائیں گے۔ (اور سب سے پہلے نماز کے متعلق ہی سوال ہو گا کہ پابندی کے ساتھ پڑھی یا نہیں)

فارسی کا شاعر کہتا ہے: ؎

روزِ محشر کہ جان گداز بود — اولین پرسش نماز بود

محشر کے دن جبکہ جان پگھل جا رہی ہوگی، سب سے پہلے نماز کا سوال ہو گا۔

اس آیتِ کریمہ میں صبر سے مراد وہی استقامت ہے جس کا ذکر اس سے پہلی آیت میں آیا ہے یعنی تمام عمر دین و ایمان پر پختگی کے ساتھ قائم رہنا۔

اسی لئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں تمام صوبوں کے والیوں (گورنروں) کے پاس ذیل کا فرمان بھیجا تھا:

اِنَّ اَهَمَّ اُمُوْرِ دِيْنِكُمُ الصَّلٰوةُ	بلاشبہ تمہارے دین کے کاموں (عبادتوں) میں سب سے
فَمَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا فَهُوَ لِغَيْرِهَا	زیادہ اہم نماز ہے تو جس شخص نے نماز کی پابندی کر لی وہ اور

اَحْفَظُ وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِغَيْرِهَا اَضْيَعُ — کاموں (عبادتوں) کی آسانی سے پابندی کرسکے گا اور جس نے نماز کو ضائع کردیا وہ اور کاموں کو زیادہ آسانی کے ساتھ ضائع کردے گا۔

یہی "لقاء رب" (پروردگار کے سامنے پیش ہونے) کا یقین نہ صرف نماز جیسی نفس پر گراں اور دشوار عبادت کو آسان اور سہل کردیتا ہے بلکہ نماز کو دل کی ٹھنڈک، آنکھوں کی خنکی اور محبوب ترین عمل بنا دیتا ہے جیساکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ — میری آنکھوں کی خنکی (اور مسرت) نماز میں ہے۔

اور اسی نماز کی محبت و مسرت کی بنا پر دین کے اور تمام کام بھی آسان اور سہل ہو جاتے ہیں اسی لئے قرآن کریم میں "صبر" اور "صلوٰۃ" سے دین کے تمام کاموں میں مدد لینے کا حکم فرمایا ہے کہ یہی نماز کی پابندی دین کے تمام کاموں کی پابندی کو آسان بنا دیتی ہے جیساکہ تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے فرمان میں بتلایا گیا ہے نماز نہ صرف دین کے کاموں کو آسان کردیتی ہے بلکہ دنیا کی تمام پریشانیوں کو بھی دور کردیتی ہے جیساکہ حدیث شریف میں آیا ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِذَا حَزَبَهٗ اَمْرٌ بَادَرَ اِلَى الصَّلٰوةِ — رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی پریشان کن دشوار امر پیش آتا تو آپ نماز کی طرف دوڑتے (اور فوراً نماز پڑھنے لگتے)

گویا نماز دین و دنیا دونوں کے دشوار کاموں کو آسان کردیتی ہے۔ اور پریشانیوں سے نجات دلاتی ہے نہ صرف یہ بلکہ نماز بے حیائی کے کاموں اور شرعاً ممنوع کاموں سے بھی روکتی ہے جیساکہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۔ (سورہ عنکبوت) — بلاشبہ نماز فحش کاموں (بے حیائی کے کاموں) سے اور شرعاً ممنوع کاموں سے روکتی (اور باز رکھتی) ہے اور یقیناً اللہ جل جلالہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے اور اللہ جو تم کرتے ہو اسکو خوب جانتا ہے

یہ ذکر اللہ جس کے اکبر ہونے پر اس آیت کریمہ میں تنبیہ کی گئی ہے۔ اس کا سب سے زیادہ یقینی مصداق نماز ہے اسی ذکر اللہ کے متعلق اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

أَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ (سورہ رعد آیت ۲۸) سن لو! اللہ کے ذکر سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔

کاش اس کتاب کے پڑھنے والوں کے کان اس ﷺ کے ارشاد کو دل وجان سے سن لیں اور دین ودنیا کی تمام فکروں اور پریشانیوں سے نجات حاصل کریں جل جلالہ سے دعا ہے کہ کتاب کے لکھنے والے اور شائع کرنے والے کو بھی جل شانہ "ذکر اللہ" کی توفیق عطا فرمائیں۔

بات لمبی ہوگئی مختصر یہ ہے کہ اس حدیث میں پانچوں وقت مسجد میں جاکر جماعت سے نماز پڑھنے والوں کے لئے غفور ورحیم پروردگار کی جانب سے خصوصی ضیافت کی بشارت اور خوشخبری دی گئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو ادنٰی سے ادنٰی چیز دینے کو بھی حقیر نہ سمجھے

آٹھویں حدیث (۸/۱۲۸)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لئے کسی بھی چیز کو حقیر نہ سمجھے اگرچہ بکری کا کھر ہی ہو۔ (بخاری ومسلم)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: (امام لغت) جوھری کا کہنا ہے: اونٹ کا فرسن (تلوے) ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے چوپایہ کے کھر، نیز کہا: اور بسا اوقات فرسن کا لفظ بکری کے (کھر کے) لئے بھی استعمال ہوتا ہے (اس حدیث میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے)

تشریح

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مسلمان عورتوں کو خاص طور پر اس لئے خطاب فرمایا ہے کہ عام طور پر عورتیں اپنی لاعلمی اور کم فہمی کی بنا پر تھوڑی سی یا چھوٹی موٹی چیز پڑوسن کو دینے میں شرم محسوس کرتی ہیں کہ "اتنی سی چیز کیا دیں" حالانکہ پڑوسن کو اس کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس حقیر چیز کو غنیمت سمجھتی ہے اسی طرح بسا اوقات لینے والی پڑوسن اس حقیر سی چیز کے دینے کو اپنی توہین سمجھتی ہے اور کہتی ہے "کیا دینے چلی ہیں اتنی سی چیز دیتے ہوئے شرم بھی نہ آئی"۔ حالانکہ اس کو اس معمولی چیز کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو اس باب (کارہائے خیر کی کثرت) کے ذیل میں اس لئے لائے ہیں کہ معمولی سی چیز بھی پڑوسن کو دے کر پڑوس کا حق ادا کرنا بھی اہم کارِ خیر ہے۔ یہی نیت اس معمولی سی چیز دینے کے وقت کرنی چاہیئے تو اس معمولی سے کام پر بھی۔ جس کے مواقع کثرت سے میسر آتے ہیں۔ بڑا ثواب ملتا ہے اس لئے کہ پڑوس کے حقوق اتنے زیادہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ما زال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت انہ سیورثہ — حضرت جبرئیل اتنی کثرت سے پڑوسی کے حقوق بتلانے کے لئے میرے پاس آئے کہ میں نے گمان کیا کہ وہ پڑوسی کو وارث بنا دینگے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے کہ اس حدیث سے پہلے احادیث میں جن کارہائے خیر کا ذکر آیا ہے وہ بالعموم عامۃ الناس اور مردوں سے متعلق ہیں اس حدیث میں عام طور پر عورتوں کو پڑوسی کے حقوق کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ پڑوس کے حقوق عام لوگوں کی بنسبت بہت زیادہ ہیں ان کا ادا کرنا بھی عظیم کارِ ثواب ہے۔

اللہ جل شانہ اس زمانہ میں ہماری مسلمان عورتوں کو بھی اتنی سمجھ اور کثرت سے کارہائے خیر کرنے کی تڑپ عطا فرمائیں اس لئے کہ اس زمانہ کی عورتیں ثواب کے ان کاموں سے بالکل بے خبر اور ناواقف ہیں اور زینت و آرائش میں ہر وقت منہمک ہیں اللہ جل شانہ ہم سب پر رحم فرمائیں۔

نویں حدیث $\left(\frac{9}{129}\right)$ | ایمان کے کچھ اوپر ستر شعبے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ایمان کے چند اوپر ستر یا (فرمایا) چند اوپر ساٹھ شعبے ہیں تو ان میں سب سے افضل شعبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہے اور ان میں سب سے ادنیٰ شعبہ (عام) راستے سے ایذا رساں چیز کو مٹا دینا (ہٹا دینا) ہے اور حیا (شرم) تو ایمان کا بہت ہی اہم شعبہ ہے۔ — (بخاری و مسلم)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بضع کا لفظ تین ۳ سے نو ۹ تک کے لئے استعمال ہوتا ہے

اور اس کا تلفظ ب کے زیر کے ساتھ ہوتا ہے کبھی کبھی ت کے زیر کے ساتھ بھی بولا جاتا ہے اور شعبہ کے معنی حصہ کے ہیں۔

تشریح

ایمان کا محل مومن کا دل ہے جب ایمان دل سے نکل کر ہاتھ پاؤں اور اعضاء و جوارح پر اعمال کی شکل میں نمودار ہونا شروع ہوتا ہے تو سب سے پہلے زبان پر کلمہ طیبہ آتا ہے، اور اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتا ہے اس کے بعد ہاتھ پاؤں حرکت میں آتے ہیں وضو کرتا ہے، مسجد جاتا ہے اور با جماعت پنجوقتہ نمازیں پڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ رمضان کا مہینہ آتا ہے تو روزے رکھتا ہے، مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو زکوٰۃ ادا کرتا ہے ﷲ کے فضل سے مال میں مزید وسعت میسر آتی ہے اور حج فرض ہوتا ہے تو حج بھی ادا کرتا ہے اسی طرح رفتہ رفتہ تمام بدنی اور مالی فرض اور نفل عبادتیں ادا کرنے لگتا ہے۔ اور حسبِ مقدور زیادہ سے زیادہ اعمالِ خیر اور ثواب کے کام کرنے لگتا ہے۔ اس مرحلہ پر پہنچ کر ایمان کا نام اسلام ہو جاتا ہے اور یہی پانچ اسلام کے بنیادی ستون کہلاتے ہیں جن میں کلمۂ شہادت مرکزی ستون ہے کہ اس کے بغیر تو کوئی مسلمان ہی نہیں ہوتا اور چار عبادتیں (اور ان کے ساتھ سنن و نوافل) نماز روزہ، زکوٰۃ، حج چاروں طرف کے چار ستون ہیں جن پر اسلام کی عظیم الشان عمارت قائم ہے اور اس پوری عمارت کو شیطان اور نفسِ امّارہ کی رخنہ اندازیوں (گناہوں اور معصیتوں) سے بچانے اور محفوظ رکھنے کے لئے ایک بہت ہی اہم اور عظیم شعبہ کیئے یا حفاظتی ستون (چہار دیواری) حیا اور شرم ہے یہ حیا اور شرم خواہ انسانوں سے ہو خواہ اَحْکَمُ الْحٰکِمِیْنَ سے، بہر صورت بے حیائی کے کاموں اور اخلاقی و شرعی برائیوں (گناہوں اور نافرمانیوں سے) ایک غیرت مند اور باحیا مسلمان کو ضرور باز رکھتی ہے اس لئے کہ ایک غیرت دار انسان بیحیائی کے کام کر کے لوگوں سے خود کو بے حیا، اور بے شرم یا بدمعاش فاسق و فاجر کہلانا ہرگز گوارا نہیں کرتا باقی جو ایماندار جل جلالہ سے شرم کرتا ہے۔ وہ تو نہ لوگوں کے سامنے اور نہ تنہائی میں کسی بھی حالت میں بے شرمی کے اور بُرے کام یعنی گناہ اور نافرمانی کر ہی نہیں سکتا، اس لئے کہ وہ جانتا ہے اور اس کا

ایمان ہے کہ جل جلالہ مجھے دیکھ رہے ہیں، ساری دنیا سے چھپ سکتا ہوں مگر جل شانہ سے کسی بھی حالت میں نہیں چھپ سکتا جل شانہ کا ارشاد ہے :۔

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ (س۔ المومن آیت نمبر۱۹) وہ اللہ جانتا ہے نگاہوں کی چوریوں کو بھی اور جو دل میں چھپا ہے اس کو بھی)

نیز ارشاد ہے :

وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (البقرہ) چاہے جو تمہارے دل میں ہے اس کو تم ظاہر کرو چاہے چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب ضرور لے گا پھر جس کو چاہے معاف کرے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اسی لئے بعض عارفین نے حیا کی تعریف ذیل کے الفاظ میں کی ہے :

مولاك لا يراك حيث نهاك (حیا یہ ہے کہ تیرا آقا تجھے اس جگہ (اور) اس حال میں نہ دیکھے جس سے تجھ کو منع کیا ہے۔

بہر حال حیا اور شرم ایک حیادار اور غیرتمند آدمی کو بے شرمی اور برے کاموں سے ضرور روکتی اور باز رکھتی ہے خواہ یہ حیا خالق سے ہو خواہ مخلوق سے۔ باقی رہا بے حیا اور بے غیرت آدمی وہ تو انسان ہی نہیں جانور ہے۔ مشہور مقولہ ہے :

اذا فاتك الحياء فافعل ماشئت جب تم سے حیا فوت ہو جائے (یعنی حیا نہ رہے) تو پھر جو چاہو کرو۔

حدیث میں حیا کو عظیم شعبہ اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہ حیا اور شرم اسلام کی عظیم الشان عمارت کے لئے ایک چہار دیواری ہے جو تمام عبادات اور اعمالِ صالحہ کو گناہوں اور نافرمانیوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

غرض ایک مومن ایمان کی تحریک سے رفتہ رفتہ تمام عبادات اور وہ اعمال صالحہ جن کے کرنے کا خدا اور اسکے رسول نے حکم دیا ہے بجالانے کی کوشش کرتا ہے اور حیا و شرم کی بنا پر جن برے کاموں (گناہوں اور نافرمانیوں) سے منع کیا ہے حتی الامکان دور رہتا ہے (اور بتقاضائے بشریت

کوئی گناہ ہوجائے تو فوراً اس سے توبہ کرلیتا ہے، تو اس کی یہ تمام عبادات اور اعمالِ صالحہ روزانہ اَحْكَمِ الْحٰكِمِيْن کے حضور میں پیش ہوتے ہیں دن کے محافظ فرشتے صبح سے شام تک کی عبادات و اعمال صالحہ اور رات کے محافظ فرشتے شام سے صبح تک کی عبادات و اعمالِ صالحہ پیش کرتے ہیں۔

احادیث میں تفصیل سے اور قرآن کریم کی ان دو آیتوں میں اجمالاً ان کے پیش ہونے کا ذکر ہے:

۱۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ ﴿﴾ — ۱۔ اللہ نے کلمہ طیبہ کی مثال بیان کی ایک درخت کی مانند جس کی جڑ زمین میں مضبوط ہے اور اسکی ٹہنیاں آسمان میں پہنچی ہوئی ہیں۔

۲۔ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ۔ (سورۂ فاطر آیت ۱۰) — ۲۔ اللہ کی طرف ہی چڑھتے (اور پہنچتے) ہیں پاکیزہ کلمات (کلمہ شہادت) اور عمل صالح اس کو بلند کرتا ہے (یہانتک کہ وہ بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوتا ہے)

قرآن عظیم کی اس مثال کے اعتبار سے ایمان کے درخت کا بیج مومن کے دل کی زمین سے پھوٹ کر نکلتا ہے تو اس کی پہلی کونپل زبان سے کلمہ طیبہ کی صورت میں نمودار ہوتی ہے۔ اس کونپل سے چار ٹہنیاں پھوٹ کر نکلتی ہیں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی صورت میں بڑھتی اور دیگر اعمالِ صالحہ کی صورت میں نمودار ہوتی رہتی ہیں اور روزانہ مومن کی عبادات اور اعمالِ صالحہ اَحْكَمِ الْحٰكِمِيْن کی بارگاہ میں پیش ہوتے رہتے ہیں۔ آیتِ کریمہ میں اِلَيْهِ يَصْعَدُ اور فَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ سے اسی کی طرف اشارہ ہے جس کی تفصیل رحمتِ عالم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے بیان فرمائی ہے۔

عربی زبان میں درخت کی ٹہنی کو شعبہ اور فرع، اور جڑ کو جو زمین کے باہر ہوتی ہے اصل کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اصل کے لفظ سے کلمہ طیبہ کی طرف اور فرع کے لفظ سے چاروں عبادتوں اور بقیہ اعمال صالحہ کی طرف اشارہ ہے زیر نظر حدیث میں انہی فرض و نفل عبادتوں اور اعمالِ صالحہ کو شُعْبَة (بمعنے شاخ کی جمع شُعَب) سے تعبیر فرمایا ہے۔

علماء حدیث نے قرآن و حدیث کی روشنی میں ان شُعَب ایمان کی تعیین کرنے کی کوشش کی ہے اور ان کے بیان پر مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں امام بیہقی رحمہ اللہ کی کتاب "شُعَبُ الْاِيْمَان"

زیادہ مشہور ہے ۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اعمالِ صالحہ (کارہائے خیر) سے متعلق باب میں متفرق حدیثوں کے ساتھ ہی اس حدیث کو اس لئے ذکر فرمایا ہے کہ کارہائے خیر اور اعمالِ صالحہ انہی بچیس حدیثوں میں منحصر نہیں ہیں بلکہ اس حدیث کے مطابق تمام ہی اعمالِ صالحہ خواہ حقوق اللہ سے متعلق ہوں خواہ حقوق العباد سے جن کا قرآن و حدیث میں ذکر آیا ہے سب اعمالِ صالحہ کے ذیل میں آتے ہیں ۔

دُعا اللہ جل شانہ اپنی رحمت سے اس پرآشوب زمانے اور پرفتن دور میں مسلمانوں کو ان کارہائے خیر اور اعمالِ صالحہ میں مصروف رہنے کی توفیق عطا فرمائیں تاکہ ان کے ایمان کا درخت سرسبز و شاداب اور بارآور رہے اور یہ کارہائے خیر اور اعمالِ صالحہ کی مصروفیت ان کو آخری زمانے کے فتنوں سے دور اور محفوظ رکھے اٰمِیْن یَارَبَّ الْعٰلَمِیْن ۔

پیاسے کتے کو بھی پانی پلانا کارِ ثواب ہے دسویں حدیث (۱۰/۱۲۰)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا: اس اثنا میں کہ ایک آدمی راستہ پر چلا جا رہا تھا اس کو سخت پیاس لگنے لگی تو اسے ایک کنواں نظر آیا تو وہ کنویں میں اترا اور (سیر ہو کر) پانی پیا پھر باہر آگیا تو ناگاہ ایک کتے کو (پیاس کی شدت سے) ہانپتا اور گیلی مٹی کو چاٹتا ہوا دیکھا تو اس وقت آدمی نے (دل میں) کہا، بخدا اس کتے کو بھی ایسی ہی سخت پیاس لگ رہی ہے جیسے مجھے لگ رہی تھی تو وہ کنویں میں اترا اور اپنے (چرمی) موزہ میں پانی بھرا پھر اس کو اپنے منہ سے پکڑا یہاں تک کہ اوپر چڑھ آیا اور کتے کو پانی پلا دیا تو اللہ جل جلالہ نے اس شخص کی (اس ہمدردی کی) قدر فرمائی اور اس کے گناہ معاف فرما دیئے ۔

تو اس پر صحابہؓ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! کیا جانوروں (کے ساتھ ہمدردی کرنے) میں بھی ثواب (ملتا) ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہر جاندار کے ساتھ ہمدردی کرنے (میں ثواب ملتا ہے۔ (بخاری ومسلم)
اور بخاری کی ایک روایت میں آیا ہے کہ ﷲ نے اس آدمی کی (اس ہمدردی کی) قدر کی اور اس کی مغفرت فرمادی اور اس کو جنت میں داخل کرنے کا حکم) فرما دیا۔
اور بخاری ومسلم دونوں کی ایک روایت میں (اس طرح) آیا ہے: اس اثناء میں کہ ایک کتا (پیاس کی شدت سے) ایک کنویں کے چاروں طرف گھوم رہا تھا کہ بنی اسرائیل کی ایک (پیشہ ور) فاحشہ عورت نے اس کتے کو دیکھا (اور اس کی شدید پیاس کو محسوس کیا) تو اس نے اپنا چرمی موزہ پاؤں سے اتارا (اور اس کو کنویں سے پانی بھر کر نکالا اور) اس (پیاسے) کتے کو پلادیا تو ﷲ نے اس کی (اس ہمدردی کی قدر فرمائی اور اس کی) مغفرت فرمادی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مُوق کے معنی چرمی موزے کے ہیں اور رَکِیَّہ کے معنی کچے کنویں کے ہیں اور یُطِیف کے معنی چاروں طرف گھومنے کے ہیں۔

تشریح

اس حدیث اور اس کی مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو واقعے ہیں ایک مرد کا اور ایک عورت کا اور دونوں ہی نے پیاسے کتے کی تکلیف کو محسوس کیا ہے اور اس کو کنویں سے پانی نکال کر پلایا ہے باوجودیکہ ہر سلیم الطبع انسان کتے سے نفرت کرتا ہے پھر بھی ایک ذی روح مخلوق کی پیاس جیسی سخت تکلیف کو انہوں نے اپنے اوپر قیاس کر کے شدت کے ساتھ محسوس کیا ہے اور کچے کنویں کے اندر اترے اور برتن میسر نہ ہونے کی بناء پر اپنے چرمی موزے میں ہی پانی بھر کر نکالا اور اس پیاسے کتے کی پیاس بجھائی ہے اور ﷲ نے ان کی اس ذی روح سے ہمدردی کی قدردانی فرما کر ان کے گناہ معاف فرمادیئے ہیں اور جنت میں داخل کرنے کا حکم فرمادیا ہے۔ حالانکہ عورت تو کھلی ہوئی بدکار ہے اور مرد بھی عام آدمی تھا صدہا گناہ کئے ہوں گے مگر ﷲ نے اپنی کریمی سے ان کی اس جاندار کی ہمدردی کی قدر افزائی کی اور تمام گناہ معاف کردیئے۔ صحابۂ کرام کو اس معمولی سے کام کے اتنے بڑے ثواب

پر تعجب ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے تعجب کا اظہار کیا آپ نے جواب میں فرمایا: کُتّے کی کوئی خصوصیت نہیں ہر جاندار مخلوق بھوک پیاس سے بے قرار ہو جاتی ہے۔ اس کی بھوک پیاس کو دور کرنے میں انسان و حیوان سب برابر ہیں لہٰذا جیسے ایک بھوکے اور پیاسے انسان کو کھانا کھلانا اور پانی پلانا یقیناً انسانی ہمدردی اور کارِ ثواب ہے ایسے ہی ہر بھوکے پیاسے جاندار کو بھوک پیاس کی تکلیف سے نجات دلانا بھی کارِ ثواب ہے اور اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو کثرت کارہائے خیر کے باب میں لائے ہیں۔

دُعا | دُعا کیجئے جلّ جلالہٗ ہمیں بھی توفیق عطا فرمائیں کہ ہم ہر بھوکے پیاسے کی، انسان ہو یا حیوان تکلیف کو ایسے ہی محسوس کریں جیسے ہم کو بھوک پیاس لگتی ہے تو ہم بیقرار ہو جاتے ہیں اور جب ہمیں کوئی اللہ کا بندہ بھوک پیاس کی ناقابلِ برداشت تکلیف سے کھانا کھلا کر اور پانی پلا کر نجات دلا دیتا ہے تو ہم اس کے شکر گزار ہوتے ہیں تو جلّ جلالہٗ بھی اس کی اس ہمدردی کی قدر فرماتے اور گناہ معاف فرما دیتے ہیں ایسے ہی ہم بھی بھوکوں کو کھانا کھلا کر پیاسوں کو پانی پلا کر گناہوں کی مغفرت کے مستحق بنیں اور جلّ جلالہٗ اپنی شانِ کریمی سے ہمارے بھی گناہ معاف فرماویں۔

واضح ہو کہ یہ عمل صالح حقوق العباد کے ذیل میں آتا ہے۔ اسی لئے اس کا اتنا بڑا اجر و ثواب ہے وَاللہُ اَعْلَمُ۔

عام راستہ سے کانٹے ہٹا دینے والے کے درجات | گیارہویں حدیث (۱۱/۱۳۱)

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہٗ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: میں نے جنت میں ایک آدمی کو چلتا پھرتا دیکھا ایک درخت کو مسلمانوں کے راستے پر سے کاٹ دینے کے (ثواب) میں، جو مسلمانوں کو تکلیف دیتا تھا۔

اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے: ایک آدمی کا ایک ایسے درخت کی ٹہنی کے پاس سے گذر ہوا جو عین راستہ کے بیچ میں (اُگا ہوا) تھا تو

(اس نے دل میں) کہا بخدا میں اس درخت کو ضرور ہٹادوں گا تاکہ یہ مسلمانوں کو تکلیف نہ دے (چنانچہ اس نے ہٹادیا) تو اس کو (اس کار خیر کے صلہ میں) جنت میں داخل کر دیا گیا اور بخاری و مسلم دونوں کی ایک روایت میں (اس طرح) آیا ہے کہ: اس اثنا میں کہ ایک آدمی ایک راستہ سے گذر رہا تھا، اس نے ایک کانٹوں کی ٹہنی راستہ پر پڑی پائی تو اس نے اس ٹہنی کو ہٹادیا تو اللہ جل شانہ نے اس (کے اس کار خیر) کی قدر کی اور اس کے گناہ بخش دیئے۔

تشریح

اللہ جل شانہ وعمّ نوالہ نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کشف کے طور پر قیامت کے بعد پیش آنے والے واقعات اور اہلِ جنت کے وہ اعمالِ حسنہ جن کی بنا پر وہ جنت میں جائیں گے اور اہلِ دوزخ کے وہ اعمالِ قبیحہ (کفر و شرک اور گناہِ کبیرہ) جن کی بنا پر وہ دوزخ میں جائیں گے نیز جنت و دوزخ کے تفصیلی حالات، پہلے سے صرف اس لئے دکھلائے کہ آپ اپنی اُمت کو ان اچھے بُرے اعمال سے آگاہ فرمادیں جن کی بنا پر وہ جنت یا دوزخ میں جائیں گے۔ سُبحَانَ اللہ کتنے مہربان ہیں اللہ جل شانہ اپنے محبوب نبی کی اُمت پر۔

احادیث میں ایسے کشف کے متعدد واقعات مذکور ہیں یہ آئندہ پیش آنے والے واقعات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلائے گئے ہیں اور آپ نے اُمت کو آگاہ فرمایا ہے۔ اسی سلسلہ میں اس حدیث میں آپ نے اپنا کشف بیان فرمایا ہے کہ مسلمانوں کی عام گذرگاہ اور راستہ سے خار دار درخت یا ٹہنی کو کاٹ دینا یا ہٹادینا اتنا بڑا کارِ خیر اور عمل صالح ہے کہ نیک نیتی سے اس کار خیر کو انجام دینے کا اجر و ثواب جنت ہے بشرطیکہ کوئی اور امر (مثلاً کفر و شرک یا حقوق العباد سے متعلق کوئی گناہ) مانع نہ ہو۔ دسویں حدیث میں بنی اسرائیل کے ایک مرد اور ایک عورت کا واقعہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے ان واقعات اور اعمال کے ذکر فرمانے کا مقصد ان اعمال صالحہ کو اختیار کرنے کی ترغیب دلانا ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے اور آسان کام بھی جنت میں جانے کا وسیلہ بن سکتے ہیں بشرطیکہ ثواب کی نیت سے

کئے جائیں اور ان کو حقیر یا معمولی کام نہ سمجھا جائے۔

یاد رہے کہ "شعب ایمان" کی دسویں حدیث میں اسی راستہ پر سے کسی تکلیف دہ چیز کے ہٹا دینے (اماطۃ الاذیٰ عن الطریق) کو ایمان کا ادنیٰ شعبہ بتلایا گیا ہے۔ یہ ادنیٰ "سب سے سہل اور آسان ہونے کے معنی میں ہے نہ کہ مرتبہ اور درجہ کے اعتبار سے، ادنیٰ کے معنی ہیں آسان، اس لئے کہ یہی اماطۃ الاذیٰ عن الطریق۔ دسویں اور گیارہویں حدیث میں جنت میں داخل ہونے کا باعث ہوا ہے۔

علاوہ ازیں یہ اماطۃ الاذیٰ عن الطریق، حقوق العباد میں سے ہے جو بغیر لوگوں کے معاف کئے معاف نہ ہوں گے۔ واللہ اعلم

نمازِ جمعہ پورے آداب کے ساتھ ادا کرنے کا اجرِ عظیم | بارہویں حدیث (۱۲/۱۳۲)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے وضو کیا، اور خوب اچھی طرح وضو کیا پھر (جمعہ (کی نماز) کے لئے مسجد آیا پس (پوری توجہ سے) خطبہ سنا اور خاموش (بیٹھا سنتا) رہا اُس کے اس جمعہ سے آئندہ جمعہ تک کے اور تین دن زیادہ کے گناہ بخش دیئے گئے اور جس نے کنکریوں کو (اپنی جگہ سے) ہٹایا اس نے بیہودہ کام کیا۔ (مسلم نے روایت کیا)

تشریح

اللہ جل جلالہ وعمّ نوالہ نے محض اپنے فضل و کرم سے اپنے محبوب نبی ﷺ کی اُمت پر یہ خاص انعام فرمایا ہے کہ ایک حسنہ (نیک کام) پر ایک اجر کے بجائے کم از کم دس گنا ثواب اور زیادہ سے زیادہ سات سو گنا اجر کا وعدہ فرمایا ہے مگر ایک سیئہ (برے کام) کی سزا ایک ہی تجویز فرمائی ہے دس گنا نہیں چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ (سورہ انعام)

جس نے ایک اچھا کام کیا تو اس کے لئے دس گنا ثواب ہے اور جس نے بُرا کام کیا اُس کی سزا ایک ہی دی جائیگی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا (کہ دس گنی سزا دی جائے)

نیز ارشاد ہے :-

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (سورۃ البقرۃ ع ۲۶)	ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال خرچ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں ایسی جیسے ایک دانہ جس سے سات خوشے اُگے ہر خوشہ میں سو دانے (اسطرح ایک دانہ لوکر سات سو دانے حاصل ہوتے) اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ دوگنے دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا ہے (اس سے بھی زیادہ دے سکتا ہے) اور (دلوں کا حال بھی) خوب جاننے والا ہے۔ (جس کے عمل میں جتنا زیادہ اخلاص ہوگا اتنا ہی زیادہ ثواب دے گا)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے متعدد احادیث میں مختلف عنوانات سے اس "تضعیف حسنا" کی خبر دی ہے۔ اسی اصول کے تحت ہم دن رات میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں مگر ثواب پچاس نمازوں کا ملتا ہے اور گناہ الگ معاف ہوتے ہیں اسی طرح ہفتہ میں ایک دن جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہے۔ دس دن کا ثواب ملتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔ یہی مطلب ہے غُفِرَلَهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ کا (اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک اور تین دن زیادہ کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں) اس دس دن کے گناہ معاف فرمانے کا غالباً (وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ) باعث یہ ہے کہ جمعہ کے دن نماز کے علاوہ خطبہ بھی دیا جاتا ہے۔ یہ خطبہ اتنا اہم ہوتا ہے کہ اس خطبہ کو پوری توجہ سے کان لگا کر سننا اور خاموش رہنا بھی واجب ہے اور یہ ایک مستقل عبادت اور کارِ ثواب ہے اسی لئے دس دن کے گناہ معاف ہوتے ہیں مگر اس کی شرط بھی اتنی سخت ہے کہ اگر خطبہ کے دوران اپنی جگہ سے کنکریوں کو بھی ہٹایا تو یہ بھی لغو اور بیہودہ کام کیا اور ثواب کی کمی کا باعث ہوا اسی طرح اگر کوئی شخص دورانِ خطبہ کوئی بھی بات کرے اور اس کو منع کرنے کے لئے "چپ رہو" کہا تو یہ بھی لغو اور بیہودہ کام کیا اور ثواب کی کمی کا باعث ہوا۔ حالانکہ یہ نہی عن المنکر (ممنوع کام سے روکنا) ہے مگر خطبہ کے دوران یہ نہی عن المنکر بھی لغو اور بیہودہ کام ہے۔ اس لئے

کہ خطبہ کے دوران "چپ رہو" کہنا خود ممنوع اور برا کام ہے تو اس شخص کی طرح یہ کہنے والا خود ایک ممنوع کام کا مرتکب ہوا اسی لئے لغو اور بیہودہ کام ہے اور "دیگراں را نصیحت خود را فضیحت" (دوسروں کو نصیحت اپنے کو فضیحت) کا مصداق ہے اسی طرح کی اور تقریباً پندرہ شرطیں ہیں جن کی پابندی کرنے کے بعد جمعہ کا یہ عظیم ثواب (دس دن کے گناہوں کی بخشش) ملتا ہے۔ اسی لئے فقہا نے فرمایا ہے:

اَلْخُطْبَۃُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ کَصَلٰوۃِ الْجُمُعَۃِ (جمعہ کے دن کا خطبہ بھی جمعہ کی نماز کی مانند ہے)

واضح ہو کہ یہ گناہ جنکی مغفرت کی حدیث میں خبر دی گئی ہے صغیرہ گناہ ہیں۔ گناہ کبیرہ توبہ کرنے سے بخشے جاتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو اس باب میں صرف اسی لئے لائے ہیں کہ ہفتہ میں صرف ایک دن تمام کاموں کی چھٹی کر کے صبح سے شام تک نمازِ جمعہ کو ان تمام آداب و شرائط کی پابندی کے ساتھ ادا کرنا کچھ زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔ مگر ثواب اتنا عظیم ہے کہ دس دن کے صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں اسی لئے تمام مسلمان ملکوں میں ہفتہ واری چھٹی جمعہ کی ہوتی ہے تاکہ مسلمان سارا دن نماز جمعہ کی تیاری میں اور ادا کرنے میں صرف کریں۔

بحمد اللہ پاکستان کی حکومت بھی مسلمان ہو گئی ہے اور اس نے بھی جمعہ کی ہفتہ واری چھٹی کا اعلان کر دیا ہے۔ کاش کہ ہم بھی اور تمام کاروبار اور مصروفیتوں کو چھوڑ کر جمعہ کا پورا دن پکنک اور کھیل کود، سیر و تفریح یا دن بھر پڑے سوتے رہنے کے بجائے نماز جمعہ کی تیاریوں اور مسنون طریقہ پر نماز جمعہ ادا کرنے میں صرف کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

تیرہویں حدیث (۱۳/۱۳۲) | مسنون طریقہ سے وضو کرنے والے کی خطائیں بھی دھل جاتی ہیں

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب مسلمان یا فرمایا مومن بندہ وضو کرتا ہے۔ پس چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرہ سے ہر وہ خطا جس کی طرف اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوتا ہے پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتی ہے۔ پھر جب

(کہنیوں تک) دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو ہر وہ خطا اس کے ہاتھوں سے پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتی ہے۔ جس کو اس نے ہاتھوں سے پکڑا (یا چھوا) ہوتا ہے۔ پھر جب (ٹخنوں تک) پاؤں دھوتا ہے تو ہر وہ خطا جس کی طرف پاؤں سے چل کر گیا پانی کے ساتھ یا فرمایا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ نکل جاتی ہے یہاں تک کہ (پورا وضو کر کے) گناہوں سے پاک وصاف ہو کر نکلتا ہے۔ (اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا)

تشریح

اس حدیث میں لفظ مسلم یا مومن ہیں اسی طرح مع الماء یا مع اخر قطرۃ الماء کے ان الفاظ میں راوی کو شک ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ الفاظ فرمائے یا دوسرے۔ (اگرچہ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے) اسی طرح راوی نے اس حدیث میں اختصار سے بھی کام لیا ہے نہ کلی اور ناک صاف کرنے کا ذکر کیا ہے۔ نہ سر کے مسح کا۔ اسی طرح صرف آنکھوں کی خطاؤں کا ذکر کیا ہے، نہ زبان کی خطاؤں کا نہ کان اور ناک کی خطاؤں کا، ورنہ تو دوسری روایتوں میں تمام اعضائے وضو اور ان کی خطاؤں کا ذکر موجود ہے۔ اس اختصار کی دلیل یہ ہے کہ آخر میں تمام گناہوں سے پاک وصاف ہو کر نکلنے کا ذکر کیا ہے۔ آنکھوں، ہاتھوں اور پاؤں کا ذکر صرف اس لئے کیا ہے کہ عام طور پر ہر انسان آنکھوں سے دیکھتا، پاؤں سے چلتا اور ہاتھ سے پکڑتا یا لیتا ہے۔ کان، زبان، ناک سے کام لینے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ بہر حال دوسری روایتوں میں ان اعضاء اور ان کی خطاؤں کا ذکر موجود ہے۔ غرض ایک مومن مسلمان بندہ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھ کر کامل وضو کرتا اور تمام خطاؤں سے پاک وصاف ہو کر نماز پڑھتا ہے اور اس کے ساتھ تمام خطا کار اعضاء بھی نماز پڑھنے میں مصروف و مشغول ہو جاتے ہیں یعنی پورے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو یہی نماز اس لائق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کو قبول فرمائیں۔

یاد رکھئے! جس طرح نماز صحیح ہونے کے لئے حسی نجاستوں مثلاً پیشاب، پاخانہ اور نجس

چیزوں سے نمازی کے بدن اور کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے۔ اسی طرح نماز کے قبول ہونے کے لئے غیر محسوس نجاستوں خطاؤں اور گناہوں۔۔ سے پاک و صاف ہونا بھی شرط ہے اور ان غیر حسی نجاستوں سے پاک کرنے والا۔ وضو کی نیت کرکے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر کامل وضو ہے۔

یہ بھی یاد رکھئے! جس طرح انسان کا بدن گندی چیزوں سے آلودہ اور گندہ ہو جاتا ہے اور پانی سے دھونے سے پاک ہوتا ہے۔ ایسے ہی خطاؤں اور گناہوں سے بھی آلودہ اور گندہ ہوتا ہے گو ہمیں یہ گندگی آنکھوں سے نظر نہ آئے مگر ہاتھ پاؤں اور خطا کار اعضاء ان خطاؤں اور گناہوں سے آلودہ ہو جاتے ہیں اور جب تک رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کے مطابق کامل وضو نہ کریں گندے اور آلودہ رہتے ہیں۔ یہی صادق امین ﷺ نے ہمیں بتلایا ہے۔ اسی پر ہمارا ایمان ہے اللہ ﷻ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائیں تاکہ قیامت کے دن اپنے محبوب نبی ﷺ کے سامنے شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

پانچوں نمازیں باجماعت پڑھنے اور پورے رمضان کے روزے رکھنے کا اجرِ عظیم

چودھویں حدیث (۱۴/۱۲۴)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: پانچوں نمازیں (ایک نماز سے دوسری نماز تک) اور جمعہ سے لے کر جمعہ تک اور رمضان سے لے کر رمضان تک، درمیان میں (کی ہوئی خطاؤں) کا کفارہ کرنے والے ہیں جبکہ کبیرہ گناہوں سے دور رہا جائے۔

تشریح

گناہ دو قسم کے ہیں ایک کبیرہ (بڑے) گناہ دوسرے صغیرہ (چھوٹے) گناہ ان چھوٹے گناہوں کو شریعت کی اصطلاح میں سَیِّئَات (برائیاں) یا خطایا وغیرہ کہا جاتا ہے اللہ ﷻ کا ارشاد ہے:

۱۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (سورۃ النساء، آیت ۳۱)
اگر تم ان بڑے گناہوں سے بچو گے جن سے تم کو منع کیا گیا ہے تو ہم تمہاری سَیِّئَات (برائیوں) کا کفارہ کردیں گے۔

۲۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ
بیشک اچھے کام برے کاموں کو مٹا دیتے ہیں۔
(سورۃ ہود، آیت ۱۱۴)

اِس حدیث میں حسنات کا بیان فرمایا ہے ۔ پانچ وقت کی فرض نمازوں کو جمعہ کی نماز کو، رمضان کے روزوں (یعنے فرائض کو) مکفّر (کفارہ کر دینے والا) بتلایا ہے ۔ گویا ان فرائض کے ادا کرنے سے سیّئات خود بخود محو ہو جاتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں ۔

اسی سلسلہ میں ﷺ نے دعا تعلیم فرمائی ہے ؛

رَبَّنَا فَاغْفِرْلَنَا ذُنُوْبَنَا	اے ہمارے رب! (ہم ایمان لے آئے) پس تو ہمارے گناہوں کو
وَكَفِّرْعَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا	بخش دے اور ہمارے سیّئات (برائیوں) کا کفارہ کر دے (مٹا دے)
مَعَ الْاَبْرَارِ ۔ (سورۂ آلِ عمران)	اور تو ہم کو نکو کاروں کے ہمراہ وفات دے (دنیا سے اُٹھا)

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا ذنوب (بڑے گناہ) استغفار کے بغیر معاف نہیں ہوتے ہاں سیّئات (چھوٹے گناہ) بغیر استغفار کے بھی معاف ہو جاتے ہیں ۔ فرائض کا ادا کرنا خود بخود ان کو مٹا دیتا ہے ۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص نے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا وہ گھبرایا ہوا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: مجھے حد لگایئے (زنا کی سزا دیجئے) آپ نے واقعہ دریافت کیا اس نے بتلایا: میں نے اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا حضور ﷺ نے فرمایا: تم ذرا ٹھیرو عصر کا وقت تھا اتنے میں جماعت کھڑی ہو گئی اس شخص نے بھی عصر کی نماز باجماعت پڑھی ۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی اس نے پھر کہا، مجھے حد لگایئے آپ نے فرمایا: فرض نماز با جماعت پڑھنے سے تمہارا گناہ معاف ہو گیا، اس نے خوش ہو کر دریافت کیا: یہ معافی میرے ساتھ خاص ہے؛ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ ہر مسلمان کے لئے عام ہے اور اسی عموم کے بیان کرنے کے لئے مذکورہ بالا آیت کریمہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ نازل ہوئی ۔

کبیرہ اور صغیرہ گناہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا ؛ کیا گناہ کبیرہ سات ہیں ؛

اُنہوں نے جواب دیا "سات ؛ سات سو سے بھی زیادہ ہیں کبیرہ گناہ"

ہم ذیل میں ان امور کی نشان دہی کرتے ہیں جن سے کسی گناہ کا کبیرہ یا صغیرہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔

کبیرہ گناہ

۱ :۔ ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس کی سزا قرآن یا حدیث میں جہنم بتلادی گئی ہو، جیسے کسی مسلمان کو عمداً قتل کرنا۔

۲ :۔ ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس پر قرآن حدیث میں حد (معیّن شرعی سزا) آئی ہو۔ جیسے چوری کرنے پر ہاتھ کاٹنا۔

۳ :۔ ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس پر قرآن یا حدیث میں لعنت اور خدا کا غضب آیا ہو جیسے عدالت میں جھوٹی گواہی دینا۔

۴ :۔ ہر وہ گناہ کبیرہ ہے جس کو قرآن یا حدیث میں کبیرہ گناہ کہا گیا ہو۔

۵ :۔ ہر اس فرض عبادت کا ترک کرنا جو قرآن و حدیث کی رو سے فرض ہے جیسے بغیر کسی شرعی عذر کے نماز نہ پڑھنا۔

۶ :۔ ہر اس ممنوع کام کو کرنا جس سے قرآن و حدیث میں منع کیا گیا ہو اور حرام کہا گیا ہو۔ جیسے غیبت (یعنی کسی کے پس پشت اس کی برائی کرنا۔

۷ :۔ ہر وہ صغیرہ گناہ جس کو معمولی اور حقیر سمجھ کر کیا جائے جیسے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لینا۔

۸ :۔ ہر وہ گناہ جس کو جان کر بار بار کیا جائے جیسے نامحرم عورت کی طرف بُری نیت سے بار بار دیکھنا

۹ :۔ ہر وہ گناہ جس کی مضرت یا شناعت (بُرائی) مذکورہ بالا کبیرہ گناہوں کے برابر ہو یا ان سے بھی زیادہ ہو، جیسے مسلمانوں کے خلاف مخبری کرنا اور ان کے راز کافروں کو پہنچانا۔

۱۰ :۔ بندوں کے حقوق جو نہ ادا کیئے گئے ہوں اور نہ اُن سے معاف کرائے ہوں۔

صغیرہ گناہ

۱ :۔ مذکورہ بالا کبیرہ گناہوں کے علاوہ تمام بُرے کام (سیّئات)، جو اچھے کاموں (حسنات)

کرنے سے خود بخود مٹ جائیں پانچوں وقت کی نماز پڑھتے رہنے سے درمیان میں کئے ہوئے
بُرے کام اپنے آپ مٹ جاتے ہیں اور معاف ہو جاتے ہیں
مذکورہ بالا کبیرہ گناہوں کے ابتدائی مراحل میں کئے گئے بُرے کام جیسے بلاقصور کسی مسلمان
کو قتل کرنے والے کو خنجر یا پستول دے دینا۔
مذکورہ بالا چودھویں حدیث میں حسنات (فرائض) کے ذریعہ جن گناہوں کے معاف ہونے کی
خبر دی گئی ہے وہ سب صغیرہ گناہ ہیں، اسی لئے آخر میں کہا گیا ہے، "جبکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب
کیا جائے" یعنے بچا جائے اور دور رہا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ (نساء) — اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے بُرے کاموں کو معاف کر دیں گے۔

بہرحال اس حدیث اور ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ انسان کو فرض عبادات پر عمل کرنے
میں کوتاہی نہ کرنی چاہیئے، تاکہ وہ گناہ اور بُرے کام جن کا انسان کو احساس بھی نہیں ہوتا کہ میں یہ بُرے
کام کر رہا ہوں اُن حسنات کے ذریعے اپنے آپ مٹتے اور معاف ہوتے رہیں ورنہ اگر یہ چھوٹے چھوٹے
گناہ اکٹھے ہو گئے تو ان کی سزا سے بغیر توبہ کئے بچنا ناممکن ہوگا۔ خصوصاً حقوق العباد کہ اگر ادا نہ کئے
یا اُن لوگوں سے معاف نہ کرائے جن کی حق تلفی ہوئی ہے تو مرنے کے بعد قیامت کے دن اُنکے حقوق ضرور
ادا کرنے پڑیں گے اور اُس دن ان کے حقوق ادا کرنے کے لئے انسان کے پاس اپنے حسنات
کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کے حسنات اُن حقوق کے بدلے میں ان کو دے دیئے
جائیں گے اور ان کے گناہ اور سیئات اس پر ڈال دیئے جائیں گے جس کی بناء پر یہ شخص جہنم
میں جائے گا اور وہ جنت میں۔ اعاذنا اللہ منہ (خدا ہمیں اس سے بچائے) اور توفیق دے کہ
ہم مرنے سے پہلے ہر حق والے کا حق ادا کر دیں یا اس سے معاف کرالیں یہی تفصیل احادیث میں آئی ہے

وہ کام جن سے خطاؤں کے معاف ہونیکے علاوہ درجات بھی بلند ہوتے ہیں

پندرہویں حدیث (۱۵/۱۳۵)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا: کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلاؤں جس کی وجہ سے ﷻ خطائیں معاف فرماتے ہیں اور جس کی وجہ سے درجے بلند فرماتے ہیں ؛ صحابہؓ نے عرض کیا: کیوں نہیں ؛ (ضرور بتلائیے) اے اللہ کے رسول ! آپ نے ارشاد فرمایا: (۱) ناگواریوں کے باوجود کامل وضو کرنا (۲) مسجدوں کی طرف (نماز کے لئے) زیادہ قدم رکھنا (دور سے چل کر جانا) (۳) ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا پس یہی تمہاری (دین کی) سرحدوں کی حفاظت ہے۔ (مسلم)

تشریح

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے مکفرات کے علاوہ درجات بلند کرنے والی حسنات کا بیان بھی فرمایا ہے۔ سابقہ حدیث میں پنجوقتہ فرض نمازوں کو، ہر جمعہ کی نماز پابندی سے پڑھنے کو ہر رمضان کے مہینہ میں پابندی سے روزے رکھنے کو سیئات (صغیرہ گناہوں) کو مٹا دینے والا بتلایا تھا یہ تینوں فرض عبادتیں ہیں اس حدیث میں (۱) ناگوار حالات میں پورا وضو کرنے کو (۲) دور سے چل کر جلسہ اور نماز باجماعت کے لئے مسجد آنے کو (۳) ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنے کو جو ان فرض عبادتوں کے مُکَمِّلات و مُتَمِّمات ہیں محو سیئات کے علاوہ رفع درجات کا بھی موجب بتلایا ہے یعنے اصل فرض عبادتوں کو ادا کرنا تو محو سیئات کا موجب ہے لیکن ان کو کامل طور پر آداب و مستحبات کے اہتمام کے ساتھ ادا کرنا محو سیئات کے علاوہ رفع درجات کا بھی موجب ہے منشار یہ ہے کہ تمام آداب و مستحبات کے اہتمام کے ساتھ ان عبادات کو ادا کرنا چاہیئے تاکہ تمام صغیرہ گناہوں سے پاک ہو کر ﷻ کی بارگاہِ قرب میں اعلیٰ درجات کے مستحق بنیں۔ مزید شوق کو بڑھانے کے لئے نبی رحمت ﷺ اول صحابۂ کرام سے سوال فرماتے ہیں "کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتلاؤں جس پر عمل کر کے تم محو سیئات کے علاوہ اعلیٰ مراتب بھی حاصل کر سکو"، صحابہ سراپا شوق بن کر عرض کرتے ہیں "ضرور بتلایئے" اس کے بعد تینوں چیزوں کا ذکر فرماتے ہیں اور آخر میں ذالکم الرباط کی خوشخبری دے کر ایک اور سب سے اہم چیز کا بھی ذکر فرما دیتے ہیں کہ فرض عبادتوں کو دشمن نفس امارہ کی رخنہ اندازیوں

سے بھی محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

نفس امارہ انسان کا سب سے زیادہ خطرناک دشمن ہے وہ چاہتا ہے ہر ممکن طریق پر راحت و آسائش اور فوائد و منافع کے سبز باغ انسان کو دکھا کر، پروردگار کی عبادت و طاعت سے اگر بالکل نہ روک سکے تو ان عبادتوں میں اپنے دھوکوں اور فریب سے ایسے رخنے ڈال دے کہ ثواب سے محروم ہو جائے۔

۱۔ اَسْبَاغ الوضوء علی المکارہ (ناگوار اوقات یا حالات میں پورا اور کامل وضو کرنا) چنانچہ خدا کے رسول ﷺ نے یہ اسی نفس کی رخنہ اندازی سے بچانے کی تدبیر بتائی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ مثلاً سخت سردی کا زمانہ ہے۔ پانی لوٹے میں لیتے ہی جم جاتا ہے ایسے وقت میں نمازی کا وضو کرنا نفس امارہ پر بیحد شاق، ناگوار اور تکلیف دہ ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے: اتنی سردی میں وضو کرنا خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ ایسی ہی حالت کے لئے شریعت نے تیمم کرنے کی اجازت دی ہے پھر کیوں نہ اس حکم شرعی سے فائدہ اُٹھایا جائے، آج وضو کی بجائے تیمم کر کے نماز پڑھ لو مگر جب ایک خدا پرست پرہیزگار نمازی اس کے کہنے میں نہیں آتا تو کہتا ہے پھر وضو ہی کرتے ہو تو پورا وضو کرنے اور اعضا پر پوری طرح پانی بہانے کی کیا ضرورت، ایک ایک چلو لے کر ہاتھ پاؤں پر چپڑ لو کافی ہے لیکن ایک پختہ کار دیندار نمازی سردی لگنے کے باوجود نفس کے علی الرغم (منشار کے خلاف) اس طرح کامل وضو کرتا ہے کہ کوئی عضو ناخون برابر بھی سوکھا نہیں رہتا اور سنت کے مطابق ہر عضو کو تین بار اچھی طرح دھوتا ہے تو مکار نفس سر پیٹتا رہ جاتا ہے اور نمازی رسول اللہ ﷺ کے فرمانے کے مطابق ایسے طریق پر کامل اور پورا وضو کرتا اور نماز پڑھتا ہے تو "اعلیٰ مراتب" قرب حاصل کرتا ہے۔

۲۔ کثرت الخطا الی المساجد (جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے دور سے چل کر مسجد جانا اور زیادہ سے زیادہ قدم رکھنا) گھر مسجد سے کافی دور ہے، راحت پسند نفس امارہ کہتا ہے: نماز پڑھنے کے لئے اتنی دور جانا آنا اور اتنا وقت برباد کرنا بیحد شاق اور گراں ہوتا ہے۔ جماعت سے نماز پڑھنے کے شائق مسلمان کو یہ شیطان نفس امارہ بہکا کر جماعت کے ثواب سے محروم کرنا چاہتا ہے

کہتا ہے: نماز ہی تو فرض ہے جماعت تو فرض نہیں ہے چلو آج بغیر جماعت کے ہی نماز پڑھ لو
اتنی دُور جانا آنا اور اتنا وقت برباد کرنا کونسی عقلمندی ہے لیکن وہ جماعت سے نماز پڑھنے کا پابند
نمازی اس کی بات نہیں مانتا تو کہتا ہے، اچھا چلو گھر پر ہی جماعت کئے لیتے ہیں اور دو چار اپنے
جیسے لوگوں کو ملالیں گے" مگر وہ جماعت سے نماز پڑھنے کا پابند نمازی کہتا ہے: میں تیرے اس فریب
میں بھی نہیں آؤں گا پتہ ہے اقامت صلوٰۃ کے معنیٰ ہیں مسجد جاکر اور مسلمانوں کے ساتھ جماعت سے
نماز پڑھنا اس طرح جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے پر ہی گوناگوں اجر و ثواب ملتا ہے اور یہ کہہ کر
نماز باجماعت مسجد میں پڑھنے کے شوق میں مسجد کافی دُور ہونے کے باوجود چلا جاتا ہے۔ نفس امارہ
کے سارے ہتھکنڈے اور ثواب سے محروم کرنے کے حربے بیکار ثابت ہوتے ہیں۔ ذلیل و خوار ہو کر
اپنا سامنہ لے کر رہ جاتا ہے اور وہ جماعت کا پابند نمازی اپنی نماز کو شیطان کی رخنہ اندازی سے
محفوظ کر لیتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق رَبُّ الْعٰلَمِیْن کی بارگاہ سے مراتب عالیہ
کا پروانہ حاصل کر لیتا ہے۔ اسی طرح

۳۔ انتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ (ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا) اس کی دو صورتیں
ہیں ایک یہ کہ ایک نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد اس خیال سے کہ گھر یا دوکان جاکر نہ معلوم
کن دھندوں میں پھنس جاؤں دوسری نماز جماعت سے پڑھ سکوں یا نہ پڑھ سکوں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ تو ہے ہی
یہیں مسجد میں بیٹھ کر دوسری نماز کا انتظار کروں تو بہتر ہے دوسری نماز جماعت سے فوت نہ
ہوگی اور اتنی دیر مسجد میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا رہوں گا یا کلام اللہ کی تلاوت کرتا رہوں گا
یا درود پڑھتا رہوں گا تو دوہرا ثواب ملے گا۔ دشمن نفس امارہ پر نمازی کا یہ نماز کے انتظار میں بیٹھنا
سخت شاق اور ناگوار ہوتا ہے طرح طرح کے ضروری کام یاد دلاکر گھر یا دوکان چلنے کا تقاضا کرتا ہے
فائدہ اور نفع کے سبز باغ دکھاتا ہے اور دوکان یا مکان پر موجود نہ رہنے کے بھیانک نقصان سے ڈراتا
ہے اور انتہائی کوشش کرتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح گھر یا دوکان چلنے پر آمادہ کروں اور دنیاوی
دھندوں میں پھنسا کر اس گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کے کارہائے ثواب سے محروم کردوں، نیز کوشش

کروں کہ اگلی نماز جماعت سے نہ پڑھ سکے لیکن خدا اور اس کے رسول ﷺ کے وعدوں پر پختہ یقین رکھنے والا پابندِ جماعت نمازی نفس کی ایک نہیں سنتا اور دوسری نماز جماعت سے پڑھ کر ہی مسجد سے نکلتا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر مسجد سے گھر یا دوکان آ تو جاتا ہے مگر فکر یہی لگی رہتی ہے کہ کب دوسری نماز کا وقت ہو یا اذان کی آواز آئے اور کب میں سب دھندے چھوڑ چھاڑ کر مسجد میں جا کر جماعت سے نماز پڑھوں نفسِ اَمّارہ سب کاموں کو بیچ میں چھوڑ کر چلے جانے کے نقصانات بہت کچھ دکھاتا ہے مگر وہ ایک نہیں سنتا اور وقت ہوتے ہی مسجد میں پہنچ کر جماعت سے نماز پڑھتا ہے۔ دونوں صورتوں میں اگلی نماز کا انتظار ہے مگر پہلی صورت میں انتظار کے دوران مسجد میں بیٹھ کر جو ثواب کے کام کرتا ہے وہ انتظارِ صلوٰۃ کے ثواب پر مستزاد ہیں اور دوہرا ثواب ملتا ہے اور دوسری نماز جماعت کے ساتھ یقینی ہو جاتی ہے اور دوسری صورت میں نہ کارہائے ثواب کا ثواب ملتا ہے نہ ہی دوسری نماز جماعت سے پڑھنے کا یقین ہوتا ہے۔ حدیث کے الفاظ میں دونوں صورتیں آتی ہیں بہر حال نفسِ اَمّارہ سے جنگ دونوں صورتوں میں کرنی پڑتی ہے۔

اسی دشمن نفسِ اَمّارہ کی سرکوبی کی غرض سے سرورِ کائنات ﷺ فرماتے ہیں :-

ذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ ذالكم الرباط (یہی ہے تمہاری سرحدوں کی حفاظت یہی ہے تمہاری سرحدوں کی حفاظت)

"رباط" کے اصل معنی ہیں اسلامی ملک کی دشمنوں سے حفاظت کرنا کہ وہ بے خبری میں ملک کے اندر نہ گھس آئیں یا اچانک حملہ نہ کر دیں آج کل کی اصطلاح میں اس حفاظتی دستہ کو "رینجر فورس" کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ سرحدوں کی حفاظتی تدابیر اسی وقت کی جاتی ہیں جب جنگ جاری ہو یا حالتِ جنگ ہو، احادیث میں اِس رباط کی بہت زیادہ فضیلت آئی ہے اور بڑے ثواب بیان ہوئے ہیں مگر ہر زمانے میں اور ہر شخص کو اس دین کا کام کرنے کی سعادت حاصل نہیں ہو سکتی اسلئے رسول اللہ ﷺ عام مسلمانوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ تمہارے لئے دین کی سرحدوں کو دشمن نفسِ اَمّارہ کی رخنہ اندازیوں سے مذکورہ بالا احتیاطی تدابیر کے ذریعے محفوظ رکھنے میں وہی اجر و ثواب

جو ملک کی سرحدوں کو کافروں کی رخنہ اندازیوں سے حفاظت کرنے والے مجاہدوں اور غازیوں کو ملتا ہے اس لئے کہ نفسِ امّارہ تمہارا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ خطرناک دشمن ہے۔

واقعہ! ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کسی غزوہ (کافروں کے ساتھ جنگ) سے مظفر ومنصور تشریف لا رہے تھے۔ غازی صحابہ اس فتح وظفر پر بیحد خوش تھے تو آپ نے ان سے خطاب فرمایا:

رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر فان (اعدى عدوك نفسك التي بين جنبيك۔ (او كما قال)

ہم چھوٹے جہاد سے (فارغ ہو کر) بڑے جہاد کی طرف واپس آ رہے ہیں اس لئے کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا وہ نفس ہے جو ہر وقت تمہارے پہلوؤں کے درمیان (چھپا بیٹھا) ہے (اور ہر وقت دشمنی پر تیار رہتا ہے طرح طرح کے راحت وآسائش کے سبز باغ دکھا کر یا عسرت ونقصان کے بھیانک نتائج سے ڈرا کر دین کے فرائض سے غافل کرنے یا ان میں رخنے ڈالنے میں مصروف رہتا ہے)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ اسی دشمن نفس امارہ کی دشمنی سے خبردار کر کے اس کے حربوں کو بیکار کرنے کے لئے مثال کے طور پر تین چیزوں کا ذکر فرماتے اور ان کی ترغیب دیتے ہیں۔ کتنے مہربان ہیں نبی رحمت ﷺ اپنی امت پر سبحان اللہ!

اللہ جل شانہ اسی رباط (دین کی سرحدوں کی دشمنوں سے حفاظت) کا ذکر ذیل کی آیت کریمہ میں فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (سورۂ آل عمران آیت)

اے ایمان والو! (دین پر) ثابت قدم رہو اور ثابت قدمی میں دشمنوں سے بڑھ جاؤ اور (دین کی) سرحدوں کی حفاظت میں دشمنوں پر غالب آ جاؤ اور اللہ جل شانہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم (دین و دنیا دونوں میں) فلاح پاؤ۔

اور نفسِ امارہ کے متعلق حضرت یوسف جیسے پاک دامن نبی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے ارشاد ہے:-

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي

اور میں اپنے نفس کی براءت نہیں کرتا بلاشبہ نفس تو بری باتوں کا ہی حکم کرتا ہے بجز اس کے کہ میرا رب رحم فرمائے۔

ﷻ اپنی رحمت سے ہی اس نَفسِ اَمّارہ پر نَفسِ مُطمَئِنہ کو غلبہ عطا فرمادیں اور وہ اس کی سرکوبی کرے جیسا کہ نفسِ امارہ کی دشمنی اور نفسِ مطمئنہ کی سرکوبی کا کچھ حال تینوں عبادتوں کے ذیل میں بیان کرچکے ہیں یہ فرضی یا خیالی باتیں نہیں ہیں یہ وہ کشمکش ہے جس سے ہر انسان کو ہر وقت سابقہ پڑتا ہے اسی لئے نبی رحمت ﷺ نے فرمایا ہے:

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَ — جنت نفس کے مکروہات سے گھیر دی گئی ہے اور جہنم نفس کی
حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ — خواہشات سے گھیر دی گئی ہے۔

جب تک انسان مکروہات کے خارزار سے نہ گذریگا جنت میں نہیں پہنچ سکے گا اور جو شخص خواہشاتِ نفس کے سبزہ زار میں پھنس کر رہ گیا وہ سیدھا جہنم جائے گا۔

صدق الله ورسوله (اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ نے بالکل سچ فرمایا) ﷺ ہم سب کو اپنے دین پر عمل کرنے اور نفسِ امارہ کی دھوکے اور فریب سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

امام نووی علیہ الرحمۃ اس حدیث کو اس باب (کثرت طرق خیر) کے ذیل میں اسی لئے لائے ہیں کہ اگر انسان مکارِ نفس سے چوکنا رہے تو ثواب کے کاموں کی کچھ کمی نہیں۔

فجر اور عصر کی نماز باجماعت پڑھنے کا خصوصی ثواب

سولہویں حدیث ($\frac{16}{136}$)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے دو ٹھنڈی نمازیں (پابندی سے) پڑھ لیں وہ جنت میں داخل ہوگیا۔ (بخاری و مسلم)

امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں دو ٹھنڈی نمازیں فجر اور عصر کی نمازیں ہیں۔

تشریح

دوسری احادیث میں من صلی کے بجائے من حافظ آیا ہے جس کے معنی ہیں (پابندی کی) یہی رسول اللہ ﷺ کی مراد ہے کہ جس مسلمان نے پابندی سے فجر اور عصر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھیں وہ جنت میں ضرور جائے گا۔ ان دو نمازوں کی خصوصیت خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمادی ہے:

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ انّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: یتعاقبون فیکم ملٰئکۃ باللیل ملٰئکۃ بالنہار ویجتمعون فی صلٰوۃ الفجر وصلٰوۃ العصر ثُمّ یعرج الذین باتوا فیکم فیسئلھم ربھم وھو اعلم بھم کیف ترکتم عبادی فیقولون ترکناھم وھم یصلون واتینٰھم وھم یصلون۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فرشتے نوبت بنوبت تمہارے درمیان آتے ہیں، رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے اور وہ سب فجر کی نماز اور عصر کی نماز میں اکٹھے ہوتے ہیں (رات کے فرشتے صبح کی نماز پڑھ کر جاتے ہیں دن کے فرشتے فجر کی نماز میں آتے ہیں اسی طرح دن کے فرشتے عصر کی نماز پڑھ کر جاتے اور رات کے فرشتے عصر کی نماز میں آتے ہیں، اس طرح فجر اور عصر کی نمازوں میں دن اور رات کے فرشتے ان دو وقتوں میں جمع ہوتے ہیں) تو فرشتوں کا رب ان (آنے اور جانے والے گروہوں سے) دریافت کرتا ہے۔ حالانکہ وہ ان فرشتوں سے زیادہ (اپنے بندوں کا حال) جانتا ہے: تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا (رات اور دن دونوں کے) فرشتے جواب دیتے ہیں: ہم نے ان کو نماز پڑھتا ہوا ہی چھوڑا ہے اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے جب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

اس طرح دن کے نامۂ اعمال کے اوّل آخر میں بھی اور رات کے اعمالنامہ کے اوّل وآخر میں بھی ان دو نمازوں کی پابندی کی وجہ سے نمازی مسلمان نمازوں کے پابند لکھے جاتے ہیں نامۂ اعمال میں اوّل آخر کو ہی دیکھا جاتا ہے۔ یہی نامۂ اعمال قیامت کے دن پیش ہونگے اور یہ نمازی جنت میں ضرور جائیں گے نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ بغیر جماعت کے فجر عصر پڑھتے ہیں وہ فرشتوں کی اس گواہی سے محروم رہتے ہیں۔ ان دو نمازوں کی تخصیص کی ایک وجہ تو یہ ہوئی دوسری وجہ مسلم ہی کی حدیث میں آیا ہے۔

عن جریر بن عبداللہ یقول کنا جلوسا عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ نظر الی

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ (رات کے وقت) ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک آپ کی نگاہ چودھویں رات کے چاند پر پڑی تو آپ نے فرمایا: تم اپنے رب کو (جنت میں) ایسے ہی دیکھو گے

القمر ليلة البدر فقال انكم سترون ربكم كما ترون هذا القمر لا تضامون في رؤيته فان استطعتم ان لا تغلبوا على صلوٰة قبل طلوع الشمس وقبل غروبها يعني الفجر والعصر ثم قرأ فسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس و قبل غروبها.	جیسے تم اس چاند کو دیکھ رہے ہو اس کے دیدار میں تمہیں ایسے ہی کوئی رکاوٹ اور مزاحمت نہ ہوگی جیسے اس کے دیکھنے میں نہیں ہے پس تم اگر اپنے دنیاوی دھندوں سے مغلوب نہ ہو اور (پابندی سے طلوع آفتاب سے پہلے یعنی فجر کی نماز باجماعت اور غروب آفتاب سے پہلے یعنے عصر کی نماز باجماعت پڑھ سکو تو ان دونوں نمازوں کو باجماعت پابندی سے پڑھا کرو تاکہ جنت میں انہی دو وقتوں میں دیدار الہٰی کی سعادت حاصل کرسکو اسکے بعد آپ نے قرآن کی آیت کریمہ پڑھی پس اپنے رب کی پاکیزگی بیان کرو اسکی حمد و ثنا کے ساتھ آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے (یعنی فجر اور عصر کی نماز) پڑھا کرو۔

حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ جنت میں روزانہ دو وقت جل جلالہ کا دیدار ہوا کریگا ایک فجر کی نماز کے وقت یہ آفتاب کے طلوع ہونے سے پہلے ایک عصر کی نماز کے وقت آفتاب کے غروب ہونے سے پہلے اور اس دو وقتہ دیدار کی سعادت وہی لوگ حاصل کرسکیں گے جو دنیا میں پابندی کے ساتھ باجماعت فجر اور عصر کی نمازیں پڑھتے ہیں اسی لئے اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم بھی خاص طور پر ان دو نمازوں کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

ان دو نمازوں کی تخصیص کی تیسری وجہ سے مسلم ہی کی حدیث شریف میں آیا ہے :

عن رويبة رضي الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم لن يلج النار احد صلى قبل طلوع الشمس و وقبل غروبها يعني الفجر والعصر	حضرت رویبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں : میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے جو کوئی بھی (پابندی کے ساتھ) طلوع آفتاب سے پہلے اور بعد نماز باجماعت پڑھے گا۔ یعنے فجر اور عصر کی نمازیں پڑھے گا وہ ہرگز جہنم میں داخل نہ ہوگا۔

اس حدیث سے ایک طرف مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ (الآیۃ) سے مراد نماز فجر اور نماز عصر ہیں دوسری طرف جہنم سے مطلق نجات پانے کی بشارت دی۔

ان دو نمازوں کو پابندی سے ادا کرنے کی خصوصیت احادیث میں یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ پہلی امتوں پر صرف یہی دو نمازیں فرض کی گئی تھیں مگر انہوں نے ان دو نمازوں کو بھی پڑھ کر نہ دیا اسی لئے نبی رحمت ﷺ ان دو نمازوں کی اس قدر تاکید فرما رہے ہیں اور ترغیب دے رہے ہیں چنانچہ لیلۃ الاسراء میں پانچ نمازیں فرض ہونے سے پہلے بھی آپ بعثت کے بعد اول دن سے برابر یہی دو نمازیں مسلمانوں کے ساتھ جماعت سے پڑھا کرتے تھے۔

ان خصوصیات کے علاوہ جو خصوصیات بیان کرتے ہیں وہ چنداں اہم نہیں اس لئے کہ وہ اور نمازوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ کثرت طرق خیر کے باب میں اس حدیث کو لائے ہیں کہ مسلمان ان دو نمازوں کو ہرگز نہ چھوڑیں کہ بڑی محرومی اور بدنصیبی کا موجب ہے جل جلالہ ہم سب کو ان دو نمازوں کو بھی اور باقی تین نمازوں کو بھی پابندی سے مسجد میں جاکر جماعت کے ساتھ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین

بیماری اور سفر کی حالت میں ﷺ کی خصوصی رعایت

سترہویں حدیث (۱۷/۱۳۷)

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے مروی ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، جب مسلمان بندہ بیمار ہو جاتا ہے یا سفر میں چلا جاتا ہے (اور صحت یا قیام کی حالت میں جو نفل عبادتیں اور اذکار و اوراد کیا کرتا تھا وہ اب بیماری یا سفر کی وجہ سے نہیں ادا کر سکتا تو) اُس کے لئے نامۂ اعمال میں وہ تمام عبادات لکھ دی جاتی ہیں جو وہ صحت اور قیام کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ (بخاری)

تشریح

مرض اور سفر دو ایسی حالتیں ہیں کہ ان میں رب کریم و رحیم نے فرض عبادتوں میں بھی تخفیف فرما دی ہے۔ شریعت کا حکم ہے کہ اگر سفر میں پانی تلاش کرنے کے باوجود نہ ملے یا بیماری میں پانی سے وضو کرنے یا ناپاکی کا غسل کرنے میں مرض کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو پانی کے بجائے پاک مٹی سے تیمم کر لو اگر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے تو بیٹھ کر پڑھ لو۔ اگر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتے تو لیٹے لیٹے

اشاروں ہی سے پڑھ لو، چھوڑو مت جس طرح بھی بن پڑے پڑھ لو، سفر میں تو جل جلالہٗ نے اپنے کرم سے خود ہی فرضوں میں چار کے بجائے دو فرض کر دیئے اور مرض و سفر دونوں حالتوں میں فرضوں کے علاوہ سنتوں کے ترک کرنے کا اختیار دے دیا اسی طرح رمضان کے فرض روزے بھی ترک کرنے کی اجازت دے دی کہ وطن پہنچ کر یا تندرست ہو کر اتنے دن کے روزے رکھ لینا۔

ایک پانچوں وقت کی نمازوں اور سنن و نوافل۔ اذکار و اوراد کے پابند نمازی کو اپنی اس حالت پر رونا آتا ہے اور سخت افسوس ہوتا ہے کہ فرض نمازیں بھی ادھوری سدھوری ادا ہو رہی ہیں سنن و نوافل اور اذکار و اوراد بھی سب چھوٹ گئے ہیں بڑی سخت محرومی محسوس کرتا ہے اَللّٰہ کے رسول ﷺ ایسے ہی عبادات کے شیدائی مسلمان بندے کو اس حدیث میں اطمینان دلاتے ہیں کہ گھبراؤ مت صبر و شکر سے کام لو اور بے فکر رہو تندرستی اور قیام کے زمانہ میں تم جس قدر عبادتیں خواہ فرض ہوں خواہ نفل روزانہ ادا کیا کرتے تھے اور تمہارے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی تھیں وہ سب بیماری اور سفر کی حالت میں بھی لکھی جا رہی ہیں تو بندہ نبئ رحمت ﷺ کی زبانِ مبارک سے یہ خوشخبری سُنکر بیحد خوش اور مطمئن ہو جاتا ہے کہ جل جلالہٗ نے اپنی شانِ کریمی سے میرا کچھ بھی نقصان نہیں ہونے دیا، کچھ نہ کرنے کے باوجود سب کچھ لکھا گیا اور جل جلالہٗ کا شکر ادا کرتا ہے اور تندرست ہونے یا قیام کے بعد خوشی خوشی زیادہ سے زیادہ عبادتیں پورے اہتمام سے ادا کرتا ہے اس یقین کے ساتھ کہ اگر پھر بیمار ہوا یا سفر کرنا پڑا تو بغیر کئے یہ سب عبادتیں نامۂ اعمال میں لکھی جائیں گی۔ یہی ترغیب و تحریص نبئ رحمت ﷺ کے اس خوشخبری سنانے کا مقصد ہے۔ جل جلالہٗ اپنے محبوب نبی رحمت ﷺ کی اُمت کو زیادہ سے زیادہ حسنِ عمل کی توفیق عطا فرمائیں اور یہی مقصد ہے امام نووی رحمہ اللہ کے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کرنے کا ورنہ بظاہر تو اس حدیث میں کسی بھی عملِ خیر کا ذکر نہیں ہے اسی مقصد کو واضح کرنے کی غرض سے ہم نے جل جلالہٗ کے فضل و کرم سے اتنی تفصیلی شرح کی ہے، حدیث کے ترجمہ کے لئے تو ایک سطر کافی تھی مگر پڑھنے والے تشنہ رہتے کہ اس حدیث میں تو کسی بھی کارِ ثواب کا ذکر نہیں ہے۔

واللہ الموفق۔

ہر نیک کام ثواب کا کام ہے | اٹھارہویں حدیث (۱۸/۱۳۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ہر (از روئے شریعت) بھلا کام ثواب کا کام ہے۔ بخاری نے اس حدیث کو روایت کیا ہے:

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام مسلم نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے:

تشریح

گو حضرت جابر اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما دونوں صحابی اس حدیث کے راوی ہیں باقی بھلے کاموں کی کافی تعداد اس باب کی حدیثوں کے ذیل میں بیان ہو چکی ہے۔ صرف اتنا اضافہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ نہ نیک کام کرنے والے کی ذاتی خواہش کا اعتبار ہے نہ کسی دوسرے انسان کی خواہش کا۔ نیک یا بھلا کام صرف وہی ہے جس کو جل جلالہٗ اور اس کے رسول ﷺ نیک اور بھلا کام فرمادیں۔ اس لئے کہ انسانی خواہش اور محبت کا حال تو یہ ہے جل جلالہٗ فرماتے ہیں:

وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔
(سورۂ بقرہ، آیت ۲۱۶)

کچھ بعید نہیں کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمہارے حق میں اچھی ہو۔ اور کچھ بعید نہیں کہ تم کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ چیز تمہارے حق میں بُری ہو اور اللہ ہی (اچھی بُری چیز کو) جانتا ہے تم نہیں جانتے (کہ کونسی چیز بُری ہے اور کونسی اچھی ہے۔)

اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم یعنی تمام انسانوں کی پسند اور ناپسند میں بیشتر دخل دشمن یعنی نفسِ امّارہ کا دخل ہوتا ہے اور اس کی خواہشات تمامتر ہمارے حق میں مضر ہی ہوتی ہیں آپ اس سے پہلے ایک حدیث میں پڑھ چکے ہیں:

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَ حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ ۔۔ جنت مکروہاتِ نفس کے خارزار سے گھری ہوئی اور جہنم خواہشاتِ نفس کے سبزہ زاروں میں گھری ہوئی ہے۔

اگر خواہشات نفس پر عمل کروگے سیدھے جہنم میں جاؤ گے ہاں اگر نفس کی خواہشات کو ٹھکرا کر مکروہات نفس پر عمل کروگے تو بیشک جنت میں جاؤ گے سُبْحَانَ اللہ کتنا واضح معیار جہنم اور جنت میں جانے کا بیان فرمایا ہے نبی رحمت ﷺ نے کاش کہ امت اس پر عمل کرے۔ واللہ الموفق

باغ والوں اور کھیتی والوں کا جو بھی نقصان ہو اس پر ثواب ملنے کا بیان

انیسویں حدیث (۱۹/۱۲۹)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس کسی مسلمان نے کوئی درخت لگایا تو جو بھی اس کا پھل کسی نے کھایا اس کا ثواب اُس کو ملیگا اور جو بھی اس کے پھل چوری گئے وہ بھی اس کے لئے ثواب کا موجب ہیں اور جو بھی کسی نے اُس کا نقصان کیا اس کا بھی اسکو ثواب ملیگا۔ امام مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا۔

مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے جس مسلمان نے بھی کوئی درخت لگایا اور کسی انسان نے یا چوپایہ نے یا پرندہ نے اس کا پھل کھالیا تو اس کو قیامت کے دن تک اس کا ثواب ملتا رہے گا۔

مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے جس مسلمان نے کوئی بھی درخت لگایا یا کوئی کھیت بویا اور کسی انسان نے یا کسی چوپایہ نے یا کسی نے بھی کچھ کھالیا تو اس کا ثواب مالک کو ملتا رہے گا۔

اور بخاری و مسلم دونوں نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

امام نووی علیہ الرحمہ یَرْزَءُہٗ کے معنی بتلاتے ہیں "نقصان کیا"

تشریح

اس حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ باغوں اور کھیتوں کے مسلمان مالکان کو کرم اخلاق اور بلند حوصلگی کی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ جل شانہ نے اپنے فضل سے تمہیں باغ یا کھیت کا مالک

بنایا ہے تمہیں اس قدر تنگدل اور بے حوصلہ نہ ہونا چاہیئے کہ اگر کسی انسان نے یا جانور نے یا پرندہ نے باغ سے پھل کھا لئے یا کسی جانور نے کھیت میں منہ ڈال دیا تو لگے غصہ ہونے اور گالیاں دینے۔ کیا خبر ہے وہ انسان یا حیوان بھوکا ہی ہو تو بھوکے کے پیٹ کو بھرنا تو بہرحال کارِ ثواب ہے اسی طرح باغ یا کھیت کا کسی اور قسم کا کوئی نقصان ہو گیا تو باغ یا کھیت کے رکھوالے کو برا بھلا کہنے لگے۔ حاصل یہ ہے کہ باغ یا کھیت کا جو بھی نقصان ہو اس کو منجانب اللہ باور کر کے صبر کرنا چاہیئے اور جو بچ گیا ہے اس کا شکر ادا کرنا چاہیئے تو اللہ جل شانہ ضرور اس کمی کو پورا کر دیں گے اور نقصان کی تلافی فرما دیں گے۔ اللہ جل شانہ کا وعدہ ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (سورۂ ابراہیم آیت ۷) بخدا اگر تم نے شکر ادا کیا تو تمہیں ضرور اور زیادہ دوں گا۔

زیادہ تر غصہ اس وقت آتا ہے جب بھوکا اپنے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے دو چار پکے پھلوں کے لئے دس بیس کچے پھل گرا دیتا ہے یا جانور کھیت میں گھس کر کھانے کے علاوہ اپنے قدموں سے کھیت کو روند دیتا ہے، کھاتا کم ہے اور نقصان زیادہ کرتا ہے۔ اسی کے پیش نظر ہر قسم کے نقصان کو بھی ثواب کا موجب فرمایا ہے:۔

امام نووی علیہ الرحمۃ اس حدیث کو کثرت طرق خیر کے باب میں اس لئے لائے ہیں کہ یہ تو وہ کام ہیں جنہیں بغیر کچھ کئے دھرے محض ثواب کی نیت کر لینے پر ثواب ملتا ہے۔ بہرحال ثواب کی لگن ہونی چاہیئے پھر کارہائے ثواب تو بے حد و حساب ہیں اللہ جل شانہ ہم سب کو یہ لگن عطا فرمائیں آمین۔

بیسویں حدیث (۱۲۰/۱۴) مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے کیلئے آنے جانے میں ہر قدم پر ثواب ملتا ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: قبیلہ بنو سلمہ نے ارادہ کیا کہ وہ (اپنی بستی سے) مسجدِ نبوی کے قریب منتقل ہو جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بنو سلمہ کے اس ارادہ کی) خبر ملی تو آپ نے (اس خبر کی تصدیق کی غرض سے) فرمایا: مجھے خبر ملی ہے کہ تم لوگ مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہتے ہو؟ تو انہوں نے

عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ہم نے یہ ارادہ کیا تھا ہے۔ تو آپ نے فرمایا:
اے بنو سلمہ! اپنی بستی میں ہی رہو، تمہارے قدموں کے نشان لکھے جاتے ہیں
(مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا)
اور ایک روایت میں ہے: بلاشبہ ہر قدم پر ایک درجہ (بلند ہوتا) ہے۔
امام بخاری نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اسی حدیث کے ہم معنے حدیث
روایت کی ہے (صرف لفظوں میں فرق ہے مفہوم ایک ہے)
امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: بنو سلِمَہ لام کے زیر سے۔ انصار رضی اللہ عنہم کا مشہور و
معروف قبیلہ ہے۔ اور نشانِ قدم سے مراد قدم ہیں۔

تشریح

واقعہ! قبیلہ بنی سلمہ مدینہ طیبہ کی ایک نواحی بستی میں مدینہ سے دو تین میل فاصلہ پر آباد
تھا مسجدِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے قرب و جوار میں کچھ رہائشی زمین کے قطعے
خالی ہوئے تو اس قبیلہ نے اس خیال سے کہ ہماری بستی مسجد سے قریب ہو جائے گی۔ پانچوں وقت
جو اتنی دور سے چل کر آنا پڑتا ہے اس سے بچ جائیں گے منتقل ہونے کا ارادہ کیا مگر درصل یہ
خیال انسان کے پوشیدہ دشمن آسائش پسند نَفْسِ اَمّارَہ کا ایک فریب تھا وہ راحت و آسائش
کا سبز باغ دکھا کر اس اجرِ عظیم اور رفع درجات سے محروم کرنا چاہتا تھا جو دور سے چل کر آنے کی بنا پر
ان کو مل رہا تھا۔ حضور ﷺ کو ان کے اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کو بلا کر ان سے
دریافت کیا تو انہوں نے عرض کیا: "جی ہاں ارادہ تو کیا ہے" تو نبی رحمت ﷺ نے ان کے
نام بنو سلمہ سے خطاب کر کے بتاکید اس ارادہ سے باز رکھا اور نفسِ اَمّارَہ کے اس فریب سے
آگاہ کیا اور بتلایا کہ مسجد سے قریب ہو کر کتنے بڑے اجر و ثواب سے محروم ہو جاؤ گے جو پانچوں
وقت اتنی دور سے چل کر مسجد میں آنے کی مشقت پر تم کو مل رہا ہے۔ کتنا بڑا خسارہ ہے۔ چنانچہ
بنو سلمہ نے دشمن نفسِ اَمّارَہ کے اس فریب سے آگاہ ہو کر منتقل ہونے کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے

نام بنو سلمہ کے مطابق اس نقصان عظیم سے بچ گئے۔

یہ اُس زمانہ کا واقعہ ہے جب نواحی بستیوں میں مسجدیں نہیں بنی تھیں ہر بستی والوں کو نماز باجماعت پڑھنے کے لئے مسجد نبوی میں آنا پڑتا تھا۔ اس کے بعد بھی اگرچہ نواحی بستیوں میں مسجدیں بن گئی تھیں مگر حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کی سعادت اور دُور دُور سے چل کر آنے کے اس اجرِ عظیم کو حاصل کرنے کی غرض سے بیشتر لوگ دُور دُور سے چل کر آتے اور ثواب حاصل کرتے تھے اگر بنو سلمہ اس وقت منتقل ہو جاتے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس اجرِ عظیم سے محروم ہو جاتے۔

اب بھی جبکہ قریب قریب ہر بستی میں مسجدیں بن گئی ہیں بڑی مسجدیں جہاں زیادہ نمازی ہوتے ہیں اور بڑی جماعت ہوتی ہے اگرچہ دُور ہو چل کر جانا اجر و ثواب کا موجب ہے۔ اِلّا یہ کہ محلہ کی مسجد کے ویران ہو جانے کا اندیشہ ہو یا وقت نکل جانے کا خوف ہو تو قریب کی مسجد میں ہی نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ وقت پر نماز پڑھنے اور خدا کے گھر کو ویران ہونے سے بچانے کے اجر و ثواب سے اس اجر و ثواب کے نقصان کی مکافات ہو جائے گی جو دُور سے چل کر مسجد جانے پر ملتا۔ اگر کسی اور دنیوی غرض یا منفعت کی بنا پر کوئی بھی صورت اختیار کی گئی تو وہ غرض تو پوری ہو جائے گی منفعت حاصل ہو جائے گی مگر اجر و ثواب مطلق نہیں ملے گا انما الاعمال بالنیات حضور ﷺ کا ارشاد ہے (عملوں کا مدار نیتوں پر ہے)

گرمی جاڑے اور برسات میں دور سے چل کر مسجد آنیوالے کا ثواب

اکیسویں حدیث ۲۱/۱۴۱

حضرت ابو المنذر اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: ایک آدمی تھا میرے علم میں مسجد سے اس کے گھر سے زیادہ دور کسی اور کا گھر نہ تھا اور (جماعت کی پابندی کا یہ حال تھا کہ) کوئی نماز باجماعت اس سے نہیں چھوٹتی تھی تو اس سے کہا گیا یا میں نے اس سے کہا (راوی کو شک ہے کہ روایت میں پہلا لفظ ہے یا دوسرا) اگر تم ایک گدھا خرید لو اور اندھیری راتوں میں یا تپتی ہوئی دوپہر میں اس پر سوار ہو کر مسجد آؤ جاؤ (تو کتنا اچھا ہو) اس

شخص نے جواب دیا (تکلیف سے بچنے کے لئے گدھا خریدنا تو دُور کی
بات ہے) مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ میرا گھر مسجد کے پہلو میں ہو، میں تو چاہتا
ہوں کہ میرا یہ (مسجد) چل کر آنا اور جب گھر واپس جاؤں تو پیادہ لوٹنا میرے
نامۂ اعمال میں لکھا جائے تو رسول اللہ ﷺ نے (اس کا یہ عاشقانہ جواب سنکر)
فرمایا: (مبارک ہو) یقیناً ﷻ نے تمہارے لئے یہ سب جمع فرما دیا (آنے اور
جانے کے ایک ایک قدم کا ثواب تمہیں ملے گا)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ایک روایت میں آیا ہے "جو تم نے نیت کی وہ
تمہیں ضرور ملے گا"۔ نیز فرماتے ہیں عربی میں رمضاء شدید گرمی سے تپتی ہوئی زمین کو کہتے ہیں۔

تشریح

سُبْحَانَ اللهِ! نماز با جماعت سے کس قدر والہانہ عشق ہے کہ اندھیری راتوں کے تمام
خطرات اور شدید گرمی سے تپتی ہوئی زمین پر با پیادہ چلنے کی تمام تکلیفیں سب گوارا ہیں مگر با جماعت
نماز نہ چھوٹے۔ سچ فرمایا ہے ﷻ کے رسول ﷺ نے:

حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ   جنت مکروہاتِ نفس سے گھری ہوئی ہے۔

ان مشقتوں کے خارزار سے گذرے اور قدموں کو فگار (زخمی) کئے بغیر جنت نہیں مل سکتی۔
ﷻ ہم سب مسلمانوں کو نماز با جماعت کا عشق نہ سہی شوق ہی عطا فرمائیں۔ آمین۔
اس باب کی سابقہ احادیث میں با پیادہ مسجد جانے کے اجر و ثواب کی تفصیلات گذر چکی ہیں۔

جنت میں لیجانے والی چالیس ۴۰ خصلتوں کا بیان | بائیسویں حدیث (۲۲/۱۴۲)

حضرت ابو محمد عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہتے
ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے، چالیس ۴۰ خصلتیں ہیں جن میں سب سے
اعلیٰ خصلت دودھ والی بکری کا عطیہ ہے، جو بھی کوئی عمل کرنے والا ان چالیس
میں سے کسی بھی خصلت پر اس کے ثواب کی اُمید پر اور جس چیز کا وعدہ کیا گیا

ہے اس وعدہ کو دل سے سچا جاننے اور ماننے کے بعد اس پر عمل کریگا اللہ تعالیٰ اس کو ضرور جنت میں داخل فرمائیں گے۔

(بخاریؒ نے اس حدیث کو روایت کیا)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عربی میں منیحۃ اس دودھ دینے والی بکری کو کہتے ہیں جسے مالک کسی حاجتمند کو دودھ پینے کے لئے عاریۃً دیدے اور جب دودھ ختم ہوجائے تو واپس لے لے۔

تشریح

حدیث شریف میں صرف دودھ کے اس معمولی سے عطیہ کو سب سے اعلیٰ خصلت قرار دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ باقی انتالیس ۳۹ خصلتیں اس سے بھی زیادہ معمولی اور ادنیٰ درجہ کے کام ہیں (جن کی تفصیل گذشتہ احادیث میں آچکی ہے) لہٰذا اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کسی بھی حاجتمند کی کسی بھی حاجت کو پورا کردینا اگرچہ کتنی ہی معمولی ہو عند اللہ اور عند الرسول اجرِ عظیم کا موجب ہے اور ان پر جنت میں داخل فرمانے کا وعدہ ہے مگر یہ اجرِ عظیم جب ہی ملتا ہے جبکہ اجر کے وعدوں پر کامل یقین ہو اور نیت خالص ہو ورنہ اگر نام و نمود کے لئے یا حاجتمند پر احسان جتلانے کے لئے یہ کام کئے تو کچھ نہیں ملے گا۔ نیز حدیث شریف میں ان چالیس ۴۰ کاموں کو خصائل سے تعبیر کیا ہے جس کے معنی ہیں عادتیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس اجر اور اس وعدے کے مستحق وہی لوگ ہیں جن کی عادت یہ ہوجائے کہ محتاج کو دیکھتے ہی جب تک اس کی حاجت پوری نہ کردیں چین نہ آئے، ظاہر ہے جب کسی مسلمان کے دل میں مخلوقِ خدا کی حاجت روائی کا یہ جذبہ پیدا ہوجائے تو یہ اس کے مقبول بارگاہِ الٰہی ہونے کی روشن دلیل ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ (او کما قال)	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال (کنبہ) ہے لہذا اللہ سب سے زیادہ محبت اس سے فرماتا ہے جو اس کی عیال (کنبہ) کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کو اس باب میں اسی لئے لائے ہیں کہ یہ تمام کارہائے خیر اُسی وقت اجر و ثواب کا موجب ہوں گے جب کہ اللہ جل شانہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں پر کامل یقین ہو اور خالصاً لوجہ اللہ انجام دیئے جائیں۔

تیئسویں حدیث (۱۴۲/۲۳) | ضرورتمند کو معمولی سے معمولی چیز دینے پر بھی خدا خوش ہوتا ہے

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا، (جہنم کی) آگ سے بچو اگرچہ کھجور کے ایک ٹکڑے سے ہی ہو۔ (بخاری اور مسلم دونوں نے اس حدیث کو روایت کیا)

اور بخاری اور مسلم ہی کی ایک روایت میں انہی عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: تم میں سے ہر ایک شخص سے اس کا رب (براہ راست) بات کریگا (اس طرح کہ) اس کے اور اُس کے رب کے درمیان کوئی (دوسرا) ترجمان نہ ہوگا پس (اس وقت) وہ اپنے دائیں جانب دیکھے گا تو اُس کے کئے ہوئے اعمال کے سوا کچھ نہ ہوگا اور بائیں جانب دیکھے گا تو (اُدھر بھی) اس کے کئے ہوئے اعمال کے سوا کچھ نہ ہوگا اور سامنے (کی طرف) دیکھے گا تو اُس کے منہ کے سامنے آگ ہی آگ ہوگی اور کچھ نہ ہوگا پس (اس) آگ سے (جس طرح ہو سکے) بچو اگرچہ ایک کھجور کے ٹکڑے کے ذریعے ہی بچو۔ اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو اچھی بات (کے ذریعہ سے) ہی بچو۔

تشریح

قیامت کے دن اللہ جل شانہ براہ راست ہر بندے سے اس کے کئے ہوئے اعمال کے متعلق سوال فرمائیں گے کہ میں نے عمر بھر تجھ پر بے شمار انعامات اور احسانات کئے بتلا تو نے اس کا شکریہ کس طرح ادا کیا بندے کے پاس اس وقت عمر بھر کئے ہوئے اعمال کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ دائیں طرف نیک اعمال ہوں گے اور بائیں طرف بد۔ اور سامنے کی جانب ایک طرف جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہوگی اور دوسری

طرف جنت لہلہاتی ہوگی ۔ حساب اعمال کے بعد جن کی بائیں جانب کے اعمال وزنی ہوئے وہ تو جہنم کی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے اور جن کے دائیں جانب کے اعمال وزنی ہوں گے وہ جنت میں بھیج دیئے جائیں گے قرآن کریم کی مذکورہ ذیل آیات اس پر روشنی ڈالتی ہیں ۔

۱۔ وَاِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ	(سورہ تکویر آیت ۱۲)	۱۔ اور جبکہ جہنم بھڑکا دی جائے گی اور جبکہ جنت بالکل قریب کردی جائیگی اسوقت ہر ایک کو معلوم ہوجائیگا کہ وہ کیا لایا ہے ۔
۲۔ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۔ (سورہ قیامہ آیت ۱۳)		۲۔ اس دن انسان کو بتلایا جائے گا جو اس نے کیا یا نہ کیا ہوگا ۔
۳۔ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ (سورہ انفطار آیت ۵)		۳۔ ہر شخص جان لیگا کہ اس نے کیا کیا اور کیا نہیں کیا ۔
۴۔ یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۝	(سورہ زلزال آیت ۶ تا ۸)	۴۔ اس دن لوگ مختلف گروہوں میں واپس ہونگے تاکہ اپنے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں پس جس نے ذرہ برابر بھی نیک کام کیا ہوگا اس کو دیکھ لیگا اور جس نے ذرہ برابر بھی کوئی برا کام کیا ہوگا اس کو دیکھ لے گا (حشر کے دن) ۔
۵۔ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ ۝ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِیَةٌ ۝	(سورہ قارعہ آیت ۶ تا ۹)	۵۔ پس جس کے وزن کئے ہوئے اعمال وزنی ہوں گے تو وہ پسندیدہ زندگی بسر کرے گا اور جس کے اعمال ہلکے اور کم وزن ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ جہنم میں ہوگا ۔
۶۔ وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَبُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِلْغَاوِیْنَ	(سورہ شعراء آیت ۹۱،۹۰)	۶۔ اور جنت پرہیزگاروں کے بالکل قریب کردی جائیگی اور جہنم گمراہوں اور کجراہوں کے سامنے بے نقاب کردی جائیگی

مذکورہ بالا زیر بحث حدیث میں نبی رحمت ﷺ اسی محاسبۂ اعمال کا ذکر فرماتے ہیں اور ہر شخص کو زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرکے جہنم سے بچنے کی جدوجہد کی ترغیب دیتے ہیں کہ محتاج کو اور کچھ نہیں تو کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہی جہنم سے بچو اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو کسی کو بھلی بات بتا کر ہی جہنم سے بچو (اس میں تو کچھ خرچ بھی نہیں ہوتا) ۔

اگرچہ شراح حدیث نے اتقوالنار ولو بشق تمرۃ کے دو مطلب بیان کیے ہیں۔

۱۔ایک یہ کہ اگر کسی کا ذراسا حق بھی تمہارے ذمہ ہو تو اس کو بھی ادا کر کے جہنم کی آگ سے نجات حاصل کرو کیونکہ یہ حقوق العباد ہیں مطلق معاف نہیں ہوتے اگر کسی کا کھجور کا ایک ٹکڑا بھی تمہارے ذمہ رہ گیا تو جہنم میں جاؤ گے۔

۲۔دوسرا یہ کہ اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی سزا سے بچنے کے لئے کسی بھی نیک کام کرنے میں کوتاہی نہ کرو اگرچہ کتنا ہی معمولی کار خیر ہو۔اس دوسرے مطلب کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے :

اَلصَّدَقَۃُ تُطْفِیُٔ الْخَطَایَا کَمَا یُطْفِیُٔ الْمَاءُ النَّارَ۔ — صدقہ (خیرات) خطاؤں (کی آگ) کو اس طرح بجھا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔

اسی طرح اسی باب کی آٹھویں حدیث میں رسول اللہ ﷺ مسلمان عورتوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں :

یا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ لَا تَحْقِرَنَّ جارۃ لجارتھا ولو فرسن شاۃ — اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لئے (کسی بھی چیز کو) حقیر نہ سمجھے اگرچہ بکری کا کھر ہی ہو۔

اور پانچویں حدیث میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا ہے :

قال لی النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لَا تَحْقِرَنَّ من المعروف شیئا ولو ان تلقا اخاك بوجہ طلیق۔ — حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ (خاص طور پر) مجھ سے رسول اللہ نے فرمایا: اے (ابوذر) تم کسی بھی بھلے کام کو حقیر مت سمجھنا اگرچہ اپنے (مسلمان) بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی ہو۔

اسی طرح زیر نظر حدیث میں دان لم یجد فبکلمۃ طیبۃ اگر نہ ہو تو بھلی بات کے ذریعے ہی بچو۔

اور یہی دوسرا مطلب امام نووی رحمہ اللہ کے پیش نظر ہے اسی لئے اس باب میں اس حدیث کو لائے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور ہر مسلمان کو بھی زیادہ سے زیادہ کارہائے خیر کر کے جہنم سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں آمین ثم آمین۔

کھانے پینے کے بعد اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرنے والے بندے پر اظہارِ خوشی — چوبیسویں حدیث (۴۴۴)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بیشک اللہ جل شانہٗ بندہ سے (اس پر) خوش ہوتا ہے کہ جو کھانا (صبح کا یا شام کا) وہ کھاتا ہے تو اس پر اللہ جل شانہٗ کا شکر ادا کرتا ہے اور جو بھی پانی پیتا ہے اس پر بھی اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرتا ہے۔"

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اَکْلَۃ ہمزہ کے زبر کے ساتھ صبح کے یا شام کے کھانے کو کہتے ہیں (نہ کہ ہر لقمہ اور ہر گھونٹ کو)

تشریح

ظاہر ہے کہ دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلانا اور پیاس پر پانی پینے کو دینا اللہ جل شانہٗ کا اتنا بڑا انعام و احسان ہے کہ ہم اس کا شکریہ ادا کر ہی نہیں سکتے اس لئے کہ ہم اپنے گرد و پیش میں دیکھتے ہیں کہ بے شمار لوگ ایسے ہیں کہ باوجود انتہائی محنت کرنے اور مشقت اٹھانے کے دو وقت پیٹ بھر کر انہیں کھانا نصیب نہیں ہوتا اور ایسے بھی بہت سے لوگ ہیں کہ زیادہ سے زیادہ لذیذ اور عمدہ کھانے دسترخوان پر موجود ہیں مگر کسی مرض یا بیماری کے خوف سے یا کسی اور وجہ سے نہیں کھا سکتے اس لئے دونوں وقت شکم سیر ہو کر کھانا اور کھانے کی قدرت بھی دینا اتنا بڑا احسان ہے کہ ہم کسی بھی طرح اس کا شکر ادا نہیں کر سکتے تھے یہ اللہ جل شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کریمی ہے کہ انہوں نے نہایت آسان طریق پر شکر ادا کرنے اور اس پر اپنی رضامندی و پسندیدگی کا بھی اظہار فرما دیا، اور قرآن کریم میں شکر ادا کرنے پر مزید نعمتیں دینے کا بھی وعدہ فرمایا ہے جس کا ہم شب و روز مشاہدہ کرتے ہیں ہر روز نئی سے نئی نعمتیں کھانے کو ملتی ہیں۔

مگر وائے بر ما و برحالِ ما کہ ہم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے اس قدر ناآشنا ہیں کہ نہ کھانا شروع کرنے کے وقت کبھی بسم اللہ کہنا نصیب ہوتا ہے نہ فارغ ہونے کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ کہنے کی توفیق ہوتی ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے

کہ ہمیں بچپن میں نہ بتلایا گیا نہ عمل کرنے پر تنبیہہ و تادیب کی گئی یہی وجہ ہے کہ ہماری نہ صرف نوجوان نسل بلکہ اچھے اچھے صوم و صلوٰۃ کے پابند گھرانے بھی کھانا کھانے کے اسلامی آداب سے بے بہرہ ہیں اسوقت ہمارا حال وہی ہے جو قرآنِ کریم نے کافروں کا بتلایا ہے یَاْکُلُوْنَ کَمَا تَاْکُلُ الْاَنْعَامُ (جانوروں کی طرح کھانا کھاتے ہیں) آج بڑی بڑی ضیافتوں میں میزوں پر رکھے ہوئے کھانے کی مختلف ڈشوں سے پلیٹوں میں کھانا لیکر جانوروں کی طرح کھڑے کھڑے کھانا اور کھاتے ہوئے اِدھر سے اُدھر گھومتے رہنا عین تہذیب سمجھا جاتا ہے۔ اللہ مسلمانوں پر رحم فرمائیں۔ ہم ذیل میں مختصر طور پر آدابِ طعام لکھنا مناسب سمجھتے ہیں اُمید ہے کہ مسلمان خود بھی اس پر پابندی سے عمل کریں گے اور اپنے بچوں سے بھی عمل کرائیں گے۔

آدابِ طعام:

۱۔ کھانا کھانے کی نیت سے ہاتھ دھونا اگرچہ ہاتھ بالکل پاک وصاف ہوں۔

۲۔ کھانا بِسْمِ اللہ پڑھ کر شروع کرنا، اگر شروع میں بِسْمِ اللہ کہنا یاد نہ رہے تو کھانے کے درمیان جب یاد آئے تو بِسْمِ اللہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ پڑھ لے (اللہ کے نام سے شروع میں بھی آخر میں بھی)

۳۔ گھر کے تمام افراد ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھائیں الگ الگ نہ کھائیں اگر ایک قسم کا کھانا ہو تو ایک ہی بڑے برتن قاب (ڈش) وغیرہ میں سب کھائیں اگر کئی قسم کا ہو تو اپنی اپنی پسند کے مطابق علیحدہ علیحدہ پلیٹ میں لے کر کھائیں مگر ایک ہی دسترخوان پر ادب و احترام کے ساتھ بیٹھ کر کھائیں کھڑے ہو کر نہ کھائیں متکبروں کی طرح اُلتی پالتی مار کر نہ بیٹھیں، دسترخوان پر جو سب سے عمدہ کھانا ہو اسی کی طرف سب سے پہلے ہاتھ نہ بڑھائیں۔ اگر بڑے برتن سینی یا قاب میں کھانا ہو تو کنارے سے لیں بیچ میں ہاتھ یا چمچہ نہ ماریں تین انگلیوں سے کھائیں، حریص لوگوں کی طرح بڑے بڑے لقمے نہ لیں، دوسرے کھانا کھانے والوں کی طرف نہ دیکھیں، خاموش بیٹھ کر کھانا نہ کھائیں مناسب

اور موزوں گفتگو کرتے رہیں۔ بلند آواز سے ڈکار نہ لیں۔

۴۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ دھوئیں اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ پڑھیں (شکر ہے اللہ تعالیٰ کا جس نے ہمیں کھانا کھلایا پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا)

ہر مومن مسلمان کیلئے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے بہت سے طریقے | پچیسویں حدیث (۲۵/۱۴۵)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: مسلمان کے پورے بدن پر صدقہ (ادا شکر کے لئے) واجب ہے۔ (ابوموسیٰ نے عرض کیا: آپ بتلایئے اگر کچھ میسر نہ ہو (کہ صدقہ کرے) آپ نے فرمایا: اپنے ہاتھوں سے محنت مزدوری کرے خود اپنے کو بھی نفع پہنچائے (اپنی ضروریات بھی پوری کرے) اور صدقہ بھی کرے عرض کیا: آپ بتلایئے اگر اس کی قدرت نہ ہو؟ آپ نے فرمایا: مصیبت زدہ حاجتمندوں کی مدد کرے۔ عرض کیا: آپ بتلایئے اگر مدد بھی نہ کر سکے؟ آپ نے فرمایا: (شرعاً) بھلی بات کہے یا فرمایا: کلمۂ خیر کہے۔ عرض کیا: آپ بتلایئے اگر یہ بھی نہ کرے؟ آپ نے فرمایا: (خود کو) بُرے کام سے باز رکھے اس لئے کہ یہ بھی ثواب کا کام ہے۔ (بخاری و مسلم نے روایت کیا)

تشریح

اس حدیث میں دوسرے سوال کے جواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب دیا ہے وہ صرف اسی حدیث میں مذکور ہے اور بہت غیرت انگیز ہے کہ ایک اچھے بھلے تندرست مسلمان کو ہاتھ پاؤں توڑ کر نہیں بیٹھنا چاہیئے بلکہ محنت مزدوری کر کے اپنا اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ بھی بھرنا چاہیئے اور جو بچے اُسے صدقہ کر کے آخرت کے لئے ذخیرہ بھی کرنا چاہیئے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ذرائع معاش پر محنت مزدوری کر کے روزی کمانے کو ترجیح دی ہے۔

عن رافع بن خدیج قال: حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

قیل یارسول اللہ ای الکسب الطیب قال عمل الرجل بیدہ ( ) رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ! کونسا کسب (ذریعہ معاش) افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: انسان کا اپنے ہاتھ سے کام کرنا۔

بدن اور اس کے تین سو ساٹھ ۳۶۰ جوڑوں کا شکریہ ادا کرنے کے لئے جن امور کا ان پچیس ۲۵ احادیث میں ذکر فرمایا ہے وہ بنیادی طور پر دو قسم کے ہیں (۱) ایک حقوق اللہ یعنے عبادات اور ان سے متعلق آداب یعنے مستحبات و مندوبات (۲) دوسر حقوق العباد سے متعلق امور۔ ہم ان دونوں قسموں کو الگ الگ بیان کر دینا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ عمل کرتے وقت اسی کی نیت کی جائے۔

امورِ خیر کا تجزیہ

حقوق اللہ	حقوق العباد
۱۔ کلمہ سُبْحَانَ اللہ کہنا۔	۱۔ ضرورتمند کاریگر کی مدد کرنا۔
۲۔ کلمہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنا۔	۲۔ ناکارہ آدمی کے لئے کام کرنا۔
۳۔ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنا۔	۳۔ لوگوں کو اپنے شر سے محفوظ رکھنا۔
۴۔ کلمہ اَللہُ اَکْبَرْ کہنا۔	۴۔ عام راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا۔
۵۔ کلمہ اَسْتَغْفِرُ اللہ کہنا۔	۵۔ مسجد میں سے تھوک یا ناک کی ریزش دور کرنا۔
۶۔ اِیْمَانٌ بِاللہ اور جِہَادٌ فِیْ سَبِیْلِ اللہ۔	۶۔ بیوی سے جماع کرنا
۷۔ نفیس ترین اور بیش قیمت غلام یا کنیز آزاد کرنا۔	۷۔ کتنی ہی حقیر اور معمولی چیز ہو حاجتمند کو دینے میں عار محسوس نہ کرنا۔
۸۔ اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف کرنا۔	۸۔ مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے پیش آنا
۹۔ نَہِیْ عَنِ الْمُنْکَر کرنا۔	۹۔ لوگوں کے درمیان انصاف کرنا۔
۱۰۔ نماز کے لئے دور سے پا پیادہ چل کر مسجد آنا۔	۱۰۔ ضعیف یا کمزور انسان کو سواری پر سوار کر دینا۔
۱۱۔ خصوصاً ہر صبح شام یعنے فجر و عصر کی نماز باجماعت مسجد میں جا کر ادا کرنا۔	۱۱۔ یا اس کا سامان اٹھا کر سواری پر رکھ دینا۔

حقوق اللہ

۱۲۔ تمام مستحبات و مندوبات کے ساتھ پابندی سے ہر جمعہ کی نماز ادا کرنا۔

۱۳۔ شرم و حیا کرنا۔

۱۴۔ نیت کرکے پورا اور کامل وضو کرنا خصوصاً ناگوار حالات میں

۱۵۔ پانچوں نمازیں پابندی سے مسجد میں باجماعت ادا کرنا۔

۱۶۔ صحت اور قیام کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت کرنا تاکہ بیماری اور سفر کی حالت میں بھی وہ لکھی جائیں اور اس کا ثواب ملے۔

۱۷۔ ہر نیک کام اگرچہ کتنا ہی معمولی ہو جہنم سے بچنے کی غرض سے کرنا۔

۱۸۔ صبح و شام کھانے پر دونوں وقت اللہ کا شکر ادا کرنا۔

۱۹۔ چاشت کی نماز ادا کرنا۔

۲۰۔ اپنے کو ایذا رسانی کے گناہ سے بچانا۔

حقوق العباد

۱۲۔ اچھی بات کہنا۔

۱۳۔ عام گذرگاہ سے پتھر یا ہڈی یا کانٹے ہٹا دینا۔

۱۴۔ عام راستہ سے کانٹے یا کانٹے دار درخت کاٹ دینا۔

۱۵۔ پیاسے جانور کو پانی پلا دینا۔

۱۶۔ باغ یا کھیت والے کا جو بھی نقصان ہو یا انسان یا حیوان کھالے اس پر ثواب کی نیت کرنا۔

۱۷۔ دودھ والے جانور کو دودھ پینے کے لئے حاجتمند کو دیدینا۔

۱۸۔ محنت مزدوری کرکے اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ بھی بھرنا اور صدقہ بھی کرنا۔

۱۹۔ کسی مصیبت زدہ حاجتمند کی مدد کرنا۔

۲۰۔ اپنی ذات سے کسی کو نقصان یا ایذا نہ پہنچانا۔

کل چالیس کارہائے خیر اور موجب ثواب کام ان چھبیس حدیثوں میں مذکور ہیں۔ ان کے علاوہ شعب ایمان والی حدیث میں باقی ۲۷ کام اجمالاً مذکور ہوئے ہیں جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چودھواں باب

عبادت میں اعتدال اور میانہ روی کا بیان

قرآن کریم

۱ ۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : طٰہٰ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی (سورۂ طٰہٰ، آیت ۲،۱)

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے : اے طٰہٰ! ہم نے تمہارے اوپر قرآن اسلئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑو۔

۲ ۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی : یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ ۔ (سورۂ البقرہ آیت ۱۸۵)

اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے : اللہ تمہارے لئے سہولت پیدا کرنا چاہتا ہے تمہیں دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا

تشریح آیات آپ بابِ مجاھدہ کی چوتھی حدیث کے ذیل میں اس مشقت کا حال حضرت عائشہؓ کی حدیث میں تفصیل کے ساتھ پڑھ چکے ہیں جو آپ سورۂ مُزّمّل میں قیام لیل کا حکم نازل ہونے کے بعد سال بھر تک اٹھاتے رہے ہیں اور آخر ایک سال بعد دوسرے رکوع میں قیام لیل کے اندر تخفیف نازل ہوئی ہے اسی مشقت کی اس آیتِ کریمہ میں نفی کی گئی ہے کہ قرآن ہم نے اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقتیں برداشت کرتے رہو۔

نیز شب و روز کی مسلسل فہمائش کے باوجود معاندین کے ایمان نہ لانے پر آپ کو شدید رُوحانی کوفت اور تکلیف ہوتی تھی جس کا ذکر اللہ جل شانہٗ نے آیتِ کریمہ ذیل میں فرمایا ہے :

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ‏ تو کیا تم غم کے مارے اپنے آپ کو ان معاندوں کے پیچھے ہلاک کر ڈالو گے اگر یہ اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے۔

(سورۂ الکھف ع ۱ آیت ۶)

❁

اس آیتِ کریمہ میں اس روحانی تکلیف اور مشقت کا ذکر فرمایا ہے جو آپ معاندین کے

ایمان نہ لانے پر اٹھا رہے تھے جیسا کہ پہلی آیت میں جسمانی مشقت کا ذکر فرمایا ہے۔ دونوں قسم کی مشقتوں کا باعث نزولِ قرآن بن رہا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی مشقتیں برداشت کرنے سے آپ کو منع فرمایا ہے اور نزولِ قرآن کے اصل مقصد سے آپ کو بھی اور آپ کی اُمت کو بھی آگاہ فرماتے ہیں:

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى (سورہ طٰہٰ ع ۱، آیت ۲،۳)

لیکن ہم نے اس قرآن کو اتارا ہے ان لوگوں کی نصیحت کے لئے جن کے دِل میں ڈر ہے۔ اتارا ہے اُس (رب العالمین) نے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔

جسمانی مشقت کے بجائے رُوحانی مشقت اور تکلیف مراد لینا زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ جسمانی مشقت تو ایک سال بعد قیام لیل میں تخفیف فرما دینے سے ختم ہوگئی تھی روحانی تکلیف آخر تک قائم رہی جس کا ازالہ قرآنِ کریم میں مختلف عنوان سے فرمایا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ آیت کریمہ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ کے ذریعہ سال کے باقی مہینوں کے مقابلہ میں ماہِ رمضان کی عظمت و اہمیت بیان فرمانے کے بعد حکم فرماتے ہیں فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ اور پورے ایک مہینہ کے روزے فرض فرما دیئے اور مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ کے ذریعہ مریض اور مسافر کو ایامِ مرض وسفر میں رمضان کے روزے ترک کرنے اور سال کے دوسرے دنوں میں اتنے ہی دنوں کے روزے رکھ لینے اور رمضان کے روزے قضا کرنے کی سہولت عطا فرمانے کا ذکر مذکورہ آیت میں فرمایا ہے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (سورۃ البقرہ ع ۷، آیت ۱۸۵)

اللہ تمہارے لئے آسانی پیدا کرنا چاہتا ہے تمہیں دشواری میں ڈالنا نہیں چاہتا اور تاکہ تم (رمضان کے روزوں کی تعداد بھی پوری کرلو اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا اظہار بھی کرو (یعنی شکریہ ادا کرو) اس پر کہ اس نے تمہیں اپنے احکام پر عمل کرنے کی ہدایت عطا فرمائی۔

بعض علماء نے وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ کا مصداق عید الفطر کی نماز زائد تکبیرات کے ساتھ ادا کرنا قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

امام نووی رحمہ اللہ نے تو صرف ان دو آیتوں پر اکتفا کیا ہے ہم مزید وضاحت کے لئے اسی سلسلہ کی دو تین اور آیتیں نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اور بھی بعض ایسے احکام سے متعلق جن کو کوتاہ فہم اور ناعاقبت اندیش لوگ دشوار اور سخت احکام سمجھتے ہیں اسی طرح غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے۔ اور بتلا دیا ہے کہ وہ انتہائی سہل اور آسان ہیں

مثلاً ا۔ اللہ تعالیٰ نے كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى کے ذریعہ امیر غریب شریف و رذیل مرد و عورت کا فرق کئے بغیر قصاص (جان کے بدلے جان لینے) کو فرض فرمایا تو اعداء اسلام نے اس حکم پر شدت اور سختی کا الزام لگایا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس قصاص کے حکم میں خود ہی اتنی آسانی فرمادی ہے کہ اگر ورثاء مقتول چاہیں تو قاتل کو بالکل ہی معاف کردیں چاہے قاتل سے دیت (خون بہا) لے لیں یا باہمی رضامندی سے جتنے مال پر چاہیں صلح کرلیں۔ چنانچہ اس سہولت کا اظہار بھی فرمادیا ہے:

ذٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ کہ دیکھو ایک طرف یہودی مذہب میں اتنی سختی ہے کہ قصاص (جان کے بدلے جان) کے سوا اور کوئی صورت نہیں، دوسری جانب عیسائی مذہب میں قاتل کو کسی صورت میں بھی قتل نہیں کیا جاسکتا۔ دیت کے سوا اور کوئی بدلہ لینے کی سبیل ہی نہیں، حالانکہ بعض قاتل اتنے خطرناک ہوتے ہیں کہ ان کو قتل کئے بغیر امن قائم ہی نہیں ہوسکتا، اسی لئے اسلام نے ورثاء مقتول کو اختیار دے دیا کہ اگر وہ قاتل کے خطرناک ہونے کی بناء پر جان کے بدلے جان لینا ہی ضروری سمجھیں اور اس پر مُصر ہوں تو بیشک قتل کرنا ضروری ہوگا اور آخر میں فرمادیا:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا اُولِي الْاَلْبَابِ (اے عقلمندو قصاص لینے میں ہی تمہاری زندگیوں کا تحفظ ہے) قتل کا سدباب بدلہ لئے بغیر ممکن نہیں خواہ جان کے بدلے میں جان، خواہ خون بہا لینا اس لئے کہ قاتل سے ڈر کر یا مرعوب ہوکر یا ترس کھا کر اُسے چھوڑ دینا انتہائی خطرناک ہے۔

۲۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نماز وغیرہ عبادات کے لئے غسل یا وضو کو شرط قرار تو دیا مگر

اسی کے ساتھ پانی نہ ملنے کے وقت تیمم کی سہولت عطا فرمادی جو صرف اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت ہے اور فرمادیا:

مَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیَجۡعَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ حَرَجٍ وَّلٰکِنۡ یُّرِیۡدُ لِیُطَہِّرَکُمۡ وَلِیُتِمَّ نِعۡمَتَہٗ عَلَیۡکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ ۔ (سورۃ المائدہ ۶)

اللہ تم کو تنگی میں ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ وہ تو چاہتا ہے کہ تم کو (ظاہری اور باطنی نجاستوں سے) پاک کردے اور تم پر اپنی نعمت کامل کردے تاکہ تم اس کا شکر ادا کرو۔

۳ - اسی طرح پورے دین اسلام اور اسکے احکام سے تنگی اور سختی کی نفی فرماتے ہیں۔

وَمَا جَعَلَ عَلَیۡکُمۡ فِی الدِّیۡنِ مِنۡ حَرَجٍ ۔ (س: حج ع ۱۰)

اور اللہ جل جلالہ نے تمہارے اوپر دین (کے احکام) میں مطلق تنگی نہیں رکھی۔

امام نووی رحمہ اللہ کا مقصد قرآنِ کریم کی ان آیات کو پیش کرنے سے یہ ہے کہ جب اللہ جل جلالہ نے اپنے احکام میں ہر طرح کی آسانی اور سہولت رکھی ہے اور تخفیف کا اعلان کیا ہے تو تم اپنے آپ کو ساری ساری رات عبادت گذاری کا اور بارہ مہینے روزے رکھنے کا عہد کرکے اپنے آپ کو مصیبت میں کیوں ڈالتے ہو، اندیشہ ہے کہ یہ ناشکری میں شمار ہو اور تم بجائے اجر وثواب کے کفرانِ نعمت کی سزا کے مستحق بن جاؤ۔ لہٰذا خدا پرستی اور عبادت گذاری میں میانہ روی اور اعتدال کو اختیار کرو۔

علاوہ ازیں رات دن اس طرح عبادت میں بے تحاشا منہمک ہونے کی وجہ سے بہت سے ایسے خداوندی احکام جو اللہ جل جلالہ نے تمہارے ذمے عائد کئے ہیں مثلاً حلال روزی کمانا اور اللہ جل جلالہ کے حکم کے مطابق اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرنا، اولاد کی پرورش کرنا اور اہل وعیال کی خدا اور رسول کے فرمانے کے مطابق تربیت کرنا، علمِ دین حاصل کرنا کرانا اسی طرح وہ تمام حقوق العباد جو اللہ جل جلالہ نے تمہارے ذمے عائد کئے ہیں وہ سب ترک ہوجائیں گے اور قیامت کے دن شب وروز کی اس عبادت کے اجر وثواب اور گناہوں کی مغفرت کے بجائے ان تمام احکام الٰہیہ کے ترک کرنے کے مجرم بنو گے بخصوصاً حقوق العباد کہ ان کو تو اللہ جل جلالہ بھی معاف نہ فرمائیں گے اس لئے اعتدال اور میانہ روی کو اختیار کئے بغیر اللہ جل جلالہ کے

تمام احکام (مامورات ومنہیات) پر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔

حد سے زیادہ مشقت اور حرص عبادت کا انجام

پہلی حدیث (۱/۱۴۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور اس وقت ایک عورت میرے پاس بیٹھی تھی آپ نے دریافت کیا۔ یہ کون ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، یہ فلاں عورت (خولہ بنت تویت) ہے اس کے متعلق مشہور ہے کہ ساری رات نماز پڑھتی ہے آپ نے فرمایا: باز آؤ، تم پر لازم ہے کہ تم اتنی عبادت کرو جتنی طاقت ہے (یعنی جتنی برداشت کر سکو) اس لئے کہ خدا کی قسم اللہ نہیں اکتائے گا تم ہی اکتا جاؤ گے۔ اللہ ﷻ کو وہی دین (عبادت) پسند ہے جس پر عبادت کرنے والا ہمیشہ قائم رہ سکے۔ (بخاری ومسلم نے روایت کیا)

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کلمہ مَہ (عربی میں) جھڑکنے اور منع کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اور لَا یَمَلُّ اللہُ (اللہ نہیں اکتاتا) کے معنی یہ ہیں کہ اللہ ﷻ تمہیں ثواب دینا بند نہیں کرتا اور تمہارے اعمال کی جزا دینے سے بیزار نہیں ہوتا اور اکتا جانے والے کا سا معاملہ نہیں کرتا کہ بیزار ہو کر ثواب دینا موقوف کر دے یہانتک کہ تم ہی اکتا جاؤ اور عبادت ہی ترک کر بیٹھو (اور بالکل ہی ثواب سے محروم ہو جاؤ) پس تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ جتنی عبادت ہمیشہ برداشت کر سکو اتنی ہی عبادت کرو تاکہ اجر و ثواب (کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے اور اس کا فضل ہمیشہ تمہارے شامل حال رہے۔

تشریح

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث میں جو ملال کی نسبت اللہ ﷻ و تقدس کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ ملال ایک نقص اور کمزوری ہے اور اللہ ﷻ تمام نقائص اور عیوب سے پاک ہیں اس کی حقیقت بتلانا چاہتے ہیں کہ ملال کا لفظ اللہ ﷻ کی طرف اس کے نتیجہ یعنے ترک کے اعتبار

سے منسوب کیا گیا ہے یا مشابہت و مشاکلت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ ورنہ تو اللہ تعالیٰ ملال کے حقیقی معنی کے اعتبار سے ملال یا کسل سے بالکل پاک ہیں یہی دو توجیہیں ان تمام الفاظ کے بارے میں کی جاتی ہیں جو حدوث و تغیر پر دلالت کرتے ہیں اور انفعالی صفات ہیں مثلاً اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیِی (الآیۃ) کہ اس آیت میں اللہ جل شانہ کی طرف حیا کی نسبت حیا کے نتیجہ یعنے ترک کے اعتبار سے کی گئی ہے اور لَا یَسْتَحْیِی کے معنے ہیں لا یترک۔ اسی طرح اس حدیث میں لَا یَمَلُّ کے معنی ہیں لا یقطع اور یُعَامِلُکُمْ مُعَامَلَۃَ الْمُمَالِ میں دوسری توجیہ مشاکلت کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لئے امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے خلاف اتنی تفصیل سے اس حدیث کی شرح کی ہے۔

تشریح بہر حال ہوتا یہ ہے کہ انسان خصوصاً جوانی میں عبادت گذاری اور پرہیز گاری کے فضائل اور اور عظیم اجر و ثواب کے تذکرے واعظوں سے سن کر یا کتابوں میں پڑھ کر اپنی موجودہ قوت و فرصت، اور آئندہ جسمانی طاقت کے انحطاط اور مصروفیت کے فرق کو نظر انداز کر کے نفلی عبادات صوم و صلوٰۃ اور نفلی صدقات کے شوق میں رات رات بھر جاگنا اور نمازیں پڑھنا، اور مسلسل روزے رکھنا زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات کرنا شروع کر دیتا ہے اور اپنی قوتِ برداشت سے بہت زیادہ کام کرنے لگتا ہے مگر کچھ عرصہ کے بعد جسمانی قوتیں اور مالی وسعت و فراوانی جواب دیدیتے ہیں اور وہ تمام نفلی عبادتیں اور صدقات و خیرات بادلِ ناخواستہ ترک کر دینے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اس محبوب مشغلہ سے محروم ہو جاتا ہے اور اس محبوب مشغلہ سے محروم ہونے پر ایسی بے دلی اور بیزاری کی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ فرائض میں بھی سستی یا ترک کرنے کی نوبت آجاتی ہے اور اجر و ثواب کے بجائے عذاب و عتاب کا مستحق بن جاتا ہے یہ نتیجہ اور ردِ عمل اس بے اعتدالی کا ہوتا ہے جو ابتداء میں اختیار کی جاتی ہے۔ اس لئے فرض عبادتیں تو فرض ہیں اُنہیں تو بہر حال ادا کرنا ہے۔ باقی ان میں بھی آسانیاں اور سہولتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں ان سے ضرور فائدہ اُٹھانا چاہیئے کہ یہی شکرِ نعمت ہے باقی رہیں نفل عبادتیں ان میں خوب سوچ سمجھ کر رفتہ رفتہ اضافہ کرنا چاہیئے اپنی صحت، موجودہ اور آئندہ بدنی و مالی طاقت کو پیشِ نظر رکھ کر اس طرح بڑھنا چاہیئے کہ جو قدم بڑھیں پیچھے نہ ہٹانا پڑیں

یعنی جو نفل عبادت شروع کرے اُسے ترک کرنے کی نوبت نہ آئے خواہ کتنی ہی کم ہو۔ مگر بڑھنے کی یہ رفتار برابر جاری رہنی چاہیئے اس لئے کہ جل شانہ سے زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنے کا ذریعہ یہی نفل عبادتیں ہیں جیسا کہ آپ حدیث قدسی مَا زَالَ الْعَبْدُ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ کی تشریح کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں۔

بہر حال مداومت ضروری ہے ورنہ استقامت کے خلاف ہوگا۔ اس کی تفصیل باب استقامت کے ذیل میں پڑھ چکے ہیں دوبارہ پڑھ لیجئے استقامت نہایت ضروری ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا میانہ روی پر مبنی اُسوۂ حسنہ

دوسری حدیث (۲/۱۴۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین شخص رسول اللہ ﷺ کی عبادت کے متعلق استفسار کرنے کی غرض سے ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے تو جب ان کو (درونِ خانہ رسول اللہ ﷺ کی عبادات کی تفصیلات بتلائی گئیں) کہ آپ رات کو سوتے بھی ہیں، حاجت بھی پوری کرتے ہیں اور تہجد کی نماز بھی پڑھتے ہیں۔ ہر مہینہ میں روزے بھی رکھتے ہیں اور نہیں بھی رکھتے۔ تو انہوں نے گویا اس عبادت کو بہت تھوڑا سمجھا اور کہا: ہمیں رسول اللہ ﷺ سے کیا نسبت آپ کے تو اگلے پچھلے کردہ ناکردہ سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں (اور ہم تو سراپا گناہ ہیں ہمیں تو اپنی پوری زندگی عبادت کے لئے وقف کر دینی چاہیئے) چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا: بھئی میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا (اور سونا یا آرام کرنا بالکل ترک کر دوں گا) دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھا کروں گا (ایک دن بھی) روزہ ترک نہ کروں گا تیسرے نے کہا: میں عمر بھر عورتوں سے الگ رہوں گا اور کبھی شادی نہ کروں گا اتنے میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا تم ہی نے ایسا اور ایسا کہا ہے (کہ رسول اللہ ﷺ کے تو اگلے پچھلے اور کردہ و ناکردہ سب گناہ

معاف کر دیئے گئے ہیں آپ کو عبادت کی کیا ضرورت ہے اور ہم تو سرتا پا
گناہ گار ہیں ہمیں تو اپنی ساری زندگی عبادت میں صرف کر دینی چاہیئے، چنانچہ تم نے
عمر بھر ساری رات عبادت کرنے اور دن بھر ہمیشہ روزہ رکھنے اور عمر بھر شادی
نہ کرنے کا عہد کیا ہے) آپ نے فرمایا: سنو! میں خدا کی قسم تم سے بدرجہا زیادہ
خدا سے ڈرتا ہوں اور تم سے بدرجہا زیادہ اللہ کی نافرمانی سے ڈرتا اور بچتا ہوں،
اس کے باوجود میں دن میں کبھی روزے بھی رکھتا ہوں کبھی افطار بھی کرتا ہوں (روزے
نہیں بھی رکھتا) رات میں سوتا بھی ہوں اور عبادت بھی کرتا ہوں اور عورتوں سے
شادی بھی کی ہے (اپنی اور ان کی حاجت بھی پوری کرتا ہوں) بس جس نے میرے سنت
(اس طریق خدا پرستی) سے اعراض کیا، اس کا مجھ سے کوئی علاقہ نہیں۔
(بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا)

تشریح

ان تینوں شخصوں نے عبادت اور پرہیزگاری کا مقصد صرف گناہوں کی مغفرت کو سمجھا تھا،
اسی غلط فہمی کی بنا پر آپ کو عبادت سے مستغنی اور اپنے کو زیادہ سے زیادہ عبادت کا محتاج سمجھا تھا
آپ نے اِنِّیْ لَاَخْشَاکُمْ لِلّٰہِ وَاَتْقَاکُمْ لَہٗ فرما کر اس غلط فہمی کو دور فرمایا کہ عبادت کا اصلی محرک تو
علماً خدا کی ذات و صفات کی معرفت اور اس کی عظمت و جلال کے اعتراف کی بنا پر دل میں پیدا شدہ
خشوع و خضوع ہے اور عملاً اس کے تمام احکام (مامورات و منہیات) کی اطاعت و فرمانبرداری ہے
اول کمال علمی ہے اور دوسرا کمال عملی ہے۔ گناہوں کی مغفرت تو ایک ثمرہ ہے جو اس علمی اور عملی
کمال پر آپ سے آپ مرتب ہوتا ہے لہٰذا اللہ جل جلالہ کی عبادت اسی کے حکم کے تحت کرنی چاہیئے گناہوں
کا ہونا یا نہ ہونا یا مغفرت کا ہونا یا نہ ہونا عبادت کا مقصد ہرگز نہیں اگر گناہ ہوں گے تو معاف ہو جائیں گے
نہ ہوں گے تو یہ خدا شناسی اور خدا ترسی یعنی عبادت اللہ جل جلالہ سے زیادہ سے زیادہ قرب اور رفع درجات
کا موجب ہوگی۔ یہ ہے میری سنت اور طریق خدا پرستی۔

ان لوگوں پر گناہوں کا ہول اس قدر سوار تھا کہ انہوں نے ان تمام خدائی احکام کو نظر انداز کر دیا تھا جو ﷲ نے دن اور رات میں حقوق العباد کے طور پر فرض کئے ہیں جس میں اہل وعیال اعزاء واقربا کے علاوہ خود ان کے نفس اور اعضائے بدن کے تقاضے بھی شامل ہیں اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے طرز عمل کو بیان فرما کر اور فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ کی تنبیہ نہ فرماتے تو یقیناً ان تمام احکام پر عمل نہ کرنے کی بناء پر جو حقوق العباد سے متعلق ہیں مزید گنہ گار ہوتے۔ گناہو کی مغفرت کے بجائے ایسے گناہوں کے مرتکب ہوتے جو ﷲ بھی معاف نہ فرمائیں گے۔

بہر حال دو چیزیں ہیں ﷲ جل جلالہٗ کی عظمت اور جلالت کی معرفت یہ کمال علمی ہے دوسری چیز ہے ﷲ کی اطاعت اور فرمانبرداری یہ کمال عملی ہے انہی دو چیزوں کا نام عبادت ہے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں قسم کے کمالوں میں خدا کے رسول ﷺ سے بڑھ کر تو کیا برابر بھی بلکہ آپ کے آس پاس بھی کوئی نہیں پہنچ سکتا اس لئے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام فطری طور پر گناہوں سے معصوم ومحفوظ ہوتے ہیں ان سے کوئی گناہ یا معصیت سرزد ہو ہی نہیں سکتی ہاں بعض اوقات بتقاضائے بشریت منشائے خداوندی کو سمجھنے میں غفلت ہو جاتی ہے اور خلاف اولیٰ امور سرزد ہو جاتے ہیں جن پر ﷲ فوراً یا تاخیر سے متنبہ فرما دیتے ہیں یہی حقیقت ہے ان کے گناہوں کی اور گناہوں کو معاف کر دینے کی

اور زیادہ واضح الفاظ میں یوں کہیئے کہ عام انسانوں کی خدا پرستی کا معیار تو یہ ہے کہ جن کاموں پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے ان پر عمل کریں اگر عمل نہ کریں گے تو گنہگار ہوں گے اور جن کاموں سے منع کیا ہے ان کے پاس بھی نہ جائیں۔ اگر ان کاموں کا ارتکاب کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ لیکن انبیائے کرام کا فرض ہوتا ہے کہ وہ منشائے الٰہی کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں اگر منشائے الٰہی کے خلاف کوئی کام کر بیٹھتے ہیں تو اس پر فوراً یا بتاخیر تنبیہ کر دی جاتی ہے اسی لئے عرفاء کا مقولہ ہے حسنات الابرار سیئات المقربین (نیک لوگوں کے بعض اچھے کام مقربین کی سیئات (خطائیں) ہوتی ہیں) اسی حقیقت کو فارسی زبان میں اس طرح ادا کیا گیا ہے:

مقربان را بیش بود حیرانی ۔ (مقربین کو بہت زیادہ حیرانی ہوتی ہے) حقوق العباد کی اہمیت آگے آتی ہے۔

سخت کوش عبادت گذار اور تشدد پسند لوگوں کو تنبیہ | تیسری حدیث (۳/۱۴۸)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہلاک ہو گئے (اپنے اوپر) سختیں کرنے والے۔ ہلاک ہو گئے (اپنے اوپر) سختیں کرنے والے، ہلاک ہو گئے سختیں اُٹھانے والے: تین مرتبہ فرمایا:

امام نووی رحمہ اللہ المتنطعون کے معنی بیان کرتے ہیں: بے محل اور بے جا سختیاں اُٹھانیوالے۔

تشریح

بے جا اور بے محل سختیاں برداشت کرنے کی چند مثالیں اور انکے ضرر رساں خطرناک نتائج

۱۔ اللہ جل شانہ نے بیمار ہو جانے یا مرض بڑھ جانے کے خوف کی بنا پر پانی سے وضو کرنے کی بجائے پاک مٹی سے تیمم کر لینے کی اجازت فرمادی ہے۔ اس کے باوجود کوئی شخص کہے میرا تو دل نہیں مانتا اور پانی سے غسل یا وضو کرے اور بیمار پڑ جائے یا مرض بڑھ جائے۔

۲۔ اللہ جل شانہ نے سفر میں چار رکعت کے بجائے دو رکعت فرض نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے کوئی شخص نہ صرف فرضوں میں دو کے بجائے چار رکعت پڑھے۔ بلکہ فرضوں سے پہلے اور بعد کی سنتیں اور نفل بھی پڑھنے پر اصرار کرے چاہے اتنی دیر میں ریل چھوٹ جائے یا ہوائی جہاز پرواز کر جائے اور سفر سے رہ جائے۔

۳۔ رمضان المبارک میں اللہ جل جلالہ نے سفر یا مرض کی حالت میں روزے نہ رکھنے اور رمضان کے بعد سال بھر میں جس وقت بھی آسانی سے ممکن ہو اُن روزوں کی قضا کر لینے کی اجازت عطا فرمائی ہے مگر اس اجازت سے فائدہ اُٹھانے کے بجائے کوئی شخص کہے کہ میرا تو دل نہیں مانتا اور بیماری یا سفر کی حالت میں ہی روزے رکھے اور مرض بڑھ جائے یا لاعلاج ہو جائے سفر میں کتنی ہی ناقابلِ برداشت تکلیفیں اور مشقتیں اُٹھانی پڑیں اور روزے سے دکھ کر گونا گوں مصیبتوں میں گرفتار ہو۔

۴۔ اللہ جل شانہ نے قتلِ ناحق کا بدلہ لینے میں ورثاء مقتول کو اختیار دیا ہے کہ چاہیں تو ظالم قاتل سے

قصاص لیں اور قتل کریں چاہیں بالکل معاف کردیں اور چاہیں دیت (خون بہا) لیں اب اگر حکومت یا عدالت قاتل کی دولت مندی یا جاہ و منصب کی بنا پر یا قوم میں مقبولیت کی بنا پر ورثاء کو معاف کر دینے یا خون بہا لینے پر مجبور کریں یا اس کے برعکس ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو قتل کر دیا ہے ورثاء مقتول یا باپ معاف کر دینا چاہیں مگر حکومت یا عدالت ورثاء یا باپ کو قصاص لینے یعنے دوسرے بیٹے کو بھی قتل کرنے پر مجبور کریں تو یہ دونوں صورتیں اس مقصد اور تخفیف کے بالکل خلاف ہوں گی جو جل جلالہٗ نے قصاص کے بارے میں تخفیف کا اعلان فرمایا ہے۔

یہ ہیں بے محل اور بیجا سختیوں کی چند مثالیں اور ان کے مضرت رساں اور خطرناک نتائج جو صرف جل جلالہٗ کی عطا کی ہوئی سہولتوں اور آسانیوں سے فائدہ نہ اٹھانے کی بناء پر برداشت کرنی پڑتی ہیں انہی کو حدیث شریف میں ہلاکت سے تعبیر کیا ہے۔

اسی طرح جل جلالہٗ نے تقریباً تمام ہی شرعی احکام میں آسانیاں اور سہولتیں عطا فرمائی ہیں جیسا کہ جل جلالہٗ نے اعلان فرمایا ہے:۔

مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ — اللہ نے دین میں تمہارے اوپر تنگی نہیں کی

ان سہولتوں سے فائدہ نہ اٹھانا کفرانِ نعمت بھی ہے طرح طرح کے جسمانی اور مالی سختیاں برداشت کرنا اس ناشکری کی سزا ہے۔ اسی لئے نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں تین مرتبہ ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے! ہلاک ہو گئے، ہلاک ہو گئے، ہلاک ہو گئے،

اس سے بڑھ کر نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور کیا ہو سکتی ہے، کاش ایسے لوگ جن کے متعلق عرف عام میں کہا جاتا ہے "انہیں تو تقویٰ کا ہیضہ ہو گیا ہے" اس شفقت آمیز تعلیم و تنبیہ سے فائدہ اٹھائیں اور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کریں اور صلوٰۃ و سلام بھیج کر شکریہ ادا کریں۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى نَبِيِّ الرَّحْمَةِ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

چوتھی حدیث (۴/۱۴۹) دین آسان ہے، دین سے زور آزمائی کرنیوالوں کو نصیحت

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: بلاشبہ دین تو (بہت) آسان ہے لیکن دین پر (عمل کے بارے میں) جب بھی زور آزمائی کی جائے گی دین ہی غالب آئے گا لہٰذا (دین پر عمل کے بارے میں) راستی پر قائم رہو اور میانہ روی اختیار کرو اور خوشخبری حاصل کرو کہ (تم نے مقصد کو پالیا) اور (دین کے احکام پر قائم رہنے کے بارے میں) صبح کے وقت سے اور شام کے وقت سے اور کسی قدر آخر شب سے مدد حاصل کرو۔ (بخاری)

امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: اور بخاری ہی کی ایک اور روایت میں آیا ہے: راستی پر قائم رہو اور میانہ روی اختیار کرو اور صبح کا وقت اختیار کرو اور شام کا! اور کسی قدر آخر شب کا! اعتدال کو اختیار کرو اعتدال کو! افراط و تفریط سے بچو، تو مقصد کو پہنچ جاؤ گے۔

اس کے بعد امام نوویؒ از روئے لغت الفاظ کے معنی اور حدیث کا مطلب بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ کے قول لن یُشَادَّ الدِّینُ میں الدین مرفوع (پیش کے ساتھ) اور لن یُشادَّ فعل مجہول کا نائب فاعل ہے۔ اسی روایت میں لن یُشادَّ الدینَ احدٌ بھی آیا ہے اس روایت کے مطابق لن یُشادَّ فعل معروف ہوگا اور الدین مفعول منصوب (زبر کے ساتھ) پڑھا جائے گا اور احد فاعل مرفوع (پیش کے ساتھ) ہوگا۔ اور اِلَّا غَلَبَهٗ کا مطلب یہ ہے کہ دین ہی غالب آئیگا اور یہ زور آزمائی کرنے والا دین کے مقابلہ سے عاجز آجائے گا، اس لئے کہ دین کے طریقے (اعمال) بہت زیادہ (بلکہ بے شمار ہیں) اور الغَدْوَة کے معنی ہیں دن کے اول حصہ میں یعنی صبح کے وقت سفر کرنا اور الرَّوْحَة کے معنی ہیں دن کے آخری حصہ میں یعنی شام کے وقت سفر کرنا اور الدُّلْجَة کے معنی ہیں رات کے آخری حصہ میں سفر کرنا۔ سفر کے یہ تین وقت استعارہ ہیں اوقاتِ نشاط کا رسے۔ اور مثال کے طور پر مطلب یہ ہے کہ تم خدائے بزرگ و برتر کی عبادت میں اپنے نشاط اور قلبی اطمینان کے اوقات سے مدد لو اس طرح کہ تم ان اطمینان کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو تاکہ تم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت میں لطف و لذت محسوس ہو اور تم عبادت سے دل برداشتہ اور بیزار نہ ہو اور اپنا مقصد (رضائے الٰہی) حاصل کرنے میں کامیاب ہو جیسا کہ ایک تجربہ کار مسافر صرف ان تین وقتوں

میں (جو سب سے زیادہ موزوں ہیں) سفر کرتا ہے اور باقی اوقات میں خود بھی آرام کرتا ہے اور سواری کا اُونٹ بھی۔ اور بغیر تھکے ہارے اور بغیر مشقت اٹھائے اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جاتا ہے (اس کے برعکس ایک متشدد اور بے تحاشی عبادت گذار دیندار کی مثال اس ناتجربہ کار مسافر کی سی ہے جو اپنی اونٹنی کو بے تحاشا دوڑاتا ہے نہ خود آرام کرتا ہے نہ اونٹنی کو آرام لینے دیتا ہے۔ آخر کار اونٹنی تھک کر چور اور نڈھال ہو جاتی ہے اور سفر ادھورا رہ جاتا ہے نہ راستہ طے ہوتا ہے نہ اونٹنی چلنے کے قابل رہتی ہے، جیسا کہ بیہقی کی روایت میں ارشاد فرمایا ہے :

فَاِنَّ السَّائِرَ الْمُنْبَتَّ لَا اَرْضًا قَطَعَ وَلَا ظَهْرًا اَبْقٰى۔

اس لئے کہ ایک بے تحاشا دوڑانے والا مسافر نہ مسافت ہی طے کر پاتا ہے نہ سواری کو ہی سفر کے قابل رہنے دیتا ہے۔

مزید تشریح

اگرچہ امام نوویؒ نے اس حدیث کے نہ صرف معنی بتلائے بلکہ حدیث کے مقصد کی کافی تشریح کر دی تاہم چند چیزیں بیان کی محتاج ہیں۔

سادہ لفظوں میں حدیث کا مطلب یہ ہے کہ عبادت اور اجر و ثواب کے کاموں کی جو توفیق اور ذوق و شوق اللہ ﷻ نے تمہیں عطا فرمایا ہے یہ بڑی قابلِ قدر نعمت ہے اس سے نہایت اعتدال اور میانہ روی سے کام لو اور رفتہ رفتہ اس طرح اعتدال کے ساتھ چلو کہ جو قدم اُٹھے آگے بڑھے پیچھے نہ ہٹے، تاکہ مرتے دم تک یہ عبادت و طاعت کا سلسلہ قائم رہے اور اجر و ثواب ملتا رہے تم انسان ہو اور انسان کی فطرت خلقی طور پر ایسی واقع ہوئی ہے کہ وہ اچھی سے اچھی چیز سے کچھ عرصے کے بعد اُکتا جاتا ہے اور بیزار ہو کر چھوڑ بیٹھتا ہے ایسا نہ ہو کہ یہ عبادت و طاعت کا جذبہ اور ذوق و شوق جو تم کو نصیب ہوا ہے تمہارے غلط طریقے پر استعمال کرنے کی وجہ سے بالکل ہی ختم ہو جائے یا اس میں کچھ فتور آجائے اور تم اس اجر و ثواب سے جو مل رہا تھا، محروم ہو جاؤ اس صورت میں اللہ ﷻ کا تو کچھ نقصان نہ ہوگا وہ بہر حال تمہاری عبادت سے بالکل بے نیاز ہے، نقصان تمہارا ہوگا کہ تم سرتاپا اس کے فضل کے محتاج ہو، تمہارا اس بے اعتدالی کی بنا پر بندگی کا وہ جذبہ اور ذوق و شوق ختم ہو جائے گا اور تم اجر و ثواب سے محروم

ہونے کے علاوہ ایک عظیم نعمت سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔ اس لئے دن میں کام کرنے کا بہترین وقت صبح کا ہے۔ فجر کی نماز پڑھنے کے بعد سے اشراق کے وقت تک تسبیح و تہلیل یا ذکر اللہ میں یا تلاوتِ کلام اللہ میں مصروف رہا کرو اور سورج نکلنے اور کافی بلند ہونے کے بعد چار رکعت اشراق کی نماز پڑھ کر خواہ آرام کیا کرو خواہ اور دینی و دنیاوی معاشی کاروبار میں مصروف ہو جایا کرو، فرصت ملے تو زوال سے پہلے چار رکعت نماز چاشت کی پڑھ لیا کرو۔ ظہر کی نماز کے بعد کچھ دیر آرام (قیلولہ) کیا کرو اس کے بعد سے عصر کی نماز تک کام دھندوں میں لگے رہو، عصر کی نماز کے بعد سے مغرب تک پھر ذکر اللہ یا تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو جایا کرو کہ یہ شام کا وقت فراغت و اطمینان سے کام کرنے کا وقت ہے۔ رات اللہ تعالیٰ نے آرام کے لئے بنائی ہے۔ عشا کی نماز پڑھ کر سو جایا کرو، شب کا آخری حصہ بھی عبادت کے لئے بیحد موزون ہے۔ اس میں جتنی میسّر ہو تہجد کی نماز پڑھ لیا کرو۔

اس طرح کام کے بعد آرام اور آرام کے بعد کام کا سلسلہ برابر جاری رہے گا اور عبادت میں نشاط اور سرور و کیف بھی میسّر آئے گا اور اجر و ثواب کا سلسلہ بھی برابر جاری رہے گا۔ اس کے برعکس اگر تم اس جذبۂ عبادت و طاعت سے شب و روز بے تحاشا کام لوگے تو انسانی فطرت کے تقاضے کے مطابق لازمی طور پر یہ جذبہ فنا ہو جائے گا اور اس کے ردِّ عمل کے طور پر سب کچھ چھوڑ بیٹھو گے حتّٰی کہ فرض عبادتیں بھی ترک ہونے لگیں گی اور اجر و ثواب کے بجائے گناہ اور عذابِ الٰہی کے سزاوار ہو جاؤ گے اور یہ نتیجہ صرف تمہارے غلط استعمال کا ہوگا۔ اس برے انجام سے ہی حدیث شریف میں خبردار کیا گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ آپ کا کلام نہایت مختصر مگر ہمہ گیر ہوتا تھا، چنانچہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جامع (ہمہ گیر) کلمات
اُوْتِیْتُ جَوَامِعَ الْکَلِمِ۔	دیئے گئے ہیں۔

اسی کا یہ کرشمہ ہے کہ اس ڈیڑھ سطر کی حدیث کی تشریح میں ڈیڑھ دو صفحے صرف ہو گئے اور بفضلہٖ اس تشریح کی ایک سطر بھی آپ بیکار اور بھرتی کی نہ پائیں گے۔

مشقت کشی کرنے والوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل | پانچویں حدیث (۱۵۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں: (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ مسجد میں تشریف لائے تو اچانک ایک رسی دو ستونوں کے درمیان بندھی ہوئی دیکھی تو آپ نے دریافت کیا یہ (رسی) کیسی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یہ رسی زینب کی ہے وہ جب (رات کو نماز پڑھتے پڑھتے تھک جاتی ہیں اور نیند کا غلبہ ہوتا ہے تو اس رسی سے ٹیک (لیتے رسی کے سہارے) کھڑی ہوتی ہیں تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: رسی کو کھول دو (اور فرمایا) تم میں سے ہر شخص کو چاہیئے کہ جب تک طبیعت میں نشاط باقی رہے (نماز پڑھے) جب (نیند کے غلبہ کی وجہ سے) نشاط میں فتور آجائے تو اس کو سو جانا چاہیئے۔ (بخاری مسلم)

تشریح

جس عبادت میں لطف و لذت اور کیف و سرور حاصل نہ ہو وہ عبادت تو کیا بیگار اور زبردستی "سر پڑے کا کام" کا مصداق ہوگی اس سے رضا و قربِ الٰہی حاصل نہیں ہوسکتا وہ آنکھوں کی ٹھنڈک دل کا سرور اور رُوح کے نشاط کا باعث نہیں ہوسکتی عبادت میں نشاط اور انہماک ایسا قوی ہونا چاہیئے کہ تن بدن کا ہوش ہی باقی نہ رہے لیکن اس تغیر پذیر جسم اور اس کے قوٰی کے ساتھ تعلق رہتے ہوئے یہ مدہوشی کی کیفیت چند لمحوں یا چند ساعتوں تو باقی رہ سکتی ہے۔ اس سے زیادہ دیر تک نہیں باقی رہ سکتی لہٰذا ان چند ساعتوں کو ہی حاصلِ زندگی سمجھ کر عبادت کے لئے مخصوص کر دینا چاہیئے اور جونہی جسمانی عوارض نیند تھکن یا اکتاہٹ وغیرہ کی وجہ سے اس نشاط میں فرق محسوس ہونے لگے، عبادت ختم کر کے جسم کے ان ناگزیر تقاضوں کو پورا کرنا چاہیئے نیند آرہی ہو تو سو جانا چاہیئے، تھکن محسوس ہو رہی ہو تو آرام کرنا چاہیئے طبیعت اکتا گئی ہو تو کوئی دوسرا طبیعت کو مرغوب جائز مشغلہ اختیار کرنا چاہیئے۔ نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے۔

جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ ۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔

اس حدیث میں نبئ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے ہی نشاط کے اوقات کی رہنمائی فرمائی ہے۔ (واللہ اعلم)

نیند کی حالت میں نماز پڑھتے رہنے کا نقصان | چھٹی حدیث ۶

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھتے ہوئے اونگھنے لگے تو اُسے (نماز ختم کرکے) اتنی دیر سو رہنا چاہیئے کہ نیند کا اثر جاتا رہے اس لئے کہ تم میں سے جو شخص بھی اونگھتے اونگھتے نماز پڑھے گا تو کچھ بعید نہیں کہ وہ مغفرت کی دُعا مانگنے کا قصد کرے (لیکن نیند کے غلبہ کی وجہ سے) زبان قابو میں نہ رہنے تو (مغفرت کی بجائے) خود کو بُرا کہہ بیٹھے کوسنے لگے (مثلاً اے خدا تو مجھے معاف کردے کی بجائے اے خدا تو میرا ستیاناس کردے کہہ بیٹھے)

تشریح

یہ حدیث پہلی حدیث کا تتمہ ہے کہ اگر نیند کے غلبے کے باوجود حرصِ عبادت کی بنا پر نماز پڑھتا رہے گا تو اس کا نقصان یہ ہوگا کہ پڑھنا کچھ چاہے گا اور زبان سے نکلے گا کچھ اور۔ لہٰذا اس حالت میں نماز کے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ تو کیا اتنا بھی بھروسہ نہ رہے گا کہ نماز صحیح بھی ادا ہو رہی ہے یا نہیں۔ ایسی نماز سے کیا فائدہ جس میں ثواب کے بجائے گنہگار ہونے کا اندیشہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کار | ساتویں حدیث (۷/۱۵۲)

حضرت ابوعبداللہ جابر بن سَمُرۃ سوائی سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (سب ہی) نمازیں پڑھا کرتا تھا تو آپ کی (جمعہ کی) نماز بھی متوسط ہوتی تھی اور (جمعہ کا) خطبہ بھی متوسط ہوتا تھا۔ مسلم

امام نووی حدیث کے لفظ قصداً کے معنی بتاتے ہیں: "درازی اور کوتاہی کے درمیان" (یعنے نہ بہت لمبے نہ بہت مختصر)

تشریح | باوجودیکہ اُس زمانہ میں ذریعہ ابلاغ صرف جمعہ کے خطبے ہی تھے کیونکہ مسلمان جمعہ کا

بڑا اہتمام کرتے اور بیمار یا معذور لوگوں کے علاوہ سب ہی جمعہ کی نماز کے لئے مسجدِ نبوی میں حاضر ہوتے تھے بالفاظِ دیگر مسلمانوں کا سب سے بڑا اجتماع کہیئے جلسۂ جمعہ کے دن ہی ہوتا تھا اس لئے تمام اجتماعی اور قومی ضرورتوں سے مسلمانوں کو جمعہ کے خطبہ میں ہی آگاہ کیا جاتا تھا مگر آپ نے جمعہ کا خطبہ بھی نماز بھی، نہ کبھی زیادہ دراز پڑھائی اور نہ زیادہ مختصر بالفاظِ دیگر آپ نے خطبہ جمعہ کو سیاسی مقاصد کے لئے کبھی آلۂ کار نہیں بنایا اس کے برعکس آپ کی وفات کے بعد امراء بنی اُمیہ نے اپنے عہدِ حکومت میں طویل سے طویل خطبے دینے اور مختصر سے مختصر نمازیں پڑھانی شروع کر دی تھیں، اور جمعہ کے خطبے کو سیاسی اغراض و مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا اتنے لمبے لمبے خطبے دیتے کہ جمعہ کی نماز کا وقت ہی نکل جانے کا اندیشہ ہوتا، اسی لئے نماز مختصر سے مختصر پڑھاتے ۔ اسی بے اعتدالی کے خلاف حضرت جابر رسول اللہ ﷺ کے خطبوں اور نمازوں کا حال بیان کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تو نماز بھی متوسط ہوتی اور خطبہ بھی متوسط ہوتا تھا اور اسی بے اعتدالی کے خلاف امام نودی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو عبادات کے اعتدال کے ذیل میں بیان کیا ہے ۔ واللہ اعلم

ایک صحابی اور ان کے خیر خواہ دوست کا طرزِ عمل

آٹھویں حدیث (۸/۱۵۳)

حضرت ابو جُحَیفہ وَھب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سلمان (فارسی) اور ابو درداء کے درمیان دینی بھائی بندی کا رشتہ قائم کر دیا تھا۔ چنانچہ (ایک مرتبہ اسی دینی اخوت کے رشتہ سے) سلمان، ابو درداء سے ملاقات کے لئے (ان کے گھر) آئے تو سلمان نے (ابو درداء کی بیوی) اُمّ درداء کو معمولی حالت میں (بیوہ عورتوں کی طرح بغیر زینت و آرائش کے) دیکھا تو کہا: یہ تم نے اپنا کیا حلیہ بنا رکھا ہے؛ انہوں نے جواب دیا: تمہارے بھائی ابو درداء کو تو دنیاوی کاموں سے کوئی رغبت نہیں (پھر میں سنگھار کس کے لئے کروں میں تو شوہر ہونے کے باوجود بیوہ عورتوں کی طرح بے شوہر ہوں) تو (اتنے میں) ابو درداء آگئے اور مہمان کے لئے کھانا تیار کرایا چنانچہ (دسترخوان پر

کھانا رکھنے کے بعد) کہا: آپ کھائیے میرا تو روزہ ہے سلمان نے کہا: میں اسوقت تک ہرگز نہ کھاؤں گا، جب تک تم نہ کھاؤ گے (مجبوراً) ابو درداء نے بھی کھانا کھایا۔ جب رات ہوئی تو ابو درداء (مصلّٰی سنبھال کے) نماز پڑھنے چلے تو سلمان نے کہا: کہاں جاتے ہو (گھر میں جاؤ) آرام کرو (رات سونے کے لئے ہے) جب آخر شب کا وقت ہوا تو سلمان نے ابوالدرداء کو بلایا (اور) کہا اب نماز پڑھو، چنانچہ دونوں نے (تہجد کی) نماز پڑھی اس کے بعد سلمان نے ابو درداء سے کہا: بلاشبہ تمہارے رب کا تمہارے اوپر حق ہے (مگر) تمہارے نفس کا بھی تمہارے اوپر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تمہارے اوپر حق ہے لہٰذا (تمہارا فرض ہے کہ) تم ہر حق والے کا حق ادا کرو (اپنے رب کی عبادت بھی کرو، آرام بھی کرو اور بیوی کی حاجت بھی پوری کرو) اس کے بعد ابو درداء (اور سلمان) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ بیان کیا حضور ﷺ نے فرمایا سلمان بالکل ٹھیک کہتے ہیں (ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ہر صاحب حق کا حق ادا کرے ورنہ قیامت کے دن جواب دِہ ہوگا۔)

تشریح

اس حدیث سے شب و روز بے تحاشا عبادت کرنے کے نقصانات ظاہر ہوتے ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم حقوق العباد کا ضیاع ہے جس سے رستگاری کی سوائے اُن اربابِ حقوق سے مرنے سے پہلے معاف کرانے کے اور کوئی سبیل" نہیں ﷻ بھی حقوق العباد کو معاف نہیں فرمائیں گے عرفہ کے دن میدان عرفات میں ہی ﷻ نے "حجِ مبرور" ادا کرنے والوں کے سب ہی گناہوں کے معاف فرما دینے کا وعدہ فرمایا ہے مگر رَدِّ مظالم (یعنے بندے کی حق تلفیوں) کے معاف کرنے کا وعدہ نہیں فرمایا ۔ اگرچہ ایک ضعیف روایت سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ﷻ نے اِن اربابِ حقوق سے حقوق معاف کرا دینے کا ذمہ لیا ہے۔ بہرحال امت اس پر متفق ہے

کہ حقوق العباد بڑی سے بڑی عبادت کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک حدیث میں آتا ہے۔

عن عائشة رضی اللہ عنها قالت: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الدواوین ثلثة دیوان لا یغفر اللہ الاشراك باللہ یقول اللہ عزوجل ان اللہ لا یغفر ان یشرك به ودیوان لا یترکه اللہ ظلم العباد فیما بینهم حتی یقتص بعضهم من بعض ودیوان لا یعبأ اللہ به ظلم العباد فیما بینهم وبین اللہ، فذاك الی اللہ ان شاء عذبه وان شاء تجاوز عنه رواه البیهقی فی شعب الایمان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (اللہ کے ہاں) تین رجسٹر ہیں ایک رجسٹر تو ایسا ہے کہ جن لوگوں کے نام اس میں درج ہوں گے ان کو اللہ ہرگز نہیں بخشے گا (اس رجسٹر میں شرک کرنے والوں کے نام درج ہونگے (اللہ جل شانہ) اعلان فرماتا ہے کہ بلاشک وشبہ شرک کرنے والوں کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ دوسرے رجسٹر میں جن کے نام درج ہوں گے ان کو اللہ جل شانہ اس وقت تک چھوڑے گا نہیں جب تک کہ ان میں سے بعض کو (مظلوم کو) ظالم سے ظلم کا بدلہ نہ دلا دے گا اور تیسرے رجسٹر میں ان لوگوں کے نام ہونگے جنہوں نے حقوق اللہ (نماز روزہ زکوٰۃ وغیرہ عبادتیں) ادا نہیں کئے۔ اس رجسٹر کی اللہ جل جلالہ پروا نہیں کرے گا اس لئے کہ اللہ جل جلالہ کو اختیار ہے چاہے سزا دے چاہے معاف کردے۔ (بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا)

قیامت کے دن اس اقتصاص (بدلہ لینے کی) بھیانک تفصیل حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث اس طرح بیان فرمائی ہے۔

عن ابی هریرة رضی اللہ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال اتدرون ما المفلس؟ قالوا: المفلس فینا من لا درهم له ولا متاع فقال المفلس من امتی من یاتی یوم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے (صحابہ سے) دریافت کیا: کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہوتا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا ہم میں مفلس وہی ہوتا ہے جس کے پاس نہ روپیہ پیسہ ہو نہ کوئی سامان (زمین جائیداد وغیرہ ہو) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں (حقیقی) مفلس وہ شخص ہوگا جو قیامت

القیامۃ بصلوٰۃ وصیام	کے دن نمازیں بھی لائیگا زکوٰتیں بھی، روزے بھی (لیکن) اس نے کسی کو
وزکوٰۃ ویاتی قد شتم	(بے قصور) گالیاں دی ہونگی کسی پر (ناحق) تہمتیں لگائی ہونگی کسی کا
ھذا وقذف ھذا واکل	زنا جائز طور پر) مال کھایا ہوگا کسی کا ناحق (خون بہایا ہوگا کسی کو
مال ھذا وسفك دم ھذا	(بے قصور) مار پیٹا ہوگا تو (ان تمام ظلموں اور حق تلفیوں کا اس طرح)
وضرب ھذا فیعطی ھذا	بدلہ دلایا جائے گا کہ اس ظلم اور حق تلفی کرنے والے کے تمام حسنات
من حسناتہ فان فنیت	(عبادتیں) اس کو دیدی جائینگی (جس پر ظلم کیا تھا یا حق تلفیاں کی تھیں)
حسناتہ قبل ان یقضی ما	اگر نیکیاں (عبادتیں) ختم ہوجائیں گی (اور حقوق باقی رہ جائیں گے)
علیہ، اُخذ من خطایاھم	تو اُس کی بُرائیاں (گناہ) اس (ظلم اور حق تلفیاں کرنے والے) پر ڈالدیئے
فطُرحت علیہ ثم طرح فی النار (رواہ مسلم)	جائینگے اور پھر اس کو جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

حقوق العباد اور ان کی اہمیت ان دونوں حدیثوں کو پڑھنے کے بعد نفل عبادات اور کارہائے خیر میں بے اعتدالیاں کرنے والے غور کریں کہ اجر و ثواب اور قربِ الٰہی حاصل کرنے کا شوق و ذوق میں مست ہو کر عمر بھر دن کو روزے رکھنے رات بھر نمازیں پڑھنے کا عہد کرنے والے، اپنے بیوی بچوں قرابتداروں مہمانوں، پڑوسیوں اور عام مسلمانوں کی کس قدر حق تلفیوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور بجائے اجر و ثواب اور قربِ الٰہی کے کس طرح ان حق تلفیوں کے بدلے میں جہنم کا ایندھن بنتے ہیں اعاذنا اللہ منہ اسی لئے نبیٔ رحمت ﷺ پہلی حدیث میں اپنا طریقِ کار اور اپنی سنت" بیان کرنے کے بعد اعلان فرمادیا تھا،

فمن رغب عن سنتی فلیس منی	پس جو شخص میری سنت سے اعراض (و انحراف) کرتا ہے اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

ہمارا حال بہرحال یہ تو ان عبادتوں میں بے اعتدالیاں کرنے والوں کا حشر ہوا، اُن کے پاس تو حقوق کے بدلے میں دینے کے لئے عبادات کا ذخیرہ تھا بھی جس سے کچھ نہ کچھ تلافی ہوگئی ہم تہی دامن لوگوں کے پاس تو نفل عبادات کا ذخیرہ بھی نہیں ہم تو فرض عبادتیں بھی ادھوری سدھوری ادا کرتے ہیں نفل عبادتوں سے تو ہم بالکل ہی ناآشنا ہیں اور رات دن بے محابا لوگوں کی حق تلفیاں کر رہے ہیں بلا تکلف لوگوں

پر تہمتیں لگاتے ہیں۔ دھوکے اور فریب سے لوگوں کے اموال ہضم کر جانے کو تو ہم اپنا بڑا ہنر سمجھتے ہیں اور فخریہ کہتے ہیں "ہم نے فلاں شخص یا تاجر یا گاہک کو چکمہ دے کر خوب لوٹا" اچھے خاصے روزہ نماز کے پابند لوگوں کا بھی معاملات اور کاروباری دنیا میں حال یہی ہے۔

حقوق العباد سے متعلق ان دو حدیثوں کو پڑھ کر ہماری آنکھیں تو کھل جانی چاہئیں خصوصًا معاملات اور کاروبار کے معاملہ میں خاص طور پر اس کا خیال رہنا چاہیئے کہ کسی کا حق ہمارے ذمہ نہ رہے اس کے علاوہ عائلی (خاندانی) اور اجتماعی (معاشرتی) زندگی کے اندر بھی ہر شخص کا حق ادا کرنا چاہیئے۔ اس کوشش کے بعد بھی جن لوگوں کے حق ذمے رہ جائیں اُن سے اور اگر وہ وفات پا گئے ہوں تو اُن کے ورثا سے معاف کرا لینے چاہئیں اور پھر بھی اگر کچھ حقوق رہ جائیں تو اُن اصحابِ حقوق کے لیئے مغفرت کی دُعا کرنی چاہیئے اور اپنا نام دوسرے رجسٹر دَدِ مظالم (ادائے حقوق العباد میں) نہ آنے دینا چاہیئے ﷻ ہمیں اور آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔

عبادات میں بے اعتدالی کا اور نقصان عبادات میں بے اعتدالی کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ ایسی حالت میں لازمی طور پر اصحابِ حقوق کے حقوق ذمہ رہ جاتے ہیں لیکن عام طور پر حقوق العباد کے ادا نہ کرنے کو ہم کوئی گناہ ہی نہیں سمجھتے اسی لیئے ہم نہایت بے دردی سے اصحابِ حقوق کے حق برباد کر رہے ہیں اور جن کے حقوق ادا بھی کرتے ہیں مثلاً بیوی کے، بال بچوں کے، ماں باپ کے، مہمانوں اور پڑوسیوں کے وہ بھی محض ریاءً "خوش خلقی" اور رواداری کی بنا پر ادا کرتے ہیں نہ کہ شریعت کی پابندی اور اللہ رسول کے حکم کی اطاعت کی بنا پر، اس لیئے کہ ہم اس کو کارِ ثواب سمجھتے ہی نہیں۔ کتنی بڑی بدنصیبی اور محرومی ہے کہ سب کچھ کرتے ہیں مگر سب بیکار آخرت میں ذرہ برابر کام نہ آئے گا اس لیئے کہ حدیث میں نبیٔ رحمت ﷺ کا ارشاد ہے: لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوٰى (ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اس نے نیت کی) ہم صرف دنیاداری اور منہ دکھاوے کے لیئے کرتے ہیں۔ آخرت سے تو ہم بالکل ہی غافل اور بے خبر ہیں ﷻ ہماری حالت پر رحم فرمائیں، اس بے حسی، غفلت اور جہالت سے نجات دیں۔ اسی تنبیہ کی غرض سے ہم نے حقوق العباد کے متعلق یہ تفصیل بیان کی ہے۔

گذارش اور معذرت

ریاض الصالحین اور اس کی احادیث کے ترجمہ سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم نبیٔ رحمت ﷺ کی احادیث کے آیئنہ میں اپنی صورت دیکھیں اور اس آیئنہ کی مدد سے اپنے چہرہ کے داغ دھبّے یا کالک دور کرنے کی کوشش کریں تاکہ ہماری زندگی میں ان کی افادیت واضح ہو اور ہم محسوس بلکہ یقین کریں کہ گذرے ہوئے زمانوں کی بنسبت آج کی زندگی میں ان احادیث کی بیحد ضرورت ہے اور ان احادیث پر عمل کئے بغیر ہم صحیح معنی میں مسلمان اور نبیٔ رحمت ﷺ کی اُمت کہلانے کے مستحق ہرگز نہیں جب تک ان حدیثوں پر عمل نہ کریں اور اپنی شب و روز کی زندگی کو اسلامی زندگی نہ بنائیں۔ اسی مقصد کے تحت احادیث کی تشریح میں طوالت ہو جاتی ہے۔ اُمید ہے کہ پڑھنے والے معاف فرمائیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہ کی حرصِ عبادت کا عبرت انگیز واقعہ

نویں حدیث (۹/۱۵۴)

۱۔ حضرت ابو محمد عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو بتلایا گیا کہ میں کہتا ہوں کہ "میں جب تک زندہ ہوں ہمیشہ دن کو روزے رکھا کروں گا اور رات بھر نماز پڑھا کروں گا"۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ہی یہ کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ! بیشک میں نے ہی یہ کہا ہے۔" تو آپ نے فرمایا: زیادہ (رکھو) تم اس پر عمل ہرگز نہیں کرسکو گے (بہتر یہ ہے) تم (کچھ دن) روزے رکھو (کچھ دن) افطار کرو (روزے نہ رکھو) اور رات کو (کچھ حصہ میں) سو و اور (کچھ حصہ میں) نماز پڑھو اور (ہر مہینہ میں تین دن روزے رکھو (مہینہ بھر کے روزوں کا ثواب ملیگا) اس لئے کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے۔ اور اس حساب سے یہی (ہر مہینہ میں تین روزے) پورے سال کے روزے ہوگئے۔

عبداللہ بن عمر کہتے ہیں: میں نے عرض کیا میں اس سے زیادہ (روزوں کی) طاقت رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: تو ایک دن روزہ رکھو۔ دو دن افطار کرو (روزہ نہ رکھو)

یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں اور یہی سب سے زیادہ معتدل روزے ہیں اور ایک روایت میں ہے : سب سے زیادہ افضل روزے ہیں تو میں نے عرض کیا : میں تو اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا : اس سے زیادہ افضل (روزے) نہیں ، اور (آخر میں عبداللہ بن عمرو کہا کرتے تھے) بخدا اگر میں نے ہر مہینہ میں تین روزے قبول کر لئے ہوتے جن کا رسول اللہ ﷺ نے (ابتداً) حکم فرمایا تھا تو یہ مجھے اپنے اہل وعیال اور مال سے بھی زیادہ محبوب ہوتا۔

۲ - اور ایک روایت میں ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے) فرمایا : کیا مجھے یہ نہیں بتلایا گیا ہے کہ تم (روزانہ) دن کو روزے رکھتے ہو اور رات بھر قیام کرتے ہو (نماز پڑھتے ہو) میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ (صحیح بتلایا گیا ہے) تو آپ نے فرمایا : تم ایسا مت کرو (بلکہ) کچھ دن روزے رکھو کچھ دن افطار کرو ، رات کا کچھ حصہ آرام کرو اور کچھ حصہ نماز پڑھو اس کے بعد فرمایا بتحقیق تمہارے جسم کا بھی تمہارے اوپر حق ہے اور بلاشبہ تمہاری آنکھوں کا بھی تمہارے اوپر حق ہے اور بلاشبہ تمہارے نئے آنے والوں (مہمانوں) کا بھی تمہارے اوپر حق ہے (ہمیشہ دن کو روزے رکھنے اور رات بھر قیام کرنے کی صورت میں بلاشبہ ان سب کے حقوق تلف ہوں گے) پھر فرمایا : بلاشبہ تمہارے لئے اتنا کافی ہے کہ تم ہر مہینہ میں تین روزے رکھ لیا کرو (مہینہ بھر کے روزوں کا ثواب مل جائے گا) اس لئے کہ تمہارے ہر نیک کام (عبادت) کا تمہیں دس گنا ثواب ملے گا (تو اس حساب سے ہر مہینہ میں تین روزے پورے سال کے روزے ہو گئے عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں : تو میں نے خود ہی سختی کو اختیار کیا اس لئے مجھ پر سختی عاید ہوئی"

چنانچہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ میں تو اپنے اندر (اس سے زیادہ) طاقت پاتا ہوں آپ نے فرمایا: (تو پھر تم اللہ کے نبی داؤد (علیہ السلام) کے روزے رکھو (اس سے زیادہ نہ رکھو) میں نے عرض کیا: داؤد (علیہ السلام) کے روزے کیسے تھے؟ آپ نے فرمایا: آدھے سال کے روزے (ایک دن روزہ ایک دن افطار کے حساب سے)۔ تو عبداللہ بن عمرو بوڑھا ہو جانے کے بعد کہا کرتے تھے: کاش کہ میں رسول اللہ ﷺ کی تخفیف کو قبول کر لیتا (صیام داؤد (ایک دن روزہ ایک دن افطار) کی ذمہ داری نہ لیتا)

۳۔ اور ایک روایت میں آیا ہے: رسول اللہ ﷺ نے (ناگواری کے طور پر) فرمایا: کیا مجھے یہ نہیں بتلایا گیا ہے کہ تم ہمیشہ روزے رکھتے ہو اور رات بھر (نماز میں) قرآن پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں یارسول اللہ! آپ کو ٹھیک بتلایا گیا ہے مگر میرا ارادہ اس (شب و روز کی عبادت) سے خیر پر ہی مبنی ہے (یعنی نیک نیتی سے میں نے یہ ارادہ کیا ہے) تو رسول اللہ ﷺ نے (نرمی سے) فرمایا: تو تم اللہ کے نبی داؤد (علیہ السلام) کے روزے رکھو۔ اس لئے کہ وہ سب سے زیادہ عبادت گذار تھے اور ہر مہینہ میں ایک قرآن (رات میں) پڑھا کرو (ایک پارہ روزانہ) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی میں اس سے زیادہ (قرآن پڑھنے کی) طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: تو بیس دن میں ایک قرآن پڑھا کرو۔ (ڈیڑھ پارہ روزانہ) میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: اچھا دس دن میں ایک قرآن (تین پارے روزانہ) پڑھا کرو۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی! میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا: اچھا سات دن میں ایک قرآن پڑھا کرو اس سے زیادہ

مت پڑھو۔ عبداللہ بن عمرو (آخر عمر میں) کہتے ہیں (میں نے خود ہی سختی اختیار کی اس لئے مجھے سختی اُٹھانی پڑ رہی ہے) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہیں کیا خبر تمہاری عمر زیادہ ہو؟ عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں: چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اور میری عمر کافی دراز ہوئی) چنانچہ اب جب کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں) تو میرا جی چاہتا ہے کہ کیا اچھا ہوتا میں رسول اللہ ﷺ کی رخصت (یعنے ایک مہینہ میں ایک قرآن کو قبول کر لیتا۔ ایک روایت میں ہے آپ نے فرمایا تمہاری اولاد کا بھی تمہارے اوپر حق ہے (وہ کیسے ادا کرو گے) اور ایک روایت میں ہے: جس نے ہمیشہ (بارہ مہینے روزانہ) روزے رکھے اس نے روزے نہیں رکھے (بلکہ ایک وقت کھانے پینے کی عادت ڈال لی) اور ایک روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب روزے حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں اور سب سے زیادہ محبوب نماز داؤد علیہ السلام کی نماز ہے وہ آدھی رات سوتے اور ایک تہائی رات نماز پڑھتے اور (آخری) چھٹے حصے میں (پھر) سو جاتے ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور جب دشمنوں سے مقابلہ ہوتا تو پیچھے نہ ہٹتے۔ (اگر وہ روزانہ روزے رکھتے اور رات بھر نماز پڑھتے تو دشمنوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں باقی رہ سکتی تھی)

۴۔ ایک اور روایت میں ہے: (عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں) میرے والد نے میرا نکاح ایک عالی خاندان خاتون سے کیا تھا اس لئے وہ اپنی بہو (بیٹے کی بیوی) کا خاص طور پر خیال رکھتے تھے اور شوہر کے متعلق دریافت کرتے تو وہ ان کو جواب دیتی: مرد ہونے کے اعتبار سے وہ بہت اچھے مرد ہیں لیکن انہوں نے کبھی ہمارے بستر کو پامال نہیں کیا نہ ہی کبھی ہمارے

دل کو ٹٹول کر دیکھنے کی جستجو کی (کہ ہم پر کیا گذر رہی ہے) جب سے میں ان کے گھر آئی ہوں (ان کا طرز عمل یہی ہے) تو جب اس بے توجہی اور بے خبری کی کیفیت کا زمانہ زیادہ دراز ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا، اُن کو میرے پاس بھیج دو۔ چنانچہ جب میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے دریافت فرمایا: تم روزے کس طرح رکھتے ہو؟ تو میں نے عرض کیا: ہر روز روزہ رکھتا ہوں، آپؐ نے فرمایا قرآن کس طرح پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: ہر رات کو ایک قرآن ختم کرتا ہوں تو آپ نے وہی ہدایت فرمائی جس کا بیان پہلے گذر چکا ہے (کہ ایک دن چھوڑ کر روزے رکھو اور سات راتوں میں ایک قرآن ختم کرو) چنانچہ دن میں اپنے کسی گھر والے کو (بیوی ہی ہو سکتی ہے) جو ساتواں حصہ (منزل) رات کو پڑھنا ہوتا سنا لیا کرتے (دُور کرتے) تاکہ رات کو پڑھنا آسان ہو۔ اسی طرح ضعف کی وجہ سے جب دوسرے دن روزہ نہ رکھ پاتے تو جتنے دن کے روزے چھوٹتے ان کو یاد رکھتے اور قوت آجانے کے بعد اُن کی قضا کرتے تاکہ جو معمول رسول اللہ ﷺ کی حیات میں تھا اور جو کام اپنے ذمہ لیا تھا اس میں فرق نہ آئے۔

(امام نووی علیہ الرحمتہ کہتے ہیں (عبداللہ بن عمرو سے متعلق) یہ تمام روایتیں صحیح ہیں بیشتر روایتیں بخاری مسلم دونوں میں مذکور ہیں کچھ روایتیں صرف بخاری یا صرف مسلم میں مذکور ہیں۔

تشریح

اس حد اعتدال سے متجاوز بے تحاشا عبادت گذاری سے حضرت عبداللہ بن عمرو کو منع کرنے کا موجب وہی حق تلفیاں ہیں جن کا ذکر اس حدیث میں بھی آیا ہے اور تفصیل سے اس باب کی دوسری حدیثوں اور ان کی تشریحات میں گذر چکا ہے امام نووی رحمۃ اللہ نے صحیحین اور غیر صحیحین کی تمام روایتوں کو اسی لئے

جمع کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو کا پورا واقعہ قارئین کے سامنے آجائے اور عبادت میں بے تحاشا بے اعتدالی کا نتیجہ بھی سامنے آجائے۔

صحابہ کرام ذرا دیر کی غفلت کو بھی نفاق سمجھتے تھے | دسویں حدیث (۱/۱۵۵)

حضرت ابو ربعی حنظلہ بن الربیع الأسیدیؓ الکاتب سے روایت ہے جو رسول اللہ ﷺ کے کاتبوں میں سے ایک تھے۔ وہ کہتے ہیں: (ایک دن راستہ میں) ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو انہوں نے دریافت کیا: (کہو) حنظلہ کیا حال ہے؟ تو میں نے کہا، حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ تو اُنہوں نے (حیران ہو کر) کہا: سُبْحَانَ اللہ یہ تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا (جس وقت) ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں آپ ہمیں جنت (اور جنت میں لے جانے والے اعمال وافعال) دوزخ (اور دوزخ میں لے جانے والے اعمال وافعال) یاد دلاتے ہیں تو (ہم پر دنیا و فیہا سے بے خبری، اور خوف و رجا امید و بیم کی دوگونہ کیفیت کی وجہ سے ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے جیسے جنت و دوزخ ہمارے سامنے ہیں اور ہم اپنی آنکھوں سے ان کو دیکھ رہے ہیں اور جب ہم آپ کے پاس سے آجاتے ہیں (اور گھر پہنچتے ہیں تو) بیوی بچوں میں اس طرح گھل مل جاتے ہیں یا معاشی شغلوں میں اس طرح مصروف ہو جاتے ہیں کہ جنت و دوزخ کی بہت سی باتیں بھول جاتے ہیں تو (یہ سنکر) ابو بکر صدیق نے کہا: تو خدا کی قسم ہمارا حال بھی بالکل ایسا ہی ہے" تو میں اور ابو بکرؓ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ ہوئے، جب ہم دونوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پہنچے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ فرمایا: یہ کیسے؛ میں نے عرض کیا ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں آپ ہمیں جنت (اور جنت میں لے جانے والے اعمال و افعال)

اور دوزخ (اور دوزخ میں لے جانے والے اعمال و افعال) یاد دلاتے ہیں تو ہم پر دنیا و مافیہا سے بے خبری و بیخودی اور امید و بیم کی ایسی دوگونہ حالت طاری ہوجاتی ہے (جیسے جنت اور دوزخ ہمارے سامنے ہیں (اور ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں) لیکن جب ہم آپ کے پاس سے جاتے ہیں تو بیوی بچوں میں گھل مل جاتے ہیں اور معاشی مشغلوں میں مصروف ہوجاتے ہیں اور جنت و دوزخ کی بیشتر باتیں بھول جاتے ہیں (دنیا اور دنیوی معاملات ہمارے دل و دماغ پر اس طرح مسلط ہوجاتے ہیں کہ ہم جنت و دوزخ سب کچھ بھول جاتے ہیں) یہ سنکر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس پروردگار کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر تم اسی (دنیا و مافیہا سے بے خبری اور ذکر و فکر میں محویت کی) حالت میں ہمیشہ رہو جس میں میرے پاس ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور راستوں میں (جاتے آتے) تم سے مصافحہ کریں لیکن اے حنظلہ یہ بے خبری کسی کسی وقت اچھی ہے تین مرتبہ یہی فرمایا (ورنہ دنیا اور امور دنیا سے متعلق فرائض کیسے ادا کرسکتے ہو)

تشریح

حضرت حنظلہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما نے ظاہر اور باطن اور دل اور زبان کے اختلاف کی طرح قلب کی حالتوں اور کیفیتوں کے اختلاف کو بھی نفاق سمجھ کر اپنے کو منافق سمجھ لیا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس غلط فہمی کو دور بھی فرمایا اور اس کی مصلحت بھی بیان فرمائی کہ اگر دنیا و مافیہا سے لاتعلقی اور بے خبری کی وہی کیفیت ہمہ وقت قائم رہے جو میرے پاس موجودگی کے وقت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے تم پر دنیا اور امور و معاملات دنیویہ سے متعلق جو احکام واجب اور فرائض عاید کئے ہیں وہ کیسے انجام دیئے جاسکتے ہیں؛ اس لحاظ سے یہ دنیا و مافیہا سے لاتعلقی اور بیخبری کی جستجو بھی حد سے بڑھی ہوئی خدا پرستی اور بے اعتدالی کا نتیجہ ہے اور اس کا نقصان بھی دنیا

اور امور و معاملاتِ دنیویہ سے متعلق احکام و فرائض سے محرومی ہے جیسا کہ عبادات میں بے اعتدالی کا نتیجہ حقوق العباد کی حق تلفی ہے جو انتہائی خطرناک ہے جس کی تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں۔

مزید وضاحت کے لیے یوں کہیئے کہ بظاہر دنیا اور امورِ دنیویہ سے بے تعلقی اور بے خبری بڑی خوش آیند چیز ہے اور فنا فی اللہ کی منزل تک پہنچانے میں بیحد ممد و معاون معلوم ہوتی ہے اور قرآنِ حکیم کے اعلان :

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (سورۃ الذاریات) — پس بھاگو اللہ کی جانب بیشک میں اس کی جانب سے واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔

پر عمل کرنے کا پہلا قدم ہے مگر یہ کیفیت اور محویت اگر ہمہ وقت قائم اور کارفرما رہے گی تو وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کس طرح ادا کیے جا سکیں گے جو حق جل جلالہ نے انسان پر ان امور سے متعلق عائد کیے ہیں لیکن کبھی کبھی وقت اس کیفیت کا قلب پر طاری ہونا بھی بے انتہا ضروری ہے ورنہ انسان صرف سگِ دنیا اور خالص دنیا پرست بن کر رہ جائے اور نفس و خواہشاتِ نفس اس پر اس طرح مسلط ہو جائیں کہ حرام و حلال میں فرق اور جائز و ناجائز میں امتیاز کیے بغیر نفس کی اغراض و خواہشات پورا کرنے میں منہمک ہو کر خدا کے خوف اور آخرت کے محاسبہ اور جزاء و سزا سے بالکل بے پروا ہو کر نفس اور خواہشاتِ نفس کا پرستار بن جائے۔

اَفَمَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ — تو کیا وہ شخص جس نے اپنی خواہشاتِ نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہو اور اس بنا پر اللہ نے اس کو جان کر گمراہ بنا دیا ہو اس کو کوئی ہدایت کر سکتا ہے)

کا مصداق بن جائے، اس لئے وقتاً فوقتاً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا بھی انتہائی ضروری ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تذکیر اور یاددہانی کے ذریعہ خدا کا خوف اور آخرت کے محاسبہ اور جزاء و سزا کا ڈر برقرار رہے یعنے خدا کا بندہ اور خدا پرست بنا رہے اور آپ کے پاس سے جا کر ان تمام احکام پر عمل کرے اور ان تمام فرائض کو ادا کرے جو حق جل جلالہ نے اس پر عائد کیے ہیں۔

افسوس آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی تو ہمارے درمیان نہیں ہے مگر آپ کے وہ تمام اقوال وافعال جو صحابہ کرام آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سنتے اور دیکھتے تھے وہ سب حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں کتبِ حدیث کے اندر موجود و محفوظ ہیں، انہی کتب حدیث میں سے ایک کتاب "ریاض الصالحین" بھی ہے جس میں مذکور حدیثوں کا ترجمہ آپ پڑھ رہے ہیں یہ باور کیجئے اور اس یقین کے ساتھ پڑھیئے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں اور جنت دوزخ سے متعلق جو تذکیر اور یاد دہانی آپ صحابہ کرام کو فرمایا کرتے تھے ہمیں بھی فرما رہے ہیں اگر توفیق الٰہی ہمارے شاملِ حال ہوئی تو ہم بھی صحابۂ کرام کی طرح اس تذکیر و یاد دہانی سے فائدہ اٹھا کر خدا اور رسول کے تمام احکام اور عائد کردہ تمام فرائض ادا کرنے لگیں گے یہ ہی وہ اقتصاد اور میانہ روی ہے جس کی غرض سے امام نووی علیہ الرحمۃ نے حضرت حنظلہؓ کی اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا ہے۔

گویا نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے سابقہ احادیث میں عملی بے اعتدالی اور اس کی مضرتوں سے آگاہ فرما کر عملی میانہ روی کی تعلیم دی ہے اور اس حدیث میں ذہنی اور فکری بے اعتدالی اور اس کی مضرت سے آگاہ فرما کر دلکن یا حنظلہ ساعۃ فساعۃ کے ذریعہ فکری اور ذکری میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔

احادیث اور کتبِ حدیث پڑھنے کی ضرورت اس لئے ہمارا بھی فرض ہے کہ ہم بھی روزانہ دن میں یا رات میں کسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تذکیر اور یاد دہانی سے متعلق احادیث اسی تصور اور یقین کے ساتھ مطالعہ کیا کریں اور پڑھا کریں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں اور آپ ہمیں نصیحت فرما رہے ہیں تو انشاء اللہ العزیز ان احادیث سے کما حقہٗ فائدہ اٹھا سکیں گے۔

حدیث کی کتابوں کے پڑھنے کا مقصد!

حدیث کی کتابوں خصوصاً "ریاض الصالحین" میں حدیثوں کا مطالعہ اور وقتاً فوقتاً پڑھنا دوسرے علوم وفنون خصوصاً تاریخ کی کتابوں کے پڑھنے سے بالکل مختلف ہے۔ اس لئے کہ اور کتابوں کا پڑھنا تو صرف آگاہی اور معلومات میں اضافہ کی غرض سے مطلوب ہوتا ہے لیکن حدیث کی کتابوں

کے مطالعہ اور احادیث کے پڑھنے سے مطلوب و مقصود ان پر عمل کرکے اپنی زندگی کو سنت کے سانچہ میں ڈھالنا اور سنوارنا اور حقیقی اسلامی زندگی بنانا ہوتا ہے۔

ﷻ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اسی مقصد کے تحت نبئ رحمت ﷺ کی حدیثوں یا ان کے ترجموں کو پڑھنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ امین

شرعاً جائز اور ناجائز نذروں و منتوں کا حکم | گیارہویں حدیث (۱۱/۱۵۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہتے ہیں: (ایک دن) اس اثنا میں کہ نبی کریم ﷺ خطبہ دے رہے تھے اچانک ایک آدمی کو دیکھا کہ (وہ مسلسل) کھڑا ہے تو آپ نے اس کے متعلق دریافت کیا (یہ کون ہے کھڑا کیوں ہے بیٹھتا کیوں نہیں) تو صحابہ نے عرض کیا: یہ ابواسرائیل ہے اس نے نذر مانی ہے کہ دھوپ میں کھڑا رہے گا نہ بیٹھے گا نہ (کسی چیز کے) سایہ کے نیچے آئے گا نہ بات کرے گا اور روزہ رکھے گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس سے کہو اس کو چاہیئے کہ بات کرے اور (کسی چیز کے) سایہ میں آئے اور بیٹھ جائے اور روزے کو پورا کرے۔

تشریح

اس حدیث سے پہلی حدیثوں میں بے تحاشا عبادت کرنے کا جوش و خروش شرعی عبادات کے دائرہ میں تھا مثلاً مسلسل روزے رکھنا، ساری رات نمازیں پڑھنا رسول اللہ ﷺ نے ان عبادات میں اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی اور بے اعتدالی سے منع فرمایا۔

مگر اس شخص ابو اسرائیل نے محض جہالت کی بنا پر اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ تکلیف پہنچانے کو ہی عبادت سمجھ لیا، اس لئے مذکورہ نذر مانی جو پانچ چیزوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ دھوپ میں کھڑا رہنا ۲۔ کسی چیز کے سایہ کے نیچے نہ آنا ۳۔ نہ بیٹھنا ۴۔ بات نہ کرنا۔ ۵۔ روزہ رکھنا۔

ان پانچ چیزوں کے اندر صرف ایک روزہ شرعاً عبادت ہے اس لئے روزے کو پورا کرنے کا حکم فرمایا: نمبر (۴) پہلی اُمتوں میں عبادت تھی اور خاموشی کا روزہ رکھا جاتا تھا۔ شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں چپ رہنا کوئی عبادت نہیں۔ باقی تینوں چیزوں کا مقصد اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ ایذا پہنچانا ہے۔ اس لئے ان چاروں باتوں سے منع فرمایا۔

شریعت محمدیہ میں نذر یعنی منت صرف انہی چیزوں کی مانی جاسکتی ہے جو از قبیل عبادات ہوں مثلاً نمازیں پڑھنا، روزے رکھنا، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا حج کرنا، قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔ ہمارے اس جہالت کے دور میں بھی اس طرح کی منتیں مانی جاتی ہیں مثلاً کسی زندہ یا مُردہ پیر کے نام پر جانور قربانی کرنا یا زندہ جانور چھوڑنا وغیرہ اس قسم کی نذریں ماننے پر شدید وعید آئی ہے اور گناہ کبیرہ ہے بلکہ اندیشہ کافر ہوجانے کا بھی ہے اَلْعِیَاذُ بِاللہ من تلك الجہالات (اللہ جل جلالہ اپنی پناہ میں رکھیں اس قسم کی جہالتوں سے) ناواقف شخص کو منت ماننے سے پہلے کسی عالم یا مفتی سے دریافت کرلینا چاہیئے ورنہ ثواب کے بجائے گناہ ہوگا۔

پندرہواں باب

اعمال (خیر) کی حفاظت (اور پابندی) کا بیان

قرآن کریم

۱۔ قال اللہ تعالیٰ :

اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۖ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۔ (سورہ الحدید ۲۷ : ۱۶)

۱۔ کیا (ابھی) وقت نہیں آیا۔ ایمان والوں کے لئے کہ اُن کے دل جھک جائیں ﷲ جل جلالہ کے ذکر کے لئے اور اس حق کیلئے جو نازل ہوا ہے اور وہ نہوں ان لوگوں کی مانند جن کو پہلے کتاب دی گئی تھی پھر اُن پر مدت دراز ہو گئی تو اُن کے دل (پتھر کی طرح) سخت ہو گئے اور (اب) ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں

۲۔ وقال تعالیٰ : وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۗ وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۔

پارہ ۲۷ ۔ سورۂ حدید آیت ۲۷)

۲۔ اور پیچھے بھیجا ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو اور ہم نے دی عیسیٰ کو انجیل اور ان لوگوں کے دلوں میں شفقت اور مہربانی رکھ دی جنہوں نے عیسیٰ کی پیروی کی۔ اور رہبانیت (ترک دنیا) تو انہوں نے از خود نکالی تھی، ہم نے اس رہبانیت کو ان پر فرض نہیں کیا تھا بجز ﷲ جل شانہ کی رضا حاصل کرنے کے پس نہیں نبھایا اس رہبانیت کو انہوں نے جیسا کہ اس کو نبھانا چاہیئے تھا۔

۳- وقال تعالیٰ: وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا (النحل) ۳- اور تم اس عورت کی مانند نہ ہو جس نے اپنے کاتے ہوئے سوت کو مضبوط کاتنے کے بعد ادھیڑ ڈالا (تار تار کر دیا)

۴- وقال تعالیٰ: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ (سورۃ الحجر ع ۶) ۴- اور (اے نبی) تم اپنے رب کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ تمہارے پاس یقین (یعنی موت) آجائے۔

تشریح آیات

پہلی آیت کریمہ کا مقصد امم سابقہ خاص کر یہودیوں کے انجام بد سے ڈرانا ہے کہ اہل ایمان کے دل بلا تاخیر اللہ جل شانہ کے ذکر اور دین حق کے احکام کی پابندی میں مصروف ہو جانے چاہئیں ایسا نہ ہو کہ بلا وجہ معقول جواب باقی نہیں رہی ذکر اللہ اور دین حق کے احکام کی پابندی میں تاخیر اور ٹال مٹول کی وجہ سے آج کل آج کل میں مدت دراز گذرتی چلی جائے اور دلوں میں جذبہ عبادت وطاعت سرد پڑ جائے اور رفتہ رفتہ پہلی امتوں کی طرح اللہ جل شانہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین سے باغی اور علانیہ نافرمان خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ کا مصداق بن جائیں جیسا کہ یہودیوں کا حشر ہوا یہ ان دنیا دار لوگوں کا انجام ہوتا ہے جو دنیا کی اغراض و خواہشات میں منہمک اور مستغرق ہو کر خدا رسول کے احکام سے غافل اور بے پروا بلکہ بیباک ہو جاتے ہیں حرام وحلال کی تمیز اور جائز و ناجائز کا فرق ہی ختم کر دیتے ہیں۔

دوسری آیت کریمہ میں ان کے برعکس ان حد سے متجاوز خدا پرستوں کا انجام مذکور ہے جنہوں نے رضائے الٰہی حاصل کرنے کا انوکھا اور غیر فطری طریقہ نکالا کہ تمام دنیاوی اور جسمانی لذائذ اور آرام و آسائش سے کلی طور پر دستبردار ہو جانے اور تارک الدنیا بن جانے کو ہی رضائے الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھ لیا اور ان تارک الدنیا راہبوں اور ننوں نے بستیوں سے دور خانقاہوں میں ڈیرے ڈال لئے مگر وہ اس طریقہ کو نبھا نہ سکے اور تارک الدنیا کہلانے کے باوجود درون خانہ یعنی گرجاؤں کے تہ خانوں میں اول درجہ کے نفس پرست اور اعلیٰ درجہ کے دنیا دار ثابت ہوئے جیسا کہ عیسائی گرجاؤں اور کلیساؤں کی رودادوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

دُنیا کی دو بڑی قوموں (یہودیوں اور عیسائیوں) کے اس انجام بد کا باعث صرف اُن کی افراط و تفریط اور بے اعتدالی ہے ایک قوم خدا پرستی میں اپنی حد سے آگے بڑھ گئی اور نافرمان ہوگئی اور دوسری قوم حدِ اعتدال سے گر گئی اور ناکام ہوگئی اسی لئے نبی رحمت ﷺ نے فرمایا ہے:

جِئْتُكُمْ بِالْحَنِيفِيَّةِ السَّهْلَةِ میں تمہارے لیئے ایسی آسان حنیفی شریعت لایا ہوں جس لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ ۔ کے لیل و نہار برابر ہیں ۔

(۳) تیسری آیت کریمہ میں اسی بے اعتدالی کو ایک احمق بڑھیا کا فعل قرار دے کر ۔ کہ صبح سے دوپہر تک نہایت مضبوط سوت کاتتی ہے اور شام تک کتے ہوئے سوت کو ادھیڑ کر تار تار کر دیتی ہے اگلے روز پھر یہی ادھیڑ بن شروع کر دیتی ہے اور اسی میں عمر گذر جاتی ہے ۔ مردانِ راہِ خدا کو اس کوڑہ مغز بڑھیا کے مانند بننے سے روکا ہے ۔

(۴) چوتھی آیتِ کریمہ میں اپنے محبوب نبی ﷺ کو مرتے دم تک اسی افراط و تفریط سے پاک دینِ فطرت پر قائم رہنے اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے کہ یہی وہ معتدل دین فطرت ہے جس کے متعلق ارشاد ہے:

فِطْرَتَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ (سورۃ الروم ۳۰) یہ جل شانہٗ کی وہ (پسندیدہ) فطرت ہے جس پر تمام لوگوں کو پیدا فرمایا ہے جل شانہٗ کی آفرینش میں مطلق تبدیلی نہیں آسکتی

اس فطرتِ الٰہیہ میں جو بھی کمی بیشی افراط و تفریط کریگا وہ فلاحِ دارین سے محروم اور خسرالدنیا والآخرۃ کا مصداق بنے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا معمول" کہیئے آپ کی سنت" کا بیان چودھویں باب کی دوسری حدیث میں آپ پڑھ چکے ہیں آپ ﷺ کے اِسی حکم کے تحت ساری عمر اُس پر قائم رہے ۔

یہ حدیث تو پہلے گذر ہی چکی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آیا ہے

کہ جل شانہٗ کو سب سے زیادہ پسندیدہ دین وہی ہے جس پر

دیندار ہمیشہ قائم رہے ۔

تشریح

چودھویں باب کی پہلی حدیث جس میں حضرت عائشہ رضؓ نے ازراہِ تعجب ایک شب بیدار خولہ نامی عورت کا حال بیان کیا تھا اس پر رسول اللہ ﷺ نے ناگواری کا اظہار فرما کر حکم دیا تھا کہ تم پر لازم ہے کہ تم اتنی ہی عبادت کیا کرو جتنی تم طاقت رکھتے ہو اور آخر میں مذکورہ سابق فقرہ فرمایا تھا اس کی تشریح اس سے پہلے باب میں گذر چکی ہے ۔ دیکھ لیجیے ۔

نماز تہجد کی قضا اور اس کا وقت

پہلی حدیث ($\frac{1}{157}$)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ، جو شخص (دکھ بیماری یا سفر وغیرہ ناگزیر حوادث کی بنا پر) اپنا رات کا وظیفہ (تہجد کی نماز، قرآنِ کریم کی تلاوت ، اسم ذات کا ذکر وغیرہ معمولات) سب کے سب یا اس میں سے بعض (رات کو نہ کر سکا اور) سو گیا پھر فجر کی نماز اور ظہر کی نماز کے درمیان (یعنے آفتاب بلند ہونے کے بعد سے زوال سے پہلے تک) اس کو پڑھ لیا (یعنے قضا کر لیا) تو اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دیا جائے گا کہ گویا اس نے رات کو ہی پڑھا ہے ۔

تشریح

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک عبادت گذار مسلمان کے لئے پنجوقتہ فرض نمازیں ادا کرنے کے علاوہ رات میں تہجد کی نماز، تلاوت قرآن کریم اللہ اللہ کا ذکر وغیرہ کچھ نہ کچھ معمولات بھی ضرور ہونے چاہئیں اور ان پر پابندی بھی ضرور کرنی چاہیئے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے :

خَيْرُ الْعَمَلِ مَا دِيمَ عَلَيْهِ وَإِنْ قَلَّ ۔	بہترین عمل وہ ہے جس کی پابندی کی جائے ، اگرچہ کتنا ہی تھوڑا ہو ۔

اگر کسی ناگزیر مجبوری کی وجہ سے وہ معمولات یا اُن میں سے کوئی معمول چھوٹ جائے تو
ان کو ایک فرض نماز (فجر) کے بعد سے دوسری فرض نماز (ظہر) کا وقت آنے سے پہلے ادا کرلئے جائیں
ﷺ اپنی کریمی سے اس بلا تاخیر قضا کو ادا ہی شمار فرمالیں گے۔ اور مداومت و استقامت
میں رخنہ نہ پڑے گا لیکن اگر مزید تاخیر کی یا یہ سمجھ کر کہ نفل ہی تو ہیں اگر ایک رات نہ پڑھیں تو کونسا
گناہ ہو جائے گا تو سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ مکّار نفس کا فریب ہے وہ ان معمولات کی عادت چھڑانا
اور استقامت کے عظیم مرتبہ اور اجر و ثواب سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ اس کے دھوکے میں ہرگز
نہ آنا چاہیئے اور آفتاب بلند ہونے کے بعد سے زوال سے پہلے تک ضرور پڑھ لینا چاہیئے تاکہ
معمول میں فرق نہ آئے اور شب بیداری کی عادت نہ چھوٹے۔ (استقامت کی اہمیت و فضیلت
باب الاستقامت کے ذیل میں مفصل بیان ہو چکی اس کو پھر پڑھ لیجئے)

قیام لیل (شب بیداری) کی اہمیت

سورۂ مزمل میں جو رات کے بیشتر حصہ قیام لیل کا حکم آپ کو دیا گیا تھا ایک سال تک
اس حکم پر عمل کرنے کے بعد آیت کریمہ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (پس پڑھ لیا کرو جتنا قرآن
آسان ہو) کے ذریعہ قیام لیل میں تخفیف فرمانے کے بعد بھی ۔ جس کی تفصیل باب مجاھدہ کے
ذیل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آپ پڑھ چکے ہیں ارشاد ہے:

عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَ	اللہ کو معلوم ہے کہ تم میں کچھ لوگ بیمار بھی ہوں گے
اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ	اور کچھ لوگ اللہ کا فضل (رزق) حاصل کرنے کی غرض سے
يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ	(معاشی) سفر بھی کرینگے اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جنگ
يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا	بھی کریں گے لہٰذا جتنا تم سے آسانی کے ساتھ ہو سکے (ہر
مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۔ (سورۃ المزمل، ع ۲، آیت ۲۰)	حالت میں) قرآن پڑھ لیا کرو۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کو بیماری یا سفر تجارت یا سفر جہاد جیسے اعذار کے
باوجود بھی کچھ نہ کچھ قیام لیل ضرور کرنا چاہیئے اگرچہ چند رکعتیں ہی ہوں اور کتنی ہی مختصر قرأت ہو۔

چنانچہ نہ صرف رسول اللہ ﷺ بلکہ صحابہ کرام اور صلحاء امت کا بھی معمول رہا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ قیام لیل ضرور کرتے تھے اور تہجد کی نماز پڑھتے تھے اگر کسی رات کو کبھی ناگزیر شرعی عذر کی وجہ سے ترک ہو جاتا تو سورج نکلنے کے بعد سے زوال سے پہلے تک اس کی قضا کر لیا کرتے تھے تاکہ عادت نہ چھوٹے اور تساہل نہ پیدا ہو۔ تجربہ شاہد ہے کہ اگر ایک دن بھی قیام لیل (رات میں قیام) یا اس کی تعداد میں نہ کی جا سکے تو بڑے سے بڑے تہجد گزار مسلمان میں بھی سستی پیدا ہو جاتی ہے اور ہفتوں بلکہ مہینوں تہجد کی نماز کی توفیق نہیں ہوتی اور دوبارہ تہجد کی نماز شروع کرنے میں بڑی دشواری پیش آتی ہے۔

ہماری حالت لیکن ہم "وائے برما" (افسوس ہمارے اوپر) تو باجماعت فرض نمازوں کی پابندی بھی ہم سے نہیں ہوتی ﷻ ہمارے حال پر رحم فرمائیں اور قیام لیل (شب بیداری) کی سعادت اور اس پر مداومت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

جن خوش نصیب مسلمانوں کو ﷻ نے قیام لیل (شب بیداری) کی سعادت عطا فرمائی ہو ان کو اس کی قدر کرنی چاہیئے اگر کسی مجبوری کی وجہ سے شب کا کوئی معمول چھوٹ جائے تو اس حدیث کے مطابق زوال سے پہلے اس کی قضا کر لینی چاہیئے تاکہ مداومت اور استقامت کا مرتبہ حاصل ہو جس کی تفصیل اس کتاب کے آٹھویں باب میں آپ پڑھ چکے ہیں دوبارہ پڑھ لیجئے تاکہ اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔

قیام لیل اور نماز تہجد کے پابند لوگوں کو تنبیہ

دوسری حدیث (۲/۱۵۸)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عبد اللہ تم فلاں شخص کی مانند مت ہو جانا کہ وہ قیام لیل کیا کرتا (اور تہجد کی نماز پڑھا کرتا) تھا اس کے بعد اس نے قیام لیل چھوڑ دیا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح یہ وہی عبد اللہ بن عمرو بن العاص ہیں جن کی حرص عبادت کا تفصیلی حال آپ

چودھویں باب کی زیرِ حدیث میں پڑھ چکے ہیں کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے بمشکل سمجھا بجھا کر صیامِ داؤد (ایک دن روزہ ایک دن افطار) پر آمادہ کیا تھا اور داؤد علیہ السلام کے ہی قیامِ لیل (آدھی رات سونا اور دوسری آدھی رات کے ایک حصہ میں نماز پڑھنے اور ایک حصہ میں سونے) پر آمادہ کیا تھا اور ہفتہ میں ایک قرآن ختم کرنے کی اجازت دی تھی اور یہی وہ عبداللہ بن عمرو بن العاص ہیں جو آخر عمر میں تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش میں رسول اللہ ﷺ کی دی ہوئی تخفیف (مہینہ بھر میں تین روزے) کو قبول کر لیتا۔ بے اعتدالی کا یہی انجام ہوتا ہے۔ مگر سچے عہد کے پکے آخر عمر میں گو یہ تمنا کرتے تھے مگر جو عہد کیا تھا (ایک دن روزہ ایک دن افطار) اس پر مرتے دم تک قائم رہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر ان کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ تم نے یہ بے اعتدالی اختیار کی ہے مگر فلاں شخص کی طرح سب کچھ مت چھوڑ بیٹھنا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

تہجد کی کتنی رکعتیں قضا کی جائیں

تیسری حدیث (۳/۱۵۹)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ سے اگر کبھی بیماری کی وجہ سے رات میں کچھ نماز چھوٹ جاتی تو آپ دن میں (زوال سے پہلے) بارہ رکعات پڑھ لیا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح

یہ رسول اللہ ﷺ کا وہ عملی معمول ہے جس کی اسی باب کی دوسری حدیث میں تعلیم دی ہے۔ فرض نماز اور واجب وتر تو جس طرح بھی پڑھے جاتے رات ہی میں پڑھتے تھے کبھی قضا نہیں کرتے تھے نماز تہجد اگر آپ پر واجب بھی ہو تب بھی "نفل" (زائد) ہے تہجد کی زیادہ سے زیادہ تیرہ رکعتیں پڑھنا آپ سے ثابت ہے اس لئے بارہ رکعتیں دن میں پڑھ لیا کرتے تھے۔ تیرھویں رکعت نہیں پڑھتے اس لئے کہ پھر ساری نماز وتر (طاق) ہو جاتی، اور دن میں بجز مغرب کے وتر (طاق) نماز ثابت نہیں ہے وتر (طاق) نماز تو رات میں ہی پڑھی جاتی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ بہرحال نماز تہجد کی اہمیت اس حدیث سے ثابت ہے جل شانہٗ ہر مسلمان کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

سولھواں باب

سنت اور اُس کے آداب کی حفاظت (پابندی) کا بیان

قرآن کریم

۱- اللہ جل شانہٗ کا ارشاد ہے :-

وَمَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (سورۃ حشر، آیت ۷)

جو دے تم کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سو تو اس کو لے لو اور جس چیز سے تم کو منع کرے تو اس سے باز آ جاؤ۔

۲- نیز ارشاد ہے :-

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ (سورۃ النجم، آیت ۳، ۴)

اور (وہ تمہارا نبی) نہیں بولتا اپنی خواہش سے وہ تو وحی ہے جو اس کے پاس بھیجی جاتی ہے۔

۳- نیز ارشاد ہے :-

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ۔ (سورۃ آل عمران، آیت ۳۱)

اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت بھی کیا کریں گے اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دیں گے۔

۴- نیز ارشاد ہے :-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ۔ (سورۃ احزاب، آیت ۲۱)

بخدا تمہارے لئے رسول اللہ (کی ہستی) میں ایک بہترین نمونہ (عمل) موجود ہے اس شخص کے لئے جو اللہ سے (ملنے کی) امید رکھتا ہے اور آخری دن کی۔

۵- نیز ارشاد ہے :-

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى

سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہونگے یہاں تک کہ

يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (سورۂ نساء آیت ۶۵)	تجھ کو وہ ان جھگڑوں میں منصف نہ مان لیں جو ان کے درمیان پیدا ہوں پھر نہ پاویں اپنے دلوں میں کوئی تنگی تیرے فیصلہ سے اور خوشی سے قبول کرلیں۔

۶ - نیز ارشاد ہے:۔

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (سورۂ نساء آیت ۵۹)	پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ کی اور رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم ﷺ اور آخری دن پر یقین رکھتے ہو۔
قال النووی: قال العلماء: معناه الی الکتاب و السنۃ	تنبیہ۔ علماء نے کہا ہے "لوٹانے" کے معنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرنا ہیں۔

۷ - نیز ارشاد ہے:۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۔ (سورۃ النساء، آیت ۸۰)	جس نے رسول کی اطاعت کی تو بیشک اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

۸ - نیز ارشاد ہے:۔

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۔ (سورۃ الشوریٰ، آیت ۵۲)	اور بتحقیق تم (اپنے قول و فعل سے) صراط مستقیم (سیدھے راستہ کی) رہنمائی کرتے ہو۔

۹ - نیز ارشاد ہے:۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۔ (سورۃ النور، آیت ۶۳)	پس ڈرنا چاہیئے ان لوگوں کو جو رسول اللہ کے حکم سے اختلاف کرتے ہیں اس سے کہ وہ (رسول کی مخالفت کی سزا میں) کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائیں یا دردناک عذاب میں

۱۰ - نیز ارشاد ہے:۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِي بُيُوتِكُنَّ	اور (اے نبی کی بیویوں) تم یاد رکھا کرو ان اللہ کی آیات

مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ — کو جو تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں اور دانائی کی باتوں

(سورۃ الاحزاب، آیت ۳۴) — کو (یعنی رسول ؐ کے اقوال و افعال کو)

اس باب میں اور بھی بہت سی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں۔ جن میں سے ایک اہم ترین آیت کا ہم اضافہ کرتے ہیں وہ آیت یہ ہے۔

۱۱ - وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ؕ وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا۔ (سورۃ النساء رکوع ۱۷، آیت ۱۱۳) — اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب (قرآن) اور حکمت (سنت) اور تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا اور اللہ کا فضل تو تجھ پر بہت ہی بڑا ہے۔

تشریح آیات

۱ - اس آیتِ کریمہ میں ما اٰتٰکم (جو دے تم کو) کے مقابلہ میں مَا نہاکم (جس سے منع کرے) آیا ہے اور فخذوہ (پس اس کو لے لو) کے مقابلہ میں فانتھوا (پس اس سے باز آجاؤ) اس سے معلوم ہوا کہ ما اٰتٰکم کے معنی ہیں مَا امرکم (جو حکم دے) اور فخذوہ کے معنی ہیں فَأْتَمِرُوْا (اس حکم کو قبول کرو اور اس پر عمل کرو) کے ہیں لہٰذا آیتِ کریمہ کے معنی یہ ہوئے: "رسول جس چیز کا حکم دے اس کو قبول کرو۔ اور اس پر عمل کرو اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز آجاؤ" خواہ یہ حکم مال وغیرہ دینے کا ہو یا کسی اور کام کے سلسلے میں ہو، اسی طرح دوسرے جملے کے معنی یہ ہوئے: جس سے منع کرے خواہ مال ہو خواہ کام اس سے باز رہو۔

حاصل آیت کریمہ کا یہ ہوا کہ رسول کا ہر حکم ماننا چاہیئے اور جس چیز سے منع کرے اس کے پاس بھی نہ جانا چاہیئے اس لئے کہ اس کی اطاعت اور کہا ماننا فرض ہے۔ لہٰذا آیت کریمہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے فرض ہونے کی دلیل ہے۔

۲ - دوسری آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ رسول اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتا وہ جو

کچھ بھی کہتا ہے وہ ﷻ کی بھیجی ہوئی وحی ہوتی ہے خواہ "وحی جلی" اور "متلو" ہو جس کا نام قرآن ہے، خواہ وحی خفی ہو جس کا مصداق رسول اللہ ﷺ کی قولی احادیث ہیں دونوں عمل کے اعتبار سے یکساں اور منجانب اللہ ہیں لہٰذا اس آیت سے ثابت ہوا کہ تمام "قولی احادیث" حجت اور واجب العمل ہیں۔

۳۔ تیسری آیتِ کریمہ میں رسول ﷺ کے اتباع یعنے پیروی کا حکم ہے اور پیروی ہمیشہ اعمال و افعال میں ہوتی ہے۔ لہٰذا اس آیتِ کریمہ سے رسول اللہ ﷺ کی تمام "فعلی احادیث" کا حُجت اور واجب العمل ہونا ثابت ہوا۔ عام طور پر احادیث دو ہی قسم کی ہیں قولی یا فعلی، تقریر (برقرار رکھنا) جس کو بیان سکوتی کہا جاتا ہے وہ بھی یا قولی ہوتا ہے یا فعلی۔ لہٰذا ان دونوں آیتوں سے تمام ذخیرۂ احادیث۔ جو کتبِ صحاح میں مُدَوَّن و محفوظ ہے۔ کا حجتِ شرعیہ اور واجب العمل ہونا ثابت ہوگیا۔

۴۔ چوتھی آیتِ کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کو اہلِ ایمان کے لئے "اُسْوَۂ حَسَنَہ" (پیروی کے لائق خوب تر نمونہ) قرار دیا ہے۔ از روئے لغت اُسْوَہ کے معنی ہیں: مَایَتَأَسّٰی بِہٖ (جسکی پیروی کی جائے) اس لحاظ سے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اخلاق وعادات، خصائل وشمائل، درونِ خانہ اور بیرونِ خانہ شب و روز کے تمام مشاغل اہلِ ایمان کے لئے خوب ترین نمونہ ہیں جس کی پیروی کی جائے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی تمام عبادات ومجاہدات، خصائل وشمائل اور اخلاق و عادات و معمولات سے متعلق احادیث بھی حجت اور لائقِ عمل ہوئیں۔ احادیث کی یہ تیسری قسم ہوئی جس کو عُرفِ محدثین میں "شمائل" کہا جاتا ہے۔ اور مذکورہ کتبِ صحاح کے علاوہ مستقل تصانیف میں بھی محدثین نے اس تیسری قسم کی احادیث کو مُدَوَّن اور محفوظ کیا ہے۔ شکر اللہ مساعیھم۔

۵۔ پانچویں آیتِ کریمہ میں تمام باہمی نزاعات وخصومات (جھگڑوں) میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو دل وجان سے ماننے اور بغیر ادنیٰ تنگدلی اور ناگواری کے ان فیصلوں کو تسلیم کرنے

پر ایمان لانے اور مومن کہلانے کو موقوف قرار دیا ہے خواہ وہ فیصلے اپنے موافق ہوں خواہ مخالف ۔ بڑا ہی کٹھن اور مشکل کام ہے بہر حال ایمان اس پر موقوف ہے ۔ اس لحاظ سے خصوصیت کے ساتھ تمام احادیث محاکمہ وفصل خصومات کا قولی ہوں یا فعلی حجت اور واجب العمل ہونا ثابت ہوا ۔

۶ ۔ چھٹی آیت کریمہ سے کتاب اللہ یعنے قرآن کے بعد سُنت رسول اللہ یعنے احادیث کا حجت ہونا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ امام نووی نے علماء کے حوالہ سے بیان کیا ہے ۔

۷ ۔ ساتویں آیت کریمہ میں رسول اللہ کی اطاعت (کہا ماننے) کو بعینہٖ اللہ کی اطاعت قرار دیا ہے اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ قرآن کے بعد دوسرا درجہ احادیث کا ہے ۔

۸ ۔ آٹھویں آیت کریمہ میں رسول اللہ کی ہر ہدایت و رہنمائی (یعنے ہر حدیث) کو صراطِ مُستقیم کہا ہے جس پر قائم رہنے کی ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں اللہ سے دعا مانگتے ہیں ۔

۹ ۔ نویں آیت کریمہ میں رسول ﷺ کے حکم کی یعنے احادیث رسول اللہ کی مخالفت کرنے والوں کو دُنیا میں ہی کسی آفت میں مبتلا ہونے یا دردناک عذاب میں گرفتار ہونے سے ڈرایا گیا ہے ۔

۱۰ ۔ دسویں آیت کریمہ میں ازواجِ مطہرات کو خاص طور پر کاشانۂ نبوت میں تلاوت کی جانے والی آیات اللہ اور درونِ خانہ دانائی کی باتوں یعنے رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال کو یاد رکھنے کا حکم دیا ہے کہ وہی ازواج مطہرات ان آیات و احکام کے معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں ۔ مرد انہی ازواج سے درونِ خانہ آپ کے اقوال وافعال معلوم کرتے ہیں ۔

۱۱ ۔ گیارہویں آیت کریمہ میں کتاب یعنے قرآن کی طرح حکمت یعنے "سُنت" کے بھی مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰہ (اللہ کی جانب سے نازل شدہ) ہونے کی تصریح فرمادی ہے ۔

فائدہ رسول اللہ ﷺ کی پیشینگوئی :

لَا اُلْفِيَنَّ اَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى ... میں تم میں سے کسی بھی شخص کو ایسا نہ پاؤں جو اپنی مسند

اَرِیْکَتِہٖ یَأتِیْہِ الْاَمْرُ مِنْ اَمْرِیْ مِمَّا اَمَرْتُ بِہٖ وَنَہَیْتُ عَنْہُ فَیَقُوْلُ: لَانَدْرِیْ مَا وَجَدْنَا فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ اِتَّبَعْنَاہُ۔ (ابوداؤد وترمذی)	پر تکیہ لگائے (فرعون بنا) بیٹھا ہو اس کے سامنے میری منقول میں سے کوئی سنت (حدیثوں میں سے کوئی حدیث) آئے جس میں میں نے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا ہو یا کسی کام کے کرنے سے منع کیا ہو تو وہ (مردود) کہہ دے: ہم (حدیث وِدیث کو) نہیں جانتے ہم تو جو کتاب اللہ (قرآن) میں پائینگے (اس کو مانیں گے اور) اس کی پیروی کریں گے۔

اس پیشینگوئی کے مطابق ہر زمانہ میں ایسے منکرین حدیث ملحد ہوئے ہیں جو صرف کتاب اللہ (قرآن) کو حجت اور واجب العمل مانتے ہیں اور مختلف پہلوؤں سے حدیثوں کا انکار کرتے ہیں امام نووی رحمہ اللہ کے زمانہ میں بھی ایسے منکرین حدیث بیدینوں کی کمی نہ تھی اس لئے امام نووی نے معمول کے خلاف اس باب کے ذیل میں قرآن کریم کی مختلف اور متنوع آیات اتنی کثرت سے ذکر کی ہیں یعنی دس مختلف اور متنوع آیتیں ذکر کی ہیں۔ ایک اہم ترین آیت کا ہم نے اضافہ کیا ہے اس لئے کہ منکرین حدیث کے مقابلہ میں حجیت حدیث کو ثابت کرنے کے لئے حدیث کو پیش کرنا مناظرہ کی اصطلاح میں مُصادرہ علی المطلوب کہلاتا ہے جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جس چیز کو فریق مخالف مانتا ہی نہیں اس کو اپنے دعوے کے ثبوت میں دلیل کے طور پر پیش کرنا اور اس کو اپنے دعوے کا ثبوت پیش کرنے سے عاجز ہونا سمجھا جاتا ہے گویا ہمارے پاس حدیث کے حجت ہونے کی کوئی دلیل ہے ہی نہیں اسی لئے امام نووی علیہ الرحمۃ نے نہ صرف حدیث کے ماننے اور واجب العمل ہونے پر دلائل پیش کئے اور قرآن کی طرح حدیث کا بھی منزل من اللہ ہونا ثابت کیا بلکہ منکرین ومخالفین حدیث کو حدیث کی مخالفت سے ڈرانے کے لئے آیتِ وعید بھی پیش کی۔ یہ دین کی اساسی ضرورت ہے جس کو انجام دینا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ خصوصًا محدث کا تو کام ہی یہ ہے اور اسی کے لئے وہ اپنی زندگی وقف کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو جمع کرنے سے پہلے ان کا حجت اور واجب العمل ہونا ثابت کرے۔

درحقیقت منکرین حدیث دین سے گلو خلاصی اور نجات حاصل کرنے کی غرض سے یہ پُر فریب

حربہ استعمال کیا کرتے ہیں کہ ہمیں (مسلمان ہونے کے لئے کتاب اللہ (قرآن) کافی ہے۔ حدیث کی ضرورت نہیں حقیقت شناس لوگ جو کچھ بھی قرآن و حدیث کا علم رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ حدیث کے بغیر قرآن پر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔[1] یہ لوگ دراصل بے دین اور زندیق ہیں جو یہ بکواس کرتے ہیں۔ یہ قرآن و حدیث دونوں سے جان چھڑانا چاہتے ہیں اور پھر بھی مسلمان کہلانے پر اصرار کرتے ہیں اللہ جل شانہ مسلمانوں کو ان دجالوں کے فریب سے محفوظ رکھیں۔ آمین۔

بے تکے اور لایعنی سوالات کرنے کی ممانعت

پہلی حدیث (۱/۱۵۷)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب تک میں تمہیں چھوڑوں (یعنے تم سے کچھ نہ کہوں) تم بھی اس وقت تک مجھے چھوڑے رہو (یعنے کسی بھی چیز یا کام کے متعلق مجھ سے سوال نہ کرو) اس لئے کہ تم سے پہلی امتوں کو صرف اسی چیز نے ہلاک کیا ہے کہ وہ اپنے نبیوں سے طرح طرح کے سوالات کثرت سے کیا کرتے تھے (اور ان پر عمل نہیں کرتے تھے) لہٰذا جب میں تم کو کسی چیز (یا کام) سے منع کروں تو تم اس سے دور رہو (اس کے پاس بھی نہ جاؤ) اور جب میں کسی چیز (یا کام) کا حکم دوں تو جہاں تک تم سے ہو سکے اس پر عمل کرو۔

تشریح

اس حدیث کے دو جزو ہیں ایک[1] کثرت سوال سے ممانعت۔ دوسرے[2] منہیات یعنی ممنوعات و محرمات سے کلی طور پر احتراز کرنا یعنی دور رہنا اور پاس بھی نہ جانا اور "مامورات" یعنے جن کاموں کے کرنے کا حکم دوں (مثلاً عبادات) جہاں تک تم سے ہو سکے اس پر عمل کرو۔ اس لئے تشریح بھی ہر جزو کی الگ الگ مناسب اور مفید ہے۔

پہلا جزو[1] نبی دنیا میں بھیجا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اپنی امت کو خداوندی احکام بتلائے اور

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھیئے راقم کی کتاب "سنت کا تشریعی مقام قرآن کی روشنی میں" یا ڈاکٹر مصطفے السباعی کی کتاب "مکانة السنة فی التشریع الاسلامی" کا ترجمہ "اسلام میں سنت کا مقام"۔

اُن پر عمل کراتے وہ دن رات اپنے منصبِ رسالت و تبلیغِ احکام الٰہیہ کی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے میں مصروف رہتا ہے۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تک میں تم کو کسی کام کا حکم نہ دوں تم خاموش رہو اور یقین رکھو کہ اگر کوئی حکمِ خداوندی ہوتا تو میں ضرور اس سے آگاہ کرتا اور اس پر عمل کراتا۔ تم محض اپنی ذہنی خارش اور عقلی چون و چرا کی بنا پر طرح طرح کے امکانی امور و احتمالات سے متعلق سوالات۔ کہ اگر ایسا ہو تو کیا حکم ہے۔ مت کیا کرو۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ایک صحیح حدیث میں فرمایا ہے:۔

"مسلمانوں کے حق میں سب سے بڑا مجرم وہ شخص ہے جس کے احمقانہ سوال اور کھود کرید کرنے کی وجہ سے کوئی چیز حرام ہو گئی اگر وہ شخص کھود کرید نہ کرتا، اور نہ پوچھتا تو حرام نہ ہوتی"

اس حدیث کا مقصد صرف احمقانہ سوالات اور کھود کرید کرنے والوں کا منہ بند کرنا ہے ورنہ شریعت میں جہاں تک ہمارا علم ہے کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو کسی شخص کے دریافت کرنے کی وجہ سے حرام ہوئی ہو، اگر وہ دریافت نہ کرتا تو حرام نہ ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ نے جس چیز کو بھی حرام یا حلال کیا ہے صرف اللہ ﷻ کے حکم سے، بذات خود حرام یا حلال کیا ہے جیسے آپ مامور تھے اللہ ﷻ کا فرمان ہے۔

يَآ اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔ (سورہ المائدہ، ع، آیت)	اے رسول!! تم پہنچا دو جو (حکم) تم پر اُتارا گیا ہے تمہارے رب کی جانب سے پس اگر تم نے (یہ) نہ کیا تو تم نے اپنے رب کی پیغام رسانی نہیں کی اور اللہ لوگوں (کے شر) سے تمہاری حفاظت کرے گا۔

اس کے برعکس آپ نے ایسے سوالات کا جواب دینے سے گریز کیا ہے اور بار بار کے اصرار پر تنبیہ کی ہے اور جواب نہ دینے کی وجہ بھی بیان کی ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا (تقریر کی) اور فرمایا:

اے لوگو! بیشک اللہ ﷻ نے تمہارے اوپر حج فرض کیا ہے لہٰذا تم حج کیا کرو

تو ایک شخص نے دریافت کیا: ہر سال؟ (حج کیا کریں) آپ خاموش رہے (اور کوئی جواب نہیں دیا) یہاں تک کہ اس شخص نے تین مرتبہ یہی سوال کیا تو تیسری مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں (تمہارے سوال کے جواب میں) "ہاں" کہہ دیتا تو (ہر سال) حج فرض ہو جاتا اور یقیناً تم (دور دراز ملکوں سے ہر سال سفر کر کے مکہ نہیں آ سکتے، تم (ہر سال) حج نہیں کر سکتے (اور حکم خداوندی پر عمل نہ کرنے کی پاداش میں پہلی امتوں کی طرح ہلاک ہو تے)"

اس کے بعد آپ نے وہی پہلی امتوں کا حشر بیان کیا جو اس باب کی پہلی حدیث میں مذکور ہے اس شخص کا سوال تو پھر بھی کسی درجہ میں دریافت طلب ہے اس لئے کہ شبہ ہو سکتا ہے کہ جیسے پنجوقتہ نمازیں ہر روز ادا کرنا فرض ہیں، رمضان کے روزے رکھنا ہر سال فرض ہے۔ شاید ایسے ہی ہر سال حج ادا کرنا بھی فرض ہو۔ آپ نے سکوت کی وجہ بیان کر دی کہ ﷻ نے عمر میں ایک مرتبہ حج فرض کیا ہے۔ ہر سال نہیں۔ اس سے زیادہ لایعنی اور بیکار سوالات کی مثالیں جن پر آپ کو غصہ بھی آیا ہے۔ آنے والی حدیث میں مذکور ہیں:

بہر حال رسول اللہ ﷺ نے بعثت کے بعد کے تیئیس ۲۳ سال اپنے رب کے حکم کے تحت (جو شروع میں آپ پڑھ چکے ہیں) ضرورت اور حالات کے مطابق احکام الٰہیہ سے آگاہ کرنے اور احکام شرعیہ سے متعلق سوالات کے جوابات دینے میں صرف کئے ہیں تاہم صحابہ کرام مذکورہ بالا آیت کریمہ کے نازل ہونے اور احادیث میں کثرت سوال کی ممانعت کے بعد بہت زیادہ محتاط ہو گئے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ہم کو رسول اللہ ﷺ سے کسی بھی چیز کے متعلق سوال کرنے سے منع کر دیا گیا تھا اس لئے ہمیں اچھا معلوم ہوتا تھا کہ دیہاتیوں میں سے کوئی عقلمند آدمی (بطور وفد اپنے قبیلہ کی طرف سے) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ سے سوالات کرے اور ہم سنیں چنانچہ الخ اس کے بعد ضمام بن ثعلبہ کا قصہ

بیان کیا ہے) مسلم ج اوّل۔

یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک غیر معروف اور ناقابل شناخت انسان کی شکل میں صحابہ کی موجودگی میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ سے ایمان، اسلام احسان وغیرہ سے متعلق صحابہ کے سامنے نہایت اہم اور دقیق سوالات کئے اور آپ نے اُن کے نہایت واضح و محکم اور تسلی بخش جوابات دیئے اور ان کے جانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ جبرئیل (علیہ السلام) تھے تم تو سوال کرتے نہیں یہ تم کو دین (کے متعلق سوال کرنے کا طریقہ سکھلانے کے لئے آئے تھے (کہ دین کے متعلق اس طرح سوال کیا کرتے ہیں)

۲۔ حدیث کے دوسرے جزو کی تشریح حدیث کا دوسرا جزو نہایت اہم ہے ہر مسلمان کو ہر حالت میں اُس کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، تو جس چیز (یا کام) سے میں تم کو منع کروں اس کو تو بالکل چھوڑ دو (پاس بھی نہ جاؤ) اور جس چیز (یا کام) کا میں حکم دوں اُس پر جس قدر تم سے ہو سکے عمل کیا کرو" اس سے معلوم ہوا کہ مَنْہِیَّات (یعنے ممنوعات و محرمات) میں ہو سکنے یا نہ ہو سکنے کا کوئی سوال نہیں ان کو تو کُلّی طور پر ترک کر دو اور مامورات (وہ کام جن کے کرنے کا آپ نے حکم دیا ہے مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ حج وغیرہ عبادات) ان پر جس قدر تم سے ہو سکے عمل کیا کرو۔

مَامُورات اور مَنْہِیَّات میں فرق کی وجہ اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ اگر ممنوع اور حرام چیزوں یا کاموں کو بالکل ترک نہ کیا تو جو بھی مامور (عبادات ادا کی جائیں گی اور مامورات پر جتنا بھی عمل کیا جائے گا سب بیکار جائے گا مثلاً ایک شخص ہے جو نہ صرف پنجگانہ فرض نمازیں بلکہ سنتیں اور نوافل بھی، تہجد و اشراق کی نمازیں بھی پڑھتا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ سُود لیتا بھی ہے اور دیتا بھی ہے۔ تمام کاروبار سودی کرتا ہے۔ یا یتیموں کا مال بے دریغ کھاتا ہے یا شراب پیتا بھی ہے پلاتا بھی ہے۔ یا رشوت لیتا ہے۔ غرض حرام و حلال کی پروا کئے بغیر روپیہ کماتا ہے یا اسمگلنگ کرتا ہے چور بازاری کرتا ہے یا جوا کھیلتا ہے یا ریس (گھوڑ دوڑ) میں حصّہ لیتا ہے۔ اس کی نمازیں، روزے، صدقہ خیرات، حج و عمرہ غرض کوئی بھی بڑی سے بڑی عبادت و طاعت اس کو حرام خوری کے عذاب سے

نہ بچا سکے گی جب تک ان حرام کاموں کو کُلّی طور پر ترک کرے اور آئندہ نہ کرنے کا پختہ عہد کرے جس کو شریعت میں توبہ کہتے ہیں یہ تمام محرمات وہ گندگیاں اور نجاستیں ہیں جن کے باقی رہتے نماز پڑھنا ایسا ہی بیکار ہے جیسے ناپاک کپڑے پہنے یا بغیر وضو یا غسل کے ناپاکی کی حالت میں نماز پڑھے۔ ایسی نماز نماز نہیں بلکہ نماز کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے بالکل یہی صورت محرمات کو کلی طور پر ترک کئے بغیر عبادت کرنے کی ہے جو حرام خوری یا حرام نوشی یا حرام پوشی کے عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

حدیث شریف میں آتا ہے:

۱۔ کُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ فَالنَّارُ اَوْلٰی بِہٖ — جو گوشت مالِ حرام سے بنا وہ تو جہنم ہی کے لائق ہے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ ایک شخص کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:۔

۲۔ یَا کَعْبَ بْنَ عُجْرَۃَ اِنَّہٗ لَا یَرْبُوْا لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ اِلَّا کَانَتِ النَّارُ اَوْلٰی بِہٖ۔ — اے کعب بن عجرہ! بلاشبہ جو گوشت بھی مالِ حرام سے بنا وہ جتنا بھی بڑھے گا (جہنم کے لائق ہی ہوگا اور) جہنم کی آگ ہی اس کے لائق ہو گی۔

دُعا اللہ پاک ہر مسلمان کو حرام مال یا کاموں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: پھر آپ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو (جہاد یا حج و عمرہ کے لئے) دور دراز سفر کرتا ہے سر کے بال پراگندہ ہیں، جسم غبار آلود ہے۔ ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر دُعا مانگتا ہے، اے پروردگار! اے پروردگار!! حالانکہ جو کھایا ہے وہ حرام ہے جو پیا ہے وہ حرام ہے جو پہنے ہوئے ہے وہ حرام ہے جو غذا ملی ہے وہ حرام ہی تو اسکی دعائیں کہاں قبول ہو سکتی ہیں

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جب تک حرام خوری اور حرام پوشی اور گناہوں اور معصیتوں کو کلی طور پر ترک کر کے اور ان تمام غلاظتوں اور ناپاکیوں سے خود کو پاک و صاف کر کے ہی اللہ جل شانہ کی عبادت و طاعت نہ کی جائے گی اللہ جل شانہ کے ہاں ہرگز قابلِ قبول نہ ہوگی اور جہنم کی آگ سے نہیں بچا سکے گی تھوڑی ہو یا بہت صرف فرائض ہوں یا نوافل و مستحبات سمیت۔ اسی لئے رسول اللہ

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جن کاموں کے کرنے کا میں تمہیں حکم دوں ان پر جتنا تم سے ہو سکے عمل کرو"۔ یعنے تم حرام کاموں یا چیزوں سے اور گناہوں اور نافرمانیوں سے کلی طور پر دور رہ کر جتنا بھی مامورات (عبادات وطاعات) پر عمل کروگے قابلِ قبول اور مفید ہوگا تھوڑا ہو یا بہت۔

تقویٰ کے باب میں بیان کیا جا چکا ہے کہ تَخَلِّیْ عَنِ الرَّذَائِل کے بغیر تَحَلِّیْ بِالْفَضَائِل ممکن نہیں یعنے رذیلتوں سے پاک وصاف ہوئے بغیر فضیلتوں سے آراستہ ہونا ممکن نہیں یہی تقویٰ کے معنی ہیں اسی کتاب میں بابِ تقویٰ کو دوبارہ پڑھ لیجئے تاکہ ہر وقت پیشِ نظر رہے۔

ہمارا زمانہ اور ہماری حالت ہمارا زمانہ ایسا خدا شناسی سے دور اور خدا پرستی سے محروم زمانہ ہے کہ بیدینوں کا تو ذکر ہی کیا، دیندار لوگوں پر بھی زر اندوزی اور زر پرستی اس بری طرح مسلط ہے کہ ہر شخص ۔ اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰہ ۔ اندھا دھند مال ودولت جمع کرنے بلکہ سمیٹنے میں اس طرح منہمک ہے کہ حرام وحلال اور جائز وناجائز کا سوال ہی ختم کر دیا ہے ۔ مال آنا چاہیئے کسی بھی راستہ سے آئے حرام راستہ ہو یا حلال، کچھ پروا نہیں۔

ہم جیسے زر پرست لوگوں کے متعلق اللہ جل شانہ فرماتے ہیں:

وَ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا (سورۃ الفجر آیت ۲۰)۔ اور تم تو مال سے بے تحاشا محبت کرتے ہو۔

دعا اللہ جل شانہ اپنے فضل سے ہماری حالت پر رحم فرمائیں اور اس حبِ مال اور زر پرستی سے نجات دیں اور خدا شناسی وخدا پرستی کی توفیق عطا فرمائیں خصوصًا دیندار عبادت گذار مسلمانوں کو اس آخر زمانہ کے فتنے حُبِّ مال وزر سے ضرور نجات دیں تاکہ ان کی عبادتیں اور طاعتیں رائیگاں نہ جائیں اور وہ اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ "ہم تو نہ صرف پنجوقتہ نمازیں بلکہ دن کو چاشت کی اور رات کو تہجد کی نمازیں بھی پڑھتے ہیں روزے بھی رکھتے ہیں، زکات بھی نکالتے ہیں، حج بھی ہم نے کیا ہے اس لئے ہم ضرور بخشے جائیں گے اور جہنم کے عذاب سے محفوظ رہیں گے" پڑھیئے اور معنی کو سمجھ کر پڑھیئے ۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔ (احکامِ الٰہیہ پر عمل کرنے کی) قوت اور (گناہوں سے بچنے کی) طاقت صرف اللہ جل جلالہ کی جانب سے (میسر ہوتی) ہے۔

اور دُعا مانگتے، پڑھتے نہیں،

اَللّٰھُمَّ لا تجعل الدنیا اکبر ھمنا — اے اللہ تو دنیا (اور امور دنیا) کو ہمارا سب سے بڑا فکر نہ بنائیو

ولا مبلغ علمنا ولا غایۃ رغبتنا — اور نہ ہمارا انتہائی علم بنائیو اور نہ انتہائی مرغوب چیز بنائیو۔

جل جلالہٗ آپ کو صدق دل اور خلوص سے نکلی ہوئی دُعا کو ضرور قبول فرمائیں گے اور سب سے بڑا فکر آخرت کو بنا دیں گے اور منتہائے علم، علم دین کو بنا دینگے اور سب سے زیادہ مرغوب چیز نعیم جنت کو بنا دینگے۔

نوٹ! ایسے علماء دین جو دنیاوی علوم سے ناواقف ہیں، پڑھے لکھے لوگوں میں ایک فیصدی بھی مشکل سے ہوں گے، باقی ننانوے فیصد ایسے تعلیم یافتہ ہیں جو دین اور امور دین سے بالکل ناواقف یا نیم مُلّا خطرۂ ایمان کے مصداق ہیں نام کو اسلامیات میں ایم۔اے اور پی، ایچ ڈی ہیں، اصل عربی زبان اور قرآن وحدیث اور فقہ وعقائد وغیرہ علوم دینیہ سے بالکل ناآشنا ہیں اور اردو ترجمے پڑھکر امتحانات پاس کر لیتے ہیں، اصل عربی سے جو قرآن وحدیث اور علوم دینیہ کی زبان ہے بالکل کورے ہوتے ہیں ان ایک فیصدی علماء دین کو انگریزی زبان اور علوم دنیا سے واقف ہونے کی تلقین کی جاتی ہے، پروگرام بنائے جاتے ہیں اور ننانوے فیصد نام نہاد تعلیم یافتہ کو نہیں کہا جاتا کہ تم اصل عربی زبان اور علوم دینیہ حاصل کرو، کس قدر افسوس کا مقام ہے۔

وہ سوالات جن پر آپ کو غصہ آیا حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کچھ چیزوں کے متعلق سوالات کئے گئے جو آپ کو ناگوار گذرے۔ جب لوگوں نے آپ سے اس قسم کے بے تکے احمقانہ سوالات کثرت سے کرنے شروع کئے تو آپ ناراض ہو گئے اور غصہ میں لوگوں کو خطاب فرمایا:

"جو تمہارا جی چاہے مجھ سے پوچھو میں جواب دوں گا۔ چنانچہ ایک شخص نے سوال کیا: میرا باپ کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: تیرا باپ حُذیفہ ہے، دوسرا شخص اُٹھا اور کہا: یارسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: تیرا باپ سالم مولیٰ شیبہ ہے۔ اس کے بعد آپ برابر فرماتے رہے: سوال کرو، سوال کرو، سوال کرو، اب کیوں نہیں پوچھتے؟

جب لوگوں نے خصوصًا حضرت عمرؓ نے آپ کے چہرہ پر غیظ و غضب اور قہر و جلال کے آثار دیکھے تو سب آہستہ آہستہ رونے لگے اور حضرت عمرؓ نے آگے بڑھ کر دو زانو بیٹھ کر کہا :
"ہم ایسے بیہودہ سوالات کرنے سے توبہ کرتے ہیں آپ بھی معاف فرما دیجیئے" تب آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ اسی پر ذیل کی آیتِ کریمہ نازل ہوئی :۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَ اِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِیْنَ یُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِیْنَ ۔ (سورۃ المائدہ)	اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے متعلق سوال نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر نزولِ قرآن کے زمانہ میں تم دریافت کروگے تو (ضرور) ظاہر کردی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سوالات) کو معاف کردیا ہے۔ اور اللہ تو بہت زیادہ بخشنے والا بردبار ہے۔ بیشک تم سے پہلی قوموں نے اس قسم کی چیزوں کو دریافت کیا، پھر ان کے سبب کافر ہو گئے۔

اس باب کی پہلی حدیث اور اس سلسلہ کی دوسری احادیث قرآنِ کریم کی مذکورہ بالا آیت کی روشنی ہی میں وارد ہوئی ہیں۔

ضروری احکامِ شرعیہ کے متعلق سوالات کرنے کی اجازت بہرحال سوالات کرنے کی ممانعت اسی قسم کے بے تکے اور لایعنی سوالات سے متعلق ہے یا احکامِ الٰہیہ سے متعلق احمقانہ کھود کرید سے متعلق ہے۔ جیسا کہ آپ مذکورہ بالا احادیث میں پڑھ چکے ہیں ورنہ تو حضور ﷺ سے احکامِ الٰہیہ سے متعلق ہر ضرورت کے موقع پر سوالات کیے گئے ہیں اور آپ نے بخندہ پیشانی جوابات دیئے ہیں خود قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے :

فَاسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (سورۃ الانبیاء آیت ۷)	پس دریافت کرلیا کرو (شرعی احکام) اہلِ علم سے اگر تم نہیں جانتے

اور قرآنِ کریم میں تو سوالات اور جوابات کا ایک مستقل عنوان ہے۔ جس کے تحت مختلف احکامات بیان کیے گئے ہیں مثلاً یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ، یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ، یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ، یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ، یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ وغیرہ۔

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے صرف اسی لئے اونٹنی پر سوار ہو کر مناسک حج ادا کئے ہیں تاکہ ہر شخص آپ کو دور سے دیکھ سکے اور احکام حج دریافت کر سکے اور متعدد لوگوں نے آپ سے احکام حج دریافت کئے ہیں اور آپ نے بتلائے ہیں۔

چنانچہ ایام جاہلیت میں حج کے دنوں میں عمرہ کرنا اَفْجَرِ فُجُوْر (بدترین بدکاری) سمجھتے تھے رسول اللہ ﷺ نے اس عقیدہ بلکہ رسم کی عملی طور پر بیخ کنی کی غرض سے ان تمام حاجیوں کے جن کے ساتھ ہدی (قربانی کا جانور) نہ تھا حج کے احرام عمرہ سے تبدیل کرا دیئے اور عمرہ کر کے حلال ہو جانے کا حکم دیا بڑی مشکل سے لوگ اس پر آمادہ ہوئے اس پر ایک شخص نے دریافت کیا:

اَلِعَامِنَا هٰذَا اَمْ لِلْاَبَدِ؟ کیا یہ (حج کے ایام میں عمرہ کرنے کا حکم) صرف اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کیلئے؟

آپؐ نے جواب دیا:

دَخَلَتِ الْعُمْرَةُ فِي الْحَجِّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ عمرہ حج میں قیامت تک کے لئے داخل ہو گیا۔

چنانچہ حج تمتع میں تو حاجی میقات سے عمرہ ہی کا احرام باندھتا ہے اور حج قران میں عمرہ اور حج دونوں کا احرام باندھتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کی وصیت اور بدعتوں سے اجتناب کی تاکید

دوسری حدیث (۲/۱۵۸)

حضرت ابو نجیح عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمیں وعظ فرمایا جس سے ہمارے دل لرز گئے اور آنکھیں اشک ریز ہو گئیں تو ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول یہ (وعظ) تو گویا ایک (دنیا سے) رخصت ہونے والے کا سا وعظ ہے، لہٰذا آپ ہمیں وصیت فرمائیے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: میں تمہیں اللہ جل شانہٗ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں اور مسلمانوں کے امیر (حکمران) کی بات سننے اور اس کی اطاعت کرنے کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ کوئی حبشی غلام

ہی تم پر مسلّط ہو جائے (تب بھی تم اس کی اطاعت کرنا) اور بلاشبہ تم میں
سے جو شخص (میرے بعد) زندہ رہے گا وہ (امت میں) بکثرت اختلاف دیکھے گا
تو تم میری سنت (کی پیروی) کو اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین (کی سنت کی
پیروی) کو اپنے اوپر لازم کر لینا اور اس سنت کو دانتوں سے پکڑے رہنا
اور تم (دین میں) نئے نئے امور (بدعتوں) سے بچنا (اور دور رہنا) اس
لئے کہ ہر بدعت (دین میں نئی چیز) گمراہی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی میں بھی
امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔

لفظ کے معنی نَوَاجِذ عربی زبان میں یا عام دانتوں کو یا خاص ڈاڑھوں کو کہتے ہیں۔

تشریح اس حدیث کے بھی کئی جزو ہیں ۱۔ اوّل یہ کہ رسول اللہ ﷺ اپنے
بعد مسلمانوں کو تقوی اللہ کی وصیت فرماتے ہیں۔ تقوٰی کی حقیقت گذشتہ حدیث کے ذیل
میں آپ پڑھ چکے ہیں حق تعالیٰ قرآن کریم میں ہر قسم کی عبادات کی قبولیت کو صرف متقین کے اندر
منحصر فرماتے ہیں۔ گویا تقوٰی کے بغیر کوئی عبادت مقبول نہیں ارشاد ہے:

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (سورۃ المائدہ آیت) — اس کے سوا نہیں کہ اللہ پاک تو صرف متقین کی (عبادتیں) قبول فرماتے ہیں

نیز ارشاد ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ (سورۃ النحل) — بالتحقیق حق تعالیٰ تو ان لوگوں کے ساتھ ہیں جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں اور وہ لوگ جو احسان والے ہیں۔

اس آیتِ کریمہ میں اللہ کی بے کیف معیت کو تقوٰی اور احسان والے
لوگوں کے ساتھ مخصوص کیا ہے "احسان" کی حقیقت اسی کتاب کے بابِ مراقبہ کی حدیث جبریل
علیہ السلام کے ذیل میں پڑھیئے۔

۲۔ دوسری وصیت۔ امیر المسلمین کی اطاعت سے متعلق ہے کہ اگرچہ کوئی امیر شریعت

کے اصول کے خلاف محض اپنی قبائلی یا انفرادی طاقت یا فوجی قوت کے زور سے تم پر مسلط ہو جائے
تب بھی تم اس کی اطاعت کرو بشرطیکہ وہ مسلمانوں کو خلاف شرع کاموں پر مجبور نہ کرے۔ اس لیے
کہ ایسے مُتغلِّب (زبردستی امیر) کے خلاف محاذ آرائی خانہ جنگی کے مترادف ہے جو مسلمانوں کے جان و مال کی
تباہی کا موجب ہے ہاں اگر وہ شریعت کے "قطعی" امور کے خلاف کام کرنے پر مسلمانوں کو مجبور کرے
تو اس کے خلاف مسلمانوں کو متحد و متفق ہو کر بغاوت کرنا جائز ہے۔

بہرحال امیر المسلمین جیسا بھی ہو اس کی اطاعت نہ کرنا حکم نہ ماننا اپنی اور قوم کی تباہی کو دعوت
دینے کے مترادف ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ کی وصیت کے مطابق امیر المسلمین کی
"سول نافرمانی" ناجائز ہے۔

۳۔ تیسری وصیت میں اول آپ امت کے داخلی اختلافات کی پیشگوئی فرماتے
ہیں جس سے حضرت ابوبکر صدیق کی وفات اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد ہی امتِ مسلمہ کو
سابقہ پڑا ہے اور آدھی صدی بھی نہ گذری تھی کہ عالم اسلام انہی اختلافات اور باہمی خانہ جنگیوں میں تباہ
ہونا شروع ہو گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت علی کے خلاف محاذ آرائی اور جنگِ جمل
جنگِ صفین جیسی ہولناک لڑائیاں ہوئیں جن کے نتیجہ میں دو طرفہ ہزاروں صحابہ شہید ہوئے۔

ایسے پُرآشوب اور پرفتن زمانہ میں اللہ کے رسول امت کو اپنی سنت کی پیروی اور اپنے
خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کی وصیت فرماتے ہیں کہ ایسے
افراتفری کے زمانہ میں بھی قطعی طور پر دنیا اور آخرت کی فلاح کا واحد راستہ یہی ہے اس لئے
کہ کتاب اللہ کے بعد سنتِ رسول اللہ واجب العمل ہے اور سنت رسول اللہ ﷺ کے بعد
سنت خلفائے راشدین بھی باجماع اہل سنت والجماعت واجب العمل ہے۔ یہی جز ترجمۃ الباب
سے متعلق ہے۔ اور یہی وہ مقصد ہے جس کے تحت امام نووی علیہ الرحمۃ اس حدیث کو باب محافظت
سنت کے ذیل میں لائے ہیں۔

اور چودہ صدیاں گذر جانے کے بعد ہمارے اس خدا ناآشنا اور خدا فراموش زمانہ میں بھی

ہمارا فرض ہے کہ ہم ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور دنیا و آخرت کی فلاح کے معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کے ساتھ ہی خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام کی سنت کو بھی دانتوں سے پکڑے رہیں اس لئے کہ انہی حضرات کے سامنے قرآن نازل ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے ﷻ کے حکم کے مطابق انہی حضرات کو قرآن کے معانی حقائق و دقائق اور احکام بتلائے اور سمجھائے جو حدیث کی کتابوں میں بحمداللہ محفوظ و موجود ہیں۔ یہ ہماری انتہائی محرومی اور بدنصیبی ہے کہ قرآن و حدیث ہمارے درمیان موجود و محفوظ ہیں اور ہم نظامِ شریعت کے لئے ادھر اُدھر بھٹک رہے ہیں ہماری اس حالت پر تعجب کرتے ہوئے ﷻ فرماتے ہیں۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ۔ (سورۃ النساء آیت ۱۰۱)

اور تم کیسے کافر ہوئے جارہے ہو درآں حالیکہ ﷻ کی آیتیں تمہارے سامنے پڑھی جارہی ہیں اور اسکا رسول تمہارے درمیان موجود ہے (اس کا ہر قول و فعل کتبِ حدیث میں موجود ہے)

ﷻ ہماری حالت پر رحم فرمائیں آمین ثم آمین۔

سنت سے انکار جنت سے انکار کے مترادف ہے

تیسری حدیث (۳/۱۵۹)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اُمت تمام اُمتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی سوائے اس شخص کے جو (جنت میں داخل ہونے سے ہی) انکار کرے صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (جنت میں داخل ہونے سے بھی کوئی شخص انکار کرے گا، آپ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی (حکم مانا) جنت میں داخل ہوگیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے (جنت میں داخل ہونے سے) انکار کردیا۔

تشریح

ﷻ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ

ہم نے ہر رسول کو اسی لئے بھیجا ہے کہ ﷻ کے اذن

بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ (سورۂ النساء آیت ۶۴) سے (حکم سے) اس کی اطاعت کی جائے۔

گویا جو شخص رسول ﷺ کی اطاعت سے انکار کرتا ہے وہ مقصدِ خداوندی کو چیلنج کرتا ہے کہ "دیکھ میں تیرے رسول کی اطاعت سے انکار کرتا ہوں"۔ قہرِ خداوندی ایسے فرعونِ بے سامان کو کب چھوڑ سکتا ہے! اگر کسی مصلحت کے تحت اس دنیا میں اس کی گردن نہ توڑے تو آخرت میں تو اسے ایسا عذاب دیگا کہ لَا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗ اَحَدٌ (اس کے عذاب جیسا عذاب کوئی کسی کو نہ دیگا)۔

واضح رہے کہ عربی زبان میں اِبا ذلت کو قبول کرنے سے انکار کو کہتے ہیں گویا جل جلالہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے والا آپ کی فرمانبرداری کو اپنی توہین سمجھتا ہے، اس لئے انکار کرتا ہے۔ اسی طرح جنت میں داخل ہونے کو بھی اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے۔ اسی لئے اس سے بھی انکار کرتا ہے۔ ایسے مغرور وسرکش کی سزا یہی ہے کہ اُن پر آگ کے کوڑے برسائے جائیں فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ (پس تیرے رب نے ان پر عذاب کے کوڑے برسائے) (سورہ فجر آیت ۱۳) اسی لئے قرآنِ کریم کی آیات میں سے نویں آیت میں رسول ﷺ کے حکم کے خلاف کرنے والوں کو فتنہ یا عذابِ الیم سے خبردار کیا گیا ہے نویں حدیث کی تشریح دیکھیے۔

سنت پر از راہِ تکبر ونخوت عمل نہ کرنے والے کی سزا

چوتھی حدیث (۴/۱۶۰)

حضرت ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ سے یا بقولِ بعض حضرت ابو ایاس سلمۃ بن عمرو بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا تو اللہ کے رسول ﷺ نے اس سے کہا: "دائیں ہاتھ سے کھاؤ"۔ اس نے کہا میں (دائیں ہاتھ سے) نہیں کھا سکتا، آپ نے فرمایا: (خدا کرے) تو نہ کھا سکے (یہ بددعا آپ نے اس لئے دی کہ) صرف اس کے غرور اور تکبر نے اس کو (آپ کی سنت پر عمل کرنے اور آپ کی بات ماننے سے) منع کیا تھا اور نہ وہ اس وقت دائیں ہاتھ سے کھا سکتا تھا) چنانچہ (آپ کی بددعا کے بعد

اس کو (مرتے دم تک) دائیں ہاتھ کو اٹھانا نصیب نہ ہوا (دایاں ہاتھ شل ہو کر رہ گیا)

تشریح

رسول اللہ کی سنت پر عمل کرنے کو اپنی شان کے خلاف اور اپنی توہین سمجھ کر انکار کرنے کا مصداق آپ کے زمانہ میں یہ شخص تھا۔ چنانچہ اس پر ایسی مار پڑی کہ ہاتھ شل ہو کر رہ گیا اور مرتے دم تک نہ اٹھا سکا۔ سچ فرمایا ﷺ نے :۔

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم۔ (س: النور، آیت ۶۲)

"جو لوگ رسول کے امر (کہنے) کے خلاف کرتے ہیں انہیں ڈرتے رہنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ اس مخالفت کی وجہ سے کسی آفت میں مبتلا ہو جائیں یا اُن پر دردناک عذاب آجائے۔

ہمارا زمانہ ہمارے اس خدا ناشناس زمانہ میں تو ایسے سر پھرے سرکش لوگ بے شمار ہیں خاصکر جدید تہذیب (یورپین تہذیب) کے پرستار اگر اُن سے کہا جاتے "کھانا بیٹھ کر کھانا سنت ہے سنت کا خلاف نہ کرو، بیٹھ کر کھاؤ، بسم اللہ کہہ کر کھاؤ، پلیٹ کو صاف کرو"، یا بھرا ہوا ٹھنڈے پانی کا گلاس پھینک دینگے صرف اسلئے کہ اس میں سے ایک دو گھونٹ کسی مسلمان نے یا اُن کے والد بزرگوار نے پی لیئے، پیالی میں دو گھونٹ چائے یا لیمن وغیرہ کی بوتل میں دو چار گھونٹ ضرور چھوڑینگے، لاکھ ان کو سمجھایئے کہ "خلاف سنت ہے ایسا مت کرو"۔ انتہائی متکبرانہ انداز میں "اُونھ" کہہ کر منہ پھیر لیں گے، گردن موڑ لیں گے، بڑبڑائیں گے۔ "یہ سب پرانے خیالات اور دقیانوسی تہذیب ہے" "آج کل اسلامی تہذیب یہ ہے جو ہمیں یورپین قوموں کی خوشہ چینی (ربوٹ چاٹنے) سے ملی ہے" انگریز کے نیچے بنے ہوئے ہیں، پوری نئی تعلیم یافتہ اور تہذیب آموختہ نسل انگریز کی نقالی میں سنن و آداب نبوی ﷺ پر عمل کرنے کو اپنی شان کے خلاف اور اپنی توہین سمجھ رہی ہے یہ سب اس حدیث اور آیت کریمہ نمبر ۹ کا مصداق ہیں۔ خدا ان پر رحم کرے کسی آفت یا دردناک عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

اسی بنا پر امام نووی رحمہ اللہ ان دونوں حدیثوں کو "سنن و آداب نبوی" کی پابندی کے باب میں

میں لانے ہیں ۔

ظاہر کا اختلاف باطن کے اختلاف کا موجب ہوتا ہے | پانچویں حدیث (۵/۱۶۱)

حضرت ابوعبداللہ نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے
کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے سُنا آپ فرما رہے تھے
تم اپنی (نماز کی) صفوں کو ضرور سیدھا (برابر) کر لو ورنہ اللہ تمہارے چہروں
(یعنی دلوں) کے درمیان (ایسی ہی) مخالفت ڈال دیں گے (جیسی تمہاری صفوں
میں ہے)۔ بخاری و مسلم
اور مسلم کی ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ (نماز شروع کرنے سے پہلے)
ہماری صفوں کو اس طرح برابر کیا کرتے تھے کہ گویا آپ ان صفوں سے تیر کی لکڑیاں
سیدھی کر رہے ہیں یہاں تک کہ جب آپ نے محسوس کیا کہ ہم (صفوں کو سیدھا
کرنا) سمجھ گئے ہیں (تو یہ اہتمام ترک کر دیا) پھر ایک دن (نماز پڑھانے کے لئے)
باہر تشریف لائے اور (مصلے پر) کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ آپ اَللّٰہُ
اَکْبَر کہیں، تو دیکھا کہ ایک شخص کا سینہ آگے کو نکلا ہوا ہے (اس لئے کہ وہ
صف میں برابر نہیں کھڑا تھا) تو آپ نے (بطور تنبیہ) فرمایا: اے اللہ کے
بندو! یا تو تم اپنی صفوں کے برابر کر لو ورنہ اللہ جل جلالہٗ تمہارے چہروں (یعنی دلوں)
کے درمیان مخالفت ڈال دیں گے ۔

تشریح

نماز میں صفوں کو سیدھا رکھنا سنت ہے اور پروردگار کے حضور میں خشوع و خضوع کے ساتھ
صف بستہ کھڑے ہونا آدابِ صلوٰۃ میں سے ہے ۔ اگرچہ بظاہر یہ صرف ایک ظاہری اور جسمانی عمل ہے
مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ تمہارے اس ظاہری عمل کا باطنی اثر یہ ہے کہ نماز کا یہ اتحاد و اتفاق،
مسلمانوں کی تمام تر اسلامی اور اجتماعی زندگی پر اثر انداز بلکہ سنگ بنیاد ہے جو لوگ رب العٰلمین کے حضور

میں باہمی اختلاف کا مظاہرہ کرنے سے باز نہیں آسکتے تو یاد رکھو تمہاری قومی اور اجتماعی زندگی باہمی اختلافات اور باہمی مخالفتوں سے محفوظ نہیں رہ سکتی۔ جب تم خدا کے گھر میں خدا کے سامنے باہمی اجتماع کے وقت باہمی اختلافات اور باہمی مخالفت کا مظاہرہ کر رہے ہو تو کیسے ممکن ہے کہ تم مسجد سے باہر اس سے باز آسکو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمہارے دلوں میں خدا کا خوف مطلق نہیں، پھر تمہارے دلوں میں اسلامی اخوت و محبت اور اتحاد و اتفاق کیسے اور کون پیدا کر سکتا ہے۔ بہرحال اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ظاہر کا اثر باطن پر ضرور پڑتا ہے۔

ہماری نمازیں ہم تو مسجد کو خدا کا گھر اور نماز میں کھڑے ہونے کو احکم الحاکمین کے حضور میں پیش ہونا سمجھتے ہی نہیں۔ بچپن سے جو عادت پڑی ہوئی ہے اس کے تحت ایک رسمی چیز سمجھ کر حسب عادت مسجد میں چلے جاتے ہیں۔ اور امام کے پیچھے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں نہ ہمیں یہ خبر ہوتی ہے کہ امام کیا پڑھ رہا ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں، بے روح اور بے جان رکوع سجدے کرتے رہتے ہیں صحیح معنی میں کہیئے "ٹکریں مارتے رہتے ہیں" سلام پھیرنے کے بعد دنیا بھر کے افکار و خیالات جیسے لے کر گئے تھے ویسے ہی لئے ہوئے مسجد سے باہر آجاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نماز پڑھ آئے ایسی بے جان اور بے روح نمازیں ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں کوئی انقلاب نہیں پیدا کر سکتیں

ہماری یہ حالت صرف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات اور نمازوں کے آداب و سنن سے ناواقف اور بے بہرہ ہونے کا نتیجہ ہے۔

اللہ جل شانہٗ سے دعا ہے کہ وہ ہماری ان رسمی اور بے جان نمازوں کو اپنے فضل سے حقیقی اور جان دار نمازیں بنا دے تاکہ ہم اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ کے روحانی فیوض و برکات سے بہرہ یاب ہو کر قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) کے کیف و سرور کا مزہ چکھ سکیں آمِیْن یَارَبَّ الْعٰلَمِیْن۔

سونے کے وقت آگ بجھا دیا کرو چھٹی حدیث ($\frac{6}{162}$)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) مدینہ میں

ایک گھر میں آگ لگی، گھر والوں سمیت سب کچھ جل گیا جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ان لوگوں کا حال بیان کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: یہ آگ تمہاری دشمن ہے۔ لہٰذا جب تم سویا کرو تو اس کو بجھا دیا کرو۔ بخاری و مسلم

تشریح

یہ حدیث اُن آداب و تعلیمات نبوی میں سے ہے جن کی رحمتِ عالم ﷺ نے از راہِ شفقت اپنی اُمت کو تعلیم دی ہے گویا اللہ کے رسول ﷺ صرف احکامِ الٰہی (ماموروات و منہیات) ہی کی تعلیم نہیں دیتے اور جہنم کی آگ سے ہی نہیں بچاتے ہیں بلکہ دنیاوی فلاح و بہبود کی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ تمام دُنیا اس پر متفق ہے کہ آگ انسان کی ایسی دشمن ہے کہ چشم زدن میں انسانوں کے جان و مال اور املاک کو پھونک کر رکھ دیتی ہے، اس کی ایذا رسانی اور مضرت و نقصان رسانی سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ اُسے جلد از جلد بجھا دیا جائے۔ اسی لئے دنیا کے تمام چھوٹے بڑے ملکوں کی حکومتوں نے بڑے بڑے کوہ شکن فائر بریگیڈ (آگ بجھانے والے انجن) اور عملے کے ہر وقت تیار رہنے کا اہتمام کیا ہوا ہے، اطلاع ملتے ہی چند منٹ میں پہنچ کر گھنٹوں یا دنوں میں آگ کو بجھا دیتے ہیں۔ مگر آگ لگنے سے بچانے کا واحد راستہ یہ ہے کہ ان حکیمانہ آداب و تعلیمات نبوت پر عمل کیا جائے اور ضرورت پوری ہونے کے بعد بجھا دی جائے تو نہ آگ لگے گی نہ جان و مال کا نقصان ہوگا۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تین طبقے

ساتویں حدیث (۷/۱۶۲)

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو ہدایت اور علم دے کر اللہ نے مجھے بھیجا ہے (اور میں نے اسکو لوگوں تک پہنچایا ہے) اس کی مثال ایسی ہے جیسے زمین پر خوب (موسلا دھار) بارش ہوتی ہے تو زمین کے کچھ قطعے ایسے عمدہ اور قابل خیز ہوتے ہیں کہ بارش کا سارا پانی جذب کر لیتے ہیں اور ان میں ہر طرح کی خشک و تر پیداوار (غلہ پھول اور پھل) اور گھاس چارہ خوب فراوانی کے ساتھ پیدا ہوتا ہے، اور کچھ ایسے شور نشیبی خطے ہوتے ہیں

کہ بارش کے پانی کو اپنے اندر صرف روک لیتے ہیں (اور پانی بڑے بڑے تالابوں اور جھیلوں کی شکل میں جمع ہو جاتا ہے) جس سے اللہ لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے لوگ خود بھی پیتے ہیں، مویشیوں کو بھی پلاتے ہیں اور کھیتیوں کو بھی سیراب کرتے ہیں، اور کچھ قطعے ایسے سنگلاخ چٹیل میدان ہوتے ہیں کہ نہ بارش کے پانی کو روکتے (اور جمع کرتے ہیں) اور نہ شور ہونے کی وجہ سے ان میں کچھ اُگتا ہے۔

پس یہ (پہلی) مثال ہے ان لوگوں کی جو اللہ کے دین میں سمجھ پیدا کرتے ہیں اور جو ہدایت اور علم ان کو میرے ذریعہ پہنچا اس کو خود کو بھی حاصل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتے ہیں اور یہ (آخری) مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے (از راہِ تکبر) اس علم و ہدایت کی طرف نگاہ اُٹھا کر دیکھا جو اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ بھیجا اور نہ اس کو قبول کیا۔

تشریح

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان و انعام ہے کہ اس نے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حسبِ وعدہ، ہدایت و علم لے کر اپنے بندوں کے پاس بھیجا لیکن آپ کی ہدایت سے نفع اٹھانے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ علماء عاملین جنہوں نے اس علم و ہدایت پر خود بھی عمل کیا، اور اپنے اعمالِ صالحہ کے ذریعہ اپنی زندگی کو بھی سرسبز و شاداب بنایا اور دوسروں کی زندگی کو بھی تعلیم و تربیت کے ذریعہ سرسبز و شاداب بنایا بالکل اسی طرح جیسے بارانِ رحمتِ خداوندی ہے مگر اس بارش سے نفع اٹھانے والے زمین کے خطے اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے مختلف قسم کے ہوتے ہیں بعض خطوں کی زمین نہایت عمدہ اور حاصل خیز ہوتی ہے وہ اس بارش سے خوب پھولتے پھلتے اور سرسبز و شاداب ہوتے ہیں اور خلقِ خدا کو ان سے جسمانی غذا حاصل ہوتی ہے اور بعض خطوں کی زمین شور اور بنجر ہونے کی وجہ سے خود تو کچھ نہیں اُگاتی مگر وہ خطے اس بارش کو ضائع نہیں ہونے دیتے بلکہ ندی نالوں اور بڑے بڑے تالابوں اور جھیلوں کی شکل میں بارش کے تمام پانی کو جمع کر لیتے ہیں اور لوگ اس پانی کو پیتے پلاتے

اور کھیتوں کو سیراب کرتے ہیں خلقِ خدا اس پانی سے حسبِ ضرورت منتفع ہوتی رہتی ہے (یہ وہ علماء اور واعظین ہیں جو خود تو عمل نہیں کرتے، مگر دوسروں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاتے ہیں)۔ اور کچھ خطے ایسے سنگلاخ اور چٹیل میدان ہوتے ہیں کہ نہ خود اس پانی سے نفع اٹھاتے ہیں نہ ہی پانی کو روکتے اور جمع کرتے ہیں تمام پانی ضائع جاتا ہے یہ وہ مغرور و متکبر اور سرکش لوگ ہوتے ہیں جو برینائے عناد نہ خود اس علم و ہدایت سے فائدہ اٹھاتے ہیں نہ دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

بہر حال لوگوں کے تین طبقے ہیں ایک علماء عاملین اور دوسرے وہ حاملین علم جو اپنے علم سے خود تو فائدہ نہیں اٹھاتے مگر مسلمانوں کو اپنے علم سے فائدہ ضرور پہنچاتے ہیں۔ تیسرے وہ منکرین و متکبرین جو از راہ عناد نہ خود ایمان لاتے ہیں نہ دوسروں کو ایمان لانے دیتے ہیں۔

یہ علم و ہدایت جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے قرآن و حدیث کی صورت میں موجود و محفوظ ہے۔ علم اور عمل کے ذریعہ اس کی حفاظت مسلمانوں کا فرض ہے کہ خود بھی عمل کریں دوسروں سے بھی عمل کرائیں، اسی لئے امام نووی اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں۔

اُمت کو جہنم میں گرنے سے بچانے والے نبی رحمت ﷺ

آٹھویں حدیث ($\frac{8}{165}$)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی تو (روشنی کو دیکھ کر) جھینگر اور پروانے آگ میں گرنے لگے اور وہ شخص ان کو (آگ میں گرنے سے بچاتا اور) ہٹاتا ہے (اسی طرح) میں تمہاری کمر پکڑے ہوئے ہوں (اور تمہیں آگ میں گرنے سے بچا رہا ہوں) اور تم میرے ہاتھ سے نکلے جا رہے ہو (اور آگ میں گرے پڑتے ہو) (مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا)

تشریح

یہ آگ، لذات و خواہشات کی مقناطیسی کشش رکھنے والی حرامکاریوں، نافرمانیوں، اور کبیرہ گناہوں کی آگ ہے جس میں گرنے کے لئے نفسِ امارہ کے پرستار بے تاب ہیں قابو سے باہر ہوئے جا رہے ہیں

اور اللہ کے رسول ﷺ رات دن ممنوعہ چیزوں اور کاموں سے بلا استثنا دور رہنے کی تاکید فرما رہے ہیں کہ اَلَا مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوْا اور ارشاد ہے: اِنَّ اَعْدٰى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِىْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ (تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے پہلو میں (بیٹھا ہوا ہے) لیکن اس مکار نفس کی دعوت پر لبیک کہنے والے نبی رحمت ﷺ کی اس شدید ممانعت کے باوجود، پروانوں کی طرح اس آگ میں گرنے کے لئے بے تاب ہیں قابو سے باہر ہوئے جا رہے ہیں مکار نفس نے لذتوں اور خواہشاتِ نفسانی کا ایسا سبز باغ دکھایا ہے کہ ہادیٔ رحمت کی تنبیہ حُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ کے باوجود اس دشمن نفس کا بچھایا ہوا جال ایسا ہم رنگ زمین ہے کہ بے ساختہ اس میں گرفتار ہوتے چلے جا رہے ہیں اور کہتے ہیں: دام ہم رنگ زمین بود گرفتار شدم۔ بجز ان پاکباز نکوکار اہل ایمان کے جنہوں نے ﷻ کی رحمت سے اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی سعادت حاصل کرلی ہے ﷻ حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے فرماتے ہیں:۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىْ ۔ (سورہ یوسف آیت ۵۳) بلاشبہ نفس تو بیحد برائیوں کا حکم دیتا ہے بجز اسکے جس پر میرا رب رحم فرمائے۔

ایسے پاکیزہ لوگوں کے نفوس، نفوسِ مُطْمَئِنَّہ کے زمرہ میں آجاتے ہیں اور ﷻ ان کو خطاب فرماتے ہیں اور بشارت دیتے ہیں۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِىْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ (سورہ الفجر) اے مطمئن نفس تو اپنے رب کی جانب لوٹ آ تو اپنے رب سے راضی تیرا رب تجھ سے راضی پس تو میرے بندوں میں شامل ہوجا اور میری جنت میں داخل ہوجا۔

یہ اطمینان کا مرتبہ کیسے حاصل ہوتا ہے ﷻ خود ہی اس کے حصول کا ذریعہ بتلاتے ہیں۔ارشاد ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (سورہ الرعد آیت ۲۸) سن لو! اللہ کے ذکر سے ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں: اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ: سب سے

افضل ذکر لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے ۔

اللہ جل جلالہٗ ہم سب کو اس ذکر کی توفیق دیں اور قُلُوبِ مُطْمَئِنَّۃٌ عطا فرمائیں آمین۔

آدابِ نبوی کے خلاف شیطان کے داؤ پیچ

نویں حدیث (۹)

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بتحقیق رسول اللہ ﷺ نے (کھانے کے وقت) انگلیوں کو چاٹنے اور پلیٹ صاف کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: تم نہیں جانتے کہ (کھانے کے) کون سے جزو میں برکت ہے (اگر تم نے انگلیوں کو نہ چاٹا اور پلیٹ کو صاف نہ کیا اور اس جزو میں برکت ہوئی تو تم برکت سے محروم ہو گئے حالانکہ پیٹ اللہ کی رکھی ہوئی برکت ہی سے بھرتا ہے) مسلم

اور مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (کھاتے وقت) جب تم میں سے کسی کا لقمہ (زمین پر) گر جائے تو اس کو چاہیئے کہ اسکو اٹھالے اور جو ناگوار چیز اس پر لگی ہو اس کو دور کر دے اور کھالے ، اور اس کو شیطان کے لئے نہ چھوڑے اور ہاتھوں کو جب تک انگلیاں چاٹ نہ لے تولیہ سے نہ پونچھے اس لئے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے کھانے کے کون سے جزو میں برکت ہے (اگر برکت اسی جزو میں ہوئی جو اس نے تولیئے سے پونچھ دیا تو وہ برکت سے محروم ہو گیا)

اور مسلم ہی کی ایک روایت میں آیا ہے، بلاشبہ شیطان تم میں سے ہر ایک کے ساتھ موجود ہوتا ہے، ہر چیز کے وقت اور ہر حالت میں حتّٰی کہ کھانے کے وقت بھی موجود ہوتا ہے ۔ لہٰذا جب تم میں سے کسی کے ہاتھ سے لقمہ گر جائے تو جو ناگوار چیز اس پر لگی ہو اُسے دور کر دینا چاہیئے پھر لقمہ کو کھا لینا چاہیئے شیطان کے لئے نہ چھوڑنا چاہیئے ۔

تشریح

یہ شیطان خود انسان کا نفس لوّامہ (ملامت کرنے والا نفس) ہے جو اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے رزق کی ہم سے توہین کرانا چاہتا ہے اور کہتا ہے: شان کے خلاف ہے کہ فقیروں کی طرح ہر گری پڑی چیز کو اٹھا کر کھاؤ یا پلیٹوں میں بچا ہوا کھانا کھاؤ، انگلیوں میں لگا ہوا کھانا چاٹو، لوگ کہیں گے کیسا ندیدہ ہے ایک آدھ لقمہ بھی نہیں چھوڑا اور پلیٹ یا انگلیوں کو چاٹنا تو پرلے درجے کی بدتہذیبی ہے۔ مہذب لوگ تمہارے ساتھ دستر خوان پر بیٹھنا بھی گوارا نہ کرینگے“۔ یہ سب مکّار نفس لوّامہ کا فریب ہے، وہ ہمیں اس طرح بہکا کر اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق کی توہین اور ناشکری کا مرتکب بنانا چاہتا ہے۔ اس کے فریب میں کسی بھی مسلمان کو نہ آنا چاہیئے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے فرمودہ آداب پر بلا جھجک عمل کرنا چاہیئے اور کھانے میں شریک لوگوں کو بتلانا چاہیئے کہ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، مسلمانوں کا مقصد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کی سعادت حاصل کرنا ہونا چاہیئے۔ نہ کہ آجکل کے فرعون صفت نام نہاد مہذب لوگوں میں سُرخروئی۔ اسی باب کی چوتھی حدیث کی تشریح کے ذیل میں ہم آجکل کے مہذب لوگوں کی حالت پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈال چکے ہیں۔ اس مقام پر تو صرف اس شیطان سے تعارف کرانا ہے جو ہمیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ آداب و سنن سے باغی اور منحرف بنانے پر تلا ہوا ہے۔ اِسی مقصد کے تحت امام نووی علیہ الرحمہ اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آداب و سنن نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر عمل کرنے کی خصوصاً اس زمانہ میں توفیق عطا فرمائیں۔

بدعات پر عمل کا شرمناک نتیجہ

دسویں حدیث (۱۶۶/۱)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان وعظ فرمانے کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا:

اے لوگو! تم سب (حشر کے میدان میں) جمع کئے جاؤ گے (اور) اللہ تعالیٰ کے حضور میں ننگے پاؤں، تن برہنہ، غیر مختون پیش ہو گے (اللہ جل جلالہ کے فرمان کے مطابق:

"جیسے ہم نے پہلی مرتبہ مخلوق کو (عدم سے وجود میں لاکر) پیدا کیا ہے ایسے ہی ہم دوبارہ پیدا کریں گے یہ وعدہ ہے ہمارے ذمہ بلاشبہ ہم ایسا ضرور کریں گے"۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سن لو: سب سے پہلے قیامت کے دن جس کو لباس پہنایا جائے گا (اور خلعتِ اصطفاء و خُلّت سے سرفراز کیا جائیگا) وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے (آپ فرماتے ہیں اور) سن لو! میری اُمت میں سے کچھ لوگوں کو لایا جائے گا تو ان کو پکڑ کر بائیں جانب (جہنم کی طرف) لیجایا جائے گا۔ تو میں کہوں گا: یہ تو میری اُمت کے لوگ ہیں ؛ (ان کو بائیں جانب کیوں لیجایا جا رہا ہے ؟) تو کہا جائے گا بلاشبہ تم نہیں جانتے کہ انہوں نے تمہارے بعد (دین میں) کیسی کیسی نئی نئی (اعتقادی اور عملی) گمراہیاں پیدا کی ہیں تو میں وہی کہوں گا جو ایک صالح بندے (عیسیٰ علیہ السلام) نے کہا ہے :

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ○ إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○ (سورہ مائدہ ع ۱۶)	اور میں ان سے باخبر تھا جب تک میں ان میں رہا، پھر جب تو نے مجھے اُٹھا لیا تو تو ہی تھا ان کا نگران ، اور ہر چیز تیرے سامنے حاضر ہے ، اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کردے تو تُو زبردست حکمتوں والا ہے ۔

تو مجھے بتلایا جائے گا: جب سے تم ان سے جُدا ہوئے ہو یہ لوگ برابر (دین سے) اُلٹے پاؤں لوٹتے رہے ہیں (یعنی دین سے پھرتے رہے ہیں) (بخاری مسلم)

امام نووی علیہ الرحمہ غُرلاً کے معنی غیر مختون بتلاتے ہیں ۔

تشریح

اس حدیث میں چند چیزیں محتاجِ تشریح ہیں:

۱ ۔ قیامت کے دن تمام انسانوں کے پابرہنہ، تن برہنہ اور بغیر ختنہ اٹھائے جانے کی وجہ خود ﷺ نے بیان فرمادی کہ دوسری پیدائش بالکل پہلی پیدائش کی طرح طبعی ہوگی، انسانی صنعت کا اس میں مطلق دخل نہ ہوگا ۔

۲ ۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنانے کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ﷻ نے تمام انبیاء میں سب سے پہلے اصطفاء، اجتباء اور خلت سے انہی کو سرفراز فرمایا ہے اسلئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام انبیاء میں ایسے موحد اعظم ہوتے ہیں کہ انہوں نے نہ صرف صنم پرستی بلکہ ارواح پرستی، کواکب پرستی غرض ہر غیر اللہ کی پرستش کی تردید فرما کر خدا کی وحدانیت کا جھنڈا بلند کیا ہے اسی لئے ان کا خصوصی لقب ابراہیم خلیل اللہ ہے، ﷻ کا ارشاد ہے: وَاتَّخَذَ اللّٰهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا

۳ ۔ علماء محققین اس بات پر متفق ہیں کہ ہر سنت کے مقابلہ پر بدعت ہے اور احیائے سنت بدعت کی اماتت ہے۔ سنت کی تعریف تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں بدعت کی تعریف اسی حدیث کی روشنی میں یہ ہے :۔

بدعت کی تعریف | ہر وہ نیا عقیدہ یا عمل جو قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ کرام سے ثابت نہ ہو، اس کو "عبادت" اور "باعث اجر و ثواب" کا موجب سمجھ کر اختیار کیا جائے وہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا مقام جہنم ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے :

إِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلَّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ۔	تم بچو اور دور رہو (دین میں) نئی نئی باتوں سے اس لئے کہ (دین میں) ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے ۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں :

مَنْ أَحْيَا سُنَّةً مِنْ سُنَّتِي قَدْ أُمِيتَتْ بَعْدِي فَإِنَّ لَهُ أَجْرَهَا	جس شخص نے میری سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد (عمل نہ کرنے کی وجہ سے) مرگئی تھی اس کو اس

وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ وَّ مَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً لَا يَرْضَاهَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا يَنْقُصُ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ

سنت کا اجر بھی ملیگا اور اس سنت پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی ملیگا اس کے بغیر کہ اُن عمل کرنیوالوں کا کچھ بھی اجر کم کیا جائے اور جس نے کوئی نئی بات اختراع کی جس کو جل جلالہٗ اور اس کے رسول ﷺ پسند نہیں کرتے اس پر اُس بدعت کا گناہ بھی ہوگا اور اس پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی ہو گا۔ اس کے بغیر کہ اُن کے گناہوں میں کچھ بھی کمی کی جائے۔

لہٰذا ان احادیث کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں میں جس قدر سنت پر عمل اور اس کی اشاعت عام ہو گی اسی قدر بدعات مٹتی چلی جائیں گی۔ مثلاً جس قدر مسلمانوں میں روزانہ مجالس ذکر قائم و رائج ہوں گی، مجالس میلاد وغیرہ آپ سے آپ ختم ہوتی چلی جائیں گی۔ اسی طرح جس قدر سنت کے مطابق ایصالِ ثواب کے طریقے رائج ہوں گے، اُسی قدر معین و غیر معین تاریخوں اور دنوں میں نذر نیاز اور بزرگوں کے ناموں پر فاتحہ خوانی اور عُرس، تیجے اور چالیسویں ختم ہوتے چلے جائیں گے۔ اسی تحقیق کی روشنی میں کہا گیا ہے کہ ہر سنت کے مقابلہ پر بدعت ہے اور احیائے سنت بدعات کی اماتت ہے۔

اسلامی آداب زندگی کے ہر شعبہ اور ہر حالت مثلاً کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ملنے ملانے اور لباس پہننے وغیرہ سے متعلق جو طور طریقے، رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام کے تعامل سے ثابت ہوں، اور وہ کسی دوسری غیر مسلم قوم کا شعار (امتیازی نشان) نہ ہوں وہ سب اسلامی آداب ہیں تاہم مسلمانوں کو حتی الامکان انہی آداب کو اختیار کرنا چاہیئے جو احادیث سے ثابت ہیں کسی دوسری غیر مسلم قوم کے شعار (امتیازی نشان) کو ہرگز اختیار نہ کرنا چاہیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:-

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

جس نے کسی قوم کے ساتھ (کسی بھی چیز میں) مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے۔

ہماری حالت

ہم اس زمانہ میں بدعات سے بدرجہا زیادہ غیر قوموں کی نقالی میں سراپا مبتلا ہیں، لہٰذا جس طرح بدعات سے نجات پانے کے لئے احیاء سنّت کی بیحد ضرورت ہے اسی طرح غیر اسلامی طور طریقوں سے نجات پانے کے لئے اسلامی آداب کی ترویج و اشاعت کی اس سے بھی زیادہ ضرورت ہے۔ چنانچہ جس قدر ہماری معاشرت میں آداب نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسنون طریقے رائج ہوتے جائینگے، اسی قدر غیر قوموں خصوصاً یورپین قوموں کے طور طریقے ختم ہوتے چلے جائینگے، ایک آداب طعام ہی کو لے لیجئے اگر ہم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیان کردہ طریق پر فرش پر بیٹھ کر دستر خوان بچھا کر بسم اللہ کہہ کر کھانا کھانے کو رواج دیں تو میز کرسیوں پر بیٹھ کر، یا جانوروں کی طرح کھڑے کھڑے ہاتھوں میں گداؤں کی طرح کاسۂ گدائی لئے یعنے پلیٹ ہاتھ میں لے کر ادھر ادھر ڈشوں میں سے کھانا لے کر کھانے کے مُروّجہ غیر اسلامی طور طریقے آہستہ آہستہ سب چھوٹ جائیں گے اسی پر بقیہ زندگی کے تمام شعبوں کو قیاس کر لیجئے اور لِلّٰہ زیادہ سے زیادہ احیاء سنت اور اسلامی آداب کی ترویج کی کوشش کیجئے تاکہ ہم خود اور ہماری آئندہ نسلیں مسلمان رہ سکیں ورنہ ہم خود بھی گنہگار رہوں گے اور آئندہ نسلوں کے گناہ بھی ہم پر رہوں گے ﷲ ہم پر رحم فرمائیں۔

غرض اس حدیث کا حاصل صرف اس ہولناک انجام سے خبردار کرنا ہے، جب قیامت کے دن ہمارے رسول ﷺ ہم کو اپنی طرف بلائیں گے مگر ہم اپنے خلاف سنت عقائد و اعمال کی بنا پر جن کا حال فرشتوں کی زبان سے سن کر فرمائیں گے "دور رہوں دور رہوں" جہنم میں جائیں گے اور آپ کی شفاعت سے بھی محروم رہوں گے۔ اَلعِیَاذُ بِاللہ۔

بلا ضرورت اور بے مقصد کام کرنے کی ممانعت

گیارھویں حدیث (۱۱/۱۶۷)

حضرت ابو سعید عبداللہ بن مُغَفَّل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (بے مقصد اِدھر اُدھر) کنکریں پھینکنے سے منع کیا اور فرمایا: یہ کنکریں نہ تو شکار کو مارتی ہیں نہ ہی دشمن کو زخمی کرتی ہیں (ہاں گذرنے والے کی) آنکھ بیشک پھوڑ دیتی ہیں (سامنے کوئی ہو تو اس کے) دانت کو بیشک

توڑ دیتی ہیں ۔ (بخاری و مسلم نے اس حدیث کو روایت کیا)

اور ایک روایت میں ہے کہ ابنِ مغفل صحابیؓ کے ایک رشتہ دار نے (یوں ہی) کنکر پھینکی تو ابنِ مغفلؓ نے اسکو منع کیا اور کہا ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکر پھینکنے سے منع کیا ہے اور فرمایا ہے : کنکر شکار کو نہیں مارتی (یہ سننے کے باوجود) اُس نے پھر کنکر پھینکی تو ابن مغفلؓ نے کہا : میں تم سے حدیث بیان کر چکا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے اور تم پھر بھی کنکریں پھینکتے ہو (جاؤ) میں تم سے کبھی بات نہ کروں گا ۔

تشریح

اس ممانعت کا مقصد اُن تمام بے مقصد حرکات اور کاموں سے منع کرنا ہے جو نادانستہ طور پر دوسرے شخص کو ضرر پہنچا سکتے ہیں ورنہ نشانہ درست کرنے کی غرض سے نشانہ بازی خواہ تیر کمان سے ہو خواہ غلّہ اور غلیل سے خواہ اس زمانہ میں چھرہ دار بندوق سے ۔ نشانہ کی مشق کرنا اور مخصوص جگہ پر تیر یا غلّہ یا چھرّے مارنا بالکل جائز ہے ۔ بلکہ دشمنوں سے لڑنے کی غرض سے اس قسم کی مشقیں نہایت ضروری ہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احادیث میں اس کی ترغیب دی ہے وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ کا مصداق آپ نے تیر اندازی ہی کو بتلایا ہے اور اس کی تعریف کی ہے ۔

ہماری آج کی زندگی میں تو اس قسم کی احمقانہ حرکتوں کے نتیجہ میں بڑے بڑے جھگڑے سماجی نزاعات رونما ہو جاتے ہیں اور ان کے خمیازے بھگتنے پڑتے ہیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حکیمانہ ممانعت پر عمل کرنا علاوہ عَمَل بِالسُّنۃ کے اجر و ثواب کے اس زندگی میں سلامتی اور عافیت کا ذریعہ بھی ہے خود بھی عمل کرنا چاہیئے اور دوسروں سے بھی عمل کرانا چاہیئے ۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی یہ غیرتِ ایمانی ہے کہ حدیث رسول اللہ سن لینے کے باوجود دیدہ و دانستہ اس کے خلاف کرنے والے رشتہ دار سے سلام و کلام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جل شانہ ہمیں بھی اس کی توفیق عطا فرمائیں کہ دیدہ و دانستہ سنت کا خلاف کرنے والوں سے تعلقات کی پروا کئے بغیر سلام و کلام اسی طرح

ختم کردیں۔ اور جتلادیں کہ ہم تم سے قطع تعلق اس وجہ سے کر رہے ہیں کہ تم دیدہ و دانستہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے خلاف کرتے ہو۔

امام نووی رحمۃ اللہ بھی اسی غرض سے اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں۔

بارہویں حدیث (۱۲) حجر اسود کی ایک پتھر ہونے کی حیثیت سے احترام کرنیکی تردید اور اہتمام سنت کی ترغیب

حضرت عابس بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب حجر اسود کو بوسہ دے رہے تھے اور کہتے جارہے تھے "میں خوب اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ نفع پہنچاتا ہے نہ ضرر۔ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی نہیں بوسہ دیتا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح

حضرت عمر فاروق اس اعلان سے ایک طرف ان دریدہ دہنوں کو دندان شکن جواب دینا چاہتے ہیں جو مسلمانوں کے حجر اسود کے استلام (چومنے) کو کھلی ہوئی صنم پرستی کا طعنہ دیتے ہیں دوسری طرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ ہم اللہ جل شانہ کے رسول ﷺ کا اتباع بھی صرف اس لئے کرتے ہیں کہ آپ اللہ جل شانہ کے رسول ہیں آپ اللہ جل شانہ کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کرتے جیسا کہ قرآن کریم آپ ہی کی زبان سے کہتا ہے۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ (الاحقاف) میں تو اسی کا اتباع کرتا ہوں جس کی میرے پاس وحی بھیجی جاتی ہے۔

ہم قرآن کریم کے حکم کے بموجب آپ کے اتباع کے مامور بھی ہیں اللہ جل شانہ آپ ہی کی زبان سے فرماتے ہیں

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران) آپ کہہ دیں کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت بھی کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی بخش دے گا۔

لہٰذا اللہ جل شانہ کے رسول ﷺ کا ہر فعل خواہ وہ انسانی عقل کے اعتبار سے معقول ہو یا نہ ہو، ہمارے خیال میں مستحسن ہو یا نہ ہو ہم خدا کے حکم کے مطابق اس کی پیروی کرینگے۔ درحقیقت ہم حجر اسود کو نہیں چومتے بلکہ اللہ جل شانہ کے رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہیں، انہوں نے بذریعہ وحی (خفی ہو یا جلی) ہم کو بتلایا ہے:

اَلْحَجَرُ الْاَسْوَدُ یَمِیْنُ اللّٰهِ۔ حجر اسود اللہ جل شانہ کا دایاں ہاتھ ہے۔

جلّ شانہٗ لَبَّیْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ کہنے والے حاجی سے اَللّٰہ کے گھر پہنچنے پر اسکا تلبیہ (حاضری) قبول فرماتے ہیں اور ہاتھ ملاتے ہیں (مصافحہ کرتے ہیں) اور بندہ رَبّ العٰلمین کی اس ذرہ نوازی اور عزت افزائی پر زار وقطار روتا ہے اور خوشی کے آنسو بہاتا ہے، کون عقل کا دشمن ہے جو رسول اللہ ﷺ کے اس اتباع کو صنم پرستی کہتا ہو۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حجرِ اسود کو چوم رہے تھے اور زار وقطار رو رہے تھے اور خوشی کے آنسو بہا رہے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضؓ آپ کے پیچھے کھڑے رو رہے تھے حضرت عمر کو روتے دیکھ کر فرمایا:

یَا عُمَرُ هٰهُنَا تُسْكَبُ الدُّمُوْعُ اے عمر یہی تو جگہ ہے جہاں آنسو بہائے جاتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ اتباعِ رسول کا اعلان ایسا ہی ہے جیسے بَیْتُ اللّٰہ کے طواف کے متعلق جلّ شانہٗ کا اعلان ہے۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ پس چاہیئے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں (نہ کہ اس گھر کی)

(سورۃ القریش، آیت ۳) (یعنے اس گھر کے رب کی عبادت کریں طواف کریں نمازیں پڑھیں اس گھر کی نہیں)

اس لئے کہ بیت اللہ اس پتھروں کی چار گوشہ عمارت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ "محدود فضا" جو عرش سے فرش تک ایک بقعۂ نور کی شکل میں قائم ہے۔ جن کے دل کی آنکھیں کھلی ہیں وہ دیکھتے بھی ہیں ۔۔ اس فضا کا نام بَیْتُ اللّٰہ ہے اسی کی طرف رخ کر کے مسلمان دنیا کے ہر گوشہ میں نمازیں پڑھتے ہیں مشرق میں ہوں یا مغرب میں شمال میں ہوں یا جنوب میں مکہ مکرمہ کی سطح کی بنسبت نشیب میں ہوں یا فراز میں پہاڑوں کے اوپر آباد ہوں یا غاروں میں۔ ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ میں مسجد کے صحن میں بنی ہوئی پتھروں کی عمارت تو پہاڑوں کی بلندی کی بنسبت بہت زیادہ نشیب میں واقع ہے مگر نمازیں اسی فضاء نور کی طرف رُخ کر کے پڑھی جاتی ہیں۔ جدید سعودی تعمیر حرم کے اندر دوسری اور تیسری منزلوں پر بھی اور زمین دوز تہ خانوں کے اندر بھی نماز اسی بقعۂ نور کی طرف پڑھی جاتی ہے۔ طواف اوپر کی منزلوں پر بھی اسی طرح ہوتے ہیں جیسے حرم کے ہموار فرش پر خانہ کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے اور نمازیں پڑھی جاتی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ بَیْتُ اللّٰہ اس پتھروں کی بنی ہوئی چار گوشہ عمارت کا نام نہیں ہے اور مسلمان نہ اس عمارت کا طواف کرتے ہیں نہ اسکی طرف نماز پڑھتے ہیں بلکہ بَیْتُ اللّٰہ اور خانۂ کعبہ اس فضاء اور بقعۂ نور کا نام ہے جس کی بلندی رَبّ العٰلمین

کے عرش سے فرش یعنے زمین کی نچلی سطح تک ہے اسی کا طواف کرتے ہیں اسی کی طرف نمازیں پڑھتے ہیں وہی مسلمانوں کا قبلہ ہے اسی کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے کا حکم :

فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَام پس رخ کرلو تم اپنا مسجد حرام کی جانب ۔

اور اسی کے طواف کرنے کا حکم :

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (سورۃ الحج، آیت ۲۹) اور چاہئیے کہ وہ اس قدیم گھر کے کثرت سے طواف کیا کریں

باقی یہ فضاء محدود اور بقعۂ نور بھی صرف اس وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ کی عبادت میں یک گونہ وحدت کی شان (یعنے اتحاد، یکجہتی اور یکسوئی) پیدا کرنے کے لئے ہے ورنہ اس بَيْتُ الله کا رب جو ہمارا معبود ہے وہ تو جسم و جسمانیات یا کیف وکم اور جہت وسمت سے وَرَاءُ الْوَرَاء ہے وہی سُبْحَانَهٗ تَعَالیٰ شَانُهٗ (پاک ہے وہ اور عقل وفہم کی رسائی سے اس کی شان بلند وبرتر ہے) وہی اس بیت (گھر) کا رب ہے وہی ہمارا معبود ہے اسی کے ہم بندے ہیں اسی کی عبادت کرتے ہیں لیکن چونکہ ہم انکے بندے عالم اجسام سے تعلق رکھتے ہیں زمین پر رہتے اور بستے ہیں ہم اسکی عبادت میں وحدت کی شان (یکجہتی، یکسوئی بغیر جہت اور سمت کی تعیین کے نہیں قائم رکھ سکتے اس لئے صرف ہماری ضرورت سے احکم الحاکمین اس بقعۂ نور" اور فضاء محدود" کو نمازمیں قبلہ اور طواف میں بیت اللہ قرار دے دیا اسی کے حکم کی تعمیل پر ہم بیت اللہ اور خانۂ کعبہ کے چاروں طرف نمازیں پڑھتے ہیں اور طواف کرتے ہیں ۔

بہر حال ہم مسلمان تو اس رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ کے فرمانبردار ہیں اور اسکے رسول اللہ کی پیروی کے مامور ہیں ۔

معذرت عام طور پر مسلمان لاعلمی کی بنا پر عبادات کی حقیقت اور روح سے ناواقف ہیں خصوصاً نماز میں قبلہ اور طواف میں خانۂ کعبہ اور اس کی تقبیل (بوسہ دینے) سے، اس لئے ہم نے ذرا تفصیل سے اس پر روشنی ڈالنی مناسب سمجھی۔ اس دراز نویسی کی ہم معذرت چاہتے ہیں اور قارئین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ طواف کرتے وقت اور نماز پڑھنے کے وقت اس بیان کو اپنے ذہن میں رکھیں۔ اللہ جل شانہٗ ہم سب کو اپنے احکام اور اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی حقیقت سمجھ کر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں ۔

سترھواں باب

[۱۔ اللہ کے حکم کی فرمانبرداری کے فرض ہونے کا بیان۔
۲۔ اور جسکو فرمانبرداری کی دعوت دی جائے اسکو کیا جواب دینا چاہیئے۔
۳۔ اور جسکو (شرعًا) بھلائی کی بات بتلائی جائے اور (شرعًا) بُری بات سے منع کیا جائے تو اس کو کیا جواب دینا چاہیئے۔]

قرآنِ کریم

قَالَ اللهُ تَعَالٰی

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ (سورۃ النساء: ع ۹۔ پ ۵)

جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

سو یوں نہیں، تیرے رب کی قسم وہ مومن نہ ہونگے یہانتک کہ تجھ کو منصف مان لیں ہر اس جھگڑے میں جو اُن کے درمیان برپا ہو پھر نہ پائیں اپنے دلوں میں کوئی تنگی تیرے فیصلہ سے، اور دل و جان سے بخوشی قبول کرلیں۔

تشریح

اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ ایمان کے معتبر ہونے میں ــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلہ کو اس طرح بطیب خاطر و برضا و رغبت قبول کرنا کہ اس فیصلہ سے دل میں ذرہ برابر تنگی اور ناگواری محسوس نہ ہو۔ ضروری ہے خصوصًا باہمی نزاعات کے فیصلوں میں کہ ہر فریق کو آپ کے فیصلہ کو اس طرح برضا و رغبت، اور بخوشی قبول کرنا ضروری ہے، حالانکہ طبعی طور پر جس فریق کے خلاف فیصلہ ہوتا ہے۔ اس کے دل میں ناگواری ضرور ہوتی ہے گو زبان یا عمل سے ظاہر نہ ہونے دے تب ایمان کامل ہوگا۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ ایمانی قوت اتنی قوی اور غالب ہو کہ انسان کی طبیعت اور فطرت ایمان کے تابع اور ایمانی رنگ صبغۃ اللہ سے ہم آہنگ ہو جائے اور بندۂ مومن کی مرضی وہی ہو جائے جو مولیٰ کی مرضی ہو ۔ بالفاظِ دیگر اپنی مرضی کو مولیٰ کی مرضی میں فنا کر دے اس مرتبہ پر پہنچ جانے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ کا کوئی بھی فیصلہ مومن کی مرضی کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ حضرات صوفیاء کی اصطلاح میں اس حالت کو مقامِ رضا و تسلیم کہتے ہیں قدما محققین میں سے بعض بزرگ اسی مرتبہ کو ایمان کہتے ہیں اسی لئے بزرگ شیخ تسلیم کے لقب کے ساتھ معروف ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ارتقاء ایمان کا یہ اعلیٰ ترین مرتبہ ہے ۔

امام نووی رحمہ اللہ اسی آیت کریمہ سے ﷺ کے ہر حکم کے انقیاد اور بطیب خاطر اور برضا و رغبت قبول کرنے کو فرض ثابت کرتے ہیں۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ ﷻ کا ارشاد ہے :۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۔ (سورۃ النور۔ ع ۷، پ ۱۸)

اس کے سوا نہیں کہ ایمان والوں کا کہنا ۔ جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسُول کی طرف بلائے جائیں، اُن کے درمیان فیصلہ کرنے کے لئے، یہ ہوتا ہے کہ "ہم نے سُن لیا اور مان لیا" اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ۔

تشریح

اس آیتِ کریمہ میں "اہلِ ایمان" کا انحصار انہی مومنوں کے اندر فرمایا ہے جو یہ سنتے ہی کہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ تمہارے بارے میں کوئی حکم فرمانے کے لئے تم کو بلاتے ہیں فوراً سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہہ کر اس دعوت ربلاوے) پر لَبَّیْكَ (ہم حاضر ہیں) کہتے ہیں گویا ہر وقت ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سُننے اور ماننے کے لئے تیار رہتے ہیں ۔ یہی ایمان باللہ اور ایمان بالرّسُول کا تقاضا ہے اور اسی "سُرعتِ اجابت" کی بنا پر ان کو فلاح یافتہ قرار دیا ہے ۔

اسی سلسلہ میں ہم دو آیتوں کا اور اضافہ مناسب سمجھتے ہیں ۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ

جل جلالہ کا ارشاد ہے:

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِہٖ وَاَنَّہٗ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ۔

(سورۃ الانفال: ۲۴)

اے ایمان والو! تم (فوراً) جواب دیا کرو (اور لبیک کہا کرو) جب بھی تمہیں ﷲ اور اسکے رسول ﷺ ایسی چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں (ابدی) زندگی بخشنے والی ہو اور یاد رکھو بیشک ﷲ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں (اور اس دعوت پر تاخیر یا انحراف کرنے کی بنا پر لَبَّیْك کہنے سے محروم کر دیتے ہیں) اور یہ یاد رکھو کہ تمہیں اسی کے پاس جانا ہے۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں بھی اسی سرعت اجابت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایمان کا تقاضا قرار دیا ہے اور ساتھ ہی جواب دینے سے غفلت یا بے پروائی کے انجام بد سے ڈرایا ہے چنانچہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بلایا وہ نماز پڑھ رہے تھے رسوچا نماز پوری کر کے جواب دوں گا جب وہ نماز پوری کر کے حاضر ہوئے تو آپ نے اس تاخیر پر ناگواری کا اظہار فرمایا اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اس آیت کریمہ میں منازعات کے فیصلہ کی تخصیص نہیں بلکہ ہر ابدی زندگی بخشنے والی دعوت پر لَبَّیْك کہنے کا حکم ہے جیسا کہ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ظاہر ہے۔

چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بلانے پر نماز بیچ میں ہی چھوڑ کر جانا چاہیئے تھا اس لئے کہ آپ کا بلانا کسی نہ کسی حکم الٰہی سے آگاہ کرنے کے لئے تھا اور تنہا نماز ظاہر ہے کہ نفل ہی تھی اور ﷲ کا حکم سننا اور ماننا فرض تھا اس لئے نماز کو چھوڑ دینا ضروری تھا اس سے معلوم ہوا کہ حکم الٰہی سننے کے لئے بلا تاخیر حاضر ہونا چاہیئے اس لئے کہ تاخیر میں اندیشہ ہے کہ قلب کی حالت تبدیل ہو جائے اور ایمان سے منحرف ہو جائیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

اِنَّ الْقُلُوْبَ بَیْنَ اِصْبَعَیِ الرَّحْمٰنِ یُقَلِّبُھَا کَیْفَ یَشَاءُ۔

بتحقیق (انسانوں کے) دل ﷲ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جس طرح چاہتے ہیں (ایک لمحہ میں) اُلٹ دیتے ہیں۔

اسی تقلیب (اُلٹ دینے) کو آیتِ کریمہ میں یحول (حائل ہونے) سے تعبیر کیا ہے۔
بہرحال آیتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ حکم الٰہی سننے اور ماننے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیے
اسی غرض سے ہم نے اس آیتِ کریمہ کا اضافہ کیا ہے۔
اسی عنوان کے تحت مذکورہ ذیل آیتِ کریمہ بھی ذکر کرنا مناسب ہے۔

قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ — جل شانہٗ کا ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ	اور کام نہیں کسی مومن مرد کا نہ کسی مومن عورت کا جبکہ فیصلہ
إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ أَمْرًا	کردے اللہ اور اس کا رسول کسی امر کا کہ ان کو
أَنْ يَّكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ	اختیار ہو اپنے کام کے بارے میں۔ اور جس نے اللہ
وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ فَقَدْ	اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ کھلی ہوئی گمراہی
ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا۔ (سورۃ الاحزاب ۳۶)	میں مبتلا ہو گیا۔

تشریح

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ جب جل شانہٗ اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی مومن مرد یا مومن عورت کے شخصی اور نجی معاملہ میں بھی کوئی فیصلہ کر دیں تو ان کو اپنے نجی کام میں بھی کوئی اختیار باقی نہیں رہتا وہی اختیار کرنا پڑتا ہے جو جل شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے طے کر دیا اور اس کے خلاف اپنی رائے سے کام کرنے کو جل شانہٗ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اور کھلی ہوئی گمراہی قرار دیا ہے۔ چنانچہ یہ آیتِ کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنتِ جحش کو نکاح کا پیغام بھیجا، انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ آپ نے اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے ایک آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے لئے پیغام بھیجا ہے تو انہوں نے اور ان کے بھائی عبد اللہ ابن جحش نے یہ سمجھ کر کہ یہ تو ایک شخصی اور نجی معاملہ ہے، ہم چاہیں اس رشتہ کو قبول کریں یا چاہے رد کریں ہمیں اختیار ہے، انہوں نے نکاح کرنے سے انکار کر دیا، جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی اور جل شانہٗ اور ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طے کردہ رشتے سے انکار کو نافرمانی اور کھلی ہوئی

گمراہی قرار دیا گیا تو ایمانی غیرت خاندانی غیرت پر غالب آئی اور دونوں بہن بھائی راضی ہو گئے۔ چنانچہ زینب اللہ کے رسول ﷺ کے فیصلہ کے مطابق زید بن حارثہ کے نکاح میں آگئیں حالانکہ یہ نکاح خاندانی عصبیت کے خلاف کھلا چیلنج تھا کیونکہ زینب قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں اور زید بن حارثہ بہر حال ایک آزاد کردہ غلام تھے ﷺ اور اس کے رسول ﷺ نے اس خاندانی بڑائی کے بت کی سرکوبی کی غرض سے ہی زید بن حارثہ حِبِّ رسول اللہ کے ساتھ زینب کے نکاح کا فیصلہ کیا تھا اور زینب اور اُن کے بھائی کی غیرتِ ایمانی نے یہ معلوم کر کے کہ اس رشتہ سے انکار کرنا اللہ رسولؐ کی نافرمانی اور کھلی گمراہی ہے خاندانی شرافت و عصبیت کو ایمانی قوت کے زور سے کچل ڈالا۔ اور حِبِّ رسول اللہ ﷺ کی بیوی بننے کو دنیا و آخرت کی سرخروئی کا موجب اور سرمایۂ فخر سمجھا۔

ان چاروں آیاتِ کریمہ سے جن میں سے دو امام نوویؒ نے پیش کی ہیں اور دو ہم نے، یہ ثابت ہو گیا کہ مومن کا قول اور جواب رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر بلا تاخیر سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ہونا چاہیئے ورنہ اس سے انکار و انحراف، نافرمانی اور گمراہی ہے اور غفلت و بے پروائی ایمان کے ضعف کی دلیل ہے اور خطرہ کی علامت ہے باب کے تیسرے جزو یعنے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی دعوت کے جواب میں کیا کہنا چاہیئے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس کے ثبوت کے متعلق کوئی آیت نہیں پیش کی۔ آیتِ کریمہ ذیل اس کے مناسب ہے۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی جل جلالہ کا ارشاد ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ (آل عمران ع ۱۲)	تم بہترین اُمت ہو جو بھیجی گئی ہے لوگوں (کی رہنمائی) کے لئے حکم کرتے ہو (شرعاً) بھلی بات کا اور منع کرتے ہو ہر (شرعاً) بُری بات سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔

اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اَمر بِالمَعرُوف اور نَہِی عَنِ المُنکَر اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کا طغرائے امتیاز اور نشانِ افتخار ہے۔ اور حسبِ استطاعت اس پر عمل کرنا اور اس کی دعوت پر لبیک کہنا ایسا ہی ضروری ہے جیسا سابقہ آیات کے تحت ہر دعوتِ رسول پر

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہنا فرض ہے :

امام نووی رحمہ اللہ نے احادیث کے سلسلہ میں گذشتہ باب میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کا حوالہ دیا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے کثرتِ سوال سے ممانعت کے بعد فرمایا ہے : جب میں تم کو کسی چیز (یا کام) سے منع کروں تو اس سے دور رہو (یا پاس بھی نہ جاؤ) اور جس چیز (یا کام) کا میں حکم دوں اس پر جہاں تک ہو سکے عمل کرو ۔ اس پر مفصل بحث آپ پڑھ چکے ہیں ۔

لیلۃ المعراج میں اُمت محمد (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لئے جل شانہ کا عطا کیا ہوا عظیم تحفہ اور قبول شدہ دعائیں (پہلی حدیث ۱/۱۵۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی :

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۔ (سورۃ البقرۃ)

اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ۔ جو تمہارے دلوں میں ہے چاہے تم اس کو ظاہر کرو چاہے چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب ضرور لے گا ، پھر جس کو چاہے گا بخش دے گا جس کو چاہے عذاب دیگا ۔ بے شک اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے ۔

تو یہ آیتِ کریمہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کو بہت دشوار محسوس ہوئی (کہ اچھے برے خیالات کا بھی حساب ہوگا اور ان پر عذاب بھی دیا جا سکے گا) تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے پھر گھٹنے ٹیک کر (نہایت عاجزی کے ساتھ) بیٹھے (جیسے ایک مرید اپنے پیر کے سامنے یا ایک شاگرد اپنے استاد کے سامنے بیٹھتا ہے) اور عرض کیا : اے اللہ کے رسول ! جن اعمال کا ہمیں مکلف بنایا گیا وہ ہماری قدرت (و اختیار) کے تحت داخل تھے (مثلاً) نماز ، روزے ، جہاد اور صدقہ (زکوٰۃ) (ہم نے اُن پر عمل کیا اور کر رہے ہیں) اب آپ پر یہ (مذکورہ بالا) آیت نازل ہوئی ہے (جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے چاہے تم اس کو ظاہر کرو یا نہ کرو سب کا حساب ہوگا) یہ ہماری قدرت و طاقت سے باہر ہے (دل

میں تو اچھے برے ہزاروں خیال آتے ہیں انہیں کون روک سکتا ہے) رسول اللہ ﷺ نے ناگواری کے لہجہ میں) فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ جیسے تم سے پہلے دو (۲) کتابوں (توراۃ و انجیل) والوں نے کہا سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا (سن لیا اور نہیں مانا) ایسے ہی تم بھی کہو (سن تو لیا مگر عمل نہیں کر سکتے) خبردار! تم ایسا ہرگز مت کہنا، بلکہ تم کہو: (رب جل جلالہ کے ہر حکم کو) سن لیا اور مان لیا (ضرور عمل کرینگے) اور (جو کوتاہی ہوگی اس کی تجھ سے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں) اے ہمارے رب (تو ہمیں بخش دے) اور (ہمیں مرنے کے بعد تیرے ہی پاس لوٹنا ہے (تو ضرور ہر نیک و بد کا حساب لیگا) تو صحابہ نے (آپ کی تلقین کے زیر اثر) ان کلمات کو نہایت عاجزی کے ساتھ ادا کیا اور ان کی زبانیں (آپ کی اس معجزانہ تلقین کے زیر اثر بلا تردد و تذبذب) آمادہ ہوگئیں تو حق جل جلالہ نے اس کے بعد (اپنے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ایمان کی تصدیق بھی فرمادی اور آپ کی معجزانہ تلقین کے زیر اثر صحابہ کی زبان سے نکلے ہوئے عاجزانہ کلمات کو بھی بغرض تحسین الٰہی کی طرف منسوب کرکے بعینہٖ نقل فرمایا اور) یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ	ایمان لے آیا رسول بھی اس (حکم) پر جو اس کے رب کی جانب سے اتارا گیا اور ایمان لانے والے (صحابہ) بھی، ان میں سے ہر ایک ایمان لایا اللہ پر اور اسکے فرشتوں پر (جو اس کا حکم لاتے ہیں) اور اسکی تمام کتابوں پر (توراۃ ہو یا انجیل) اور اسکے (تمام) رسولوں پر (موسیٰ ہوں یا عیسیٰ یا محمد) اور کہا ہم اس کے رسولوں کے درمیان (یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح) فرق نہیں کرتے (کہ کسی پر ایمان لائیں اور کسی پر نہ لائیں) اور انہوں نے کہا، (اللہ کے ہر حکم کو) سن لیا اور (دل و جان سے) مان لیا اور (اس پر عمل کرنے میں جو کوتاہی ہوگی اسکی ہم) تجھ سے مغفرت کی (دعا)

الْمَصِیْرُ۔ مانگتے ہیں (تو اُسے بخش دیجیو!) اے ہمارے رب، اور (ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہمیں تیرے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے (اور تو ہمارا حساب ضرور لیگا) (سورۃ البقرۃ ع ۴۰ آیت ۲۸۵)

توجب صحابہ نے (آپ کی تلقین کے زیر اثر) اس پر عمل کیا (اور قدرت ہو یا نہ ہو اس پر عمل کرنے کی آمادگی کا اظہار کیا) تو ﷻ نے (اپنے فضل وکرم سے) اس پہلے حکم کو منسوخ بھی فرما دیا اور اس کے بعد (صحابہ کی دعاؤں کے قبول فرما لینے کا اعلان بھی کر دیا۔ چنانچہ حسب ذیل آیت نازل ہوئی،

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا لَھَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ۔ (سورۃ البقرۃ ع ۴۰ آیت ۲۸۶) اللہ ہر نفس (شخص) کو اسی چیز کا مکلف بناتا ہے جو اس کی وسعت (قدرت) میں ہو (لہٰذا) جو (نیک کام) وہ کرے گا اس کا نفع اسی کو پہنچے گا اور جو برا کام (گناہ) وہ کریگا اس کا نقصان بھی اُسی کو اٹھانا پڑیگا۔

درخواستوں کی منظوری اور دعاؤں کی قبولیت کا اعلان،

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا۔ (سورۃ البقرۃ ع ۴۰ آیت ۲۸۶) اے ہمارے رب! اگر ہم بھول جائیں یا (بلا ارادہ) ہم سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو تو ہم سے اس پر مواخذہ نہ کیجیو۔

ﷻ نے فرمایا، قَدْ فَعَلْتُ (بہت اچھا یہ درخواست منظور ہے)

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کَمَا حَمَلْتَہٗ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا (آیت ۲۸۶) اے ہمارے رب! تو ہمارے اوپر ایسا بوجھ (ناقابل عمل احکام) نہ ڈالیو جیسے تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔

ﷻ نے فرمایا: نَعَمْ (بہت اچھا یہ بھی منظور ہے)

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ۔ (البقرۃ آیت ۲۸۶) اے ہمارے رب! تو ہم پر ایسی مصیبتیں بھی نہ ڈالیو جن کے برداشت کرنے کی طاقت ہم میں نہ ہو۔

ﷻ نے فرمایا: نَعَمْ (بہت اچھا یہ دعا بھی قبول ہے)

اور چند دعائیں:

وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا اور تو (ہماری کوتاہیوں کو معاف فرما اور (ہمارے گناہوں کو)

وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا — بخش دے اور تو ہمارے اوپر رحم فرما تو تو ہمارا مولیٰ (آقا) ہے

فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (سورۃ البقرۃ) — پس تو کافر قوموں کے مقابلہ پر ہماری مدد فرما۔

ﷲ تعالیٰ نے فرمایا: نَعَمْ (بہت اچھا یہ دعائیں بھی قبول ہیں)۔

تشریح

یہ حدیث چند وجوہ سے اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے جن کی تشریح ضروری ہے۔

اُمتِ محمدیہ کے ایمان لانے والوں کی یہ انتہائی سعادت ہے کہ ﷲ تعالیٰ نے اُن کے ایمان کی تصدیق ان کے محبوب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کی تصدیق کے ساتھ ساتھ فرمائی گویا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُن کے ایمان کی تصدیق فرماتے ہیں یہ تصدیق ایسی ہی ہے جیسے اُن کے اخلاص کی تصدیق آیتِ کریمہ ذیل میں فرمائی ہے۔

یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا۔ (سورۃ الحشر) — (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ) اللہ کے فضل اور رضامندی کے طلبگار ہیں۔

اور آیتِ کریمہ ذیل میں ﷲ تعالیٰ نے اُن سے اپنی رضامندی کا اعلان فرما دیا۔

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (سورۃ البینات آیت ۸) — اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے راضی ہیں۔

یہ شرف اور یہ سعادت اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اہلِ ایمان کو صرف اس لئے حاصل ہوئی کہ ان کے محبوب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کے علیٰ وجہ البصیرۃ ایمان لانے کی شہادت ذیل کی آیتِ کریمہ میں دی ہے:

ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (سورۃ یوسف) — یہ (اسلام) میرا راستہ ہے اسی کی طرف میں (لوگوں کو) دعوت دیتا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ میں بھی اور میرا اتباع کرنے والے بھی۔

اسی لئے ﷲ تعالیٰ ان نفوسِ قدسیہ کو مرنے کے وقت (یا آخرت میں) خطاب فرماتے ہیں۔

یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ — اے مطمئن نفس تو اپنے رب کی طرف واپس آ تو اللہ سے راضی

اِرْجِعِیْۤ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ — اللہ تجھ سے راضی پس تو میرے (مخلص) بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔

اس لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے والے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ انتہائی شکر و امتنان کے اظہار اور محبت کے ساتھ اپنے ہر شعبۂ زندگی میں رسول اللہ ﷺ کی سنت اور صحابہؓ کی سنت کا ایسا اتباع کرے کہ اس کی زندگی کا شعار (امتیازی نشان) بن جائے کہ ہر دیکھنے والا بے ساختہ کہے کہ یہ محمد رسول اللہ کے پیرو ہیں مگر اتباع کی یہ سعادت بغیر محبت کے حاصل نہیں ہو سکتی مسلم کی حدیث میں خود آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ — تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن (کامل) نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے دل و دماغ میں اس کے باپ سے اولاد سے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اسی حدیثِ محبت میں وَمِنْ نَّفْسِهٖ (اور اپنی جان سے بھی زیادہ) کا اضافہ بھی آیا ہے۔

یاد رکھیے! زندگی کے ہر شعبہ میں اتباعِ سنت کے بغیر محبت کا دعویٰ بے معنی بلکہ استہزا ہے۔ شب و روز سنت کے خلاف کام کرتے رہیں۔ اور ایک محفل میلاد کر لینے یا نمازوں کے بعد بلند آواز سے درود شریف پڑھ لینے پر محبتِ رسول اور اتباعِ سنتِ رسول کا دعویٰ مضحکہ خیز ہے۔ ہماری دعا ہے کہ جل جلالہ ہر مسلمان کو اور ہمیں بھی اس نعمتِ عظمیٰ محبتِ رسول ﷺ اور اتباعِ سنت سے سرفراز فرمائیں۔

۲- حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شکایت کرنے والے صحابہ آپ کی خدمت میں وَلَا نُطِیْقُهٗ کہنے کے لئے آئے تھے تو آپ نے اہل کتابین (یہود و نصاریٰ) کا وتیرہ اختیار کرنے پر سرزنش فرمانے کے بعد ان کو بلا پس و پیش ایمان لانے کی تلقین فرمائی، اس کے بعد جو پسندیدہ کلمات ان کے دل کی گہرائیوں سے نکلے ﷺ نے بعینہٖ ان کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ

اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ کو قیامت تک کے لئے اپنی کتاب (قرآن) کا جزو اور ان صحابہ کی فرمانبرداری کی یادگار بنا دیا۔ یہ ان صحابہ کے دلوں اور زبانوں کی کایا پلٹ اور دم کے دم میں یہ انقلاب درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی تلقین اور روحانی قوتِ نفوذ کا نتیجہ بلکہ معجزہ تھا جیسا کہ وَاقْتَرَأَهَا الْقَوْمُ وَذَلَّتْ بِهَا اَلْسِنَتُهُمْ سے ظاہر ہے لہٰذا امتثالِ امر اور بے چون وچرا فرماں برداری کی سعادت کا سہرا بھی امت کے محبوب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سر ہے۔ اُمت کی اس عزت افزائی پر اُمت کو نہ صرف ﷻ کا شکر ادا کرنا چاہیئے کہ اس نے ایسا اُمت کا خیر خواہ نبی ہمیں دیا۔ بلکہ اس محبوب رسول ﷺ کی محبت اور اتباعِ سنّت میں اس احسانِ عظیم کی بناء پر دن دونا اضافہ اور ترقی ہونی چاہیئے۔

دعا ہے کہ ﷻ ہم کو اور اس کتاب کے پڑھنے والوں کو اور شائع کرنے والوں کو اور ہر مسلمان کو محبتِ رسول ﷺ اور اتباعِ رسول ﷺ کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

۳۔ رسول اللہ ﷺ کے ایمان اور آپ کی رحمت کے ایمان کی تصدیق کے ذیل میں ﷻ نے لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کا اضافہ فرما کر رسول اللہ ﷺ کی اس سرزنش کی تائید فرمائی ہے جو آپ نے اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَقُوْلُوْا كَمَا قَالَ اَهْلُ الْكِتَابَيْنِ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا۔ چنانچہ یہود عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی شریعت کے احکام کو نہیں مانتے تھے اور سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کہتے تھے اور نصاریٰ یہود کی ضد میں موسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی شریعت کے احکام کو نہیں مانتے تھے اور سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کہتے تھے اس لئے آپ نے صحابہ کو تلقین فرمائی بَلْ قُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا اگر یہ تائید منظور نہ ہوتی تو لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کا جملہ بے مقصد ہو جاتا۔

۴۔ شکایت کرنے والے صحابہ نے وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ کے ظاہری الفاظ سے یہ سمجھا کہ نیک و بد اعمال کا جیسے محاسبہ ہوگا ایسے ہی اچھے برے خیالات کا بھی محاسبہ ہوگا خواہ ان خیالات پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ یعنی جیسے گناہ اور نافرمانی کرنے پر مواخذہ (پکڑ) اور عذاب ہوگا ایسے ہی ان کے خیالات پر بھی مواخذہ ہوگا (کہ یہ خیال بھی تمہارے دل میں کیوں آئے) اور ان پر بھی عذاب ہوگا اگرچہ ان پر عمل نہ کیا ہو

اعضاء وجوارح (ہاتھ پاؤں) انسان کے بس میں ہیں وہ ان کو گناہوں اور نافرمانیوں سے روک سکتا ہے لیکن خیال انسان کے قابو سے باہر ہے۔ گناہوں اور نافرمانیوں کے خیالات کو بھی اپنے دل میں نہ آنے دے یہ انسان کی طاقت سے باہر ہے مثلاً چوری کرنے ڈاکہ ڈالنے، کسی کو ناحق قتل کرنے، شراب پینے، زنا کرنے، کسی پر جھوٹی تہمت لگانے، جھوٹ بولنے جھوٹی گواہی دینے سے انسان اپنے آپ کو روک سکتا ہے لیکن ان کے خیالات کو بھی دل میں نہ آنے دے، یہ انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ خود ﷲ نے بغرض ابتلا و آزمائش ہر انسان کے دل میں بدکاری اور پرہیزگاری دونوں کو ڈالا ہے یعنے آگاہ کیا ہے اور بتلا دیا ہے ارشاد ہے:

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ (سورۃ الشمس، آیت ۷، ۸)

اور قسم ہے نفس کی اور اس کو (نکوکاری و بدکاری کے لئے) تیار کر دینے کی پھر اس کے دل میں ڈال دی اس کی بدکاری اور اس کی پرہیزگاری (یعنے دونوں سے آگاہ کر دیا)۔

بہر حال ﷲ نے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ فرما کر وضاحت فرمادی کہ مواخذہ اور عذاب خیالات پر نہ ہوگا بلکہ اعمال پر ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی غایت کرم کی بنا پر رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا کے ذریعہ بھول چوک بھی معاف کر دی۔ چنانچہ نبی رحمت ﷺ نے فرمایا ہے:

رُفِعَ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَاءُ وَالنِّسْیَانُ۔ میری اُمت سے بھول چوک معاف کر دی گئی ہے۔

تنبیہ باقی قلب کے اعمال جو قلب ہی سے تعلق رکھتے ہیں اعضاء جوارح سے ان کا کوئی تعلق نہیں جیسے کتمان حق، کتمان شہادت، کسی مسلمان سے بغض، کینہ، حسد دل میں رکھنا، نفاق (دل سے ایمان نہ لانا، دُنیاوی اغراض کی بنا پر محض زبان سے اپنے کو مسلمان کہنا) صرف دکھاوے یا شہرت پسندی وغیرہ اغراض حاصل کرنے کے لئے نمازیں پڑھنا روزے رکھنا، صدقات خیرات کرنا۔ حج و عمرہ کرنا جس کو شریعت کی اصطلاح میں "شرک خفی" (چھپا ہوا شرک) کہا جاتا ہے اور ان کے علاوہ وہ تمام ذمائم و معائب (دل کی برائیاں اور عیوب) ان پر ضرور مواخذہ ہوگا اور اگر ﷲ نے معاف نہ کئے تو عذاب بھی ہوگا چنانچہ کتمانِ شہادت (گواہی کو چھپانے) کے متعلق تو اسی رکوع سے پہلے آیتِ کریمہ

میں وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (اور جس نے گواہی کو چھپایا تو اُس کا دل گنہگار ہے)
فرمایا ہے اس آیت سے معلوم ہوا کہ دل بھی گناہ کرتا ہے۔ اسی طرح آیتِ کریمہ ذیل :
فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿﴾ اور جو شخص اپنے رب سے ملنے کی اُمید رکھتا ہے تو اُس کو چاہیے کہ وہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک کرے۔
سے معلوم ہوا کہ عبادت میں بھی شرک ہوتا ہے جس کی مثالیں اوپر بیان کی جا چکی ہیں۔
۴ - سورۂ بقرہ کی ان آیاتِ کریمہ کی عظمت و اہمیت اس لئے اور بھی بڑھ گئی کہ جلّ شانہٗ نے ان تمام درخواستوں کے منظور فرمانے اور دعاؤں کے قبول فرمانے کا اعلان دنیا میں ہی نعمۃ فرما کر نبی رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے کر دیا سُبْحَانَ اللہ قربان جائیے ربِّ جلیل کی اس کریمی کے
ان آیاتِ کریمہ کی عظمت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جلّ شانہٗ نے لَیْلَۃُ الْاِسْرَاء (شبِ معراج) میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُمت کے لئے پنجوقتہ نمازوں کے ساتھ ہی سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں بطور تحفہ عنایت فرمائی ہیں۔
چنانچہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لَیْلَۃُ الْاِسْرَاء کی حدیث میں بیان کرتے ہیں :
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (امت کے لئے) سورۂ بقرہ کی آخری آیتیں بطور تحفہ عطا کی گئیں۔
ان آیاتِ کریمہ کی عظمت کی وجہ یہ بھی ہے کہ (دنیا میں) ان متبرک آیات کو لے کر ایک مخصوص فرشتہ بھیجا گیا جو اس سے پیشتر کبھی بھی کسی نبی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔
چنانچہ مسلم ہی کی ایک روایت میں : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے : کہ اس اثنا میں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے اُوپر سے کسی چیز کے ٹوٹنے، چٹخنے کی آواز سنی تو آپ نے سر اُوپر آسمان کی طرف اُٹھایا تو اس پر جبرئیل علیہ السلام نے تبلایا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ کھلنے کی آواز ہے جو آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا - نیز اس دروازہ سے ایک فرشتہ اُترا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا : یہ ایک فرشتہ ہے جو آج سے پہلے کبھی کسی نبی کے پاس نہیں آیا آپ اس کو سلام کیجئے تو (جواب سلام کے بعد) اس فرشتہ نے کہا : آپ کو (اور آپ کی اُمت کو)

دو "نوروں کی" خوشخبری ہو (مبارک ہو) جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں عطا کئے گئے ایک فاتحۃ الکتاب (سورۂ فاتحہ) ہے اور دوسرے سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں ہیں آپ (اور آپ کی اُمت) ایک کلمہ بھی ان آیتوں میں سے پڑھیں گے (اور مانگیں گے) تو ضرور اُس کو دیا جائے گا (قبول کیا جائے گا) اسی حدیث کو دوسری روایت میں ہے: جو شخص بھی ان آیتوں کو رات میں پڑھے گا اس کے لئے کافی ہونگی۔

تنبیہ | اس خصوصیت، نورانیت، عظمت اور اہمیت کو سن لینے اور پڑھ لینے کے بعد بڑا ہی محروم القسمت ہے وہ مسلمان جو ان عظیم آیتوں کو پڑھے بغیر سو جائے۔ خدا کے لئے اپنے اوپر رحم کیجیئے اور آج سے ہی ان مبارک آیتوں کو پڑھے بغیر نہ سوئیے۔ دو منٹ بھی ان کے پڑھنے میں نہ لگیں گے مگر دل سے پڑھیئے خدا کی طرف متوجہ ہو کر پڑھیئے تو بیڑا پار ہے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے پڑھنے والوں کو خود پڑھنے اور دوسروں کو بتلانے کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ کتاب کے لکھنے اور شائع کرنے والوں کو بھی دعائے خیر میں یاد رکھیئے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے اس باب کے عنوان میں تین چیزیں رکھی ہیں وہ تینوں اس حدیث سے ثابت ہیں اسی لئے اس باب میں صرف اس حدیث ہی کے ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ ذرا غور و فکر سے کام لیجیئے۔ آپ بھی سمجھ جائینگے کہ یہ تینوں چیزیں اس حدیث سے ثابت ہیں۔

اٹھارواں باب

بدعتوں سے اور (دین میں) نئے نئے امور (کے اختراع کرنے) سے ممانعت کا بیان

قرآن کریم کی آیات اور ان کی تشریح

۱- قَالَ اللہُ تَعَالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ (سورہ یونس آیت ۳۲) پس سچ (کو چھوڑنے) کے بعد گمراہی کے سوا (اور) کیا ہے؟

تشریح

عربی زبان میں حق کے معنی سچی اور واقعی بات یا چیز کے آتے ہیں امام نووی رحمہ اللہ نے اسی معنی کے اعتبار سے حق کا مصداق سچا اور حقیقی دین اسلام کو قرار دیا ہے جو مجموعہ ہے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کا اس معنی کے پیش نظر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا بھی گمراہی ہے اسلئے کہ جو شخص سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہیں کرتا اور اس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہے وہ اس کے بعد جو بھی راستہ اختیار کرے گا وہ یا اپنے نفس کے اغراض و خواہشات کی رہنمائی کے تحت اختیار کرے گا یا اپنے ہم مشرب نفس پرست لوگوں کی رہنمائی کے تحت دونوں صورتوں میں وہ نفسِ امارہ ہی کی پیروی کرے گا اور نفسِ امارہ سوائے گمراہی اور کمراہی کے اور کچھ جانتا ہی نہیں جل شانہ کا ارشاد ہے:

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ (سورہ یوسف آیت ۵۳) نفس تو بلاشبہ برے کاموں ہی کا بیحد حکم دینے والا ہے۔

اس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ دنیوی اغراض اور لذات و خواہشات کے سبز باغ دکھا کر جائز و ناجائز اور سنّت و بدعت کے فرق اور امتیاز کو مٹا کر خود بھی اور اپنے پیروؤں کو بھی گناہوں اور خدا رسول کی نافرمانیوں کے جہنم میں لے جاتا ہے۔ لہٰذا سنّتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام "حق" ہے اس کو قبول نہ کرنا اور اس پر عمل نہ کرنا "گمراہی" ہے۔

لیکن اگر اس آیت کریمہ کے سیاق وسباق کے پیش نظر پوری آیت پڑھی جائے جو یہ ہے۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنّٰى تُصْرَفُوْنَ۔ (سورہ یونس ع ۴ آیت ۳۲)

یہ تمہارا اللہ ہی تمہارا سچا (اور واقعی) رب ہے تو اس سچے رب (کو چھوڑنے اور اس پر ایمان نہ لانے) کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے؟ پھر تم کہاں بہکے جا رہے ہو۔

تو اس "حق" کا مصداق رَبُّ الْعٰلَمِیْن کی ذات ہے اور آیت کریمہ رَبُّ الْعٰلَمِیْن کی ربوبیت اور وحدانیت کی دلیل ہے۔

بہرحال "حق" کا اصل مصداق دینِ حق ہے اور اس کے دو بنیادی ستون ہیں (۱) ایک کتاب اللہ (۲) دوسرے سنتِ رسول اللہ ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑنا گمراہی ہے۔

۲۔ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ﷻ کا ارشاد ہے۔

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ (سورہ یونس ع آیت)

نہیں چھوڑی ہم نے اس کتاب (قرآن) میں کوئی چیز (بلکہ ہر چیز کو بیان کر دیا)۔

تشریح یعنی ﷻ نے دین کے امور میں سے ہر چیز کو بیان کر دیا ہے لہٰذا جو امر۔ قول ہو یا فعل۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ یعنے قرآن اور حدیث میں نہیں وہ دین نہیں ہے۔ اب جو کوئی بھی ایسے امر کو جو کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہ میں نہیں، اس کو دین کہتا ہے، وہ جھوٹ بولتا ہے، گمراہی کی طرف دعوت دیتا ہے۔ خبردار! اس سے بچو اور پاس بھی نہ جاؤ۔ اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوا کہ بدعت ہر وہ نیا عقیدہ یا عمل ہے جو کتاب وسنت میں نہ ہو۔ واضح ہو کہ سنتِ رسول ﷺ کا اور اس کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کا حکم کتاب (قرآن) میں موجود ہے ﷻ ارشاد فرماتے ہیں

وَمَا اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ (سورۃ الحشر، ع ۱، آیت ۷)

اللہ کا رسول جو (قول یا فعل) تمہارے پاس لائے (یعنے جو تم کو فرماتے یا تمہارے سامنے عمل کرے) اس کو لے لو (قبول کرو اور اس پر عمل کرو) اور جس چیز (قول وعمل) سے تمکو منع کرے اس سے دور رہو (اسکے پاس بھی نہ جاؤ)

اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی حدیث آپ پڑھ چکے ہیں آپ خلفائے راشدین کی سنت

پر عمل کرنے کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا حکم آپ پڑھ چکے ہیں ۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ — لازم کرلو تم اپنے اوپر میری سنت کو اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو ۔

اس لئے کہ ان کی سنت بھی درحقیقت آپ کی ہی سنت ہے کیونکہ وہ دین کے بارے میں اپنی طرف سے نہ کچھ کہتے ہیں نہ کرتے ہیں اسی طرح کبارِ تابعین ۔

کیونکہ مشہور حدیث میں آیا ہے کہ : رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ — بہترین عہد میرا عہد ہے پھر ان لوگوں کا عہد جو میرے عہد والوں کے قریب ہیں پھر ان لوگوں کا عہد جو دوسرے عہد والوں کے قریب ہیں ۔

لہٰذا جو عقیدہ یا عمل نہ کتاب اللہ میں ہو نہ سنتِ رسول اللہ میں ہو نہ سنتِ صحابہ کرام و کبار تابعین میں ہو وہ نیا اختراع کردہ عقیدہ یا عمل ہے اس سے بچو اور اسکے پاس بھی نہ جاؤ کہ وہ بدعت ہے اور گمراہی ہے یہی تین عہد قرون مشہود لہا بالخیر ہیں یعنے وہ عہد جن کے بہترین عہد ہونے کی شہادت رسول اللہ ﷺ نے دی ہے ۔

۳ ۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى جل جلالہ کا ارشاد ہے :

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُولِ (سورۃ النساء ع ۸) — پس اگر تم میں (اور اولی الامر میں) کسی بھی چیز کے بارے میں نزاع ہو تو اس نزاع کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول سے کراؤ ۔

تنبیہ ۔ امام نووی اللہ اور رسول کی تفسیر کتاب و سنت سے کرتے ہیں ۔

تشریح یعنے جیسے اللہ سے مراد کتاب اللہ ہے ایسے ہی رسول سے مراد سنتِ رسول اللہ ﷺ ہے اور سنتِ رسول اللہ کا مصداق رسول اللہ ﷺ کی تمام قولی و فعلی یا سکوتی احادیث ہیں ۔ لہٰذا جیسے کتاب اللہ حجت اور دلیل ہے ایسے ہی احادیث رسول ﷺ بھی حجت اور دلیل ہیں ان دونوں کے علاوہ اور کسی کا بھی قول و فعل شرعی دلیل نہیں ہوسکتا ، اگرچہ وہ ہمارے اسلاف اور بزرگانِ دین ہوں یاد رکھئے ہمارے چاروں ائمہ مجتہدین کوئی ایسی بات نہیں کہتے اور کوئی ایسا کام

نہیں کرتے جو کتاب و سنت اور اجماع اُمت سے ثابت نہ ہو۔ اسی طرح اُمت کے بڑے بڑے اولیاء کرام سب سنت پر عمل کرنے کی شدید تاکید اور بدعت سے دور رہنے کی سخت تاکید فرماتے ہیں۔

۴ - قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی جل جلالہ کا ارشاد ہے:

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا	اور یہ کہ بیشک یہ (کتاب و سنت پر عمل) میرا راستہ ہے بالکل
فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ	سیدھا پس اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر مت چلو کہ وہ (دوسرے
فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ	راستے) تم کو اس سیدھے راستہ سے جدا کر کے الگ الگ فرقوں میں بانٹ
سَبِیْلِهٖ (سورۃ الانعام، ع ۱۹ آیت ۱۵۳)	دینگے (اور مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیں گے)

تشریح

یعنے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس کی تم ہر نماز کی ہر رکعت میں "سورۂ فاتحہ" کے اندر دعا مانگتے ہو۔ اس راستہ کے علاوہ اور سب نفس پرستوں کے اختراع کردہ راستے ہیں اور بدعتیں ہیں اگر تم نے ان نئے نئے راستوں کو قبول کر لیا اور ان پر عمل کیا تو تم مختلف فرقوں میں بٹ جاؤ گے اور صراطِ مستقیم سے ہٹ جاؤ گے اور دُور جا پڑو گے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کے تحت پیش گوئی فرمائی ہے اور کہا ہے کہ عنقریب میری اُمت تہتر ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی جن میں نجات یافتہ صرف ایک فرقہ ہوگا اور وہ وہی فرقہ ہوگا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں، یہی فرقہ ناجیہ وہ فرقہ ہے جس کو عرف میں اہل السنت والجماعت (سنت اور جماعت صحابہ کو ماننے والے) کہا جاتا ہے باقی تمام فرقوں کو عرف میں اھل الاھواء (نفس کی اغراض و خواہشات کی پیروی کرنے والے) کہا جاتا ہے، نیز اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صراطِ مستقیم یعنے کتاب و سنت کا راستہ ایک ہی ہے اسکے بالمقابل بدعتوں کے راستے بے شمار ہیں جیسا کہ السُّبُل جمع کے صیغہ سے ظاہر ہے اور یہی مذکورہ بالا حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے حدیث میں تہتر ۷۳ کا عدد محض کثرت بیان کرنے کے لئے ہے شمار بتلانے کے لئے نہیں ہے۔

۵ - قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی جل شانہ کا ارشاد ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ (اے نبی ان سے کہہ دو: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی
فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ کرو اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو بھی
ذُنُوْبَكُمْ. (سورۂ آل عمران ع، آیت ۳۱) بخش دے گا۔

تشریح

رسول اللہ ﷺ کے اتباع اور پیروی کے معنی آپ کے ہر قول وفعل کی یعنے سنت کی پیروی کے ہیں اور اللہ کی محبت اور گناہوں کی مغفرت (جن سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اور کوئی بھی انسان محفوظ نہیں ہوسکتا) کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کے برعکس سنت کو پس پشت ڈالکر نئی نئی بدعات کو قبول کرنا اور ان پر عمل کرنا خدا کی ناراضگی کا واحد راستہ ہے جس پر چل کر انسان گمراہیوں کے جہنم میں گرجاتا ہے۔

احادیث

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن کی آیات اس باب میں بہت ہیں اور قرآن پڑھنے اور سمجھنے والوں کو معلوم ہیں باقی حدیثیں تو اس سے بھی زیادہ اور مشہور ہیں۔ ہم ان میں سے چند احادیث یہاں بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

بدعت کی تعریف اور تشخیص اور اس کا حکم

پہلی حدیث (۱/۱۷)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے بھی ہمارے اس دین میں کوئی بھی ایسی نئی بات (عقیدہ یا عمل) نکالی (اور اختراع کی) جو دین کی نہیں تو وہ مردود ہے (بخاری ومسلم)

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے جس شخص نے کوئی بھی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا عمل نہیں ہے وہ مردود ہے۔

یہ حدیث مزید تشریح کی محتاج نہیں بالکل واضح طور پر بدعات کی تشخیص اور ان کی قطعی تردید کرتی ہے۔

بدعت کی جگہ جہنم ہے

دوسری حدیث (۲/۱۷۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ جب آپ منبر پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دیتے تو آپ کا چہرہ سرخ ہو جاتا آنکھیں لال ہو جاتیں آواز بلند ہو جاتی اور غصہ بیحد بڑھ جاتا یہاں تک کہ ایسا معلوم ہوتا جیسے آپ (غافل لوگوں کو) دشمن (کے حملے) سے خبردار کر رہے ہیں اور فرماتے:

صبح کو تم پر حملہ ہوا یا شام کو، اور فرماتے: بیشک میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح (آگے پیچھے) بھیجا گیا ہوں اور اپنی کلمہ کی انگلی اور درمیانی انگلی کو ملا کر دکھلاتے (کہ میری بعثت اور قیامت کے درمیان اتنا ذرا سا فاصلہ ہے تم کس خوابِ غفلت میں گہری نیند سو رہے ہو، اب آئی قیامت اور اب آئی) اور فرماتے: اما بعد پس بیشک بہترین کلام کتاب اللہ ہے اور بہترین سیرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت ہے اور بدترین امور (عقائد و اعمال) وہ ہیں جو نئے ایجاد کئے گئے ہیں اور ہر بدعت (نیا عقیدہ یا عمل) گمراہی ہے اور ہر گمراہی (کی جگہ) جہنم میں ہے۔

پھر (اس کے بعد) فرماتے: ہر مومن کی جان سے اس کی بنسبت میں قریب ہوں (یعنے مجھے اس کے جان و مال پر اس سے زیادہ اختیار ہے لہٰذا) جس مسلمان (مرنے والے) نے مال چھوڑا وہ اس کے اہل یعنے وارثوں کا ہے اور جس نے کوئی قرض چھوڑا، یا ضائع ہونے والے (بال بچے) چھوڑے (جن کا کوئی سرپرست نہیں) وہ میرے حوالے ہیں (ان کی کفالت میں کروں گا) اور وہ قرض مجھ پر ہے (میں ادا کروں گا)

تشریح اس حدیث کے تین جزو ہیں ایک ان دنیا کے دھندوں میں گرفتار آخرت

سے غافل لوگوں کو قربِ قیامت سے خبردار کرنا ہے کہ آپ آخری نبی ہیں آپ کے بعد بس قیامت ہی آئے گی اور اس کے آنے میں کچھ زیادہ دیر نہیں ہے اب آئی اور تب آئی اور دو انگلیوں سے اس آگے پیچھے آنے کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔

دوسرے جزو میں دین کے دو بنیادی ستونوں کا بیان ہے ایک یہ کہ قرآن کریم جل جلالہ بہترین کتاب ہے اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں۔ دوسرے یہ کہ جل جلالہ کے محبوب نبی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت وسنت بہترین سیرت وسنت ہے جو امور (عقائد واعمال) ان دونوں۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں وہی امورِ دین ہیں وہی عبادات ہیں انہیں پر اجر وثواب ملتا ہے اور جو امور (عقائد واعمال) ان دونوں سے ثابت نہ ہوں وہ نئی ایجاد ہیں اور گناہ وعذاب کا موجب ہیں انہی کا نام بدعت ہے اور سراسر گمراہی (جن کی جگہ جہنم میں ہے) یہی دوسرا جزو عنوانِ باب کو ثابت کرتا ہے اور اسی جزو کے لئے امام نووی علیہ الرحمہ اس پوری حدیث کو اس باب میں لائے ہیں

حدیث کے تیسرے حصہ میں مومنین کے جان ومال پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت عامہ کا بیان ہے کہ خود اہلِ ایمان کو اپنے نفسوں پر وہ اختیار حاصل نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ جس کا اعلان جل جلالہ نے قرآن میں بھی فرمایا ہے ارشاد ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ (سورۃ الاحزاب آیت ۶) نبی صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے نفسوں پر خود ان سے زیادہ قریب (با اختیار) ہیں

چنانچہ اسی ولایتِ عامہ کی بنا پر آپ اعلان فرماتے ہیں کہ جو مسلمان مرنے کے بعد اپنے ذمہ قرض چھوڑ گیا وہ بھی میں (بیت المال سے) ادا کروں گا اور جس کے بال بچوں کا کوئی سرپرست نہیں ان کی کفالت بھی میں (بیت المال سے) کروں گا۔

گذشتہ حدیث کا حوالہ

حضرت عِرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جو باب المحافظۃ علی السُّنّۃ کے ذیل میں آچکی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: تم دور رہو اور پاس بھی نہ جاؤ (دین میں) نئی نئی باتوں (عقائد واعمال) کے اس لئے کہ ہر بدعت

(نیا ایجاد کردہ عقیدہ یا عمل) گمراہی ہے۔

اس حدیث کی تشریح بھی گذر چکی ہے دوبارہ دیکھ لیجئے۔

عبرتناک جائزہ کلام اللہ کی ان آیاتِ کریمہ اور رسول اللہ ﷺ کی ان احادیث صحیحہ کی روشنی میں ذرا غور کیجئے اور جائزہ لیجئے کہ جن رسوم و بدعات میں ہم عام طور پر گرفتار ہیں اور عبادت سمجھ کر ان کو کرتے اور موجب اجر ثواب سمجھتے ہیں ان کا نہ صرف قرون خیر بلکہ اسلام کے تمام اَدوار میں کہیں پتہ نشان ہے؟

کیا صحابہ کرام نے اپنے محبوب نبی ﷺ کی وفات پر یا اہلِ بیت کی وفات پر یا صحابہؓ نے خلفاء راشدین کی وفات پر یا ایک دوسرے کی وفات پر تیجہ چالیسواں یا سالانہ عرس کیا تھا یا آپ کی تاریخ ولادت پر یا اہلِ بیت میں سے کسی کی تاریخ ولادت پر یا صحابہ میں سے کسی کی بھی تاریخ ولادت پر محفل میلاد منعقد کی تھی اور عمدہ و لذیذ کھانوں کی دیگیں پکوائی تھیں اور بے دریغ فضول خرچیاں کی تھیں؟ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے یا آپ کے صحابہ کبار یا تابعین نے کبھی دسترخوان پر کھانا رکھ کر فاتحہ پڑھی تھی؟ یا آپ نے اور کسی بھی عہد کے مسلمانوں نے فرض نمازوں کے بعد دُوسری دُعا اور بیک آواز زور زور سے درود شریف پڑھا تھا؟ یا پاکستان بننے اور کراچی آنے سے پہلے اسلام کے تیرہ سو سالہ عہد میں کسی نے بھی اذان کے بعد اذان کی طرح بلند آواز سے اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللہِ کسی بھی زمانہ میں کسی بھی مؤذن نے کہا ہے؟ یا عشرہ محرم میں تعزیہ داری جو بت پرستی کی حد کو پہنچ چکی ہے یا سیاہ اور سبز لباس اور دوپٹے کسی نے بھی پہنے تھے اور لکھنؤ کے شاعروں کے گھڑے ہوئے مرثیے اور ران پر ماتم اور سینہ کوبی کسی نے کی تھی؟ کہیں بھی یہ سب کچھ نہیں ہوتا جو ہندوستان و پاکستان میں ہوتا ہے حتّٰی کہ ایران کی حکومت نے جس کا مذہب تشیّع ہے ان تمام لغویات کو حکماً ممنوع قرار دیدیا ہے یا رجب کے مہینہ میں بی بی فاطمہ کے نام کے کونڈے عہد اوّل کے مسلمانوں میں سے کسی نے بھی کئے ہیں؟

اُنیسواں باب

اُس شخص کا بیان جس نے کسی اچھے طریقہ کی بنا ڈالی یا بُرے طریقہ کی بنا ڈالی

آیاتِ قرآن کریم اور اُن کی تشریح

قَالَ اللهُ تَعَالىٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔ (سورۃ الفرقان ع ۶)

اور وہ لوگ جو کہتے ہیں: اے ہمارے رب! تو ہمیں آنکھوں کی ٹھنڈک بیویاں اور اولاد عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا۔

تشریح

پرہیزگاروں کا امام اور پیشوا بنانے کی دُعا کے معنی یہ ہیں کہ تو خود ہمیں بھی پرہیزگار بنا اور پرہیزگاری کے طریقے اور راستے قائم اور جاری کرنے کی توفیق بھی عطا فرما تاکہ ہماری ذریت (اولاد) بھی اور دوسرے مسلمان بھی ان طریقوں پر چل کر پرہیزگار بن سکیں یہاں تک کہ ہم پرہیزگاروں کے امام اور پیشوا بن جائیں۔ گویا دو چیزوں کی دُعا ہے ایک خود پرہیزگار بننے کی اور دوسرے اولاد کے لئے پرہیزگاری کے طریقے جاری کرنے کی اور یہ دونوں عمل دُعا کرنے والوں کے بھی عمل ہیں، اسی لئے وہ ان راستوں پر چلنے والوں کے ثواب میں بھی شریک ہوتے ہیں جیسا کہ آگے حدیث آرہی ہے اَلدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهٖ (نیک کاموں کا راستہ تبلانے والا (اجر و ثواب میں) ان نکوکاروں کی مانند ہے)۔

قَالَ اللهُ تَعَالىٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا۔ (سورۃ السجدۃ ع ۳)

اور ہم نے اُن (علماء بنی اسرائیل) کو امام (پیشوا) بنایا وہ ہمارے حکم سے (لوگوں) کی رہنمائی کرتے ہیں۔

تشریح اس آیتِ کریمہ میں تصریح فرما دی کہ امام وہی تھے جو جل جلالہ کے حکم کے مطابق

رہنمائی کرے خواہ قولاً خواہ فعلاً لہٰذا کسی اچھے طریقہ کو جاری کرنا بھی اس میں داخل ہے۔

یہ سنتِ حسنہ اور اس کے جاری کرنیوالوں کا بیان ہوا

سنتِ سیئۃ اور اس کے جاری کرنے والوں کا بیان

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ﷻ کا فرمان ہے:

فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ

پس جنگ کرو ان کفر کے پیشواؤں (مشرکین و کفارِ عرب) سے بیشک ان کی قسمیں (اور عہد و پیمان) کچھ نہیں، تاکہ یہ باز آجائیں۔

تشریح

آیتِ کریمہ میں مشرکین مکہ اور کفارِ عرب کو صرف اس لئے ائمہ کے لفظ سے تعبیر کیا کہ وہ خود بھی کفر پر اڑے ہوئے تھے اور دوسروں کو بھی کفر و شرک کے راستے بتلاتے تھے۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں آیا ہے۔

وَقَالُوْا: "لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ"

اور ان (مشرکوں اور کافروں) نے کہا: اس قرآن کو مت سنو اور (اسکے پڑھنے کے وقت) شور مچاؤ تا کہ تم غالب آجاؤ۔

اس قسم کی کفر و شرک کی قولاً و فعلاً رہنمائی کا ذکر بہت سی قرآنِ کریم کی آیات میں آیا ہے۔ جیسے سابقہ آیات میں ائمہ ہدایت اور "سنتِ حسنہ" کا ذکر ہے۔ اسی طرح اس آیتِ کریمہ میں ائمہ ضلالت اور ان کی سنتِ سیئۃ کا ذکر فرمایا ہے۔

نوٹ! عربی زبان میں اس راستہ کو کہتے ہیں جس کو کوئی شخص جاری کرے اور اس کے بعد اس راستہ پر دوسرے لوگ چلیں یہ راستہ اچھا بھی ہوسکتا ہے اور برا بھی ہوسکتا ہے اس پر چلنے والوں کی فلاح و بہبود کا سہرا یا تباہی و بربادی کی ذمہ داری اسی شخص پر عائد ہوتی ہے جس نے اس کی بنا ڈالی اور جاری کیا اور یہ سنت اسی کی طرف منسوب ہوتی ہے وہی اس کا بانی اور جاری کنندہ کہلاتا ہے۔ یہی وہ سنت ہے جس کی دو قسمیں کی جاتی ہیں ایک حسنہ دوسری سیئہ باقی شریعت کی اصطلاح میں جس کو سنّت کہا جاتا ہے اور کتاب کے ساتھ اس کا ذکر آتا ہے جس کا بیان اس سے پہلے باب میں گذرا ہے وہ سنّت تو حسنہ ہی حسنہ ہے وہ سیئہ ہو ہی

نہیں سکتی کیونکہ اس سے مراد یا رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے جو ہمیشہ وحی جلی یا وحی خفی پر مبنی ہوتی ہے یا صحابۂ کرامؓ یا ائمۂ دین کی سنت ہے یہ سنت بھی چونکہ کتاب اللہ پر یا سنت رسول اللہ ﷺ پر مبنی ہوتی ہے اس لئے وہ بھی سیئہ نہیں ہوسکتی اس فرق کو مزید یاد رکھئے بہر حال امام نووی رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی دو آیتوں سے عنوان باب کو ثابت کیا ہے۔ مگر ان دونوں آیتوں سے صرف سنت حسنہ کا ثبوت ہوتا ہے۔ تیسری آیت کریمہ کا اضافہ سنت سیئہ کے لئے مناسب معلوم ہوا اس لئے تیسری آیت کا بھی ذکر کردیا گیا۔

احادیث اور اُن کی تشریح

کسی اچھے طریقہ کی بُنیاد ڈالنے والے مردانِ راہِ خدا کی ہمت افزائی | پہلی حدیث (۱/۱۷۲)

حضرت ابو عمرو جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں ہم (ایک دن) دن کے اوّل حصّہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے آپ کے پاس تن برہنہ، گلے میں کمبل ڈالے گردنوں میں تلواریں لٹکائے ہوئے لوگوں کی ایک جماعت آئی ان میں بیشتر بلکہ تمام تر مضر قبیلہ کے لوگ تھے (اور کفار سے جنگ کرنے کے لئے آمادہ اور تیار ہوکر آئے تھے کہ آپ ان کے لئے زادِ راہ اور سامانِ جنگ کا بندوبست کردیں تو وہ محاذِ جنگ پر جائیں) تو رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک اُن کی فاقہ زدگی خستہ حالی، بے سروسامانی کو دیکھ کر متغیر ہوگیا رنج و ملال کے آثار ظاہر ہوئے تو آپ گھر میں تشریف لے گئے (کہ ان کے لئے کچھ لائیں مگر گھر میں کچھ نہ پاکر) پھر واپس تشریف لائے اور حضرت بلالؓ کو (ظہر کی) اذان دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ بلالؓ نے اذان دی (کچھ دیر کے بعد) اقامت ہوئی تو آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی پھر (سنتوں سے فارغ ہوکر) خطبہ دیا اور آپ نے سورۂ نساء کی یہ آیت پڑھی:

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ — اے لوگو! ڈرتے رہو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو

الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا۔ (سورۃ النساء آیت ۱)	ایک جان سے اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور پھر پھیلائے، ان دونوں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں اور ڈرتے رہو اس اللہ سے جس کے واسطہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور خبردار رہا کرو قرابت والوں سے بے شک جل شانہٗ تمہارے اوپر نگران ہیں۔

اس کے بعد سورۂ فرقان کی یہ آیت پڑھی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (سورۃ الحشر آیت ۱۸)	اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ اور ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ دیکھے اس نے کل (قیامت کے دن) کے لئے کیا پہلے سے تیار کیا ہے اور جل شانہٗ سے ڈرتے رہا کرو بیشک جل شانہٗ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خوب (اچھی طرح) باخبر ہیں۔

توکسی آدمی نے اپنے دیناروں میں سے دینار صدقہ میں دیا۔ درہم والے نے اپنے درہموں میں سے درہم دیا، کپڑے والے نے کپڑا دیا، گیہوں والے نے ایک صاع گیہوں دیئے، کھجور والے نے ایک صاع کھجور دیئے، آپ نے فرمایا: اگرچہ کسی نے کھجور کا ایک ٹکڑا دیا (یاد رکھو سب سے اللہ اچھی طرح باخبر ہے کہ کس نے کیا دیا)

تو (یہ سنکر) انصار میں سے ایک شخص (اٹھا اور) ایک تھیلی لایا (جو اتنی وزنی تھی کہ) قریب تھا کہ اس کے ہاتھ اسکے اٹھانے سے عاجز ہو جائیں بلکہ عاجز ہو گئے۔ پھر تو لوگ پے درپے صدقات دینے لگے، یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ دو ڈھیر لگ گئے، خوردنی اشیاء اور کپڑوں وغیرہ کے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک (فرطِ مسرت سے) دمکنے لگا گویا بالکل سنہری ہے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جس شخص نے اسلام میں کسی اچھی سنت کی بنا ڈالی اور جاری کی اس کو اس

سُنّت کے جاری کرنے کا ثواب بھی ملیگا اور اس کے بعد جن لوگوں نے اس پر عمل کیا ان سب کا ثواب بھی ملے گا بغیر اس کے کہ عمل کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی ہو اور جس نے اسلام میں کوئی بُرا راستہ جاری کیا تو اس شخص پر اس بُرا راستہ جاری کرنے کا گناہ بھی ہوگا اور اس کے بعد جو لوگ اس بُرے راستہ پر چلے ان کا گناہ بھی ہوگا اس کے بغیر کہ ان عمل کرنے والے کے گناہوں میں کوئی کمی کی جائے ؎

(گویا اس سُنّت کا سہرا تھیلی پیش کرنے والے صحابی کے سر ہے۔ اسی کو دیکھ کر دوسروں کے ہاتھ کھلے اور ذرا کی ذرا دیر میں دو ڈھیر لگ گئے)

امام نووی علیہ الرحمۃ حدیث کے بعض الفاظ کو ضبط کرتے ہیں اور معنی بیان کرتے ہیں۔

مُجتابی النمار مجتابی جیم کے ساتھ اور الف کے بعد ایک نقطہ والی ب ہے۔ النمار نَمِرہ کی جمع ہے اون کے دھاری دار کمبل کو کہتے ہیں اور مُجتابی النمار مرکب کے معنی یہ ہیں کہ کمبل کو بیچ سے پھاڑ کر کفن کی طرح گلے میں ڈالا ہوا تھا۔ مجتابی، جوب سے ماخوذ ہے جس کے معنے پھاڑنے کے ہیں۔ قرآن کریم میں آیا ہے ؛ وثمود الذین جابوا الصخر بالواد (اور وہ قوم ثمود جنہوں نے وادی احقاف میں پہاڑوں کی بڑی بڑی چٹانوں کو کاٹ کر زمین دوز قلعے بنائے تھے تمعّر عین کے ساتھ یعنے متغیر ہوگیا رنج وملال کے آثار نظر آنے لگے کوماوین کوماء بالفتح و بالضم کا تثنیہ ہے یعنے بڑے بڑے ڈھیر مذھبۃ ذہب بمعنے سونا سے ماخوذ ہے بمعنی سنہری۔ قاضی عیاض وغیرہ نے اسی طرح ضبط کیا ہے بعض شارحین نے تصحیف (غلطی) کی ہے اور مدھنۃ دال کے ساتھ دُہن بمعنے تیل سے ماخوذ پڑھا ہے امام حمیدی نے بھی اسی طرح ضبط کیا ہے لیکن صحیح اور مشہور مذھبۃ ہی ہے

تشریح

اگرچہ مذکورہ بالا حدیث میں من سن سنۃ حسنۃ الخ ایک واقعہ سے متعلق آیا ہے مگر درحقیقت

یہ ایک ضابطہ اور قاعدۂ کلیہ ہے جس کے تحت مذکورہ واقعہ بھی آتا ہے۔ اسی لئے اس موقع پر آپ نے یہ فرمایا جیسا کہ دوسری حدیثوں سے ظاہر ہے۔ اس ضابطہ کی تحقیق و تشریح آیات کے ذیل میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

بُرے طریقہ کی بنیاد ڈالنے والے مُجرم کا حشر

دوسری حدیث (۲/۱۶۲)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: دُنیا میں جو شخص بھی ناحق قتل کیا جائے گا۔ اس کا عذاب (قاتل کی طرح) آدم کے بیٹے قابیل پر بھی ہوگا اس لئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل ناحق کی بنیاد ڈالی۔ بخاری و مسلم

تشریح

گویا دنیا میں قیامت تک جتنے بھی قتل ناحق ہوں گے ان کے قاتلوں پر عذاب کے علاوہ قابیل پر بھی عذاب ہوگا اس لئے کہ اُس نے ہی حقیقی بھائی ہابیل کو ناحق قتل کر کے اس سنت سیئہ اور رسم بد کی بنیاد ڈالی جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔ گویا رسول اللہ ﷺ قرآن کریم میں مذکور قتل ناحق کے اس سب سے پہلے واقعہ سے اس ضابطہ کا استنباط فرما رہے ہیں۔

بیسواں باب

اچھے کام کی رہنمائی اور ہدایت کی دعوت دینے یا بُرے کام اور گمراہی کی دعوت دینے کا بیان

قرآن کریم کی آیات اور ان کی تشریح

۱۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ — جل شانہٗ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیتے ہیں:۔

اُدۡعُ اِلٰی رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰی هُدًی مُّسۡتَقِیۡمٍ (سورۃ الحج رکوع ۹) — اور تو بلا (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف بلاشبہ تو (یقیناً) ہدایت کی سیدھی راہ پر (قائم) ہے۔

تشریح

رب منبع ہر خیر و خوبی ہے اس کی طرف دعوت دینے اور بلانے کے معنی ہر خیر و خوبی کی طرف دعوت دینا اور بلانا ہے خاصکر جبکہ جل شانہٗ نے تصدیق فرمادی کہ بلاشبہ تو ہدایت اور سیدھی راہ پر قائم ہے اللہ کے رسول نے اس حکم کی تعمیل کس طرح کی قرآن عظیم بتلاتا ہے:

فَفِرُّوۡۤا اِلَی اللّٰہِ اِنِّیۡ لَكُمۡ مِّنۡهُ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ۔ (سورۃ الذاریات ع ۳ آیت ۵۰) — پس تم (دنیا و مافیہا سے) بھاگو اللہ کی طرف (اسی کے سایہ رحمت میں دنیا و مافیہا کے فتنوں سے پناہ ملیگی) میں تمہیں اس کی جانب سے واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں۔

اور اگر یہ نہیں کر سکتے تو کم از کم:

وَلَا تَجۡعَلُوۡا مَعَ اللّٰہِ اِلٰـهًا اٰخَرَ اِنِّیۡ لَكُمۡ مِّنۡهُ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ۔ (سورۃ الذاریات ع ۳ آیت ۵۱) — اور اللہ کے ساتھ کسی بھی دوسرے کو معبود مت بناؤ بیشک میں اس کی جانب سے تم کو واضح طور پر خبردار کرنے والا ہوں (کہ وہ کفر و شرک کو ہرگز نہیں بخشے گا)

پہلی آیت کریمہ میں تقویٰ کے اعلیٰ مرتبہ کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں ادنیٰ درجہ کا ذکر ہے۔ دونوں آیتیں اسی ترتیب سے آگے پیچھے قرآن کریم میں مذکور ہیں۔

۲ - قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی ﷻ اپنے رسول ﷺ کو دعوت کا طریقہ بتلاتے ہیں۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ۔ (سورہ النحل، ع ۱۶، آیت ۱۲۵)

اور بلا اپنے رب کی راہ (توحید) کی جانب دانائی اور دلنشیں وعظ کے ذریعہ اور (معاندوں کو) الزام دو اُس طریق سے جو بہتر ہو۔ بے شک وہ (تیرا رب) خوب اچھی طرح جانتا ہے ان لوگوں کو جو اس کے راستہ سے بھٹک چکے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔

اس حکم پر اللہ کے رسول نے کس طرح عمل کیا؟ قرآن کریم بتلاتا ہے:

۱۔ اِنَّمَآ اَعِظُکُمْ بِوَاحِدَۃٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰی وَفُرَادٰی ثُمَّ تَتَفَکَّرُوْا مَا بِصَاحِبِکُمْ مِّنْ جِنَّۃٍ اِنْ ھُوَ اِلَّا نَذِیْرٌ لَّکُمْ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ۔ (سورہ سبا، ع ۶، آیت ۴۶)

اس کے سوا نہیں کہ میں تم کو ایک ہی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لئے دو دو اور ایک ایک (یعنے اجتماعی طور پر یا انفرادی طور پر) کھڑے ہو جاؤ، پھر غور کرو تمہارے رفیق (نبی) کو سودا تو نہیں ہے؟ وہ تو صرف ایک شدید عذاب (کا وقت آنے) سے پہلے تم کو خبردار کرنے والا ہے۔

۲۔ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَھْلَکَنِیَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا فَمَنْ یُّجِیْرُ الْکٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ (سورہ الملک، ع ۲، آیت ۲۸)

ذرا مجھے بتلاؤ اگر مجھ کو اور جو میرے ساتھ ہیں ان کو اللہ ہلاک کردے یا ہم پر رحم فرمائے (اُس کی مرضی) تو منکروں کو دردناک عذاب سے کون بچائے گا؟ (یعنی میری فکر مت کرو اپنی خبر لو)

اور اسی قسم کی مثالیں بکثرت قرآن عظیم میں موجود ہیں۔

۳ - قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی ﷻ نے ارشاد فرمایا:

تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ (سورۃ المائدہ ع، آیت ۲)

ایک دوسرے کی مدد کیا کرو نیکی اور پرہیزگاری پر اور ایک دوسرے کی مدد ہرگز نہ کیا کرو گناہ اور ظلم پر اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔

تشریح | تعاون کے معنی ہیں ایک دوسرے کی مدد کرنا یہ بھی عملی دعوت اور بلاوا ہے۔

آیتِ کریمہ میں بِر وتقوٰی پر اس بُلاوا دینے کا حکم فرمایا ہے یعنی تمہیں ہمیشہ داعی اِلی الخیر ہونا چاہیئے اور گناہ وظلم پر دعوت اور بلاوا دینے سے منع فرمایا ہے یعنی تمہیں داعی اِلی الشر ہرگز نہ ہونا چاہیئے۔

۴۔ قَالَ اللّٰہ تَعَالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے:۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ (سورۃ آل عمران)

اور چاہیئے کہ تم میں ایک جماعت ہو جو (لوگوں کو) خیر کی طرف دعوت دے (یعنی بھلائی کی باتیں تبلائے) اور بُری باتوں سے منع کرے اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔

تشریح

اس آیتِ کریمہ میں قولاً دعوتِ اِلی الخیر کا حکم فرمایا ہے اور دعوتِ اِلی الشر سے منع فرمایا ہے۔ بہرحال ان دونوں آیتوں میں مسلمانوں کو دعوت اور بلاوے کا حکم مذکور ہے اسی بنا پر امام نووی رحمہ اللہ ان دونوں آیتوں کو اس باب کے تحت لائے ہیں۔

احادیث اور اُن کی تشریح

کسی کو نیک کام کی راہ تبلانا بھی ثواب کا موجب ہے

پہلی حدیث (۱/۱۷۴)

حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے نیک کام کی راہ (کسی کو) تبلائی اس کو اس نیک کام کرنے والے کی مانند اجر ملے گا۔ مسلم

تشریح

اس لئے کہ یہ تبلانا بھی ایک نیک کام اور موجبِ ثوابِ عمل ہے جیسے اس نیک کام پر عمل کرنے والوں کا عمل ان کے لئے موجبِ ثواب ہے اور ظاہر ہے کہ "یہ تبلانا" دعوت دینے کے معنیٰ میں ہے اس لئے حدیث باب کے مطابق ہے۔

جس طرح نیکی کی طرف دعوت دینے والا عمل کرنیوالوں کے ثواب میں شریک ہے، اسی طرح بدی کی طرف دعوت دینے والا عمل کرنیوالے کے عذاب میں شریک ہے

دوسری حدیث (۲/۱۷۵)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس نے ہدایت کی جانب (لوگوں کو) دعوت دی اس کو ان تمام لوگوں کے ثواب کے مانند ثواب ملے گا، جنہوں نے اس کی پیروی کی۔ اِس ثواب دینے سے اُن پیروی کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی اور جس نے گمراہی کی جانب (لوگوں کو) دعوت دی اور بلایا اس پر ان تمام لوگوں کے گناہوں کے مانند گناہ اور عذاب ہوگا، جنہوں نے اس کی پیروی کی۔ اِس عذاب سے پیروی کرنے والوں کے گناہ اور عذاب میں مطلق کمی نہ ہوگی۔ صحیح مسلم

تشریح

پہلی حدیث میں صرف دعوت اِلَی الخَیْر کا حکم مذکور تھا اس حدیث میں دعوت اِلَی الخَیر اور دعوت اِلَی الشَّر دونوں کا حکم مذکور ہے۔ اسی لئے امام نووی پہلی حدیث کے بعد اس حدیث کو لائے ہیں

اسلامی جہاد (کافروں سے لڑائی) کا مقصد ایک کافر بھی اگر بغیر لڑے بھڑے مسلمان ہو جائے تو یہ زیادہ سے زیادہ مال غنیمت سے بہتر ہے

تیسری حدیث (۳/۱۷۵)

حضرت ابوالعباس سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر میں (ایک دن) فرمایا: میں کل (اسلامی) جھنڈا ایسے شخص کو دونگا جس کے ہاتھ پر (خیبر) فتح ہوگا یہ (خوش خبری) سن کر تمام لوگوں نے سخت اضطراب اور چہ میگوئیوں میں رات گذاری (کہ دیکھئے کس خوش نصیب کو جھنڈا ملتا ہے) جب صبح ہوئی تو (امیدوار) صحابہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر شخص امید کرتا تھا کہ جھنڈا اس کو دیا جائیگا تو آپ نے فرمایا، علی بن ابی طالب کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض: وہ بیمار ہیں

اُن کی آنکھیں دُکھ رہی ہیں (اسی لئے وہ آئے نہیں) آپ نے فرمایا: اُن کے پاس کسی کو بھیجو (بلا لائے) تو حضرت علی کو (ہاتھ پکڑ کر) لایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے (اُن کی آنکھوں میں اپنا لعابِ دہن ڈالا اور دُعا فرمائی تو وہ ایسے اچھے ہو گئے جیسے ان کی آنکھوں میں درد تھا ہی نہیں، پھر ان کو جھنڈا دیا تو (اس پر) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، کیا میں ان سے برابر جنگ کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ ہماری طرح مسلمان ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا تم اسی وقت (مجاہدوں کو ساتھ لے کر) روانہ ہو جاؤ یہاں تک کہ تم اُن کے میدان میں جا اُترو۔ جنگ کرنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو اور اسلام کی رُو سے جو اللہ کے حقوق ان پر واجب ہیں اُن سے آگاہ کرو۔ پس (اے علی) خدا کی قسم (اگر) اللہ نے ان میں سے ایک آدمی کو بھی تمہارے ذریعہ ہدایت فرما دی تو یہ تمہارے حق میں سرخ اونٹنیوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ بخاری و مسلم

امام نووی رحمہ اللہ مشکل الفاظ کے معنی اور تلفظ بتلاتے ہیں یَدُوْکُوْنَ کے معنی ہیں غور کرتے رہے اور آپس میں باتیں کرتے رہے عَلٰی رِسْلِكَ، رَسْل زبر اور زیر دونوں کے ساتھ آتا ہے لیکن زبر کے ساتھ زیادہ فصیح ہے۔

تشریح اہلِ خیبر کو اسلام کی دعوت پہنچ چکی تھی شرعی قاعدہ کے اعتبار سے اُن کو دعوت دینے کی ضرورت نہ تھی اس کے باوجود رسول ﷺ نے حضرت علی کو اسلام کی دعوت دینے کا حکم دینا صرف یہ بتلانے کے لئے تھا کہ اگر بغیر لڑے بھڑے تمہاری دعوت پر ایک شخص بھی اسلام قبول کر لے تو یہ تمہاری انتہائی سعادت ہے اور سرخ اونٹنیوں سے (جو عرب میں بہت قیمتی مال سمجھا جاتا تھا) بدرجہا زیادہ قیمتی سرمایہ ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ حضرت علی انتہائی جنگجو اور کفار سے جنگ کرنے کے لئے بےچین تھے۔ آپ کو یقین تھا کہ یہ جاتے ہی جنگ شروع کر دیں گے اور خون کی ندیاں بہا دیں گے اس لئے ان کو یہ بتلانے کے لئے کہ اسلام کا مقصد صرف خون ریزی نہیں ہے، بلکہ

اسلام قبول کرنے پر آمادہ کرنا ہے اگر بغیر لڑے بھڑے ہی وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں تو سبحان اللہ ہاں اگر وہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہی نہ ہوں اور کفر پر اَڑے رہیں تو بدرجہ مجبوری ایسے سرکشوں سے نمٹنے کا واحد راستہ جنگ ہے تاکہ اللہ جل شانہ کی زمین کفر و شرک کے فتنے سے پاک ہو جائے۔

چنانچہ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ — اور ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ (کفر و شرک) باقی نہ رہے اور اطاعت اللہ جل شانہ کے لئے ہو جائے۔

یہی اسلامی جہاد کا مقصد ہے (یعنی اسلامی احکام مان لیں) اس کی دلیل یہ ہے کہ غیر مسلم اسلامی ملک میں "جزیہ" دے کر رہ سکتے ہیں۔

کسی بھی نیک کام کے انجام دینے میں کوتاہی نہ کرنا۔
خود نہ کر سکے تو سفارش کرنا بھی کار خیر ہے

چوتھی حدیث

(۴/۱۷۷)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلہ اسلم کے ایک نوجوان نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں لیکن میرے پاس اتنا مال نہیں ہے کہ میں سامانِ جنگ مہیا کر سکوں تو آپ نے فرمایا: تم فلاں شخص کے پاس جاؤ اس نے سامانِ جنگ تیار کیا تھا مگر وہ بیمار ہو گیا (اس لئے نہیں جا رہا) تو وہ نوجوان اس شخص کے پاس آیا اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں سلام کہا ہے اور فرمایا ہے: تم نے جو سامان جہاد کے لئے تیار کیا تھا وہ مجھے دیدو (میں جہاد میں جا رہا ہوں اور میرے پاس سامانِ جنگ مطلق نہیں ہے) تو اس شخص نے اپنی بیوی کا نام لے کر کہا: اے فلانی جو سامان میں نے لڑائی کے لئے تیار کیا تھا وہ سب کا سب ان کو دے دے اس میں سے کوئی چیز بھی مت رکھیو اسلئے کہ جو چیز بھی تو نے اس میں سے روکی (اور نہ دی) تو خدا کی قسم اس میں تیرے لئے کوئی خیر و برکت نہ ہوگی۔ صحیح مسلم

تشریح

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی تعمیل تمام قیمتی سامان دیدینے کی تاکید کے ساتھ اس اہمیت کا اظہار ہوتا ہے جو صحابہ کرام آپ کے حکم کی تعمیل میں کیا کرتے تھے۔ عورتیں طبعاً بخیل ہوتی ہیں قیمتی سامان دینے میں بخل سے کام لیتی اور زیادہ قیمتی چیز روک لیا کرتی ہیں اس لئے بیوی کو خطاب کرکے کہتا ہے اگر تونے کوئی ذراسی چیز روکی اور نہ دی تو یاد رکھ اس میں خیر و برکت مطلق نہ ہوگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بے سر و سامان غازی کی سفارش کرنا اور اس کو معذور مجاہد کے پاس بھیجنا یقیناً دعوت الی الخیر کا مصداق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی شخص کو بھی کارِ خیر کے لئے اسی طرح دعوت دینا دعوتِ الی الخیر کا مصداق ہے جل جلالہ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائیں۔ اسی پر قیاس کرکے کہا جاسکتا ہے کہ کسی برے کام کے لئے کہنا دعوت الی الشر ہے جل شانہ ہمیں اس سے محفوظ اور اپنی پناہ میں رکھیں اسی لئے امام نووی علیہ الرحمۃ اس حدیث کو اس باب میں لائے ہیں۔

ہر دو ابواب میں فرق انیسویں اور بیسویں باب میں بظاہر فرق نہیں محسوس ہوتا اور بلا ضرورت تکرار کا شبہ ہوتا ہے لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو دونوں ابواب میں نمایاں فرق ہے۔ پہلا باب ان لوگوں سے متعلق ہے جو کسی نئے اچھے یا برے کام کی بنا ڈالیں اور اس کو جاری کریں اور لوگ بغیر کہے اس اچھے یا برے راستہ پر چلنا شروع کردیں اور دوسرا باب ان لوگوں سے متعلق ہے۔ جو بذاتِ خود قصداً ہدایت یا گمراہی کی طرف لوگوں کو دعوت دیں اور بلائیں جیسا کہ احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔